فہم دین

جلد چہارم

مفتی مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز

5,6- مرکز الاویس، داتا دربار مارکیٹ، شیخ ہندی سٹریٹ، لاہور

042-37115771, 0321-9407699.0315-9407699

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (سورۃ التوبہ:۱۲۲)

اسلام کی آفاقی تعلیمات سے عوام کو روشناس کروانے کے لیے

فہمِ دین

جلد چہارم

مولانا مفتی ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراطِ مستقیم پبلیکیشنز
5,6۔ مرکز الاولیس داتا دربار مارکیٹ، شیخ ہجویری سٹریٹ، لاہور
042-7115771, 0333-8173830, 0321-9407699

نام کتاب ——— فہم دین (جلد چہارم)

ازقلم ——— ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی

مرتب ——— مولانا محمد عبدالکریم جلالی (فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور)

پروف ریڈنگ ——— محمد نعیم اللہ خان قادری (بی ایس سی، بی، ایڈ، ایم اے اُردو، پنجابی، تاریخ)

باہتمام ——— شیخ محمد سرور اویسی، محمد آصف علی جلالی

تعداد ——— 1100

صفحات ——— 480

ہدیہ ——— 350

ملنے کے پتے

- صراط مستقیم پبلی کیشنز ○ کتب خانہ امام احمد رضا
- کرمانوالہ بک شاپ ○ قادری رضوی کتب خانہ لاہور
- مکتبہ بہار شریعت قادریہ دربار مارکیٹ لاہور
- نظامیہ کتاب گھر اُردو بازار لاہور ○ مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور
- مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
- مکتبہ غوثیہ کراچی ○ مکتبہ برکاتہ المدینہ (کراچی)
- مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ ○ احمد بک کارپوریشن راولپنڈی
- مکتبہ ضیاء السنہ ملتان ○ فیضان سنت بوہڑ گیٹ ملتان
- جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ (بھکھی شریف منڈی بہاؤالدین)
- جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور ○ زاویہ پبلی کیشنز، لاہور
- جلالیہ صراط مستقیم گجرات ○ رضا بک شاپ گجرات
- اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک ○ نوریہ رضویہ فیصل آباد
- اویسی بک سٹال [illegible] 0333-8173630

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین

شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب

ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہمِ دین کے عنوان سے شائع شدہ شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی دامت برکاتھم العالیہ کے 26 دروس پر مشتمل خوبصورت دو جلدیں بدست عزیزم قاری محمد طاہر عزیز باروی زیر مجدہ باصرہ نواز ہوئیں۔ جس کے مطالعہ سے آنکھیں ٹھنڈی، دماغ معطر اور دل مطمئن ہوا موصوف کے یہ دروس اعتقادی، کلامی، اصلاحی، معاشرتی و تاریخی موضوعات پر دلائل و براہین سے مزین فصاحت و بلاغت کا مرقع ہیں۔

اور عوام وخواص کیلئے یکساں مفید ونافع ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو رب ذوالجلال نے علم راسخ، فہم کامل، نظر بالغ، فکر صائب، مزاج متواضع، قلم سیال جیسی متعدد خوبیوں سے مالا مال فرمایا ہے ایسا لگتا ہے کہ آپکے مرشد و شیخ جنیدِ زماں، حافظ الحدیث امام العصر حضرت پیر سید محمد جلال الدین شاہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خصوصی روحانی تصرف آپ پر سایہ فگن ہے۔ آپ بحر تحقیق وتدقیق کے سباح اور بادیہ تصنیف وتالیف کے سیاح ہونے کے ساتھ ساتھ میدان خطابت وتقریر کے سباق بھی ہیں۔ آپکے خطابات انتہائی پرمغز اور مقتضائے حال ومقتضائے وقت کے عین مطابق ہوتے ہیں، اندازِ بیان اور اسلوب تفہیم انتہائی سلیس وموثر ہوتا ہے۔

جس کی جھلک پیش نظر دروس میں نمایاں طور پر دکھائی دے رہی ہے آپ ابھی نوجوان ہیں مختلف میدانوں میں آپکی فتوحات اور کامرانیوں کا سلسلہ سرعت رفتاری سے جاری وساری ہے۔

اہلسنت و جماعت کو آپکی ذات والا صفات سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں اللہ عزوجل آپکی فراوانی علم اور جولانی خطابت میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

حررہٗ

حافظ محمد عبدالستار سعیدی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فخر المشائخ حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری

سجادہ نشین درگاہ عالیہ شرقپور شریف

اسلام ایک جامع، روشن، محفوظ اور علم وبصیرت پر مبنی عالمی اور آفاقی دین فطرت ہے اور قیامت تک آنیوالی نسل انسانی کیلئے کامل ضابطہ ہدایت ہے قرآن حکیم جس کا آغاز آیات علم سے ہوا ہزاروں علوم کا سرچشمہ اور مخزن ہے چونکہ علم ایک بحر ذخار ہے ظاہر ہے کہ پورے علم کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے لیکن اتنا علم حاصل کرنا ضروری اور لازم ہے جو ضروریات دین کے تقاضوں کو پورا کرے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے یہ زریں اصول عطا کیا کہ صاحب استعداد لوگ دین کی سمجھ پہلے خود حاصل کریں اور بعد ازاں دین کی حقانیت، نورانیت اور افادیت اور اس پر عمل پیرا ہونے کے صحیح طریقہ کار سے روشناس کرائیں۔

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی تبریک وتحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے رمضان المبارک 1426ھ کے برکتوں رحمتوں والے مہینے میں "درس قرآن کا اہتمام کر کے 26 مجالس میں مختلف عنوانات پر خطاب فرمایا جو "فہم دین کورس" کے نام سے دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی کو اللہ تعالیٰ نے علوم دینیہ اور علوم جدیدہ کا حسین امتزاج بنایا ہے۔ انہوں نے ایک طرف تو ملک کے

نہایت ممتاز اور عظیم علماء سے مکمل درس نظامی کی سبقا سبقا تعلیم حاصل کی ہے اور دوسری طرف پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے علاوہ بلاد عربیہ اسلامیہ میں بھی علوم دینیہ اور عربی زبان وادب میں خصوصی مہارت اور دسترس حاصل کی ہے۔

مولف نے اپنے منفرد اسلوب میں عقائد حقہ، اہلسنت وجماعت کو قرآن حکیم اور رسول کریم ﷺ کے ارشادات گرامی کی روشنی میں مدلل طور پر ثابت کرنے اور ان کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ زیر نظر کتاب محض واعظ ونصیحت ہی نہیں بلکہ مولف کا مقصد اسلامی معاشرے کی اصلاح اور اسے ممکنہ حد تک صحت مند بنیادوں پر استوار کرنا ہے مولف نے نہ صرف پاکستان کے حالات پر طائرانہ نظر ڈالی ہے بلکہ عالم اسلام اور حالات حاضرہ کا فکر انگیز تجزیہ کیا ہے

چند عنوانات سے ان کے اصلاحی اور تربیتی تپش کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

۱۔ محبت الٰہی اور اس کی چاشنی ۲۔ منصب نبوت اور عقیدہ مومن

۳۔ محاسبہ نفس اور اس کا طریقہ کار ۴۔ گھر کا اسلامی ماحول

۵۔ اوقات اور مصروفیات کا شرعی توازن ۶۔ جنتی آنکھ

۷۔ اسلام کو درپیش چیلنجز کا ادراک اور ان کا حل ۸۔ مومن کا مقصد حیات

مولف کے دل کی دھڑکنوں اور ان کی دینی تڑپ پر مبنی ان کے دلی جذبات کی عکاسی ان کے اپنے اشعار سے ہدیہ قارئین ہے۔

نوید رسالت کا نعرہ دنیا میں لگانے نکلے ہیں ۔ فاران کی چوٹی کا نغمہ گھر گھر پہنچانے نکلے ہیں
اپنا تو یہ جذبہ ہے آصف ہر سانس میں سعی پیہم ہو ۔ نہ تھکنے تھکانے نکلے ہیں نہ سونے سلانے نکلے ہیں

بارگاہ صمدیت میں دعا ہے کہ رب کریم اپنے فضل عمیم سے ان کی علمی کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور بہترین جزا سے نوازے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

دعا گو

میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ شیر ربانی شرقپور شریف

کاشانہ ربانی مکان نمبر 15 اجمیری سٹریٹ ہجویری محلہ دربار داتا گنج بخش

لاہور فون نمبر 042-7313356,0300-424381

حوزہ نقشبندیہ

E.mail:houza.e.naqshbandiah@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
1

احادیث ختم نبوت

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَامُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ
اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

ہمیں ہے جان سے پیارا نشان ختم نبوت کا
اٹھو گھر گھر میں پہنچا دو بیان ختم نبوت کا
ملائک کی جماعتیں روز و شب واں پہ اترتی ہیں
ذکر جاری ہمیشہ ہے جہاں ختم نبوت کا

تھے جتنے بھی نبی دیگر نبوت ان کی وقتی تھی
مگر ہے حشر تک سارا زماں ختم نبوت کا

یہ نعرہ ہے امیر المؤمنیں صدیق اکبر کا
کرو اپنے لہو سے بھی دھیاں ختم نبوت کا

مٹا دو زور بازو سے کفر ہر قادیانی کا
یمامہ سے اٹھالو ہر سناں ختم نبوت کا

دیا ختم نبوت پہ رضا کے علم نے پہرہ
بنا ان کا قلم بھی ترجماں ختم نبوت کا

بنا کلک رضا ہر اس کمینے کے لئے خنجر
ہے جس نے بھی کیا کوئی زیاں ختم نبوت کا

انوکھی شان اس فن میں کیا مہر علی کی ہے
کیا جس نے عقیدت سے بیاں ختم نبوت کا

الٰہی شاہ نورانی کی قبر پہ رحمتیں برسیں
بنایا جس نے پورا کارواں ختم نبوت کا

سنو جتنے بھی یاں ختم نبوت کے فدائی ہوں
رہے یہ قافلہ ہردم رواں ختم نبوت کا

دبانے کو زمانے میں گلہ ہر قادیانی کا
لگائے نعرہ ہر پیر و جواں ختم نبوت کا

خداوندا مدینے کے چمکتے چاند کا صدقہ
بنا دے آصف کو حسان ختم نبوت کا

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین سامعین وناظرین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراطِ مستقیم کی خوشبو اور مہک کے دوران آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

احادیث ختم نبوت

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خالق کائنات نے ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا ہے اور یہ روح ایمان ہے کہ کلمہ اسلام کی روشنی میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں۔

ختم نبوت ایمان کا اساسی حصہ ہے۔ ختم نبوت پر پورے دین کا ڈھانچہ قائم

ہے۔ختم نبوت دین متین کے گرد ایک قلعہ ہے۔ پورے دین کی تعلیمات کو محفوظ کرنے والا عقیدہ ختم نبوت کہلاتا ہے۔ سید عالم ﷺ کی جلوہ گری کے بعد اب کائنات میں کوئی شخص بھی بحیثیت نبی نہیں آسکتا۔ اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے گا کسی لحاظ سے بھی۔ خواہ وہ یہ کہے کہ میں ظلی ہوں میں بروزی ہوں، میں غیر تشریعی ہوں، جو بھی وہ کہے جب وہ نبوت کا مدعی بنے گا تو جھوٹا ہوگا، کذاب ہوگا، دجال ہوگا۔ اس سے برأت لازم ہے۔ اور اس کا رد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا یہ قطعی عقیدہ جس میں خاتم النبیین کا معنی زمانہ کے لحاظ سے آخری نبی ہونا ہے اس کو جہاں قرآن مجید برہان رشید میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے وہاں رسول اکرم ﷺ کے فرامین میں بھی بکثرت احادیث اس بارے میں موجود ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ سو احادیث ختم نبوت کے موضوع کو بیان کرتی ہیں اور بالمعنیٰ ہزاروں ایسی احادیث ہیں جن سے اس عقیدہ کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔

ہماری آج کی یہ مختصر نشست جس میں ہم چند احادیث اور وہ بھی مختصر تبصرہ کے ساتھ صرف متن حدیث اور اس کا ترجمہ پیش کریں گے اور تھوڑی سی تشریح کرتے ہوئے ہم اپنی گفتگو کو آگے بڑھائیں گے۔

میری دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے بالخصوص آج کا موضوع سنتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا

مشکوٰۃ شریف: ۳۵

''اے اللہ! وہ بندہ خوش رہے جس نے میری حدیث سنی، یاد کر لی، محفوظ کی اور آگے کسی کو سنا دی۔''

اس نیت سے میں حدیث کا متن بھی پڑھوں گا اور اس کی ٹرانسلیشن (Translation) بھی ساتھ کروں گا تا کہ سمجھ بھی آجائے اور ماحول بھی معطر رہے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو کبھی ہمارے محبوب علیہ السلام کی مقدس زبان سے صادر ہوئے تھے۔

احادیث ختم نبوت

ہم اس وقت تیس احادیث سے مسئلہ ختم نبوت کو ثابت کریں گے۔

پہلی حدیث: پہلی نبوتیں اور ختم نبوت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَهٗ یَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ

بخاری شریف: ج: ۳۵۳۵/۶ مسلم: رقم: ۲۲۸۶

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا

میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال یوں ہے جیسے کسی نے کوئی گھر بنایا ہو،

فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ

اس نے اپنا گھر نہایت ہی خوبصورت بنایا اس میں حسن بھی ہو جمال بھی ہو۔

فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ

کسی نے کوٹھی تیار کی اور نہایت ہی خوبصورت انداز سے اس کو تیار کیا

اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِّنْ زَاوِیَۃٍ

سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے جو ایک کونے میں ہے

فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَہٗ

دیکھنے والے اس مکان کو دیکھتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ کتنا خوبصورت محل ہے۔

یعنی لوگ اس محل کا چکر لگاتے ہیں، چاروں طرف سے دیکھتے ہیں، اس پہ نگاہ دوڑاتے ہیں اس کو دیکھتے ہیں تو بڑا تعجب کرتے ہیں، اس کی ہر طرف کو دیکھ کر ہر پہلو کو دیکھ کر، ہر سمت اور ہر زاویے کو دیکھ کر لوگوں کو بڑا تعجب ہوتا ہے اور اس کو پسند کرتے ہیں لیکن جب اس کونے پہ آتے ہیں جہاں ابھی جگہ خالی ہے، کہتے ہیں:

ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ ؟

یہاں اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟ کاش اس اینٹ کی جگہ بھی پوری ہوتی۔

اور پھر اس محل پر کسی کو کوئی انگلی اٹھانے کی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔ محل تو بڑا خوبصورت ہے اس میں حسن بھی ہے، جمال بھی ہے۔ اس میں رعب و دبدبہ، وقار

اور کمال ہے۔ بڑا جوبن اور نکھار ہے مگر ایک جگہ آ کے لوگ رک جاتے ہیں کہ یہاں اس جگہ کو اتنا خوبصورت محل بنا کے خالی کیوں رکھ دیا گیا۔ یہاں بھی اینٹ لگادی جاتی تو اس کا حسن مکمل ہو جاتا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فَاَنَا اللَّبِنَةُ

وہ چیز جو اس خالی جگہ کو مکمل کرنے والی ہے، وہ میں ہوں۔

پہلے نبوت کا کاشانہ تعمیر ہو چکا تھا۔ لوگ دیکھتے تھے، تعجب کرتے تھے، اس کے حسن و جمال پر رشک کرتے تھے مگر ایک جگہ آ کے ٹھہر جاتے تھے کہ کاش اس جگہ بھی تعمیر مکمل کردی جاتی تو یہ بڑا خوبصورت محل ہوتا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ جگہ جہاں ان کو کمی محسوس ہو رہی تھی کہ یہاں اینٹ لگ جاتی تو یہ مکمل ہوتا۔

اَنَا اللَّبِنَةُ

وہ اینٹ جس نے نبوت کے محل کو پورا کیا اس کو مکمل کیا وہ میں ہوں۔

وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ

اور میں خاتم النبیین ہوں کہ میں نے نبوت کے خوبصورت محل کو مکمل فرما دیا ہے۔

اب اس سے یہ بات بھی بڑی واضح ہوگئی۔ اگرچہ ہر نبی نبوت میں مستقل ہے اور ان کا صرف زمانہ نبوت گزرا پھر دوسرا نبی آگیا لیکن صفت نبوت ان کی اب بھی برقرار ہے۔ یعنی اب یہ نہیں ہے کہ وہ نبی کالعدم ہو چکے ہوں کہ ان کو نبی نہ کہا جائے۔

وہ نبی ہیں مگر ان کی نبوت کا زمانہ گزر چکا ہے اور اب ہمیشہ کے لئے جو نبوت کا زمانہ ہے وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس

وقت آئیں گے، وہ ہمارے محبوب ﷺ کی نبوت کا پرچار کرنے کے لئے تشریف لائیں گے۔

اب یہاں پر وہ سارا بنگلہ اور کاشانہ بنا ہوا ہے۔ حسن اس میں بہت ہے مگر پھر بھی ایک جگہ پہ لوگ آ کے رک جاتے ہیں اور جب ہمارے محبوب ﷺ کی جلوہ گری ہوگئی ہے وہ جگہ بھی بھر گئی ہے تو پتہ چلا آپ نے اپنی نبوت کے لحاظ سے ایک کام مکمل ہی نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کی نبوت وہ نبوت ہے کہ جس نے پہلی ساری نبوتوں کے حسن میں بھی اضافہ کیا ہے اور وہ کوٹھی اور بنگلہ اور کاشانہ جس میں ہر نبی نبوت میں مستقل ہے، ان میں سے کوئی نبی بھی نبوت کے لحاظ سے غیر مستقل نہیں ہے۔ ان کی نبوت اپنی اپنی ہے مگر ان کی نبوت کو بھی ایک رنگ، ایک جمال مزید جو عطا فرمایا ہے۔ وہ ہمارے محبوب ﷺ کی نبوت نے عطا فرمایا ہے۔

دوسری حدیث شریف

انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اور ختم نبوت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَھُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ

مسلم شریف: ۱۱۹/۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ارشاد

فرماتے ہیں:

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ

چھ چیزوں کی بنیاد پر مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی۔

مطلب کیا کہ وہ چھ صرف مجھ میں ہیں، میرے سوا کسی پیغمبر میں نہیں۔

قرآن مجید ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ

سارے رسول رسالت میں برابر ہیں مگر درجات میں فرق ضرور ہے تو اس بنیاد پر ہمارے محبوب ﷺ فرمانے لگے کہ میرے رب نے مجھے چھ چیزیں ایسی دی ہیں اور یہ چھ آخری حد نہیں بلکہ اور بھی ایسے فضائل ہیں کہ جو ہمارے محبوب ﷺ میں ہیں اور کسی نبی میں نہیں ہیں۔ تو چھ کا ذکر کرتے ہوئے محبوب ﷺ نے فرمایا:

نمبر 1-

أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ

مجھے جامع کلمات دیئے گئے۔

مجھے میرے رب نے گفتگو کا جو انداز دیا ہے وہ بھی تمام انبیاء سے مختلف ہے۔ یعنی سب سے فضیلت والا ہے۔ حالانکہ ہر نبی کی نبوت کی امتیازی شان خطابت ہے کہ انبیاء اپنے وقت کے سب سے بہترین خطیب بھی ہوتے تھے۔ چونکہ انہوں نے مجمع کو سمجھانا ہوتا تھا، لوگوں تک بات کو پہچانا ہوتا تھا۔ اگر زبان صحیح نہ چلتی ہو اور مافی الضمیر صحیح بیان نہ ہوسکتا ہو تو پھر نبوت کی ڈیوٹی پوری نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے تمام انبیاء علیہم السلام کو

اللہ تعالیٰ نے تکلم اور نطق کی بہترین صلاحیتیں عطا فرما رکھی تھیں۔

لیکن ان سب میں سے جن کو نرالی خطابت عطا فرمائی ہے وہ حضرت آمنہ کے لعل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے میرے رب نے منفرد انداز گفتگو دیا ہے کہ میں جامع کلمات بولتا ہوں۔

میں بولوں تو لفظ تھوڑے سے ہوتے ہیں مگر ان کے معانی کا سمندر طلاطم میں ہوتا ہے۔ اور دور دور تک ان کے معانی کا سلسلہ پھیل جاتا ہے۔ میرے رب نے مجھے تھوڑے وقت میں زیادہ فائدہ پہنچانے والی گفتگو کا طریقہ عطا فرمایا ہے۔

نمبر 2-

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ

میری رعب سے مدد کی گئی ہے۔

میری دوسری خصوصیت جو میرے رب نے صرف مجھے عطا کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے میری مدد رعب سے کی ہے۔ مجھے جا کے اپنے دشمنوں کو مار کے منوانا نہیں پڑتا کہ میری تلوار ان کی گردن تک پہنچے تو پھر میرا ڈر آئے۔ فرمایا میرا ڈر اتنا ہے۔

مَسِيْرَةَ شَهْرٍ

ایک مہینہ دور بیٹھا ہوا میرا دشمن یوں کانپتا ہے جیسے میری تلوار کے نیچے آ چکا ہو۔

رب ذوالجلال نے مجھے منفرد رعب دیا ہے کہ میرے رعب کی دھاک بیٹھ گئی ہے، دور دور تک میرا رعب چلتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے میری مدد رعب سے فرمادی ہے۔

نمبر 3-

اُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ

میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے میرے لئے غنیمتیں حلال کر دیں۔ پہلی امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہیں ہوتا تھا اس کو اکٹھا کرتے تھے آگ آتی تھی جلا جاتی تھی۔ یہ اس کا مصرف تھا۔ فرمایا:

میری امت کے لئے غنیمت حلال ہے۔ کافروں سے لڑیں گے جو مال آئے گا اس کو تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے باقاعدہ حصے بنا دیئے۔

اتنا مال بیت المال کا ہے، اتنا فلاں کا ہے۔ فرمایا:

رب نے مجھے یہ شان دی ہے۔ میرے رب نے غنیمتوں کو حلال فرما دیا ہے۔

نمبر 4-

جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطُهُوْرًا

میرے لئے زمین کو مسجد اور طہور بنا دیا گیا۔

یعنی میرے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا۔ جہاں بھی میرے امتی کا جی چاہے گا، یہ نہیں ہوگا کہ اس پر پابندی ہو کہ تم ہزار میل سفر کر کے مسجد میں پہنچو تو پھر تمہارا سجدہ قبول ہوگا۔ نہیں،

یعنی ہم نے جب سے قدم رکھا ہے، ساری زمین مسجد بن گئی ہے، پاک ہو گئی ہے۔ اور طہور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین صرف پاک ہی نہیں بلکہ پاک

کرنے والی بھی ہے۔ اگر تمہیں پانی نہ ملے اور وضو یا غسل کی حاجت ہو۔ فرمایا تم اس پر ہاتھ مار کر چہرے پہ مل لو گے تو یہ تمہارے بدن کو پاکی بھی عطا کردے گی۔ میرے لئے زمین کو پاک کر دیا گیا ہے۔

نمبر 5-

اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّةً

مجھے ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کے بھیجا گیا ہے۔

میں سب کا نبی ہوں۔ باقی پیغمبر ایک ہی قوم کے لئے ہوتے تھے اور میں صرف انسانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ جمیع خلق کا اور مخلوق کا نبی بنا کے بھیجا گیا ہوں۔

نمبر 6-

وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ

مجھے نبیوں کا خاتم بنایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے ختم نبوت کا تاج پہنایا ہے۔ مجھ پہ نبوت کا سلسلہ آ کے بند ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے خاتم النبیین بنایا ہے۔

تیسری حدیث شریف

میدان حشر اور ختم نبوت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِیْ قِصَّةِ الْعَرْضِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَفَزَعَ النَّاسُ اِلَی الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ فَيَقُوْلُ عِيسىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ اِذْهَبُوْا اِلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ فَيَاْتُوْنَ مُحَمَّدًا ﷺ
يَقُوْلُوْنَ يَا مُحَمَّدُ ﷺ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ

بخاری شریف: ح: ۴۷۱۲ مسلم شریف: ۱۹۴/۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس حدیث میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہونے کا منظر پیش کیا جارہا ہے کہ جس وقت لوگ مختلف انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے ہماری سفارش کرو اس وقت مشکلات بڑی ہیں، حشر کی گرمی بڑی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے کوئی سہولت لے کر دو، ہماری اللہ کے دربار میں کوئی سفارش کرو۔ سارے انبیاء علیہم السلام کا جواب یہ ہوگا۔

اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ

کسی اور کے پاس جاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں ان کے پاس جاؤ وہ تمہاری سفارش کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے نہیں نہیں میں نہیں کرسکتا۔ وہ اور دروازہ دکھائیں گے۔ یہ صورتحال جس وقت رسول اکرم ﷺ نے اپنی حدیث شریف میں بیان کی۔ فرمایا: سارے لوگ بڑے گھبرا چکے ہوں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ان کو ہر دروازے سے واپس موڑا جاچکا ہوگا ایسے میں جب ان کو کوئی سہارا نظر نہیں آئے گا

تو سارے اکٹھے میرے دربار میں پہنچ جائیں گے۔ سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ

میں حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار ہوں۔

فَیَقُوْلُ عِیْسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام

جب لوگ چلتے چلتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے۔ تو وہ کہیں گے:

اِذْھَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ اِذْھَبُوْا اِلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ

تم کسی اور کی طرف چلے جاؤ، تم حضرت محمد ﷺ کے پاس چلے جاؤ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے اے لوگو! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری مدد کردی جائے تو پھر حضرت محمد مصطفی ﷺ کے پاس چلے جاؤ۔ وہ جو کہیں گے اللہ ان کی بات کو مان لے گا۔ رسول اکرم ﷺ خود فرماتے ہیں:

فَیَاْتُوْنَ مُحَمَّدًا ﷺ

وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے۔

اور کیا کہیں گے:

یَقُوْلُوْنَ یَا مُحَمَّدُ ﷺ

وہ کہیں گے یا محمد ﷺ

اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ

اے محبوب ﷺ آپ اللہ کے رسول بھی ہیں اور آخری نبی بھی ہیں۔

سارے ہمیں اور کے دروازے پہ بھیجتے رہے۔ اب آپ کے بعد تو کوئی اور

ہے ہی نہیں۔ ہم تمہارے پاس آ گئے ہیں، آپ ﷺ آخری ہیں۔ ساری امتوں کے لوگ اکٹھے ہو کے اس بات کو پہچانے ہوئے ہیں کہ یہ آخری سہارا ہیں، آخری در ہے اور یہاں کی بات ضرور مانی جائے گی۔

اب یہ عقیدہ ختم نبوت والا عقیدہ وہ عقیدہ ہے کہ اس میں دنیا کے اندر ہی نہیں برزخ اور حشر میں بھی جب کسی کا کوئی سہارا نہیں بن رہا ہوگا۔ اس وقت ختم نبوت کا عقیدہ سہارا بنے گا۔ اور جس وقت رسول اکرم ﷺ کو آواز دیں گے، ندا دیں گے، پکاریں گے تو وہ خاتم الانبیاء کہہ کر پکاریں گے۔ تو سرکار ﷺ فرمائیں گے:

اَنَالَهَا

میں شفاعت کے لئے ہوں

انا لھا کہہ کے عاصیوں کو لیں گے آغوش مرحمت میں
عزیز اکلوتا جیسے ماں کو نبی کو اپنا غلام ہوگا
ادھر وہ گرتوں کو تھام لیں گے ادھر پیاسوں کو جام دیں گے
صراط و میزان حوض کوثر یہی وہ عالی مقام ہوگا
گنہگاروں کا روز محشر شفیع خیر الانام ہوگا
دلہن شفاعت بنے گی دولہا نبی علیہ السلام ہوگا

چوتھی حدیث شریف مبشرات اور ختم نبوت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہِ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنَّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ قَالَ فَشَقَّ

ذَالِكَ عَلَى النَّاسِ قَالَ وَلٰكِنَّ الْمُبَشِّرَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ
وَمَاالْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ رُؤْيَا الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ

ترمذی شریف: ح: ۲۲۷۲

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، فرمانے لگے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ

رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ

بے شک رسالت ونبوت ختم ہوگئی ہے۔

یعنی میرے بعد نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول آئے گا۔ دونوں چیزیں ختم ہوگئیں ہیں مجھ پر دروازہ بند ہوگیا ہے۔ نبوت ورسالت کے خاتمے کا جس وقت آپ ﷺ نے اعلان کیا تو ساتھ یہ الفاظ بولے۔

فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ

نہ میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ ہی نبی ہوگا۔

نبوت کا دروازہ بھی بند رسالت کا دروازہ بھی بند اور واضح لفظوں میں ان قادیانی شریروں کے لئے یہ الفاظ قابل غور ہیں جو گنجائش نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ خاتم النبیین کہا جاتا ہے، خاتم المرسلین نہیں کہا جاتا۔ کوئی نبی نہیں ہوسکتا تو کوئی رسول ہوسکتا ہے۔

اللہ نے خاتم النبیین کہہ کر اس کے سارے احتمالات کو ختم کردیا کیونکہ جو

رسول ہوتا ہے وہ نبی ضرور ہوتا ہے تو جب ان کے بعد نبی نہیں ہوسکتا تو رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے واضح طور پر الفاظ میں بھی کہہ دیا۔ فرمایا، اللہ نے دروازہ بند کر دیا ہے۔

فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ

میرے بعد کوئی رسول بھی نہیں ہوسکتا اور میرے بعد کوئی نبی بھی نہیں ہوسکتا۔

وَلٰکِنَّ الْمُبَشِّرَاتِ

نبوت کا دروازہ تو بند ہو گیا ہے مگر مبشرات کا دروازہ کھلا ہے۔

تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ:

وَمَا الْمُبَشِّرَاتِ

مبشرات کیا چیز ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ نبوت تو بند ہے لیکن مبشرات سے تمہیں فیض پہنچتا رہے گا۔ تو میرے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رُؤْيَا الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ

ایک مسلمان کا خواب۔

یہ سلسلہ بعد میں بھی برقرار رہے گا۔

وَهِيَ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ

سچا خواب نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے

الہامات کا سلسلہ اولیاء کے لئے ہوسکتا ہے اور ایک سلسلہ عامۃ المومنین کے لئے بھی باقی رہے گا مبشرات کی شکل میں۔

خواب کو بحیثیت شرع حجت تو نہیں بنایا جا سکتا لیکن جس بندے کو آتا ہے اس کے لحاظ سے اس میں کئی بہتریاں اور اشارات ایسے ہو سکتے ہیں جس سے اس کے کئی مسائل حل ہو جائیں۔ تو میرے محبوب ﷺ نے اس حدیث میں واضح طور پر فرمادیا کہ نبوت ورسالت بالکل منقطع ہو چکی ہے اور میرے بعد نہ کوئی نبی ہوسکتا ہے اور نہ کوئی رسول ہوسکتا ہے۔

پانچویں حدیث شریف

انبیاء علیہم السلام کی سیاست اور ختم نبوت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

بخاری شریف: ح: ۳۴۵۵ مسلم شریف: ۱۸۴۲

اس حدیث کے راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ

بنی اسرائیل کی سیاست انکے انبیاء کرتے تھے۔

یہ لفظ سیاست عربی زبان کا ہے اور آپ کی حدیث سے اخذ ہے۔

سَاسَ یَسُوْسُ سِیَاسَةً

فرمایا بنی اسرائیل کی سیاست ان کے پیغمبر کرتے تھے۔ اب اس سے دیکھو کہ کتنا مقدس لفظ تھا، جس کو آج معاذ اللہ بگڑے ہوئے مفہوم میں لیا جاتا ہے۔ آج کہا جاتا ہے کہ یہ بندہ سیاسی نہیں یہ مذہبی ہے۔ یعنی سیاست کے لفظ کو ایک گالی بنا دیا گیا۔ اور مذہب سے اس کو جدا کر دیا گیا حالانکہ سیاست تو پیغمبرانہ شعبہ تھا اور پیغمبرانہ شان تھی۔

میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاست کرتے تھے۔

سیاست کا مطلب کیا ہے کہ ان کے امور کی دیکھ بھال کرنا، ان کی رہنمائی کرنا، ان کے مسائل حل کرنا، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونا۔ یہ سیاست پیغمبروں کا شعبہ تھی۔ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام یہی کام کرتے تھے یعنی وہ نبی بھی ہوتے تھے اور ساتھ اپنی امتوں کے لئے سیاست بھی کرتے تھے۔

یعنی یہ مقدس فریضہ ہے سیاست کا جس کے اگر اصل ماخذ کو دیکھا جائے تو وہ عرش سے لگائی ہوئی وہ ڈیوٹی ہے کہ جس کے لئے بندے بندوں کے لئے مقید بن جاتے ہیں۔

كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ

جب بھی ایک نبی دنیا سے تشریف لے جاتے تھے تو ان کی جگہ دوسرے نبی آ جاتے تھے۔

اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ رشد و ہدایت بھی ہے اور دنیا کی نگرانی بھی ہے اور لوگوں کے امور کی تدبیر بھی ہے۔ سب کچھ ہے کوئی سلسلہ منقطع نہیں ہوا، ختم نہیں ہوا کہ ایک نبی چلے گئے ہوں اور بڑا گیپ پڑ گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلسل نبی علیہ السلام کو یوں بھیجتا رہا۔ پہلے گئے ہیں، نئے آ گئے ہیں۔ انہوں نے آ کے ڈیوٹی سنبھال لی ہے۔ کسی کو نئی شریعت دے دی۔ کوئی پہلی شریعت کو لوگوں کے اندر رائج کرتے رہے۔ اور ان کے مسائل کو واضح کرتے رہے۔

لیکن آپ ﷺ نے فرمایا پہلے تو یہ سلسلہ جاری رہا کہ جب ایک نبی جاتے تو اس کی جگہ دوسرا آ جاتا تھا۔

وَاَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

اور یاد رکھنا میرے بعد کوئی نبی نہیں آ سکے گا۔

پہلے سارا دور جتنا بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک اس دور میں ایک بات جائز رہی کہ جب ایک نبی گئے تو دوسرے آ گئے۔ بلکہ بیک وقت زمین پہ کئی نبی موجود رہے۔ کوئی کسی بستی کا اور کوئی کسی ڈویژن کا۔ کوئی کسی صوبے کا یوں بھی کام چلتا رہا لیکن فرمایا جب سے میں آ گیا ہوں میرے بعد اب کسی کے آنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ایک اور مقام پر فرمایا!

سَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ

ہاں میرے پیچھے خلفاء ہوں گے۔

خلیفے ہو سکتے ہیں مگر نبی کوئی نہیں ہو سکتا۔ تو اس سے بھی رسول اکرم ﷺ پہ جو

آخری جملہ ہے اس سے ہم اہل سنت کا جو موقف ہے کہ نبوت کے بعد خلافت ہے امامت نہیں ہے۔ وہ بات بھی آپ ﷺ نے واضح فرمادی کہ میں نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا مگر میرے بعد خلفاء ہوں گے۔

ایک تو خلافت راشدہ ہے، وہ ایک خاص خلافت ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ جب دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ

اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

مَنْ خُلَفَاءُکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

یارسول اللہ ﷺ آپ کے خلفاء کون ہوں گے۔

فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِیْ وَیُعَلِّمُوْنَھَا النَّاسَ

جواھر العقدین فی فضل الشرفین ص ۱۰۲ بحوالہ طبرانی اوسط

جو میرے بعد آئیں گے میری حدیث روایت کریں گے، اور لوگوں کو حدیث پڑھائیں گے وہ میرے خلفاء ہوں گے۔

میرا دین پہنچائیں گے، میرے دین کو زندہ رکھیں گے، میرے دین کو پڑھیں گے اور پڑھائیں گے، وہ میرے خلفاء ہوں گے۔ اب اس سے تصور کرو کہ جس بچے کو تم علم دین کے لئے بھیجو گے اور وہ پورا پڑھ جائے گا تو اس کو سیٹ کونسی ملے

گی۔ سید عالم ﷺ نے فرمادیا۔ قیامت تک اگر وہ کسی مزدور فقیر کا بیٹا ہو جب وہ دین کا ماہر بن جائے گا اس کو نبی ﷺ کی خلافت میسر آجائے گی۔

تو اس حدیث کے اندر آپ ﷺ نے فرمادیا کہ بنی اسرائیل میں یہ سلسلہ چلتا رہا مگر میں آگیا ہوں۔ مطلب کیا ہے کہ اب میری نبوت، اب میری سیاست ہے۔ میری مدنی سیاست ہے اور یہ ہمیشہ برقرار رہے گی۔ اب اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہ میرے خلفاء ہیں، جو میری نبوت کا فیض بھی اور میری خلافت کا فیض بھی آگے جاری کریں گے۔ یہ خلافت راشدہ کا دور دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ کس طرح رسول اکرم ﷺ کی شریعت نے نظامِ مصطفےٰ ﷺ کی شکل میں دنیا کو امن وآشتی کے پھول عطا فرمائے ہیں۔

چھٹی حدیث شریف

پہلی نبوت اور ختم نبوت

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَوَّلُ الْمُرْسَلِیْنَ آدَمُ وَآخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ ﷺ

جامع الاحادیث: ۳۱۵/۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَوَّلُ الْمُرْسَلِیْنَ آدَمُ وَآخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ ﷺ

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ سارے رسولوں سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور تمام رسولوں سے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس میں بھی واضح طور پر ختم نبوت کی حتمی حیثیت کو بیان کر دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری کے بعد کوئی بھی کسی معنیٰ میں نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔

ساتویں حدیث شریف

اسماء خمسہ اور ختم نبوت

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِيْ خَمْسَةُ اَسْمَاءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِيُ الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ وَاَنَا الْعَاقِبُ

بخاری شریف: ۵۰۰/۱

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے باپ جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِيْ خَمْسَةُ اَسْمَاءَ

میرے پانچ نام ہیں۔

اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِيُ الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ وَاَنَا الْعَاقِبُ

میں محمد ﷺ ہوں، احمد ﷺ ہوں اور میں ماحی ﷺ ہوں کہ جس کو بھیج کر اللہ نے کفر کو مٹا دیا ہے اور میں حاشر ﷺ ہوں کہ سارے لوگ میرے قدموں پہ اٹھیں گے۔

یعنی سب سے پہلے میں اپنے روضہ سے باہر آؤں گا اور پھر لوگ اپنی قبروں سے باہر نکل سکیں گے۔ سب کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ یہ قیامت کے دن اعزاز ہے کہ جہاں محبوب ﷺ کے قدم ہوں گے وہاں اوروں کے سر ہوں گے۔ سب میرے قدم پر یعنی میرے پیچھے، میرے بعد وہ اپنی قبروں سے باہر نکل سکیں گے۔

وَاَنَا الْعَاقِبُ

اور میں عاقب ﷺ ہوں۔

یعنی جس کے بعد کوئی نبی نہ آسکے۔ لہٰذا یہ نام ختم نبوت والا نام ہے۔

آٹھویں حدیث شریف

انداز خطابت و ختم نبوت

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَطَبَ اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ اَصَابِعِهِ السَّبَابَةِ الْوُسْطٰى

مسلم شریف: ۲۸۴/۱ مشکوٰۃ شریف: ۱۲۳

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ

جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو

اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ

آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔

تو یہ خطبے کا ایک جلال ہے۔ محبوب ﷺ کی کبھی تو نرم شبنمی گفتگو ہوتی تھی۔

لیکن کبھی آنکھیں خطبہ دیتے دیتے سرخ ہو جاتی تھیں۔

وَعَلَا صَوْتُهُ

اور آپ ﷺ کی آواز اونچی ہو جاتی تھی۔

یعنی عمومی طور پر تو دھیمی ہوتی تھی لیکن کبھی گرجدار لہجے میں اور اس سے کہیں افضل انداز میں محبوب ﷺ خطبہ دیتے تھے۔ اور تقریر فرماتے تھے، تو یہ کہتے ہیں:

وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ

اور آپ ﷺ کا غصہ اس میں بہت سخت ہو جاتا

تو یہ ہر تقریر میں اپنے موضوع کے لحاظ سے غصہ بھی ہے، جلال بھی ہے، اس کے لحاظ سے انداز بھی ہے۔ کہتے ہیں، جب محبوب ﷺ یوں تقریر کرتے تھے:

حَتّٰى كَاَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ

لگتا تھا کہ مجمع کو کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں۔

کہ لشکر کوئی حملہ کرنے آ گیا ہے اور لوگ غفلت سے بیٹھے ہیں، لوگ سو رہے ہیں ان کو پتہ نہیں کہ دشمن سر پہ چڑھ آئے ہیں اب ضرورت ہے کہ غصے سے بات کی

جائے اور ضرورت ہے کہ بلند آواز سے بات کی جائے۔

تو محبوب ﷺ کی خطابت کا یہ انداز ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے اور ہمارے خطباء کے لئے اس میں ایک سبق ہے کہ جس طرح کا موضوع ہو انداز اسی طرح کا ہونا چاہئے۔ اب فرماتے ہیں:

كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ

گویا لشکر سے کسی کو ڈرا رہے ہوں۔

کہ لوگو تمہیں نظر نہیں آ رہا۔ میں دیکھ آیا ہوں پہاڑ کے پیچھے لشکر پہنچ گیا ہے۔ جلدی اٹھو اور بچنے کی کوشش کرو۔ اب جو اٹھے گا وہ بچ جائے گا اور جو یہ کہے کہ آ نہیں رہا بلکہ ویسے ہی کر رہے ہیں۔

فرمایا: وہ بیٹھا رہے گا تو وہ مارا جائے گا یا قیدی بن جائے گا تو اس سے مطلب کیا ہے کہ میں نے پوری دنیا میں جو اسلام کے احکام بتائیں ہیں یہ تمہیں یوں بچاتے ہیں۔ جس طرح کہ ڈرانے والا لشکر سے بچاتا ہے۔

اگر اس پر یقین آ جائے تو کچھ لوگ ہٹ جاتے ہیں اور بچ جاتے ہیں اور جن کو یقین نہیں آتا وہ کہتے ہیں کہ یہ ڈراتے ہی رہتے ہیں۔ وہ بیٹھے رہتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔

فرمایا:

تمہارے پیچھے جہنم لگا ہوا ہے اور میں تمہیں بچانے آ گیا ہوں۔ جو میری بات مان لے گا اس کو جہنم پکڑ نہیں سکے گا۔ اور جو کہے گا کہ یہ باتیں ایسی ہی ہیں تو وہ

جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔

میرے محبوب ﷺ منذر جیش کی حیثیت میں خطاب فرماتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایسے ہی ایک دن تقریر ہو رہی تھی۔ اتنے غصے میں تھے کہ آپ ﷺ نے اسی حالت میں ختم نبوت کا موضوع بیان کر دیا اور فرمایا:

بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ اَصَابِعِهِ السَّبَابَةِ الْوُسْطٰى

مجھے اور قیامت کو یوں ملا کے بھیجا گیا ہے اور آپ ﷺ نے شہادت والی انگلی اور درمیان والی انگلی کو ملایا۔

میں اور قیامت آپس میں یوں ملے ہوئے ہیں جس طرح ان دو انگلیوں میں کوئی فرق نہیں۔ ایسے ہی مجھ میں اور قیامت میں کوئی فرق نہیں یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی حائل ہو جائے اور درمیان میں اس کی نبوت کا زمانہ آ جائے، ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ میں اور قیامت آپس میں ملے ہوئے ہیں۔

میری نبوت کے بعد کسی کی نبوت نہیں آ سکتی۔ میں اور قیامت جس طرح کہ یہ دو انگلیاں ملی ہوئی ہیں اس طرح میرے رب نے دنیا کے خاتمے کا جو وقت ہے، اس کو اور مجھے ملا دیا ہے۔ دنیا کے خاتمے کا جب وقت ہوگا اس وقت بھی میری نبوت کا جھنڈا لہرا رہا ہوگا۔

اور ہمیشہ کے لئے اب میری نبوت ہوگی۔ تو سید عالم ﷺ نے یوں ملا کے قیامت کا قرب بھی بیان کر دیا اور ختم نبوت کو بھی بیان کر دیا اور ہم نے دیکھا کہ کند ذہن لوگ جو مفکر بنے ہوئے تھے اور تفہیم نام کی کتابیں لکھ رہے تھے۔

اس مقام پر اعتراض کر ڈالا کہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ فرماتے تھے کہ قیامت قریب آگئی ہے اور اتنی صدیاں گزر گئیں ہیں لیکن قیامت آئی نہیں تو معاذ اللہ بات غلط ثابت ہوگئی۔ دیکھو سرکار ﷺ کی غلطیاں نکالیں اور پھر وہ دین کے مصلح ہوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

میرے محبوب ﷺ نے جو قرب قیامت بیان کیا تھا وہ واضح ہے وہ قرب آپ ﷺ نے اضافی طور پر بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے دیکھو تو پھر محبوب ﷺ کا زمانہ قیامت کے کتنا قریب ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے پیغمبروں کے مقابلے میں ہمارے نبی ﷺ کا زمانہ سب سے اقرب ہے اور کسی پیغمبر کا زمانہ درمیان میں ہے ہی نہیں۔

لہٰذا اگر کوئی بیان کرنا چاہے گا تو یہی بیان کرے گا کہ نبوت جس کی قیامت کے سب سے قریب ہے وہ یقیناً ہمارے نبی ﷺ کی نبوت ہے۔

نویں حدیث شریف

لوح محفوظ اور ختم نبوت

اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰهِ فِیْ اُمِّ الْكِتَابِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ

کنز العمال: ح: ۳۲۱۴۱

میں لوح محفوظ پر اللہ کے پاس بھی خاتم النبیین ہوں۔

ام الکتاب کے اندر میں خاتم النبیین ہوں اور میری ختم نبوت ازل سے طے شدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری ختم نبوت ثابت ہے۔

دسویں حدیث شریف

اول امر اور ختم نبوت

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ
إِنِّيْ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ

مشکوٰۃ شریف: ح: ۵۷۵۹

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنِّيْ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ

میں اللہ کے پاس آخری نبی لکھا ہوا ہوں۔

اللہ کے پاس میرا نام آخری نبی لکھا گیا ہے۔ کس انداز میں میں خاتم النبیین ہوں، فرمایا:

إِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ

حضرت آدم علیہ السلام کا گارا ابھی تیار نہیں ہوا تھا۔

اللہ نے میری ختم نبوت کا بورڈ لگا دیا تھا۔

میرے محبوب ﷺ فرماتے ہیں:

میں اس وقت بھی نبی ہی نہیں، خاتم النبیین تھا۔ اللہ نے میرا اس وقت نام لکھا ہوا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام تخلیق کے مراحل سے گزر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت مجھے اپنے پاس خاتم النبیین قرار دے دیا تھا۔

سَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِیْ

میں تمہیں بتاؤں کہ میرا اول امر کیا ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

أَنَا دَعْوَةُ إِبْرَاهِيْمَ

میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔

وَبَشَارَةُ عِيْسٰى

اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

وَرُؤْيَاءُ أُمِّيَ الَّتِي رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ

اور میں اپنی امی جان کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے وقت ولادت دیکھا تھا۔

دوسرا رویا کا معنیٰ یہ ہوگا کہ میں اپنی والدہ کی آنکھوں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے نظارہ جاگتے ہوئے دیکھا کب جب ان کے ہاں میرا میلاد ہو رہا تھا۔

جب میں اپنی والدہ کے ہاں جنم لے رہا تھا اس وقت کائنات میں جوان کے لئے دیدار تھا میں وہ دیدار ہوں آگے فرماتے ہیں:

وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرٌ

میری امی جی سے ایک نور کا ظہور ہوا۔

اپنے بدن کو رسول اکرم ﷺ نے نور سے تعبیر کیا کہ میری امی کی گود میں نور ظاہر ہوا۔ وہ نور کیسا تھا؟

أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ

اس نور کی وجہ سے میری امی جی کو شام کے محلات نظر آنے لگے۔
وہ مکہ شریف میں تھیں مگر شام کے محلات ان کو نظر آئے۔فرمایا میں وہ نور ہوں اگر میرا پس منظر دیکھنا چاہتے ہو میری ہسٹری دیکھنا چاہتے ہو:
میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی امی جی کا وہ دیدار ہوں اور میں ہی وہ نور ہوں کہ جب میرا ظہور ہوا تھا تو میری امی جان بیٹھی مکہ شریف میں تھیں مگر ان کو محلات شام کے نظر آرہے تھے۔

گیارہویں حدیث شریف

تخلیق و بعثت اور ختم نبوت

كُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ

کنزالعمال: ح:۳۱۹۱۲

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
كُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ
میں تخلیق نور کے لحاظ سے سب سے پہلے ہوں اور دنیا میں ظہور کے لحاظ سے سب سے آخر میں ہوں۔
تمام لوگوں میں سے پہلے میں ہوں تخلیق کے لحاظ سے میرا نور سب سے پہلے بنایا گیا۔
وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ
اور اللہ نے مجھے سب سے آخر میں بھیجا ہے۔

اس کا مطلب یہ بنا کہ اول بھی میرا ہے آخر بھی میرا ہے۔ جو شان اول و آخر کے لحاظ سے اللہ کی ہے وہ محبوب ﷺ کو باطنی عطا کی گئی ہے کہ آپ ﷺ مخلوق میں سب سے پہلے فرد ہیں اور آپ ﷺ کے نور نے باقی چیزوں کو نور تقسیم کیا ہے۔ اور آپ کو آخر میں بھیجا گیا، اس لحاظ سے آپ کی ختم نبوت کا ذکر بھی ہو گیا۔

بارہویں حدیث شریف

كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ

کنز العمال: ح: ۳۲۱۲۶

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

تمام انبیاء کرام علیہ السلام سے نور کی تخلیق کے لحاظ سے پہلا میں ہوں اور تمام سے آخر میں ہوں بھیجے جانے کے لحاظ سے

یعنی پہلے اس لحاظ سے کہ میرا نور سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور آخر کس لحاظ سے کہ نبوت کی ڈیوٹی دینے کے لحاظ سے میں سب سے آخر میں آیا ہوں۔ مجھے رب ذوالجلال نے اولیت بھی عطا کی ہے اور مجھے آخریت بھی عطا کی ہے۔

تیرھویں حدیث شریف

اَنَا نَبِيٌّ وَلَا نَبِيَّ بَعْدِيْ

السنۃ لابن ابی عاصم: ۱/۱۸۷

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا نَبِیٌّ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

میں نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

ان مختصر سے الفاظ میں ختم نبوت کی تفصیل فرمادی۔

چودھویں حدیث شریف

فاتح اور خاتم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَّ خَاتِمًا

ابن کثیر ۲۰/۳ (جزو خامس)

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو بالخصوص معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں انبیاء کے سامنے تقریر کی تھی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَّ خَاتِمًا

تمام تعریفیں اس رب کی ہیں جس نے مجھے فاتح بھی بنایا ہے۔ خاتم بھی بنایا ہے۔

فاتح کا معنیٰ ہے کھولنے والا اور خاتم کا معنیٰ ہے بند کرنے والا۔

بظاہر یہ متضاد صفتیں ہیں۔ کھولنا اور ہے بند کرنا اور ہے۔

مطلب یہ ہے:

میں کھولنے والا ہوں جنت کے دروازے کو اور بند کرنے والا ہوں نبوت

کے دروازے کو۔ مجھے میرے رب نے فاتح بھی بنایا ہے اور خاتم بھی بنایا ہے۔

تو یہ شانیں نرالی ہیں ہمارے محبوب ﷺ کی۔ جو دروازہ کسی سے کھل نہیں پائے گا وہ دروازہ آپ ﷺ کھولیں گے اور جو صدیوں سے کھلا آرہا تھا آپ ﷺ کے آنے سے اس کو بند کر دیا گیا۔ لہٰذا آپ ﷺ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی ہیں۔

پندرھویں حدیث شریف

حشر کے شافع اور ختم نبوت

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ

الدارمی: مشکوۃ: ح: ۵۷۶۴

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ

سارے رسولوں کا لیڈر میں ہوں اور فخر کوئی نہیں۔

سارے رسولوں کا قائد میں ہوں اور میں فخر نہیں کرتا۔

وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَلَا فَخْرَ

اور میں نبوت کے دروازے کو بند کرنے والا ہوں، میں نبیوں کا خاتم ہوں، یہ شان بڑی ہے مگر میں فخر نہیں کرتا۔

چونکہ جن کے بعد اور نبی بھیجے گئے تو یہ باقی رہا کہ انہوں نے ڈیوٹی مکمل کی

ہے مگر کام ابھی باقی ہے، وہ نئے آ کے کریں گے۔ جب میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے ہیں تو اللہ نے کسی کو نہ بھیجنے کے اور اعلان کر کے کہ اب کوئی آ ہی نہیں سکتا اس بات کی گواہی دی ہے کہ یہ سارا کام کر کے جا رہے ہیں۔

اس واسطے یہ شان نرالی تھی۔ فرمایا:

رب ذوالجلال نے مجھے خاتم النبیین بنایا ہے اور اس پر کوئی فخر نہیں۔

وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ

اور میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں قیامت کے دن سب سے پہلے رب جن کی بات مانے گا وہ میں ہوں

وَلَافَخْرَ

میں فخر نہیں کرتا۔

چونکہ اس دن اللہ کے جلال کے سامنے جب کوئی نہیں بولے گا تو پہلا دروازہ شفاعت کا کھلوانا مشکل ہے پھر تو چھوٹے چھوٹے شفیع بھی ہوں گے یہاں تک کہ ناتمام بچہ جو کسی ماں کے ہاں پیدا ہوا تھا پورے اعضاء بھی نہیں بنے ہوئے تھے۔ وہ اپنے نافے کے ساتھ اپنی امی کو باندھے گا اور جنت میں لے جائے گا۔

وہاں تک شفاعت پہنچ جائے گی لیکن پہلا دروازہ کھولنا اتنا مشکل ہے کہ خلیل علیہ السلام بھی ڈرتے ہیں، کلیم علیہ السلام بھی ڈرتے ہیں، اللہ سے بولنے کے لئے کسی کی ہمت نہیں پڑ رہی۔ اس وقت جو سب سے پہلے سفارش کریں گے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وہ سیٹ بھی میری ہے لیکن میں فخر نہیں کرتا۔

سب سے پہلے سفارش کرنے کے لحاظ سے بھی میری سیٹ ہے اور سب سے پہلے جس کی بات مانی جائے گی وہ سیٹ بھی میری ہے، میں مشفع ہوں۔ اللہ میری سفارش کو قبول فرمائے گا۔

سولھویں حدیث شریف

عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ اَبِي خَالِدٍ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِي اَوْفٰى اَرَاَيْتَ اِبْرَاهِيمَ ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ مَاتَ وَهُوَ صَغِيْرٌ وَلَوْ قَضٰى اَنْ يَّكُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيٌّ لَعَاشَ اِبْنُهٗ وَلٰكِنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ

ابن ماجہ شریف: ح: ۱۵۱۰

حضرت اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں، میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا تو نے رسول اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہنے لگے ہاں، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حالت صغر میں وصال فرما گئے، اگر حضرت محمد ﷺ کے بعد نبی ہوتا تو وہ ضرور زندہ رہتے، لیکن رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اس لئے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ نہیں رہے۔

سترھویں حدیث شریف

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا مَاتَ اِبْرَاهِيمُ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ اِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا وَلَوْ عَاشَ لَعَتَقَتْ

اَخْوَالُہٗ الْقِبْطُ وَمَا اسْتُرِقَّ قِبْطِیٌّ

ابن ماجہ شریف: ح: ۱۵۱۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اس کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی ہے اور اگر زندہ رہتے تو سچے نبی ہوتے اور اگر زندہ رہتے تو ان کے قبطیماموں آزاد کردیئے جاتے اور کبھی کسی قبطی کو غلام نہ بنایا جاسکتا۔

اٹھارویں حدیث شریف

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَمَعِیَ کِتَابٌ اَصَبْتُہٗ مِنْ بَعْضِ اَھْلِ الْکِتَابِ فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ مُوْسٰی کَانَ حَیًّا اَلْیَوْمَ مَاوَسِعَہٗ اِلَّا اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ

اخرجہ ابونعیم: خصائص الکبریٰ: ۱۸۷/۲

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور میرے پاس کتاب تھی، جس کو میں نے بعض اہل کتاب سے پایا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری اتباع ضروری ہوتی۔

انیسویں حدیث شریف

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنَا رَسُوْلُ مَنْ اَدْرَکْتُ حَیًّا وَمَنْ

يُوْلَدُ بَعْدِیْ

اخرجہ ابن سعد: خصائص الکبریٰ: ۱۸۸/۲

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کا رسول ہوں، جس کو میں نے زندہ پایا اور اس کا بھی، جو میرے بعد پیدا ہوگا۔

بیسویں حدیث شریف

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا زَيْدُ بْنُ خَارِجَةَ يَمْشِيْ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ إِذْ خَرَّ مَيِّتاً بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَنُقِلَ إِلٰى أَهْلِهٖ وَسُجِّيَ بَيْنَ بُرْدَتَيْنِ وَكِسَاءٍ فَلَمَّا كَانَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اجْتَمَعَ نِسْوَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يَصْرُخْنَ حَوْلَهٗ إِذْ سَمِعُوْا صَوْتاً مِّنْ تَحْتِ الْكِسَاءِ يَقُوْلُ أَنْصِتُوْا أَيُّهَا النَّاسُ مَرَّتَيْنِ فَحَسَرُوْا عَنْ وَجْهِهٖ وَصَدْرِهٖ فَقَالَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ كَانَ ذَالِكَ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ

المعجم الکبیر: ۲۱۹/۵

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی کا نام ہے یہ ختم نبوت کی شان ہے کہ جب زندہ ہیں تو پھر بھی ختم نبوت کا نعرہ لگاتے ہیں اور اگر فوت ہونے کے بعد کسی نے کلام کیا ہے تو اس نے بھی ختم نبوت کا نعرہ لگایا ہے۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے

يَمْشِي فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ

مدینہ شریف کی کسی گلی میں جا رہے تھے۔

إِذْخَرَّ مَيِّتًا

چلتے چلتے دورہ پڑا تو وہ فوت ہو گئے۔

جب فوت ہوئے ان کو اٹھا کے گھر پہنچا گیا اوپر چادریں دے دی گئیں۔

جب مغرب وعشاء کا وقت ہوا اب وہ ظہر کے وقت فوت ہوئے تھے، مغرب اور عشاء کا جب ٹائم ہوا۔

اِجْتَمَعَ نِسْوَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَصْرُخْنَ حَوْلَهٗ

انصار کی عورتیں اکٹھی ہو گئیں اور وہ چیخ چلا رہی تھیں۔

کہ اچانک یہ فوت ہو گئے ہیں۔ جس وقت وہ چیخنے لگیں تو حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ بولنے لگے جو ظہر کے وقت فوت ہوئے تھے، وہ بولنے لگے:

سَمِعُوْا صَوْتًا مِّنْ تَحْتِ الْكِسَاءِ .

جتنے بھی وہاں جمع تھے سب کو چادر کے نیچے سے آواز آئی کہ زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ بول رہے تھے، آواز یہ تھی:

اُنْصِتُوْا .

خاموش ہو جاؤ، چپ ہو جاؤ۔ دو مرتبہ انہوں نے کہا۔

فَحَسَرُوْا عَنْ وَجْهِهٖ

تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چہرے سے چادر کو پیچھے ہٹا دیا گیا۔

تو دیکھا کہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ گفتگو کر رہے ہیں۔ جس وقت بولے تو کیا ان کا بول تھا۔ فوت ہونے کے بعد جو بولے۔

میں وہ سنی ہوں جمیلِ قادری مرنے کے بعد
میرا لاشہ بھی کہے گا الصلوٰۃ والسلام

کہتے ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں نبی امی ہیں، وہ خاتم النبیین ہیں۔

کَانَ ذَالِکَ فِی الْکِتَابِ الْاَوَّلِ

یہ پہلی کتاب میں بھی لکھا ہوا ہے۔

اب جب فوت ہونے کے بعد بھی اگر کسی نے گفتگو کی ہے اور لوگوں نے سنی ہے تو اس گفتگو کے اندر بھی ختم نبوت کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔

اکیسویں حدیث شریف

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّۃَ بَعْدِکُمْ اَلَا فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَھْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکوٰۃَ اَمْوَالِکُمْ طَیِّبَۃً بِھَا اَنْفُسُکُمْ وَاَطِیْعُوْا وُلَاۃَ اَمْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّۃَ رَبِّکُمْ

رواہ احمد: ۵/۲۵۱، ۲۶۲، الترمذی: ۶۱۱، ابن حبان: ۷۹۵، الحاکم: ۱/۳۸۹، المعجم الکبیر: ۵/۱۱۵

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

وَلَا اُمَّۃَ بَعْدَکُمْ

اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ہے۔ خبردار اپنے رب کی عبادت کر پانچ وقت کی نماز پڑھو رمضان کے مہینے کے روزے رکھو خوشی سے اپنے مالوں کی زکوۃ دو اپنے اماموں کی اطاعت کرو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے''

لفظ کتنے حسین ہیں۔

فرمایا:

میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ہے۔ لہٰذا میں جو تمہیں دے رہا ہوں اس پر قائم رہو اور دین پر پوری طرح تم پختہ رہو۔ نماز پڑھتے رہو، روزے رکھتے رہو۔ میں نے تمہیں جامع دین دے دیا ہے۔

اب کسی نئے نبی کے آنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی کیونکہ اللہ نے مجھے آخری نبی بنایا ہے اور تمہیں آخری امت بنایا ہے۔

بائیسویں حدیث شریف

عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ خَرَجْتُ تَاجِرًا اِلَی الشَّامِ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَلَمَّا کُنْتُ بِاَدْنَی الشَّامِ لَقِیَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ فَقَالَ ھَلْ عِنْدَکُمْ رَجُلٌ تَنَبَّاَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ ھَلْ تَعْرِفُ صُوْرَتَہٗ اِذَا رَاَیْتَھَا قُلْتُ: نَعَمْ فَاَدْخَلَنِیْ بَیْتًا فِیْہِ صُوَرٌ فَلَمْ اَرَ صُوْرَۃَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَبَیْنَا اَنَا کَذٰلِکَ اِذَا

دَخَلَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ عَلَيْنَا فَقَالَ فِيمَ أَنْتُمْ فَأَخْبَرْنَاهُ فَذَهَبَ بِنَا إِلَى مَنْزِلِهِ فَسَاعَةَ مَادَخَلْتُ نَظَرْتُ إِلَى صُورَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَإِذَا رَجُلٌ آخِذٌ بِعَقِبِ النَّبِيِّ ﷺ قُلْتُ مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ الْقَائِمُ عَلَى عَقِبِهِ قَالَ إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ إِلَّا كَانَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ إِلَّا هٰذَا فَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَهٰذَا الْخَلِيفَةُ بَعْدَهُ وَإِذَا صِفَةُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں خلاصہ یہ ہے۔

میں تاجر تھا شام گیا تو میں نے وہاں ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا مجھے وہاں ایک شخص ملا جو آسمانی کتابوں کا ماہر تھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ جس نبی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کیا تم اس کی صورت کو پہچانتے ہو، یہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا: پہچانتا ہوں

فَأَدْخَلَنِي بَيْتًا فِيهِ صُوَرٌ

اس نے مجھے گھر میں داخل کیا جس میں کئی تصویریں تھیں۔

اس میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی تصویر نظر نہیں آئی تو پھر ایک بندہ مجھے وہاں لے گیا جہاں مجھے رسول اللہ ﷺ کی صورت نظر آئی

وَإِذَا رَجُلٌ آخِذٌ بِعَقِبِ النَّبِيِّ ﷺ

باقی کسی نبی کی ایڑی کے پیچھے کوئی امتی نہیں کھڑا ہوا۔ ہر ایک کے پیچھے ایک نبی کھڑا ہے۔ اور ہمارے نبی ﷺ کی جہاں تصویر تھی تو وہاں آپ ﷺ کے پیچھے ایک امتی کھڑا ہے۔ میں نے کہا یہ انداز کیا باقی سب سے جدا ہے؟ تو انہوں نے کہا: باقی سب کے بعد نبی آئے اور ان کے پیچھے نبیوں کی تصویر ہے اور ان کے پیچھے نبی نہیں

آئیں گے۔ ان کے پیچھے جو کھڑے ہیں۔ یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد خلافت ہوگی نبوت نہیں ہوگی۔

تو یہ ختم نبوت کا انداز ان کتابوں کے اندر بھی موجود تھا۔

تینسویں حدیث شریف

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَیُّهَا النَّاسُ لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ یُقَرِّبُکُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُکُمْ بِهٖ وَلَیْسَ شَیْءٌ یُقَرِّبُکُمْ مِنَ النَّارِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَیْتُکُمْ عَنْهُ

مشکوٰۃ شریف: البیہقی فی شعب الایمان ۴۵۲

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ

اے لوگو!

لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ یُقَرِّبُکُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُکُمْ بِهٖ

ہر وہ چیز جو بندے کو جنت میں اٹھا کے لے جائے اور جہنم سے بچائے میں نے اس کا حکم دے دیا ہے کوئی ایسی چیز نہیں جس کو میں نے بیان نہ کیا ہو۔

اگر جنت میں لے جانے والی ایک لاکھ باتیں ہیں تو سرکار ﷺ فرماتے ہیں یہ نہ سمجھنا کہ ایک لاکھ میں سے ایک بیان نہیں کی، میں نے پوری لاکھ بیان کی ہیں۔

احسان دیکھو فرمایا۔ میں نے کوئی کمی نہیں کی۔ میں نے جو کچھ تمہیں چاہیے تھا وہ سب کچھ بیان کیا ہے۔ جتنی چیزیں جنت میں لے جانے والی تھیں اور جہنم سے بچانے والی تھیں۔

اِلَّا قَدْ اَمَرْتُکُمْ بِہٖ

میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اب عمل کرنا تمہارا کام ہے۔

وَلَیْسَ شَیْءٌ یُقَرِّبُکُمْ مِنَ النَّارِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ الْجَنَّۃِ اِلَّا وَقَدْ نَھَیْتُکُمْ عَنْہُ

جن کاموں سے بندہ جہنمی بن سکتا ہے اور جنت سے دور ہو سکتا ہے ان ساری باتوں سے میں نے منع کر دیا ہے۔ کوئی پیچھے منع کرنے والی نہیں رہی۔

لہٰذا جس وقت بندے کے سارے کام اور تعلیمات مکمل ہو گئیں ہیں اب اگر کوئی آئے گا تو اس کے آنے کا کیا تک بنتا ہے۔

میرے محبوب ﷺ نے سارے سلسلے بیان کر دیئے۔ اگر کروڑوں ہدایات کی ضرورت تھی تو ساری مکمل کر دی ہیں۔ اس واسطے بریلی کے تاجدار کا عشق بولا:

نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

پہلے پھول کھلے اور کھلتے رہے صحن چمن میں جو کھلتا تھا وہ اعلان کرتا تھا کہ ابھی وہ

آرہے ہیں، وہ آرہے ہیں۔ اور جب سرکار ﷺ کھلے ہیں تو اب چمن کے صحن میں کسی کے کھلنے کی جگہ ہی باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اس انداز سے عقلی طور پر بھی اس حدیث شریف میں محبوب ﷺ نے سارے شعبہ جات کو بیان کرتے ہوئے باوفا امتی کو احسان جتلایا کہ میں نے تمہارے لئے کتنا کچھ کیا ہے اور تمہارے ساتھ میرا پیار کتنا ہے۔

اب دیکھو باپ بیٹوں کے لئے بڑا شفیق ہو۔ وہ اپنے بیٹوں کو نصیحتیں کر رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دس کر لے گا، پچاس کر لے گا، سو کر لے گا۔ آگے جا کے سلسلہ ختم ہوگا کیونکہ اس کو آنے والی مشکل کا پتہ ہی نہیں۔ مشکل کا پتہ ہو تو پھر نصیحت کرے۔ اس کو دس مشکلوں کا پتہ ہے، پندرہ کا پتہ ہے وہ جو سو اس کے مرنے کے بعد آنے والی ہیں اس کا اس کو خواب و خیال بھی نہیں۔ مگر یہ وہ پیغمبر ہیں۔ قیامت تک جن حالات نے جنم لینا ہے وہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اس واسطے آپ ﷺ نے اس انداز میں ہر مشکل کا حل بیان کیا ہے۔ قیامت تک کبھی امتی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ پیغمبر چلے گئے اور ہمیں بتا کے نہیں گئے اور مشکل ہمارے سامنے آگئی۔ سرکار ﷺ نے فرمایا:

ہم نے ساری مشکلیں پہلے حل فرما دی ہیں۔

چوبیسویں حدیث شریف

قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيْبًا يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ لَا

يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ

بخاری شریف: ۱۶/۱

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

اللہ جس بندے سے بہتری کا ارادہ کرے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے۔

یعنی دین کی سمجھ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے اور وہ خاص بندوں کو دیتا ہے۔ دین سمجھنا اس کے لئے بیٹھنا اس کے لئے آنا یہ کوئی معمولی سا انتخاب نہیں۔ اللہ کا انتخاب ہے اور اللہ جس کو نوازنا چاہے اس کو اپنے دین کے لئے چن لیتا ہے۔

دین کی سمجھ چیز بڑی ہے مگر ملے گی کہاں سے۔ فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ

عطا رب کرتا ہے اور تقسیم میں کرتا ہوں۔

وہ طبقہ جو یہ کہے کہ ہمیں نبی کے دروازے کی ضرورت نہیں ہم ڈائریکٹ لیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ ہم سب کچھ نبی کے ہاتھ سے تقسیم کروائیں گے۔

اب ایسے منکرین کے پاس لفظ ہوں گے معنیٰ کی حکمت نہیں ہوگی وہاں علم اندھیرہ بن جائے گا علم سے پردے آجائیں گے ان سے تو جاہل اچھا ہوگا کیونکہ جتنا بڑا عالم ہوگا اتنا بڑا گستاخ بن جائے گا۔

چونکہ یہ علم سرکار ﷺ کی دہلیز سے بٹتا ہے اور جن کے نزدیک یہ وسیلہ شرک بن جائے گا ان کو ملے گا کیسے؟ تو میرے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي

مطلقاً فرمایا علم ہو یا رزق ہو یا بیٹے ہوں۔ دیتا اللہ ہے تقسیم میں کرتا ہوں۔

پھر فرمایا:

وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةٌ عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ

قیامت آجائے گی لیکن میری امت کی بڑی جماعت حق کے رستے سے ڈول نہیں سکے گی۔ ہمیشہ یہ امت اللہ کے امر پر قائم رہے گی۔

لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ

ان کی مخالفت کرنے والے ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔

اس نقصان کا مطلب کیا ہے کہ وہ حوصلہ ہار کے گھر بیٹھ جائیں یہ نہیں ہوگا۔ ویسے شہادتیں بھی ہو جائیں گی، نقصان اس لحاظ سے تو ہوگا۔ مال لٹ سکتا ہے، جان جا سکتی ہے مگر ان نقصان کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی

یعنی میری امت کا وہ طبقہ جو حق پر ہے ان کے خلاف باطل پرست جو بھی کر لیں میری امت ڈرپوک بن کر گھر نہیں بیٹھے گی۔ وہ پھر بھی میرے دین کا جھنڈا اٹھا کے نکلے گی۔

زخم پہ زخم کھا کے جی خون جگر کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے یہ دل لگی نہیں

یہ انداز تو ضرور امت میں موجود رہے گا، ان کو قربانیاں دینی پڑیں گی۔ مگر

میرے محبوب ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہمت نہیں ہاریں گے۔ حوصلے ان کے بلند رہیں گے۔

ایک ایک جلسے میں اگر ان کو ستر ستر شہادتوں کے گلدستے پیش کرنے پڑیں تو پھر بھی یہ پیش کر کے میلاد کی بزم ضرور سجائیں گے۔

سید عالم ﷺ نے فرمایا ہے:

ان کی مخالفت کرنے والے ان کے حوصلوں کو فتح نہیں کر سکیں گے۔ ان کو کسی طرح کا وہ نقصان نہیں دے سکتے، کب تک:

حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ

یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

اب اس حدیث شریف میں اپنی امت کے بعد کسی بھگوڑے کی امت کا تصور ہی ختم کر دیا واضح فرما دیا

میرے غلاموں کی قیامت تک کی دنیا ہے، میرے غلاموں کی قیامت تک تاریخ ہے، میرے غلاموں کا قیامت تک دور ہے، میرے غلاموں کا قیامت تک کا زمانہ ہے۔

ختم نبوت والے قیامت تک باقی رہیں گے۔ لہٰذا اگر کسی دور میں کسی نبی کا کوئی تصور ہوتا تو نبی کی پھر امت بھی ہوتی ہے تو میرے نبی ﷺ نے امت کی نفی کر کے قیامت تک کے لئے یہ واضح کر دیا کہ:

میں آخری نبی ہوں، میری امت آخری امت ہے۔

پچیسویں حدیث شریف

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

(بخاری شریف ۱۵۱/۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

ہم یعنی میں اور میری امت، ہم سب سے آخر میں آئے ہیں، سب سے آگے نکل گئے ہیں۔

ہم ایڈوانس ہیں۔ دیگر کے پاس کوئی ترقی نہیں۔ ہمارے محبوب ﷺ نے فرمایا:

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

صدیوں سے لوگ روزہ رکھ رہے تھے مگر جب سے ہم نے روزہ رکھا تو پہلا نمبر روزے میں ہمارا ہے۔ مدت ہوگئی تھی قومیں امتیں نماز پڑھتی تھیں لیکن جب ہماری امت آگئی تو پہلا نمبر ہمارا ہے۔

لوگ جہاد کرتے تھے، حج کرتے تھے مگر جب اس امت نے کیا تو وہ پیچھے رہ گئے اور سابقون کا سب سے بڑا مطلب یہ ہے کہ جنت میں داخل ہوجائے گی۔

آخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

ہم آخری امت ہیں اور سبقت کرنے والے ہیں۔

آخر میں ختم نبوت کو بھی بیان کر دیا اور ختم نبوت کی عظمت کو بھی بیان کر دیا۔

چھبیسویں حدیث شریف

اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

(مشکوۃ شریف: ح: ۵۷۷۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے رب نے مجھے تمام اخلاق کی خوبیوں کو مکمل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ میں اخلاق کے سبق مکمل کرنے آیا ہوں۔

یہ پہلے کسی نبی نے نہیں کہا۔ چونکہ وہ مکمل کرنے نہیں آئے تھے وہ ڈیوٹی دینے آئے تھے۔ وہ انہوں نے پوری کی، کمی نہیں کی۔

لیکن انسانیت کو جو کچھ چاہئے تھا وہ روزانہ کی جو ضرورتیں بڑھتی چلی جارہی تھیں تو یہ ضرورت جامع دین کے اندر پوری ہو سکتی تھی تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

میں آیا ہی اس لئے ہوں کہ سب کچھ مکمل کر کے جانے والا ہوں۔

لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق حمیدہ، سیرت و کردار، نظام زندگی اور بندگی کا ہر مسئلہ بیان کر دیا ہے اور مکمل کر دیا ہے تو کسی کے آنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

فرمایا:

قیامت تک کے لئے کار نبوت کو مکمل کر دیا ہے۔

ستائیسویں حدیث شریف

اَخْرَجَ اَبُوْنُعَیْمٍ عَنْ کَعْبٍ قَالَ اِنَّ اَبِیْ کَانَ مِنْ اَعْلَمِ النَّاسِ بِمَا

أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى وَكَانَ لَمْ يَدَّخِرْ عَنِّيْ شَيْئًا مِمَّا كَانَ يَعْلَمُ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ دَعَانِيْ فَقَالَ لِيْ يَا بُنَيَّ إِنَّكَ قَدْ عَلِمْتَ أَنِّيْ لَمْ أَدَّخِرْ عَنْكَ شَيْئًا مِمَّا كُنْتُ أَعْلَمُهُ إِلَّا إِنِّيْ قَدْ حَبَسْتُ عَنْكَ وَرَقَتَيْنِ فِيْهِمَا نَبِيٌّ يُبْعَثُ قَدْ أَظَلَّ زَمَانُهُ فَكَرِهْتُ أَنْ أُخْبِرَكَ بِذٰلِكَ فَلَا آمَنُ عَلَيْكَ أَنْ يَخْرُجَ بَعْضُ هٰؤُلَاءِ الْكَذَّابِيْنَ فَتُطِيْعُهُ وَقَدْ جَعَلْتُهُمَا فِيْ هٰذِهِ الْكُوَّةِ الَّتِيْ تَرَاى وَطَيَّنْتُ عَلَيْهِمَا فَلَا تَعْرِضَنَّ لَهُمَا وَلَا تَنْظُرَنَّ فِيْهِمَا حِيْنَكَ هٰذَا فَإِنَّ اللّٰهَ أَنْ يُرِدْ بِكَ خَيْرًا وَيَخْرُجْ ذٰلِكَ النَّبِيُّ تَتَّبِعُهُ ثُمَّ أَنَّهُ مَاتَ فَدَفَنَّاهُ فَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَنْظُرَ فِي الْوَرَقَتَيْنِ فَفَتَحْتُ الْكُوَّةَ ثُمَّ اسْتَخْرَجْتُ الْوَرَقَتَيْنِ فَإِذَا فِيْهِمَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ وَمُهَاجِرُهُ بِطَيْبَةَ لَا فَظٌّ وَلَا غَلِيْظٌ وَلَا صَخَّابٌ فِي الْأَسْوَاقِ وَيَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ وَيَعْفُوْ وَيَصْفَحُ أُمَّتُهُ الْحَمَّادُوْنَ الَّذِيْنَ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ حَالٍ تُذَلَّلُ أَلْسِنَتُهُمْ بِالتَّكْبِيْرِ وَيُنْصَرُ نَبِيُّهُمْ عَلٰى كُلِّ مَنْ نَاوَاهُ يَغْسِلُوْنَ فُرُوْجَهُمْ وَيَأْتَزِرُوْنَ عَلٰى أَوْسَاطِهِمْ أَنَاجِيْلُهُمْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ وَتَرَاحُمُهُمْ بَيْنَهُمْ تَرَاحُمَ بَنِي الْأُمِّ وَهُمْ أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْأُمَمِ (الدر المنثور: ۵۷۷/۳)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے اباجی اپنے زمانے کے لوگوں میں سے سب سے بڑے عالم تھے' جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا میرے

ابا جی کو اس وقت کے لوگوں کی نسبت زیادہ آتا تھا۔

وَكَانَ لَمْ يَدَّخِرْ عَنِّي شَيْئًا مِمَّا كَانَ يَعْلَمُ

ان کا انداز یہ تھا کہ انہیں جو کچھ آتا تھا انہوں نے مجھ سے چھپا کے نہیں رکھا، مجھے پڑھایا ہے۔

فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ

جس وقت وصال کا ٹائم آیا تو

دَعَانِيْ

میرے والد نے مجھے بلایا اور فرمایا

يَا بُنَيَّ إِنَّكَ قَدْ عَلِمْتَ أَنِّي لَمْ أَدَّخِرْ عَنْكَ شَيْئًا مِمَّا كُنْتُ أَعْلَمُهُ

اے بیٹے! میں نے ہر چیز تجھے بتائی ہے تجھ سے چھپائی نہیں جو کچھ میں جانتا تھا میں نے تمہیں پڑھا دیا۔

إِلَّا أَنِّي قَدْ حَبَسْتُ عَنْكَ وَرَقَتَيْنِ فِيهِمَا

مگر میرے پاس دو ورق ایسے ہیں میں نے آج تک ان کا علم نہیں دیا اور ان کا علم دنیا بھی نہیں جانتی۔ اور ان کے بارے میں تجھ سے عہد لینا چاہتا ہوں، میں دو خط سیل کر رہا ہوں۔ میرے ہوتے تم نے وہ پڑھنا نہیں، کھولنا نہیں کہ اس میں لکھا ہوا کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا:

نَبِيٌّ يُبْعَثُ قَدْ أَظَلَّ زَمَانُهُ

اس میں ایک نبی کا ذکر ہے جن کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہے۔ وہ ظہور پذیر

ہوں گے اور

فَكَرِهْتُ اَنْ اُخْبِرَكَ بِذَالِكَ فَلَا آءُ مِنْ عَلَيْكَ

میں نے ناپسند کیا کہ تجھے بتا دوں کیونکہ مجھے تمہارے بارے میں خطرہ ہے کہ ایسی خبر تم سے لیک ہو جائے گی اور اللہ کی حکمت کے تقاضوں میں پھر مداخلت ہو جائے گی۔

اس واسطے میں نے یہ خط بند کر دیا اور فلاں دیوار کے اندر اس کو رکھ دیا۔

طَيَّنْتُ عَلَيْهَا

میں نے اس کے اوپر مٹی لگا دی ہے اور لیپ کر دیا ہے۔ یہ اسی طرح ہی باقی رہے گی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس وقت میرے ابا جی کا وصال ہو گیا تو مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا انتظار تھا وہ خط کو کھولنے کا تھا کہ خط کھولوں تو سہی اس میں لکھا ہوا کیا ہے۔

کہتے ہیں جب میں نے خط کھولا:

فَتَحْتُ الْكُوَّةَ

میں نے محراب کو توڑا۔

ثُمَّ اسْتَخْرَجْتُ وَرَقَتَيْنِ

پھر دونوں ورقے نکال لئے اور ان کو پڑھنا شروع کر دیا۔

میں نے دیکھا کہ اس میں لکھا ہوا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا ان کا تعارف کیا ہے:

مَوْلِدُہٗ بِمَکَّۃَ

ان کی ولادت مکہ شریف میں ہوگی۔

وَمُھَاجِرُہٗ بِطَیْبَۃَ

وہ ہجرت کر کے طیبہ میں جائیں گے۔

لَافَظٌّ وَلَا غَلِیْظٌ

ان کا مزاج سخت نہیں ہوگا اور تند خو نہیں ہوں گے۔

وَلَا صَخَابٌ فِی الْاَسْوَاقِ

بازاروں میں اونچی اونچی آوازوں سے بولنے والے نہیں ہوں گے اور ان کی حالت کیا ہے:

وَیُجْزِیْ بِالسَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ

اگر ان سے کوئی برا سلوک بھی کرے گا تو وہ ان سے اچھا سلوک فرمائیں گے۔

ان کی سیرت کیا ہوگی۔

یَعْفُوْ وَیَصْفَحُ

لوگوں کو معاف کر دیا کریں گے۔

اُمَّتُہٗ الْحَمَّادُوْنَ

ان کی امت کو حمادون کہا جاتا ہے۔

کیا مطلب ہے کہ جیسے بھی حالات ہوں گے وہ رب سے شکوے نہیں کریں گے۔ خوشی ہوگی پھر بھی تعریف کریں گے اور غمی ہوگی پھر بھی رب کی تعریف کریں گے۔ اور پھر اس خط میں لکھا تھا:

تُذَلِّلُ اَلْسِنَتُهُمْ بِالتَّكْبِيْرِ

ان کی زبانیں ہر وقت تسبیح و تہلیل میں مصروف رہیں گی اور وہ نبی ایسے ہیں وہ جس کو پناہ دیں گے اللہ ان کی مدد فرمائے گا۔ اور پناہ کے معاملے پورے ہو جائیں گے۔

يَغْسِلُوْنَ فُرُوْجَهُمْ

وہ امت ایسی ہوگی کہ وہ استنجاء کرنے والی ہوگی اور پاک امت ہوگی۔

يَأْتَزِرُوْنَ عَلٰى اَوْسَاطِهِمْ

اپنی کمر پر وہ تہبند یا شلوار باندھیں گے۔ نہ اوپر نہ نیچے بلکہ سنٹر میں باندھیں گے۔

اَنَاجِيْلُهُمْ فِىْ صُدُوْرِهِمْ

ان کے قرآن ان کے سینوں میں ہوں گے۔

وَتَرَاحُمُهُمْ بَيْنَهُمْ تَرَاحُمَ بَنِى الْاُمِّ

وہ اگرچہ مشرق و مغرب کروڑوں کی تعداد میں پھیلے ہوں گے مگر وہ آپس میں یوں ہوں گے جیسے ایک ماں کے بیٹے ہوتے ہیں۔

وَهُمْ اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْاُمَمِ

یہ وہ ہیں کہ جو قیامت کے دن سب سے پہلے دیگر امتوں سے جنت میں

داخل ہو جائیں گے۔

اب دیکھو کس شان سے رسول اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا اور آپ کی ا۔ ۔ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اٹھائیسویں حدیث شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ اُمَّتِیْ هُمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ

ابن کثیر: ۲۰/۳ (جزو خامس)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ

تمام تعریفیں اس خدا کی ہیں۔

جَعَلَ اُمَّتِیْ هُمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ

جس نے میری امت کو اول بھی بنایا ہے اور آخر بھی بنایا ہے

میری امت اول بھی ہے اور میری امت آخر بھی ہے۔ اول کس لحاظ سے ہے اور آخر کس لحاظ سے ہے۔

آخر ہے دنیا میں آنے کے لحاظ سے اور اول ہے جنت میں جانے کے لحاظ سے۔

اس حدیث شریف میں بھی رسول اکرم ﷺ نے ختم نبوت کو بیان فرما دیا کہ میں آخری نبی ہوں اور میری امت تمام امتوں سے آخری امت ہے۔ اس امت کے بعد کوئی اور امت نہیں ہے تو میرے بعد کوئی نبی بھی نہیں ہے۔

انتیسویں حدیث شریف

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کَانَتْ یَهُوْدُ خَیْبَرَ تُقَاتِلُ غَطْفَانَ

فَلَمَّا الْتَقَوْا هُزِمَتْ يَهُوْدُ خَيْبَرَ فَعَادَتِ الْيَهُوْدُ بِهٰذَا الدُّعَاءِ فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ وَعَدْتَّنَا اَنْ تُخْرِجَهُ لَنَا فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ اِلَّا نَصَرْتَنَا عَلَيْهِمْ قَالَ وَكَانُوْا اِذَا الْتَقَوْا دَعَوْا بِهٰذَا الدُّعَاءِ فَهَزَمُوْا غَطْفَانَ

دلائل النبوۃ للبیہقی: ۱/۳۴۵

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے یہود کی اہل غطفان سے لڑائی ہوئی، تو خیبر کے یہود بھاگ گئے پھر یہودی اس دعا کے ساتھ واپس آئے، پھر یہود نے کہا، اے اللہ! ہم تجھ سے نبی امی محمد ﷺ کے واسطے سے دعا کرتے ہیں جن کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ تو ان کو آخری زمانہ میں ہمارے لئے بھیجے گا اور ہم تجھ سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتے مگر یہ کہ تو ان پر ہماری مدد کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب بھی یہودی حملہ کرتے تھے یہ دعا مانگتے تھے جس پر انہوں نے غطفان کو شکست دے دی۔

تیسویں حدیث شریف

حضرت زید بن حارثہ کے والد چچا اور بھائی جب حضرت زید کو رسول اللہ ﷺ سے واپس لے جانے کیلئے آئے تو حضرت زید نے واپس جانے سے انکار کر دیا اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات کو دعوت اسلام یوں دی

اَسْأَلُكُمْ اَنْ تَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ خَاتَمُ اَنْبِيَائِهٖ وَرُسُلِهٖ وَاُرْسِلُهٗ مَعَكُمْ

مستدرک للحاکم ۴/۲۲۵

میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ تم گواہی دو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں میں سے سب سے آخری ہوں۔ تو میں زید کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے مجھے خاتم النبیین بنایا ہے، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں پتہ چلا کہ رسول اکرم ﷺ صرف رسول ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ختمِ نبوت کا تاج بھی پہنایا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس موضوع کو سمجھ کر آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر

2

سماجی خدمت کا اسلامی فلسفہ

اَحْمَدُکَ اللّٰھُمَّ یَا مُجِیْبَ کُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ ھُوَ

اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ذَوِی الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ

عقیدۂ اہلِ سنت نہایت ہی معزز و محتشم حضرات و خواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراطِ مستقیم کے اس پرنور پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

سماجی خدمت کا اسلامی فلسفہ

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محتشم سامعین حضرات:

میں نے قرآن مجید برہان رشید کی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر۲ آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ خالقِ کائنات جل جلالہ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

And Help each other in righteousness and piety and help not on other in sin and transgrassion.

خالقِ کائنات جل جلالہ نے ہمیں ضابطہ حیات دیا ہے اس میں رب ذوالجلال نے جہاں ہمیں انفرادی آداب سکھائے ہیں وہاں اجتماعی زندگی کا گر بھی سکھایا ہے۔ خالقِ کائنات جل جلالہ نے جہاں ہمیں اپنی ذات کے ساتھ تعلق کا طریقہ بتایا ہے وہاں عوام کے ساتھ میل جول رکھنے کا سلیقہ بھی بتایا ہے۔ چونکہ اسلام

ایک کامل دین ہے اس میں دنیا بھی ہے، دین بھی ہے۔ اس میں تمام شعبہ جات کی تبلیغ ہے۔

اس لحاظ سے ہمارا دین سماج سے اور سوسائٹی اور اجتماعی زندگی سے بالکل نظریں نہیں پھیرتا۔ دین متین کی توجہ فرد پر بھی ہے اور اجتماعی زندگی پر بھی ہے اس لحاظ سے سوسائٹی کے اصول اور سماج کے اصول اگر ہم سمجھنا چاہیں تو اس میں بھی قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ ہمیں ناامید نہیں کرتے۔ قرآن مجید برہانِ رشید کی سینکڑوں آیت کا تعلق براہِ راست سماج کی اصلاح کے ساتھ ہے۔

سید عالم ﷺ کی ہزاروں احادیث اس موضوع کو اپنے تمام تر مفاہیم کے ساتھ بیان کرنے والی ہیں۔ زندگی گزارنے کیلئے سماج کی ہمیں ضرورت ہے اور زندگی کے دفاع کے لئے بھی سماج کی ضرورت ہے ایک انسان تب زندہ رہ سکے گا جب وہ خوراک کا استعمال کرے گا۔ کم از کم ایک روٹی اس کے لئے نہایت لازم ہے۔ کئی نہ بھی ہوں ایک روٹی کا اہتمام اس کے لئے ضروری ہے، ورنہ وہ اپنی زندگی سے محروم ہو جائے گا۔ انسان کی جو ضرورتیں اور حاجات ہیں اس کا ایک بڑا وسیع دائرہ ہے ہم ان کی طرف نہیں جاتے۔ اب ایک شخص کو ایک دن کے اندر جو ایک روٹی چاہئے اس کے لحاظ سے بھی وہ اوروں کا محتاج ہے۔ اسکو اپنی جنس کے دیگر افراد کے تعاون کی ضرورت ہے ایک دن کی زندگی گزارنے میں وہ دوسرں کے تعاون کا محتاج ہے، تو پوری زندگی بغیر تعاون انسانی کے کیسے گزار سکتا ہے اسے ضرور cooperation کی ضرورت ہے اسے Assistance کی ضرورت ہے

کہ جس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

اب ایک شخص کی ایک دِن کی زندگی پر بحث کرتے ہیں کہ ایک روٹی وہ کھانا چاہتا ہے اگر وہ یہ چاہے کہ میں کسی کے تعاون کے بغیر کھاؤں گا، تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اس کو گندم میسر آ بھی جائے تو پھر گندم کو پیسنا پڑے گا اس کو گوندھنا پڑے گا اور پھر اس کو پکانا پڑے گا۔ یہ جو تین مراحل ہیں ان کے لئے پھر آلات کی ضرورت ہے اگر وہ آلات ہوں گے تو پھر گندم کو پیسا جاسکے گا۔ آٹے کو گوندھا جاسکے گا اور پھر آٹے کو پکایا جاسکے گا۔

اب جن آلات کی ضرورت ہے اور جن برتنوں کی ضرورت ہے وہ سارے یہ خود نہیں بنا سکتا اس کے لئے پھر اس کو کمہار کی ضرورت ہے، اس کو بہت سے شعبہ جات میں کام کرنے والے لوگوں کی ضرورت ہے۔ تب جا کر ایک روٹی پکے گی اور وہ یہ کھا سکے گا۔

تو پتہ چلا کہ زندگی کا ایک دن اور اس میں محض ایک روٹی انسان سماج اور سوسائٹی کے بغیر حاصل نہیں کرسکتا اس کو یقیناً ضرورت ہے کہ وہ دوسرے افراد سے تعاون حاصل کرے اور اس تعاون کے بعد اس کی حاجت کا چھوٹا سا سلسلہ پورا ہوسکتا ہے۔

ایسے ہی زندگی کے دفاع کے لحاظ سے بھی انسان کو انسانوں کی ضرورت ہے۔ چونکہ جس ماحول میں یہ رہتا ہے اس ماحول میں حیوان بھی ہیں اور وہ سارے حیوان اس سے پاورفل ہیں۔ وہ خواہ گائے ہو، گدھا ہو، بھینس ہو، خچر ہو، گھوڑا ہو،

شیر ہو یا اس طرح کے دیگر جانور ہوں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہے۔ وہ اپنی طبیعت کے لحاظ سے وحشی بھی ہیں اور انسان پر حملہ آور بھی ہو سکتے ہیں۔ اب انسان ان سے اپنی زندگی کو بچانا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حیوانوں کو ایک آلہ دیا ہے جس سے وہ اپنا دفاع کرتے ہیں اگر کوئی حیوان ان پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اپنے اعضاء کو استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس حیوان سے بچاتے ہیں۔

انسان پر اگر حیوان حملہ آور ہو جائے تو اس کے پاس سوائے ہاتھ کے اور اللہ کی دی ہوئی سوچ کے اور کچھ نہیں۔ ہاتھ آلہ ہے مگر اس سے بڑا آلہ ذہن، فراست اور سوچ ہے کہ جس کو استعمال کرتے ہوئے انسان وہ کچھ بنا سکتا ہے جس سے بڑے بڑے حیوان کانپ اٹھتے ہیں جب وہ یہ آلہ استعمال کرے گا اس کی وجہ سے اس کی زندگی محفوظ ہو جائے گی۔

اب اس میں بھی جس وقت وہ اپنی زندگی کے دفاع کے لئے ایک ڈیفینڈر defender کی حیثیت سے آگے بڑھے گا تو پھر بھی اسکو انسان کی ضرورت پڑے گی ان کے بغیر وہ ایجادات نہیں کر سکتا وہ مختلف چیزیں نہیں بنا سکتا۔ اپنی فکر اور سوچ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔

اس سے پتہ چلا کہ انسانی زندگی میں تمدن والی حیثیت پائی جاتی ہے یعنی ایک سپیشل اسکے لئے سوشل مینر آف لونگ (Social manner of living) ہے کہ جس کی بدولت وہ اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے ورنہ زندگی گزارنا مشکل ہے۔

یہ تمدن عربی زبان کا لفظ ہے اور اس تمدن کا ہونا انسان کی طبیعت میں ہے اس کے بغیر انسان کا گزارہ نہیں ہوسکتا۔ انسان خواہ اپنی زندگی کو باقی رکھنا چاہے یا زندگی کو کسی سے محفوظ رکھنا چاہے یا پھر تیسرا سبب یہ ہے کہ بقائے نسل اور اصلاح نسل کے لئے بھی اس کو سوسائٹی کی ضرورت ہے۔ اگر سوسائٹی میں یہ نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ تعاون نہیں ہوگا، تو انسان کے افراد کی نہ نسل باقی رہ سکے گی اور نہ نسل کی اصلاح ہوسکے گی۔

لہٰذا یہ غذائی ضرورت، دفاعی ضرورت، بقاء نسل اور اصلاح نسل کی ضرورت پر بڑی بڑی چیزیں ہیں جو بندے کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہیں کہ اسے سماج کی ضرورت ہے۔ اگر سماج صحت مند ہے تو پھر سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اگر سماج گندہ ہے تو اسکے سارے مسائل میں الجھن پیدا ہو جائے گی۔

اسلام نے ہمیں اس انداز کا سماج دیا کہ جس کی وجہ سے بندے کی زندگی بھی گزرتی ہے اور زندگی شرمندگی میں نہیں بلکہ اللہ کی بندگی میں گزرتی ہے۔

ہمارا دین اس سماج کا بانی ہے۔ اس نے اس چلتے پھرتے انسان کو وہ نظام حیات دیا ہے جس کی وجہ سے سوسائٹی میں یہ جیتے بستے ہوئے لوگ اس انداز میں زندگی گزارتے ہیں کہ جب روح نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ انکو فردوس کی بلندیاں عطا فرما دیتا ہے۔

بہترین انسان اور بہترین کام

اس سلسلہ میں سب سے پہلی تعلیم اور سماج کا فلسفہ اس حدیث شریف میں

ہے جسکو طبرانی نے معجم کبیر میں ذکر کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

اِنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور کہنے لگا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی؟

کونسا بندہ اللہ کے نزدیک سب سے پیارا ہے؟ اور اللہ کو پسند ہے اللہ کا برگزیدہ بندہ کونسا ہے؟

تو میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کتنا بھرپور تھا، فرمایا:

اَحَبُّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ اَنْفَعُھُمْ لِلنَّاسِ۔

جو بندہ انسانوں کے لئے زیادہ مفید ہے وہ بندہ اللہ کا زیادہ پیارا ہے۔

لوگوں کی لسٹ میں وہ انسان جو دوسروں کو زیادہ فائدہ دیتا ہے وہی بندہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور اللہ کو زیادہ پیارا ہے اور جس وقت یہ پوچھا گیا کہ

اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ؟

اعمال میں سے کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔

اس موقع پر بھی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا:

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ سُرُوْرٌ تُدْخِلُہٗ عَلٰی مُسْلِمٍ۔

سب سے پسندیدہ عمل اللہ کی بارگاہ میں یہ ہے کہ تم کسی مسلمان کے دل میں خوشی داخل کرو۔"

جب کسی مسلمان کو تم مسرور کرو، وہ غمزدہ ہو تو اس کا غم مٹانے کی کوشش کرو، وہ محتاج ہو تو اس کی حاجت کو رفع کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے گھر پر مصائب کے سائے ہوں اور تم ان مصیبتوں کو پیچھے ہٹانے میں اس کے ساتھ تعاون کرو۔ فرمایا:

جو ہاتھ تمہارا مومن کے مصائب کو دور کرنے کے لئے اٹھے گا یہ اللہ کو بڑا پسند ہے اور جو قدم ایک مومن کی حاجت کو دور کرنے کے لئے اور اس کا کام بنانے کے لئے اس کے ساتھ چلتے ہوئے تم نے اٹھایا ہے یہ قدم تمہارے رب کو بڑا پسند ہے۔

یعنی سارے کاموں میں سے اللہ تعالیٰ کو وہ کام پسند ہے کہ جس میں انسانیت کا بھلا ہو اور مومنین کو اس میں باقاعدہ طور پر ریلیف مل رہا ہو۔ تم جس وقت ایسا کام کرو گے جو قرآن و سنت کے منافی نہیں ہوگا اس کام کو اللہ تعالیٰ تمام کاموں سے زیادہ پسند فرمانے والا ہے۔ اس سلسلہ میں سید عالم ﷺ نے دوسرے نمبر پر فرمایا:

اَوْ تَکْشِفُ عَنْہُ کُرْبَۃً

یا مومن سے تم کسی دکھ کو دور کر دو تو یہ عمل بھی اللہ کو بڑا پسند ہے۔

اَوْ تَقْضِیْ عَنْہُ دَیْنًا

یا کسی مومن کا تم قرض اتار دو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بڑا اچھا لگتا ہے

اَوْ تَطْرُدُ عَنْہُ جُوْعًا

یا کسی مومن کی تم بھوک دور کر دو۔

یعنی اس کو بھوک لگی ہوئی تھی اور کھانے کا وقت بھی تھا تو تم نے اس کو کھانا کھلا دیا تو اللہ کو یہ تمہارا عمل بڑا پسند ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی عملی زندگی کا کام

بیان کرتے ہوئے کتنے خوبصورت لفظوں میں یہ فرمادیا:

وَلَاَنْ اَمْشِيَ مَعَ اَخٍ فِيْ حَاجَةٍ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَعْتَكِفَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ۔

میں چلوں کسی صحابی کی حاجت کو پورا کرنے کیلئے یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں اس مسجد میں اعتکاف کروں۔

یعنی کوئی صحابی میرے پاس آجائے اور مجھے یہ کہے یارسول اللہ ﷺ میرا یہ کام بگڑ گیا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلو میرا کام ہوجائے تو میرے نبی ﷺ فرماتے ہیں۔ میں اس کے ساتھ چل پڑوں تو میرا یہ کام میرے نزدیک میری مسجد نبوی میں اعتکاف سے بڑا ثواب رکھتا ہے۔

سید عالم ﷺ کا یہ جملہ ہمارے لئے کئی لحاظ سے معنویت سے بھرپور اور لبریز ہے آپ ﷺ اس بات کو واضح کرنا چاہتے تھے کہ اسلام صرف دین کا نہیں یہ دنیا کا بھی نظام ہے۔ اسلام صرف مسجد کا نہیں، یہ بازار کا بھی نظام ہے۔ اب دیکھئے رسول اکرم ﷺ جن کی شان کتنی نرالی ہے۔ جن کا ہر لمحہ اللہ کی بندگی میں گزرتا ہے۔ جن پر ہر لمحہ اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور جن کا مقام اللہ کے دربار میں ایسا ہے کہ فرماتے ہیں:

اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ

راتیں میں رب کے ہاں گزارتا ہوں۔

رسول اکرم ﷺ نے سماج کے لئے اپنی خدمت کو پیش کرتے ہوئے اپنے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور قیامت تک کے لئے مومنین کو ایک سبق دے دیا کہ ایسا اگر وقت آجائے انسانیت تڑپ رہی ہو۔ لوگ موت وحیات کی کشمکش میں ہوں، اگر ایسی حالت میں تم نفلی عبادت میں مصروف رہو اور پیاسے کو پانی نہ پلاؤ، بیمار کی دوائی کا بندوبست نہ کرو اور جو لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہوں ان کے لئے تم اپنی خدمات پیش نہ کرو تو پھر رب ذوالجلال ناراض ہو جائے گا۔ ایسی صورت حال کو پیش نظر رکھو۔ فرمایا:

اگر کوئی شخص میرے پاس اپنے کسی کام کے لئے آتا ہے اور میں اس کے ساتھ چلتا ہوں اگرچہ میں اس وقت مسجد میں معتکف نہیں ہوں۔ میرے نزدیک اس بندے کے کام کے لئے میرا چلا جانا مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھنے سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔

سید عالم ﷺ نے فرمایا:

فِیْ هٰذَا الْمَسْجِدِ یَعْنِیْ مَسْجِدَ الْمَدِیْنَةِ۔ (الطبرانی فی الکبیر: ۱۲/۴۵۳)

اس مسجد میں یعنی مدینہ شریف کی مسجد میں۔

ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونا اور کام کاج میں کسی کے ساتھ تعاون کرنا۔ اگر اس نیت سے ہو کہ یہ ہمارے دین کا سبق ہے اور یہ ہماری دینی ڈیوٹی ہے۔ ہمارے دین نے ہمارے لئے یہ لازم کر دیا ہے۔ اس میں کسی کا یہ مقصد نہیں ہے کہ میں کام کروں تا کہ کل مجھے ووٹ مل جائیں، میں کام کروں تا کہ میری تشہیر ہو جائے اور میں کام کروں تا کہ لوگ مجھے سوشل ورکر قرار دیں۔ ایسا کوئی بھی خیال اس کے ذہن میں نہیں ہے اس کے ذہن میں صرف یہ بات ہے کہ اللہ نے

ہمیں جو دین دیا ہے۔ اس دین نے ہماری یہ ڈیوٹی لگا رکھی ہے اس نیت سے جب وہ نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر سانس پر اجر عظیم عطا فرما دے گا۔

تھوڑا دو، زیادہ لو

رسول اکرم ﷺ کی جو دانش ہے اور آپ نے جو لوگوں کو ایک شعور بخشا ہے اس کے لحاظ سے جس وقت ہم سماجی خدمت کا سروے کرتے ہیں تو یہ بات بڑی واضح ہو کر سامنے آتی ہے اور یہ ہمارے لئے ترقی کا ایک ذریعہ ہے کہ ہر بندہ آگے بڑھے۔ دیتے وقت تھوڑا دے اور لیتے وقت زیادہ لے کس سے؟

کسی بندے سے نہیں، کسی بندے کو تھوڑا دے کے اللہ سے زیادہ لے۔ یہ ہمارے سماج کا ایک مرکزی کردار ہے اور اسلامی سماج کی یہ روح ہے۔ اب اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے میرے محبوب ﷺ کا فرمان سامنے رکھئے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

مسلم شریف: حدیث نمبر ۲۶۹۹

جو بندہ اس دنیا میں کسی مومن بھائی کا کوئی دکھ دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں قیامت کے دن اس کا دکھ دور فرما دے گا۔

اب دیکھئے دینے میں تھوڑا ہے لیکن لینے میں زیادہ ہے۔ دنیا میں معمولی سا

دکھ تھا۔ ایک گھنٹہ آپ نے اپنے بھائی کے ساتھ تعاون کیا اور اس کا دکھ دور ہو گیا، اس کا غم ختم ہو گیا اور اس کی ضرورت پوری ہو گئی، اس کی حاجت ختم ہو گئی۔ یہاں ایک گھنٹہ لگا لیکن حشر کے دن کے جو غم ہیں اور حشر کے دن کے جو دکھ ہیں۔ ہو سکتا ہے تم دنیا کی زندگی کا ایک کروڑ سال بھی وہاں جا کر لگا کے اس دکھ کو مٹانا چاہو، اپنا وہ دکھ دور کرنا چاہو تو نہ کر سکو۔ یوم حشر کا اتنا بھاری دکھ ہو سکتا ہے۔

لیکن ایک بندہ جو سماجی خدمت اسلام کے لئے کر رہا ہے اس کو کتنا اضافہ ملا کہ اس نے دنیا میں سستے داموں کسی کا دکھ دور کر کے قیامت کے دن کا وہ سکھ حاصل کر لیا جس کے بارے میں رب یہ بھی فرماتا ہے کہ اگر کوئی بندہ ساری زمین فدیہ میں لے آئے تو پھر بھی اس کے کوئی عذاب میں کمی نہیں ہو سکتی۔

اگر اس نے سماج کی خدمت اللہ کے کہنے پر کی ہے۔ اس نے تھوڑے سے پیسے لگائے، تھوڑا سا ٹائم دیا اور تھوڑی دیر کیلئے گیا لیکن نتیجہ کیا نکلا اللہ تعالیٰ نے اس کے ایک کام کے بدلے میں قیامت کا دن جو بھرپور قسم کا ہولناک دن ہے۔ اس دن کا دکھ دور کر دیا ہے۔ اس دن کی گھبراہٹ دور کر دی ہے۔ اس دن کی پیاس دور کر دی ہے۔ اس دن کی بھوک دور کر دی ہے اور اس دن جو وحشت طاری ہونے والی تھی اس وحشت کو بھی دور کر دیا ہے۔

ہمارے اسلام نے ہمارے وارے نیارے کر دیئے ہیں۔ اگرچہ یہ سماج کا کام کرنے کیلئے ہمیں کہیں دور نہیں جانا پڑا محلے میں ہی کیا اپنی گلی میں ہی کیا، اپنے مانوس رستوں میں ہی کیا اور ہمارا کام وہاں ہو گیا جہاں کے رستوں کی ہمیں خبر

تک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری سماجی خدمت کو یہ شان بخشی ہے کہ ایک مومن کرنے پر آتا ہے تھوڑا سا کام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ دامن بھرنے پہ آتا ہے تو بہت زیادہ بھر دیتا ہے۔

پھر سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ يَسَّرَ عَنْ مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

جس بندے نے کسی کی مشکل کو حل کیا وہ معسر تھا، تنگدست تھا اس نے اس کے لئے خوشحالی پیدا کی۔ اللہ اس کو دنیا اور آخرت میں آسانیوں سے نواز دے گا

کہیں کوئی بندہ پھنس چکا تھا اس نے اسکو نکالنے کی کوشش کی تو میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں:

يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اللہ اس بندے کے کاموں میں آسانی پیدا فرمادے گا۔ دنیا میں بھی اس کے کاموں میں آسانی ہو جائے گی اور آخرت میں بھی آسانی ہو جائے گی۔

اس نے کسی دوسرے کی مشکل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئی گنا آسانیاں اس کے اپنے کاموں میں آجائیں گی اور پھر میرے محبوب ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً

جس نے کسی مسلمان کا عیب چھپایا

یعنی جس بندے نے کسی مسلمان کا کوئی عیب دیکھا تو اس کو لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا اسے چھپایا ہے اور وہ عیب ایسا تھا کہ وہ ایک انفرادی حیثیت کا تھا، وہ مجمع عام میں کرنے والی بات نہیں تھی، اس پر اس نے پردہ ڈالا ہے تو کیا ہوگا اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں جہاں کروڑوں لوگ دیکھ رہے ہوں گے وہاں اس میدان کے اندر اللہ اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔

سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کو پردہ عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی پردہ عطا فرمائے گا۔

ہمارے سماج کی بنیاد وہ ایلیمنٹ element ہے کہ یہاں ہم کرتے تھوڑا ہیں لیکن ملتا اللہ کے دربار سے بہت زیادہ ہے۔ ہم دنیا کے لحاظ سے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کے لحاظ سے عطا فرماتا ہے اور پھر اس سے بڑا فائدہ، اور کیا ہے۔

یقیناً ہم میں سے کوئی بندہ کتنا ہی پاورفل کیوں نہ ہو، کتنا زیادہ کسی کے پاس پیسہ کیوں نہ ہو اور کتنا بڑا کسی کی سماجی خدمت کا نیٹ ورک کیوں نہ ہو، وہ اتنا کچھ نہیں کرسکتا جو کچھ ہمارا رب کرسکتا ہے۔ کسی کا سماج کی خدمت کے لحاظ سے کتنا ہی وسیع کام کیوں نہ ہو۔ اس کی خدمت تھوڑی ہے اور ایک منٹ میں جو رب کا فضل ہے وہ زیادہ ہے۔ اب انسان دنیا میں اسلامی نقطہ نظر سے سماج کا کارکن بن جائے گا تو کیا ہوگا۔

میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ

مسلم شریف: حدیث نمبر ۶۲۹۹

اللہ بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے

اب دیکھو اللہ کی قدرت اس کو مل گئی۔ کس کے عوض میں؟ بھائی کیساتھ تعاون کرنے کی وجہ سے۔ اس نے جو بھائی کو ٹائم دیا ہے وہ محدود سا ہے، تھوڑا سا ہے اور اللہ نے جو فضل اس کے کھاتے میں ڈال دیا وہ بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا جس مومن نے بھائی کے ساتھ تعاون کیا ہے اس کو سماجی خدمت پر اللہ کی طرف سے کتنا اضافہ مل رہا ہے۔

جب تک کوئی بندہ کسی کے کام میں ہے مثلاً کوئی زخمی ہو گیا، یہ ساتھ گیا ہسپتال میں ساتھ رہا، بیماری کے اندر اس کے ساتھ معاون رہا، یہ جب تک اس کے ساتھ معاون رہے گا۔ یہ نہ سمجھے کہ میرے کام رک گئے ہیں، میرے کام میں مندہ آ گیا ہے اور میں لٹ جاؤں گا۔ نہیں نہیں۔ غیر محسوس طریقے سے رب ذوالجلال ایسا دے گا کہ جس کا یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس انداز میں اس سماج کی حیثیت کو محبوب ﷺ نے واضح کیا ہے۔ کہ ایک بندہ کسی کے ساتھ اس کے کام کے لئے نکلتا ہے تو یہ نہ سمجھے کہ میں اسکے ساتھ جا رہا ہوں اب میرا کوئی پرسان حال نہیں۔ اس نے اپنا تھوڑا سا تعاون اپنے بھائی کے پلڑے میں ڈالا ہے، رب ذوالجلال کا ایک بہت بڑا فضل اس کے پلڑے میں شامل ہو گیا ہے۔

سماجی خدمت ایمانی تقاضا

جس وقت ہم سماج کی روح کو دیکھتے ہیں تو سماجی خدمت ایک ایمانی تقاضا بھی ہے۔ جس کی بنیاد پر انسان کو ایسی صورتحال کا سامنا ہوتا ہے کہ ایمان مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی سوسائٹی کے لوگوں کے ساتھ شریک ہو جائے۔ چونکہ ہمارا دین ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں کے احوال سے بے خبر ہو اور جو ابنائے امت کے احوال سے بے بہرہ ہو۔

اب ایک شخص دنیا کے حالات نہیں جانتا کہ اس وقت افغانیوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اس وقت لبنانیوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، عراقیوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے ، گروزنی اور غزہ میں کیا ہو رہا ہے۔ فلسطینیوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ ایک طرح کی غفلت کا مرتکب ہے، وہ مجرم ہے اسے کم از کم پتہ تو ہو، اگر چہ کچھ کر سکتا ہے یا نہیں لیکن اس کا دل تو تڑپے۔ اس کو شرمندگی تو ہو اور اس کو درد تو ہو کہ میرا بھائی ہے اس کو میرے تعاون کی ضرورت ہے میں اس کے تعاون کو نہیں پہنچ سکا تو میں اللہ سے معافی مانگوں۔

اخوت کا یہ مطلب ہے چبھے کانٹا جو کابل میں
تو پاکستان کا ہر پیر و جوان بے تاب ہو جائے

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ لَمْ يَهْتَمَّ بِأُمُورِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ

مجمع الزوائد للهيثمي: ۲۴۸/۱۰

جو بندہ مسلمانوں کے احوال کو دیکھتا نہیں، مسلمانوں کے کام کا اہتمام نہیں کرتا، اور مسلمانوں کی ضرورتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ فرمایا:

فَلَيْسَ مِنْهُمْ

وہ ان میں سے نہیں ہے۔

میری امت میں وہ ہے جو لوگوں کے حالات سے باخبر رہتا ہے اور جس قدر ہو سکے ان کی مشکل کو دور کرنے میں ایک کردار ادا کرتا ہے۔

اس سلسلے میں آپ ﷺ نے جو مثال دی وہ بڑی حسین مثال ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔

بخاری شریف: حدیث نمبر ۶۰۱۱ مسلم شریف: حدیث نمبر ۲۵۸۶

بڑی خوبصورت مثال دی ہے اس سے غیر محسوس چیز محسوس بن جاتی ہے جب کسی شخص کو کسی بات کا بڑا گہرا مطالعہ ہو تو پھر اس کو مثال سے سمجھایا جا سکتا ہے ورنہ مثال دینا مشکل ہوتا ہے۔

ہمارے محبوب ﷺ تو پوری کائنات کے ہر شعبے کے سپیشلسٹ ہیں۔ خواہ حیوانات کا ہو، نباتات کا ہو، افلاک کا ہو۔ وہ کسی چیز کا شعبہ ہو اور کسی طرح بھی سیاست و تدبیر منزل اور تہذیب اخلاق کی کوئی گتھی کٹھی سلجھانے کا مسئلہ ہو۔

ہمارے محبوب ﷺ مثال دیتے ہیں تو کمال فرماتے ہیں۔

میرے محبوب ﷺ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سارے مسلمان ایک ہیں اور سارے مسلمانوں کا درد ایک ہے سارے مسلمانوں کی صحت ایک ہے سارے مسلمانوں کے مقاصد ایک ہیں سارے مسلمانوں کو مل جل کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہئے اور سارے مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے باخبر رہنا چاہئے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونا چاہئے تو مسلمانوں کی آپس کی محبت کی کیا حسین مثال دیتے ہیں۔

میرے آقا ﷺ فرمانے لگے:

فِیْ تَوَادِّهِمْ

آپس میں مودت کے لحاظ سے۔

مودّت گہری محبت کو کہتے ہیں۔ یہ سمجھنا ہو کہ مومن کو مومن کا کتنا محب ہونا چاہئے اور اس مومن کا مومن سے کتنا پیار ہونا چاہئے تو پھر یہ مثال سمجھو:

تَرَاحُمِهِمْ.

ایک مومن کو دوسرے مومن کے لئے کتنا رحیم ہونا چاہئے۔ ایک مومن کو دوسرے مومن کے لئے کتنا شفیق ہونا چاہئے، ایک مومن کے دل میں دوسرے مومن کے لئے رحمت کا کتنا جذبہ ہونا چاہئے۔ میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں اگر یہ دیکھنا ہو تو پھر بھی میری اس حدیث کو پڑھ لو: ساری حیثیات تم پر واضح ہو جائیں گی

وَتَعَاطُفِهِمْ

ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے لئے کتنی مہربانی ہونی چاہیے۔ اگر مہربانی کا، پیار کا اور رحمت کا اندازہ لگانا ہو کہ مومنوں کا آپس میں پیار کیسا ہونا چاہیئے، آپس میں شفقت کیسی ہونی چاہیئے، آپس میں رحمت کیسی ہونی چاہیے۔

یوں سمجھو کہ اگر یہ ساری باتیں دیکھنی ہوں کہ ایک مومن کا دوسرے مومن کے ساتھ ربط کیسا ہونا چاہیئے۔

فرمایا:

ایسا ہونا چاہیئے جیسے ایک جسم کے اجزاء کا آپس میں ہوتا ہے۔

جسم ایک ہے لیکن اجزاء کی آپس میں شکلیں مختلف ہیں اور ان کی افادیت بھی مختلف ہے۔ ظاہر ہے کان جو کام کرتے ہیں آنکھ تو وہ کام نہیں کرتی اور زبان جو کام کرتی ہے ہاتھ تو وہ کام نہیں کرتا۔ لیکن ایک جسم کے اعضاء ہیں۔

یعنی میری ملت اور امت میں افراد کے درجات اگرچہ جدا جدا ہیں، ان کے کام جدا جدا ہیں ان کے شعبے جدا جدا ہیں۔ کوئی کسی شعبہ کا سپیشلسٹ ہے، کسی کا کوئی آؤٹ پٹ (Out Put) ہے تو کسی کا کوئی فائدہ ہے اور کوئی کسی طرح ماحول کے لئے مفید ہے۔

ان سب کو ایک چیز متحد کر رہی ہے کہ ہیں یہ ایک جسم کے اجزاء ہیں مگر شکلیں مختلف ہیں۔

جس طرح ہاتھ اور قدم کی آپس میں شکل مختلف ہے اور دو ہاتھوں کی شکل آپس میں ایک جیسی بھی ہے یعنی ایک ڈیپارٹمنٹ میں ہوں یا مختلف شعبہ جات

ہوں۔تمام اعضاء جسم کے ساتھ متحد ہیں۔

میرے محبوب ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اشْتَکیٰ مِنْہُ عُضْوٌ تَدَاعیٰ لَہٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّھْرِ وَالْحُمّٰی

یعنی اگر ایک عضو کو درد ہوتا ہے تو سارے جسم کو نیند نہیں آتی۔اگر درد انسان کی داڑھ کو ہو تو نینداس کے ہاتھ کو بھی نہیں آتی،چین اس کے دماغ کو بھی نہیں آتا،اگراس کے جسم کے کسی ایک عضو پر زخم ہو جائے تو پورا جسم کانپنا شروع ہو جاتا ہے اگر کلہاڑی اس کے پاؤں پہ لگے آنسو اس کی آنکھ میں آجاتے ہیں۔یہ آپ ﷺ نے طب کے لحاظ سے لفظ بولے ہیں یہ آقا ﷺ کی مہارت کا اظہار بھی ہے۔

جب کہیں بخار کا حملہ ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے ساری رات اس کو نیند نہیں آتی۔جسم کے کسی حصے پہ حملہ ہوا مگر آنکھ بیدار رہی۔حملہ کہیں ہوا بخار کہیں ہو گیا۔

یہ جسم کے اعضاء کا آپس میں ربط ہے اگر چہ اعضاء کی شکلیں آپس میں مختلف ہو سکتی ہیں ان کے مقاصد بھی مختلف ہو سکتے ہیں مگر چونکہ وہ ایک ہی جسم کے ہیں لہٰذا ان کو اس بات میں یکجہتی ہے،اتحاد ہے کہ اگر اس جسم پر خوشی آتی ہے تو سارے خوش ہوتے ہیں۔اس جسم پر اگر غمی آتی ہے سارے غمزدہ ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی امت مسلمہ ایک جسم کی طرح ہے۔یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک ہاتھ کٹتا رہے دوسرا ہاتھ سوتا رہے،قدم زخمی ہو جائیں اور آنکھ آنسو ہی نہ بہائے۔یہ نہیں ہو سکتا کہ کہیں بخار ہو اور جسم کو پتہ ہی نہ ہو۔

نہیں نہیں۔جیسے ایک جسم کا ایک عضو اگر متاثر ہوتا ہے تو سارا جسم بے خوابی

میں اضطراب میں اور بے چینی کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے۔اس کو بخار ہو جاتا ہے۔

ایسے ہی شرق و غرب، شمال و جنوب میں امت مسلمہ کا ایک فرد بھی اگر متاثر ہو گیا، زخمی ہو گیا اس پہ ظلم و ستم ہو گیا، اس پر مصیبتیں آ گئیں تو دوسرا مغرب میں بستا ہے اگر وہ مومن ہے تو اس کو وہ درد محسوس کرنا چاہئے اور اس درد میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک ہو جانا چاہئے۔اس انداز میں یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا بھائی تڑپ رہا ہے اور یہ میوزک اور سرور کی محفلیں میں ہو۔اور ادھر مسلم امہ کا لبنان میں، افغانستان میں، عراق میں، غزہ میں خون بہہ رہا ہو۔اور ادھر خبر ہی نہ ہو نہیں نہیں۔یہ ایک وحدت ہے اس کی وجہ سے سماج کے مسائل کا پتہ بھی چلے گا اور اس کے حل کا ادراک بھی آئے گا۔جب سارے ایک جسم کی طرح ہیں، مثلاً جب ہاتھ کو دھونے کی ضرورت ہوگی تو دوسرا ضرور تعاون کے لئے آئے گا۔دونوں ملیں گے تو دونوں صاف ہو جائیں گے۔اس طرح سوسائٹی میں سماج کا فلسفہ ہمارے محبوب ﷺ نے سمجھا دیا ہے اور یہاں سے یہ بات بھی بڑی اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ:

یہ جسم کے ساتھ جو مثال دی ہے کہ ایک کو درد ہو تو سب کو محسوس ہوتا ہے۔اس لحاظ سے اتحاد ہوتا ہے۔دوسرا یہ بھی پتہ چلا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی بندہ آپ کے ایک عضو کا تو دوست ہو اور دوسرے کا دشمن ہو، کوئی تمہارے ایک ہاتھ کا تو دوست ہو اور دوسرے ہاتھ کا دشمن ہو۔جو تمہارے ایک ہاتھ کا دوست ہے وہ تمہارے دوسرے ہاتھ کا بھی دوست ہے۔جو تمہاری ایک آنکھ کا دوست ہے وہ تمہاری دوسری آنکھ کا بھی دوست ہے۔جس کو تمہارا ایک قدم اچھا لگتا ہے اس کو دوسرا قدم بھی اچھا

لگے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک قدم تو اچھا لگے لیکن دوسرا قدم اچھا نہ لگے۔

کسی کے ایک عضو کا کوئی دشمن بن گیا تو وہ دوسرے عضو کا بھی دشمن ہو گا۔

مثال کے طور پر اگر امریکہ عراق پر آگ برساتا ہے تو جیسے یہ دشمنی اہل عراق سے ہے ایسے ہی اہل پاکستان سے ہے۔

ایک جسم کے دشمن بھی مشترکہ ہوتے ہیں اور دوست بھی مشترکہ ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ دشمن تقسیم ہو جائیں یا ان کے دوست تقسیم ہو جائیں۔ ایک عضو کہے کہ یہ اس کے دشمن کی باری ہے۔ میرا دشمن تو نہیں آیا۔ نہیں۔ میرے نبی ﷺ کا جسم کے ساتھ مثال دینے کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے دشمن بھی ایک جیسے ہوتے ہیں اور دوست بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔

جو افغانستان پر آگ برساتا ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔ جو عراق پر آگ برساتا ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔ جو لبنان پر آگ برساتا ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔ جو کشمیر میں آگ برساتا ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔

چونکہ ہمارا کلمہ ایک ہے، ہم کہیں گے کہ وہ تمام مسلمانوں کا دشمن ہے تو اس بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے سماج کے مسائل کے جو ہزاروں شعبہ جات تھے ان کو ایک مثال کے دائرے کے اندر بند فرما دیا ہے۔

دوسری طرف اور مثال دی ہے وہ مثال بھی بڑی خوبصورت مثال ہے۔ میرے محبوب ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اس کو بیان کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اسکے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ

بخاری شریف: حدیث نمبر ۲۴۴۶ مسلم شریف: حدیث نمبر ۲۵۸۵

مسلمان مسلمان کے لئے یوں ہے جیسے دیوار کی اینٹیں ہوتی ہیں۔

يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا

بعض بعض کے لئے سہارا بنتی ہیں۔

جب اینٹوں کا آپس میں تعلق نہیں تھا۔ تو ان کی کوئی ویلیو نہیں تھی وہ بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تھیں وہ بکھرا ہوا ایک ڈھیر تھا۔ ان پر ستون نہیں رکھا جا سکتا تھا، ان پہ چھت نہیں بنائی جا سکتی تھی۔ لیکن انہی اینٹوں کو جب آرگنائز کیا گیا تو پھر اس کا نام دیوار بنا۔ جب تک وہ اس ترتیب میں نہیں آئیں گی تو دیوار نہیں بنے گی۔ ستون نہیں بنے گا۔ ترتیب میں آئیں گی تو پھر پتہ چلے گا کہ مقصد اینٹوں کا کیا تھا۔ پھر یہ پردہ بھی کریں گی، پھر وہ بیرونی چیزوں کو اندر آنے سے روک بھی لیں گی۔ پھر وہ چھت کا بوجھ بھی اٹھائیں گی لیکن کس وقت جب ان میں ترتیب آجائے گی، نظم آجائے گا اس کے بغیر وہ ایک ڈھیر ہے اس کی کوئی افادیت نہیں۔ کوئی فائدہ نہیں۔ ترتیب کیا ہے کہ نیچے والی اینٹ نے اوپر والی کا بوجھ اٹھایا ہے۔ دائیں والی بائیں کے لئے سہارا بن گئی۔ بائیں والی دائیں کے لئے سہارا بن گئی ہے۔ پھر جو اوپر آئی ہے تو اس نے اوپر والی کا بوجھ اٹھایا۔ اس طرح اٹھاتے اٹھاتے جو سب سے اوپر تھی اس نے چھت کا بوجھ اٹھالیا۔

یہ امت کی سوسائٹی کی حیثیت ہے اور یہ امت کا سماج ہے۔

اگر یہ بکھرے رہیں گے تو پھر باطل کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور اگر یہ ترتیب میں آجائیں گے تو پھر یہ دیوار بھی ہے، کوہسار بھی ہے پھر ستون بھی ہے، بوجھ اٹھائیں گے اور حجاب بن جائیں گے۔ پھر غیروں کو اپنے گھر نہیں آنے دیں گے۔ غیروں کو اپنی سلطنت کی حدود میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ پھر باطل پرستوں کے دانت کھٹے کرسکیں گے۔ پھر ایک مکاّ کی طرح نظر آئیں گے۔ ان کی پاور دنیا پر محسوس کی جائے گی۔

اینٹوں کا آپس میں رکھ رکھاؤ کرنا پڑے گا۔ ایک دوسرے کا بوجھ اٹھانا پڑے گا ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملانا پڑے گا۔

اگر ایک اینٹ کہے کہ میں اچھے بھٹے میں پکی ہوں میرا رنگ ہی بڑا اچھا ہے اور یہ تو بالکل زرد رنگ کی ہے۔ میں اسے کبھی قریب نہیں آنے دوں گی تو یہ جو اچھے بھٹے کی اینٹ ہے یہ بھی اپنا فائدہ نہیں دے سکے گی۔ یہ بھی کسی نالی میں گر جائے گی اِدھر اُدھر پڑی رہے گی۔ اس کی بھی افادیت تب آئے گی جب یہ کسی کو ساتھ ملائے گی۔ کسی پر بوجھ ڈالے گی اور کسی کا بوجھ اٹھائے گی۔

ایسے ہی ایک بندہ اگر سونے کا بھی ہو لیکن جب تک وہ سوسائٹی میں مربوط نہیں ہوگا اس وقت تک وہ تنکا بھی نہیں ہے، وہ ذرہ بھی نہیں ہے اور جس وقت ایک تنظیم کے اندر وہ آجائے گا تو پھر اس کو پتہ چلے گا کہ بوجھ اٹھایا کیسے جاتا ہے اور بوجھ ڈالا کیسے جاتا ہے۔ کسی کو برداشت کیسے کیا جاتا ہے۔ اب یہ ہوگا کہ دوسری

اینٹوں کے ساتھ یہ ملے گی تو حجاب اور پردے کا کام دے گی کسی کا مال محفوظ ہوگا اور کسی کی جان محفوظ ہو جائے گی۔ میرے محبوب ﷺ کی یہ مثال بھی جنتی سونے کے پانی کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے کہ آپ ﷺ نے قیامت تک کے لئے اپنی امت کو وہ نظم وضبط عطا فرمایا ہے کہ کسی دوسرے مذہب میں اسکا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

تمہیں یقیناً ایک دوسرے کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت تمہیں اپنی زندگی گزارنے کے لحاظ سے بھی ہے لیکن میں جو تمہیں بتا رہا ہوں محبوب ﷺ نے فرمایا میرے نزدیک یہ ضرورت تمہارے ایمان کی ضرورت ہے۔

تمہارا ایمان یہ کہے گا کہ جب میں مومن ہوں تو اگرچہ میرا مومن بھائی یہاں سے ہزاروں میل دور ہے۔ ہم ایک جسم کے اعضاء ہیں کیونکہ ہمارا کلمہ ایک ہے، ہمارا رب ایک ہے، ہمارا نبی ایک ہے، ہمارا قرآن اور ہمارا دین ایک ہے اور ہمارے اندر وحدت موجود ہے۔ اس بنیاد پر رسول اکرم ﷺ نے سماج کا یہ فلسفہ ہمیں عطا فرمایا ہے۔

سماجی خدمت کی ترجیحات برادری نہیں ہوتی اس میں رنگ ونسل کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس سماجی خدمت میں کسی کے ساتھ اپنے ذاتی تعلقات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہاں سماج کی خدمت کے پیچھے وہ اخوت محمدی ﷺ ہے جس وقت وہ روح بنتی ہے تو پھر یہ سماجی خدمت ہی نہیں ہوتی اس کو عبادت بھی کہا جاتا ہے۔

اس واسطے رسول اکرم ﷺ نے اس کو صرف ایک عبادت نہیں قرار دیا۔ سماجی خدمت کو کئی عبادتوں کے نام دیئے ہیں۔

میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز میں اسکی وضاحت کی ہے کہ اس وقت کی حکومتیں حیران رہ گئیں کہ ان کے پاس بندے تھوڑے سے ہیں مگر انہوں نے ان کو وہ کچھ سکھا دیا ہے کہ جسکی وجہ سے انہوں نے بڑی بڑی حکومتوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں اور بڑی بڑی حکومتوں پر لرزہ طاری کر دیا ہے۔ چند لوگ شروع میں جب چالیس بنے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا تھا تو وہ چالیس اتنے منظم تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

سورۃ انفال: ۶۴

اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے اللہ کافی ہے اور یہ چالیس ماننے والے بھی کافی ہیں۔

یہ تمہاری فوج ہے، یہ تمہارا لشکر ہے۔ ابھی صرف چالیس تھے لیکن ان کو یہ پڑھا دیا تھا کہ یوں دیوار بنتی ہے اور یوں تم جسم کی مانند ہو۔ جب چالیس ایک جسم کی طرح نظر آئے تو اس وقت سے ہی کفر کو پسینہ آ گیا۔ اگر آج ہم کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور پھر بھی اگر کفر کو پسینہ نہیں آتا تو ہم یہ سبق بھول چکے ہیں جو سبق سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا تھا۔ اس سبق کی برکت یہ ہے کہ اس میں صرف ہمارے اندرونی مسائل ہی نہیں اس کو دیکھ کر بیرونی مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔

خدمت بھی عبادت بھی

انداز خدمت و عبادت کیسا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ان

حدیث کو روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ طَلَعَتْ فِیْہِ الشَّمْسُ صَدَقَۃٌ

ہر بندے پر ہر دن صدقہ کرنا لازم ہے۔

نفس کا لفظ بولا یہ نہیں فرمایا امیر پر صدقہ لازم ہے۔ جو بھی ذی روح مومن ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے ہر دن میں اس پر صدقہ کرنا لازم ہے۔ جس وقت میرے نبی ﷺ نے یہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مِنْ اَیْنَ اَتَصَدَّقُ

یارسول اللہ ﷺ میں کہاں سے صدقہ کروں

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میری تو ایسی حالت نہیں کہ میں روزانہ صدقہ کرسکوں۔ آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ہر دن صدقہ ہے۔

بلکہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ بندے کے جسم کے جتنے جوڑ ہیں ان پر صدقہ لازم ہے یعنی تین سو ساٹھ جوڑ پر صدقہ کرنا لازم ہے۔

کہنے لگے میں اتنا صدقہ کہاں سے لاسکتا ہوں، نادار اور فقیر ہوں جب انہوں نے آپ سے پوچھا، کہنے لگے:

لَیْسَ لَنَا اَمْوَالٌ

اکثر ہم میں سے ایسے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے

لہٰذا ہم روزانہ صدقہ کیسے کرسکتے ہیں۔ جب انہوں نے یہ پوچھا تو میرے محبوب ﷺ نے فرمایا تم صدقہ کا مختصر سا معنیٰ سمجھتے ہو۔ صدقے کے ہمارے ہاں کئی

شعبے ہیں اور کوئی جتنا بھوکا بھی ہو، صدقہ کر سکتا ہے:

اَنَّ مِنْ اَبْوَابِ الصَّدَقَۃِ التَّکْبِیْرُ

یعنی جو بندہ اللہ اکبر کہے اس کے لئے پیسوں کی کوئی ضرورت نہیں زبان سے اللہ اکبر کہے یہ بھی صدقہ ہے۔

وَسُبْحَانَ اللّٰہِ

اور زبان سے سبحان اللہ کہہ دے تو یہ بھی صدقہ ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

اور زبان سے الحمد للہ کہے تو یہ بھی صدقہ ہے۔

وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ

زبان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ گناہ کی معافی بھی ہے اور ساتھ صدقہ بھی ہے۔

وَتَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ

تو کسی کو اچھے کام کا حکم دے یہ بھی صدقہ ہے۔

بے نمازی کو نماز کا کہا اور جو روزہ نہیں رکھتا اس کو روزے کا کہا، جس کی آنکھیں بے حیا ہیں اس کو شرم و حیا کا کہا۔ جس کے کان میوزک سے گندے ہیں اس کو میوزک سے بچنے کا کہا۔ فرمایا اس سے تمہیں صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔

تَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ

اور تو برائی سے روکے یہ بھی ایک صدقہ ہے۔

وَتَعْزِلُ الشَّوْكَةَ عَنْ طَرِيقِ النَّاسِ

جہاں لوگ چلتے ہوں وہاں سے کانٹا اٹھا کے ایک طرف کر دو تو یہ بھی صدقہ ہے۔

وَالْعَظْمَ

ہڈی راستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

وَالْحَجَرَ

اور راستے میں کوئی پتھر پڑا ہوا تھا۔ راستے سے تم نے اٹھا کے اس کو علیحدہ کر دیا تو یہ بھی صدقہ ہے۔

وَتَهْدِي الْأَعْمٰى

تم راستے میں بیٹھے تھے کوئی اندھا گزر رہا تھا اس کو تم نے رستے پہ لگایا تو یہ بھی صدقہ ہے۔

وَتُسْمِعُ الْأَصَمَّ وَالْأَبْكَمَ حَتّٰى يَفْقَهَ

ایک بندہ بہرہ بھی تھا اور گونگا بھی تھا اس کو بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی تم نے اس کو سمجھا دیا تو فرمایا اے میرے امتی یہ بھی صدقہ ہے۔

یہ ساری صورتیں بیان کرنے کا مقصد کیا ہے۔ نیکی تلاش کرتے وقت تم یہ نہ سوچنا کہ وہ صرف مسجد میں ملتی ہے۔ نیکی گلی میں بھی مل سکتی ہے، نیکی بازار میں بھی مل سکتی ہے، نیکی دوکان پر، فیکٹری میں، نیکی کے ماحول میں، سماج میں، نیکی پوری دنیا کے اندر پھیلی ہوئی ہے۔ جہاں بھی محتاج ہے جس طرح کا محتاج ہے۔ تم اس کے ساتھ نیکی کرو گے اللہ تمہیں صدقہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔

وَتَدُلُّ الْمُسْتَدِلَّ عَلٰی حَاجَتِہٖ

یعنی ایک بندے کو اڈریس سمجھنے کی ضرورت تھی اس کو تم نے نشانی بتائی کہ فلاں گلی میں پہنچ جاؤ۔فلاں فیکٹری کے سامنے دائیں طرف گھر ہے یہ تم نے اس کی حاجت کو پورا کر دیا۔تو یہ بھی صدقہ ہے۔پھر فرمایا:

وَتَسْعٰی بِشِدَّۃِ سَاقَیْکَ اِلَی اللَّھْفَانِ الْمُسْتَغِیْثَ

یہ کہ تم اپنی پنڈلیوں کے زور سے بے سہارا، مدد چاہنے والے کی طرف دوڑو یہ لفظ بڑے اہم ہیں ساقیک ساق پنڈلی کو کہتے ہیں اور شدت پوری پاور کو کہتے ہیں۔تم نے دیکھا کہ ایک بندہ نابینا ہے اور اس کی کسی کے ساتھ ٹکر ہونے والی ہے تم اتنے گھبرائے اور پوری پاور کے ساتھ تم دوڑے اور اپنی پنڈلیوں پر دوڑتے دوڑتے تم نے جا کر اس کو بچا لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ بہت بڑا صدقہ ہے۔

جو اپنی پنڈلیوں کو اللہ کے راستے میں کسی بندے کے لئے، اس کی مدد کے لئے تھکا دے وہ گڑھے میں گرنے والا تھا یا اس طرح کا کوئی اور معاملہ تھا تم دوڑ کے پہنچ سکتے تھے، تم فوراً پہنچ گئے اور تم نے کسی بندے کو نقصان سے بچا لیا اس میں بھی صدقہ ہے۔

وَتَرْفَعُ بِشِدَّۃِ ذِرَاعَیْکَ مَعَ الضَّعِیْفِ

مسند امام احمد: ۵/۱۶۸، ۱۶۹

یعنی کوئی بندہ بوجھ اٹھانا چاہتا تھا لیکن اس سے اٹھتا نہیں تھا تم نے اپنے بازو کو بوجھ اٹھانے کے لئے استعمال کیا اور شدید زور لگایا اس پر بھی رب تمہیں صدقہ

کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اب سید عالم ﷺ نے جتنے بھی آخری شعبہ جات بیان کئے ہیں یہ سارے سماجی خدمت کے ہیں، یہ سارے سماجی معاملات کے ہیں اور ان سب کے اندر صدقہ کا لفظ بولا ہے۔ اس کو عبادت بھی قرار دے دیا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ جو ہمارا دین ہے اس کے اندر ہی دنیا ہے اور جو دین کے اندر دنیا ہے وہ دنیا نہیں وہ دین ہی دین ہے۔ اس کے اندر جتنے آداب ہیں، جتنے پروگرام ہیں، جتنے کام ہیں، بس صرف یہ ہے کہ بندے کی سوچ کی سوئی سیدھی ہونی چاہئے۔ اگر چہ وہ سماج میں ایک کارکن کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ حال یہ ہے کہ وہ شریعت کا بھگوڑا نہیں۔ وقت پہ نماز بھی پڑھتا ہے۔ روزہ بھی رکھتا ہے اور اللہ کے فرائض کو نبھاتا ہے ان چیزوں کی وہ پابندی بھی کرتا ہے اور پھر وہ اپنا ٹائم کام میں لگا دیتا ہے۔ اس کا بندوں کے کام آجانا اللہ کو اتنا پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سارا وقت بندگی میں شمار فرمادے گا۔ یہ وہ بات تھی جو اقبال علیہ الرحمۃ کہہ رہے تھے:

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اس انداز میں جس وقت انسان چلتا ہے تو اس کی شخصیت کے اندر ایک نکھار آتا ہے اور وہ محبوبیت کا درجہ پاتا ہے یہ محبوبیت اصل میں اللہ کی طرف سے ملتی ہے تو پھر بندوں میں بھی محبوبیت اس کو میسر آجاتی ہے۔

یہ ہمارے سماج کی روح ہے کہ جس وقت ہم سماج کی بات کرتے ہیں ہم رواج کی بات نہیں کرتے۔ ہم اسلام کے مزاج کی بات کرتے ہیں اور اسلام کے مزاج کے اندر یہ بات شامل ہے کہ بندہ تصور بھی نہیں کر سکتا ہے کہ ایک بوڑھی عورت کے گھر ایک گھڑا پانی کا بھر کے اس نے رکھا ہے تو اس کو ملا کیا ہے۔ یہ اولڈ سٹیزنز (Old Citizens) کی تنظیمیں جو آج آ کے یورپ کے شعور میں جس کا تھوڑا عقدہ کھلا، ہمارے ماہِ مدینہ ﷺ نے تو صدیوں قبل اس کے چاند طلوع فرما دیئے تھے۔

جس وقت محبوب ﷺ نے اتنا کھول کے بیان کیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اس کو بیان کرتے ہیں۔ اور بالخصوص الترغیب والترہیب کے اندر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قول مروی ہے، میرے محبوب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ مَّشٰی فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ خَیْرًا لَهٗ مِنْ اِعْتِکَافِ عَشْرِ سِنِیْنَ

الترغیب، والترہیب: ۳۹۱/۳

جو بندہ کسی مسلمان کے کام کے لئے گھر سے نکلا تو یہ اس کے لئے دس سال اعتکاف کرنے سے بہتر ہے

کوئی محلے دار اس کے پاس آ گیا تھا۔ چلو میرے ساتھ یہ میری مشکل ہے۔ اب ایک ہے رکھ رکھاؤ کے لئے چل نکلنا کہ یہ محلے میں آخر اس کے منہ کے لئے جانا پڑتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ رکھ رکھاؤ کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے اصول کے لئے قرآن وسنت کے لئے کہ اگرچہ یہ محلے میں ہمیشہ میرے ساتھ بے وفائی کرتا

ہے مگر میں اس کی وفا کے حصول کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے ساتھ جا رہا ہوں۔ جس وقت یہ چلے گا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

جب بندہ اپنے بھائی کی مدد کے لئے چلتا ہے وہ کام دس منٹ میں ہو گیا آدھے گھنٹے میں ہو گیا اس کو ثواب کتنا ملے گا۔ فرمایا:

كَانَ خَيْرًا لَهُ مِنْ اِعْتِكَافِ عَشْرِ سِنِيْنَ

دس سال اعتکاف کرنے پر جتنی نیکی اس کو مل سکتی تھی چند منٹوں میں وہ نیکی اس کو میسر آ گئی ہے۔

اعتکاف تو ایک دن کا بھی بڑا مشکل ہوتا ہے دس دنوں کا بڑا مشکل ہوتا ہے اور یہاں پر دس سالوں کے اعتکاف کی بات ہے پھر اعتکاف میں بندہ سب کچھ چھوڑ کے اللہ کے گھر میں بیٹھ جاتا ہے سارے خیالات نکال دیتا ہے اور اللہ سے رابطہ مضبوط کر رہا ہوتا ہے۔

یہ اسلام کی وہ عبادت ہے کہ جہاں باقی ہر چیز کو دیس نکالا دے کے بندہ گھر چھوڑ کے اللہ کے در پہ آ گیا ہے اور روزہ رکھ کے دن رات اس کی عبادت میں مستغرق ہے وہ دس دن کا اعتکاف کتنی عظمتوں کا حامل ہے لیکن اسلام نے سماج کو کتنا مقام دیا ہے ایک مومن کی خدمت کے لئے جب مومن گھر سے نکلا ہے اگرچہ یہ قدم بظاہر کعبہ کی طرف تو نہیں جا رہے مسجد اقصیٰ کا مسافر تو نہیں ہے، وہ کوئی عمرہ کو تو نہیں جا رہا، وہ حج کو نہیں جا رہا ہے لیکن اللہ کو اتنا پسند ہے کہ رب نے اسکے دل کو دیکھتے

ہوئے اسکودس سال اعتکاف کا ثواب عطا فرما دیا ہے:

اسلام کی تعلیمات میں اتنا بڑا ذائقہ ہے۔ اتنی بڑی اسلام کی تعلیمات میں لذتیں ہیں کہ جو شخص ادھر متوجہ ہوتا ہے اس کو سب کچھ میسر آ جاتا ہے اب دس سالہ اعتکاف اس کو مل گیا جس نے اپنے بھائی کے ساتھ تعاون کیا اور اعتکاف کی حیثیت اسی حدیث میں نبی ﷺ نے بیان فرما دی۔ اس کو دس سال کا اعتکاف کا ثواب دیا جائے گا اور اعتکاف ہوتا کیا ہے:

مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ

الترغیب والترھیب: ۳/ ۳۹۱

جو بندہ ایک دن کا اعتکاف اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے اللہ اس بندے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں بنا دیتا ہے۔

ہر خندق کتنی بڑی ہوتی ہے۔ فرمایا جتنا زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔

جس نے ایک دن کا اعتکاف کیا وہ تو جہنم سے زمین و آسمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے اس طرح تین بار جہنم سے دور ہو گیا اتنی دوری اس کو جہنم سے مل گئی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ رجسٹرڈ جنتی بن گیا۔

اب دیکھیں کہ جس اعتکاف کے ایک دن کا یہ عالم ہو اس دس سالہ اعتکاف کا عالم کیا ہوگا۔ اس واسطے ہمارے نبی ﷺ نے یہ سماج کی حیثیات ہمارے لئے بیان کی ہیں۔

سماجی خدمت میں ایک بات بڑی ضروری ہے۔

وہ یہ ہے کہ جہاں سماج میں عزت ہے اگر سماج اسلام کے مزاج سے ہٹ گیا

تو اس میں ذلت ہے۔ بالخصوص ہمارے ملک میں اور پوری دنیا میں جو بعض این جی اوز ہیں بظاہر ایک سماجی خدمت کا نظریہ رکھتے ہیں۔ کبھی بھوکوں کے لئے کوئی چیز تقسیم کر رہے ہیں، کبھی کپڑے، کبھی سلائی مشینیں، کبھی کوئی چیز اور کبھی کوئی چیز۔ ایسی سماجی خدمت کے پھندے میں کوئی نہ پھنسے۔ یہ لوگ سماج کے کارکن نہیں ہوتے بلکہ یہ ایمان کے لٹیرے ہوتے ہیں۔

باقاعدہ امریکہ کے تنخواہ دار ہیں اور مشن پر ہیں کہ تم نے مسلمانوں کو جا کر لوٹنا ہے۔ خواہ گوادر کے دائیں لوگوں کے لئے وہ بستیاں بنائیں اور کچھ سہولتیں مفت تقسیم کرنے لگ جائیں۔ جو مقام بھی مسلمانوں کا اہم اور نازک ہوگا اور مرکزی جگہ ہوگی۔ وہاں ایسی کمپنیاں ایسے سکول اور ایسے ہسپتال بنائیں گے اور اتنے ڈپلوے لے کر، نیٹ ورک لے کر آجاتے ہیں ان کا مقصد مسلمانوں کا علاج اور مسلمانوں کی سماجی خدمت نہیں ہوتا بلکہ ان کا کام دین کو لوٹنا ہوتا ہے۔

دین کو لوٹتے ہیں۔ اور اس پر ہمارے پاس باقاعدہ گواہ موجود ہیں۔ دو لڑکیاں طالبان کے دور میں پکڑی گئیں تھیں۔ ان کے بارے میں مغرب کے لوگوں نے کہا دیکھو مسلمانوں نے سختی کی ہے وہ تو علاج کے لئے گئیں تھیں تاکہ لوگوں کا علاج کیا جائے۔ ہسپتالوں میں وہ گئی تھیں اور ان کو پکڑ لیا گیا ہے لیکن جس وقت وہ رہا ہوئیں تو انہوں نے The Prison of Hope نام کی کتاب میں یہ لکھا کہ ہم مسلمانوں کے علاج کے لئے نہیں گئیں تھیں ہمیں ٹیکساس امریکہ سے بھیجا گیا تھا کہ عیسائیت کی تبلیغ کرو۔ ہم عیسائیت کی تبلیغ باقاعدہ کرتی رہی ہیں اور اس پاداش میں ہمیں پکڑا گیا تھا۔

تو ایسے جتنے لوگ اس روپ میں آتے ہیں۔ ڈاکٹر بن کر آجائیں، انجینئر

بن کے آجائیں، وظیفہ خوار وہ امریکہ کے ہیں ۔ وہ کبھی بھی ہمارے وفادار نہیں ہو سکتے اس واسطے ایسے لوگوں سے بچنے کی ضرورت ہے ۔ جو مسلمانوں کے اندر سوالات کی صورت میں شک داخل کرتے ہیں ۔ پھر آہستہ آہستہ مسلمانوں کو خراب کرتے ہیں اس لئے سماجی خدمت کو بھی پہچاننے کی ضرورت ہے کہ سماجی خدمت ہمارے لئے علاج ہے یا ہمارے لئے مرض ہے۔

جو سماجی خدمت مرض ہو اس سے بچنا اور لوگوں کو بچانا فرض ہو جاتا ہے ۔ اور یہ آپ پر قرض ہے اس قرض کو اتاریں اور ہمارے ملک میں اس طرح کی جماعتیں بنی ہوئی ہیں اور واہیات پروگرام کرا کے لوگوں کے ایمان کو لوٹنا چاہتے ہیں ان لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے ۔ آپ ہی نہیں یقیناً ہر بندہ جو عقل سلیم والا ہے میری اس بات سے اتفاق کرے گا کہ اگر یہ اعلان ہو جائے کہ فلاں بندہ لوگوں کو عینکیں دے رہا ہے، سمجھا جائے گا کہ اس نے لوگوں پر بہت بڑا احسان کیا، عینکیں بانٹ رہا ہے ۔ لیکن اگر یہ بتایا جائے کہ پہلے آنکھیں نکال لیتا ہے پھر عینکیں دے دیتا ہے تو کوئی سمجھے گا کہ اس نے اچھا کام کیا؟

اس کو ظالم کہا جائے گا کہ جس کی آنکھ نکل جائے اس کو عینک کی ضرورت کیا ہے ۔ ایسے ہی یہ لوگ ہیں جو این جی اوز کی شکل میں اگر ہمارا ایمان لے کے چلے جائیں تو ہمیں روٹی کے چند لقموں کی ضرورت کیا ہے ۔؟

اس واسطے اس صورتحال کو ضرور پیش نظر رکھنا ہے قیمتی چیز دے کر اور ادنیٰ چیز لے کر ہم خوش ہوں کہ ہم نے بہت کچھ لے لیا ہے اور بہت کچھ حاصل کر لیا ہے ۔ نہیں نہیں ۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہمیں سب کچھ اس واسطے سمجھایا ہے تا کہ امت خبردار رہے، ہوشیار رہے کسی کے سامنے اپنی مذہبی غیرت کے ساتھ برقرار رہے کبھی بھی ایسی چیز کو

دیکھ کر وہاں پر لوٹ پوٹ نہ ہو جائے کہ مجھے بہت کچھ مل رہا ہے۔

پہلے دیکھو کیا ایمان کا تقاضا پورا ہو رہا ہے؟ اگر ایمان کا تقاضا پورا ہوتا ہے اور ساری شرائط موجود ہیں تو پھر بھی ضرور حرج ہوگا۔ کیا؟۔ یہ کہ دل میں ایک جذبہ پیدا ہوگا کہ لوگ بڑے اچھے، ہیں۔ غریبوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں حالانکہ وہی غریبوں کا خون بہانے والے ہیں:

اتنے بھی بدنام منافق کب دنیا نے دیکھے تھے
کتوں کا منہ چومنے والے قتل کریں انسانوں کا

اگر وہ چار ٹکے یہاں دے بھی جائیں تو کیا وہ چار لاکھ عراقیوں کے خون کی قیمت بن جائے گی کیا وہ بیس لاکھ افغانیوں کے خون کی قیمت بن جائے گی اور کیا وہ قیمت بن جائے گی اتنے زخمیوں کی جنکے کلیجے پھٹ چکے ہیں۔ لہٰذا یہ سارے پراپیگنڈے ہیں۔

سماج ہمارا ہے، اور اس کے سارے اصول ہمارے ہیں، دین ہمارا ہے اور دین کی دی ہوئی عزت ہماری ہے۔ ہمیں کسی کی طرف للچائی ہوئی نظر سے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ماہِ مدینہ اپنی تجلی عطا کرے
یہ ڈھلتی چاندنی تو پہر دو پہر کی ہے

باقی سب اندھیرا ہے اور سویرا وہ ہے جو محبوب ﷺ نے ہمیں قرآن و سنت کی شکل میں عطا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس پیغام کو سمجھ کر ہمیں آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر

3

ہاں ہم سُنّی ہیں

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ
اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْن

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سید سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمدِ مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودت، حاملینِ

عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز و محتشم حضرات و خواتین سامعین و ناظرین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراطِ مستقیم کے زیرِ اہتمام فہمِ دین کورس کے بارھویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

ہاں، ہم سنی ہیں

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنّت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن و سنت کے ابلاغ و تبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے اور فضاؤں میں مغفرت ایزدی کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ دلوں کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہیں۔ ماتھے کھلے ہیں اور چہرے کھلے ہوئے ہیں۔

آج کا ہمارا موضوع بڑا اساسی اور کلیدی موضوع ہے۔ اس کو بیان کرنا اور سننا ہم پر لازم ہے۔ ہم جو عقیدہ رکھتے ہیں ہمیں اس کا پتہ ہونا چاہئے اور ان حقائق کو ہر وقت ہمارے سامنے ہونا چاہیے۔

ہم کسی کے بارے میں یہ نہیں بتانا چاہتے کہ وہ کون ہیں۔ ہم اپنے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ یہ ہمارا حق ہے اور یہ ہمیں ہر جگہ بیان کرنا چاہئے۔

ہاں ہم سنی ہیں: یہ موضوع یقیناً لطافتوں اور صداقتوں سے لبریز ہے۔ یقیناً اس میں ایسی چاندنی ہے کہ شاید چاند میں بھی ایسی چاندنی نہیں۔ اس کے اندر اس قدر چمک ہے کہ اتنی چمک چمکتے آفتاب میں بھی نہیں اور اس موضوع میں وہ خوشبو ہے کہ جو خوشبو کسی مہکتے گلاب میں بھی نہیں۔ یہ کائنات کا ایک ہمہ جہت نغمہ ہے جسے ہر درخت کا پتا بھی گاتا ہے اور ریگستان کا ہر ذرہ بھی الاپتا ہے۔ یہ فضاؤں کے سناٹوں کا بھی نعرہ ہے اور دریاؤں کی روانی کا بھی نغمہ ہے۔ یہ پیغام فرشیوں کا بھی ہے اور یہ پیغام عرشیوں کا بھی ہے۔

میری دعا ہے کہ خالق کائنات ہم سب کو دل کے کانوں سے سن کر، سمجھ کر آگے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں نے قرآن مجید برہان رشید کی جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۱ ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ

And out of our making are community

يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

Who tell the truth

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ

And do justice there with

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

میری مخلوق میں سے جن کو میں نے پیدا کیا ان میں سے ایک جماعت ایسی جماعت ہے جو حق بولتی ہے، حق بتاتی ہے اور پھر اس کے ساتھ انصاف کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایک جماعت کی تعریف کر رہا ہے کہ

وہ حق بتاتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

اس برحق جماعت کو اہلسنت و جماعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ

میرے پیدا کردہ بندوں میں سے ایک کمیونٹی ایسی ہے۔

یَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

وہ حق بتاتے ہیں اور حق کے ساتھ رہنمائی کرتے ہیں۔

اگرچہ ان کو ہاتھ میں انگارے پکڑ کر بھی حق کی آواز دینی پڑے تو وہ حق بتاتے ہیں۔

وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ

اور پھر اس کے ساتھ انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔

لفظ اہل سنت کا پس منظر

سب سے پہلے ہم لفظ اہلسنت کے پس منظر کی طرف آتے ہیں۔ چونکہ ہمارے موضوع کا جو عنوان ہے وہ یہ ہے کہ: ہاں ہم سنی ہیں

سنی! اہلسنت و جماعت کا ایک مخفف ہے اور جو سنت کی طرف منسوب ہو اس کو سنی کہا جاتا ہے۔ لفظ اہلسنت کا پس منظر ہمارے سامنے ہونا چاہئے کہ یہ لفظ

کہاں سے آیا ہے۔

یعنی یہ کہاں کی چمک ہے جو ہمارے سینوں میں ہے اور یہ خوشبو کس گلشن کی ہے جو آج بھی ہماری فکر کو معطر کر رہی ہے۔

قرآن مجید سے لفظ اہلسنت کا پس منظر

لفظ اہلسنت کا پس منظر قرآن مجید ہی کی خیرات ہے۔ رب ذوالجلال سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۶ میں فرماتا ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ

قیامت کے دن کچھ سفید چہرے ہوں گے۔

وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ

اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔

آیت کی تفسیر زبان رسالت سے

جس وقت سید عالم ﷺ نے یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پڑھی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے جو اس کی تفسیر اپنی زبان مبارک سے کی وہ اس طرح تھی۔

رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَبْيَضُّ وُجُوهُ أَهْلِ السُّنَّةِ

قیامت کے دن اہلسنت کے چہرے سفید ہوں گے

وَتَسْوَدُّ وُجُوهُ أَهْلِ الْبِدْعَةِ۔ (در منثور: ۲۹۱/۲)

اور قیامت کے دن اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

سید عالم ﷺ سے سند کے ساتھ اس تفسیر کو روایت کیا گیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما محبوب ﷺ سے سن کے بتا رہے ہیں کہ قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگوں کے چہرے چمک رہے ہوں گے تو یہ اہلسنت و جماعت کے چہرے ہوں گے۔ جب دوسرے لوگوں کے چہروں کے چراغ گل ہو چکے ہوں گے اور وہ مرجھا چکے ہوں گے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان چہروں کو گلابوں جیسی مہک عطا فرمائے گا۔

دوسری تفسیر ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے جب یہ آیت پڑھی اور آپ ﷺ نے اس کی تشریح کی تو فرمایا:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَهْلِ الْجَمَاعَاتِ وَالسُّنَّةِ ۔ (درمنثور: ۲۹۱/۲)

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جماعت والے ہیں اور سنت والے ہیں۔ ان کے چہرے قیامت کے دن چمک رہے ہوں گے اور سفید ہوں گے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، وہ بھی کہتے ہیں:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

درمنثور: ۲۹۱/۲

قیامت کے دن اہلسنت و جماعت کے چہرے سفید ہوں گے۔

قیامت کا دن امتیاز کا دن ہوگا۔ آج تو محفل میں ملے جلے لوگ بیٹھ جاتے ہیں اور دل کی چمک کا اندازہ ہم چہروں سے نہیں لگا سکتے۔ اگرچہ بعض لوگوں کے چہرے پہچانے جاتے ہیں اور پہچان چمک کے لحاظ سے بھی ہوتی ہے لیکن بالخصوص قیامت کے دن سارے حق والوں کے چہرے یوں چمک رہے ہوں گے کہ پورے میدان حشر میں پتہ چلے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا میں جن کے دلوں میں ایمان کا نور جلوہ گر رہا ہے۔

درمنثور میں یہ تینوں اقوال موجود ہیں۔

سید عالم ﷺ کی حدیث کے لحاظ سے لفظ اہلسنت و جماعت ایک جانا پہچانا لفظ ہے اسکا پس منظر حدیث شریف میں بھی ہے۔ یہ حدیث شریف ترمذی شریف کے بابُ مَا جَاءَ فِی افْتِرَاقِ هٰذِهِ الْاُمَّة میں موجود ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَفَرَّقَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی اِحْدٰی وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً اَوِاثْنَتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً

یہودی اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے یا بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

وَالنَّصَارٰی مِثْلَ ذَالِكَ

اور عیسائیوں کے بھی ایسے ہی فرقے بن گئے۔

پھر رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے:

وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِی عَلٰی ثَلاثٍ وَّ سَبْعِیْنَ فِرْقَةً

جامع ترمذی: ۲۶۴۰

میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

امت میں جو افتراق آنے والا تھا اس کی سید عالم ﷺ نے خبر دی اور وہ افتراق واقع ہو چکا ہے۔ لوگوں نے دیکھا آج ہمارے سامنے موجود ہے تو اس حدیث شریف سے پہلا ہمیں یہ سبق ملا کہ ہمارے نبی ﷺ جو مستقبل کی خبر دیتے رہے، سچی خبر دیتے رہے اور اس وقت نبی ﷺ نے آج کی بات بتائی تھی اس وقت جو آج کی خبر دیں اس علم کو اللہ کی عطا سے علم غیب کہا جاتا ہے۔ سید عالم ﷺ نے جو کچھ بعد میں ہونے والا تھا وہ بیان کیا۔

لفظ امت کی تشریح

یہاں پر جو لفظ امت آیا ہے اس کی بھی تشریح کرتے ہیں کیونکہ کچھ لوگ اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ان فرقوں سے مراد وہی یہودیوں کے فرقے ہیں یا عیسائیوں کے فرقے ہیں نہیں نہیں! بلکہ ان فرقوں سے مراد وہ فرقے ہیں جو

لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

پڑھنے والوں میں بنے۔ یہودی یا عیسائی فرقوں کا یہاں پر تذکرہ ہی نہیں ان کے مقابلے میں یہ بات بیان ہو رہی ہے، ان کے تو اپنے فرقے تھے۔ کلمہ گو

افراد کے اس امت میں اپنے علیحدہ فرقے بنے

امت کی دو اقسام

امت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے امت دعوت اور دوسری ہے امت اجابت

امت دعوت

امت دعوت پوری انسانیت ہے یعنی ہمارے نبی ﷺ کی امت دعوت یہودی بھی ہیں، عیسائی بھی ہیں، بت پرست بھی ہیں، مجوسی بھی ہیں اور مشرک بھی ہیں۔

امت دعوت یہ ہے کہ جن کو دعوت دی جاتی ہے کہ تم کلمہ پڑھو۔ تو ساری انسانیت کو دعوت ہے۔ لہذا ساری ہی امت دعوت ہے۔

امت اجابت

امت اجابت وہ ہے کہ جنہوں نے کلمہ پڑھا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث میں جو لفظ امت استعمال کیا گیا اس لفظ سے مراد امت دعوت نہیں بلکہ امت اجابت ہے کہ میرے نبی اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ جن لوگوں نے میرا کلمہ پڑھا ہے ان کے اندر اس طرح کی تقسیم ہو جائے گی کہ وہ تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے۔

احادیث رسول ﷺ سے لفظ اہلسنت کا پس منظر

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً۔

وہ سارے کے سارے جہنمی ہوں گے سوائے ایک ملت کے۔

تہتر میں سے بہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک ان میں سے جنت میں جانے والی ہوگی۔ ہم یہ الفاظ حدیث صحیح سے بیان کرر ہے ہیں۔اس سے پتہ چلا کہ وہ کلمہ گو حضرات جنہوں نے کلمہ پڑھا ہے اس کے بعد تفریق ہوگئی ہے اور اس کے بعد قسمیں بن گئی ہیں ان میں سے ایک قسم جنتی ہے اور باقی تمام جہنمی ہیں لیکن یہاں ایک بڑی ضروری بحث ہے۔

ملت واحدہ کے عدم اختلاف سے مراد

یہ جو کہا گیا کہ اس امت میں افتراق ہوگا ان میں ۷۲ بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک ملت جنتی ہے۔اور اس میں اختلاف نہیں ہوگا اب یہ جو جنتی ملت ہے جس مین اختلاف نہیں ہوگا اس سے مراد یہ ہے کہ اصولی اختلاف نہیں ہوگا فروعی اختلاف ہوسکتا ہے۔

ائمہ اربعہ اہلسنت جماعت تھے

مثال کے طور پر حنفیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کا نماز کے مسائل مین اختلاف ہے تو حنفی شافعی، حنبلی یہ کوئی بہتر فرقوں میں سے نہیں بلکہ یہ اہلسنت و جماعت کے شعبہ جات ہیں۔ یہ جدا جدا فرقے نہیں ہیں۔یہ تمام عقیدے کے لحاظ سے اہلسنت و جماعت ہیں اور ان میں اختلاف بھی ہے مگر وہ اختلاف اصول کا نہیں ہے وہ چند فروعی مسائل کا ہے۔لہٰذا بہتر کے ساتھ اس ایک ملت کا

اختلاف اصولی ہوگا اور وہ بہتر جہنمی ہوں گے ان میں سے ایک جنتی ہوگا ایک فرقہ جنتی وہ اہلسنت و جماعت ہے۔ اس کے اندر جو فقہی طور پر کچھ مباحث میں آپس میں اختلاف ہے، اس کو یہ حدیث افتراق نہیں کہہ رہی اس کو اصولی طور پر اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ فروعی مسائل میں اختلاف ہے۔

فروعی اختلاف اللہ کی رحمت

جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ

کنز العمال: ۲۸۶۸۶

میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

اہلسنت کی فقہ میں آگے جو چار فقہ اسلامی ہیں ان کے لحاظ سے یا آپس میں جو اختلاف ہیں ان کو مستثنیٰ کیا گیا باقی بہتر کے ساتھ اس کا جو اختلاف ہوگا وہ اصولی اختلاف ہے۔

ملت واحدۃ کے جنتی ہونے سے مراد

اس حدیث میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ایک جنتی ہے باقی جہنمی ہیں۔

اس ایک جنتی جماعت سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو ایک ملت اہلسنت ہے وہ ہر حال میں جنتی ہے اگر چہ جتنے بھی گناہ کر لیں پھر بھی جنتی ہیں یہاں جنتی اور جہنمی ہونے کا جو فرق بیان کیا جا رہا ہے۔ وہ از روئے عقیدہ کے بیان کیا جا رہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ ان تہتر ۷۳ میں سے بہتر ۷۲ عقیدے کی بنیاد پر

جہنمی ہوں گے اور ان میں سے ایک عقیدے کی بنیاد پر جنتی ہوگا۔

اب عقیدے کی بنیاد پر جو شخص جنتی ہے۔ آگے ہوسکتا ہے کہ اس کا عمل خراب ہو اور وہ جہنم میں چلا جائے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ اہل سنت میرا عقیدہ ہے تو پھر میں کسی عمل کی وجہ سے بھی جہنم میں نہیں جاؤں گا۔ ایسا نہیں ہے۔

اہلسنت کے برحق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقیدے کے لحاظ سے پاس ہوگا۔ عقیدہ کے لحاظ سے گرفت نہیں ہوگی۔ عقیدہ کے لحاظ سے اسکو حتمی حیثیت دے دی جائے گی اور دوسرے عقیدے کے لحاظ سے مارے جائیں گے۔

بہتر عقیدے کے لحاظ سے جہنمی ہیں اور عقیدہ اصل ہے۔ جس کو عقیدہ لے ڈوبے گا اس کو عمل بچا نہیں سکے گا۔ لہٰذا اس حدیث میں بہتر فرقوں کا عقیدہ کے لحاظ سے جہنمی ہونا ثابت ہوا اور ایک کا عقیدے کی بنیاد پر جنتی ہونا، اس نے ثابت کیا۔

جو ایک عقیدے کی بنیاد پر جنتی ہے ان کا پھر آگے عمل کے لحاظ سے امتحان ہے۔

اگر سارے عمل صحیح ہیں تو پھر جنت میں سیدھا جائے گا۔ اگر عمل میں کچھ گڑبڑ ہے لیکن اللہ کی طرف سے معافی مل گئی تو پھر بھی وہ جنت میں ڈائریکٹ چلا جائے گا ورنہ کچھ دیر اپنے گناہوں کی سزا لے گا مگر دائمی جہنم میں نہیں رہے گا۔ یہ سچا عقیدہ بالآخر اس کو جنت میں پہنچا دے گا۔ لہٰذا کئی مفکر اس معنیٰ میں آکے غلطی کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ یہ حدیث اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس سے پتہ چلا جو سنی ہو اور جتنا بڑا گنہگار ہو پھر بھی جنت میں ہی جائے گا۔

یہ حدیث بالکل سچی ہے اور مفہوم اس کا سچا ہے۔ یہاں جنتی جو قرار دیا جارہا ہے تو وہ عقیدہ کے لحاظ سے ہے، آگے اس میں عمل کا علیحدہ معاملہ ہے۔ جس کے عمل کا بیڑا ابھی پار ہو جائے گا وہ تو ڈائریکٹ جنت میں چلا جائے گا۔

جو بندہ عقیدہ کے لحاظ سے پاس ہو گیا بعد میں اگر جہنم میں چلا بھی گیا تو اس میں دائمی طور پر نہیں رہے گا کچھ وقت کے لئے جائے گا اور اللہ اس کو جنت کے شایان شان بنا کے، اس کی تطہیر کر کے پھر اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمادے گا۔ سید عالم ﷺ نے جب یہ لفظ بولے:

كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً

سوائے ایک ملت کے سارے کے سارے جہنمی ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی

مَنْ هِيَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

یارسول اللہ ﷺ! وہ ملت واحدہ کون سی جماعت ہے ان کی علامت کیا ہے؟

اہلسنت کی پہچان

اس پر میرے محبوب ﷺ فرمانے لگے:

مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي ترمذی شریف: ۲۶۴۰

ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کا وہی راستہ ہوگا جو میرا اور میرے صحابہ کرام کا راستہ ہے۔

ان کی وہی پہچان ہوگی اور ان کا وہی عقیدہ ہوگا جو میرے صحابہ کا عقیدہ

ہے۔رسول اکرم ﷺ نے اس جماعت کی

مَاأنَا عَلَیه وَأصْحَابِی علامت بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ علامت محدثین، مشائخ، اولیاء یا علماء کو ہی نہیں بلکہ ہر سنی کو یہ علامت عطا فرمائی ہے۔اس سلسلہ میں اللہ کا شکر ہے کہ وہ علامت جس کو رسول اللہ ﷺ نے اجمال سے بیان کیا دوسرے مقامات پر اس کی تفصیل آ گئی۔

تابعین کے نزدیک لفظ اہلسنت کا پس منظر

الملل والنحل محمد بن عبدالکریم شہرستانی علیہ الرحمۃ کی کتاب ہے اس میں تمام فرقوں پر بحث کی گئی ہے اس میں بہتر فرقوں کو شمار کیا گیا ہے کہ وہ کون کون سے ہیں اور ان میں سے تہترواں کونسا ہے۔محمد بن عبدالکریم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِی عَلٰی ثَلَاثٍ و سَبعِینَ فِرقَةً

میری امت عنقریب تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

النَّاجِیَةُ مِنْهَا وَاحِدَةٌ

ان تہتر فرقوں میں سے نجات والا ایک ہے۔ان میں سے عقیدے کی بنیاد پر نجات پانے والا ایک ہے۔

وَالبَاقُونَ هَلکیٰ

اور باقی سب ہلاک ہونے والے ہیں۔

ان میں ایک ناجیہ ہے۔جس کا معنیٰ ہے نجات پانے والی جماعت۔آپ

سے پوچھا گیا:

وَمَنِ النَّاجِيَةُ؟

یارسول اللہ ﷺ آپ بیان فرمادیں وہ ناجیہ کون سی جماعت ہوگی؟

میرے محبوب ﷺ ارشاد فرمانے لگے:

أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

عقیدے کی بنیاد پر جو جنت کے مستحق ہوں گے'' وہ اہلسنت وجماعت ہیں''۔

قِيلَ وَمَا السُّنَّةُ وَالْجَمَاعَةُ؟

پھر پوچھا گیا کہ وہ سنت اور جماعت کیا ہوتی ہے۔ سنت اور جماعت کا مطلب کیا ہے؟

اس کی وضاحت میں میرے نبی ﷺ نے فرمایا:

مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي الملل والنحل: ۱۸/۱

آج میں جس رستے پر موجود ہوں اور میرے صحابہ جس رستے پر موجود ہیں، کل اس کو اہلسنت کہا جائے گا۔

الیوم کا لفظ بول کر بتا دیا کہ آج اہلسنت لفظ اتنا متعارف نہیں لیکن آج ہم جس رستے پر ہیں وہی کل کو اہلسنت کہلوائے گا، اسی کو سنی کہا جائے گا۔

تو رسول اکرم ﷺ نے واضح طور پر اس لفظ کو بیان کیا۔ لہٰذا ہم سب پہ جب لفظ اہلسنت بولا جاتا ہے تو یہ وہ لفظ ہے جو شروع سے محبوب ﷺ نے پسند فرمایا ہے۔

امام نصر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

حضرت امام نصر بن محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تنبیہ الغافلین میں اسی حدیث کو جب ذکر کیا، وہاں الفاظ یہ ہیں:

اِنَّهٗ قَالَ افتَرَقَتْ بَنُواسرائِیلَ علی اِحدیٰ وَ سَبْعِینَ فِرْقَةً وَاَنَّ هٰذِهِ الاُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَی اثْنَتَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ فِرْقَةً اِحدٰی وَ سَبْعُوْنَ فِی النَّارِ وَ وَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ قَالُوا یَارَسُولَ اللّٰه ﷺ مَا هَذِهِ الوَاحِدَةُ؟ قال اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ۔

تنبیہ الغافلین: ۳۱۹

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِفْتَرَقَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیلَ عَلٰی اِحدَیٰ وَ سَبْعِیْنَ فِرْقَةً

بنی اسرائیل کے اکہتر فرقے بن گئے۔

وَاَنَّ هٰذِهِ الاُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰی اِثْنَتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً

اور یہ امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

اِحدٰی وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ

ان بہتر میں سے اکہتر جہنمی ہوں گے۔

وَوَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ

اور ان میں سے ایک جنتی ہوگا۔

یہ بھی عقیدے کی بنیاد پر ہے اور جو عقیدے کی بنیاد پر فیل ہو گئے ان کا عمل

والا معاملہ ہی گول ہو جائے گا یعنی عمل کی ویلیو ہی نہیں ہوگی۔ عمل کا کوئی وزن ہی نہیں بنے گا عمل دیکھا ہی نہیں جائے گا۔

لیکن جن کا عقیدے والا پہلو پاس ہو گیا ان کے عمل پھر چیک ہوں گے اور عمل کے لحاظ سے جو پاس ہیں ڈائریکٹ جنت میں چلے جائیں گے۔ ورنہ تھوڑا بہت سرزنش کے لئے جو ہوگا اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطا فرمادے گا۔ اب اس حدیث شریف میں ہے:

قَالُوا يَارَسُولَ اللهِ ﷺ

انھوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ

مَاهٰذِهِ الْوَاحِدَةُ

صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ وہ ایک جس کو آپ ﷺ جنتی قرار دے رہے ہیں، وہ کونسی جماعت ہے۔

قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

سید عالم ﷺ نے خود اپنی زبان مبارک سے جو لفظ ارشاد فرمایا: وہ اہلسنت و جماعت ہیں۔

یعنی سنت والے بھی ہیں اور جماعت والے بھی ہیں۔ سنت اس طریقہ کو کہا جاتا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اور اللہ کی طرف سے اس امت کے لئے راہ عمل اور نصاب زندگی ہو۔ اس سارے کو سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمادیا:

اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

کہ وہ اہلسنت وجماعت ہیں۔

اس طرح حدیث شریف میں اس کا پس منظر موجود ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

اگر تاریخ میں دیکھ لیں تو بڑے بڑے ہمارے محققین اور ائمہ اربعہ اور اولیاء ان سب کے ہاں یہ لفظ متعارف ہے اور سب اس پر قائم ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اہلسنت کہلواتے رہے اور اس لفظ کو بولتے رہے۔ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب غنیۃ الطالبین کے صفحہ ۱۲۱ پر غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا قول موجود ہے:

وَاَمَّا الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ فَهِيَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ فرقہ ناجیہ اہلسنت وجماعت ہیں۔

شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

نسیم الریاض شرح شفا میں شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ

النَّاجِيَةُ مِنْهَا وَاحِدَةٌ

اس کی تشریح وتفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَیِ الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ مِنْ هٰذِهِ الْفِرَقِ فِرْقَةٌ وَاحِدَةٌ وَهُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ

ان فرقوں میں سے نجات والی ایک ہی جماعت ہے اور وہ اہلسنت

وجماعت ہے۔

ان کی شان کیا ہے

الْمُتَمَسِّكُوْنَ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ ۔ (نسیم الریاض: ۴/۱۵۴)

وہ کتاب یعنی قرآن مجید سے بھی اپنا تعلق قائم کئے ہوئے ہیں اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنا تعلق قائم کئے ہوئے ہیں۔

اس بنیاد پر ان کو اہلسنت کہا جاتا ہے۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کا بیان

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ مرقاۃ المفاتیح کی جلد نمبر ا صفحہ ۲۴۸ پر یہ فرماتے ہیں

فلا شَكَّ وَلَا رَيْبَ اَنَّهُمْ هُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ۔

اس ابتدائی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اس میں کوئی ریب نہیں ، کوئی شک نہیں ۔ یقیناً جن کو محبوب علیہ اسلام نے عقیدے کی بنیاد پر جنتی کہا ہے، وہ طبقہ اور وہ جماعت اہلسنت وجماعت ہے۔

اختصار سے میں نے لفظ اہلسنت کے چھ حوالے بیان کئے ہیں۔

سنی کون ہے؟

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سنی کون ہوتا ہے۔

مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ

یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ ہے اور پھر اس کے ساتھ وضاحت ہو گئی کہ وہ

سنت اور جماعت دونوں کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین والا طریقہ ان لوگوں کے پاس موجود ہوتا ہے۔ یہ اس طبقہ کی شان ہے کہ جن کے عقیدے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے محبوب ﷺ کی زبان سے جنتی ہونے کا اعلان کروایا ہے۔

سنی کہلوانا کیوں ضروری ہے؟

اس سلسلہ میں بھی لوگ قرآن مجید کی آیات پڑھتے ہیں۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ سورۃ حج:۷۸

اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

یعنی بس مسلمان کہلوانا کافی ہے۔ اہلسنت کہلوانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ تو کہتے ہیں ضرورت ہی نہیں، کچھ کہتے ہیں جائز ہی نہیں اور کچھ کہتے ہیں ہمیں کوئی کہے تو ہمیں وحشت ہوتی ہے۔ ہم اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اہلسنت کہلوانا بعض اوقات فرض ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے صحابہ سے لے کر ایسی آراء موجود ہیں۔ ایک ہمارا دوسرے دینوں کے مقابلے میں انٹرنیشنل تعارف ہے۔ یہود و نصاریٰ کے مقابل ہمارا نام مسلم اور مومن ہے۔ اور اپنے گھر میں جس وقت اسلام کی چھتری کے نیچے کچھ غلط لوگ آباد ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہماری چھتری میں ایمان ہے تو ان لوگوں سے اور ان چوروں سے اپنے آپ کو ممتاز کرنے کے لئے، کہ ہم چور نہیں ہم اصل دیندار ہیں۔ ہم نے اس کلمہ کی چھتری کے نیچے اپنی پہچان کروائی کہ کچھ لوگ اس چھتری

میں چھپے ہوئے ہیں۔ ہمارا اور ان کا فرق ہے۔ اس واسطے ہم نے اپنے آپ کو اہلسنت کہلوانا شروع کر دیا۔

یہ بات حدیث شریف میں موجود ہے جس سے پتہ چلے گا کہ کہاں سے امتیاز ضروری ہو گیا تھا۔ ایک ہوتی ہے فرقہ واریت اور ایک ہوتا ہے امتیاز۔ فرقہ واریت بری چیز ہے مگر حق و باطل کا نکھار لازم ہے اور کھوٹے کھرے کی پہچان سنت الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

سورۃ آل عمران:۱۷۹

ترجمہ: اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑے گا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے مسجد نبوی ﷺ شریف میں دو قسم کے لوگ موجود تھے۔ ایک دل سے بھی مانتے تھے اور زبان سے بھی مانتے ہیں، دوسرے صرف زبان سے مانتے تھے۔ جب صرف زبان سے ماننے والوں نے نبی ﷺ کے علم غیب پر اعتراض کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم ان کو مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیں گے، ان کو مسجد سے نکالیں گے۔ اے محبوب ﷺ اس مسجد میں وہ نماز پڑھے گا جو تمہاری شان کو مانے گا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

ہم پاک اور پلید جدا جدا کر کے چھوڑیں گے۔

تمیز کا معنی ہے کھرے کھوٹے کو واضح کرنا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی

کرنا۔ یہ فرقہ واریت نہیں، یہ قرآن مجید کا حکم اور سنتِ الٰہی ہے۔ اس روش کو لے کر ہم آگے چل رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان لوگوں کو جن پر اس وقت مومن کا لفظ بولا جاتا تھا۔ فرمایا:

ان میں سے کچھ گندے لوگ ہیں اور کچھ ستھرے ہیں۔ ستھرے صحابہ کرام ہیں اور گندے منافق ہیں۔ لہٰذا ان کو مسجد سے نکالا جائے گا۔

یہ جو امتیاز اللہ نے کیا۔ اس امتیاز کے پیش نظر ہماری یہ گفتگو ہے۔ ہم اپنے آپ کو اہلسنت و جماعت کہلوا کے اپنا امتیاز کروانا چاہتے ہیں کہ ہم وہ نہیں ہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھیں اور دل میں عداوت بھی رکھیں۔ ہم اندر باہر سے پوری طرح ان کو ماننے والے ہیں۔

حضرت یحیٰی بن یعمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

كَانَ اَوَّلُ مَنْ قَالَ فِي الْقَدْرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدُ الْجُهَنِي

ترجمہ: پہلا بندہ جس نے بصرہ میں قدر کے بارے میں بات کی وہ معبد جہنی تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ تھا ایک قدریہ فرقہ پیدا ہو گیا ان کی صورتحال کیا تھی، وہ نمازیں پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، حج ادا کرتے تھے، زکوٰۃ دیتے تھے، قرآن کا درس دیتے تھے، حدیث کا بیان کرتے تھے۔ ان کا کوئی ایسا معاملہ نہیں تھا کہ دیکھنے والا یہ کہہ سکے کہ ان میں یہ کمی موجود ہے۔ کوئی کمی نہیں تھی، سب کچھ مکمل طور پر بجالانے والے تھے۔ بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ وہ علم کے بڑے دلدادہ تھے۔ دن رات درس قرآن اور

دن رات نیکیوں کی دعوت دیا کرتے تھے، لیکن انکے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ قوم صحیح نہیں بلکہ غلط ہے۔ پڑھتے تو وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہیں لیکن تابعین رضی اللہ عنہم نے کہا کہ کہیں سے جا کے ان کا فرق کروانا چاہیے۔

یحیٰ بن یعمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام سے فرق کروانا چاہتے ہیں، کہتے ہیں:

ہم بصرہ میں رہتے ہیں، ہمیں مصیبت پڑ گئی ہے، ہمارے پاس ایک قوم پیدا ہو گئی ہے، قرآن بھی ان کے پاس ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ سب کچھ ان کے پاس ہیں لیکن ہیں وہ پرلے درجے کے مردود۔ ہم جائیں تو کدھر جائیں۔ کوئی فرق کا پتہ ہی نہیں چل رہا کہ کھوٹا کیا ہے، کھرا کیا ہے۔ جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے۔

یحیٰ بن یعمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَاجَّيْنِ

میں اور حمید بن عبد الرحمن حج کرنے کے لئے مکہ شریف گئے۔

فَقُلْنَا لَوْ لَقِيْنَا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

ہم نے کہا کہ کاش ہمیں کوئی رسول اکرم ﷺ کا صحابی مل جائے۔

فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُوْلُ هٰؤُلَاءِ فِي الْقَدْرِ

ہم ان سے اس کے بارے میں پوچھیں گے کہ وہ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا دَاخِلًا الْمَسْجِدَ

ہمیں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہوتے ہوئے مل

گئے۔

ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو گھیرے میں لیا اور کہا اے ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ ہمارا مسئلہ حل کرو۔ ہم نے انہیں ان لوگوں کا تعارف کروایا۔

قَدْ ظَهَرَ قِبَلَنَا نَاسٌ

ہمارے ہاں کچھ لوگ ظاہر ہوئے ہیں۔

يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ

وہ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

اب ان لوگوں کا تعارف کروارہے ہیں کہ وہ قرآن کو ماننے والے ہیں اور اس کی تلاوت کرنے والے ہیں۔

وَيَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ

اور قرآن مجید کے بڑے عاشق ہیں، پڑھاتے بھی ہیں۔

وَذَكَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ

اور ان کے ایک عقیدے کا ذکر کیا

أَنَّهُمْ يَزْعُمُوْنَ أَنْ لَّا قَدَرَ

وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تقدیر نہیں مانتے۔

وَأَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ

یعنی ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جب کوئی واقعہ ہو جائے تو جیسے ہمیں پتہ چلتا ہے ایسے ہی رب کو بھی پتہ چلتا ہے۔ لیکن ہمارا تو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہر شے کا

کچھ پتہ ہے۔

یہ قدریہ فرقے کی بنیاد تھی ۔ انہوں نے بصرہ سے تبلیغ شروع کی ۔ معبدالجھنی اس کا لیڈر ہے ۔ ہاتھ میں قرآن ہے، حدیث ہے، نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، زکوٰۃ ہے لیکن وہ ہیں دین کے چور۔ اب امتیاز کی ضرورت تھی۔

اگر یہ ہوتا کہ کلمہ کافی ہے تو اب یہاں کلمے کے سائے میں ایسے بھی منحوس آ گئے جن سے امتیاز ضروری تھا۔ جب کہیں کسی مشترکہ کام میں کوئی گڑبڑ ہو جائے تو فوراً آپ کھاتے جدا کر لیتے ہو کہ میری کمپنی کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ اس کے گناہ میرے اوپر نہ پڑ جائیں۔

یہ سبب تھا کہ جب اس کلمے کی چھتری کے نیچے صحابہ کے زمانہ میں ایسے مردود پیدا ہو گئے جو نمازی بھی ہیں، روزے دار بھی ہیں، سب کچھ ہے مگر انہوں نے کہا کہ ہم تقدیر نہیں مانتے۔

اَنَّ الْاَمْرُ اُنُفٌ

جب حادثہ ہو تو جیسے ہمیں پتہ چلتا ہے ایسے ہی ہمارے رب کو بھی پتہ چلتا ہے۔

ازل میں کچھ بھی نہیں لکھا ہوا۔ یہ ان لوگوں کی خرابی تھی جس کی بنیاد پر صحابہ کرام نے اس کو برداشت نہیں کیا۔ نہ ان کا کلمہ دیکھا ہے، نہ ان کی نماز دیکھی ہے، نہ ان کا روزہ دیکھا ہے اور نہ ان کا حج دیکھا ہے۔

میں پوری ذمہ داری کے ساتھ مسلم کے حوالے سے بات کر رہا

ہوں ۔ اگر کوئی شخص مجھے **Narrow Minded** کہتا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کو تو نہیں کہہ سکتا ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ان لوگوں کی علامتیں بیان کی گئیں تو انہوں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے فوراً اپنا فتویٰ دیا۔

وَاِذَا لَقِيْتَ اُولٰٓئِكَ

مجھ سے پوچھنے والو جاؤ اور جب جا کے تم ان سے ملو۔

فَاَخْبِرْهُمْ اَنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنْهُمْ

ان کو کہہ دو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تم سے بے زاری کا اعلان کر دیا ہے۔

چونکہ اس وقت ان کی حیثیت ایسی تھی کہ شرق وغرب تک ان کا فتویٰ چلتا تھا۔ انکا مطلب تھا بصرہ والے خواہ مخواہ انکا نام استعمال نہ کرتے رہیں۔ میں صحابی ہوں۔ میں نے صفہ پہ بیٹھ کے پڑھا ہے اور مجھے پتہ ہے کہ چور کی چوری سے برأت کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

جاؤ ان سے کہہ دو میرا ایسے توحید پرستوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، جو میرے رب کی تقدیر کو نہیں مانتے، میں ان کی نماز کو نماز نہیں سمجھتا، میں ان کے روزے کو روزہ نہیں سمجھتا، میں ان کے حج کو حج نہیں سمجھتا۔ جاؤ ان سے کہہ دو میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

دونوں لفظ آپ نے بول دیئے ہیں کہ میں ان سے بری ہوں، وہ مجھ سے بری ہیں۔ جس وقت آپ نے یہ لفظ بولے تو ساتھ ہی فرمایا

وَالَّذِیْ یَحْلِفُ بِہٖ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا

وہ بات جو میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے:

لَوْ اَنَّ لِاَحَدِہِمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَہَبًا فَاَنْفَقَہٗ مَا قَبِلَ اللّٰہُ مِنْہُ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ

مسلم شریف: ۲۷/۱

اگر ان قدریوں میں سے ایک بندے کے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور پھر وہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ قبول نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ قدر کو مان لیں۔

یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر وہ تقدیر کے مسئلہ کے عوض میں احد پہاڑ جتنا سونا بھی لے کر آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اس احد پہاڑ جتنے سونے کو قبول نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئیں۔

اب یہاں پر تو کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو ہی نہیں سکتا لیکن بطور فرض اگر ان کے پاس اتنا سونا ہو اور وہ تقدیر کے عوض میں دے دیں کہ جہنم سے بچنا چاہیں تو نہیں بچ سکیں گے، حالانکہ نمازی ہیں، روزے دار ہیں۔

کیوں؟ اس واسطے کہ انہوں نے ضروریات دین میں سے ایک کا انکار کر دیا۔ ضروریات دین میں سے جب کوئی ایک کا انکار کر دے تو باقی ساری چیزیں منفی ہو جاتی ہیں۔ ایک بندہ دن میں ہزار سجدے رب کو کرے اور شام کے وقت ایک سجدہ بت کو کر دے تو کیا ہزار کا کوئی فائدہ رہ جائے گا؟ سب کچھ ختم ہو جائے گا،

پانی پھر جائے گا۔

ایسے ہی جس نے اصول دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دیا تو اس کا دین دین نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس وقت ان سے برأت کا اعلان کر دیا کہ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس انقطاع تعلق کو جس وقت عام لوگوں میں رائج کیا گیا تو وہاں سے حق والوں نے اپنے آپ کو اہلسنت وجماعت کہلوانا شروع کر دیا۔ بظاہر کلمہ کے لحاظ سے تو کوئی فرق نظر نہیں آیا حالانکہ وہ جہنمی ہیں۔ اسی طرح جو دیگر گمراہ فرقے پیدا ہو گئے۔ کلمہ پڑھنے والوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے۔ جو جھوٹے تھے، غلط تھے اور دین کے چور تھے اب ان سے اپنے آپ کو بری ظاہر کرنے کے لئے متقدمین نے اپنے آپ کو اہلسنت وجماعت کہلوانا شروع کر دیا۔

یہ اصل وجہ ہے کہ اہلسنت کہلوانا کیوں ضروری ہوا۔ ہمارا انٹرنیشنل تعارف یہی ہے کہ ہم مسلم ہیں مومن ہیں مگر اندر سے جو ملت کے بدن کو گھن کھا رہا تھا اور اسکے وجود کو، اسکے تشخص کو جو لوگ ختم کرنا چاہتے تھے۔ اگر صحابہ سے لے کر ہمارے اسلاف امتیاز پیدا نہ کرتے تو اسلام کو کتنا نقصان ہو جاتا۔ یہ سب کے ذمے لگ جاتا کہ مسلمانوں کے ایسے ہی عقیدے ہوتے ہیں۔ جس وقت اس لحہ متقدمین نے امتیاز شروع کر دیا اور اپنے آپ کو اہلسنت کہلوایا تو پتہ چل گیا کہ یہ عقائد اوروں کے ہیں۔ مسلمان جن کو سواد اعظم کہا جاتا ہے اور اہلسنت وجماعت کہا جاتا ہے۔ وہ اللہ کی تقدیر کو ماننے والے ہیں اور رب ذوالجلال کی باقی ساری صفات کو اپنے دل و

جان سے تسلیم کرنے والے ہیں۔

اس ایک حوالے سے یقیناً آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کلمہ سے تعارف کافی نہ رہا بلکہ ایسے کلمہ گو بہروپیے لوگوں سے امتیاز کیلئے ایک مزید تعارف بنایا گیا اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف کے اندر موجود تھا پھر اس کو رائج کر دیا گیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں:

اذا مَالَ الْقَلْبُ اِلَى الْجَوْرِ اَحَبَّ اَهْلَهٗ اِذَا مَالَ الْقَلْبُ اِلَى الْحَقِّ عُرِفَ اَهْلُهٗ وَكَانَ بِهِمْ وَلِيًّا (اشارات المرام۔ ۳۸)

اگر کوئی بندہ ظلم سے محبت کرتا ہے تو وہ ظالم سے محبت کرتا ہے اور اگر کوئی حق سے محبت کرتا ہے تو حق والوں سے محبت کرتا ہے اور انکا مددگار بن جاتا ہے۔

یعنی اگر کوئی ظلم سے محبت کرتا ہے تو پھر وہ ظالم سے بھی محبت کرتا ہے اور اگر کوئی بندہ حق سے محبت کرتا ہے تو حق والوں سے بھی کرتا ہے اور ان کا ساتھی بن جاتا ہے۔ اس جملے کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ امام صاحب اپنے الفاظ میں یہ واضح کر رہے ہیں کہ جب ظلم شروع ہو گیا کہ کہیں تعطیل یعنی معطلہ فرقے والے جو اللہ تعالیٰ کو معطل مانتے ہیں ہے اور کہیں تجسید جو اللہ تعالیٰ کا جسم مانتے ہیں ہے۔ ایسے قول کے جا رہے ہیں۔ اگر ایمان والو تمہارا پیار اہلسنت سے ہے تو پھر اہلسنت کے ساتھ ہو جاؤ۔

لفظ اہلسنت اپنے اوپر استعمال کرو، اہلسنت کہلواؤ، جب تم حق والوں سے پیار کرتے ہو تو پھر اپنے آپ کو حق والوں کے پلڑے میں شمار بھی کیا کرو۔

حضرت امام بیاضی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب اشارات الرام من عبارات الامام کے صفحے ۴۳ پر یہ لکھا ہے۔ جس وقت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس رسالہ میں کہہ دیا:

اِعْلَمْ اَنَّ اَفْضَلَ مَا عَلِمْتُمْ وَمَا تُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السُّنَّةُ

جان لو کہ سب سے اچھی چیز جو تم نے خود پڑھی اور لوگوں کو پڑھاتے ہو وہ سنت ہے۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام بیاضی علیہ الرحمۃ نے کہا کہ:

فِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰى وَجْهِ التَّسْمِيَةِ بِاَهْلِ السُّنَّةِ

اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اپنا نام اہلسنت رکھ لو۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یعنی تابعین کے زمانہ سے اس لفظ کی پھر وضاحت شروع ہوگئی اور جہاں تک نام کا تعلق ہے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ

اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ ہم اس نام کو Reject نہیں کرتے، ٹھکراتے نہیں ہیں۔

مسلمان ہمارا وقار ہے لیکن تعارف وقت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور تعارف جہت جہت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کبھی بہت بڑا تعارف کام نہیں دیتا کیونکہ اس وقت دوسرے تعارف کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی واضح مثال ترمذی شریف

کی حدیث ہے۔

قَامَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ مَنْ اَنَا

ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے حمد و ثناء کے بعد پوچھا۔ اے میرے صحابہ کرام! میں کون ہوں؟

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا

اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول کہنا، ہمیشہ کہا جاتا تھا اور ہمیشہ کہا جاتا ہے لیکن اس دن کچھ پس منظر اور تھا اس جلسے کے موضوع کا سبب اور تھا۔ پیچھے تحریک کوئی اور تھی۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی:

اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول ہیں۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنا جواب دیا، فرمایا:

اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبْ ترمذی: ح ۳۶۰۸

میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، ابا جان عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، دادا جان عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ تو قرآن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمائے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سورۃ فتح: ۲۹

اب تعارف کیلئے انت رسول اللہ کافی تھا، اکتفا کر جاتے کہ

صحابہ تم نے مجھے وہ کہا جو مجھے میرا رب کہتا ہے لیکن آج مجھے ایک اور تعارف کی ضرورت ہے۔ منافقین نے میرے گھرانے پر تنقید کی ہے تو میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ ہوں تو پھر بھی عظیم ہوں اور محمد بن عبداللہ ہوا تو پھر بھی عظیم ہوں۔

اب جو ہمارے محبوب ﷺ کا انٹرنیشنل تعارف ہے محمد رسول اللہ ﷺ اس کے ہوتے ہوئے بھی نئے تعارف کی ضرورت پڑی اور اس کو جائز سمجھا گیا اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان سے خود بیان کیا۔ اس واسطے ہمیں بھی قرآنی تعارف سے انکار نہیں ہے، ہم مسلمان ہیں، مومن ہیں۔ مگر جب کلمہ پڑھ کر بھی گمراہ رہنے والوں سے جدا شناخت کی ضرورت ہے تو ہمیں سنی بھی کہلوانا پڑے گا۔ یہ وقت کی ضرورت ہے۔ یہ قرآن وسنت سے ہمارے دلائل ہیں۔

جامع ترمذی میں رسول اکرم ﷺ نے واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ لوگ مجھے صرف رسول کہہ کر ہی عظیم نہ سمجھیں۔ میرے ابا جی جیسا کسی کا باپ نہیں ہے اور میرے دادا جیسا کسی کا دادا نہیں ہے پھر اپنا پورا نسب بیان کر دیا، فرمایا:

فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ بَیْتًا وَخَیْرِھِمْ نَفْسًا

لوگو! اس دنیا میں میری ذات تو ذات رہی میرے گھر جیسا کسی کا گھر نہیں بنایا۔

اب ان الفاظ کے ساتھ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کیساتھ آپ کا تعارف کروایا

گیا تو تعارف کافی تھا اور بڑا تعارف تھا لیکن دوسرے تعارف کی چونکہ ضرورت تھی اس واسطے وہ کروایا گیا۔ ایسے ہی ہم مسلمان ہیں، مومن ہیں لیکن جس وقت ایسی گڑبڑ ہوئی تو اس وقت یہ فرض ہوگیا کہ ہم اپنی شناخت اس لحاظ سے بھی کروائیں جس لحاظ نے شروع سے شناخت کی جارہی ہے۔

یہاں ایک بات صوفیاء کے لحاظ سے بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔

نمبر 1-

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر صوفی کون ہوگا۔ ان سے بڑا ولی کون ہوگا انہوں نے خود فرمایا:

أَمَّا الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ فَهِيَ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ غنیۃ الطالبین: ۱۲۱

کہ نجات والوں کا نام اہلسنت و جماعت ہے۔

یہ نام غوث پاک رضی اللہ عنہ نے ضروری سمجھا۔ اگر یہ نام جائز نہ ہوتا تو حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کیوں لیتے اگر اس کا استعمال قبیح ہوتا، قرآن و سنت کے خلاف ہوتا تو غوث پاک رضی اللہ عنہ کیوں ایسا کرتے۔ انہوں نے کہا کہ نجات والے اہلسنت و جماعت ہیں۔

نمبر 2-

خطہ پاک و ہند میں سجدوں کے بیج بونے والے حضرت داتا گنج بخش ہجویری رضی اللہ عنہ کشف المحجوب میں: جس وقت ایمان کا مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہوتا ہے۔ زبان سے تو اقرار کیا جاتا ہے۔ اس کو بیان کرتے

ہوئے کہنے لگے:

اتفاق است میان اہل سنۃ وجماعۃ

کشف المحجوب: ۳۱۴

یہ سارے اہلسنت وجماعت کا اتفاقی عقیدہ ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ کو جس ٹائٹل کی ضرورت ہے ہم اس سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ اگر اپنے آپ کو اہلسنت کہلوائیں تو وہ کسی طرح تنگ نظر نہیں تو ہم کیسے ہوں گے۔ وہ جس راستے پر چل کے ولی بنے ہیں اور جنتی بنے ہم نے تو اسی راستے کو اہلسنت وجماعت سمجھا ہے۔

لہٰذا وہ اس راستے پر چلے ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو اہلسنت کہلوایا ہے۔ یہ اہل حق کا شروع سے لے کر آج تک شعور رہا ہے۔ یہ لفظ باقاعدہ بولا جاتا رہا۔ لہٰذا ان لوگوں کی سوچ غلط ہے جو یہ کہتے کہ دین دریا ہے اور مسالک بہتی نہریں ہیں۔ لوگوں نے دریا کو چھوڑ کر نہروں کو بچانا شروع کر دیا۔ انہوں نے ہمارے فرقے کو نہر کہا، ہماری جماعت کو نہر کہا اب میں کہتا ہوں کہ ہم نہر نہیں بلکہ ہم بحر ہیں۔ ہم وہ سمندر ہیں کہ جس کو اسلام بھی کہا جاتا ہے اور آج اسی کو اہلسنت بھی کہا جاتا ہے۔

اگر دین دریا ہو اور مسالک نہریں ہوں تو پھر مطلب یہ بنے گا کہ غوث پاک رضی اللہ عنہ ساری عمر نہر پر ہی بیٹھے رہے، دریا کا پتہ ہی نہ چلا اور داتا صاحب رضی اللہ عنہ نہر پہ ہی بیٹھے رہے، دریا کا پتہ ہی نہ چلا۔ اہلسنت نہر کا نام نہیں ہے بلکہ اہلسنت بحر کا نام ہے۔ سمندر کا نام ہے۔ اس واسطے کہ ولیوں نے بھی اپنا تعارف

اسی نام سے کروایا ہے۔

نمبر 3-

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا قلم جب اٹھتا ہے تو کمال کرتا ہے۔ آپ نے مکتوبات شریف جلد ا جز دوم صفحہ ۲۷ پر فرمایا ہے:

شك نيست كه فرقة ملتزم اتباع اصحاب ان سرور ﷺ اهل سنة وجماعت اند

مجدد الف ثانی کو مخالفین اپنی کتابوں میں سید الطائفہ لکھتے ہیں کہ سارے ولیوں کے سردار مجدد ہیں۔ وہ مجدد جو ولیوں کے سردار ہیں ان کی بات بھی تو ولیوں والی ہے اس کو بھی ماننا چاہیے۔ حدیث شریف میں جو نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق والے وہ ہیں:

مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ

جن کا راستہ میرا اور میرے صحابہ کا ہے۔

مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔

اگر لوگوں کو پتہ نہ ہو تو میں بتاتا ہوں کہ جو راستہ صحابہ کا ہے اس کو اہلسنت کہا جاتا ہے۔

- مکتوبات میں ان کے یہ الفاظ ہیں:

ملتزم اتباع آن سرور ﷺ

سرکار ﷺ کی اتباع جو پکی کرتے ہیں، وہ کون ہیں؟

اہلسنت وجماعت اند

اہلسنت وجماعت ہیں۔

اس کے ساتھ فرماتے ہیں:

فَهُمُ الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ

یہی فرقہ ناجیہ ہے، یہی نجات والے ہیں۔

مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنا نجات والا ہونا ہی بیان نہیں کیا، بلکہ ساتھ جھوٹوں کو جھوٹا بھی اس انداز میں کہا ہے، فرمانے لگے:

وَالْحَقُّ مَا حَقَّقَهُ الْعُلَمَاءُ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَمَا سِوَى ذٰلِكَ اَمَّا زَنْدَقَةٌ وَاِلْحَادٌ اَوْ سُكْرُوَقْتٍ وَغَلَبَةُ حَالٍ مکتوبات شریف جلد ا جز اول ۸۱

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ برصغیر کے وہ صوفی ہیں جنہوں نے اپنے دور میں سب سے بڑی روشن خیالی جو نام نہاد روشن خیالی تھی۔ اکبر کے دین الٰہی کا جنازہ نکالا اور دو قومی نظریے کی فصل کاشت کی جس کا پھل پاکستان کی شکل میں برآمد ہوا۔ مجدد الف ثانی علیہ الرحمیہ کی تعلیمات میں یہ موجود ہے، وہ فرماتے ہیں:

کہ حق اہلسنت کے پاس ہے اور اس کے سوا وہ زندقہ اور الحاد ہے اس کو کبھی حق کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بیان اعتقاد صحیح کہ ماخوذ از کتاب و سنت است بر وفق آرائے صائبہ اہلسنت و جماعت

مکتوبات شریف (جلد:1 جزو:5۔ صفحہ:47)

قرآن وسنت سے اگر سچا عقیدہ سمجھنا ہے تو اس کو اہلسنت کہا جائے گا۔

یہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اقوال ہیں کہ جن کی شخصیت کو بالاتفاق مانا جاتا ہے اور ویسے بھی یہ ہمارے حق پر ہونے کی دلیل بھی ہے کہ جن لوگوں کا آج ہمارے ساتھ جھگڑا ہے۔ میں یہ بانگ دھل کہتا ہوں اگر ان کے پلے کچھ ہے تو جب تاریخ کے ماتھے پر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ہمارے تھے ان کے Standard اور انکے درجے کا وہ بھی اپنا کوئی دکھائیں۔

جب اس صفحہ ہستی پر داتا صاحب ہمارے تھے تو ان کے درجہ کا وہ بھی اپنا کوئی دکھائیں اور جب اس دھرتی کے اوپر اپنا کردار فضل حق خیر آبادی ادا کررہے تھے ان کے مرتبے کا اگر کوئی ہے تو دکھائیں۔ اگر نہیں تو ماننا پڑے گا کہ ساری تاریخ ہمارے پھولوں سے سجی ہوئی ہے۔

نمبر 4:-

یہ بات بھی بڑی قابل غور ہے کہ ہم اہلسنت کہلوانا لازم سمجھتے ہیں۔ ہم ان کو صوفی نہیں سمجھتے جو اپنے آپ کو اہلسنت نہیں کہلواتے یا اہلسنت کے مسلک کا پرچار نہیں کرتے، وہ صوفی کیسے ہوسکتے ہیں۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے ولی تھے۔ وہ خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمۃ کہ جن کا ذکر مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے مکتوبات شریف میں مکتوب نمبر ۱۹۳ صفحہ ۱۰۷ پر کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

کہ حضرت عبید اللہ احرار علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے:

اگر تمام احوال و مواجید رابما دھند و حقیقت مارا بعقائد اھلسنۃ وجماعۃ متحلی نہ سازند جز خرابی ھیچ نمیدانیم

اگر لوگ میری ساری کرامتیں بیان کریں اور میرے بڑے بڑے فضائل بیان کریں مگر مجھے سنّی نہ کہیں تو میں کہوں گا کہ انہوں نے میری خرابی بیان کی، خوبی بیان نہیں کی۔

یعنی میری ساری کرامتیں تو بیان کریں مگر مجھے سنّی نہ کہیں تو میں سمجھوں گا کہ لوگوں نے میرا تعارف نہیں کروایا بلکہ لوگوں نے میری توہین کی ہے، پھر فرمانے لگے:

اگر تمام خرابیھارا برما جمع کندو حقیقت مارا بعقائد اھلسنۃ و جماعۃ بنو ازند ھیچ با کے نداریم

اگر لوگ ہر لحاظ سے مجھ میں خرابیاں اکٹھی کر دیں، ہر عیب مجھے لگائیں لیکن

وحقیقت مارابعقائد اھلسنۃوجماعۃ بنو ازند

مجھے اہلسنت و جماعت کے ساتھ موصوف کریں

یعنی مجھے جو کچھ وہ کہیں۔ ان کی مرضی ہے جو کہیں۔ مگر ساتھ مجھے سنّی کہیں۔ سب کچھ بیان کر کے کہیں عبید اللہ سنّی پکا ہے۔

تو فرماتے ہیں:

ھیچ باکے نداریم

مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔

یہ ان کا انداز ہے اور اپنے آپ کو سنی کہلوانا لازم سمجھا ہے۔ یہ ان کی عاجزی و انکساری کا انداز ہے۔ وہ خوبیوں کے مرکز ہیں، فضائل کا گلدستہ ہیں لیکن یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اگر ہماری خوبی بیان کرنی ہے، تو ہمارے عقیدے کے لحاظ سے کرو۔ یہ اہلسنت کی تعبیر و تشریح ہے کہ جس کو ولیوں نے بھی اپنے لئے ہر دور میں لازم سمجھا ہے۔

نمبر 5-

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا یہ فرمان اشعۃ اللمعات میں موجود ہے، آپ فرماتے ہیں:

سواد اعظم از دین اسلام مذہب اہلسنت وجماعت است

اشعۃ اللمعات: ۱/۱۴۱

بڑی جماعت کا دین اسلام ہے مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔

اختصار سے اولیاء وصوفیاء کے پانچ حوالہ جات آپ کے سامنے میں نے بیان کئے۔ اب لفظ اہلسنت کی Definition اور وضاحت کی تھوڑی سی ضرورت ہے۔

آپ کو اجمالی تعریف کا پتہ چلا کہ اہلسنت وہ ہوتے ہیں جو اس طریقے پر ہوں جو صحابہ کرام کا ہے، پھر وقت کے لحاظ سے اس تعارف میں اضافہ بھی ہوتا رہا۔

مثلاً امام اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا تو پوچھا گیا کہ اہلسنت کس کو کہا جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جو شخص حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو باقی سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل جانے اور نبی اکرم ﷺ کے دونوں داماد حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو محبوب بنائے اور تیسرے نمبر پر وہ

موزوں پر مسح کرے۔ یہ تینوں علامتیں جس میں پائی جائیں اس کو سنی کہا جاتا ہے۔

چونکہ ان کے لحاظ سے اس وقت بغاوت ہو رہی تھی، غداری ہو رہی تھی تو آپ نے یہ ضروری سمجھا کہ شیخین کو سامنے لایا جائے اور آپ ﷺ کے دامادوں کا ذکر کیا جائے۔

جس دور سے گزرتے ہوئے بریلی کے تاجدار امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے حق پر پہرہ دیا ہے۔ اب اس دور میں علامت کے لحاظ سے سنی اس کو کہا جائے گا جو یہ نعرہ لگائے۔

عشق مصطفیٰ ﷺ تو ایمان ہے ایمان کی جان ہے جان کا چین ہے اور چین کا سامان ہے۔

جس وقت رسول اکرم ﷺ کی محبت کے لحاظ سے اس درجہ پر پہنچا ہوا ہو کہ سرکار ﷺ کی ذات کی طرف کسی معمولی عیب کو منسوب کرنا حرام سمجھتا ہو اور اگر کوئی کرے تو اس کا رد کرتا ہو۔ اس کے دل کا جذبہ ایسے معاملہ میں بھڑک اٹھتا ہو اس بندے کو عرف میں سنی کہا جاتا ہے۔

ہم اہل سنت ہیں اہل فرض نہیں

الفاظ اہلسنت و جماعت میں بڑی وضاحتیں ہیں۔

عمومی طور پر بندہ سوچے تو سنت سے فرض کا مرتبہ بڑا ہے۔ فرائض زیادہ ضروری ہوتے ہیں۔ سنت اس کے مقابلے میں کم ضروری ہوتی ہے تو جو بڑی ضروری چیز ہو نام اس کے لحاظ سے ہونا چاہیے تھا۔ یعنی ہمارا نام ہوتا اہل فرض و جماعت لیکن ہمارا نام اہلسنت و جماعت ہے۔ ایسے ہی سنت سے واجب کا مرتبہ بھی بڑا ہے تو ہمارا

نام ہوتا اہل واجب و جماعت لیکن ہمارا نام اہل واجب و جماعت نہیں ہے بلکہ اہلسنت وجماعت ہے۔ اہلسنت و جماعت ہی نام رکھنا کیوں ضروری ہے۔

اصل میں سبب یہ ہے کہ لفظ سنت ایسا لفظ ہے کہ اس کے سوا کوئی اور لفظ اس مقام پہ ساری ضرورتیں پوری نہیں کرتا۔ کیونکہ لفظ فرض فرائض کو شامل ہے لیکن سنت کو شامل نہیں ہے یہاں لفظ سنت جس معنی میں بولا جارہا ہے وہ سنت کو بھی شامل ہے، واجب کو بھی شامل اور فرض کو بھی شامل ہے۔

سنت سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو فرض کے مقابلے میں ہو کہ یہ فرض ہے اور یہ سنت ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا سنت سے مراد ہے:

اَلطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ فِي الدِّينِ — اشعۃ للمعات: ۲۳۳/۱

دین میں رائج طریقہ۔

مطلب یہ بنا کہ سنت سے شریعت مراد ہے۔ سنت سے مراد ہے دین۔ اب دین میں فرض بھی ہے اور دین میں واجب بھی ہے اور دین میں نفل بھی ہے۔ لیکن فرض میں صرف فرض آئے گا سنت نہیں آئے گی۔ اگر ہوتا اہل فرض و جماعت تو معنی یہ بنتا کہ جماعت فرائض کی تو علمبردار ہے باقی واجبات یا سنتوں کو نہیں مانتی یا اس پر عمل نہیں کرتی، پھر کام ادھورا رہ جاتا۔ ہم جس وقت کہتے ہیں اہلسنت و جماعت۔ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ فرض سے لے کر مستحب تک سب کو مانتے بھی ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔

یہ لفظ سنت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود استعمال کیا:

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهٖ سورۃ مومن:۸۵

اللہ کی سنت جو بندوں کے بارے میں گزر گئی۔

اب اس سنت سے مراد وہ نہیں جو فرض کے مقابلے میں سنت ہو بلکہ اس سے مراد اللہ کا طریقہ ہے۔ تو سنت الٰہی جس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے وہ فرض کو بھی شامل ہے، واجب کو بھی شامل ہے۔ سب کو یہ لفظ شامل ہے۔ اس واسطے ہم اپنے آپ کو اہلسنت و جماعت کہتے ہیں، اہل فرض یا واجب یا نفل نہیں کہتے۔

قرآن مجید میں جو لفظ سنت آیا ہے اس کا اور مفہوم ہے اور فرض کے مقابلے میں جو لفظ سنت ہے اس کا اور مفہوم ہے۔ اگر ہمارا نام اہل قرآن ہوتا تو پھر اسمیں بالخصوص سنت کا تذکرہ نہ ہوتا لیکن جو سنت کا مطلب ہم لے رہے ہیں اور جو مشائخ نے لیا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس سنت میں سنت بھی ہے، قرآن بھی ہے۔ جب دین کا سارا راستہ سنت کہلاتا ہے تو وہ راستہ قرآن ہی ہے۔

لہٰذا قرآن بھی سنت اور سنت بھی سنت ۔ یہ سارے کا سارا سلسلہ ایک لفظ سنت کا ہے جس نے کوزے میں دریا کو بند کر دیا ہے۔ صرف دریا ہی نہیں سارے سمندر کو بھی بند کر دیا ہے۔ یہ وہ لفظ ہے جس نے فرض، واجب نفل، قرآن بلکہ سارے دین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اللہ نے یہ تاج ہمارے سروں کو عطا فرمایا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ایک نیا نام لوگوں نے نکالا تھا ان کا شوق ہے جہاں کوئی اچھا نام، بڑی سیٹ ہو، ہم اپنے نام لگوالیں۔ ہم کہتے ہیں ہم اہلسنت ہیں اور ہم

مسلک میں اہلحدیث نہیں ہیں۔ ہم اہلسنت ہیں ہمیں امتیاز کی ضرورت ہے کہ جیسے ہم اہل فرض، واجب، نفل نہیں ہیں ایسے ہی ہم عوامی طور پر مسلک کے لحاظ سے اہلحدیث بھی نہیں ہیں۔

اہلحدیث وہ بنے گا جو سالہا سال حدیث پڑھ کر علم حدیث میں ماہر بنے گا اس امام کو اہلحدیث کہا جائے گا۔ جس شخص کو حدیث کی قسموں کے نام بھی نہ آتے ہوں اس کو اہلحدیث کہنا بڑا ظلم ہے۔ اس واسطے ہم اس نقطہ پر قائم ہیں جس میں ریڑھی لگانے والے بھی اپنا نام رکھوا سکیں، اب ریڑھی لگانے والا سنّی تو ہوسکتا ہے مگر اہلحدیث نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اہلحدیث تو وہ ہوتا ہے جو محدث ہو۔

اس واسطے بھائیو! ہم اہلسنت ہیں اہلحدیث نہیں ہیں کیونکہ اہل حدیث ہونا علمی منصب ہے جس طرح نحوی کو اہل نحو کہا جاتا ہے صرفی کو اہل صرف کہا جاتا ہے اور صوفی کو اہل تصوف کہا جاتا ہے اسی طرح جس نے حدیث میں عمر گزاری ہو اس محدث کو اہلحدیث کہا جاتا ہے۔

اس واسطے کہ سنت اور حدیث میں فرق ہے۔ حدیث اور چیز ہے اور سنت اور چیز ہے۔ سنت ہے: اَلطَّرِیْقَةُ الْمَسْلُوْکَةُ فِی الدِّیْنِ اور حدیث ہے رسول اکرم ﷺ کا قول، فعل، تقریر اور حدیث میں یہ ضروری نہیں کہ جو حدیث ہو وہ سنت بھی ہو۔ عرینہ والوں کا بخاری میں ذکر ہے جنہیں اونٹوں کا پیشاب پلایا گیا۔ وہ حدیث تو ہے مگر سنت نہیں ہے۔ چار سے زائد عورتوں کے ساتھ شادی کرنا حدیث تو ہے مگر امت کے لئے وہ سنت نہیں ہے۔ اگر کوئی بندہ اپنے آپ کو عملاً اہلحدیث کہتا

ہے تو ممکن ہی نہیں کہ وہ اہلحدیث بن سکے۔ چونکہ حدیث متروک بھی ہے، حدیث میں تخصیص بھی ہے اور حدیث میں امتیازات بھی ہیں۔ یہ ہر ایک کے بس کی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اگر ہم اسے علم کے لحاظ سے لیتے ہیں تو ہر بندہ علم کے لحاظ سے بھی اہلحدیث نہیں ہو سکتا۔ ان کے بڑے بڑے اس لائق نہیں کہ ان کو محدث کہا جا سکے تو ریڑھی لگانے والے کیسے اہلحدیث ہو سکتے ہیں۔

اس واسطے یہ نام اہلسنت و جماعت ہے جو مسلک اور عقیدے کی پہچان کرواتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ جامع ترمذی:۲۶۷۶

یعنی تم پر میری سنت لازم ہے اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ تم پر میری حدیث لازم ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي

تم پر میری سنت لازم ہے۔

کیونکہ سنت وہ ہے کہ جس کی رجسٹریشن عمل کے لئے کی گئی ہے کہ عمل کے لحاظ سے یہ راستہ ہے۔ محدث تو حدیث وہ بھی پڑھے گا جو متروک ہو گئی تھی اور وہ بھی پڑھے گا جو منسوخ ہو گئی تھی۔ یعنی محدث تب بنے گا جب ساری حدیثیں آتی ہوں گی۔ لہٰذا حدیث علمی سوغات ہے یہ خاص لوگوں کیلئے ہے، یعنی وہ محدثین کے لیے ہے اور دین پہ عمل تو سب کیلئے لازم ہے خواہ محدث ہو یا غیر محدث اسلیے اہلسنت عوام و خواص پر بولا جا سکتا ہے۔

محتشم سامعین حضرات!

مقدمہ ابن صلاح اصول حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں جہاں پر قبول حدیث کا ذکر ہو رہا تھا کہ کس کی حدیث قبول کریں گے اور کس کی نہیں کریں گے، وہاں وہ ذکر کرتے ہیں:

وَمِمَّنْ ذَالِكَ مِنْ اَهْلِ الْحَدِيْثِ اَبُوْبَكْرِنِ الْخَطِيْبُ (مقدمہ ابن صلاح: ۲۱۳)

جنہوں نے یہ قانون بیان کیا ہے ان اہل حدیثوں میں سے ایک ابوبکر الخطیب البغدادی ہیں۔

اب خطیب بغدادی کو ابن صلاح نے اہلحدیث کہا حالانکہ وہ شافعی ہیں، امام کے مقلد ہیں لیکن انہیں اہل حدیث کہا۔ کیونکہ انہوں نے متعدد جلدوں میں علوم حدیث میں کتابیں لکھی ہیں۔ ان کا مقام ہے، ان کا مرتبہ ہے۔ یہی خطیب بغدادی ہیں کہ جن کی کتابیں کچھ لوگ سی ڈی میں اٹھائے پھرتے ہیں اور ان پر اعتراض کر رہے ہیں حالانکہ ابن صلاح نے تو ان کو اہل حدیث کہا ہے یہ اگر اہل حدیث ہیں تو پھر خود اس پر اعتراض کیوں کرتے ہیں۔ بلکہ ابن صلاح نے انہیں اہل حدیث اس لئے کہا کہ اگر گننا چاہو گے کہ کس نے حدیث پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں تو تمہیں خطیب بغدادی کا نام چمکتے ہوئے ناموں میں نظر آئے گا۔ اہل حدیث ایسا ہوتا ہے۔

میں پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ جامع ترمذی میں درجنوں بار یہ لفظ آیا ہے:

قَالَ اَھْلُ الْحَدِیْثِ وَقَالَ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ

اھل حدیث کہتے ہیں اصحاب حدیث کہتے ہیں

کئی بار امام ترمذی نے یہ لفظ استعمال کیا ہے اور ایک بار بھی امام ترمذی نے کسی جاہل کیلئے نہیں بلکہ امام کیلئے استعمال کیا ہے۔

اب جامع ترمذی صحاح ستہ میں سے ہے انہوں نے اس میں لفظ اہلحدیث اور اصحاب حدیث استعمال کیا اور کہاں ذکر کیا جہاں ایک طرف ان کی رائے ہے اور دوسری طرف ایک اور امام کی رائے ہے۔ اماموں کی بات کرتے وقت ایک امام کو اہل حدیث سے تعبیر کر رہے ہیں تو گویا کہ انہوں نے کہا کہ جس نے اہل حدیث بننا ہو وہ سالہا سال کیلئے گھر سے چھٹی لے کر نکلے اور پڑھے پھر جا کے منصب کے لحاظ سے اہل حدیث بنے گا لیکن عقیدہ وعمل کے لحاظ سے پھر بھی اہلسنت ہوگا۔ کتنے سستے عہدے لوگوں نے حاصل کر لئے کہ جو منصب بڑی دیر کے بعد جا کے ملتا تھا انہوں نے گھر بیٹھے بیٹھے اپنے اوپر بھی اہل حدیث کا لیبل لگالیا کہ میں اہل حدیث ہوں۔

احمقوں کی کمی نہیں صاحب
ایک ڈھونڈھو ہزار ملتے ہیں

اب یہاں پر ان کے گھر کی بات بھی بہت ضروری ہے۔

1926ء میں روپڑ سے ایک کتاب چھپی تھی۔ روپڑ ایک علاقہ ہے جہاں کے رہنے والے روپڑی ہوتے ہیں۔ اس کتاب کا نام "اہل حدیث کی تعریف" ہے۔ اس میں انہوں نے اکیس تعریفیں اہل حدیث کی بیان کی ہیں۔ جس کو اپنے نام کی

تک ایک تعریف پر یقین نہ آتا ہو اس کی حقیقت ان میں کیا موجود ہوگی۔ اب ہم اہلسنت ہیں ہمارے نزدیک اس کی جامع مانع تعریف ہے: یہ قول رسول ﷺ ہے

مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ

انہوں نے اس کتاب میں اکیس تعریفیں اہل حدیث کی بیان کی ہیں اور اکیس تعریفوں سے بھی دل مطمئن نہیں ہوا۔ اس کی بولی 1918 میں دی گئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم دس ہزار انعام رکھ رہے ہیں کوئی بندہ اہل حدیث کی سچی تعریف کر کے دے پھر بھی وہ اس کی تعریف نہ کر سکے۔ لیکن حق والو تمہیں مبارک ہو اللہ نے تمہارا اہلسنت ہونا تمہارے ماتھوں پہ لکھ رکھا ہے۔ اس کتاب میں بھی ہماری بات موجود ہے۔

اس کتاب میں چوتھی تعریف اہل حدیث کی یہ ہے:

اہل حدیث اس کو کہتے ہیں جو قرآن شریف اور حدیث نبوی ﷺ کا بطور کلی ماہر ہو اور زبان عربی کی اصطلاحات اور قواعد زبان سے پورا واقف ہو تا کہ منشاء حدیث کے مطابق عمل کرنے یا ایسے کامل شخص کا متبع اور مقلد بن جائے۔ تب جا کے حدیث کی مطابقت والا نعرہ سچا ہوگا۔ (ص: ۷)

انہوں نے کہا کہ اس کے علاوہ کسی کو اہل حدیث نہیں کہہ سکتے۔ اب یہ کتنی زیادتی ہے کہ 1926ء میں جو تعریف تھی اس میں تو یہ ضروری تھا کہ قرآن صرف آتا ہی نہ ہو بلکہ ماہر بھی ہو یعنی صرف ترجمہ ہی نہ آتا ہو بلکہ وہ ناسخ منسوخ جانتا ہو، شان نزول جانتا ہو اور اسرار و رموز جانتا ہو، استنباط و اجتہاد کر سکتا ہو، ذخیرہ احادیث

میں کمال حاصل ہو اور گرائمر کے لحاظ سے ماہر ہو۔ یہ ساری چیزیں ہوں تو پھر بندہ اپنا نام اہلحدیث رکھوا سکتا ہے ورنہ وہ جھوٹا ہوگا اور اہل حدیث کہلوانے کا مستحق نہیں ہوگا۔ اس کتاب کے مصنف حافظ عبداللہ امرتسری نے جو میں بات کر رہا تھا اس کی وضاحت کر دی کہ بندہ عمل کے لحاظ سے اہل حدیث ہو ہی نہیں سکتا یہ علمی منصب ہے۔ اس کے بعد بندہ یا تو مجتہد بن جائے گا اگر مجتہد بنے تو اس کا اللہ کے فضل سے ایک مقام ہے اور اگر مجتہد نہ بن سکا تو پھر بھی گزارہ تقلید کے بغیر نہیں ہوگا۔

مگر اہل حدیث کہلوانے کے لئے انہوں نے جو چار شرطیں بیان کی ہیں وہ آج ان میں سے کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں حالانکہ وہ نام یہ رکھوا رہے ہیں۔ جبکہ اسلاف نے یہ نام ان شرطوں کے مطابق جائز قرار دیا تھا۔ ایسے ہی اس کتاب کے صفحہ نمبر 19 پر جو تعریف کی اس میں بھی یہ کہا گیا کہ

احادیث کو جمع کرنے والوں کا نام اصحاب حدیث ہے جس کا دوسرا لقب اہلحدیث ہے۔ اہلحدیث کی تعریف: ص 19

جو بندہ جامع الاحادیث ہو اور حدیث کی کتابیں لکھے، حدیث جمع کرے، سندیں بیان کرے، زندگی اس میں گزار دے تو اسے اصحاب حدیث کہیں گے، لقب اس کا اہلحدیث ہوگا۔ باقی عام بندے کیلئے یہ اجازت نہیں ہے۔ یہ ایک سستا سودا سمجھ کے لوگوں نے اپنے مذہب کے نام کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کا کوئی بھی تاریخی پس منظر نہیں ہے۔ اہلسنت اہل حق کا نام ہے جو عملاً شروع سے مسلک رہا ہے۔ اور اس میں ان کو بڑی بے چینی بھی ہے۔ کبھی اپنی مسجدوں کے

ساتھ اہل حدیث لکھواتے ہیں اور جب ادھر سے ہٹنا چاہتے ہیں تو بریکٹ میں اہل سنت بھی لکھوا دیتے ہیں۔ اہلسنت عمل کے لحاظ سے ایک شاہراہ ہے اس کا اندازہ اس انداز میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا ثناء اللہ امرتسری نے ذکر کرتے ہوئے لکھا: اور اس نے اپنی حقیقت واضح کر دی کہ ہم کہاں سے چلے ہیں۔

وہ کہنے لگے:

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا سلسلہ دو شاخوں میں تقسیم ہوا۔ ایک شاخ سید نذیر حسین دہلوی کے شاگردوں کی تھی۔ سید نذیر حسین کے شاگردوں کی شاخ اہلحدیث کہلوائی۔

فتاوی ثنائیہ: ۱/۱۴۴

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حدیث کا اس سے پہلے وجود نہیں تھا۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے ایک بدلے ہوئے شاگرد جب اس طرف گئے تو ان کا نام جا کر ایک طرف اہلحدیث بنا اور ایک شاخ دیوبند کی طرف چلی گئی۔

حقیقت میں ان کا امت کے اس راستے سے تعلق نہیں تھا جو کہ اہلسنت کا شروع سے آ رہا ہے اور یہ ناخلف اولاد تھی جنہوں نے اپنے آپ کو مختلف ناموں سے مشہور کیا۔

یہ خود ان کے گھر کا حوالہ ہے

اور فتاوی ثنائیہ کے اندر انہوں نے اس کو تسلیم کیا کہ ہمارا تعلق صفہ یا حجاز یا بدر وحنین سے نہیں۔ ہمارا تعلق شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ سے ہے۔ میں کہتا ہوں ہم شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا احترام کرنے والے ہیں۔ چونکہ انکی تعلیمات کو لوگوں نے

بدلا ہوا ہے۔ حقیقت کو چھپانے کے لئے ان کے شاگردوں کی ایک لسٹ کے بارے میں یہ خود کہہ رہے ہیں وہ اہلحدیث کہلوائے۔ جب وہ ان سے پڑھ کے وہاں سے نکلے برصغیر پاک و ہند میں اہلحدیث مسلک نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

لیکن رب ذوالجلال کا ہم پر فضل ہے کہ ہمیں یہ نام اہلسنت و جماعت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زبان سے ملا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے لفظ اہلسنت کے بارے میں ایک بات کی، وہ فرمانے لگے:

اہلسنت کا نام اگرچہ متعارف بعد میں ہوا لیکن اہلسنت اسی کو کہا گیا ہے جس کا عقیدہ صحابہ کرام کے عقیدے جیسا تھا۔

لفظ اہلسنت موجود تو پہلے بھی تھا لیکن مشہور بعد میں ہوا جس کو اہلسنت کہا گیا وہ پرانے لوگ تھے ان کا عقیدہ پرانا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدے پہ چلا آرہا تھا۔ لہٰذا اس اشارے پر قرآن وحدیث کی روشنی میں میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بھی سنی کہتے ہیں۔

یہ نام اگرچہ بعد میں مشہور ہوا مگر حقیقت پہلے بھی موجود تھی اور جو حقیقت پہلے موجود ہو، بعد میں اس حقیقت کا کوئی اور نام پڑ جائے تو پہلی حقیقت کو بھی اسی نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس پر میرے پاس قرآن مجید کی آیت دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سورہ یونس میں فرمان ہے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (سورہ یونس:۳)

یعنی تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

اب بات بڑی قابل غور ہے کہ چھ دن تب ہوں گے جب دن ہوگا اور دن تب بنتا ہے جب سورج نکلے اور ڈوبے ورنہ دن دن نہیں ہوتا۔ دن کی ایک حد ہے اور سورج تب ہوگا جب آسمان ہو اور جب آسمان بنا ہی نہیں تو پھر دن کہاں سے آ گیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ

''تمہارا رب وہ ہے جس نے چھ دنوں میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا''

جب زمین و آسمان پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو اللہ دن کس کو کہہ رہا ہے چونکہ دن سورج سے بنتا ہے سورج آسمان پر ہوتا ہے اور آسمان ابھی پیدا ہی نہیں ہوا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چھ دنوں میں پیدا کیا، مطلب کیا بنا؟

اس کا مطلب یہ بنا کہ جتنا وقت زمین و آسمان کو بنانے میں لگا تو جس وقت دن بنے تو وہ وقت چھ دنوں میں تقسیم ہوا اگرچہ اس وقت اس کا نام دن نہیں تھا، مسلسل وقت تھا مگر جب دن والی تعریف آ گئی کہ دن اسکو کہا جاتا ہے تو اسی حقیقت کو دن سے تعبیر کر دیا گیا۔ اس وقت اگرچہ اس کا نام دن نہیں تھا مگر آج قرآن اس کو دن کہہ رہا ہے۔

ایسے ہی جو حقیقت صحابہ کرام علیہم الرضوان میں موجود تھی اگرچہ اس وقت عرف عام میں اس کا نام اہلسنت مشہور نہیں تھا، آج اسے ہی اہلسنت کہا جا رہا ہے۔ اس میں کتنی وضاحت موجود ہے۔ میں تو کہتا ہوں:

یہ زمین بھی سنی ہے وہ آسمان بھی سنی ہے
جلوہ خورشید سنی کہکشاں بھی سنی ہے

قطرہ شبنم بھی سنّی باغباں بھی سنّی ہے
لفظ کی تاثیر سنّی داستاں بھی سنّی ہے
مایہ ملت بھی سنّی نگہبان بھی سنّی ہے
اہل سنت کے جیالو باندھ لو گر تم کمر
نظر آیگا تمہیں تو پھر سارا جہاں ہی سنّی ہے

یہ گزارشات آپ کے پاس میری امانت ہیں ان کو آپ نے آگے پہنچانا ہے۔ یہ صحت مند تبلیغ ہے۔ یہ فرقہ واریت نہیں ہے بلکہ یہ امتیازاتِ الٰہی ہے۔ سنت یہی ہے۔ اس کو ہم نے سامنے رکھا۔ ہم نے کسی کو گالی نہیں دی۔ بلکہ قرآن وسنت اور حقائق کی ڈالی پیش کردی ہے۔ یہ اپنا اپنا مقدر اور نصیب ہے کوئی اس کو سن کے افسردہ ہوتا ہے یا خوش ہوتا ہے۔

کسی کے دل کے دروازے بند ہوتے ہیں یا کھلتے ہیں کسی کے لئے اندھیری رات آتی ہے یا صبح کا سورج نکل آتا ہے۔ یہ اپنی اپنی قسمت ہے۔

یہ گفتگو میری ماؤں اور بہنوں نے بھی سنی۔ ان پر یہ قرض ہے کہ موجودہ زمانہ میں جو اندھیرے چھا رہے ہیں اس موضوع کو بطور خاص سمجھ کر اس کی روشنی آگے پھیلائیں۔ تاکہ اللہ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

OOOOO

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر

4

ورع و پرہیزگاری کے ماڈل

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَامُجِيبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِي الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرور کائنات، فخر موجودات، زینت بزم کائنات، دستگیر جہاں، غمگسار زماں سید سروراں، حامیٔ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودت، حاملین

عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز و محتشم حضرات وخواتین سامعین وناظرین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق ہے ہم سب کو ادارہ صراطِ مستقیم کے تیرھویں پرنور پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

ورع و پرہیز گاری کے ماڈل

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آج کا موضوع بھی بڑا اہم موضوع ہے۔ یہ موضوع اسلامی تعلیمات کے خلاصہ کی حیثیت رکھتا ہے ہماری عملی زندگی میں گناہوں سے اور سیئات سے بچنے کی ایک اہم کوشش کا نام ورع و پرہیز گاری ہے۔ خالق کائنات جل جلالہ نے قرآن مجید کی سورۃ المومنون کی آیت نمبر ۵۱ میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا

اے رسولو! تم پاکیزہ چیزوں سے کھانا کھاؤ اور صالح عمل کرو۔

إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (سورۃ المومنون ۵۱)

جو کچھ تم کرتے ہو میں اس کو جاننے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرامین احکام کی شکل میں قرآن مجید میں موجود ہیں

اور ان کے سوا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں احادیث اس بارے میں موجود ہیں۔ جن سے ورع و پرہیز گاری، تقویٰ و طہارت کا سبق ہم سب کو میسر آتا ہے۔

لفظ ورع جس کا ہم اپنے موضوع میں بار بار استعمال کر رہے ہیں۔ عربی زبان میں اس کا معنی کیا ہے؟

ورع کا لغوی معنی

اَلْکَفُّ وَالْاِ نْقِبَاضُ

کسی چیز سے رکنا اور کسی چیز کو دیکھ کر اپنے دامن کو سمیٹ لینا ورع کہلاتا ہے۔

ورع کا اصطلاحی معنی

قَالَ الْمَنَاوِیْ اَلْوَرْعُ تَرْکُ مَا یُرِیْبُکَ وَنَفِیُ مَا یَعِیْبُکَ وَالْاَخْذُ بِالْاَوْثَقِ وَحَمْلُ النَّفْسِ عَلَی الْاَشَقِ

التوقیف علی مھمات التعاریف: ۳۳۷

مناوی کہتے ہیں کہ ورع یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیا جائے جس کے بارے میں بندے کو شک ہو۔

مَا یُرِیْبُکَ

جو تجھے شک میں، ریب میں مبتلا کرے۔

یعنی ایک چیز کے بارے میں تمہارے دل کے اندر اطمینان نہیں ہے کہ یہ پاک ہے تو ورع یہ ہے کہ اگر دل مطمئن ہو تو پھر کھاؤ۔ ورنہ اس سے اجتناب کرو۔ ایک رزق کے ماخذ کے بارے میں تمہیں شک ہے کہ اس کا ماخذ اور منبع جہاں سے

مجھے یہ رزق ملا ہے۔ وہ جائز ذرائع سے ملا ہے یا ناجائز ذرائع سے ملا ہے۔

اگر واضح پتہ ہو تو پھر اس کا ترک کرنا نہایت ضروری ہے لیکن ورع یہ ہے کہ جہاں معمولی سا شک آ جائے وہاں بھی بندہ محتاط ہو اور اس کام کے کرنے سے مکمل طور پر رک جائے۔ یہ صرف کھانے پینے کے لحاظ سے نہیں باقی بھی سارے معاملات کے لحاظ سے ہے۔

وَتَنفِيْ مَا يَعِيْبُكَ

اور جس سے تمہیں اپنی ذات پر عیب کا خطرہ ہو اس چیز سے رکنا یہ بھی ورع ہے۔

جس کام سے تمہارا دامن داغدار ہو سکتا ہے جس سے تمہارے کردار کی چادر پر دھبہ لگ سکتا ہے اور جس سے تمہارے وقار پر آنچ آ سکتی ہے اس کام سے اپنے آپ کو بچانا، یہ ورع ہے۔ یعنی ایک ہیں واضح جرائم، واضح غلطیاں اور واضح گناہ۔ وہ تو ایک مومن کا پہلا سبق ہے کہ وہ ان سے بچ کے رہے اور اپنے آپ کو ان سے بچا کے رکھے لیکن ورع اس سے آگے کا مرتبہ ہے کہ جہاں معمولی شک ہے وہاں بھی انسان قدم نہ رکھے اور جس جگہ پہ اس کو خطرہ ہے کہ اس کام کی وجہ سے میرا کردار معیوب ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ کو اس وادی کی طرف نہ جانے دے اور اپنے آپ کو اس مقام سے دور رکھے۔

وَالْاَخْذُ بِالْاَوْثَقِ

جو پکی بات ہو وہ اختیار کرے۔

کچی باتوں پر، کچے نظریات پر اور کچے خیالات پر نہ چلے۔ اوثق ثقہ امور کا

حاصل ہو اور ثقہ امور کے ساتھ اس کا تعلق ہو۔ پختہ اور مستند حیثیات کے ساتھ اس کا ربط ہو۔

وَحَمْلُ النَّفْسِ عَلَى الْاَشَقِ

ورع یہ ہے کہ بندہ رخصت کا طلب گار نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو مشقت کی راہ پہ ڈالنے والا ہو۔

یعنی جہاں شریعت نے رخصت بھی دی ہے تو ورع کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ رخصت کو نہ قبول کرے بلکہ راہ عظیمت پہ چلے۔ جہاں پر گنجائش تھی کہ وہ اپنے آپ کو سہولت کی طرف لے جائے لیکن ورع کا تقاضا یہ ہے کہ اس سہولت کو قبول نہ کرنا اور جو اصل کام ہے عظیمت اور عظمت والا۔ اس میں اپنے آپ کو ڈالنا اور مشقت کا عادی بنا دینا۔

جس طرح کہ مسافر کے لئے جو شرعی مسافت پر جانا چاہتا ہے اس کے لئے روزے کی رخصت ہے کہ وہ آداب ملحوظ رکھے مگر وہ روزہ نہ رکھے۔ بعد میں قضا کے طور پر ایک روزہ رکھے تو یہ ایک رخصت ہے مگر ورع کا جو شخص علمبردار ہو گا وہ یہاں بھی عظیمت پر چلے گا۔ اگر چہ شریعت نے چھٹی دی ہے مگر جب میں برداشت کر سکتا ہوں اور میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے تو میں کیوں چھٹی قبول کروں تو وہ راہ عظیمت پر چلتا ہے۔

ورع کی یہ تعریف ہے کہ جس میں چار باتیں نہایت اہم ہیں کہ انسان ہر اس کام سے بچے جو بندے کو مشکوک کرتا ہو یا جس کی وجہ سے بندے کی طبیعت غیر

مطمئن ہوتی ہو اور بندے کو جن باتوں کے بارے میں شک ہو ان سے اپنے آپ کو بچا کے رکھے۔

اپنے آپ کو مشکلات اور مشقتوں کے لئے پیش کر دینا۔ اس کو شرعی زبان میں ورع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ورع کا فائدہ

ورع کی وجہ سے بندے کو فائدہ یہ ہوتا ہے کہ

اَلْوَرَعُ يُطَهِّرُ دَنَسَ الْقَلْبِ كَمَا يُطَهِّرُ الْمَاءُ دَنَسَ الثَّوْبِ

مدارج السالکین ۲۲/۲

جس طرح پانی سے کپڑے کی میل نکلتی ہے ایسے ہی ورع سے دل کا میل ختم ہو جاتا ہے۔

کپڑے کے اندر جو میل کچیل ہوتی ہے پانی اس کو دھو کے بالکل صاف کر دیتا ہے ایسے ہی ورع دل کے لئے دھوون ہے اور دل کو یوں پاک کر دیتا ہے جس طرح پانی کپڑے کو پاک کرتا ہے۔

لہٰذا جتنی بھی ملاوٹ ہو چکی ہو، جتنی بھی ماحول میں آلودگی پڑ چکی ہو اور جس قدر بھی انسان کا قلب زمانے کی ناہمواریوں کی وجہ سے پریشان ہو چکا ہو اور شیطانی ماحول کی وجہ سے اس پر داغ پڑ چکے ہوں ورع وہ چیز ہے کہ جس سے اس کے دل کو پوری طرح دھو کے ستھرا کر دیا جاتا ہے اور اس کے دل کو اللہ تعالیٰ نئی چمک عطا فرما دیتا ہے۔

ورع کے درجات

ورع ایک ایسا امر ہے کہ جس کے مختلف درجات ہیں اور مختلف اقسام ہیں۔
ورع کے صوفیاء کرام علیہ الرحمۃ کے نزدیک چار درجات ہیں۔

پہلا درجہ

ورع العادلین

ورع و پرہیز گاری کے لحاظ سے جہاں سے ورع کا آغاز ہوتا ہے اس کو ورع العادلین کہا جاتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان درجات کو باقاعدہ احیاء العلوم کے اندر بیان فرمایا ہے۔ پہلا (Step) ورع کا جہاں سے ورع کو جنم ملتا ہے' انسان تقوی و پرہیز گاری کے ماحول کے اندر داخل ہوتا ہے اور اس کی ترقی شروع ہوتی ہے اس کو ورع العادلین کہا جاتا ہے یعنی عادل لوگوں کی پرہیز گاری۔

اس میں کیا ہوتا ہے یہ ورع ایسی ہے کہ بندہ ہر اس کام سے بچتا ہے جس کی وجہ سے اس کی عدالت پہ آنچ آتی ہے کیوں کہ فاسق و فاجر کی گواہی قبول نہیں ہوتی اور ایک عام مومن گواہ تب بن سکتا ہے جب وہ عادل ہو۔

اس کا صوفی ہونا اور متقی ہونا یہ تو بعد کے معاملے ہیں۔ پہلا مرتبہ ایک مومن کا عادل مزاج ہونا ہے اور اس کا کردار فسق و فجور سے پاک ہونا ہے۔ ورع میں پہلے یہ ہوتا ہے کہ انسان ہر اس کام سے بچے جس کی وجہ سے اس کی عدالت ساقط ہوتی ہو' اس کی عدالت کا زوال ہوتا ہو، اور اسکی عدالت پر آنچ آتی ہو۔

ایسے ہر کام سے اپنے آپ کو بچانا یہ ورع العادلین ہے اور اس کے ساتھ ہی ہم ان امور کو جن سے بچت عدالت کے لئے لازم ہے یوں تعبیر کر سکیں گے۔

فقہاء نے جن کاموں کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے ان کاموں کو اگر کوئی بندہ کرتا ہے تو عادل نہیں رہتا۔ اس کی گواہی غیر معتبر ہو جاتی ہے اور جن کاموں کو فقہاء نے حرام قرار دیا ہے۔ ان سے جو بندہ بچتا ہے وہ عادلین والی ورع پالیتا ہے جو کرتا ہے وہ حرام کام اس کو عادلین والی صف سے نکال دیتا ہے اور اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ فقہاء کے فتویٰ کے مطابق جو حرام چیزیں ہیں ان حرام چیزوں سے اجتناب کرنا اور بچ کے رہنا اس ورع کو ورع العادلین کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

دوسرا درجہ

ورع الصالحین

یہ پہلے مرتبے سے اونچا مرتبہ ہے یہ اس سے ایڈوانس ہے اور اس میں ترقی ہے۔

وَهُوَ الْاِمْتِنَاعُ عَمَّا يَنْطَرِقُ اِلَيْهِ اِحْتِمَالَ التَّحْرِيْمِ

صالحین کی ورع یہ ہے کہ بندہ ہر اس کام سے بچتا ہے کہ جس میں حرمت کا احتمال موجود ہے۔

پہلے تھا کہ واضح طور پر فقہاء نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور یہ اس سے بچ کے رہتا ہے تو پھر اس کو ورع عدالت کا منصب حاصل ہوتا ہے۔

دوسرے نمبر پر یہ ہے کہ فقہاء نے اس کو حرام نہیں کہا لیکن حرمت کا احتمال موجود ہے۔ یعنی ایسا کام ہے اگر انسان وہ کرتا ہے تو وہاں حرمت کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے۔

ورع الصالحین یہ ہے کہ بندے سے ایسا کام بھی سرزد نہیں ہوتا نہ وہ جو حرام قرار دیا گیا ہے اور نہ وہ جس میں حرمت کا احتمال ہو کہ کہیں اس میں حرمت کا احتمال نہ آجائے۔

وَلٰكِنَّ الْمَعْنٰى يُرَخِّصُ فِي التَّنَاوُلِ بِنَاءً عَلَى الظَّاهِرِ

لیکن یہ کام ایسا ہے کہ بظاہر اس کے کرنے کی رخصت موجود ہے کہ بندہ کر بھی سکتا ہے۔

فقہاء کی طرف سے رخصت ہے حرمت کا قول نہیں کیا گیا مگر ہے ایسا کہ جس کی وجہ سے

فَهُوَ مِنْ مَّوَاقِعِ الشُّبْهَةِ عَلَى الْجُمْلَةِ

بندہ حرام کے قریب بھی پہنچ سکتا ہے۔ وہ مواقع شبہۃ میں ہے۔

خود وہ حرام نہیں ہے لیکن اس کی حدود حرام وادی سے ملتی ہیں۔ وہ خود حرام نہیں ہے لیکن وہاں جانے سے بندہ حرام کے قریب پہنچ سکتا ہے تو صالحین کا تقویٰ و پرہیزگاری یہ ہے کہ وہ ایسے جائز کام کا بھی ارتکاب نہیں کرتے جو انہیں کبھی ناجائز کی طرف دھکیل کے لے جانیوالا ہو۔ ایسے کاموں سے بچنے کا نام ورع الصالحین ہے۔

تیسرا درجہ

ورع المتقین

صالحین کی پرہیزگاری سے متقین کی پرہیزگاری بڑی پرہیزگاری ہے اور اس ورع کا ایک مستقل مرتبہ ہے۔ ورع المتقین یہ ہے کہ

مَالَا تُحَرِّمُهُ الْفَتْوٰى وَلَا شُبْهَةَ فِىْ حِلِّهٖ

وہ کام کہ جس کی حرمت کا نہ تو فتوی ہے اور نہ ہی اسکی حلت میں کوئی شبہ ہے۔

فتوی کی نگاہ میں وہ حرام بھی نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی حلت میں کوئی شبہ بھی نہیں ہے۔ حرمت نہ ہونا واضح ہے اور حلت ہونا واضح ہے کہ وہ کام جائز ہیں، حلال ہیں۔ ان کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہیں اور ان کی حرمت کا کسی نے قول نہیں کیا اور حلت کو ثابت کیا گیا ہے۔

وَلٰكِنْ يُّخَافُ مِنْهُ أَدَاؤُهٗ اِلٰى مُحَرَّمٍ

لیکن آگے جا کے نتیجہ کے لحاظ سے انسان میں بے احتیاطی پیدا ہو سکتی ہے۔

وہ کام خود جائز ہے اس کی حلت میں شک بھی نہیں اور حرمت کا کسی نے قول بھی نہیں کیا لیکن رزلٹ کے لحاظ سے بندے کو وہاں سے ایک ایسی عادت آسکتی ہے کہ جو عادت اسے کسی ناجائز کام کی طرف لے جانے والی ہو اسکو ترک کر دینا یہ ورع المتقین ہے۔

ایسا کام جس کا جواز ثابت ہے اور جس کا عدم جواز بالکل نہیں لیکن رزلٹ کے لحاظ سے بندے کے اندر لاپرواہی اور طبیعت کے اندر ایک ایسی آوارہ گردی آسکتی ہے کہ جس میں بندہ کسی ناجائز کام کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے متقین ایسا جائز کام بھی نہیں کرتے اور اپنے آپ کو ایسے جائز کام سے روک کے رکھتے ہیں۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس کو رسول اکرم ﷺ نے یوں بیان کیا ہے:

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا

لِمَا بِهِ الْبَأْسُ (ابن ماجہ شریف: ۳۱۱)

کوئی بندہ اس وقت تک متقی لوگوں کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں تک وہ ایسے جائز کام بھی چھوڑ دے کہ جن سے ناجائز کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔

کوئی بندہ تم میں سے اس وقت تک متقی نہیں بن سکے گا۔ یہاں تک کہ وہ جائز بھی ترک کردے کہ جہاں سے ناجائز کا رستہ نکلتا ہو اور ناجائز کا احتمال پیدا ہوتا ہو۔ یہ مرتبہ متقین لوگوں کی پرہیزگاری کا ہے۔

چوتھا درجہ

ورع الصدیقین

چوتھا مرتبہ صدیقین کی ورع کا ہے۔

یہ پرہیزگاری اعلیٰ درجے کی ہے اس کا ایک اپنا ہی مزاج ہے اور اپنا ہی ذائقہ ہے۔ لفظوں سے بیان کرنے میں اتنی لذت نہیں آئے گی۔ جتنا عملاً اس سے لذت حاصل ہوگی۔

جب بندہ سفر کر کے اس میں پہنچتا ہے تو پھر ہی جا کر اس کو پتہ چلتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس کو ورع الصدیقین کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہاں پر جو کام بندہ ترک کر رہا ہے نہ وہ حرام ہے نہ ایسا ہے۔ کہ جس کی حلت میں شبہ ہے اور نہ ایسا ہے جس کی حلت واضح طور پر موجود ہے یعنی یہ تینوں مرتبے تو اس کو پہلے حاصل ہیں۔

جو شخص ورع الصدیقین کو پانے والا ہے۔ حرام کو بھی ترک کر چکا ہے اور اس

جائز کو بھی ترک کر چکا ہے کہ جس میں کچھ شبہ تھا اور اس جائز کو بھی ترک کر چکا ہے کہ جس میں شبہ نہیں اور جو کام جائز تھا مگر ناجائز کا خطرہ آسکتا تھا۔ ان سب کو وہ ترک کر چکا ہے اب وہ اس مقام پہ پہنچ چکا ہے کہ وہ ایسا جائز کام بھی نہیں کرنا چاہتا کہ جس میں اگر چہ ناجائز کا خطرہ نہیں کہ اس کی سرحد کسی ناجائز سے ملتی ہو۔

مَالَابَاسَ بِہٖ اَصْلاً وَیَخَافُ مِنْہُ اِنْ یُّؤَدِّیَ اِلٰی مَابِہٖ بَاسٌ وَلٰکِنَّہٗ یَتَنَاوَلُ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَعَلٰی غَیْرِ نِیَّۃِ التَّقْوٰی بِہٖ عَلٰی عِبَادَۃٍ

احیاء العلوم: ۲/ ۱۰۸

ورع الصدیقین یہ ہے کہ وہ کام جو جائز ہے جس میں نہ قطعی حرمت ہو نہ حرمت کا شبہ ہو اور نہ ہی اس سے ناجائز کا خطرہ پیدا ہوتا ہو۔ ان سارے خطروں سے وہ جائز کام پاک ہے۔ مگر اس سے بھی پناہ مانگتے ہیں کہ کہیں ایسا کام ہم کرتے وقت اللہ کی رضا کا دامن چھوڑ نہ دیں بلکہ کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اس بات پر پابند کرلیں کہ میں صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ اس کے کرنے سے میرا مولا راضی ہو جائے۔

یعنی وہ کوئی کام اللہ کے غیر کے لئے نہیں کرتا اور کوئی کام اللہ کی رضا کے بغیر نہیں کرتا۔ غیر سے مراد یہاں یہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک شخص روٹی کھاتا ہے تو روٹی کھانے میں کئی نیتیں ہو سکتی ہیں۔

میرا بدن صحت مند ہو میری زندگی برقرار ہے تو اس لحاظ سے روٹی کھانے میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں ہے، نہ روٹی کھانا حرام ہے نہ ہی اس کی حلت

میں کوئی شبہ ہے اور نہ ہی روٹی کھانا کوئی ایسا کام ہے جو کل اس کو بدکاری کی طرف اٹھا کے لے جائے۔ کسی حرام کام سے روٹی کھانے کی سرحد بھی نہیں ملتی ۔ وہ تینوں خدشات موجود نہیں ہیں

مگر یہ شخص جو صدیق ہے۔ یہ روٹی کھاتے وقت اگر یہ نیت کرے کہ میری صحت برقرار رہے اور میرا بدن سلامت رہے تو یہ سمجھے گا کہ میں نے گناہ کیا ہے۔ یہ روٹی کھاتے وقت یہ نیت کرتا ہے کہ میں روٹی اس لئے کھا رہا ہوں، کھاؤں گا تو میں رب کی بارگاہ میں کھڑا ہو کے قیام کر سکوں گا۔ کھا کے تو میں سجدہ کر سکوں گا۔

اس نیت پر جائز کام کرتے ہیں۔ یعنی ہر جائز کام سے پہلے نیت کو بناتے ہیں، پکاتے ہیں اور نیت کو محفوظ کرتے ہیں۔ پھر ان کی پرہیز گاری یہ ہوتی ہے روزہ رکھتے ہوئے وہ یہ تصور بھی حرام سمجھتے ہیں کہ ہم افطار کس چیز پر کریں گے۔

یہ لوگ ہر وقت اپنا خیال رب ذوالجلال کی طرف لگا کے رکھتے ہیں۔ اپنی پوری زندگی اپنے دل کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے اور کسی دوسری چیز کا خیال نہیں آنے دیتے ۔ جو اس مقام پہ پہنچ چکے ہوں ان کی پرہیز گاری کو ورع الصدیقین کہا جاتا ہے۔

ورع و پرہیز گاری کے ماڈل

اب ہمارا مقصد اصل میں ورع و پرہیز گاری کے ماڈل کو بیان کرنا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے فرامین میں ان حیثیات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد

فرمایا ہیں:

فَضْلُ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِنْ فَضْلِ الْعِبَادَةِ وَخَيْرُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ

المستدرک للحاکم: ۱/۹۲-۹۳

علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے زیادہ ہے اور تمہارے دین کا خیر اور بہتر کام ورع ہے۔

ہر بندے کا ایک دین ہے۔ اس کی پرہیز گاری ہے اور اس کا تقویٰ ہے لیکن فرمایا بہترین دین اس بندے کا ہے کہ جس بندے کے دین کو ورع کے اوپر استوار کیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ورع و پرہیز گاری

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَخَذَ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فِيْهِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِالْفَارِسِيَّةِ كَخْ كَخْ أَمَا تَعْرِفُ إِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ.

مسلم شریف: ۱۰۶۹ بخاری شریف: ۳۰۷۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور بات اصل میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی ہے ان کی چھوٹی عمر تھی۔ تو کیا ہوا۔

أَخَذَ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فِيْهِ

صدقہ کی کھجوریں پڑی ہوئی تھیں تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک کھجور پکڑی اور اپنے منہ میں ڈال لی۔

سید عالم ﷺ نے جب دیکھا تو آپ ﷺ نے ان کو جھڑکی دی اور فرمایا:

اَمَا تَعْرِفُ اِنَّا لَا نَاکُلُ الصَّدَقَةَ۔

کیا تمہیں یہ پتہ نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ صدقہ ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔

ایک بچہ جو نابالغ ہے ابھی احکام کا مکلّف بھی نہیں ہے وہ اگر ایسا کرتا ہے تو بظاہر یہ ایسا معاملہ تھا جس کے اندر اتنی سختی نہیں ہے مگر محبوب ﷺ اپنی امت کو چونکہ عملاً اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں

کہ بعد میں یہ کسی کا نظریہ نہ بن جائے کہ وہ شہزادہ کونین تھے، محبوب ﷺ کے دل کا چین تھے اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھے وہ جو چاہتے کر لیتے اور اس طرح کوئی شریعت کو سمجھنا شروع نہ کر دے۔ فرمایا:

ہم شریعت بھی عطا کرنے والے ہیں اور شریعت کی نگرانی بھی کرنے والے ہیں اگر ہمارے گھر نگرانی نہیں ہو گی تو پھر کہاں ہو گی۔

حسن اگرچہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے مگر شریعت کے لحاظ سے ان سے وہ پابندی کرواؤں گا کہ قیامت تک میری امت میں پیدا ہونے والا ہر بچہ وہ اگرچہ کسی کا ہو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگرچہ میں کسی چوہدری یا نواب یا کسی وزیر کا بیٹا ہوں میرا وہ مقام نہیں ہے جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے منہ میں محبوب ﷺ نے ہاتھ ڈال کے کھجور باہر نکال کے پھینک دی اور فرمایا:

تمہارے لئے یہ جائز نہیں۔ یہ شریعت مطہرہ کی پرہیزگاری کا معاملہ ہے تو

بعد والوں کے لئے سبق ہوگا۔ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کے لئے اجازت نہیں تھی تو ہمارے لئے اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا رسول اکرم ﷺ سے ورع و پرہیز گاری کا پڑھا ہوا سبق

لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَاحَفِظْتَ مِن رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ حَفِظْتُ مِن رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلَى مَالَا يُرِيْبُكَ فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِيْنَةٌ وَاِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تم نے رسول اکرم ﷺ سے جو کچھ پڑھا وہ بیان کرو تو امام حسن رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

حَفِظْتُ مِن رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

میں نے نبی ﷺ سے یہ سیکھا ہے۔

اگرچہ اس کے سوا بھی بہت کچھ سیکھا ہوگا مگر انہوں نے ایک ایسی حدیث بیان کی جو سارے دین پر مشتمل ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔

مجھے نبی اکرم ﷺ نے یہ سکھایا ہے کہ

دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلَى مَالَا يُرِيْبُكَ

وہ چیز چھوڑ کر وہ کرو جس میں شک نہ ہو۔ یعنی وہ چیز اور کام چھوڑو جس میں شک ہو اور وہ کام کرو جو شک سے پاک ہو۔

شک والے کام نہ کرو۔ جس چیز کی طہارت میں شک ہے، جس کی حلت

میں شک ہے، جس کے جواز میں شک ہے اور جو جملہ بولنے میں شک ہے، جہاں دیکھنے میں شک ہے۔

وہ سارے شک والے کام چھوڑ دو اور وہ کام جس میں شک نہیں۔ اللہ کی مرضی کا پک ہے وہ کام کرو اور اس طرف متوجہ ہو جاؤ۔

پھر فرمایا:

فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِیْنَۃٌ

صدق میں اطمینان ہے۔

وَاِنَّ الْکِذْبَ رِیْبَۃٌ۔

اور کذب میں شک ہے۔

لہٰذا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بندے کی زندگی کا جو ضابطہ تھا اس کو ایک حدیث میں بیان کر دیا۔ اور فرمایا:

سارے صدق کے شعبے اس میں آجائیں گے اور سارے جھوٹوں سے بچاؤ اس میں آجائے گا کہ تم اپنی زندگی میں اس کام کو اپنا لائحہ عمل بنا لو کہ جس میں کسی قسم کا ریب نہیں ہے اور اس کام کو ہر ریب سے مبرّا اور پاک بنا دیا گیا ہے۔

کائنات کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ورع و پرہیز گاری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کا عمل اور آپ کی ورع و پرہیز گاری کی حدود تک پہنچنا ہمارے خیال کے لیے بھی ممکن نہیں۔ وہ حیثیات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرہیز گاری کی ہیں ان کو ہم اپنی عقل پر تول ہی نہیں سکتے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبصورت بات کی تھی،

فرمانے لگے:

جب بھی تم محبوب ﷺ کی عبادت کو دیکھو یا آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو دیکھو تو اس کو اور عام لوگوں کی عبادت کو ایک جیسا نہ سمجھو۔

نبی ﷺ کا ایک سجدہ اور عام لوگوں کے کروڑوں سجدے آپ ﷺ کا ایک عمل اور عام آدمی کے کروڑوں عمل کا آپس میں برابری کا سوال بھی پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔

مجدد صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یوں سمجھو کہ ایک حاکم کے پاس دو بندے ہیں ایک اس کا وزیر ہے اور دوسرا اس کا غلام ہے، اس کا نوکر ہے۔ بادشاہ کا نوکر کام کو ٹائم لمبا زیادہ دیتا ہے۔ صبح چارہ کاٹنے جاتا ہے اور شام تک کو جانوروں کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور دوسرا اس کا وزیر ہے جو اس کا بڑا چہیتا ہے۔ وہ صرف دو گھنٹے اس کے پاس بیٹھتا ہے مگر جو بات اس وزیر کی مانی جاتی ہے وہ اس نوکر کی نہیں مانی جاتی۔ جس نے بہت ٹائم دیا۔ اور بہت مشقت کی۔

کہنے لگے:

بلا تمثیل اللہ کی سلطنت میں ہمارے نبی ﷺ وزیر اعظم ہیں اور عام لوگ نوکروں کی طرح ہیں۔ لہٰذا عام لوگ اگر سارا دن اور ساری رات بھی وہ کسی ورع و پرہیز گاری کے تحت سخت کورس میں مصروف رہیں انہیں اللہ کی طرف سے وہ اجر نہیں ملتا جو محبوب ﷺ کو چند لمحوں میں میسر آ جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنِّیْ لَاَنْقَلِبُ اِلٰی اَھْلِیْ فَاَجِدُ التَّمْرَۃَ سَاقِطَۃً عَلٰی فِرَاشِیْ فَاَرْفَعُھَا لِاٰکُلَھَا ثُمَّ اَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ صَدَقَۃً فَاُلْقِیْھَا۔

بخاری شریف: ۲۴۳۲ مسلم شریف: ۱۰۷۰

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ لَاَنْقَلِبُ اِلٰی اَھْلِیْ

جب میں اپنے گھر والوں کی طرف واپس جاتا ہوں۔

فَاَجِدُ التَّمْرَۃَ سَاقِطَۃً عَلٰی فِرَاشِیْ

تو مجھے اپنے بستر پر ایک کھجور نظر آتی ہے۔

یعنی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بستر پر کھجور پڑی ہوئی ہے۔

فَاَرْفَعُھَا

میں اسکو اٹھالیتا ہوں۔

لِاٰکُلَھَا

تاکہ میں اس کو کھاؤں۔

لیکن جب میں اس کو اٹھاتا ہوں سو

ثُمَّ اَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ صَدَقَۃً

پھر مجھے یہ خیال آتا ہے ہوسکتا ہے کسی نے صدقہ دیا ہو۔

یہ کھجور صدقہ کی پڑی ہو اور میرے لئے صدقہ کھانا تو جائز نہیں۔ پھر میں کیا کرتا ہوں؟

فَاُلْقِیْھَا۔

میں اس کو واپس رکھ دیتا ہوں۔

اس کھجور کو میں نہیں کھاتا۔

یہ ہے امت کے لئے درس عمل کہ سید عالم ﷺ نے اپنی عملی زندگی میں حالانکہ آپ ماہیات کو جانتے ہیں۔ ہر چیز کی حقیقت کو جانتے ہیں کہ یہ صدقے کی ہے یا بغیر صدقہ کی ہے۔ چونکہ نبی ﷺ کی زبان نے تو یہاں تک بتا دیا تھا:

جب ایک دعوت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جب لقمہ منہ میں رکھ لیا تو اس کو اپنے حلق سے اتارنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا اس کو بلاؤ جس نے یہ دعوت پکائی ہے۔

لَحْمُ شَاۃٍ اُخِذَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ اَھْلِھَا

مشکوۃ شریف: ۵۴۰

یہ اس بکری کا گوشت ہے جس کو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کیا گیا ہے۔

لہٰذا جو گوشت کی اس حیثیت کو بیان کر دیں کہ یہ مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی بکری کا گوشت ہے۔ وہاں تک جن کی رسائی ہو تو یہ حقیقت کو جانتے ہیں مگر سبق ان کو دینا ہے جنہیں پتہ نہیں چلے گا کہ اس چیز کی حقیقت کیا ہے ہو سکتا ہے وہ صدقہ کی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ صدقہ کی نہ ہو۔ اگرچہ سرکار ﷺ کے نزدیک متعین ہے

کہ وہ کیا چیز ہے۔

مگر جن کو سبق دینا ہے ان کے لحاظ سے یہ احتمال ان کی عملی زندگی میں آئیں گے۔

فرمایا:

میرا وہ ہوگا اور میری سنت کا متوالا وہ ہوگا جو ایسے کو بھی چھوڑ دے جس میں خدشہ تھا اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ اس کو بغیر ریب اور بغیر شک کے رزق عطا فرمانے والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ورع و پرہیز گاری

ہم جس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور اولیاء کرام کا عمل دیکھتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر نظر آتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو معاملہ یہ ہے۔

مدارج السالکین کے اندر یہ لکھا ہے۔

بعض صحابہ کرام کا یہ قول ہے، کہتے ہیں:

كُنَّا نَدَعُ سَبْعِينَ بَابًا مِنَ الْحَلَالِ مُخَافَةَ أَنْ نَقَعَ فِي بَابٍ مِنَ الْحَرَامِ

مدارج السالکین: ۲۴/۲

ہم ستر حلال چیزوں کے باب چھوڑ دیتے ہیں۔

یعنی ایک چیز کے اندر اکہتر احتمال ہیں۔ ستر احتمال یہ ہیں کہ یہ حلال ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔

ایک بڑا کمزور احتمال ہے۔ ستر احتمال اس کے بتا رہے ہیں کہ وہ چیز واضح حلال ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور صرف ایک کمزور پہلو باقی ہے جو حرام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہماری سیرت یہ ہے کہ ہم اس ایک حرام

کے ڈر سے ستر باب حلال کے بھی ترک کر دیتے ہیں۔ حلال کے ستر شعبہ جات موجود ہوتے ہیں لیکن ایک شعبہ حرمت کا موجود ہوتا ہے تو اس ایک حرام شعبہ کی وجہ سے سارے کام چھوڑ دیتے ہیں کہ ہماری یہ شان نہیں ہے کہ ہم یہ کام کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً یہ ثبوت دیا کہ جس کام میں ستر احتمال حلت کے ہوں اور ایک باب حرمت کا ہو تو ہم اس سے بچتے ہیں۔ اس واسطے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کا ایک پہلو ہمارے سامنے موجود ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ورع پرہیز گاری

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو اس امت کے سب سے بڑے متقی ہیں سب سے بڑے صوفی ہیں، سب سے بڑے ولی ہیں اور آپ صرف اس امت کے ہی نہیں ساری امتوں میں جب تقویٰ و پرہیز گاری کی لسٹ بنائی جائے تو پہلا نمبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد ہر دور کے نیکوں میں جن کا پہلا نمبر ہے وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ لِاَبِيْ بَكْرٍ غُلَامٌ يُخْرِجُ لَهُ الْخَرَاجَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو آپ کے لئے حکم شرعی کے مطابق خراج پیش کرتا تھا۔

وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَاكُلُ مِنْ خَرَاجِهٖ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ خراج وصول کرتے تھے اور اس کو استعمال کرتے تھے۔

فَجَاءَ یَوْمًا بِشَیْءٍ فَاَکَلَ مِنْهُ اَبُوْبَکْرٍ

۵ ایک دن وہ کچھ لے کے آیا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے اس نے پیش کیا۔ آپ کا غلام تھا اور چیز حلال تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو تناول فرمالیا۔

جب آپ تناول فرما چکے تو غلام نے کہا:

اَتَدْرِیْ مَا هٰذَا ؟

آپ جانتے ہیں جو کچھ آپ نے کھایا ہے کہاں سے آیا تھا۔

یعنی ایسی چیز تھی جو کہ متعارف ہے مگر اس غلام کا مطلب یہ تھا کہ یہ کس پیسے سے میں نے خریدی ہے جو آپ نے کھائی ہے۔

فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَمَاهُوَ؟

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بتاؤ کہاں سے تم لائے ہو؟

قَالَ کُنْتُ تَکَهَّنْتُ لِاِنْسَانٍ فِی الْجَاهِلِیَّةِ

اس غلام نے کہا:

جب میں نے کلمہ نہیں پڑھا تھا تو میں کاہنوں والے کام کرتا تھا اس وقت میں نے ایک بندے کے لئے کہانت کی تھی اور اس کا ایک مسئلہ حل کیا تھا حالانکہ مجھے کہانت کا صحیح پتہ بھی نہیں تھا۔

وَمَا اُحْسِنُ الْكِهَانَةَ اِلَّا اَنِّیْ خَدَعْتُہٗ

میں کہانت سے اچھی طرح واقف نہیں تھا ویسے میرا انکل پچو لگ گیا۔ اور وہ کام اس بندے کا ہو گیا۔

فَلَقِيَنِیْ فَاَعْطَانِیْ بِذَالِكَ

وہ آج مجھے راستے میں ملا تو اس نے مجھے پیسے دیئے۔

فَهٰذَا الَّذِیْ اَكَلْتَ مِنْهُ

یہ وہ ہے جو آپ نے تناول فرمایا ہے۔ جو کچھ آپ نے کھایا ہے یہ سارا کچھ انہی پیسوں کا ہے۔

یہ بھی اس بندے کی بہادری تھی ورنہ آج کے مرید اپنے پیروں کو پتہ نہیں کیا کیا کھلا جاتے ہیں اور یہ بتاتے نہیں کہ میری کمائی کیسی ہے ایسے ہی علماء کو کھانا کھلا جاتے ہیں اور یہ بتاتے ہی نہیں کہ ہم نے یہ پکایا کس چیز سے ہے۔

لیکن اس غلام نے بتا دیا کہ میں ایک سب سے بڑے صوفی کا خادم ہوں تو میں اس کو بتا دوں کہ میں نے یہ کہاں سے لے کر پیش کیا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا گواہ ہیں، کہتی ہیں:

فَاَدْخَلَ اَبُوْبَكْرٍ يَدَہٗ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق میں انگوٹھا دیا

فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِي بَطْنِهٖ

بخاری شریف: ۳۸۴۲

اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب کچھ مٹی کر دیا اور کہا کہ یہ میرے بدن کا حصہ نہ بنے۔ میرے لئے یہ جائز نہیں ہے اگرچہ بظاہر وہ بندہ جو لا رہا ہے وہ رزق حلال ہے اور سامنے اس نے حلال پیش کیا ہے اتنا پیچھے سے اس کی تحقیق اور ریسرچ کرنا کہ یہ چل کے کہاں سے آیا ہے یہ بڑا معاملہ تھا۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ورع و پرہیز گاری کے ہمارے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے بڑا ماڈل ہیں۔

آپ نے اپنے حلق میں انگلی ڈال کے قے کر دی اور جو کچھ اس سے پہلے کھایا ہوا تھا وہ بھی باہر آ گیا۔

فرمایا:

یہ ہے ہمارا وہ فلسفہ اور طریقہ جو ہم کو محبوب ﷺ نے ورع و پرہیز گاری کے لحاظ سے عطا فرمایا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ورع و پرہیز گاری

یہ کر اور صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نضرۃ النعیم اور شعب الایمان میں یہ لکھا ہے:

اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ شَرِبَ لَبَنًا فَاَعْجَبَهٗ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا گیا تو آپ کو دودھ بڑا اچھا لگا،

بر الذیذ تھا۔

فَقَالَ لِلَّذِیْ سَقَاہُ مِنْ اَیْنَ لَکَ ھٰذَا اللَّبَنُ؟

جس نے دودھ پلایا تھا اس سے فرمایا کہ یہ دودھ تم کہاں سے لائے ہو۔

فَاَخْبَرَہُ اَنَّہٗ وَرَدَ عَلٰی مَاءٍ قَدْ سَمَّاہُ

اس نے بتایا کہ فلاں چشمہ پہ گیا تھا اور پھر اس نے اس چشمے کا نام بھی لیا

فَاِذَا نِعَمٌ مِنْ نِعَمِ الصَّدَقَۃِ وَھُمْ یَسْقُوْنَ

تو وہاں صدقے کے جانور تھے پانی پی رہے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ ملازم بھی ہیں جو صدقے کے جانوروں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

فَحَلَبُوْہُ لِیْ مِنْ اَلْبَانِھَا

انہوں نے میرے لئے ان جانوروں سے دودھ نکالا تو جس وقت انہوں نے اکٹھا کیا انہوں نے مجھے دیا۔

فَجَعَلْتُہٗ فِیْ سِقَائِیْ

میں نے اس کو مشکیزے میں رکھ لیا وہ میں نے خود نہیں پیا بلکہ میں نے کہا کہ امیر المومنین کو پیش کروں گا۔

وَھُوَ ھٰذَا

یہ وہ دودھ ہے جو اس چشمے پر صدقے کے جانوروں سے لیا گیا تھا۔

فَاَدْخَلَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَدَہٗ فَاسْتَقَاءَہٗ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق میں انگلی ڈالی اور قے کر دی۔

مختصر شعب الایمان: ۵۳ نمبر قاسیم: ۳۳۸۲

فرمایا:

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو پرہیز گاری سیکھی ہے اس کے لحاظ سے ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے۔

یہ جلیل القدر لوگوں کے معاملات ہیں جو اپنی ورع و پرہیز گاری کے لحاظ سے ایسے ماڈل ہیں کہ جہاں معمولی سی تشویش ہو، معمولی خدشہ بھی ہو اور دور دور تک اس طرح کا کوئی معاملہ ہو جس کی وجہ سے کردار داغدار ہوتا ہو تو مکمل طور پر اس سے اجتناب کرتے ہیں اور یہ ایک نہیں ایسی درجنوں مثالیں ان حضرات کی موجود ہیں کہ اس سے آگے جا کے کہیں نرم و نازک مقامات پر انہوں نے مکمل طور پر ورع و پرہیز گاری کا ثبوت دیا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت اور پرہیز گاری

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

اِنَّهُ كَانَ فَرَضَ لِلْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ اَرْبَعَةَ آلَافٍ فِيْ اَرْبَعَةٍ

آپ نے پہلے مہاجرین کے لئے چار موسموں کے لئے چار ہزار مقرر کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں سے پہلے مہاجرین کی تنخواہیں لگائی۔ جو مکہ شریف سے چلے تھے، مدینہ شریف آئے تھے اور اسلام کے لئے ان کی خدمات بڑی تھیں ہر جنگ میں شریک رہے اور بڑے بڑے کارنامے کئے۔ آپ نے لسٹ بنا کر مہاجرین اولین کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا کہ ہر مہاجر کو چار ہزار درہم پیش کئے جائیں۔ یہ اُن کے لیے ایک قانون بن گیا۔

اس لئے کہ ان کی خدمات بڑی ہیں اور اب اسلام پر اللہ کا فضل بھی بڑا ہے لہٰذا اب ان کی خدمت کرنی چاہئے جنہوں نے ایک ایک کھجور کھا کے گزارہ کیا ہے۔

ان اولین مہاجرین میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جو مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ شریف پہنچے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کا وظیفہ ساڑھے تین ہزار مقرر کیا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ اے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو بھی مہاجرین والا پورا وظیفہ دو وہ بھی مہاجر ہیں اور ان کی خدمات بھی ہیں تو ان کو بھی مکمل وظیفہ چار ہزار ملنا چاہئے۔

آج معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے یعنی جس کے پاس اختیارات ہوں۔ اقرباء پروری کے لحاظ سے اسکا کرپشن میں ایک واضح سا عمل ہوتا ہے لیکن امیر المومنین اپنے بیٹے کو ساڑھے تین ہزار اور باقی مہاجرین کو چار ہزار دیتے رہے ہیں۔ جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ میں نے اسباب میں غور کیا ہے اس کا وظیفہ کم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ

اِنَّمَا هَاجَرَ بِهٖ اَبَوَاهُ

اگرچہ یہ مہاجر تو ہیں لیکن ان کی ہجرت ان کے والدین کے زیر سایہ ہوئی ہے

لَيْسَ هُوَ مَنْ هَاجَرَ بِنَفْسِهٖ

بخاری شریف: ۳۹۱۲

یہ ایسے نہیں ہیں جو اپنے آپ گھر سے نکلے ہوں بلکہ یہ اپنے والدین کے

ساتھ ہجرت کر کے نکلے ہیں۔

ان کے لئے ہمارا سہارا تھا اور ہمارے ساتھ انہوں نے ہجرت کی ہے تو مطلب یہ بنا کہ ایک وہ ہے جس نے اپنے آپ ہجرت کی ہے، اپنے سہارے پہ نکلا ہے اور مستقل طور پر مہاجر بنا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ مہاجر تو ہے لیکن اپنے والدین کے زیر سایہ مہاجر ہے اور والدین کے تابع ہو کر مہاجر بنا اگر چہ وہ امیر المومنین کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو اس کو چار ہزار نہیں بلکہ اس کو ساڑھے تین ہزار دیا جائے گا حالانکہ دوسروں کے لئے اتنی سختی بھی انہوں نے نہیں کی لیکن اپنے بیٹے کے لحاظ سے کہا چونکہ والدین کی اتباع میں، والدین کے پیچھے لگ کے انہوں نے ہجرت کی ہے اس لئے انکو ساڑھے تین ہزار ہی ملے گا۔

لہٰذا پرہیز گاری اور ورع کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ روزی کا ایک لقمہ بھی حرام کا نہیں ہونا چاہئے۔ حرام تو کیا اس میں خدشہ حرمت بھی نہیں ہونا چاہئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

میں نے اپنے بیٹے سے بھی عدل کیا ہے اور قوم سے بھی عدل کیا ہے۔ اس بنیاد پر میں نے ان کا وظیفہ ساڑھے تین ہزار مقرر کیا ہے۔

یہ وظیفہ کچھ صحابہ کرام کے لئے تھا۔ اور بالخصوص کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ تو ہیں ہی بعد کے۔ ان کا وظیفہ تم نے پانچ پانچ ہزار لگایا اور اپنے بیٹے کا ساڑھے تین ہزار لگایا ہے تو اس پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ

ان کا جو مرتبہ میرے ہاں ہے اس کا ایک مستقل سبب ہے کہ میں ان کو اس لئے بھی زیادہ دیتا ہوں کہ ان سے میرے محبوب ﷺ پیار کرتے تھے۔ میرے بیٹے کا میرے محبوب ﷺ کے دربار میں وہ مرتبہ نہیں ہے جو ان کا مرتبہ ہے۔ لہٰذا ایک مستقل علت ہے کہ جس کی وجہ سے ان کا وظیفہ بیت المال سے زیادہ معین کیا ہے

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ورع و پرہیز گاری

ورع و پرہیز گاری کے مختلف انداز ہمارے سامنے ہیں یہ کھانے پینے کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سے دیگر امور ہیں کہ جن میں ورع و پرہیز گاری کا مکمل دخل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی زندگی کے ان ایام میں کہ جب وہ شیخ تھے اور پوری دنیا پر ان کے علم کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔ دور دور سے لوگ ان کی زیارت کے لئے پہنچتے تھے۔

حضرت نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ سَمِعَ صَوْتَ زَمَّارَةِ رَاعٍ

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے چرواہے کی بانسری کی آواز سنی۔

جس وقت ایسی آواز آئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کیا۔

فَوَضَعَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں۔

وَعَدَلَ رَاحِلَتَهٗ عَنِ الطَّرِيْقِ

اور جس راستے پر جا رہے تھے اس راستے کو چھوڑ کے دور نکل گئے۔

وَهُوَ يَقُولُ يَا نَافِعُ أَتَسْمَعُ؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا اے نافع! کیا تجھے آواز آ رہی ہے۔

یعنی آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر اپنی میں انگلیاں کانوں سے نکالوں گا تو وہ آواز پھر کانوں میں داخل ہو جائے گی تو میری پرہیز گاری کا کیا بنے گا۔ دور جا کر حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے پوچھا جو ابھی بچے تھے کہ کیا تمہیں کوئی آواز آ رہی ہے تو نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا ہاں آ رہی ہے۔

فَمَضَى حَتَّى قُلْتُ لَا

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پھر اسی طرح انگلیاں اپنے کانوں میں رکھیں اور چلتے گئے۔ یہاں تک کہ جب میں نے کہا کہ اب کوئی آواز نہیں آ رہی تو پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکالیں۔

صرف زبان کی لذت کے لحاظ سے ورع و پرہیز گاری نہیں بلکہ انسان کے ہر عضو کے لحاظ سے پرہیز گاری ہے۔ اب دیکھو کہ اس معاشرے میں ورع و پرہیز گاری کے کیسے پرخچے اڑائے جا رہے ہیں اس وقت تو شاذ و نادر کسی کی شادی تھی یا کوئی ایسا معاملہ تھا کہ کوئی ایسی آواز آ رہی تھی۔

اب تو گھر گھر میں دفتر دفتر میں، گاڑی گاڑی میں، محلے محلے میں اور دوکان دوکان میں پوری فضا ہزار بار گندی آوازوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہمارے کانوں

میں وہ آوازیں داخل ہو جاتی ہیں کون اپنے کانوں کو بند کرتا ہے۔ کون اپنے آپ کو بچاتا ہے اور کون اتنی پابندی کرتا ہے کہ اس سرزمین کو اور ان راستوں کو چھوڑ کے دور چلا جائے اور پھر اس وقت تک کانوں سے انگلیاں نہ نکالے جب تک کوئی بچہ یہ بتا نہ دے کہ اب وہ آواز نہیں آرہی ہے۔

یہ ہمارے لئے لقمہ حلال کے لحاظ سے، نگاہ کے جائز دیکھنے کے لحاظ سے اور کانوں کے سننے والے بول کے لحاظ سے مکمل ایک ورع و پرہیز گاری کا سبق ہے کہ یہ ہمارے اسلاف ہیں جنہوں نے اتنی احتیاط کی ہے۔ جس وقت حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رستہ کیوں چھوڑا۔ تو انہوں نے کہا:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَسَمِعَ صَوْتَ زَمَّارَةِ رَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ هٰذَا

اے نافع! جس طرح تو آج میرے ساتھ چل رہا ہے ایک دن میں نبی ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا میں نے محبوب ﷺ کو دیکھا

وَسَمِعَ صَوْتَ زَمَّارَةِ رَاعٍ

محبوب علیہ اسلام نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تھی۔ وہ جب سنی تو میرے محبوب ﷺ نے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور وہ رستہ بھی چھوڑ دیا اور وہ اس رستے سے ہٹ گئے۔ میں نے جس طرح محبوب ﷺ کو ورع و پرہیز گاری کے انداز میں دیکھا ہے میں اپنی نسل کو وہی انداز سکھا رہا ہوں۔ تا کہ تم آگے اس کو پہنچاؤ کہ ہم وہ نہیں ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے ہوتا رہے ویسے ہی اس کے ساتھ کمپرومائز کر لیا جائے۔

مومن وہ ہوتا ہے جو ہر لحاظ سے اپنی ورع پر پہرہ دیتا ہے اور اپنے اندر کسی طرح کا کوئی ایسا سقم نہیں آنے دیتا جس کی وجہ سے پرہیز گاری زخمی ہوتی ہو یا جس کی وجہ سے بندہ مومن کے کردار پر کسی طرح کا بھی بے احتیاطی کا دھبہ اور داغ لگتا ہو۔

تابعین کی ورع و پرہیز گاری

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کی پرہیز گاری کے مستقل ابواب ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ورع و پرہیز گاری

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

اِنَّ اَبَا حَنِیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ لَهٗ عَلٰی بَعْضِ الْمَجُوْسِ مَالٌ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مجوسی سے قرضہ لینا تھا

فَذَهَبَ اِلٰی دَارِهٖ

آپ اس کے گھر تشریف لے گئے

لِیُطَالِبَهٗ بِهٖ

تاکہ اس سے قرضے کا مطالبہ کریں

فَلَمَّا وَصَلَ اِلٰی بَابِ دَارِهٖ وَقَعَ عَلٰی نَعْلِهٖ نِجَاسَةٌ ۔

جب آپ اس کے گھر کے قریب پہنچے تو آپ کے جوتے پر گندگی لگ گئی

فَنَفَضَ نَعْلَهٗ

تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا جوتا جھاڑا

فَارْتَفَعَتِ النِّجَاسَةُ عَنْ نَعْلِهٖ وَوَقَعَتْ عَلٰی حَائِطِ دَارِ الْمَجُوْسِیِّ

تو آپ کے جوتے سے وہ گندگی جدا ہو کے مجوسی کے گھر کی دیوار پہ جا گری

فَتَحَيَّرَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ

تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے وہاں پر سوچنا شروع کر دیا

وَقَالَ اِنْ تَرَكْتُهَا كَانَ ذَالِكَ سَبَبًا لِقُبْحِ جِدَارِ هٰذَا الْمَجُوْسِيِّ

آپ نے کہا کہ اگر یہ نجاست اتارتا ہوں تو یہ دیوار جو کچی ہے اس کی مٹی بھی کچھ اتر آئے گی اور جب اس کی دیوار کی مٹی جو گندگی کھرچنے سے اترے گی تو یہ اس کے ملک میں مداخلت ہو جائے گی۔

دیوار اس کی ہے اور میرے لئے یہ جائز نہیں کہ میں اس کی دیوار کو نقصان پہنچاؤں۔ پھر سوچا اگر نہیں اتارتا تو یہ بھی جائز نہیں کہ میں اس کی دیوار کو گندا کروں اور اس کو ایسے چھوڑ دوں۔

وقت کا امام جن کے بارے میں آئمہ کہتے ہیں جس کو چاہے وہ سونا قرار دیں یعنی اگر وہ چاہیں کہ یہ لکڑی کا ستون سونے کا ہے تو اپنے عقلی دلائل سے سونے کا بھی ثابت کر کے دکھا دیں گے اور ورع و پرہیز گاری اس انداز کی ہے کہ وہاں متحیر ہو گئے کہ میں کیا کروں۔

فَدَقَّ الْبَابَ

دروازے پر دستک دے دی

فَخَرَجَتِ الْجَارِيَةُ

تو اندر سے مجوسی کی بچی باہر آئی۔

فَقَالَ لَهَا قُوْلِيْ لِمَوْلَاكَ إِنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ بِالْبَابِ

آپ نے اس بچی سے کہا کہ تم اپنے باپ سے کہو باہر دروازے پر ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ آیا ہے۔

فَخَرَجَ اِلَيْهِ وَظَنَّ اَنَّهٗ يُطَالِبُهٗ بِالْمَالِ

وہ مجوسی باہر نکلا اور اس نے گمان کیا کہ آپ مال کا مطالبہ کرنے آئے ہیں۔

فَاَخَذَ يَعْتَذِرُ

اس مجوسی نے عذر پیش کیا۔

فَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔

وَذَكَرَ قِصَّةَ الْجِدَارِ

آپ نے اپنی پریشانی پر مجوسی کو مطلع کیا اور سارا قصہ سنایا کہ میں آیا تھا اور میرا جوتا گندا ہو گیا تھا اس کو صاف کیا ہے تو نجاست تمہاری دیوار پر جاگری ہے۔ اب معاملہ یہ ہے کہ دو صورتیں ہیں۔ اگر چھوڑتا ہوں پھر بھی صحیح نہیں اگر کھر چتا ہوں پھر بھی صحیح نہیں۔

اب بتاؤ میں کیا کروں؟

اِنَّهٗ كَيْفَ السَّبِيْلُ اِلٰى تَطْهِيْرِهٖ

اب اس دیوار کو صاف کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ کیسے اس کو صاف کروں۔

فَقَالَ الْمَجُوْسِيُّ

وہ مجوسی کہنے لگا۔ اے وقت کے امام تجھے میری دیوار گندی اچھی نہیں لگتی تو میں کتنا پاگل ہوں کہ اپنا دل گندہ لئے پھرتا ہوں۔

فَاَنَا اَبْدَأُ بِتَطْهِيْرِ نَفْسِيْ

میں اپنے نفس کی تطہیر سے ابتداء کرتا ہوں۔

فَاَسْلَمَ فِي الْحَالِ

تفسیر کبیر: ۲۴۴/۱

اسی وقت وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

مقروض کی دیوار کا سایہ لینے سے پرہیز اور ورع

یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ورع و پرہیز گاری کا انداز ہے۔

ایک مقروض سے قرضہ مانگنے گئے ہیں۔ دھوپ شدید ہے اور اس کی دیوار کا سایہ ہے مگر سائے میں کھڑے نہیں ہوئے، دھوپ میں کھڑے ہیں۔ کسی نے کہا کہ سائے میں کھڑے ہو جاؤ۔ فرمایا سائے میں اس لئے کھڑا نہیں ہوتا۔

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا

جس قرض کے ساتھ قرض خواہ مقروض سے کوئی فائدہ لے تو وہ سود بن جاتا ہے۔

اس لئے میں نہیں چاہتا کہ قرضہ بھی لوں اور ساتھ اس کی دیوار کا سایہ بھی لوں کیونکہ مجھے خدشہ ہے سود نہ بن جائے۔ یعنی آپکی اتنی ورع و پرہیز گاری ہے۔

تجارت اور ورع کا عالم

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کئی لوگوں کو تجارت کے لئے رکھا

ہوا تھا اور با قاعدہ اپنی تجارت سے طالب علموں کو پڑھایا ہے یعنی امام محمد علیہ الرحمۃ کے سارے کے سارے اخراجات خود برداشت کئے ہیں۔

ایک دفعہ آپ نے لوگوں کو تجارت کے لئے بھیجا اور کپڑے کی تجارت تھی تو ایک کپڑا عیب والا تھا اس تاجر کو آپ نے کہا کہ جس کے پاس تم جاؤ گے تو پہلے تم نے اس کو بتانا ہے کہ اس کے اندر فلاں عیب ہے پھر بیچ سکتے ہو ورنہ نہیں بیچ سکتے۔ وہ بندہ گیا اس سے غفلت ہو گئی۔ بیچتے بیچتے وہ کپڑا بھی بیچ آیا اس نے بتایا نہیں کہ اس میں یہ عیب ہے چونکہ ملا ہوا تھا اس کو پتہ نہیں چلا۔

واپس آیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے کیا کیا ہے۔

کہا سب کپڑے بیچے ہیں اور ساتھ وہ کپڑا بھی بیچ آیا ہوں مگر مجھے بتانا یاد نہیں رہا کہ اس میں عیب ہے۔

اس پر امام صاحب رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس کے پیسے تم نے کتنے لئے تھے ؟ تو اس نے کہا مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ کتنے لئے تھے۔

فرمایا:

آج کل پیسے کتنے ہیں۔ وہ سارے پیسے آج میرے لئے جائز نہیں ہیں ان سارے پیسوں کو فقراء کے اندر تقسیم کر دیا۔

یہ انداز حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ورع و پرہیز گاری کا ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی ورع و پرہیز گاری

حضرت امام بن حنبل رضی اللہ عنہ میں بھی یہی انداز نظر آتا ہے۔

حضرت امام بن حنبل رضی اللہ عنہ کے گھر میں آٹا گوندھا گیا تو خمیر ے کی ضرورت تھی وہ کہیں سے مانگ کے لایا گیا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو شک پڑ گیا کہ جہاں سے یہ خمیرہ آیا ہے ان لوگوں کا رزق کچھ مشکوک ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو یہ کہہ دیا کہ اس آٹے کی روٹیاں تم میرے گھر نہیں پکا سکتی میں یہ روٹی نہیں کھاؤں گا اور نہ ہی اپنے گھر کسی کو کھانے دوں گا۔ تو انہوں نے پوچھا اے امام کیا ہم یہ فقراء کو دے دیں تو آپ نے فرمایا ایک شرط پر دے سکتے ہو۔

فقراء سے کہہ دو کہ یہ آٹا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے گھر سے آیا ہے مگر انہوں نے خود اس کی روٹی نہیں کھائی۔ سبب یہ تھا کہ جن سے خمیرہ لیا گیا ان کے رزق میں کچھ شک ہے۔ ہمارے آٹے میں وہ شامل ہو گیا ہے۔

اگر فقراء قبول کر لیں تو پھر ٹھیک ہے مگر بتائے بغیر تم نہیں دے سکتے۔

فقراء بھی پھر امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے زمانے کے فقراء تھے۔ یہ نہیں کہ لکڑ ہضم، پتھر ہضم۔ فقراء کو بتایا گیا کہ یہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے گھر کا آٹا ہے ہم یہ تمہیں دینا چاہتے ہیں لیکن خود انہوں نے اس کی روٹی کھانے سے انکار کیا ہے۔ تو فقراء نے کہا جس آٹے کی روٹی زمانے کا امام نہ کھائے اس امام کے غلام کیسے کھا سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی نہیں کھائیں گے۔

اسکے بعد امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے پوچھے بغیر وہ آٹا دریا میں پھینک دیا گیا۔ دجلہ کے اندر اس کو ڈالا گیا پھر امام صاحب کو پتہ چلا کہ وہ تو دریا میں پھینک

دیا گیا ہے فرمایا تم نے مجھ سے پوچھا ہی نہیں اور دریا میں پھینک دیا۔ دریا میں تو مچھلیاں ہوتی ہیں وہ استعمال کر جائیں گی۔ اگر تم نے وہ آٹا دریا میں ڈالا ہے تو آج سے میرا اعلان سن لو میری کوئی دعوت پکانے والا مجھے دجلہ کی مچھلیاں نہ کھلائے اور میرے گھر والے کبھی اس مچھلی کو استعمال نہیں کر سکتے۔ اس واسطے کہ دریا میں وہ آٹا گرا ہے کہ جس میں ایک شک والا پہلو موجود تھا۔

اس انداز سے ہمارے سامنے ان لوگوں کی ورع و پرہیز گاری ہے اور ان کا تقویٰ وطہارت ہے۔

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

باب نمبر
5

طلاق ثلاثہ کا شرعی حکم

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَامُجِيبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ
اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِىْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ
بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ، واتم برھانہ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سید سروراں، حامیٔ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین سامعین وناظرین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراطِ مستقیم کے زیرِ اہتمام فہمِ دین کورس کے چودھویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

طلاق ثلاثہ کا شرعی حکم

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن و سنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

دین کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ طلاق کا مسئلہ ہے۔

بقائے نسل اور بقائے انسانیت چونکہ نکاح سے وابستہ ہے اور نکاح کے شعبہ جات میں سے طلاق کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ لہٰذا ایک شخص جو مومن ہے، عاقل ہے، بالغ ہے، اس پر نکاح اور طلاق کے مسائل کو جاننا یوں فرض ہے جیسے اس پر نماز کی فرضیت ہے۔ پورے دین کو جاننا تو ایک فرض کفایہ ہے لیکن ایک مسلمان زندگی کے جس شعبہ میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے اس کے مسائل کو جاننا فرض عین ہے۔

مثال کے طور پر تاجر کا تجارت کے شرعی مسائل کو جاننا یہ فرض عین ہے۔ اسی

طرح جو عاقل و بالغ ہے اس کے لئے نکاح کے مسائل، طلاق کے مسائل اور ان تمام چیزوں کو جاننا نہایت ضروری ہے۔ بالخصوص طلاق ثلاثہ کا مسئلہ طلاق کے اہم مسائل میں سے ہے۔

اس واسطے آج ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو قدرے تفصیل سے بیان کریں گے اور اس کی بحث کے جو اہم حصے ہیں، وہ سامنے لائیں گے۔

طلاق کا لغوی معنیٰ

طلاق عربی زبان کا لفظ ہے اس کا معنیٰ کھولنا ہے۔

1- حل العقد: کسی رسی کو کھولنا، اس کو لغت میں طلاق کہا جاتا ہے۔

2- ناقۃ طالق: وہ اونٹنی کہ جس کی رسی اتار دی گئی ہو یعنی رسی سے باندھی ہوئی ہو اور اس کی رسی کو کھول دیا جائے۔

3- اسیر مطلق: جیل میں بند قیدی کو رہا کیا جائے تو اسے اسیر مطلق کہا جاتا ہے

لغوی طور پر طلاق کا استعمال

لغوی طور پر لفظ طلاق حسی قید کو ختم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یعنی رسی تھی یا بیڑی تھی یا کسی اور چیز نے بندے کو روکا ہوا تھا، وہ حسی تھی، یعنی نظر آ رہی تھی۔ انسان ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو جس کو کسی چیز کے ساتھ باندھا گیا ہو تو اس حسی قید کو حسی بیڑی کو اور حسی گرہ کو کھولنا طلاق کا لغوی معنیٰ ہے۔

عرفی طور پر طلاق کا استعمال

عرف کے لحاظ سے فقط طلاق ایک معنوی قید کو اٹھانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عورت کا مرد کے ساتھ جو رشتہ نکاح کی وجہ سے بنا تو وہ ایسا نہیں تھا کہ عورت کو کسی رسی کے ساتھ باندھا گیا ہو، کوئی محسوس قید یا کوئی محسوس چیز نہیں تھی۔ ایک معنوی چیز تھی کہ جس کی وجہ سے عورت ایک مرد کے ساتھ باندھی گئی تھی اور اس کے ساتھ متعلق ہو گئی تھی، اس کا عقد ہو گیا تو عرف کے لحاظ سے لفظ طلاق اس معنوی قید کو اٹھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اس واسطے آج اس طلاق کی گفتگو کو سنتے ہوئے اس لغوی وضاحت اور عرفی وضاحت کے ساتھ ہمیں طلاق کا اصطلاحی معنی بھی دیکھنا چاہئے۔

اصطلاحی تعریف

حَلُّ قَیْدِ النِّکَاحِ بِلَفْظِ الطَّلَاقِ وَنَحْوِہٖ درمختار: ۲/۵۷۰

طلاق یا اس طرح کے کسی لفظ کو بول کے نکاح کے بندھن کو ختم کر دینا، اس کو طلاق کہا جاتا ہے۔ نکاح کی قید کو لفظ طلاق سے یا اس طرح کے لفظ سے اٹھا دینا اس کو طلاق کہتے ہیں۔

رَفْعُ قَیْدِ النِّکَاحِ فِی الْحَالِ اَوِ الْمَآلِ بِلَفْظٍ مَخْصُوْصٍ درمختار ۲/۵۷۰

نکاح کی قید کو اٹھانا اسی وقت یا مستقبل میں لفظ مخصوص کے ساتھ اس کو طلاق

کہا جاتا ہے۔

اس میں حال کا اور مآل کا جو استعمال ہوا ہے اس سے اصل میں طلاق کی جو دو اقسام ہیں، ان کو بیان کرنا مقصود ہے۔

نمبر ا۔ طلاق رجعی: Revocable Divorce

طلاق رجعی میں بھی ایک قید کو اٹھایا جاتا ہے مگر وہ فی الحال نہیں اٹھتی۔ اس میں ابھی وقت گزرے گا تو پھر وہ طلاق حکم کا فائدہ دے گی، چونکہ اس میں بندے کو عدت کے اندر رجوع کا اختیار ہے، وہ جب چاہے صرف اتنا کہہ دے کہ یہ میری بیوی ہے تو طلاق کا اثر ختم ہو جائے گا لیکن طلاق اس کے کوٹے میں شمار ہوگی کہ اس مرد نے ایک طلاق دے دی ہے اور باقی صرف دو کا حق رہ گیا ہے لیکن کسی نئے نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس طلاق رجعی کی وجہ سے رجوع کافی ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ طلاق رجعی کی وجہ سے طلاق کا بندھن اٹھتا تو ہے مگر فی الحال نہیں اٹھتا مستقبل میں جا کے اٹھتا ہے۔ جب عدت ختم ہو جائے گی تو عدت ختم ہونے کے بعد پھر نکاح والا حکم ختم ہو جائے گا وہ عورت پہلے خاوند سے آزاد ہوگی، آگے جہاں چاہے گی شادی کر سکے گی۔

دوسری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں۔

1۔ طلاق بائنہ۔

2۔ طلاق مغلظہ Irrevocable Divorce

طلاق رجعی کے علاوہ جو طلاق بائنہ ہے یا مغلظہ تو اس کی وجہ سے فوراً نکاح کا

حکم اٹھ جاتا ہے، اسی وقت وہ عورت بندے کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے۔ اگرچہ آگے نکاح کرنے کے لئے اس کو عدت تو گزارنا پڑے گی مگر فی الحال نکاح سابق کی قید اٹھ جائیگی۔ اس تعریف کا یہ مطلب ہوا کہ نکاح کی قید کو اٹھانا لفظ مخصوص کے ساتھ، خواہ فی الحال نکاح کی قید اٹھا دی جائے یا مستقبل کے اندر وقت معین گزرنے پر نکاح کی قید اٹھا دی جائے۔

الفاظ طلاق

اس کے لئے الفاظ مخصوص ہیں یا تو صراحۃً لفظ طلاق کہہ دے یا اس طرح کہہ دے کہ تو مجھ سے بائن ہے، یا حرام ہے۔ اس طرح کے الفاظ بولے۔

طلاق دینے کا جواز

اسلام میں طلاق دینے کا جواز تو ہے مگر یہ کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے۔ اصل میں ایک مرد اور ایک خاتون کا آپس میں رشتہ قائم ہوا تو اسلام یہ چاہتا ہے کہ یہ آپس میں گزارہ کریں۔ اگرچہ آپس میں کچھ طبیعتوں کا فرق بھی ہے لیکن پھر بھی کوشش یہ کی جائے کہ ناچاقی نہ ہو اور ان کا گزارہ ہوتا رہے بہر حال طلاق کا جواز قرآن و سنت میں موجود ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۹ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ

طلاقیں دو ہیں پھر اس کو اچھے طریقے سے روک لو یا پھر احسان کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دو۔

اس سے پتا چلا کہ طلاق دینا شرعی طور پر جائز ہے۔ ایسے ہی رسول اکرم ﷺ سے بوقت حاجت طلاق کا صدور ہوا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے طلاق دی اور پھر آپ نے رجوع کیا، جس طرح ابن ماجہ میں یہ حدیث شریف موجود ہے:

طَلَّقَ حَفْصَةَ ثُمَّ رَاجَعَهَا ابن ماجہ: ح: ۲۰۱۶

رسول اکرم ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی پھر ان کی طرف رجوع کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ طلاق دینا جائز ہے۔ اچھا یہ ہے کہ طلاق کی نوبت نہ آئے، ممکن حد تک کوشش کرنی چاہئے کہ طلاق کی نوبت نہ آئے۔ اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ ابن ماجہ شریف۔ ح: ۲۰۱۸

اللہ کے نزدیک حلال کاموں میں سے جو ناپسندیدہ کام ہے، وہ طلاق دینا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ جواز تو ہے لیکن یہ پسندیدہ کام نہیں ہے۔

حدیث نمبر 2

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ فِیْ غَيْرِ مَابَاسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔

سنن ابن ماجہ: ص ۱۴۸۔ رقم الحدیث۔ ۲۰۵۵ مسند امام احمد: ۵/۲۷۷

جس خاتون نے بغیر سبب کے خاوند سے طلاق مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کی خوشبو کو بھی حرام کر دیا۔

یعنی نہ تو مرد طلاق دینے میں جلدی کرے اور نہ ہی عورت مرد کو کہے کہ تو مجھے طلاق دے دے، اس کو اتنا ناپسند کیا گیا کہ جس نے بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے خاوند سے کہا کہ تو مجھے فارغ کر اور تو مجھے طلاق دے دے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی خوشبو کو حرام فرما دے گا۔

لہٰذا یہ شریعت مطہرہ کا تقاضا ہے کہ مرد بھی اس میں جلدی نہ کرے اور عورت بھی خواہ مخواہ مطالبہ نہ کرے۔ اصل جو رشتہ منعقد ہو گیا، اس کو نبھانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بعد اگر ان دونوں کا گزارہ نہیں ہوتا تو یہ ایک معقول سبب ہے یعنی ان کی طبیعتوں میں شرق وغرب کا بعد ہے اور بالکل اس گاڑی کے چلنے کا کوئی امکان ہی نظر نہیں آتا تو پھر شریعت میں اجازت موجود ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے مرد کو اختیار دیا ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سورة البقرة: ۲۳۷

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے، عورت کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اسباب کے پائے جانے کے بعد وہ جب چاہے گرہ کھول دے، طلاق واقع ہو جائے گی۔ اصل اساسی حق مرد کا ہے، نہ عورت خود طلاق دے سکتی ہے اور نہ ہی جج اور حاکم اپنی طرف سے عام نارمل صورت میں مرد کی طرف سے وکیل بن کے طلاق دے سکتے ہیں۔

طلاق دینے میں مرد کے اختیار کی حکمت:

آج کے دور میں اذہان روشن خیالی کا ایک وبال رکھتے ہیں تو کئی لوگ اس پر بھی جھگڑا شروع کر دیتے ہیں کہ اگر مرد کو حق ہے تو عورت کو حق کیوں نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے اور اس کی حدود ہیں، یہ قیاسی نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا جیسا حکم ہے ویسے ماننا پڑے گا لیکن حکمت سمجھ میں آتی ہے۔

1۔ عورت اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے فیصلوں میں جلد باز ہوتی ہے، جلد متاثر بھی ہو سکتی ہے اور جلد متنفر بھی ہو سکتی ہے۔ اگر عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار ہوتا تو چھوٹے چھوٹے معاملات پر طلاق دے بیٹھتی اور اس کے بعد پھر ساری عمر پچھتاتی رہتی اور شرمسار رہتی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار نہیں دیا بلکہ اس کے مقابلے میں اختیار مرد کو دیا کیونکہ مرد مجموعی طور پر اتنا جلد باز نہیں ہے، بالکل معمولی سی بات پر وہ کوئی ہمیشہ کی دوریاں بنانے والا نہیں ہے تو اس کو طلاق کا اختیار دیا گیا۔

2۔ طلاق کے واقع ہونے کے بعد کچھ مالی اخراجات ہوتے ہیں، وہ اخراجات مرد کو برداشت کرنے پڑیں گے تو جس نے اخراجات برداشت کرنے ہیں پھر وہی دروازہ بھی کھولے۔ اخراجات کیا ہیں۔ مثلاً نکاح میں مہر موجل تھا ابھی ادا نہیں کیا گیا تھا مثلاً وہ دو سال کے بعد کرنا تھا۔ اب یہ قانون ہے کہ اگر طلاق ہو جائے تو فوراً مہر ادا کرنا پڑتا ہے، اب مرد پر یہ لازم ہے کہ وہ ابھی مہر پورا کرے۔ جب وہ طلاق دینا چاہتا ہے تو اس کو سوچ کے طلاق دینی ہے کہ مجھے اتنے پیسے بھی دینے

پڑتے ہیں اور میرے پاس بندوبست بھی نہیں ہے۔

ایسے ہی عدت کا نفقہ بھی تو مرد کے ذمے ہے اس کی ساری صورتحال اس کے سامنے ہوتی ہے تو اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو آگے جا کے کچھ اخراجات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ ہی اپنی رضا سے چاہے تو گرہ کھولے چاہے تو گرہ نہ کھولے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار مرد کو دیا لیکن اگر کوئی بندہ اختیار ختم کرنا چاہے تو پھر اس کو اجازت ہے، اختیار اپنا ختم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً نکاح کے وقت لڑکی والوں نے یہ لکھوا لیا تھا کہ ہماری لڑکی جب چاہے گی اپنے آپ کو طلاق دے سکے گی اور مرد نے اس کو تسلیم کر لیا تھا تو مرد نے خود ہی اپنا حق ختم کر دیا۔

اس کے بعد جس عورت نے طلاق کا حق مرد سے لے لیا ہے، مرد کا حق اس نے وصول کر لیا ہے تو وہ جب چاہے گی، طلاق دے سکے گی۔ لیکن اصولی طور پر اگر کوئی شرط ایسی طے نہیں ہوئی تو قرآن مجید کا جو فیصلہ ہے، وہ یہ ہے کہ

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ

مرد کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، وہ کھولے گا تو کھلے گی، ورنہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

طلاق دینے کا طریقہ

شریعت میں طلاق دینے کا ایک طریقہ ہے۔ یہ نہیں کہ جس طرح بندہ چاہے، بے لگام بولتا جائے اور طلاق دے۔ طلاق دینے کا سنت میں اور شریعت میں ایک طریقہ ہے، اس کے مطابق طلاق دینی چاہیے۔

1- جب بندہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہاں طلاق کی حاجت بھی پائی جائے، بلا وجہ طلاق نہ ہو، چونکہ طلاق کوئی پسندیدہ کام نہیں، واقعی کوئی حاجت متحقق ہو جائے تو پھر طلاق دی جائے۔

2- مرد طلاق اس وقت دے جب عورت کے ماہواری کے دن نہ ہوں، یعنی عورت حالت حیض میں نہ ہو، اس وقت اس عورت کو طلاق دے کیونکہ حالت حیض میں تو وہ طبعاً نفرت کر سکتا ہے، اس وقت طلاق کا حکم دیا گیا جب عورت اس کے لئے رغبت والی ہو، لیکن پھر بھی اگر وہ طلاق دینا چاہتا ہے تو اب حالت طہر میں دے تاکہ پتہ چلے کہ وہ واقعی اس سے جدا ہونا چاہتا ہے۔

طلاق دینے کا جو میں طریقہ بیان کر رہا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اچھا طریقہ ہے، اگر کسی نے بغیر حاجت شرعی کے پائے جانے کے طلاق دے دی، طلاق تو ہو جائے گی لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ حاجت ہو تو طلاق دے۔ ایسے ہی اگر کسی شخص نے حیض میں طلاق دے دی تو اس میں طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن شریعت یہ چاہتی ہے کہ طلاق اس وقت ہو جب طلاق دینا مشکل ہو، حیض کے وقت طلاق دینا آسان ہے اور طہر کے ایام میں طلاق دینا مشکل ہے، لہٰذا اس وقت یہ طلاق دے جب کچھ رکاوٹ ہو۔

3- شریعت یہ چاہتی ہے کہ تینوں طلاقیں اکٹھی نہ دی جائیں، ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے تاکہ اس کے پاس ابھی گنجائش باقی ہو۔ ایک طہر میں دے گا تو عورت کا ہوش ٹھکانے آجائے گا اور ایسے ہی مرد کا بھی ہوش ٹھکانے آجائے گا۔

ایک طلاق ہو چکی ہے تو اب اس کو پتہ چلے گا کہ میرے بچوں کا کھانا کس نے پکانا ہے اور میری زندگی کیسے گزرنی ہے اور ابھی پیچھے گنجائش بھی باقی ہو گی۔ ابھی مرد دو طلاقوں کا اختیار رکھتا ہے تو شریعت نے قانون رکھا کہ وہ ایک طہر میں ایک طلاق دے تا کہ کم سے کم طلاقیں واقع ہوں اور طلاقیں واقع ہونے میں رکاوٹیں ہوں۔

شریعت یہ چاہتی ہے کہ ہر بندہ یوں اٹھ کے طلاق نہ دینا شروع کر دے، ہر طہر میں ایک طلاق دے گا تو پھر ٹائم گزرے گا اور اس میں ایسا لمحہ ضرور آئے گا، جس میں اس کو ہوش آئے گا، اگر وہ لوٹنا چاہے گا تو واپس آسکے گا۔ اس کیلئے گنجائش موجود ہو گی، تو یہ شریعت نے طریقہ رکھا کہ وہ صرف ایک طلاق دے لیکن جس طرح پہلے دو باتوں میں اگر دیتا ہے تو ہو جاتی ہے۔ ضرورت کے بغیر طلاق دے پھر بھی واقع ہو جاتی ہے، حیض میں طلاق دے پھر بھی واقع ہو جاتی ہے، اور ایسے ہی تینوں طلاقیں بیک بار دے تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

شریعت چاہتی ہے کہ ایک ایک طلاق دے تا کہ حکمت کا تقاضا پورا ہو لیکن اگر وہ اللہ کی طرف سے دیا ہوا گولڈن چانس نہیں لینا چاہتا اور اس پر وہ ضدی ہے، ہٹ دھرم بنا ہوا ہے تو پھر اس کو سزا بھی ملے گی۔

اب جس وقت وہ تینوں طلاقیں دے گا، اس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً وہ یہ کہتا ہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں، یا یہ کہتا ہے کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، یہ تینوں جملے ایک ہی مجلس میں بول دیتا ہے یا ایک ہی طہر میں بول دیتا ہے یا پھر وہ طلاق علیحدہ علیحدہ دیتا ہے تو جس طرح بھی وہ طلاق دے گا تینوں کی

تینوں واقع ہو جائیں گی۔

خواہ جملہ ایک ہو یا جملے جدا جدا ہوں۔ طہر ایک ہو یا طہر جدا جدا ہوں مجلس ایک ہو یا مجلسیں جدا جدا ہوں تو جس وقت وہ تینوں طلاقیں دے گا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کے بعد وہ عورت خاوند پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی اور اس عورت کا مرد کے ساتھ کوئی ازواجی تعلق باقی نہیں رہے گا، یہ فائنل طلاق ہے کہ جس میں رجوع کا نکاح کے لحاظ سے کوئی چانس نہیں ہے۔

بائنہ میں نکاح ہو سکتا ہے اور طلاق رجعی میں عدت گزر جائے تو وہ بائنہ بن جاتی ہے، اس میں نکاح سے معاملہ صحیح ہو سکتا ہے۔ جو ابتداءً بائنہ ہے اس سے بھی نکاح کے ساتھ کام چل سکتا ہے مگر یہ جو تین طلاقیں ہیں، یہ فائنل طلاقیں ہیں، یہ وہ مقام ہے جہاں میاں بیوی کا آپس میں تعلق ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے اور وہ عورت خاوند پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید نے واپسی کی ایک ہی صورت رکھی ہے وہ یہ ہے

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

سورۃ البقرۃ: ۲۳۰

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک وہ اس کے سوا کسی اور زوج سے شادی نہ کرے۔

یعنی وہ عورت یہاں سے فارغ ہو گئی، کہیں اور شادی ہو گئی اور وہاں سے پھر اگر اس کو طلاق ہو گئی، اگر وہ پہلے خاوند کے پاس آنا چاہے تو وہ آسکے گی۔ اس کے

سو قرآن مجید نے واپس لوٹنے کا کوئی راستہ نہیں رکھا اور ہمیشہ کے لئے وہ عورت مرد کے لئے حرام ہو گئی۔

ان تین شرائط میں حکمت یہ ہے کہ طلاق کے اندر کچھ رکاوٹ ہو تا کہ بندہ آخری حد کو نہ چھوئے کہ جہاں سے پھر لوٹنا مشکل ہو جائے۔

طلاق ثلاثہ اور امت مسلمہ

طلاق کے اسباب اور علل کو بیان کرنا ہمارا موضوع نہیں ہے، ہم اصل میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں امت مسلمہ کا جو موقف رہا ہے، رسول اکرم ﷺ کے فرامین سے اس کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

طلاق ثلاثہ کی صورت حال کہ ایک ہی جملے میں تینوں دی جائیں اور ایک مجلس میں تینوں دی جائیں، یہ واقع ہو جاتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی حیات ظاہری کے زمانہ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا یہی موقف رہا ہے، وہ صحابہ کرام ہوں یا تابعین یا ائمہ اربعہ، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ ان چاروں کی فقہ کے اندر یہ تینوں طلاقیں اسی انداز میں واقع ہو جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں اور ائمہ ہیں، سارے کے سارے اس بات پر متفق ہیں کہ جس وقت ایک شخص اپنی زبان سے تینوں طلاقیں دے دیتا ہے، اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہتی، وہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں، اس کے بعد وہ عورت ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے۔

اس میں یہ بات بڑی قابل غور ہے کہ ایک ہے طلاق کا شریعت کے مطابق

ہونا اور ایک ہے واقع ہو جانا۔ اب جس آدمی نے تینوں بیک بار دی ہیں تو اس نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے مگر جو کچھ اس نے کیا ہے، وہ ہو جائے گا۔ اس کی مثال سمجھئے۔

سنت طریقہ پانی پینے کا یہ ہے کہ تین بار سانس لیا جائے، اب اگر ایک شخص سانس نہیں لیتا اور پانی کا گلاس پی جاتا ہے تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ جس نے سنت کے مطابق پانی نہیں پیا اس نے پانی نہیں پیا۔ اگر اس نے تین سانس درمیان میں نہیں لئے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نے گلاس پانی نہیں پیا۔ پانی تو اس نے پیا ہے مگر سنت طریقے سے نہیں پیا بلکہ خلاف سنت طریقے سے پیا ہے۔

ایسے ہی تینوں طلاقیں جس نے بیک بار دی ہیں، اس کی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی لیکن کام اس کا خلاف شرع ہوگا، اس کا دہرا جرم ہے کہ اس نے ایک تو جو طلاق کا ناپسندیدہ کام تھا وہ کیا ہے اور پھر ناپسندیدہ کام ناپسندیدہ طریقے سے کیا ہے اس کو چاہئے تھا کہ اگر اس نے ایسا کرنا ہی تھا تو جو شریعت میں طریقہ ہے وہ طریقہ سامنے رکھتا۔ مگر یہاں تو الٹی گنگا بہتی ہے۔

ایک تو وہ شخص جرم کر رہا ہے کہ اس نے شرعی طریقہ کو چھوڑا ہے اور دوسرا یہ کہ اس کو چھٹی دے دو، اس نے گویا یہ کام کیا ہی نہیں، نہیں نہیں۔ جس نے کیا ہے، ماننا پڑے گا کہ کام واقع ہو گیا ہے اور طلاقیں منعقد ہو چکی ہیں لیکن اس نے شریعت کے مطابق نہیں دیں ہیں۔ چاہئے تھا کہ ہر طہر میں ایک طلاق دیتا لیکن جو اس نے کیا ہے، وہ ہو گیا ہے۔ لہذا تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

میں اس وقت جمہور کا مذہب، ائمہ اربعہ کا مذہب بیان کر رہا ہوں اور سنت

طریقہ بیان کر رہا ہوں۔ میں یہ بھی بیان کر رہا ہوں کہ طلاق ناپسندیدہ عمل ہے اور طلاق پر پابندیاں ہیں کہ بندہ کسی طرح طلاق دینے سے بچے، طلاق دے کے جب دروازہ بند ہو گیا تو کسی مفتی کی مجال نہیں کہ وہ کھولے، وہ دروازہ خدا نے بند کیا اور بندہ پھر اس کو کھول نہیں سکے گا۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق ثلاثہ کا حکم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نسائی شریف باب الثلاثۃ المجموعۃ ومافیہ من التغلیظ کی حدیث نمبر ۳۴۳۰ میں موجود ہے۔

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِیْدٍ قَالَ أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ رَجُلٍ ثَلَاثَ تَطْلِیْقَاتٍ جَمِیْعًا فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ أَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَأَنَا بَیْنَ أَظْهُرِکُمْ حَتّٰی قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَا أَقْتُلُہٗ

نسائی شریف، باب الثلاث المجموعۃ ومافیہ من التغلیظ، رقم الحدیث: ۳۴۳۰

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دے دیں:

فَقَامَ غَضْبَانَ

تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غصے سے کھڑے ہو گئے، آپ کو بڑا غصہ آ گیا۔

ثُمَّ قَالَ

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَأَنَا بَیْنَ أَظْهُرِکُمْ۔

کیا میرے ہوتے ہوئے قرآن مجید سے مذاق کیا جارہا ہے۔

جس نے تینوں طلاقیں اکٹھی دی ہیں اس نے اللہ کے قرآن سے مذاق کیا ہے، اتنا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ تھا کہ آپ بیٹھ نہ سکے بلکہ کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ مجلس میں بیٹھے ہوئے صحابہ کرام کو بھی یہ محسوس ہوا کہ آپ سخت غصے میں ہیں۔

حَتّٰی قَامَ رَجُلٌ

یہاں تک کہ ایک بندہ کھڑا ہو گیا

فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلَا اَقْتُلُہٗ

اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کو قتل کر آؤں۔

جس نے تینوں طلاقیں اکٹھی دی ہیں، یہ کام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا ناپسند ہوا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر تینوں طلاقیں اکٹھی دینے سے واقع نہ ہوتیں تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو غصے کی کیا ضرورت تھی، آج جو لوگ کہتے ہیں ہزار دیں تو پھر بھی کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا غصہ ہے کہ میں تمہارے اندر بیٹھا ہوں اور میرے قرآن سے مذاق ہو رہا ہے۔ کوئی تین طلاقیں دے رہا ہے، کوئی کچھ کر رہا ہے ۔ جبکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں، ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز دو باتیں ہمارے لئے واضح کر رہا ہے۔

1- ایک یہ ہے کہ جو بندہ تین طلاقیں دیتا ہے، تینوں ہو جاتی ہیں ورنہ

نبی پاک ﷺ کو غصہ نہ آتا۔

2- دوسرا یہ ہے کہ جو طبقہ آج طلاق کو سمجھتا ہی کچھ نہیں، صبح بھی دیتے ہیں، شام کو بھی دیتے ہیں اور پھر بسائے رکھتے ہیں اور کہتے ہیں ہزار بھی دے دیں تو کچھ نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ کی حد ہے، اللہ کی حد سے جو مذاق کرے، اللہ اس کو کبھی بھی پسند نہیں کرتا۔ اس واسطے میرے محبوب ﷺ فرمانے لگے:

تعجب ہے کہ میں تمہارے اندر بیٹھا ہوں، میرے ہوتے ہوئے میرے قرآن سے مذاق ہو رہا ہے، لہٰذا جو طلاق دے سوچ کے دے، اس انداز سے طلاق نہ دو جس سے مجھے بھی غصہ آئے اور میرے خالق کو بھی غصہ آئے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تین طلاقیں دینے کا عمل ایسا نہیں ہے کہ وہ تین دے بھی دے اور کچھ بھی نہ ہو بلکہ یہاں ڈبل ہوگا، تینوں واقع ہو جائیں گی اور دوسرا شریعت کی ناراضگی ہوگی۔

قرآن مجید سے دلائل

آیت نمبر 1-

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔ (سورۃ الطلاق: 1)

جو بندہ اللہ کی حدود سے تجاوز کر گیا اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

تمہیں پتہ نہیں شاید اللہ اس کے بعد کوئی چیز پیدا فرما دے۔

اس کی شرح امام نووی نے شرح مسلم میں جس انداز سے کی ہے، وہ بڑا ہی خوبصورت انداز ہے، امام نووی شرح صحیح مسلم کے صفحہ ۴۷۸ میں اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

قَالُوْا مَعْنَاہُ اَنَّ الْمُطَلِّقَ قَدْ یَحْدُثُ لَہٗ نَدَمٌ۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کبھی طلاق دینے والے کو شرمندگی ہوتی ہے۔

فَلَا یُمْکِنُہٗ تَدَارُکُہٗ لِوُقُوْعِ الْبَیْنُوْنَۃِ۔

پھر اس شرمندگی کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا، علیحدگی کے واقع ہونے کی وجہ سے اب اس وقت شرمندگی کا کوئی فائدہ نہیں یعنی تحلیل شرعی کے بغیر تدارک نہیں ہو سکے گا۔

فَلَوْ کَانَتِ الثَّلَاثُ لَمْ تَقَعْ لَمْ یَقَعْ طَلَاقُہٗ ھٰذَا اِلَّا رَجْعِیًّا فَلَا یَنْدَمُ۔

اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو یہ طلاق صرف رجعی واقع ہوتی پس اسے ندامت نہ ہوتی۔

اگر تینوں طلاقیں ایک واقع ہوتیں تو پھر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ تم حدود سے تجاوز کر گئے ہو۔

یہ تب ہوا جب وہ ایسے موڑ پر پہنچ گیا ہے کہ ندامت تو ہے لیکن ندامت کو دور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، وہ تینوں طلاقیں جب دے چکا تو پھر اس کو شرمندگی ہوئی کہ کاش میری بیوی واپس آجائے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ۔

جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا۔

کیسے؟ اس نے تینوں اکٹھی طلاقیں دے دیں۔

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔

اس نے اپنے آپ پر خود ظلم کیا ہے۔

یہ کوئی نہ کہے کہ شریعت نے کسی کا گھر برباد کر دیا۔ مفتی نے یہ کر دیا، شریعت نے یہ کر دیا، مفتی کی کیا مجال کہ وہ ایسا کرے، یہ فیصلہ تو رب ذوالجلال کا ہے۔

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔

اے طلاق دینے والے! تجھے پتہ نہیں اگر تو ہمارے کہنے کے مطابق ایک ایک دیتا تو اس ایک کے بعد بھی ہوش ٹھکانے آتا، اللہ امر پیدا کر دیتا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کی واپسی کا تیرے دل میں خیال ڈالتا کہ یہ کہاں جائے گی، میں کہاں جاؤں گا تو میں ایسا طریقہ اختیار کروں کہ وہ واپس آ جائے تو طلاق دیتے وقت ظلم نہ اپنے آپ پہ کرو نہ کسی اور پہ کرو، طلاق اس انداز میں دو، اگر ندامت ہو تو پھر اس کا تدارک بھی ہو سکے۔

اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو پھر ندامت کی صورت نہ بنتی کہ جس کا تدارک ہو ہی نہ سکے۔ چونکہ ایسی صورت قرآن بیان کر رہا ہے تو پتہ چلا تین طلاقیں ضرور واقع ہو جاتی ہیں، امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوئی ہوتیں تو طلاق رجعی واقع ہوتی، طلاق رجعی

میں اسکے لئے واپسی کا امکان موجود ہوتا، اس کو ظالم بھی نہ کہا جاتا، لاتدری کے الفاظ بھی نہ بولے جاتے، تو اللہ تعالیٰ کا قرآن بول رہا ہے کہ اس طریقے سے طلاق دوتا کہ حدود سے تجاوز بھی نہ ہو، اپنے اوپر ظلم بھی نہ ہو اور تمہارے لئے ندامت کو رفع کرنے کا موقع بھی موجود ہو۔

اس کی شرح معالم التنزیل اور تفسیر خازن میں کی گئی ہے۔

لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔ (سورۃ الطلاق:۱)

کہ اللہ ایک امر پیدا کردے گا۔

وہ کیا امر ہے؟ کہتے ہیں:

یُوْقِعُ فِیْ قَلْبِ الزَّوْجِ مُرَاجَعَتَهَا بَعْدَ الطَّلْقَةِ اَوِ الطَّلْقَتَیْنِ۔

معالم التنزیل: ۲۰۱/۵ تفسیر خازن: ۴ /۲۷۸

اللہ تعالیٰ خاوند کے دل میں یہ بات ڈالے گا، کہ ایک طلاق کے بعد یا دو طلاقوں کے بعد تم اپنی بیوی سے رجوع کرلو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم سارے دروازے خود ہی بند کر رہے ہو اور تینوں اکٹھی دے رہے ہو، اپنے اوپر ظلم کررہے ہو۔ یوں کرو کہ تمہاری ندامت کو مٹانے کا چانس باقی ہو۔ آج تمہیں سو فیصد جس بیوی سے نفرت ہے اور طلاق دے رہے ہو، کل اس سے سو فیصد رغبت بھی پیدا ہو جائے تو اللہ ایک طلاق کے بعد یا دو طلاقوں کے بعد تمہاری طبیعت میں یہ بات پیدا کردے گا کہ رجوع ہونا چاہئے اور پھر گنجائش بھی ہوگی تو رجوع ہو جائے گا۔ اگر تم نے ایسی صورتحال اختیار کرلی کہ تینوں طلاقیں دے

چکے ہو، کچھ بھی باقی نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گنجائش نہیں ہے، جس
کو رب گنجائش نہ دیتا ہو، اسے کون اپنی طرف سے گنجائش دے سکتا ہے۔

دوسری آیت

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ (سورۃ الطلاق: ۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو اللہ سے ڈرے۔

يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔

اللہ تعالیٰ اس کے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے۔

جو ڈرے وہ مارا نہیں جاتا، اس کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور جو نہیں ڈرتا اس
کے رستے بند ہو جاتے ہیں۔ اس کی تشریح مفسر بارگاہ رسول ﷺ جناب عبداللہ ابن
عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے۔ یہ حدیث شریف ابوداؤد شریف کے باب اسخ
المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث کی حدیث نمبر ۲۱۹۷ ہے۔

عن مجاهدٍ

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ

آپ فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

فَجَاءَهٗ رَجُلٌ

ایک بندہ آ گیا۔

جس طرح طلاق کے بعد پریشان ہو کہ بندہ آ جاتا ہے اور وہ کہتا ہے، کچھ

میرے لئے کرو۔ ایسی صورتحال تھی، وہ آ گیا

فَقَالَ اِنَّہٗ طَلَّقَ اِمْرَاَتَہٗ ثَلَاثًا۔

اس آدمی نے آ کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔
اب میں آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ میرے لئے کوئی حل تلاش کریں،
حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَسَکَتَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خاموش ہو گئے۔

حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ رَادُّھَا اِلَیْہِ

یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس عورت کو اس مرد کی طرف واپس لوٹا دیں گے۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بولے اور اس کی جھاڑ کی جو طلاق دے کے آیا تھا۔

ثُمَّ قَالَ یَنْطَلِقُ اَحَدُکُمْ فَیَرْکَبُ الْحُمُوْقَۃَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بولے کہ تم میں سے ایک شخص چلتا ہے اور حماقت پہ سوار ہو جاتا ہے۔

فَیَرْکَبُ الْحُمُوْقَۃَ۔

حماقت کی سواری بنالیتا ہے اور اس پر سوار ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ یَقُوْلُ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ۔

اور پھر وہ کہتا ہے اے ابن عباس رضی اللہ عنہما میرا کچھ کرو، میرا کچھ کرو۔

پہلے جب حماقت کرتا ہے اس وقت اس کو سوچ نہیں آتی ، اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما یاد نہیں ہوتا ، اس وقت طریقہ نہیں پوچھتا ، میں طلاق دینا چاہتا ہوں تو میں طلاق کیسے دوں؟ تم میں سے ایک شخص چلتا ہے۔

فَيَرْكَبُ الْحُمُوْقَةَ۔

حماقت پر سوار ہو جاتا ہے۔

پھر وہ مجھے پکارنا شروع ہو جاتا ہے، اے ابن عباس رضی اللہ عنہ میرا مسئلہ حل کرو، فرمانے لگے: حل میں کہاں سے نکالوں۔

وَاِنَّ اللّٰهَ قَالَ۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔

جو بندہ تین طلاقیں دینے سے ڈرے گا، اس کا حل نکالیں گے۔

اب جو پیچھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ طلاق کا پس منظر بیان کر رہے ہیں تو انہوں نے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ کا معنیٰ کیا بیان کیا، فرماتے ہیں:

جو تین یک بار دینے سے ڈرتا ہے اور تین طلاقیں اکٹھی نہیں دیتا پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ اسکے لئے دروازہ کھولے گا چونکہ اللہ نے کھول رکھا ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔

فرمایا:

میرے رب کا یہ فرمان ہے کہ جو ڈرے گا، اللہ اس کے لئے رستہ کھول دے گا۔

پھر فرمانے لگے:

وَاِنَّکَ لَمْ تَتَّقِ اللّٰہَ

تین طلاقیں دے کر ابن عباس رضی اللہ عنہ کہنے والے تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔

اب دیکھو کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور آج کے بے لگام مفتی جو کہتے ہیں ، ہزار دے آؤ پھر بھی ہمارے پاس آؤ، ہم راستہ نکالیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بڑی فقاہت کسی کے پاس ہے، وہ علم و حکمت کا بحر ناپیدا کنار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، وہ ترجمان اسلام اور ترجمان قرآن، جن کو گھٹی کی شکل میں نبی ﷺ نے علم کے خزانے عطا فرما دیئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، جو اللہ سے ڈرے گا اس کے لئے رستہ نکالیں گے۔

وَاِنَّکَ لَمْ تَتَّقِ اللّٰہَ

تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرا، تو تینوں دے کے آیا ہے۔

اگر تو ڈرتا ہوتا تو ایک دیتا یا دو دیتا۔ تو تینوں طلاقیں دے کے آ گیا ہے، جب تو نے تینوں دے دی ہیں، تو

فَلَا اَجِدُ لَکَ مَخْرَجًا

میرے پاس تیرے لئے کوئی رستہ نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں ایک مفتی تو شریعت کے حکم کو ظاہر کرے گا، اپنے پاس سے جو لگائے گا وہ تو بھگوڑا بن جائے گا وہ اللہ کے دین کا بہت بڑا باغی ہوگا کہ جہاں اللہ نے راہ نکالی ہی نہیں ہے، یہ اپنی طرف سے نکالتا ہے۔ کون ہو سکتا ہے جو قرآن مجید کے اندر اپنی طرف سے بگاڑ پیدا کرے اور رستے نکالے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

فَلَا اَجِدُ لَکَ مَخْرَجًا

میرے پاس تیرا کوئی حل نہیں ہے۔

کیونکہ تو نے دو کام کیے ہیں۔

عَصَیْتَ رَبَّکَ وَبَانَتْ مِنْکَ اِمْرَاَتُکَ۔

تو نے دو جرم کیے اپنے رب کی نافرمانی اور تیری عورت تجھ سے بائنہ ہوگئی ہے۔

دونوں کام تجھ سے ہو گئے، رب کا بھی نافرمان بن گیا اور تیری بیوی ہمیشہ کے لئے تجھ پر حرام ہوگئی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، یہ نبوت کے زیر سایہ پروان چڑھنے والے ہیں، جن کے گھر قرآن اتر تا رہا ہے اور یہ واضح طور پر سند صحیح سے میں بیان کر رہا ہوں، انہوں نے واضح کیا کہ یہ آیت اس پس منظر میں ہے کہ جو تین دینے سے ڈرے گا، اللہ اس کا رستہ نکالے گا اور جو تین دے بیٹھے گا، اس کے لئے دروازہ کھلنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اکلیل کے صفحہ ۳۹۸ پر اس آیت کے تحت لکھا:

قال ابن الفرس قال اکثر المفسرین معنی الآیۃ: من لا یتعدّی من طلاق السنّۃ الی طلاق الثلاث یجعل لہ مخرجا ان ندم فی الرجعۃ بھا یستدل علی تحریم جمع الثلاث وانما اذا جمعت وقعت۔

ابن فرس کہتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو نہیں تجاوز کرتا سنت طلاق سے تین طلاقوں کی طرف اگر وہ رجوع میں شرمندہ ہو تو اللہ اس کے لیے نکلنے کی جگہ بنائے گا۔ اس آیت سے تین طلاقوں کے جمع کرنے کی حرمت پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور اس پر بھی یہ دلیل ہے کہ جب تینوں طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو واقع ہو جائیں گی۔

آیت نمبر 3-

اللہ تعالیٰ کا سورۃ بقرہ میں فرمان ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔

سورۃ البقرۃ: ۲۲۹

دو طلاقیں ہیں اس کے بعد یا تو اس کو اچھے طریقے سے چھوڑ دو یا اس کو رکھ لو۔

اب دو طلاقوں کے بعد یہ معاملہ ہے یا تو ان کو روک لو یا ان کو چھوڑ دو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

سورۃ البقرۃ: ۲۳۰

پھر اگر اس نے طلاق دی تو وہ عورت اس کے لئے کبھی بھی حلال نہیں ہوگی،
یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے شادی کر لے۔

حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ

یہاں تک کہ وہ عورت پہلے زوج کے سوا کسی اور زوج سے نکاح کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ

اس کی دو صورتیں ہیں۔

1- دونوں طلاقیں یکبار ہوں۔

2- دونوں طلاقیں ایک ایک کر کے دی جائیں۔

جب یکبار دو کا ہونا پایا جا سکتا ہے، تو تین کا ہونا بھی پایا جا سکتا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ

یہ قرآن مجید نے بیان کر دیا ہے، اس کے بعد فرمایا:

فَاِنْ طَلَّقَهَا

اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

1- یا تو اسی طہر میں تیسری دے دے

2- یا اگلے طہر میں تیسری دے دے

جس طہر میں دو دی تھیں اسی طہر میں تیسری بھی دیتا ہے تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اگر تیسری جا کے اگلے طہر میں طلاق دیتا ہے تو پھر بھی تینوں واقع ہو جائیں گی۔

لہٰذا یہ آیت بھی لازم کر رہی ہے کہ تینوں طلاقیں ایک ہی طہر میں جو دی گئی ہیں، وہ ضائع نہیں جائیں گی، ان میں سے کوئی لغو نہیں جائے گی بلکہ تینوں کی تینوں واقع ہو جائیں گی۔ جب وہ تینوں واقع ہو جائیں گی تو اس کے بعد یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورت پھر اسی گھر میں بحیثیت زوجہ رہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

وہ عورت اس خاوند کے لئے جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ کسی اور سے شادی کرے، اگر وہاں سے فارغ ہو گئی تو پھر آ سکتی ہے، ورنہ اس کے پاس آنا جائز نہیں ہے۔

طلاق ثلاثہ کے بعد تحلیل کا انداز خود قرآن مجید کا بیان کردہ ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ وہ پہلے کے پاس ہی آئے، جدھر جانا چاہتی ہے، چلی جائے، پہلے سے آزاد ہو چکی ہے۔ اگر اتفاقاً ایسا ہو گیا کہ اس سے بھی طلاق ہو گئی ہے، اب اگر وہ واپس پہلے زوج کے پاس آنا چاہتی ہے تو قرآن کے کہنے کے مطابق آ سکے گی۔

یہ تین آیات میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں، جن سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اگر کوئی بندہ تینوں طلاقیں یکبار دے، ایک جملے میں دے، ایک طہر میں دے یا علیحدہ علیحدہ طہروں کے اندر دے، وہ تینوں کی تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل

احادیث نبوی میں باقاعدہ ایسی باتوں کا ذخیرہ ہے اور آثار بھی ہیں اور سارے علماء کرام، آئمہ کرام کے اقوال ہیں، یہ ایسا مسئلہ بھی نہیں جو لوگوں کی آنکھوں

ہیں ڈھول ڈالنے کے لئے کہہ دیں کہ تم حنفی ہو، شافعی اس طرح کرتے ہیں یا تم شافعی ہو، مالکی اس طرح کرتے ہیں یا تم مالکی ہو، حنبلی اس طرح کرتے ہیں۔ تینوں طلاقوں کے واقع ہونے پر سب متفق ہیں اور پوری امت کا اس پر اتفاق ہے۔

اس انداز میں اسکو بیان کیا گیا کہ سب کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور سب کے فتاوی اور دلائل اسی کو بیان کرتے ہیں جو ان کا انکار کرتے ہیں، ان کے گھروں کے فتوے ایسے ہیں جن میں انہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ سات صدیوں تک امت میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ جو یہ کہتا ہو کہ تین طلاقیں دی جائیں تو ایک ہی واقع ہوتی ہے، سات صدیوں تک پوری امت اس پر قائم رہی تھی کہ جو شخص تین دیتا ہے، تو وہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

حدیث نمبر 1-

عَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِنِّيْ طَلَّقْتُ إِمْرَأَتِيْ الْبَتَّةَ فَقَالَ مَا أَرَدْتَّ بِهَا؟ قُلْتُ وَاحِدَةً قَالَ وَاللّٰهِ؟ قُلْتُ وَاللّٰهِ قَالَ فَهُوَ مَا أَرَدْتَّ

جامع ترمذی: باب ماجاء فی الرجل یطلق امرته البتة:
رقم الحدیث ۔۱۱۷۷

حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ

میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔

فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ

اِنِّیْ طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِیْ اَلْبَتَّةَ

میں نے اپنی بیوی کو البتۃ طلاق دے دی ہے۔

اس میں یہ نہیں ہے کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ اس میں البتة کا لفظ ہے (نووی شرح مسلم جلد ا صفحہ نمبر 478) اور اس سے ایک بھی ہو سکتی ہے اور تین بھی ہو سکتی ہیں۔

لہٰذا یہ لفظ دونوں پر بولا جاتا ہے، تو البتۃ کا لفظ بولنے والے سے پوچھا جائیگا کہ تمہاری نیت کیا تھی۔ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، مجھ سے سرکار ﷺ نے پوچھا:

مَا اَرَدْتَّ بِهَا

جب تو نے کہا کہ میری بیوی کو البتۃ طلاق ہے تو اس وقت تمہارا ارادہ کیا تھا۔

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قُلْتُ وَاحِدَةً

میں نے کہا ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔

تو محبوب ﷺ نے قسم لی۔

قَالَ وَاللّٰهِ؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم، کیا ایک کا ارادہ تھا۔

قُلْتُ وَاللّٰهِ

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا، خدا کی قسم! میں نے اس سے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَهُوَ مَا أَرَدْتَ

پھر جو تمہارا ارادہ تھا، وہی واقع ہوگئی۔

اس میں تو لفظ بولا ہی نہیں لفظ بولا جائے تو پھر نیت کا اعتبار ہی نہیں ہوتا پھر تو بات پوری ہو جاتی ہے۔

البتہ میں احتمال تھا کہ ایک ہو یا تین ہوں، بولنے والے سے پوچھا گیا کہ تیری اس وقت نیت کیا تھی، وہ بیان کردو، اگر ایک کی ہے تو ایک، تین کی ہے تو تین۔ رکانہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، میں نے ایک کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: رکانہ رضی اللہ عنہ جس کا تم نے ارادہ کیا تھا، وہی واقع ہوگئی۔

ہماری دلیل اس میں یہ ہے کہ جب سید عالم ﷺ نے حلف لیا کیا ایک کا ارادہ تھا یا تین کا قسم اٹھاؤ۔ اگر تینوں کے ارادے سے تینوں واقع نہ ہوتیں تو سرکار ﷺ کبھی ایک پر حلف نہ لیتے اور فرماتے کوئی بات نہیں، ایک ہے تو پھر بھی ایک ہے اگر تین ہیں تو پھر بھی ایک ہے، ایسا ہرگز نہیں فرمایا:

لہٰذا اس حلف سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اگر ان کا ارادہ تین کا ہوتا تو فتویٰ بھی تین کا ہوتا اور آپ کا یہ حلف لینا ظاہر کر رہا ہے کہ آپ نے اپنے زریں دور میں یہ واضح کیا کہ اگر کوئی تین دے گا تو تینوں کی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

اس حدیث کو اور طریقے سے مخالفین بھی پیش کرتے ہیں، اس کو تین کی بجائے ایک قرار دیتے ہیں، اور تین کا لفظ اس میں بولتے ہیں۔

اس کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا اور فرمایا: اصل میں وہ راوی روایت بالمعنی کر رہا ہے، اور اس کا خیال یہ تھا کہ البتہ تین کو کہا جاتا ہے حالانکہ البتہ ایک اور تین دونوں پر بولا جاتا ہے، اس نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے ثلاثہ کا لفظ بول دیا ہے۔ اور وہ روایت ضعیف ہے (نووی شرح مسلم (جلد اصفحہ 478)، صحیح حدیث وہ ہے جو رکانہ رضی اللہ عنہ عبد بن یزید کی جامع ترمذی میں بیان کی گئی ہے (جامع ترمذی باب ماجاءَ فِی الرجل یُطَلِّقُ اِمْرَاَتَہٗ اَلْبَتَّۃَ حدیث نمبر۱۱۷۷)

جس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب سے یہ پتہ چلا کہ تین طلاقیں اگر اکٹھی دی جائیں تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

حدیث نمبر 2-

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّہٗ طَلَّقَ اِمْرَاَتَہٗ وَھِیَ حَائِضٌ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔

ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یُّتْبِعَھَا بِطَلْقَتَیْنِ اُخْرَیَیْنِ

پھر ایک طلاق کے بعد دوسری دو طلاقیں دینے کا ارادہ کیا۔

فَبَلَغَ ذَالِكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔

فَقَالَ یَا ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن عمر رضی اللہ عنہ! تم اس طرح حیض کے اندر طلاقیں دے رہے ہو، ایک دی ہے اور پھر دو طلاقیں اور دے رہے ہو۔

مَا ھٰکَذَا اَمَرَکَ اللّٰہُ

اللہ نے تجھے ایسا حکم نہیں دیا

اِنَّکَ قَدْ اَخْطَاتَ السُّنَّۃَ

تو نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے۔

پہلے جو ایک حیض میں طلاق دی ہے وہ بھی تم نے خلاف ورزی کی ہے

وَالسُّنَّۃُ اَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّھْرَ

سنت یہ ہے کہ طہر کا انتظار کرتے اس طہر میں جا کے پھر تم طلاق دیتے اور جو دی ہے وہ پوری ہو گئی ہے۔

اب یہاں پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ پوچھ لیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ:

اَرَاَیْتَ لَوْ طَلَّقْتُھَا ثَلَاثًا

ابھی تو میں نے ایک دی ہے، اگر میں تینوں دے دیتا تو پھر کیا ہوتا۔

میں نے حالت حیض میں ایک طلاق دی ہے تو آپ ﷺ نے ڈرایا ہے کہ تم نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے اور ابھی دو میں دینا چاہتا تھا، میں رک گیا، اگر میں تینوں دے بیٹھتا تو پھر

اَکَانَ یَحِلُّ لِیْ اَنْ اُرَاجِعَھَا

کیا میرے لئے یہ جائز تھا کہ میں اُس کی طرف رجوع کر لیتا۔

اگر میں تینوں دے بیٹھتا تو پھر کیا ہوتا، ابھی تو میں نے ایک دی ہے لیکن مسئلہ میں تین کا بھی پوچھنا چاہتا ہوں، ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس وقت میں نے یہ کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا

اگر تم تینوں دے دیتے تو پھر رجوع کبھی جائز نہ ہوتا۔

ایک دی ہے تو دروازہ ابھی کھلا ہے، تینوں دیتے تو پھر

کَانَتْ تَبِیْنُ مِنْكَ وَتَکُوْنُ مَعْصِیَةً دار قطنی: ۳۱/۴

وہ تجھ سے جدا ہو جاتی، دائمی طور پر وہ تجھ سے علیحدہ ہو جاتی اور یہ گناہ ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ ایک پوچھا ہے کہ اگر تینوں واقع ہوں تو پھر اس کا کیا حکم ہے؟ تو رسول اکرم ﷺ نے واضح ارشاد فرمایا کہ اگر تم تین دے دیتے تو تین دینے کے بعد کبھی تیرے لئے رجوع جائز نہیں تھا۔

حدیث نمبر 3-

اس حدیث کو حدیث امرأۃ رفاعہ بھی کہا جاتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ رَجُلاً طَلَّقَ اِمْرَاَتَہٗ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا حَتّٰی یَذُوْقَ عُسَیْلَتَھَا کَمَا ذَاقَ الْاَوَّلُ

بخاری شریف، باب من اجاز الطلاق الثلاث: ۷۹۱/۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین

طلاقیں دے دیں۔

فَتَزَوَّجَتْ

جب ... اس سے فارغ ہوئی تو اس نے کہیں اور جا کے شادی کر لی۔

فَطَلَّقَ

اسکے خاوند نے بھی اس کو طلاق دے دی۔

اب پہلے اس کو تین طلاقیں ہوئیں، پھر اس نے آگے شادی کی، پھر اس کو طلاق ہو گئی۔ اب جس وقت اس کو طلاق واقع ہوئی تو اس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا اب یہ جائز ہے کہ یہ پہلے خاوند کے پاس چلی جائے، جبکہ اس عورت نے کہا تھا کہ آگے نکاح تو ہوا ہے لیکن ہم بستری پوری نہیں ہوئی، تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا

تم اس وقت تک پہلے خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی

حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا

جب تک اس کا جو بعد والا خاوند ہے شہد نہ چکھ لے۔

كَمَا ذَاقَ الْاَوَّلُ ؕ

جس طرح کہ پہلے زوج نے چکھا تھا۔

اس وقت تک یہ عورت پہلے کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ صرف نکاح کافی نہیں، نکاح کے بعد ہم بستری مکمل ضروری ہے اور اس کی ابھی تک

نہیں ہوئی۔ لہٰذا اگرچہ نکاح آگے ہو گیا لیکن اس کو پہلے خاوند کے پاس جانے کی اجازت نہیں ہے، جب تک دوسرے خاوند کے پاس یہ عمل مکمل نہیں ہو جاتا۔

اب ہماری دلیل اس میں یہ ہے کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ کے موقف کے مطابق وہ یک بار ہوئی تھیں جیسا کہ ترجمۃ الباب سے ثابت ہے اور یک بار ہونے کے بعد اس کا آگے نکاح ہو گیا تھا وہاں سے اب واپس پہلے کے پاس آنا چاہتی تھی اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا، اگر پہلی تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں، صرف ایک ہوتی تو پھر آگے نکاح کی ضرورت تھی نہ نکاح کے ساتھ ہم بستری کی ضرورت تھی۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا، نہیں نہیں۔ صرف نکاح کافی نہیں بلکہ وطی بھی کرے، تو پھر یہ پہلے پر حلال ہوگی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کو واضح کیا گیا کہ جو پہلے نے تینوں یکبار دی ہیں، وہ تینوں واقع ہو چکی ہیں۔

بخاری شریف میں یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے۔

یہ عمل وہ ہے جس کو شرعی طور پر تحلیل کہتے ہیں اردو میں اس کے لئے حلالہ کا لفظ بولتے ہیں، اگر اس تحلیل کا کوئی مذاق اڑاتا ہے تو وہ قرآن کا مذاق اڑاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مذاق اڑاتا ہے، ہم اس کو قرآن وسنت سے بیان کرتے ہیں، اگر کوئی آدمی اس کا پیشہ بناتا ہے، تو وہ دھتکارا ہوا آدمی ہے۔

اگر کسی نے تین طلاقیں دے دیں تو وہ ہو جائیں گی۔ وہ عورت دوسرے کے ساتھ شادی کرے۔ پھر اس نے بھی اس کو طلاق دے دی، اب وہ واپس آنا چاہے تو آسکتی ہے، اس کے لئے اب یہ حلال ہے، اللہ تعالیٰ نے اب اس کو حلال

قرار دے دیا ہے۔

رہا معاملہ یہ کہ اس کو حلالہ کہا جائے یا نہ کہا جائے؟ تو ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کو ضرور حلالہ ہی کہا جائے، جن کو حلالہ کہنا پسند نہیں، وہ اس کو حرامہ کہہ لیں لیکن بہر حال یہ ایک عمل ہے، جس کو شریعت نے بیان کیا اور واضح کیا۔ اگر یہ تینوں اکٹھی دینے کا معاملہ نہ بھی ہو، ایک ایک ہر طہر میں دے کر کسی کو فارغ کیا جائے تو وہ بتائیں، اس کے علاوہ اس کا کونسا حل ہوگا۔ سوائے اس تحلیل شرعی کے اور کوئی عمل نہیں ہے۔

لہٰذا پتہ چلا کہ یہ محض ایک شرعی حکم کو بدنام کرنے کے لئے اس تحلیل شرعی کے خلاف ایسا پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ ورنہ یہ تو قرآن کا حکم ہے، یہ حدیث کا فیصلہ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا خلاصہ ہے، جس میں فرمایا کہ دوسرے خاوند سے صرف نکاح ہی کافی نہیں ہے بلکہ جماع اور ہم بستری بھی ضروری ہے، تب جا کر یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی۔

حدیث نمبر 4-

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔

حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے، انہوں نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی کہ ان کا کردار اچھا نہیں ہے۔ اگر یہ خاوند بیوی کے بارے کہہ دے تو لعان کا حکم ہے، قسمیں اٹھائی جاتی ہیں۔ اب جس وقت مسجد نبوی شریف میں لعان ہوگیا، دونوں نے ایک دوسرے پر لعنت کر دی۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اب اگر میں اس کو اپنے پاس ہی رکھوں پھر تو گویا میں نے جھوٹ بولا، یعنی اس کی

صداقت کو میں نے تسلیم کر لیا، تو میں اس کو پاس نہیں رکھوں گا۔

فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا

انہوں نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔

حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے، لعان کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ جس وقت انہوں تین طلاقیں دیں تو پھر کیا ہوا۔

فَاَنْفَذَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (ابوداؤد شریف: ۱/۳۰۶)

رسول اکرم ﷺ نے تینوں طلاقیں نافذ فرمادیں۔

اب اگرچہ ضرورت نہیں رہی تھی۔ لعان خود جدائی کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے جب تین طلاقوں کا قول کیا ہے

طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا

کے لفظ بولے ہیں۔

فَاَنْفَذَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

ہمارے نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لغو بولتے ہو، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تین واقع ہو جائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے تینوں طلاقوں کے جاری ہونے کا حکم فرمادیا۔

حدیث نمبر 5-

حضرت عامر شعبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، حضرت فاطمہ بنت قیس جن کی طلاق کا مسئلہ صحابہ کرام میں زیادہ مشہور تھا، میں نے ان سے پوچھا تم بتاؤ، تمہاری

طلاق کا معاملہ کیا تھا؟

حَدِّثِيْنِيْ عَنْ طَلَاقِكِ

اپنی طلاق کے بارے میں مجھے بتاؤ، کہ تمہاری طلاق کیسے ہوئی۔

وہ کہنے لگی۔

طَلَّقَنِيْ زَوْجِيْ ثَلَاثًا

میرے زوج نے مجھے تین طلاقیں دے دیں۔

وَهُوَ خَارِجٌ اِلَى الْيَمَنِ

اور وہ یمن کے سفر پر جا رہا تھا۔

اس وقت جھگڑا ہو گیا تو میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دے دیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کا زمانہ تھا۔ پوچھا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فاطمہ بنت قیس کو خاوند نے تین طلاقیں دے دی ہیں، اب کیا کرنا چاہیے۔

فَاَجَازَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن ماجہ: ح: ۲۰۲۴)

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تینوں واقع ہو گئی ہیں۔

اب میں نے اختصار کے پیش نظر پانچ احادیث اس موقف پر پیش کی ہیں، اس کے بارے میں آثار بے شمار ہیں۔ بالخصوص بارہ آثار بڑے powerfull ہیں کہ جن کے اندر اس مسئلے کو اسی نوعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یہ مسئلہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح آگے چلا ہے، اس کو جیسے امت نے سمجھا ہے، وہ صحابہ ہوں یا تابعین ہوں، تبع تابعین ہوں یا ائمہ مجتہدین ہوں۔ سارے فقہاء

نے اس کو اسی پس منظر میں سمجھا ہے کہ اگر کوئی تین طلاقیں دے گا تو تینوں کی تینوں واقع ہو جائیں گی۔

اس سلسلہ میں ہمارے مخالف کیمپ کے امام شوکانی نے اپنی کتاب نیل الاوطار جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۲۳۱ پر یہ لکھا:

ذَهَبَ جُمْهُورُ التَّابِعِينَ وَ كَثِيرٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَاَئِمَّةُ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَ طَائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَيْتِ۔

جمہور تابعین، کثیر صحابہ کرام اور مذاہب اربعہ کے ائمہ اور اہل بیت میں سے ایک گروہ اسطرف گئے ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

یہاں تک کہ برصغیر پاک و ہند میں جو ان لوگوں کی بنیاد ہے، وہ فتاویٰ ثنائیہ ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۲۱۷ اور جلد نمبر ۲ میں انہوں نے اس کو بیان کیا۔ اس کو کان کھول کر ان لوگوں کو سننا چاہئے اور سننا اس لئے چاہیے تاکہ اصلاح ہو جائے۔ ہمارا کسی سے کوئی پلاٹوں کا جھگڑا نہیں۔ ہمارا تو شریعت مطہرہ پر حفاظت اور پہرے کا معاملہ ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس بات پر نبی پاک ﷺ کو غصہ آیا۔ ہمارے ہوتے ہوئے ہمارے قرآن کی یوں مخالفت کی جائے۔ ہمارے اندر جان ہے اور روح موجود ہے اور اپنے معاشرے میں بگاڑ پیدا کیا جارہا ہے، اگر ہم نہیں سمجھائیں گے تو ہمیں زندہ ہونے پر بھی افسوس رہے گا۔ اس واسطے صرف اور صرف دین متین کی حفاظت اور اس پر پہرہ دینے کے لئے تمہارے سامنے اس موضوع کی ایک سمری کو پیش کر رہا ہوں۔

فتاوی ثنائیہ میں یہ بات موجود ہے کہ:

اصل بات یہ ہے کہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے لے کر سات سو سال تک کے سلف صالحین صحابہ، تابعین ومحدثین سے تو تین طلاقوں کا ایک مجلس میں واحد شمار ہونا ثابت نہیں ہے۔ فتاوی ثنائیہ: ۲/۲۱۷

ہم کہتے ہیں، تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک طلاق ہوتی ہے اور ان کا امام کہتا ہے کہ سات صدیوں تک کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ تین ایک بنتی ہیں بلکہ تین تین ہی رہتی ہیں اس میں اس نے واضح طور پر کہا:

اصل بات یہ ہے کہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے لے کر سات سو سال تک کے سلف صالحین ومحدثین سے تو تین طلاقوں کا واحد شمار ہونا ثابت نہیں ہے۔ تو پتہ چلا کہ یہ بعد میں گھڑا گیا ہے۔ خود ان کا مفتی جب بتاتا ہے کہ سات صدیوں تک تین کو ایک نہیں بنایا گیا بلکہ تین ہی سمجھا گیا ہے تو جب تین کو ایک بنایا گیا ہے یہ بعد کا معاملہ ہے۔ ویسے بھی سوچنا چاہئے کہ باقی ہر معاملے میں تین تین ہوں اور طلاق جو سب سے سخت ہے، وہ ایک بن جائے۔

مثال کے طور پر جو کسی سے کہے کہ میں نے تیرا ہزار دینا ہے اور ہزار دینا ہے اور ہزار دینا ہے، وہ تو تین ہزار بن جائے اور جہاں کہے تجھے طلاق دی، تجھے طلاق دی، تجھے طلاق دی، وہ ایک بن جائے، یہ کیسا معاملہ ہے، وہ ہزار چھوٹا معاملہ ہے اور طلاق بہت بڑا مسئلہ ہے، یہ تو حدود اللہ کا معاملہ ہے۔ اس واسطے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر غصہ آیا

بالخصوص یہ پہلو کہ آج ہم جس موقف پہ ڈٹے ہوئے ہیں یہ ایمانی تقاضا ہے اور دوسری طرف سے مذہبی رشوت کے طور پر تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے اور وہ بندہ اپنے ایمان کی خیر منائے کہ جو صرف طلاق کے معاملے میں ان کے دروازے پہ نکلتا ہے۔ ایسے بندے کے بارے میں ائمہ کا قول ہے کہ وہ زندیق بن کے مرجائے گا، اس کو ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ صرف چھوٹ لینے کے لئے ان کا دروازہ جا کے دیکھا اور فتویٰ لے آیا کہ میرے پاس ایک فتویٰ ہے، اس کو شرم نہیں آتی کہ اللہ نے جو دروازہ بند کیا ہو وہ کروڑ مفتی بھی نہیں کھول سکتے۔

اس واسطے رسول اکرم ﷺ کی یہ شریعت ہے۔ اس کا ادب ہے، اس کا احترام ہے اور یہ حدود اللہ ہیں۔ ان کے ساتھ جو تھوڑا سا بھی بے ادبی کا پہلو اختیار کرتا ہے، آج بھی سرکار ﷺ کو گنبد خضریٰ میں اس پر غصہ آتا ہے۔

اس واسطے اس کو کوئی معمولی سا معاملہ نہ سمجھا جائے، جب میرے نبی ﷺ اس وقت غصے میں آگئے تھے تو آج بھی غصہ ہوگا۔ ایک شخص کو تھوڑا سا مسئلہ بنا تو اس نے اپنا قبلہ ہی بدل لیا، اور یہ کہا کہ وہ بھی مولوی ہیں، ان کے پاس بھی فتوے ہیں، یہ ہے وہ ہے، نہیں نہیں۔ مومن کچی لسی والا عقیدہ نہیں رکھتا، مومن تو دودھ والا عقیدہ رکھتا ہے۔

لہٰذا تم پر بھی یہ ضروری ہے اپنے رشتہ داروں کے لحاظ سے پہلے جو عاقل بالغ مرد ہیں ان کو سمجھاؤ کہ طلاق کوئی مذاق نہیں ہے۔ یہ کوئی بازی گری نہیں ہے۔ یہ کوئی تمہارے لئے refreshment کا پہلو نہیں ہے کہ خوش ہوئے تو کہہ دیا کہ تجھے طلاق ہے اور غصہ آیا تو کہا تجھے طلاق ہے، نہیں نہیں، یہ اللہ کی حد ہے۔ لہٰذا اللہ کی حد

کو حد سمجھنا چاہیے، جو اس حد کو نہیں سمجھتا، رب ذوالجلال کا عذاب اس پہ نازل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ یہ حالات میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پہ قربان جاؤں۔

تیری نظر خارزار شب میں گلاب تحریر کر چکی تھی
اجاڑ نیندوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی تھی
میرے ذہن کے فلک پر جو سوال چمکے تو میں نے دیکھا
تیرے زمانے کی خاک ان کے جواب تحریر کر چکی تھی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَابَالُ اَقْوَامٍ یَلْعَبُوْنَ بِحُدُوْدِ اللّٰہِ سنن کبریٰ للبیہقی: ۷/ ۳۲۲

ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اللہ کی حدود کے ساتھ کھیلتے ہیں۔

ان قوموں کی مجال کیا: وہ کتنے پانی میں ہیں، وہ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں جو اللہ کی حدود کے ساتھ بازی کرتے ہیں، اللہ کی حدود کے ساتھ کھیل کرتے ہیں اور مذاق کرتے ہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مطلقاً تھا۔ اس سے آپ سب کو ٹوک سکتے ہیں جو شریعت کے ساتھ مذاق کرنے والے ہیں، ٹوکنا کیا ان کو سمجھا سکتے ہیں خواہ وہ نام نہاد روشن خیال ہوں یا ان کا کوئی طبقہ ہو۔

میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ ان لوگوں کے پاس authority ہے جو اللہ کی حدود کے ساتھ لعب کرتے ہیں، کھیلتے ہیں، ان کو بدلنے ان کو ختم کرنے کی باتیں کریں یا ان پر توہین آمیز جملے کسیں یا ان کے بارے میں کوئی تنقید

کریں۔ فرمایا: وہ ہوتے کون ہیں اللہ کی حدود کے ساتھ ایسا کرنے والے۔

اس کے بعد بطور خاص یہ لفظ بولا، ایک آدمی کہتا ہے:

قَدْ طَلَّقْتُكِ

میں نے تجھے طلاق دی۔

پھر کہتا ہے:

قَدْ رَاجَعْتُكِ

میں نے تجھ سے رجوع کیا۔

پھر کہتا ہے:

قَدْ طَلَّقْتُكِ

میں نے تجھے طلاق دی۔

آپ نے فرمایا یہ اللہ کی حدود کے ساتھ مذاق ہے۔

یہ انداز قوم کو کس نے سمجھایا ہے، تم اس کے گواہ ہو، یہ ان لوگوں نے سمجھایا ہے جو کہتے ہیں طلاق ہزار بھی دو تو ہوتا کچھ بھی نہیں۔ اب یہی ہے ناں کہ بندے یہی سمجھیں گے کہ طلاق Normal سی بات ہے، ایک صبح دیتے ہیں پھر شام کو رجوع کر لیں گے پھر عشاء کو دیں گے، صبح رجوع کر لیں گے۔ یہ طریقہ قوم کو جن لوگوں نے سکھایا ہے اور اس کو مذہبی رشوت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آخر انہیں سوچنا چاہئے کہ نبی ﷺ نے کتنے سخت جملے بولے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اللہ کی حدود کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، ایک بار کہا طلاق دے دی، پھر کہا رجوع

کرلیا پھر طلاق دے دی۔

یہ وہ طریقہ ہے جو لوگوں نے رائج کیا کہ طلاق دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تمہیں ان حنفیوں نے ڈرا رکھا ہے اور فقہ والوں نے تمہیں ڈرا رکھا ہے، ہوتا کچھ بھی نہیں۔ ہزار دے کر ہمارے پاس آؤ، ہم فتوی دیں گے۔

میرے محبوب ﷺ نے فرمایا یہ کوئی مذاق ہے، ایک بار کہا

طَلَّقْتُكِ

پھر کہا

رَاجَعْتُكِ

نہیں نہیں۔ یہ اللہ کی حدود ہیں۔ ان کا احترام یوں کرو جیسے اللہ کی حد کا احترام کیا جاتا ہے۔ اصل میں معاملہ یہ خراب ہو رہا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں بیوی میری ہے۔ نکاح میرا ہے۔ اس میں اور کسی کا کیا میں جو بھی بولوں وہ میری مرضی ہے۔ تو اللہ فرماتا ہے:

بیوی اگرچہ تیری ہے لیکن حلال میں نے کی ہے۔ اگر میں حلال نہ کرتا تو کبھی حلال نہ ہوتی۔ مخلوق تم میری ہو، معاشرہ میرا ہے، معاشرے میں تم گند نہ پھیلاؤ اور گندی باتیں نہ کرو، فحاشی نہ پھیلاؤ۔

یہ فحاشی کا باقاعدہ شعبہ ہے۔ اگر ایسا سلسلہ چلتا رہا تو کام مزید بگڑ جائے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا طلاق کا معاملہ بڑی احتیاط کے ساتھ اور طلاق کا استعمال بڑی ضرورت کے بعد ہونا چاہیے۔

یہ ہمارا موقف ہے۔ ہم قوم کو اس پر متوجہ کر رہے ہیں اور مطمئن کر رہے ہیں اور اس پہ پابند کر رہے ہیں کہ یہ شفاعت نگر مدینہ کا راستہ ہے۔

جن لوگوں نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے وہ کسی اور راستے کی طرف قوم کو لے جانا چاہتے ہیں۔ میں انہیں دعوت فکر دوں گا کہ ٹھنڈے دل سے سوچو اور کوئی اور کام کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لو، مصیبت میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ذبح کرنا چاہتے ہو۔ ایسے معاملے میں جب ایک طرف گھر اجڑا ہوا ہے اور دوسری طرف تم ان کا ایمان بھی اجاڑنا چاہتے ہو اور پھر تم ان کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہو، یہ بڑا اہم معاملہ ہے۔

اس میں لوگ باتیں کر دیتے ہیں کہ دیکھو اس عورت کا قصور کیا ہے، وہ کدھر جائے گی، تم کہتے ہو تینوں واقع ہو گئیں، عورت بے چاری کا قصور کیا ہے، میں نے کہا یہ تمہارا ہم پہ اعتراض نہیں ہے بلکہ یہ تمہارا رب پر اعتراض ہے، کیوں؟ اللہ فرماتا ہے:

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ

نکاح کی گرہ میں نے مرد کے ہاتھ میں دی۔

لیکن تمہارا مقصد یہ ہے کہ ایک گرہ مرد کے ہاتھ میں ہو اور دوسری گرہ عورت کے ہاتھ میں ہو، جب چاہے مرد کھولے اور جب چاہے عورت کھولے۔ جبکہ اصل طلاق میں ہی مساوی نہیں ہے، طلاق میں فوقیت مرد کو دی گئی ہے۔

لہٰذا اب اس کے لحاظ سے تین نہ سہی یا تین جدا جدا سہی جب سنت کے مطابق اور شریعت کے مطابق تین طلاقیں ہو گئی تھیں تو عورت پھر بھی بے گھر

ہوئی۔ بتاؤ اس وقت قصور کس کا تھا، تو کیا یہ کہو گے، یہ قصور معاذ اللہ شریعت کا ہے، پھر ایمان کیسے بچے گا۔ نہیں! یہ اللہ کا فیصلہ ہے، اس میں قصور نہیں ہے، اس پر تنقید نہیں ہے، اس کا استہزاء نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہم تو اس کو لکھ کے دے سکتے ہیں، اس کی وکالت اور ترجمانی کر سکتے ہیں، ہم اپنی طرف سے فیصلہ نہیں بنا سکتے، اس فیصلے کا اظہار کر سکتے ہیں، جو عرش کا فیصلہ ہے، اس واسطے ہم نے یہ تقسیم نہیں کی یہ تقسیم رب کائنات کی ہے۔ لہٰذا اس پر اعتراض کوئی نہ کرے، ورنہ ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

طلاق میں یہ صورتحال ہے کہ میں نے غصہ میں کہہ دیا، اب بتاؤ کہ طلاق دی غصے میں ہی جاتی ہے، اگر غصے کے اندر طلاق طلاق نہیں ہے تو پھر کب کی طلاق ہے، غصے میں ہی طلاق ہوتی ہے اور طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ بالخصوص میں اس حدیث شریف کے لحاظ سے بھی وضاحت کرنا چاہتا ہوں جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں تین طلاقیں ایک تھیں، پھر جا کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تین کو تین قرار دیا۔ اتنی آیات قرآنیہ کے باوجود اور اتنی احادیث کے باوجود اس پر اپنے سارے پلندے کی بنیاد رکھنا، یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اس وقت تین طلاقیں ایک تھیں، مطلب کیا ہے کہ وہاں پر طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے میں دوسرا اور تیسرا پہلے کی تاکید کے لئے بول لیتے تھے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں۔

جس طرح کسی آدمی کو شک تھا کہ زید آیا ہے یا نہیں آیا تم کہتے ہو زید آیا، زید آیا، زید آیا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تین آئے، اس کا مطلب ہے کہ ایک ہی آیا اور

ضرور آیا تو دو بار جو زید بولا گیا وہ تاکید کیلئے تھا۔

اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ طلاق ایک بڑا عجیب معاملہ تھا اور اس کے لحاظ سے لوگوں میں یہ تھا کہ اس سے چونکہ دائمی طور پر رشتہ کٹتا ہے اور اس سے جدائیاں ہوتی ہیں تو اس کی تاکید کرنی چاہئے۔ لہذا بعد والے دو جملے بول کے یا ایک بول کے ان کا مقصد نئی طلاق دینا نہیں ہوتا تھا بلکہ پہلی کو پکا کرنا ہوتا تھا۔

لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں واضح کر دیا گیا تھا لیکن اب وہ زمانہ گزر گیا ہے، اب ہر ایک کو پتہ ہے کہ ایک دینے سے بھی پکی ہو جاتی ہے۔ ہر ایک کو پتہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عوام تک لوگوں کو پتہ ہے، خواص کو تو پہلے بھی پتہ تھا، اب جس وقت کوئی دوسرا لفظ بولے گا تو اصل کے لحاظ سے جو حکم پہلے بھی خواص میں موجود تھا، وہ عوام پر لاگو کیا جائے گا کہ دوسری اور تیسری مستقل طلاقیں شمار کی جائیں گی۔ ان کو پہلی طلاق کے لئے تاکید نہیں بنایا جائے گا۔ امام نووی نے اس کے جواب میں یہ بھی کہا ہے کہ پہلے عمومی طور پر لوگ دیتے ہی ایک ایک تھے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں نے تین اکٹھی دینا شروع کیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں تین قرار دیا۔ لہذا دور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حکم نہیں بدلا لوگوں کی عادت بدل گئی تھی۔ حکم پہلے والا ہی تھا جو آپ نے نافذ کیا۔ (نووی شرح مسلم۔ جلد 2 صفحہ 478)

ایسے ہی نبی کریم ﷺ نے جو وضاحت کی ہے، سب کو سمجھا دیا ہے اور تمام مسائل کی طرح اس کے باقاعدہ شعبہ جات سکھائے ہیں اور پڑھائے ہیں۔

خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ میں نے پڑھ کر سنایا جس پر انہوں نے کہا کہ تم میں سے کوئی حماقت پر سوار ہوتا ہے اور پھر مجھے کہتے ہو کہ کوئی رستہ نکال

ابن عباس رضی اللہ عنہ جو خود فتویٰ دے رہے ہیں، روایت کچھ کریں اور فتویٰ کچھ دیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لہٰذا انہوں نے بتایا کہ مطلب یہ ہے اور اس انداز میں دین کو سمجھا جائے۔ اس کے لحاظ سے وہ اللہ کی حدود کا خیال نہیں رکھتا تو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور ساتھ ساتھ گنہگار بھی شمار ہوگا۔

پوری امت میں یہ دستور اتنا واضح تھا، اتنا بدیع تھا کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ ہند میں کسی نے تین طلاقیں دیں۔ کس طرح؟ اس نے ایک لفظ بولا تھا کہ اگر میں وہ عبادت نہ کروں جو میرے سوا کوئی اور نہ کر رہا ہو تو میری بیوی کو تین طلاقیں ہیں۔ جب اس نے اللہ کی بندگی کے شوق میں یہ قسم اٹھا دی کہ میں ایسی عبادت کروں گا جو میرے سوا کوئی عبادت نہ کر رہا ہوگا۔ یہ قسم اٹھانے کے بعد اس نے مفتیوں سے پوچھا کہ وہ عبادت کونسی ہے۔ جو اس وقت میں کروں اور کوئی نہ کر رہا ہو۔ انہوں نے کہا بندۂ خدا وہ عبادت کہاں سے آئے گی، ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تو نفل پڑھ رہا ہے اور کوئی نفل نہیں پڑھ رہا۔ اگر تو نے روزہ رکھا ہے تو اور ہزار لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہوگا۔ تو نے یہ قسم کیوں اٹھائی۔ وہ بندہ بڑا پریشان ہوا چلتا چلتا یہ معاملہ عرب میں پہنچا اور پھر عرب سے عقل العرب عراق بغداد شریف میں پہنچا۔

اب یہاں سے وہاں تک پوری دنیا میں مسئلہ پھیلا مگر کسی مفتی نے یہ نہیں کہا کہ تو نے تین کی قسم اٹھائی ہے، اگر ہزار کی بھی اٹھائے تو کوئی بات نہیں تو نے تین ہی کہی ہیں۔ اگر میں وہ عبادت نہ کروں تو میری عورت کو تین طلاقیں ہیں اگر تم نہیں کرو گے تو تین واقع ہی نہیں ہوں گی۔ پوری اسلامی دنیا میں سے جواب کسی نے نہیں دیا کیونکہ اس وقت کوئی قوم ایسی نہیں تھی جو یہ کہے کہ تین ایک ہوتی ہیں۔ سارے اس تلاش میں ہیں کہ کوئی ایسی عبادت مل جائے کہ جس کی وجہ سے اس کی بیوی طلاق سے بچ جائے۔

چلتے چلتے یہ مسئلہ وہاں پہنچا جہاں طریقت کے پھول کھلتے ہیں اور شریعت کے بھی چاند چمکتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب یہ مسئلہ پہنچا تو آپ فرمانے لگے:

یہ تو کوئی مشکل ہی نہیں ہے۔ تم نے اتنی دیر اس میں لگادی اور کہاں سے تم چلے۔ اس بندے کو تم مکہ شریف لے جاؤ اور کعبہ کے گرد طواف کرنے والوں کو ہٹا دو، اس کو کہو کہ یہ طواف کرے، تو یہ وہ عبادت ہوگی جو اس وقت اس کے سوا کوئی نہیں کر رہا ہوگا۔ (قلائد الجواہر ص ۳۸)

اب مسئلہ حل ہو گیا۔ اگر کوئی دوسرا پہلو ہوتا تو پوری دنیا سے کوئی ایک بندہ تو بولتا کہ اس کے لئے عبادت کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ طلاقیں تین ہوتی ہی نہیں۔ اگر یہ عبادت نہ بھی کرے تو معاملہ یوں کا یوں ہی رہے گا، نہیں نہیں سب کا یہ موقف تھا کہ تین کی تین ہی ہو جائیں گی۔ اس کا کوئی حل تلاش کرنا چاہئے۔ بالآخر وہ حل سامنے آیا۔

یہ مختصری summary کی شکل میں اس مسئلہ کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو سمجھ کے آگے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
6

نشیمن سے دھواں اُٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہو

اَحْمَدُکَ اللّٰھُمَّ یَامُجِیْبَ کُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ ھُوَ

اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ذَوِی الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ

سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَہٗ فَمَالَھُمْ مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّالٍ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین سامعین وناظرین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراطِ مستقیم کے زیرِ اہتمام فہمِ دین کورس کے پندرھویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن و سنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آج کے موضوع کے لحاظ سے اذہان میں کافی تجسس موجود تھا کہ یہ موضوع کن امور سے متعلق ہے اور کیا کیا باتیں اس میں بیان کی جا سکتی ہیں جس وقت ہم اس موضوع کے وسیع دامن کو دیکھتے ہیں تو بیان کرتے ہوئے یہ مشکل پیش آ رہی ہے کہ کیا بات چھوڑی جائے اور کیا بیان کی جائے کیونکہ یہ آیت وسیع اور دقیق موضوع ہے اس میں ابتدائی طور پر دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

ایک تو انسانی مشاہدہ کی غلطی ہے کہ حقیقت کچھ ہو اور وہ کچھ اور سمجھتا رہے۔

دوسرا حالات وواقعات میں اتنی تبدیلی آ جائے کہ جو کچھ بظاہر نظر آ رہا ہے، حقیقت بالکل اس کے opposite ہو۔

یہ دو مستقل حقیقتیں ہیں، یقیناً ہر شخص کا مشاہدہ ایک جیسا نہیں ہوتا، ایک عوام

کا مشاہدہ ہے، ایک خواص کا مشاہدہ ہے اور ایک خاص الخاص کا مشاہدہ ہے۔

عوامی مشاہدہ کا رزلٹ کچھ اور ہوتا ہے اور خواص کے مشاہدہ کا رزلٹ کچھ اور ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک عوامی مشاہدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جس وقت قارون اپنا لشکر لے کے باہر نکلا، اس کے ساتھ گھڑ سواروں کا ایک جلوس تھا اور نہایت عمدہ گھوڑے تھے۔ زرق برق لباس تھے اور سونے چاندی کی چمک ہر طرف موجود تھی۔ جب وہ نکلا تو کچھ لوگوں کی نگاہ اس پر پڑی۔ انہوں نے اس کی زندگی کو کامیاب زندگی سمجھ لیا اور اس طرح کی زندگی کا وہ بھی سوال کرنے لگے۔ کاش! ہمیں بھی ایسی زندگی میسر آ جائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ

وہ اپنی قوم کے پاس جب اپنی زینت میں ظاہر ہوا۔

یعنی جو بھی اس کے آدابِ شاہی تھے، ان کے ساتھ وہ پوری طرح مزین و آراستہ ہو کر نکلا

قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ

ان لوگوں نے کہا جن کی توجہ صرف دنیاوی زندگی پر تھی، جن کا آخرت اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا تو انہوں نے قارون کے جاہ و جلال اور اس کی رونق کو دیکھ کر یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش ہمیں اتنا دیا جاتا، جتنا قارون کو دیا گیا۔

إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ سورۃ القصص:۷۹

اس کو بہت بڑا حصہ دیا گیا اور یہ بہت بڑے حصے کا مالک ہے۔

اب یہ بھی ایک مشاہدہ تھا مگر یہ خواص کا نہیں تھا، عوام کا مشاہدہ تھا۔ انہوں نے عارضی چمک کو حقیقی چمک سمجھ لیا، عارضی رونق کو حقیقی رونق محسوس کیا اور دنیا کی وہ روشنی کہ جس میں فریب ہے اور دھوکہ ہے، اس کو انہوں نے ایک حقیقت سمجھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس سروے کو مسترد کر دیا کہ یہ جو کچھ دیکھ رہے ہیں، حقیقت میں کچھ نہیں۔ انہیں جو قارون کے ساتھ آرائش اور زیبائش نظر آئی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ حقیقت میں یہ اللہ کے دربار کا دھتکارا ہوا انسان ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ کوئی پیار نہیں۔

اب یہ ایک قابلِ مشاہدہ امر تھا اور اس کے بارے میں مشاہدہ ہوا۔ یہ لوگوں کی رائے تھی اور نتیجہ کیا تھا کہ

نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے، تم کہتے ہو کہ ساون ہے

یعنی جو دیکھ رہے تھے اس کو وہ ساون سمجھ رہے تھے لیکن حقیقت میں وہاں جہنم کے شعلے تھے اور جو کچھ وہ سمجھتے تھے، وہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان لوگوں کا مشاہدہ بھی بیان کیا جو علم اور حقیقت کی آنکھ سے دیکھنے والے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

سورۃ القصص:۸۰

ان لوگوں نے کہا جن کو علم دیا گیا تھا کہ تم تباہ ہو جاؤ۔ تم اس انداز میں مچل گئے ہو اور اتنا رشک کر رہے ہو اور اس کو تم اتنا عظیم سمجھ رہے ہو، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ

اس کے مقابلے میں اللہ کا ثواب اچھا ہے۔

یعنی تم نے جو قارون کے پاس دیکھا یہ اللہ کا ثواب نہیں ہے، اس کے مقابلے میں ایک فقیر بندے کو جو کٹیا میں بیٹھا ہے، جس کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں، جس کے سر پہ سونے کا تاج نہیں ہے اور ہیرے جواہرات سے مرصع جس کا لباس نہیں ہے، وہ ایک سادہ سی پوشاک میں بیٹھا ہے، لیکن اس پر رب کی رحمت برستی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کا ایک مرتبہ ہے۔ اہل علم نے کہا یہ بندہ عظیم ہے کہ جس کو اللہ نے اپنے ثواب کا مستحق قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں ان دو مشاہدوں کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مشاہدے کو اپنی طرف سے فائنل قرار دیا، بہترین مشاہدہ قرار دیا اور اس آنکھ کو حقیقت بین قرار دیا۔ جس کی آنکھیں دنیا کی عارضی چمک سے چندھیا نہیں گئیں کہ اسے اور کچھ نظر ہی نہ آئے۔ بلکہ اس نے حقیقت تک دیکھا ہے۔ بظاہر جہاں لوگ دیکھتے ہیں کہ بہت کچھ ہے وہاں کچھ بھی نہیں ہے اور جہاں لوگ سمجھتے ہیں کہ کچھ نہیں وہاں سب کچھ ہے۔ اس بنیاد پر ایک انسان جس کو اللہ تعالیٰ حقیقی نگاہ عطا فرما دیتا ہے وہ حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور حقیقت کی روشنی میں تمام نتائج کو مرتب کرتا ہے۔

یہ ابتدائی طور پر ایک مشاہدہ کی حیثیت لے اور ہمارے لئے اس میں سبق موجود ہے کہ ہم اپنا مشاہدہ اس مشاہدہ کے مطابق استوار کریں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشاہدہ کا طریقہ بتایا ہے۔ہم نام نہاد روشن خیالی کو روشنی نہ سمجھیں، ہم اس کو قبر کا اندھیرا سمجھیں۔ جو عریانی و فحاشی کو اپنا کلچر کہتے ہیں، ہم اس کو جہنم کا ایندھن سمجھیں۔جس کو لوگ Refreshment کہتے ہوئے اپنے آپ کو جہنم کی وادی کی طرف دھکیلتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں اور ہماری زندگی بڑی رنگین ہے۔لیکن جب ہماری آنکھ اس کو دیکھے تو خود فیصلہ کرے اور ان کو بتائے کہ یہ زندگی کی رنگینی نہیں ہے، یہ جہنم کے شعلوں کا نام ہے۔

اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں مشاہدات کا انداز دیا ہے، وہ انداز ہمارے لئے یہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگ کچھ سمجھتے ہیں اور حقیقت کچھ ہے۔جنہوں نے حقیقت کو نہیں سمجھا اور اس حقیقت کے برعکس سمجھ رہے ہیں، ان کو سمجھنے کے لئے ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ

نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو کہ ساون ہے

حقیقت کچھ اور ہے اور تم کچھ اور سمجھے ہوئے ہو۔لہٰذا حق پرست انسان وہ ہے جو حقیقت کے بارے میں غلطی نہیں کھاتا، دھوکہ نہیں کھاتا، حقیقت اگر ہزار پردوں میں لپٹی ہوئی ہو پھر بھی حقیقت کو مانتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔

دوسری بات

واقعی ایسا ہوسکتا ہے اور اتنی تبدیلی آسکتی ہے کہ لوگ کنوے کو مینارہ کہنا شروع کردیں اور مینارہ کو کنواں کہنا شروع کردیں۔لوگ دن کو رات کہیں اور رات

کو دن کہیں۔ لوگ روشنی کو اندھیرا کہیں اور اندھیرے کو روشنی کہیں۔ لوگ بدبو کو خوشبو کہیں اور خوشبو کو بدبو کہیں، ایسا ہو سکتا ہے۔

اتنی تبدیلی **Merit** کے لحاظ سے انسانی اقدار میں بھی آسکتی ہے اور یہ قرب قیامت کی علامتیں ہیں کہ ایک انسان ثریا کی چوٹیوں پر اپنے آداب کے معاملات کے لحاظ سے فائز ہو اور گرتا گرتا نئی روشنی کی طرف اتنا گر جائے کہ وہ قعر ذلت میں گرا ہوا بن جائے۔ ایسی صورتحال یقیناً لوگوں کے اندر آنے والی تھی اس لئے سید عالم ﷺ نے ہمیں اس پر متوجہ کیا ہے اور اس کا سبب بھی بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

سورۃ الرعد: 11

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو نعمت دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو خود نہیں بدلتا کہ ان کو دے اور پھر چھین لے، اللہ ان پر انعام کرے اور پھر ان کو محروم کر دے، نہیں۔

حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

پہلے وہ اپنے اندر ایسی حرکتیں لے آتے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ اس نعمت کے مستحق ہی نہیں رہتے اور اپنی حرکات کی وجہ سے نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

میں کسی کو بلندی سے پستی کی طرف خود نہیں لاتا، اس کو عظمت دے کر اس کو ذلت کی طرف نہیں لے جاتا، اس کو عروج کے بعد میں زوال نہیں دیتا، پہلے وہ خود زوال

کا متقاضی ہوتا ہے، زوال چاہتا ہے، زوال مجھ سے مانگتا ہے، زوال کے اسباب پیدا کرتا ہے اور زوال کا مسافر بن جاتا ہے، زوال کا علمبردار بنتا ہے۔ جب وہ بلندی والی صفتیں اپنی ختم کر کے پستی والی صفتیں پیدا کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم بھی اپنی نعمت کھینچ لیتے ہیں اور ہم اس کو ذلت کی طرف لے جاتے ہیں۔

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ

اور جب اللہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ اب اس عزت والے سے عزت چھن جائے گی، اس کو ذلت دی جائے گی تو اب کوئی power ایسی نہیں ہے جو اللہ کے فیصلے کو نافذ نہ ہونے دے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس کی ڈٹ کر مخالفت کرتے ہوئے کہے کہ ہم یہ عزت واپس نہیں ہونے دیں گے۔ رب ذوالجلال جو فیصلہ کر دیتا ہے، وہی فیصلہ پھر نافذ ہو جاتا ہے۔ اس کے نتائج پھر پوری قوم کو اور پوری دنیا کو دیکھنے پڑتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا انداز حکمت ہے کہ میں خود کسی سے کچھ نہیں چھینتا، وہ خود ایسے اسباب پیدا کر لیتے ہیں کہ جس کی وجہ سے مجھے ایک فیصلہ کرنا پڑتا ہے اور اس کے مطابق عزتوں والے ذلتوں میں چلے جاتے ہیں اور عظمتوں والے، پستیوں میں چلے جاتے ہیں۔ یہ رب ذوالجلال کا پیغام ہے کہ رب ذوالجلال جس وقت تمہیں نوازتا ہے، اس کے بعد تمہیں ان نوازشات کے مطابق اپنی زندگی گزار کر اسباب ایسے رکھنے چاہئیں کہ تمہارے پاس وہ نعمت موجود رہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ سورۃ ابراھیم:۷

اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں اور عطا کر دوں گا، اور نواز دوں گا۔

اگر تم نے شکر چھوڑ دیا اور تم غافل ہو گئے تم نے خود اپنے اندر ایسی کوتاہی پیدا کر لی ہے جسکی وجہ سے تم اس نعمت کے مستحق نہ رہے پھر اس نعمت کو واپس لے لیا جائے گا کیونکہ جو بندہ مستحق ہو شان اس کو دی جاتی ہے اور جس کا استحقاق ہو، عظمت اس کو ملتی ہے۔

لہٰذا جو خود اپنے استحقاق کو ختم کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی رحمتوں کو پیچھے ہٹا لے گا۔ جس وقت ہم پوری کائنات میں توجہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک System موجود ہے اور یوں ہی سمجھا جا رہا ہے، جیسے ہر چمکنے والی چیز سونا ہوتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ انسان اپنے گھر سے لے کر پوری کائنات تک اپنے مختلف طبقات کو دیکھ لے، مختلف شعبہ جات کو دیکھ لے، اس میں ایک تبدیلی رونما ہو چکی ہے جو بلندی سے پستی کی طرف لے گئی ہے اور جیہ سفر یقیناً ہوا ہے۔ اس کے باوجود لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ترقی کر گئے ہیں اور ہم پہلے سے کہیں زیادہ آگے آ گئے ہیں، ہم Advance ہو گئے ہیں، ہماری سوچ Advance ہے۔

لیکن اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو سوائے اس کے کچھ نہیں

نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو کہ ساون ہے

کبھی ایسا ماحول تھا زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے، ایک Community کے اندر جو لوگ چلتے پھرتے تھے، ان میں کسی چہرے کو صدیق اکبر کہا جاتا تھا اور کسی کو فاروق اعظم کہا جاتا تھا، کسی کو عثمان غنی کہا جاتا تھا اور کسی کو

حیدر کرار کہا جاتا تھا، کسی کو طلحہ اور کسی کو حضرت زبیر رضی اللہ عنھم کہا جاتا تھا، کسی کو امام اعظم نعمان بن ثابت اور کسی کو حضرت غوث اعظم کہا جاتا تھا۔

اب دیکھئے اللہ تعالیٰ نے یہ بلند کردار لوگ society کو دیئے یہ عظیم ہیرے امت کو دیئے اور ایک اچھا کردار ان کو عطا کیا۔ اب اگر تم ڈھونڈنے نکلو گے تو ایسے لوگوں کو کہاں سے تلاش کرو گے؟ وہ جو انسانیت کا بلند گراف تھا۔ اس میں ایک کمی آگئی ہے، زوال آگیا اور انسان پستی کی طرف چلا گیا ہے، انسان نیچے پہنچا ہے اور اگر کہتا ہے کہ ہم نے ترقی کی ہے، ہم چاند پر پہنچ گئے ہیں تو ہم یہی کہیں گے کہ

نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو کہ ساون ہے

کمال یہ نہیں ہے کہ انسان یہاں سے اٹھے اور چاند پر چلا جائے بلکہ کمال یہ ہے کہ فقر اتنا غیور رہو کہ چاند اس کے قدموں میں آجائے۔

یہ کردار جو انسان کو دیا ہے تو اسلام نے دیا ہے اور پوری کائنات میں اس کا جو وقار تھا اس کا انداز یہ تھا۔ اس واسطے ترقی کی راہوں کو اور تنزلی کی راہوں کو جو قوم نہیں پہچانتی، اس کو کبھی بھی اپنے نفع و نقصان کا پتہ نہیں چل سکتا۔ پتہ اسے چلے گا جس کو پتہ ہو کہ ترقی کیا ہے اور تنزلی کیا ہے۔

لہٰذا ادھر تنزل ہو رہا ہو انسانی سوچ گندی ہو رہی ہو، انسان کے دل میں اندھیرا ہو چکا ہو انسانی اقدار بگڑ چکی ہوں، انسان گرتے گرتے حیوان سے مل چکا ہو اور کہا جائے کہ اس نے ترقی کر لی ہے، نہیں نہیں۔ یہ نظر کا ہیر پھیر ہے، یہ مشاہدہ کی غلطی ہے۔ انسان کو جو اللہ تعالیٰ نے جو علو دیا ہے جو بلندی دی ہے اور جو ترقی دی

ہے ،اس کے لحاظ سے ہمارا سب سے بڑا دور وہ دور تھا۔ جب سید عالم ﷺ معاشرے کی تطہیر فرما رہے تھے۔آپ نے اس انداز میں اس معاشرے کو صاف کر دیا تھا کہ آپ کی بزم میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ مصافحہ کرنے کے لئے فرشتے تڑپ رہے تھے کہ ان لوگوں سے ملاقات کی جائے اور ان سے ملا جائے۔یہ اصل بلندی ہے۔

یہ بلندی نہیں ہے کہ انسان اڑنا شروع کر دے اور انسان کہیں چھلانگیں لگانا شروع کر دے ،مگر اسکا دل گندہ ہو، اسکے اطوار گندے ہوں ،اس کی گفتار گندی ہو، اس کی آنکھ گندی ہو، اس کے کان گندے ہوں، اس کا پیکر گناہوں کا ایک پورا گٹر بن چکا ہو، یہ کوئی عظمت نہیں ہے۔عظمت کو سمجھنا ہے تو پلٹ کے پھر ہمیں کعبہ کے نور اور حرم کی روشنی اور گنبدِ خضرا کی ہریالیوں کو دیکھنا پڑے گا، جہاں رب ذوالجلال نے آج بھی اس کی عظمت کو اجاگر فرمایا ہے۔اب دیکھئے اس صورتحال میں ہمارے لئے آج ایک تو انفرادی حالات میں تغیر آ رہا ہے اور ایک اجتماعی حالت میں تغیر آ رہا ہے۔

انفرادی حالات میں تغیر

انفرادی حالات میں جو تغیر ہے ہم آج وہ تغیر محسوس کر رہے ہیں لیکن پھر بھی اس آنکھ اور نگاہِ نبوت سے مہر صداقت لگوانا چاہتے ہیں کہ جس کا علم اتنا تھا کہ صدیوں قبل سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ

صالح بندے دنیا سے آہستہ آہستہ اٹھ جائیں گے، یکے بعد دیگرے نیک بندے چلے جائیں گے۔

یعنی یہ گراف انسانیت گر رہا ہے کبھی society میں ایسے ہیں کہ آنکھ پھیریں تو زمانہ بدلتا ہے، ان کے ہاتھ اٹھیں تو کائنات میں انقلاب آتا ہے اگر وہ ترچھی آنکھ سے چمکتے سورج کو دیکھیں تو دوپہر کے وقت سورج کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، اگر وہ کانپتی زمین پہ کوڑا مار دیں تو زمین کا رعشہ ختم ہو جاتا ہے۔

اَلْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ

آہستہ آہستہ صالحین زمین سے اٹھ جائیں گے۔

تو پھر کیا ہوگا۔

تَبْقٰی حُفَالَةٌ

صرف ردّی لوگ باقی رہ جائیں گے

حفالہ کہتے ہیں جس وقت آٹے کو چھانا جائے تو پیچھے چھان رہ جاتا ہے، آٹا نکل جاتا ہے اور چھان باقی رہ جاتا ہے۔ ایسے صالحین تو زمین کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور پیچھے چھان رہ جائے گا۔

کَحُفَالَةِ الشَّعِیْرِ اَوِ التَّمْرِ

بخاری شریف بحوالہ مشکوۃ شریف: ص: ۴۵۹

جیسے جو کا چھان ہوتا ہے یا کھجوروں کا ردی حصہ ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے باقاعدہ مثال دے کر واضح فرمایا کہ جس وقت کھجوریں

ستھری کی جائیں اور اچھی اچھی کھجوریں ایک طرف ہو جائیں اور ردی باقی رہ جائیں۔ جیسے وہ ردی کھجوریں ہوتی ہیں یا وہ جو کا چھان ہوتا ہے۔ ایسے ہی زمانے کی چھانی جب آئے گی، نیک آہستہ آہستہ اٹھ جائیں گے، پیچھے زمین کے اوپر چھان رہ جائے گا۔ انسانیت کا چھان جس میں انسانیت کی بلند قدریں ختم ہو جائیں گی، انسانیت کا وقار نہیں ہوگا اور انسان کا وہ مرتبہ نہیں ہوگا کہ جس کی بنیاد پر وہ فرشتوں سے افضل ہے تو پھر وہ حیثیت نہیں رہے گی۔

انسانوں کا پیچھے بقیہ رہ جائے گا اور پیچھے گرد و غبار کی سی حیثیت رہ جائے گی، جب وہ پیچھے رہ جائیں گے تو ان کی حالت کیا ہوگی۔ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

لَا یُبَالِیۡھِمُ اللّٰہُ بَالَۃً

پھر ان کی اللہ کے دربار میں بھی کوئی ویلیو نہیں ہوگی۔

لغوی معنی اس کا یہ ہے کہ جو پیچھے رہ جائیں گے، ان کی اللہ بھی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔ یعنی جب بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہوں تو ان کے لئے میزبان خاص اہتمام کرتا ہے اور جب وہ چلے جاتے ہیں، پیچھے عام سے لوگ رہ جاتے ہیں تو وہ کہتا ہے جس نے کھانا ہے وہ کھالے اور جس نے نہیں کھانا وہ نہ کھائے کیونکہ یہ عام سے لوگ ہیں۔

بلا تمثیل رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جس کا مفہوم مخالف اور موافق کے لحاظ سے مطلب یہ بنتا ہے کہ ایک تو یہ زمین سجی ہوئی ہے ان نوری چہروں کے ساتھ کہ جن کا اللہ کے دربار میں بڑا رکھ رکھاؤ ہے، اب ان کے ہوتے ہوئے اللہ

نہیں چاہتا ہے کہ ایسا ہو جائے اور میرے بندے بھی زمین پر ہوں۔ ان کا رب کے دربار میں بڑا مرتبہ ہے۔

لہٰذا ان کے ہوتے ہوئے زمین اور طرح کی ہے، رحمتیں اور طرح کی ہیں اور برکت اور طرح کی اترتی ہے لیکن جب صالحین دنیا سے چلے جائیں گے تو پھر پیچھے چھان رہ جائے گا۔ ان کی حیثیت کیا ہوگی۔ فرمایا:

لَا یُبَالِیْھِمُ اللّٰہُ بَالَۃً

اللہ ان کا کوئی لحاظ ہی نہیں کرے گا کہ یہ بھی زمینی انسان ہیں، یہ بھی بندے ہیں یعنی اللہ کے دربار میں ان کی کوئی Approach نہیں ہوگی۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اللہ والوں کا اللہ کے دربار میں مرتبہ کیا ہے۔

اگرچہ وہ اللہ کے سامنے کوئی Power نہیں رکھتے کہ کوئی اکڑ کے یا دبا کے منوانا چاہتے ہوں نہیں، ان کا اللہ کے دربار میں پسندیدہ مرتبہ اتنا ہے کہ اللہ کو ان کی ناراضگی اچھی نہیں لگتی کہ یہ ناراض ہو جائیں۔ یہ میرے بندے ہیں، انہوں نے زندگی میرے لئے گزاری ہے، اللہ تعالیٰ ان کا بڑا لحاظ کرتا ہے تو ایسے لوگ آہستہ آہستہ دنیا سے چلے جائیں گے، پیچھے چھان رہ جائے گا، وہ چھان کیسا ہے، ان کی رب ذوالجلال کی بارگاہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

جیتے ہیں، مرتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، اللہ رزق کا وعدہ تو پورا کرتا ہے مگر ایسا نہیں ہے کہ ادھر ان کی آنکھ اٹھے اور ادھر سورج کی آنکھ بند ہو جائے، ادھر ان کا ہاتھ اٹھے اور ادھر پوری کائنات مٹھی میں آجائے اور جہاں چاہیں تصرف

کر لیں۔ پھر ایسی صورتحال نہیں ہوتی یہ ایک تغیر زمانہ کی رسول اکرم ﷺ نے مثال دی ہے، حقیقت بیان کی ہے کہ ایسا ہوگا اور یقیناً ایسا ہو گیا جو کہہ رہا تھا کہ ہم اوپر گئے ہیں، نبی اکرم ﷺ کا فرمان بتا رہا ہے تم نیچے آ گئے ہو۔

اس واسطے کہ بڑا مرتبہ تو تب ہے کہ ادھر بندے کی نبض حرکت کرے تو ادھر خالق کی قدرت حرکت میں آ جائے اور اس کے لئے سارے بندوبست ہو جائیں۔ اللہ کے دربار میں بندے کا مرتبہ بڑا ہو، مقام بڑا ہو، فرشتوں سے کہے کہ اے فرشتو! فلاں بندہ اگر مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کی بات نہیں ٹالتا، میں اس کی ضرور دوں گا۔

رُبَّ اَشْعَثَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ

بہت سے پراگندہ بالوں والے ایسے ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھا دیں تو اللہ ان کی بات پوری کر دیتا ہے، اگر انہوں نے کسی کام پر قسم اٹھا دی تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کرنے کے لئے نظام بدل دے گا۔ لیکن اس کی قسم کو جھوٹا نہیں ہونے دے گا۔

یہ بلندی ہے اور یہ برتری ہے، اب اس میں تنزل آ گیا ہے اب اس کے اندر ایک پستی آ گئی ہے اور اوپر سے انسانیت نیچے کی طرف آ گئی ہے۔ اب یہ سوچتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ہم ان سے بڑھ گئے ہیں، جتنے کھانے ہم کھاتے ہیں، اتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں کھاتے تھے اور جتنے لباس ہم پہنتے ہیں اتنے صحابہ کو نہیں ملتے تھے، ہم پر صحابہ سے بڑھ کر اللہ کا فضل ہے تو یہ اس بندے کی خام خیالی ہے اور اس بندے کی غلط سوچ ہے۔ حقیقت میں جو اللہ تعالیٰ نے علو دیا تھا تو وہ ان کو دیا تھا، اگر ہمیں مل سکتا ہے تو ان کی اتباع کرنے کے صلہ میں مل سکتا ہے۔

یہ تبدیلی آگئی ہے، لوگ اس کو کہتے ہیں ترقی آگئی، یہ آج کی راہ ہے کہ

نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے

ادھر خزاں آگئی ہے اور تم اس کو اپنے لئے بہار سمجھ رہے ہو، یہ جہنم کے شعلے ہیں اور تم ان کو گلاب کی پتیاں سمجھ رہے ہو اور یہ تو انسانیت کی بدبو ہے اور تم اس کو خوشبو سمجھ رہے ہو۔ یہ صورتحال اور معاشرے کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ہم نے اس موضوع کو لیا ہے کہ ایک تبدیلی ہے تو اس تبدیلی کے لحاظ سے ہمیں پھر پلٹ کے وہاں جانا چاہئے کہ جہاں ان اصولوں کی وجہ سے بلندی آئی تھی تاکہ آج بھی انہی اصولوں کی وجہ سے ہمیں بلندی مل سکے۔

اجتماعی حالات میں تغیر

محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں کہ مجھے اس بندے نے بتایا ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے Direct سنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ

ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے

فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

اتنے میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آگئے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (ایک منفرد صحابی ہیں) جب وہ آئے تو

مَا عَلَيْهِ اِلَّا بُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ

انہوں نے ایک چادر پہنی ہوئی ہے، پورا لباس نہیں ہے اور اس چادر پر بھی

کھال کے پیوند لگے ہوئے ہیں۔

فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَکٰی

جس وقت رسول اکرم ﷺ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو میرے محبوب ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

لِلَّذِیْ کَانَ فِیْهِ مِنَ النِّعْمَةِ

اس وجہ سے جو ماضی میں وہ نعمت میں تھے۔

وَالَّذِیْ هُوَ فِیْهِ الْیَوْمَ

اور اس وجہ سے جو آج وہ ناداری کی حالت میں تھے۔

اس واسطے کہ جب تک انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا تھا تو اکثر نیا سوٹ پہنتے تھے۔

یعنی ایک مالدار انسان تھا، اس زمانے کا یہ شہزادہ تھا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جس وقت کلمہ پڑھا تو گھر والوں نے کہا کہ تمہیں کچھ بھی نہیں دیں گے۔ نہ ورثہ ملے گا نہ کپڑے ملیں گے، کچھ بھی نہیں ملے گا۔ ایک ہی چادر لے کر باندھی تو فرمایا:

تم اپنے کپڑے پاس رکھو، ہم ان کے پاس جاتے ہیں جہاں سے ایمان کے کپڑے ملنے والے ہیں۔

محبوب ﷺ نے جب وہ حالت دیکھی، جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ گھر میں تھے کپڑے بڑے قیمتی ہوتے تھے اور آج ایمان کا ماڈل ہیں مگر کپڑے پھٹے پرانے ہیں، ایک چادر ہے اور اس پر بھی پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو اسلئے آئے کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی آزمائش ہوئی ہے،

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو آزمایا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی مصعب رضی اللہ عنہ کے ایسے پنڑے تھے اور آج مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہے، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مستقبل کی خبر دی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَيْفَ بِكُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُكُمْ فِيْ حُلَّةٍ وَرَاحَ فِيْ حُلَّةٍ

اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب صبح کو ایک سوٹ پہنو گے اور شام کو دوسرا پہنو گے۔

اب اس وقت کی جو صورت حال ہے وہ بالکل مختلف ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے کپڑے پہلے اچھے تھے لیکن اب پورے نہیں جو چادر ہے، وہ بھی پھٹی ہوئی ہے اور پھر فرمایا میرے صحابہ وہ وقت آنے والا ہے، زمانہ کروٹ لیتا ہے، مالی انقلاب آجائے گا، اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب صبح اور سوٹ ہوگا، شام کو اور سوٹ ہوگا، بظاہر یہ بات اس وقت کہنا بڑی مشکل تھی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے تو کفن کے لئے بھی کپڑا نہیں ملا تھا اور ایک ہی چادر جو تہبند پہنا ہوا تھا، اس کا کفن دیا گیا اور وہ اتنی چھوٹی تھی اگر سر ڈھانپتے تو قدم ننگا ہو جاتا، قدم ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ بالآخر سر کو ڈھانپ کے قدم پر گھاس ڈالا گیا۔ یہ صورتحال صحابہ کرام کے اندر موجود تھی۔ صحابہ کرام سے فرمایا

! تم وہ حالت یاد کرو جب وہ زندگی آئے گی کہ صبح اور سوٹ پہنیں گے، شام کو اور سوٹ پہنیں گے اور ساتھ ہی فرمایا:

وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ أُخْرٰى

اس وقت میرے صحابہ ایک ایک کھجور تمہارے حصے میں آتی ہے اور وہ بھی کبھی کبھی۔

وہ وقت بھی یاد کرو جس وقت تمہارے دستر خوان پر ایک پلیٹ رکھی جائے گی اور دوسری اٹھالی جائے گی، یعنی اتنے زیادہ کھانے ہوں گے، پہلے ایک لگایا جائے گا پھر دوسرا لگایا جائے گا۔

وہ دستر خوان کا انداز جو رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا تھا کہ ایک قسم کی ڈشیں رکھی جائیں گی، اس طرح کئی کھانے ہوں گے اور اس انداز میں میری امت پر ایک خوشحالی اور ترقی بھی آجائے گی اور یہ صورتحال میری امت کے لئے پیدا ہو جائے گی۔ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا:

سَتَرْتُمْ بُيُوتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ

اور تم اپنے گھروں پر یوں کپڑے چڑھاؤ گے جیسے کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے

یہ جو تم دروازں کے آگے یا کھڑکیوں کے آگے پردے لگے ہوئے دیکھتے ہو، یہ ساری ہمارے نبی ﷺ کی خبر کی صداقت ہے جو آپ ﷺ نے دی تھیں کہ ایسا ہوگا، لباس اور کھانے ہوں گے اور دیواروں پر کپڑے لٹکا دیئے جائیں گے، جس طرح کعبہ کے اوپر غلاف لٹکایا جاتا ہے۔ اس وقت صحابہ کرام کو نظر نہیں آتا تھا کہ ایسا

بھی ہو جائے گا مگر یقین سب کو تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ خبر بچی دیتے ہیں۔

لہٰذا سب نے اس بات کو مان لیا کہ ایسا انقلاب آجائے گا، ہمارے اندر ایسی تبدیلی آجائے گی اور امت کے اندر ایسا وقت آئے گا جب یہ صورت حال ہوگی جب کھانے ایسے ہوں گے اور لباس ایسا ہوگا۔

• پھر اس کا جائزہ لیا گیا کہ پھر اچھے کون ہوں گے۔

اس وقت ہم اچھے ہونگے یا اس وقت کے لوگ اچھے ہوں گے۔ اس وقت جو ہمیں کھجور ملتی ہے۔ اس وقت ہم اچھے ہیں یا اس وقت ہماری شان زیادہ ہوگی جس وقت ہمیں کھانے پہ کھانا ملے گا۔ صحابہ کرام بیٹھے ہیں، سید عالم ﷺ سے انہوں نے کہا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا الْيَوْمَ

یا رسول اللہ ﷺ کیا اس وقت کی حالت ہماری آج کی حالت سے بہتر ہوگی جو تبدیلی آئے گی یہ خیر بھی ہوگی یا نہیں۔

جس وقت انہوں نے سوال کیا اور ساتھ اپنی رائے ظاہر کر دی اور بڑی اچھی رائے تھی اس میں دینی نقطہ نظر تھا، کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ یہ تو ہوگا، ہمارے پاس جب کھانے ہوں گے، پیسے ہوں گے۔

نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ

• ہم عبادت کیلئے فارغ ہونگے۔

اس وقت ہم جی بھر کے عبادت کریں گے۔

ہمیں معاش کی کوئی فکر نہیں ہوگی اور ہمارے پاس فارغ وقت نکل آئے گا۔

وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ

اہل وعیال کے اخراجات میں ہمیں کفایت کی جائے گی۔

اور پھر ہمارے لئے مشقتیں نہیں ہوگی اور ہمارے کندھے تھکے ہوئے نہیں ہوں گے اور ہماری ٹانگیں تھکاوٹ والی نہیں ہوں گی۔ ہم اچھے قیام کریں گے، صحیح سجدے کریں گے۔

کیا اس وقت کی ہماری حالت بہتر ہوگی یا آج جو ہماری حالت ہے یہ ہمارے لئے بہتر ہے۔ محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْكُمْ يَوْمَئِذٍ مشکوٰۃ شریف: ص: ۴۵۹

نہیں! تم آج اس وقت سے بہتر ہو۔

اس وقت کی حالت بہتر نہیں آج جو محمد عربی ﷺ کے قدموں میں ٹکڑے کھاتے ہو یہ حالت بہتر ہے۔

اس وقت کی حالت تمہاری یا تمہارے بعد کی قیامت تک آنے والی امت کی جن کے دن کے تین قسم کے بالکل جدا کھانے ہوں گے، اور ہر کھانے میں کئی کئی ڈشیں ہوں گی اور کپڑوں کا کوئی انداز شمار میں نہ آنے والا ہوگا۔

فرمایا: میرے صحابہ تم اس وقت سے بہتر ہو، آج جو تمہاری حالت ہے یہ خیر کے لحاظ سے تمہاری ریکارڈ حالت ہے، یہ ترقی ہے یہ میری ملت کا مرتبہ ہے اور یہ مرتبہ ہے۔

میری قوم کا یہاں سے پتہ چل گیا کہ آج ہم ترقی بہتری اور خیر کے لحاظ سے جو گفتگو کریں یا تو اس حدیث شریف کو سامنے رکھنا چاہیے۔ وہ بندہ جس کا بینک میں

ایک پیسہ بھی نہ ہو مگر اس کا دل نورِ ایمان سے بھرا ہوا ہو، اس سے بڑا کوئی مالدار نہیں ہے اور جس کے پیسوں سے بینک بھرے ہوئے ہوں اور اس کا دل ایمان کی چاشنی سے خالی ہو اس سے بڑا کوئی بھوکا نہیں ہے، اس سے بڑا کوئی نادار نہیں ہے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انداز سمجھا دیا ہے کہ کبھی تم بہک نہ جانا اور کبھی تنزل کو ترقی نہ کہہ دینا۔ اصل میں دنیا کے آنے کا ایک پہلو اچھا بھی ہے مگر پھر بھی اچھائی دین کے اس رنگ میں ہے جو رنگ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے صحابہ کرام کو عطا فرمایا تھا۔

اس گفتگو کے ساتھ جو انفرادی اور اجتماعی حالتوں میں تبدیلی آنے والی تھی اس کا میں نے ذکر کر دیا۔ پہلی حدیث انفرادی حالت کے لحاظ سے ہے اور دوسری حدیث اجتماعی حالت کے لحاظ سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے ایسے انسان ہوا کرتے تھے کہ ایک ایک محلے میں سو سو ولی ہوتا تھا۔ یہ اس وقت مسلمانوں کی society تھی یعنی ولایت کا فقدان نہیں تھا۔ تقویٰ اور پرہیز گاری کو کہیں ڈھونڈنا نہیں پڑتا تھا کہ چلو سفر کر کے کسی متقی کو ڈھونڈیں اور اس کی زیارت کریں، وہاں گھر گھر میں تقوے کے باغ تھے اور ہر وقت روحانیت کے پھول کھلتے تھے، پوری society مسلم امہ کا یہ منظر پیش کرتی تھی۔ اس تقوے کے گلشن میں خزاں آگئی اور پھر اجڑ گیا، یہ سلسلہ ختم ہوتا گیا۔

ایک تو بندہ اپنے لحاظ سے تغیر کو سمجھتا ہے اور ایک اجتماعیت کے لحاظ سے پوری قوم میں تغیر موجود ہے تو اس تغیر کو اس تنزل کو تنزل ماننا حقیقت کے معترف ہونے کا انداز ہے چونکہ جو کبھی مانے گا نہیں، وہ بہتری سوچ نہیں سکے گا۔

ہر کس کہ نداند وبداند کہ بداند

درجہل مرکب ابدالدہر بماند

جس بندے کو آتا کچھ نہ ہو، پڑھا ہوا کوئی نہ ہو اور سمجھے کہ میں پڑھا ہوا ہوں، وہ قیامت تک بھی نہیں پڑھ سکتا۔ اور جس کو آتا نہ ہو لیکن جانتا ہو اور مانے کہ مجھے نہیں آتا، اس کو دوسرے دن بھی آسکتا ہے۔

جس کو کچھ نہ آتا ہو سمجھے کہ مجھے آتا ہے، اس کی ڈبل جہالت ہے کہ ایک تو آتا نہیں، دوسرا نہ آنے کا بھی پتہ نہیں، اس کی جہالت زیادہ ہے اور جس کو کوئی علم آتا تو نہ ہو لیکن مانے کہ مجھے نہیں آتا اس کی جہالت سنگل ہے، وہ ختم ہو سکتی ہے۔

اس واسطے حقیقی ترقی پانے کے لئے پہلے ہمیں تنزل ماننا پڑے گا کہ واقعی تنزل آیا ہوا ہے اس تنزل کو مان کے اس ترقی والے گھاٹ سے پانی پئیں گے جہاں سے حضرات ابو بکر و عمر و عثمان و علی اور طلحہ و زبیر اور سعد و سعید اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم، ان لوگوں نے پیا تھا، ادھر سے پئیں گے، وہ چشمہ آج بھی خشک نہیں ہے۔ جب وہ چشمہ خشک نہیں ہے، پینے والوں کو جام ضرور ملیں گے پھر وہ ترقی بھی آسکتی ہے۔

اب ایک صورتحال ہمارے **Current Affair** کے لحاظ سے ہے کہ جس میں ہمیں ان حالات کو سامنے رکھنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ ہم کیا تھے اور ہمیں کیا ہو گیا، کتنی بلندی تھی اور ہمارا رتبہ کیا تھا، ہم ہوتے کون تھے، ہمارا مقام کتنا اونچا تھا اور کس انداز سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سردار بنایا تھا۔

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

آخر ہم کتنے اونچے تھے، ہم گرے ہیں تو کہاں آگئے ہیں، اب صورتحال دیکھو:

اسلامی دنیا میں ایک ابتلاء اور آزمائش ہے، World Help نامی ایک تنظیم امریکہ میں فنڈ اکٹھا کر رہی ہے، وہ عیسائیوں کی تنظیم ہے اور اس نے فنڈ اکٹھا کرنا شروع کیا ہے اور اس نے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے اس کے سرورق عراق کی تصویر ہے، عراق کی تصویر کے ساتھ لکھا ہے "IRAQ PROJECT" وہ تنظیم امریکی عیسائیوں سے فنڈ اکٹھا کر رہی ہے اور انہوں نے اپنے مقاصد لکھے ہیں کہ ہمارے اہداف کیا ہیں، اس نے کہا کہ ہم انجیل چھاپ کر عراق میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور وہاں پر ایک Million انجیل کی ضرورت ہے، وہاں پر ہم اپنی عبادت گاہیں بنانا چاہتے ہیں، اتنے گرجے بنانا چاہتے ہیں، ہم وہاں پر اپنی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اور یہ نیٹ ورک انہوں نے صرف عراق ہی میں نہیں بلکہ الجزائر، لیبیا، مراکش میں بھی قائم کر چکے ہیں۔

اب مسلم امہ جس وقت بین الاقوامی سطح پر سو رہی ہے، ان کی اپنی تنظیم O.I.C غیروں کی آلہ کار بنی ہوئی ہے اور اس انداز میں مسلمان تنزل میں آگئے ہیں کہ کبھی یہ ہوتا تھا کہ مسلم امہ کا ایک سپوت حفظ قرآن کر کے عیسائیوں کی وادی میں داخل ہو جاتا تھا اور پوری دھرتی میں ایمان کی بہار لے آتا تھا کہ اس کے سینے سے نکلنے والا نور ان کے دلوں کو مدینہ بنا دیتا تھا۔ اب گھر ہمارے ہیں، ملک

ہمارے ہیں اور محلے ہمارے ہیں لیکن وہاں عیسائیوں نے پنجے گاڑ لئے ہیں، یہودیوں نے اپنے پنجے گاڑ لئے ہیں۔

اب اسلامی دنیا میں channels 32 عیسائیوں کے چل رہے ہیں جو دن رات زہر اگل رہے ہیں، دن رات عیسائیت کی تبلیغ کر رہے ہیں، دن رات عیسائیت کے پراپیگنڈے ہو رہے ہیں، اب یہ وقت آن پہنچا ہے کہ ہمارے برادر اسلامی ملک افغانستان کے لئے اس سال انڈین حکومت نے چھ لاکھ ڈالر کی ایڈ اس لئے دی تھی اور اس کو معین کر کے انہوں نے کہا تھا کہ یہ چھ لاکھ ڈالر افغانستان میں میوزک اور گانے بجانے کی ترویج میں خرچ کیا جائے گا۔

اب گھر تو ہمارا ہو لیکن اس کے لئے موسیقی کا بندوبست کیا جائے اور وہ غیروں کی طرف سے، اس سے بڑی ندامت کیا ہوگی، اس سے بڑی تنزلی کیا ہوگی، وہ کہساروں کا دیس جس کو غیرت افغان کہا جاتا ہے کہ وہ جنہوں نے ہمیشہ اپنی حریت پر پہرے دیئے ہیں اور حمیت دینی کا اظہار کیا ہے۔ اب ان کے لئے انڈین حکومت نے وظائف اور سکالر شپ معین کر کے اور انکے 500 اساتذہ اور 500 طلبہ کو انڈیا میں تعلیم دی جا رہی ہے، انڈین کلچر سکھایا جا رہا ہے، انڈین ثقافت ان کو پڑھائی جا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کے چہرے تو اگرچہ رہیں مگر دماغ ہندووں والے ہو جائیں اور یہ پڑھ کے جائیں تو وہاں جا کے مزید تباہی اور بربادی پھیلانا شروع کر دیں۔

پورے خطے میں انسانیت کے لئے ایسی آزمائش اور ایسا ابتلا کا سلسلہ جاری

ہے کہ جدھر دیکھو ایسی تنظیمیں ہیں صرف World Help نامی تنظیم نہیں بلکہ ان کی بیسیوں اس قسم کی تنظیمیں ہیں اور وہ ایسے کام کر رہی ہیں اور مسلمانوں کو انہوں نے مریض بنا دیا ہے اور دوائیاں تجویز کر رہے ہیں، کوئی کہتا ہے یہ دوا استعمال کرو اور دوسرا کہتا ہے یہ استعمال کرواؤ اور مسلمان اتنا گیا گزرا ہے اس کو پتہ ہی نہیں کہ اے دنیا کے بے وقوفو! مجھے بیمار نہ کہو میں تو کائنات کی بیماریاں صحیح کرنے آیا ہوں، تم میرے دماغ کو صحیح کرنا چاہتے ہو اور تم سارے اکٹھے ہو کے میٹنگ کرتے ہو تو میرے بارے میں کہتے ہو، اس کو روشن خیال بنانا چاہئے۔ تمہیں اور کوئی اندھیرے خیال والا نظر نہیں آیا۔

تمہیں نظر آتا ہے روشن خیالی کی ضرورت ہے تو صرف مسلمان ہی کو ہے، ہمیں اپنی فکر کو اجاگر کر کے ان لوگوں کے سامنے آنکھیں میں آنکھیں ڈال کر ان کو بتانا چاہئے کہ دنیا کے بے وقوفو! اگر کسی کو روشن خیال بنانا ہے تو اسے بناؤ جس کے خیال میں اندھیرا ہے اور جس کے خیال میں طیبہ کا سویرا ہو اس کو روشن خیال بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اب دیکھئے کیا صورتحال اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے، وہ بیرونی دنیا کے جو فتنے ہیں، وہ اپنی جگہ رہے لیکن جو ہمارا ملک ہے اس میں ایسے فتنے اور ایسے ادارے بنا دیئے گئے ہیں کہ جن کا مقصد مسلمانوں کو امریکہ کی منڈی میں بیچنا ہے اور جن کا مقصد مسلمانوں کے اندر سے روح ایمان کو نکالنا ہے۔

آج ہمارے ہاں International Iqbal Institute For

Research and Dialouge جو پہلا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا اس کے لئے پچاس کروڑ ڈالر کا فنڈ اکٹھا کیا گیا کہ وہ ادارہ چلایا جائے گا، اس کا کام کیا ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو عیسائی بنائے گا، اس کا کام مسلمانوں کو یہودی بنانا ہوگا، اس کا کام مسلمانوں کے اندر سے ایمان کو نکالنا ہوگا، نکالنے کا انداز کیا ہوگا، فکر اقبال کو سامنے رکھ کے وہ اقبال جس کی تعلیمات کا ساٹھ فیصد حصہ مغرب کے خلاف ہے، یہ اس اقبال کی فکر کے کیپسول ہیں اور امریکی زہر بھر کے قوم کو دینا چاہتے ہیں، اس ساری میٹنگ کے اندر جو بکواسات کیے وہ یہ ہیں۔

''اب وقت آ گیا ہے کہ مغرب اور ہماری تہذیب ایک ہوگئی ہے، اب ہمارے بچے بھی V.C.R کھلے عام دیکھا کریں گے، اب ہمارے بچے بھی کلبوں میں جایا کریں گے'' یہ وہاں اپنی Achievement بیان کر رہے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ حاصل کر لیا ہے اور بہت کچھ آگے کریں گے، اور پھر وہاں پر جو ایک کتاب متعارف کروائی ہے، اس کتاب کا مقصد صرف طالب علموں کو خراب کرنا ہی نہیں بلکہ قوم کے اساتذہ کو بھی خراب کرنا ہے۔ وہ کتاب جس میں انہوں نے ساری گفتگو کی ہے، اس کتاب کا نام "Modern Teaching And Islamic Traditions" رکھا ہے۔ اس کتاب میں نئے انداز پڑھانے کے کہ جس سے اسلامی روایات کو مسخ کیا جائے، وہ سارے اکٹھے کیے گئے ہیں۔

پہلی کھیپ میں ڈیڑھ سو اساتذہ وہ کتاب پڑھ رہے ہیں، ڈیڑھ سو پڑھیں گے تو خاکم بدہن ڈیڑھ لاکھ یا چار پانچ لاکھ طلباء کو خراب کر دیں گے۔ اُدھر امریکہ

کے لئے ہماری یونیورسٹیوں کو اڈے بنا دیا گیا ہے، وہ قوم کہ جن کے لئے قرآن نے حرام کیا تھا کہ تم غیروں کی بات سن ہی نہیں سکتے، تم ان کے پاس بیٹھ ہی نہیں سکتے۔

اِذَا سَمِعْتُمْ آیَاتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَ یُسْتَھْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖٓ اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ النسآء: ۱۴۰

جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ انکا انکار کیا جاتا اور انکی ہنسی بنائی جاتی ہے تو اُن لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو۔

اگر تم ان کے پاس بیٹھو گے اور ان کی باتوں کا رد نہیں کر سکو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔

اس واسطے قرآن نے کہا کہ ان کے ساتھ بیٹھو ہی نہ۔ اب ان بیہودہ لوگوں کو ہماری یونیورسٹیوں میں بلوا کے لیکچر دلوائے جاتے ہیں۔ ایک طرف تو یونیورسٹیوں کا نظام سیکولر طاقتوں کو دے دیا گیا اور کالجوں کو بورڈ آف گورنرز کی شکل میں سیکولر ہاتھوں میں دے دیئے گئے ہیں اور یونیورسٹی ایکٹ میں تبدیلی کر کے ان یونیورسٹیوں کو سیکولر لوگوں کے ہاتھوں میں بیچ دیا گیا ہے۔

اب بچے ہمارے ہیں، روح ہماری ہے، مستقبل ہمارا ہے، اور نسل ہماری ہے مگر ان کو گندہ پانی دینے کے لئے امریکہ سے لوگ آتے ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ گندگی جڑوں میں آجائے گی، گندگی پھر پتوں تک پہنچ جائے گی تو یہ سارا دھندہ ہمارے ملک کے حکمران کر رہے ہیں، مغرب زدہ لوگ کر رہے ہیں اور یہ تو ہمارا کام تھا کہ ہم دنیا کے کونے کونے میں جہاں گندگی پھیل رہی تھی، ایک ایک صحابی نکلے ہیں اور صف بستہ ہو کر جہاں بھی گئے ہیں وہاں انہوں نے صفہ کا ماحول پیدا کیا ہے اور دلوں کو بھی

فکر سے سیراب کیا ہے۔

آج اس نسل کو، اس قوم کو اور اس ملت کو پانی دینے کے لئے امریکہ سے لوگ آ رہے ہیں، جس قوم نے پوری انسانیت کو خود سیراب کیا ہے، یہ تنزلی ہے، اس پر جتنا ہم روئیں، اتنا کم ہے کہ کیا ہمارا یہ مرتبہ تھا اور کیا ہماری یہ شان تھی۔ ہم تو زمانے کے معلّم تھے، ہم نے آداب جہانداری لوگوں کو سکھائے تھے اور ہم نے دنیا کی آنکھوں میں تہذیب کے سرمے لگائے تھے، لوگ ہماری لکھی ہوئی کتابیں پڑھ کے تمام سرجری کے آلات کو ان کے نقشوں پر بنا رہے ہیں۔ ہم تو دنیا کے دامن میں علم کی بھیک ڈالنے والے ہیں اور آج یہ ہے کہ ہمیں علم کا یتیم قرار دے کر اور علم کا بھوکا اور نا آشنا قرار دے کر ہمارے لئے یہ دوائیاں وہاں سے منگوائی جا رہی ہیں، اس سے بڑی اور تنزلی کیا ہو گی۔

لہٰذا اس خطرے کو بھی پوری طرح محسوس کیجئے اور سمجھئے کہ اگر آپ نے اس سلسلہ میں کوئی اپنا کردار ادا نہ کیا تو کل پھر یہ امید نہ رکھنا کہ تم جو فصل کاشت کر رہے ہو، یہاں سے تمہیں کوئی اچھا اناج ملے گا اور اچھی پیداوار مل جائے، نہیں نہیں، جیسا بیج ہوتا ہے، ویسی ہی فصل ہوتی ہے۔

آج اگر تمہارے بچوں کے اذہان کی جو سرزمین ہے اور قلب و نظر کی جو زمین ہے، اس میں تخم امریکی بویا جا رہا ہے اور تخم اسرائیلی بویا جا رہا ہے اور تخم انڈین بویا جا رہا ہے اور برطانیوں کی سوچ کا بیج تمہارے بچوں کے دماغ کی سرزمین میں اگر بویا جا رہا ہے تو کل جب بالغ ہوں گے تو پھل بھی امریکی نظر آئے گا۔

اس وقت ہاتھ ملو گے، بیٹا میرا تھا، نام اس کا میں نے محمد علی رکھا تھا، نام اس کا میں مبشر رسول رکھا تھا، نام اس کا میں نے عبدالخالق رکھا تھا مگر یہ باتیں کیسی کرتا ہے، بولتا کیسا ہے، اس کے افکار کیسے ہو گئے ہیں، یہ تو اپنی زبان سے یہودیوں کی بات کرتا ہے، اپنی زبان سے ہندوؤں کی بات کرتا ہے۔ ایسا تو ہوگا اس واسطے کہ یہی کاشت کی تھی۔ تو قبل اس کے کہ وہ وقت آئے آج یہ دھیان کرو کہ ہمارے بیٹے کہاں جاتے ہیں، کیا پڑھتے ہیں، ان کو پڑھایا کیا جاتا ہے، ان کو کیا سکھایا جا رہا ہے، ان کو دیا کیا جا رہا ہے اور کس انداز میں ان کے ذہنوں میں زہر بھرا جا رہا ہے، یہ تیس اور اکتیس مئی کو ہمارے ملک میں قومی تعلیم پالیسی کے بارے میں جو کانفرنس ہوئی تھی۔

اگر آپ اس کی رپورٹ پڑھ لیں تو آپ کو رونا آئے گا کہ وہ ملک جو کلمے کی بنیاد پر بنایا گیا تھا اس میں تعلیم کون سی دی جا رہی ہے، جس کے اندر ملک کا گورنر کہتا ہے کہ ہم پوسٹ گریجویٹ کے اندر میوزک کو بحیثیت نصاب رکھیں گے، جہاں پر پرائمری کلاسز میں Sex کی تعلیم دی جا رہی ہے، اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو کیسے ہماری قوم بچ سکے گی۔ اور کیسے ہم اچھے مستقبل کی امید رکھ سکیں گے۔

ہم کہتے کیا ہیں کہ ساون ہے، بچہ یہودی بن رہا ہو کہتے ہیں کہ بڑا دانشور بن رہا ہے، اور پڑھ کے نکلے گا تو زمانے میں انقلاب لائے گا، بچے کے دل کے اندر امریکی چور چھپا ہوا ہے اور تم سمجھے سو کہ اس نے بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔

اگر اپنے بچے کے ناشتے کا خیال کرتے ہو تو خدارا اس کے نظریے کا بھی خیال کرو، اگر ناشتہ کمزور پسند نہیں تو نظریہ کمزور کیوں پسند ہے، اگر اپنے بچے کے لئے

فلٹرڈ پانی چاہتے ہوتو اس کیلئے فلٹرڈ کہانی بھی چاہیے۔ اگر اس کا جسمانی لباس اچھا چاہتے ہوتو انکا ایمانی لباس بھی اچھا چاہیے۔

یہ صورتحال جو تنزل کی مسلسل ہمارے اندر آگئی ہے اور ہمیں اس کا ادراک نہیں ہورہا کہ ہمارا نقصان کتنا ہورہا ہے کتنا ہوچکا ہے اور کتنا ہونے والا ہے، یہ صورتحال روشن کرنے اور واضح کرنے کے لئے کسی بھول میں نہ رہنا، باطل پوری طرح اپنے دانت تیز کر کے ہمیں ختم کرنے کے لئے میدان میں آچکا ہے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو

تمہاری داستاں تک نہ رہے گی داستانوں میں

اب بیداری کا وقت ہے، بیدار ہو کے اس کا مشاہدہ کیا جائے، بالخصوص جو ہماری یونیورسٹیز کا شعبہ ہے، اس میں جو کچھ اچھا پڑھایا جاتا ہے، وہ ٹھیک ہے لیکن یہ بات علامہ اقبال کی ضرور ذہن میں رکھنا، پھر بھی ایک ان کی سازش ہے، اچھی چیز کیساتھ جو ہمیں کلچر دیتے ہیں، اب ایک ہے انگلش پڑھنا اور ایک ہے انگریز بننا، ان دونوں باتوں میں فرق ہے، انگلش بولنا اور چیز ہے مگر قلب ونظر سے انگریز بن جانا، یہ اور بات ہے۔

ہم انگلش کے خلاف نہیں ہیں، ہم سائنس کے خلاف نہیں، ہم ٹیکنالوجی کی تعلیم کے خلاف نہیں، ان تمام Fields میں ریسرچ کے خلاف نہیں ہیں۔ ہم انگلش کے خلاف نہیں، ہم تو انگریز بننے کے خلاف ہیں اور تم یہ سوچ لو کہ جو انگلش پڑھ رہے ہیں، ان میں سے کتنے ہیں جن کو انگلش تو آئے لیکن وہ انگریز نہ بن

جائیں، اگر ساتھ ساتھ انگریز بھی بن جائے تو پھر اس انگلش کا ہمیں فائدہ کیا ہوگا۔ ہاں اگر ان کے پیچھے کنٹرول تمہارے ہاتھوں میں ہے، اپنے بچوں کے ذہن کی روزانہ تلاشی لو، روزانہ سمجھاؤ اور روزانہ دیکھو کہ کہیں بگاڑ تو پیدا نہیں ہورہا پھر سلسلہ صحیح چلتا جائے گا اور اگر تم نے تلاشی لینا چھوڑ دی، تیسرے چوتھے دن کوئی چور ان کو لوٹ کے لے جائے گا۔

اس واسطے یہ جو ہمارے لئے پورا سلسلہ ہے، تعلیم کا جواز تو ہے مگر امتحان اس کا والدین کے لئے بڑا لازم ہے اور بالخصوص بزرگوں کے زیر سایہ ان بچوں کے ٹیسٹ کروانے چاہیے، ان کے ذہن کے فکری ٹیسٹ، ان کی سوچ کے ٹیسٹ، ان کے خرد اور شعور کے ٹیسٹ، ان کے ایمان اور ایقان کے ٹیسٹ تا کہ پتہ چلتا رہے کہ یہ ابھی تک ہمارا ہے، غیروں کا آلہ کار نہیں بنا، اقبال کہتے ہیں: غیروں کا ایجنڈا ہے۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر

مومن کی خودی بہت مضبوط تھی جو نہ ہتھوڑوں سے ٹوٹنے والی تھی اور نہ تلواروں سے کٹنے والی تھی تو غیروں نے کہا کہ

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر

اب یہ تمہارے سامنے ڈٹ جاتا ہے کہ میں نہیں کرنے دوں گا، میں جان دے دوں گا، میں خون بہاؤں گا، اپنا ایمان بچاؤں گا، یہ جوان کی خودی سر اٹھاتی ہے

اور یہ بولتا ہے، اس کو یوں ختم کرو کہ اس کو ذرا تعلیم کے تیزاب میں ڈالو، جس وقت مغربی تعلیم کا پروردہ بنے گا تو پھر افرنگی دو کانوں کا کھلونا بن جائے گا، پھر اس میں فولادی پاور نہیں ہوگی پھر جب وہ ملائم ہو جائے تو جدھر چاہو ادھر پھیرلو۔

پہلے یہ ڈٹ جاتا تھا، عزت بے عزتی کا مسئلہ اور موت وحیات کا مسئلہ بنالیتا تھا، اب وہ باتیں ساری ہو رہی ہیں اور مسلمان اٹھتا نہیں ہے، تو پتہ چلا کہ وہ تعلیم کے تیزاب میں خودی کو ڈال کے اس کو بالکل یوں بنا دیا گیا ہے کہ اب اپنی حیثیت ہی کھو چکا ہے۔

تاثیر میں اکسیر سے یہ بڑھ کے ہے تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

اس تعلیم میں جو مغرب کا تیزاب ہے اس میں تاثیر اتنی گندی ہے کہ یوں سمجھو جیسے سونے کا ہمالہ پہاڑ ہو اس کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا جائے اتنی تبدیلی کہ سونے کا پہاڑ مٹی کا ڈھیر بن جائے۔ یہ کس بنیاد پر ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ گندے نصاب تعلیم کی وجہ سے ہے، برے نصاب تعلیم کی وجہ سے ہے۔

اب پہلے تو کوئی کسر نہیں تھی اب جو آغا خان بورڈ اور بالخصوص ہماری وزارت تعلیم کے وزیر تجہیل بولتے ہیں تو کہتے ہیں اب ہمیں خوشی ہے کہ ہم نے ملاؤں سے اپنا نصاب تعلیم آزاد کر لیا ہے، اب ہمارے نصاب تعلیم میں انڈیا پہ تنقید نہیں ہے، اب ہمارا نصاب تعلیم جو ہے، وہ گندھارا سے چلا ہے اور ہمارا کلچر وہاں سے آیا ہے ایسی ساری باتیں جو کی جارہی ہیں، یہ اس ملت کیلئے زہر ہے، جو کہ ہر

طرف پھیلا جا رہا ہے۔

ادھر والدین خوش ہیں کہ ہمارے بچے بڑے تعلیم یافتہ ہو رہے ہیں، روزانہ پڑھنے جاتے ہیں، روزانہ پڑھ کے آتے ہیں، ماں کی آنکھ بھی ٹھنڈی ہے، باپ کا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہے اور بیچاروں کو پتہ نہیں کہ ہم تو بیٹا بیچ رہے ہیں، ہم نے بیٹا غیروں کے آگے بیچ دیا ہے، ہم نے فروخت کر دیا ہے، یہ ہمارا نہیں رہے گا، دس سال کے بعد یہ غیروں کا بن جائے گا ان کی بولی بولے گا۔ اس وقت اپنی امی اور ابو کو کہے گا، تمہیں کیا پتہ کہ زمانہ کیا ہوتا ہے اور جدت کیا ہوتی ہے اور زمانے کے کیا حالات ہیں، تم پرانے لوگ ہو تمہیں کوئی حیثیات کا پتہ ہی نہیں، اس وقت اپنے والدین کا منہ بھی بند کرنے کی کوشش کرے گا، قبل اس کے کہ وہ وقت آئے، آج یہ سوچنا چاہیے کہ کہاں سے دھواں اٹھ رہا ہے اور کہاں کہاں لوگوں نے ساون بنا رکھا ہے۔

بالخصوص ایک شعبہ جو پورا اس سلسلے کا ہے جو ہے دھواں اور لوگ ساون سمجھتے ہیں، وہ ہیں بدعقیدگی کے اڈے اور بدعقیدگی کے وہ کیمپ جہاں تمہارے بچوں کے عقیدے گندے کیے جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور رسول اکرم ﷺ کی گستاخی کے نقش جو ہیں وہ سبق دیے جاتے ہیں۔

تم سمجھتے ہو بیٹا حفظ قرآن کرنے گیا ہے اور تم سمجھتے ہو کہ بیٹا درس قرآن سننے گیا ہے لیکن جب بیٹا پلٹتا ہے اور عمر گزرتی ہے، تو وہ کہتا ہے ابا جی تم تو ساری عمر مشرک ہی رہے تم اللہ کے ولیوں کے درباروں پر کیوں جاتے ہو، یہ گیارھویں شریف کیوں کرواتے ہو، یہ ختم شریف کہاں سے آیا ہے، یہ میلاد شریف تو بدعتی

لوگوں کا کام ہے، اب اس وقت باپ کی ٹانگیں قبر میں ہیں اور کانپتا ہے کہ میں نے تو سب کچھ کھو دیا ہے، اب میرا بیٹا تو میرے لئے دعا بھی نہیں کرے گا، یہ تو آج ہی مجھے مشرک کہہ رہا ہے تو کل قبر میں میرے ساتھ کیا کرے گا۔ یہ میرے لئے کیا کرسکتا ہے، یہ جو آج دھواں ہے اس کو بھی دھواں سمجھو، یہاں بھی ساون نہیں ہے، اصل میں دھواں ہے جس کی وجہ سے دنیا میں بھی، قبر میں بھی دھواں آسکتا ہے۔

اس واسطے کہ ہر وہ اڈہ کہ جہاں پر فکر قرآن اور فکر حدیث اور عقیدہ الوہیت ومنصبِ رسالت کے خلاف حملے ہو رہے ہیں، اپنے بچوں اور اپنی اولاد کو وہاں نہ بھیجو۔

اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ پڑھ کے سلامت نکل آئیں گے، قرآن تو قرآن ہے نا، صرف قرآن پڑھنا، قرآن تو ایک ہے، انہیں سوچنا چاہیے۔

مولانا روم نے کہا تھا:

بارش ایک ہے آسمان سے برستی ہے لیکن طریقے دو ہیں، ایک ڈریکٹ آتی ہے اور ایک چھت پر برستی ہے اور چھت سے نیچے آتی ہے۔

کہتے ہیں:

آب باراں باغ صد رنگ آورد

آب ناؤداں همسایه درجنگ آورد

وہ جو ڈائریکٹ آتی ہے وہ جہاں برسی ہے وہاں پہ پھول کھلے ہیں، گلشن آباد ہوا ہے اور جو چھت پر برسی ہے وہ پرنالے کی شکل میں نیچے آئی ہے۔

تو کیا ہوا، کہتے ہیں:

پڑوسی سے ہی جھگڑا ہو گیا۔

پرنالے سے جو نیچے آیا اس سے جھگڑ ہو گیا اور جو ڈائریکٹ برسی ہے، اس کے قطرے صدف میں گریں تو ہیرے بنتے ہیں اور پھول بنتے ہیں اور جو چھت پر برسی ہے تو جتنی اس پر گندگی ہوتی ہے وہ اس میں شامل ہو جاتی ہے۔

اب پرنالے سے پانی وہی اتر رہا ہے، جو آسمان سے آیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں مگر چھت گندی تھی تو کپڑے بھی گندے، ایک ایک قطرے سے بدن بھی گندہ، اب کیا ہوا بارش تھی، مگر سبب گندگی کا بن گئی، بارش تھی مگر سبب پلیدی کا بن گئی۔ انسان کے لئے جینا مشکل ہو گیا۔

اس واسطے سمجھو قرآن بارش ہے مگر ڈریکٹ جو ابر کرم ماہ مدینہ سے ہو کر آرہا ہے، اس سے دل میں پھول کھلتے ہیں اور اگر یہی قرآن کسی اس اڈے سے ملتا ہے جہاں گندے عقیدے کی چھتیں لگی ہوئی ہیں، وہاں جب بارش برسے گی تو چھت کی گندگی ضرور مل جائے گی، قرآن کے پاک ہونے کا انکار نہیں ہے، قرآن قرآن ہے لیکن جس وقت ساتھ یہ گندگی آئے گی تو پھر:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا

پھر گمراہی بھی آسکتی ہے اور یقیناً ایسا ہو رہا ہے۔ اس واسطے یہ صورتحال جو نشیمن کے دھواں کی ہے، اس کو بھی سامنے رکھنا چاہئے اور اپنے اندر اصلاح کی صورتحال اس انداز کی رکھنی چاہئے، جب اللہ کا وعدہ ہے کہ تم اگر اپنے دل نہیں بدلو گے تو میری رحمت کی بارش بھی نہیں بدلے گی تم بدلتے ہو تو پھر میری طرف سے بھی

فیصلے بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر کہیں ہمارے اندر کمی آ گئی ہے تو ہم نئے سرے سے اپنے دل سیدھے کرلیں اور یہ نورانی ماحول برکات کے مہینے میں ہمارے لئے دوبارہ پھر مستقل رحمتوں کا نزول شروع ہو جائے گا۔

اصل میں مدار بندے کی نیت پر ہے، نیت اچھی ہو تو کام سنور جاتے ہیں، نیت خراب ہو تو سب کچھ خراب ہو جاتا ہے، امام رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

'نوشیروان شکار کے لئے نکلا اور اپنی سلطنت سے کافی دور چلا گیا۔ اسکو پیاس محسوس ہوئی، ایک باغ میں داخل ہوا، وہاں ایک بچہ نگرانی کر رہا تھا، نوشیرواں کہنے لگا:

أَعْطِنِي رُمَّانَةً وَّاحِدَةً

مجھے ایک انار دو۔

بچے نے توڑا، بادشاہ کو دیا، اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ بادشاہ ہے، اس نے پانی نچوڑا تو بہت سا پانی دانتوں سے نکلا، بڑا لذیذ پانی تھا، نوشیرواں وہ پی گیا۔

فوراً اس کے دل میں خیال آیا کہ میں بادشاہ ہوں، ایسا باغ تو میرا ہونا چاہیے، یہ غریب بندے نے کیوں رکھا ہوا ہے۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کرلیا کہ ابھی واپس جاؤں گا اور آرڈر بھیجوں گا کہ یہ باغ تمہارا نہیں بلکہ میرا ہے، اتنے میں پھر پیاس محسوس ہوئی تو پھر کہنے لگا:

أَعْطِنِي رُمَّانَةً

مجھے ایک اور انار دو۔

بچے نے توڑ کے دیا، اس نے نچوڑا تو بالکل تھوڑا سا پانی نکلا اور وہ بھی بڑا کڑوا۔ اب بادشاہ حیران ہوگیا کہ اسی باغ سے ابھی اتنا لذیذ پانی تھا اور کثیر پانی تھا، اب بالکل خشک ہوگیا۔ اور وہ بھی کڑوا ہوگیا ہے۔

بادشاہ بڑے تعجب سے بچے سے پوچھا کہ اتنی جلدی تبدیلی آگئی، یہی درخت ہے اور اسی کا انار تھا، اسی سائز کا تھا اور پانی پہلے تو بہت تھا اب کم ہوگیا، اس کی وجہ کیا ہے؟

وہ بچہ جو بظاہر ایک باغ کا مالی تھا لیکن حقیقت میں وہ اللہ کی رحمت کا ایک مالی تھا، ولی تھا، اس نے فوراً یہ کہا:

لَعَلَّ مَلِكَ الْبَلَدِ عَزَمَ عَلَى الظُّلْمِ

شاید اس ملک کے بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کیا ہے۔

اگر اس انار میں اسی انار کے سائز کا ہوتے ہوئے پانی کم ہوگیا ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس ملک کے بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کیا ہے جس کی وجہ سے برکت اٹھ گئی ہے۔

اب دیکھو سائز وہی رہتا ہے، برکت کیسے ختم ہوتی ہے، انار کا سائز وہی ہے، مگر برکت ختم ہوگئی۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا کہ بچہ بڑا بیدار مغز ہے، اس نے تو میرے دل کی بات سمجھ لی ہے، اس نے ٹیسٹ کرنا چاہا، اس نے فوراً توبہ کرلی۔

اس نے کہا میرے دل میں پکا ارادہ ہے کہ میں یہ باغ نہیں لوں گا، کہنے لگا:

أَعْطِنِي رُمَّانَةً أُخْرَى

اب مجھے ایک اور انار دو۔

بچے نے توڑ کر دیا، جب اس نے انار کو نچوڑا تو پھر بہت سا پانی نکلا اور میٹھا

بھی تھا، بادشاہ کہنے لگا، اب دیکھو بچے! بہت سا پانی نکلا ہے اور میٹھا بھی ہے۔ یہ کیوں ایسا ہو گیا؟

تو اس نے جواب دیا کہ مجھے لگتا ہے کہ اس بادشاہ نے اپنے دل میں توبہ کر لی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے برکتیں بحال کر دی ہیں۔

اصل میں جب بندے کے دل کی حالت تبدیل ہوتی ہے، ادھر رحمت کی بدلی بھی آ جاتی ہے، جوں جوں یہ بدلتا جاتا ہے، اللہ کی رحمتیں شامل ہو جاتی ہیں،

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاح قلب کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر

7

دخترانِ اسلام کے لیے آئیڈیل کردار

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَامُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ
اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰنِسَاءَ النَّبِىِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ
فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِىُّ الْكَرِيْمُ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخر موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیر جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامی بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین سامعین وناظرین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراطِ مستقیم کے زیرِ اہتمام فہمِ دین کورس کے سولھویں پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

دختران اسلام کے لئے آئیڈیل کردار

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

یقیناً خواتین سوسائٹی کا اہم رکن ہیں اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان کے لئے باقاعدہ قرآن مجید میں احکامات نازل فرمائے ہیں۔ سید عالم ﷺ نے خواتین کیلئے اپنے فرامین میں ہدایات کا ایک جامع نصاب فراہم فرمایا ہے بلکہ صحابیات کے تقاضے پر رسول اکرم ﷺ نے ان کے لئے خصوصی درس کا اہتمام بھی متعدد بار فرمایا تھا۔

ماں کی گود سب سے پہلی درسگاہ

اس حقیقت کا کوئی انسان انکار نہیں کرسکتا کہ ایک خاتون خانہ کی اصلاح سے پورے گھر کی اصلاح ہوتی ہے اور گھر کی اصلاح سے قوم کی اصلاح ہوتی ہے، بلکہ عرب کے ایک بہت بڑے مفکر کہتے ہیں:

اَلْاُمُّ مَدْرَسَۃٌ اِذَا ھَذَّبْتَھَا
اَعْدَدْتَّ شَعْبًا طَیِّبَ الْاَعْرَاقِ

ماں ایک مدرسہ ہے اور ماں ایک درس گاہ ہے

اِذَا ھَذَّبْتَھَا

اگر آپ ماں کو مہذب بنادیں، ماں کی اصلاح کردیں تو کیا ہوگا۔

اَعْدَدْتَّ شَعْبًا طَیِّبَ الْاَعْرَاقِ

تو آپ ایک پاکیزہ قوم تیار کرلیں گے۔

اس واسطے یقیناً اس میں خواتین کا بڑا اہم کردار ہے اور اس کردار کی اسی نہج پر تعمیر کی ضرورت ہے جو رب ذوالجلال کو پسند ہے اور جس کی تعلیمات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے عام فرمائی ہیں۔

موجودہ حالات میں عورت کی تعلیم پر زور تو ہر طرف سے دیا جارہا ہے مگر یہ بھی ایک لمحہ فکریہ ہے کہ وہ کونسی تعلیم ہے کہ جس سے عورت کا عورت ہونا محفوظ رہتا ہے اور وہ کونسی تعلیم ہے کہ جس سے عورت اپنے نام سے ہی محروم ہوجاتی ہے۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اس علم کو ارباب نظر موت

یعنی جو علم پڑھنے سے عورت عورت ہی نہ رہے تو اس علم کو علم نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو موت کہا جاتا ہے۔ عورت کے لئے علم وہ علم ہے کہ جس کو پڑھ لینے کے بعد اس

کا کردار محفوظ ہوتا ہے اور رب ذوالجلال کی طرف سے جو اس کو نام دیا گیا ہے، اس نام کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔

آج ہمارے لئے یہ سعادت افزاء لمحات ہیں کہ ہم قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں اور رسول اکرم ﷺ کے شائستہ اور شستہ افکار کی روشنی میں نسل نو کے لئے اس پیغام کو عام کر رہے ہیں کہ حقیقی کردار ایک خاتون کا کیا ہونا چاہئے اور اس کو رب ذوالجلال نے کتنی زیادہ عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔

ازواج مطہرات کی زندگی ایک آئیڈیل کردار

قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۲ میں خالق کائنات جل جلالہ کا فرمان ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ

اے رسول اکرم ﷺ کی ازواج تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو

اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

اگر تم تقویٰ اختیار کرو

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

اور بات میں تم نرمی پیدا نہ کرو

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ

وہ بندہ جس کے دل میں بیماری ہے، لالچ کر سکتا ہے۔

یعنی بات کرتے وقت کہ جب کوئی آدمی چیز لینے کیلئے آتا ہے تو پردے سے

تم نے ان کو چیز دینی ہے اور ایک اجنبی کیلئے گفتگو میں لہجہ سخت ہونا چاہیے

وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً

اور تم کہو اچھی بات

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے سینہ پاک پر قرآن کو نازل کیا ہے اور آپ کے کاشانہ کی عظمت کے پیش نظر جو آپ کے گھر میں آپ کی ازواج ہیں، رب ذوالجلال نے ان سے direct گفتگو کی ہے۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ

وحی تو نبی اکرم ﷺ پہ نازل ہوئی لیکن گفتگو آپ کی ازواج سے کی اور ان کو یہ احساس دلایا کہ تمہارا مقام و مرتبہ محبوب ﷺ کی نسبت کی وجہ سے عام عورتوں جیسا نہیں ہے، تمہارا خاص مرتبہ ہے اور تمہارا خاص مقام ہے اور اس مقام کے پیش نظر تمہیں عظیم کردار کی ضرورت ہے۔ بولتے وقت آواز کے لہجے میں بھی وہ ادا ہونی چاہئے کہ جس سے پتہ چلے کہ کاشانہ نبوت سے کسی بات کا جواب آرہا ہے۔ تاکہ قیامت تک کے لئے تمہاری بیٹیاں جو تمہیں امہات المومنین کہیں گی، انکو ایک سبق ملے کہ سید عالم ﷺ کے عقد نکاح میں جو ازواج آئی تھیں، جن کی تربیت رب ذوالجلال نے کی ہے، ان کا جو کردار ہے وہ ہمارے لئے آئیڈیل کردار ہے۔ ان کا جو چال چلن کا طریقہ ہے وہ ہمارے لئے واضح طور پر زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا ایمان کامل، ایک آئیڈیل کردار

اللہ تعالیٰ نے سورۃ التحریم کی آیت نمبر ۱۱، ۱۲ میں ارشاد فرمایا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے۔

اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنا

وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ

اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے

وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے

فرعون کا گھر فرعون کی وجہ سے نحوستوں والا تھا مگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہاں جو گھر والی تھی۔ اس کو رحمتوں کا محور بنایا تھا۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بطور مثال جن کے جن دو خواتین کا ذکر کیا، وہ ایک حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا ہیں، دوسری حضرت مریم رضی اللہ عنہا ہیں۔

دونوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے بڑے عجیب انداز میں کیا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا تو فرعون نے آپ پر بڑا تشدد کیا، جلالین میں ہے کہ

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو لٹا کر دونوں قدموں پر اور دونوں ہاتھوں پر میخ لگا دیئے جاتے تھے۔ اس کے بعد سینے کے اوپر پتھر رکھ دیئے جاتے تھے اور پھر ان کو دھوپ میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ان کا دل حق کی گواہی دیتا تھا، وہ زبان

سے اللہ کی توحید کا تذکرہ کرتی تھیں اور بار بار اس کا اقرار کرتی تھیں۔

اب اتنے تشدد کے باوجود انہوں نے رب ذوالجلال کا ذکر نہیں چھوڑا، اللہ کی توحید کو نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے ان کے کردار کو ایک آئیڈیل کردار بنا کے قرآن مجید میں پیش کیا کہ جس طرح انہوں نے قربانی دی ہے، وہ بہت بڑی قربانی ہے۔

اگر وہ دنیا کو دیکھتی تو ان کو پتہ تھا کہ اگر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھوں گی تو فرعون مجھے نہیں چھوڑے گا بلکہ الٹا مجھ پر وہ تشدد کرے گا اور ایسا ہوا بھی مگر انہوں نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی اور قیامت تک کے لئے انہوں نے حق پرست خواتین کو یہ سبق دیا ہے کہ تم کبھی بھی دنیا کی چمک، دنیا کی آرائش اور دنیا کے کسی فائدے کے لئے حق کی طرف پیٹھ نہ کرنا بلکہ دنیا عارضی ہے اور اس کا مختصر سا وقت ہے، اگر تم مختصر وقت جدوجہد میں، کوشش میں، ابتلاء اور آزمائش میں صبر سے گزارلوگی تو اللہ تعالیٰ تمہیں دائمی سہولتیں عطا فرمائے گا۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو یوں دھوپ میں جب رکھا جاتا تھا۔

فَكَانَتْ إِذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مَنْ وُكِّلَ بِهَا

جب پہرہ دار پیچھے ہٹتے تھے فرعون نے ملازم رکھے ہوئے تھے، جن کی ڈیوٹی تھی کہ تم نے پہرہ دینا ہے کہ کہیں کوئی میخ اکھڑ نہ جائے اور کہیں اس کے سینے سے پتھر ہٹ نہ جائے یا کہیں اس کو کوئی سایہ فراہم نہ کرے، لیکن جونہی وہ لوگ پیچھے ہٹتے تھے تو یہ رب ذوالجلال کی طرف سے اعزاز تھا

اَظَلَّتْهَا الْمَلَائِكَةُ   جلالین: ص:۴۶۶

فرشتے آ کے اس پر سایہ کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ شان دی تھی اور ان کے کردار کو قرآن مجید میں قیامت تک مضبوط اعصاب والی عورتوں کے لئے بیان کر دیا کہ عورت اگرچہ صنف نازک ہے مگر جب اس میں حق جلوہ گر ہوتا ہے تو پھر فولاد سے بھی مضبوط ہو جاتی ہے، پھر اس کو کوئی چیز شکست نہیں دے سکتی اور کوئی تشدد اس کو راہ حق سے پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔

یہ جرأتمند خاتون ہے جو شیطان کی راہوں سے نکل کے آزاد ہو کے رحمان کے جلوے اور عشق میں یوں آباد ہو جاتی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو اللہ کی محبت سے پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی، ایک آئیڈیل کردار

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا

اور مریم بنت عمران جنہوں نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی

فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا

ہم نے ان میں اپنی روح پھونکی

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ

اور انہوں نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتب کی تصدیق کی

وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ

اور وہ خاتون اللہ کے مطیع بندوں میں سے شمار ہوئی

حالانکہ وہ مونث ہے تو قانتات کا بظاہر لفظ استعمال ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ قانتین تو مردوں کے لئے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، قانتین میں سے تھیں۔ حالانکہ ایک عورت کا شمار عورتوں میں ہوتا ہے۔ اگر مُسلمہ ہے تو کہا جائے کہ یہ مسلمات میں سے ہے۔ مومنہ ہے تو یہ مومنات میں سے ہے۔ صالحہ ہے تو صالحات میں سے ہے تو جب وہ قانتہ تھیں تو بظاہر چاہیے تھا کہ کہا جاتا

وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتَاتِ

وہ قانتات میں سے تھیں۔

یعنی اللہ کی جو مطیع عورتیں ہیں، ان میں سے تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ

وہ قانتین میں سے تھی۔

یعنی وہ کمالات جو کہ مرد بندگی کر کے حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس خاتون کو وہ کردار عطا فرما دیا ہے۔ کہ ہے تو یہ عورت لیکن بندگی کے لحاظ سے مردوں میں شمار ہوتی ہے۔ یعنی انہوں نے بندگی میں اتنی کمائی کر لی ہے اور اس انداز میں رب ذوالجلال کو راضی کیا ہے کہ وہ اونچے اونچے مرتبے جو مردوں کو بڑی جدوجہد اور مجاہدہ کے بعد حاصل ہوتے ہیں، یہ خاتون ہو کے اس بلند مرتبے پر فائز ہو چکی ہے۔

قرآن مجید سے اس موضوع کے مختصر سے پس منظر کے بعد اب تعلیمات نبوی کے لحاظ سے جو عورت کے لئے آئیڈیل کردار ہے وہ سننے کے قابل

ہے۔ بالخصوص اس لئے بھی کہ سید عالم ﷺ نے پہلے عورت کی عظمت کو اجاگر کیا اور پھر ساتھ اس کی ڈیوٹی اور اس کے جو کام ہیں، ان کی بھی وضاحت فرمائی ہے۔

بیٹی رحمت خداوندی کا پیکر

وہ معاشرہ جہاں بچیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا اور جہاں عورتوں کو ایک بالکل الگ تھلگ مخلوق شمار کیا جاتا تھا، اس ماحول کے اندر میرے محبوب ﷺ کا یہ جملہ کتنا عظیم جملہ تھا۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان کشف الغمہ میں موجود ہے۔

وَكَانَ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَكْرَهُوْا الْبَنَاتِ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! اپنی بچیوں سے کبھی نفرت نہ کیا کرو۔

اگر گھر میں بچی پیدا ہو جائے تو اس سے نفرت نہ کرو، اس سے بیزاری کا اظہار نہ کرو۔ کیوں؟ فرمایا:

فَاِنَّهُنَّ الْمُؤْنِسَاتُ الْغَالِيَاتُ

کشف الغمہ: جلد۲،۱:۲۸۰

یہ بچیاں اپنے باپ سے بڑا انس کرتی ہیں۔

فالیات کا معنٰی ہے کہ یہ اپنے باپ کی جوئیں نکالتی ہیں، حالانکہ باپ کو جوئیں پڑی ہوئی نہیں مگر ایک خاص تعلق جو بیٹی کا باپ کے ساتھ ہے، باپ لیٹا ہوا ہے، بیٹی چھوٹی عمر میں دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے باپ کے بالوں میں کھجلی کرنا شروع کردی، جیسے جوئیں تلاش کر رہی ہے، اس وقت جو ایک باپ کے لئے رحمت

کا سماں ہوتا ہے اور جو بچی اپنی طرف سے باپ کو انس فراہم کر رہی ہے، یہ انس ایک مخصوص انس ہے جو اسے کہیں سے بھی میسر نہیں آسکتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان کو رحمت کی علامتیں بنایا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایسا انس دیا ہے، اتنا مقدس انس اور مقدس محبت کہ جس کی تجھے مثال نہیں ملے گی۔ تم اپنی بچیوں سے نفرت نہ کیا کرو بلکہ بچیوں سے پیار کیا کرو، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں تمہارے لئے انس کے کتنے سمندر پیدا فرما دیئے ہیں۔

امور خانہ داری میں قریش کی عورتوں کا آئیڈیل کردار

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ احساس دینے کے بعد جو عورت کا سب سے بڑا کام ہے اس کی وضاحت کی کہ عورت کے کام امور خانہ کے ہیں، یہاں تک کہ بخاری شریف کی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۷۶۰ پر ہے کہ

قریش کی عورتیں جو کلمہ پڑھ چکی تھیں جب وہ مکہ شریف سے مدینہ شریف پہنچیں تو ان کے معمولات بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیے گئے ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ سب سے اچھی قریش کی عورتیں ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَحْنَاہُ عَلٰی وَلَدٍ فِیْ صِغَرِہٖ

جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اس سے بہت پیار کرتی ہیں

ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو جتنا یہ بچے سے پیار کرتی ہیں، اتنا دوسری مائیں پیار نہیں کرتیں۔

قریش کی عورتیں اس لئے افضل ہیں کہ اپنے بچے کے ساتھ حالت صغر اور بچپن میں جس طرح کا یہ پیار کرتی ہیں اور جتنی یہ شفقت اپنے بچوں کو دیتی ہیں، اتنی شفقت دوسرے علاقوں، دوسری قوموں اور دوسرے قبائل کی مائیں اپنے بچوں کو نہیں دیتیں۔ پھر یہاں تک فرمایا:

وَاَرْعَاهُ عَلٰی زَوْجٍ فِیْ ذَاتِ یَدِہٖ

بخاری شریف: ۷۶۰/۲

جتنا یہ اپنے شوہر کے مال کا خیال رکھتی ہیں اتنا دوسری عورتیں اپنے شوہر کا خیال نہیں رکھتیں۔

آپ ﷺ نے ان کی افضلیت کی دو وجہ بیان کر دیں۔

ایک ہے اولاد کا خیال اور ایک ہے شوہر کے مال کا خیال۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریش کی عورتوں کا یہ مقام ہے اور یہ ان کی افضلیت ہے۔

اگرچہ دیگر عورتیں بھی اپنے بچوں سے پیار کرتی ہیں اور اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہیں لیکن اس سلسلہ میں جو پہلا نمبر ہے، وہ قریش کی خواتین کا ہے۔ وہ اپنے زوج کے مال کی حفاظت کرتی ہیں زوج کی عزت کی بھی حفاظت کرتی ہیں اور اسکی نسل کی طہارت کی بھی حفاظت کرتی ہیں۔ اس بنیاد پر سید عالم نور مجسم ﷺ نے خواتین کو جو کردار دیا ہے ان میں سے پہلا کردار وہ ہے کہ جس کا تعلق گھرانے کے

ساتھ ہے فیملی کے ساتھ ہے، شوہر کے گھر کے ساتھ ہے، شوہر کی اولاد کے ساتھ ہے اور شوہر کے رشتہ داروں کے آداب کے لحاظ سے ہے۔ اس کو میرے محبوب ﷺ نے صرف خانہ داری نہیں کہا بلکہ اس کو دینداری بنا دیا ہے کہ جس وقت شریعت مطہرہ کی روشنی میں ایک خاتون یہ کام کرے گی تو کوئی نہ کہے کہ یہ محض گھریلو خاتون ہے۔ اصل میں یہی خاتون ہے جو نسل نو کی حفاظت کر رہی ہے، ان کے نیکیوں کے گلشن پر پہرہ دے رہی ہے۔

دوسری حدیث شریف

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اِمْرَأَةٍ اَطَاعَتْ وَاَدَّتْ حَقَّ زَوْجِهَا

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر عورت جو اپنے زوج کی اطاعت کرتی ہے، اس کا کہنا مانتی ہے اور اس کا حق پورا کرتی ہے۔

وَتَذْكُرُ حَسَنَاتِهٖ

اور اپنے خاوند کی صفتیں بیان کرتی ہے، اس کی خوبیاں بیان کرتی ہے۔
یعنی اپنی سہیلیوں کے سامنے یا کہیں ایسا موقع ہو، اسکو بیان کرتی ہے۔

وَلَا تَخُوْنُهٗ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ

اس کے مال میں وہ خیانت نہیں کرتی اور اس کی ذات میں بھی خیانت نہیں کرتی۔
ذات میں خیانت کا تعلق کردار کے ساتھ ہے یعنی یہ اپنا کردار ستھرا رکھتی ہے اور اس کے مال کی بھی حفاظت کرتی ہے تو اس عورت کو کیا ملے گا۔
یاد رکھنا یہ وہ فیصلے ہیں جو عرش کے فیصلے ہیں اور میرے نبی اکرم ﷺ کی

زبان نے بیان کیے ہیں، کل جنت میں پہنچتے پھر جا کے پتہ چلتا تو عورتیں ہاتھ ملتی رہتی کہ کاش ہمیں دنیا میں پتہ چل جاتا تو ہم اس کی مستحق بن جاتیں۔ گھر کے کام میں ہمارے لئے اتنا بڑا فائدہ تھا اور اپنے شوہر کی خدمت میں اتنی فضیلت تھی۔

میرے محبوب ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں:

جس نے اپنے شوہر کو حق دیا ہے، اس کی اطاعت کی ہے اور یہ باتیں اس میں موجود رہی ہیں۔ اس نے اپنے شوہر سے خیانت نہیں کی۔

تو کیا ہوگا؟

كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الشُّهَدَاءِ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ

جامع الاحادیث ۳/۲۱۹

جنت میں اس کے اور شہداء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق رہ جائے گا۔

آپ دیکھیں کہ شہید کا مقام کتنا اونچا ہے، اس نے اسلام کے لئے اپنی جان دی ہے اور اس کو دائمی زندگی مل گئی ہے۔ شہید کا جنت میں بڑا اونچا محل ہے اور جنت میں بہت اونچی شان ہے۔ یہ عورت جو اپنے گھر بیٹھی اپنے گھر پہ پہرہ دے رہی ہے۔ خاوند کی عزت اور اپنی عزت پر پہرہ دے رہی ہے۔ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کر رہی ہے۔ اس کو سید عالم ﷺ نے آئیڈیل کردار ہی نہیں دیا بلکہ اس کے کردار کی عظمت کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔ فرمایا:

اگر وہ خدمت کرے گی، وہ محروم نہیں ہے، اس کو اتنا کچھ ملے گا کہ جنت میں اس کے اور شہیدوں کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق رہ جائے گا۔

اور رسول اکرم ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا:

اَنَا وَامْرَاَۃٌ سَفْعَاءُ الْخَدَیْنِ کَھَاتَیْنِ فِیْ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

مشکوۃ: ح ۴۹۷۸

میں اور وہ عورت جو اپنے بچوں کی دیکھ بال میں میلی کچیلی رہتی ہے، اسکو اپنے کپڑے دھونے کا وقت بھی نہیں ملتا اور اسکو اپنی زیب و زینت کا وقت ہی نہیں ملتا، اس کی اولاد کمائی ہے ان کا کھانا پکاتی ہے، کپڑے دھوتی رہتی ہے۔

سفعاء الخدین کا مطلب یہ ہے کہ اس کے رخساروں کا رنگ اڑ گیا ہے۔ اپنے بچوں کی خدمت کر کر کے وہ زرد مائل ہوئی ہے۔ وہ بہت زیادہ کام کرتی ہے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں:

میں اور وہ قیامت کے دن دو انگلیوں کے ملنے کی طرح ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اتنا بلند مقام عطا فرمائے گا کہ

اب دیکھو رسول اکرم ﷺ جو کردار دے رہے ہیں اور کردار پر جو حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں، دنیا کے کسی چارٹر میں ایک خاتون کو یہ عظمت نہیں دی گئی ہے، یہ اسلام کا دامن ہے کہ جس نے ایک خاتون کو عظمتوں کے کئی آسمان عطا فرمائے ہیں۔

عظیم خواتین کا کردار

اب بطور مثال چند عظیم خواتین کا جو کردار ہے، اس کو ہم سامنے رکھتے ہیں۔ اس میں ہماری ماؤں اور بہنوں کے لئے کتنا سبق موجود ہے۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا آئیڈیل کردار

سب سے پہلے اس عظیم خاتون کا کردار جو ایک جہت میں ساری عظمتوں کی

مستحق ہیں، سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے کائنات کو جتنا بڑا تحفہ دیا ہے، اتنا بڑا تحفہ اور کوئی ماں کائنات کو نہیں دے سکی۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا کردار البدایہ والنہایہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَهِيَ يَوْمَئِذٍ سَيِّدَةُ نِسَاءِ قَوْمِهَا

جس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے شادی کا معاملہ طے ہو رہا تھا، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اس سے پہلے بھی اپنے کردار کے لحاظ سے پوری قوم کی سیدہ شمار ہوتی تھیں۔

یعنی خلق اتنا اچھا تھا اور کردار اتنا صاف تھا، صفات اتنی عمدہ تھیں اور حیا اتنی تھی کہ انہیں پیکر صدق وصفا اور حکیمۃ القوم کہا جاتا تھا یہ پوری قوم کی حکیمہ ہیں۔ یعنی پوری قوم کی حکمت ان کے پاس ہے اور پوری قوم کی دانائی ان کے پاس ہے پھر جس وقت آنکھوں نے وہ لمحہ دیکھا جب ابواء کی پہاڑی کی چوٹیاں تھیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے آخری لمحات تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ننھی سی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ تھے اور مدینہ شریف سے واپسی ہو رہی تھی۔ ابواء کی چوٹیوں پر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت قریب آ گیا، اس وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے جو جملہ بولا تھا، وہ قیامت تک کی ماؤں کے لئے ایک سونے کی شیلڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں، میں آج دنیا سے جا رہی ہوں

كُلُّ حَيٍّ مَيِّتٌ وَكُلُّ جَدِيْدٍ بَالٍ وَكُلُّ كَبِيْرٍ يَفْنٰى وَاَنَا مَيِّتَةٌ وَذِكْرِيْ بَاقٍ وَقَدْ تَرَكْتُ خَيْرًا وَوَلَدْتُ طُهْرًا البدایہ والنہایہ: ۲/ ۲۷۹

آپ فرمانے لگیں:

ہر زندہ نے فوت ہونا ہے اور ہر نئی چیز کو پرانا ہونا ہے۔ مفکرۂ کائنات اور حکیمۂ امت کی گفتگو سنئے۔

فرمایا:

ہر زندہ مر جائے گا اور ہر نئی چیز پرانی ہو جائے گی اور ہر بڑی عمر والا فنا ہو جائے گا یہ کوئی نئی بات نہیں کہ میں دنیا سے جا رہی ہوں، یہ بات کائنات کے دولہا کے ساتھ، اپنے بیٹے کے ساتھ کر رہی ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے ہیں۔

ابواء میں جن لوگوں نے قبر مبارک کی زیارت کی ہے، وہ اس بلند چوٹی کا تصور کریں، جہاں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بیٹھی یہ نصیحت کر رہی تھیں کہ میں جا رہی ہوں مگر میرے بیٹے حوصلہ رکھنا

اَنَا مَيِّتَةٌ

میں ابھی فوت ہو جاؤں گی

وَذِكْرِیْ بَاقٍ

لیکن قیامت تک میرے تذکرے ہوتے رہیں گے، قیامت تک مجھے یاد رکھا جائے گا۔ کیوں؟

قَدْ تَرَكْتُ خَيْرًا

میں ویسے نہیں جا رہی، میں دنیا کو خیر دے کے جا رہی ہوں، میں نے خیر چھوڑا ہے۔

وَوَلَدْتُ طُهْرًا

اور میں نے طہارت کو جنم دیا ہے، میں نے دنیا کو طہارت دی ہے، میں دنیا کو نفاست دے کے جارہی ہوں۔

اب حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے قیامت تک کی ماؤں کے لئے یہ پیغام دیا کہ اگر تم دنیا سے اس حال میں جاؤ کہ تم نے سوسائٹی کو کوئی نیک بیٹا دیا ہے یا کوئی نیک بیٹی عطا کی ہے تو پھر حوصلہ رکھو کہ تم مر کے بھی مر نہیں سکو گی، تمہارا نام باقی رہے گا، تمہارا کردار باقی رہے گا۔

اور اگر تم جارہی ہو، جنم تم نے کئی دیئے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو معاشرے کیلئے ابر کرم ہو یا رحمت ہو یا تھوڑی سی روشنی ہو، وہ سارے بیٹے اور بیٹیاں تمہارے نام کو بقا نہیں دے سکیں گے اور اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا نام باقی رہے تو پھر اپنی اولاد کی یوں تربیت کرو کہ تم چلی بھی جاؤ مگر تمہاری قبر پھر بھی کائنات کو خوشبو بخشتی رہے۔

تاریخ الخمیس میں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی یہ پوری تقریر موجود ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا آئیڈیل کردار

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا یہ وہ عظیم خاتون ہیں کہ جس وقت اسلام کے لئے میرے محبوب ﷺ نے قدم اٹھایا تو جو دوسرا قدم ساتھ اٹھا وہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا قدم تھا اور یہ خواتین اسلام کے لئے ایک عظمت ہے

کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب حراء سے اتر کر نیچے آئے اور آپ نے دعوت حق کا اظہار کیا سب سے پہلے اس دعوت پر جس نے لبیک کہا تھا، وہ ایک خاتون تھیں، اور سب سے پہلے اس دعوت کا جھنڈا لے کے جو نکلی، وہ اک خاتون تھیں۔

سب سے پہلے شریعت کی تنفیذ کے لئے اور اس کے اجراء کے لئے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس نے کوششیں کی ہیں وہ ایک خاتون تھیں۔ ان کے فورا بعد دوسرے مرحلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنے والے ہیں اور آگے دین کو پھیلانے والے ہیں۔

جس وقت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے بات سنی ہے اور ساتھ حوصلہ بھی فراہم کیا ہے۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی کے بعد تڑپ یہ تھی کہ ذمہ داری بہت بڑی آگئی ہے۔ اب اس کو نبھانا بھی ہے، اس کیلئے بہت زیادہ کوششیں ہیں۔ سب کچھ سامنے تھا۔ مکہ شریف سے نکلنا اور بدر میں تلواریں چلانا حنین کے معرکے، یہ ساری ذمہ داریاں پیش نظر تھیں۔

جس وقت آپ کے اپنی اہلیہ محترمہ سے یہ اظہار کیا کہ میرے ساتھ یہ معاملہ ہے اور میں یہ دیکھ رہا ہوں تو حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کہنے لگیں:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا

ہرگز نہیں، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ تجھے کبھی پریشان نہیں کرے گا۔

کیوں؟

اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔

وَتَحْمِلُ الْكَلَّ

اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہو۔

یہ پہلے دن جو شان بیان ہو رہی ہے کہ تم لوگوں کے مشکل کشا ہو، حاجت روا ہو اور جن کے بوجھ کوئی نہیں اٹھاتا، ان کے بوجھ تم اٹھاتے ہو۔

وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ

جن کو کوئی کما کے نہیں دیتا، تم ان کو کما کے دیتے ہو

وَتَقْرِي الضَّيْفَ

اور تم مہمان نوازی کرتے ہو۔

وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ

بخاری شریف: ۳/۱

اور جب بندوں پر مصیبتیں آجائیں تو مددگار تم ہوتے ہو۔

، یہ ساری صفتیں جب رب نے تمہیں دی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو غمگین نہیں کرے گا، حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کا یہ اندازہ تھا اور یہ تجزیہ تھا کہ جس رب نے اتنی بڑی نشانیں تمہیں دی ہیں، اس رب نے جو ڈیوٹی دی ہے تو تمہارا اخلق بتاتا ہے کہ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی، تم سارے امتحانات میں پاس ہو جاؤ گے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جو یہ انداز ہے اس میں ایک طرف تو خواتین کے لئے یہ سبق ہے کہ جس وقت کوئی اہم معاملہ شوہر کے ساتھ پیش آجائے تو یہ نہیں کہ وہ آگے حق کی خلاف ورزی میں نکل آئیں۔ وہ ایک نیکی کا فیصلہ کر کے آگیا ہے

اور یہ آتے ہی اس کو روکنے میں مصروف ہو جائیں، اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں یا یہ کہے کہ یہ کام ہو نہیں سکے گا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو تقریر کی ہے، اگرچہ وہ کام ایک مستقل نوعیت کا تھا، اس کام کا تصور اور کہیں ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ نبوت آسکتی ہے اور نہ کوئی ایسا اعلان کر سکتا ہے لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خواتین کو یہ سبق دیا ہے کہ جس وقت تمہارا شوہر نامدار کوئی منصوبہ بنا کے آجائے اور کام وہ اچھا ہو تو تمہارا یہ کام ہے کہ اس کی سیرت میں جو حوصلہ افزائی والی باتیں ہیں، وہ سامنے رکھو اور حوصلہ افزائی کرو اور تم اس کام کی تکمیل کے لیے اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کردار نے ایک طرف تو قیامت تک کے لئے دین حق کی جڑوں کو سیراب کرنے والا پانی عطا فرمایا ہے اور دوسری طرف آپ نے خواتین اسلام کو ایک چمکتا کردار عطا فرمایا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آئیڈیل کردار

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کردار کو جس وقت ہم دیکھتے ہیں تو ان کا کردار بڑا عظیم کردار ہے، میرے نبی ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ نِسَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِيْهِنَّ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ عِلْمُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَكْثَرَ مِنْ عِلْمِهِنَّ

طبرانی معجم الکبیر: ۱۸۴/۲۳

اس پوری امت کی عالمات کو، فاضلات کو، محدثات اور مفسرات کو،

مفکرات، مجتھدات اور فقیہات کو ایک طرف رکھ دیا جائے ان میں ازواج مطہرات بھی ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت کی پڑھی لکھی خواتین ایک طرف ہوں اور دوسری طرف اکیلی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم سب سے بھاری ہوگا۔

اتنا زیادہ اللہ نے انکو علم دیا اور ان کو اس انداز کی فقاہت دی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صحابہ کرام سے کہا تھا:

خُذُوْا شَطْرَ دِيْنِكُمْ عَنِ الْحُمَيْرَاءِ

الاسرار المرفوعہ: ۳۸۹

اے میرے صحابہ! حمیراء رضی اللہ عنہا سے آدھا دین سیکھ لینا۔

اس حدیث شریف میں آپ کو حمیراء کہا گیا ہے۔ روایت حدیث کے لحاظ سے آپ کو دیکھیں اگر چہ سارے صحابہ کا کتنا بڑا علمی مقام ہے لیکن ایک صحابی کے سوا باقی سارے صحابہ کرام میں سے جس نے زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کے باقی تمام صحابہ کرام میں سے جن کا حدیث روایت کرنے میں پہلا نمبر ہے، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ۵۳۷۴ (پانچ ہزار تین سو چوہتر) حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کے بعد دوسرا نمبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے، جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۲۱۰ (دو ہزار دو سو دس) حدیثیں روایت کی ہیں اور

ان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے درجات اور مقامات ہیں۔

روایت حدیث کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو خواتین کا کتنا بڑا حصہ ہے کہ نصف دین ان کی روایت سے ہے اور بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اتنا کثیرۃ الروایۃ ہونا، اس بات کا سبق تھا کہ اے خواتین اسلام! تمہارے لئے شروع سے باقاعدہ اشاعت دین میں حصہ ہے اور اسلام نے باقاعدہ تمہارے لئے ایک علم کا کوٹہ مختص کیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ماں کہنے والی بیٹیو!

جیسے ان کا علم تھا تم بھی وہ علم حاصل کرو، تم بھی وہ شعور حاصل کرو اور تم بھی وہ دین حاصل کرو، دین کی فقاہت حاصل کرو۔ تمہیں تفسیر، حدیث اور فقہ کے لحاظ سے ایک مقام ملنا چاہئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قیامت تک کے لئے اس قوم کی بیٹی کے لئے اور مسلم خاتون کیلئے یہ کردار واضح کر رکھا ہے کہ تم ایسی نہیں ہو کہ تمہارے لئے علم کے دروازے بند ہوں اور یہ ایک اجنبی چیز ہو بلکہ علم تمہارا ورثہ ہے تمہیں ازواج مطہرات سے ورثہ ملا ہے اور اس کو معین کیا گیا ہے۔

لہٰذا ایک دختر اسلام آج بھی اس علم کی طرف جس وقت متوجہ ہوتی ہے تو ان عظیم ماؤں کی برکت سے اللہ اس کو بھی زیورِ تعلیم عطا فرما دیتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ سے فرائض کے علم کا حصول

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اِنَّہٗ کَانَ یَحْلِفُ بِاللّٰہِ

وہ قسم اٹھا کے کہتے تھے کہ مجھے خدا کی قسم ہے۔

لَقَدْ رَأَیْتُ الْاَکَابِرَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ

یعنی میں نے رسول اکرم ﷺ کے اکابر صحابہ کو دیکھا ہے۔

یَسْأَلُوْنَ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا عَنِ الْفَرَائِضِ

وہ فرائض کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فتوی لیتے تھے۔

وہ صحابہ کرام کہ جن کی شان یہ ہے کہ

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ

مشکوۃ شریف: ۵۵۴

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی تم اقتداء کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔

صحابہ کرام جو خود ہدایت کے ستارے ہیں مگر ان کو بھی جو ہدایت عطا کرے، اس کا کتنا بڑا مقام ہے۔ اس واسطے اسلام میں عورتوں کا جو کردار ہے، وہ بہت عظیم ہے، جس نے قیامت تک کے لئے ایک راہ دی ہے کہ گھر کے کام کاج کے ساتھ ساتھ دین کا علم حاصل کرنا چاہئے اور یہ پیچھے جو ورثہ آرہا ہے، یہ آسانی کی دلیل ہے۔

یہ دین ایسا نہیں ہے کہ اس کو مرد پڑھے تو آجائے اور عورت پڑھے تو اس کو نہ آئے نہیں نہیں، پیچھے دین کا منبع جو ہے، وہاں سے نصف دین آرہا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے آرہا ہے تو پتہ چلا کہ عورت کے لئے اس میں مناسبت بھی موجود ہے اور آسانیوں کا پہلو بھی موجود ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کا کردار سخاوت کے لحاظ سے

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت کا کردار ہماری بیٹیوں کو

سامنے رکھنا چاہئے۔ آپ کے پاس حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فوراً ایک تھال منگوایا اور ان درھموں کو اس میں ڈال کر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ شام تک مکمل سارے کا سارا تقسیم کر دیا۔ آپ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔

فَلَمَّا اَمْسَتْ قَالَتْ یَاجَارِیَۃُ هَلُمِّی فِطْرِیْ

جس وقت مغرب کا وقت ہوا تو آپ نے ایک بچی سے کہا کہ افطاری کا سامان لاؤ۔

فَجَاءَتْ بِخُبْزٍ وَّزَیْتٍ

وہ بچی روٹی اور زیتون لیکر آئی

اس کے علاوہ گھر میں کچھ نہیں تھا

فَقَالَتْ لَهَا اُمُّ ذَرَّۃٍ اَمَّا اسْتَطَعْتِ مِمَّا قَسَمْتِ الْیَوْمَ اَنْ تَشْتَرِیَ لَنَا بِدِرْهَمٍ لَحْمًا نُفْطِرُ عَلَیْهِ

تو پاس بیٹھی ہوئی ام ذرہ نے کہا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا ایک لاکھ تم نے لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے، اس میں سے افطاری کے لئے گوشت ہی منگوا لیتی، کھانا بھی بنا لیتی۔

فَقَالَتْ لَهَا لَا تُعَنِّفِیْنِیْ لَوْ کُنْتِ ذَکَّرْتِنِیْ لَفَعَلْتُ

صفۃ الصفوۃ: ۲۹/۲

آپ نے ام ذرہ سے کہا مجھ سے سختی نہ برتو اگر تم اس وقت مجھے یاد دلاتی تو

میں ایسا کرتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کے انداز میں کہا، کہ تم نے مجھے اس وقت مشورہ دینا تھا، اب مجھے مشورہ دے رہی ہو۔

یعنی اس سخاوت میں بھی اتنا ان کا مقام ہے اور اس قدر ریاضت و مجاہدہ ہے، رب نے اتنا دیا ہے اور اس کو پھر رب کے راستے میں یوں دے دیا ہے کہ کچھ بھی پاس نہیں رکھا سب تقسیم کر دیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ کھلے ہاتھ انکے علم کے ساتھ ساتھ ان کے اس وصف کو بھی اجاگر کر رہے ہیں اور خواتین اسلام کے جو آئیڈیل کردار ہے اس کے لحاظ سے سخاوت والے پہلو کو اجاگر کر رہے ہیں۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آئیڈیل کردار

اب چند شعبے ہیں ان کے لحاظ سے خواتین کا ایک مستقل کوٹہ ہے اور وہ بھی آج بڑا ضروری ہے۔ خواتین اسلام کے لئے جو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کردار آئیڈیل ہے، وہ کیسا ہونا چاہئے۔ یہ ایسی بات ہے کہ انسان اس کو لے کر ساری زندگی سوچتا رہے تو کبھی بھی اس کی مٹھاس ختم نہ ہو۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے آئیڈیل کردار

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات کا جو تعلق ہے اور اس

میں جو سبق ہے، وہ بہت عمدہ ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو ہمارے محسن ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ابھی کلمہ نہیں پڑھا تھا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی سید عالم ﷺ کے عقد نکاح میں تھیں۔ جس وقت صلح حدیبیہ کی مدت پوری ہو رہی تھی تو ابوسفیان مدینہ شریف میں سیاسی دورہ پر گئے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے مدت بڑھوانا چاہتے تھے۔

چونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ مسلمان پوری تیاری کر کے مکہ شریف پہ حملہ کرنے کے لئے آ رہے ہیں اور فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب ادھر کفار کی کمر ٹوٹ چکی تھی، وہ سمجھتے تھے جتنے دن صلح چلتی ہے، چلے۔ وہ آئے تاکہ کچھ مدت بڑھائی جائے مگر نبی اکرم ﷺ نے مدت بڑھانے سے انکار کر دیا کہ جو پہلے معاہدہ تھا وہاں تک رہے گا، آگے نہیں چلے گا۔

ابوسفیان نے کہا میں آیا ہوا ہوں تو میری بیٹی یہاں ہے اس سے ملتا جاؤں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ابوسفیان آ گئے تو وہاں حجرہ مبارک میں سید عالم ﷺ کا بستر لگا ہوا تھا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ لِيَجْلِسَ عَلَى فِرَاشِ النَّبِيِّ ﷺ

جب وہ چلے کہ نبی اکرم ﷺ کے بستر پر بیٹھیں اب باپ اپنی بیٹی کے گھر میں جائے تو بستر لگا ہوا اس کو کوئی جھجک نہیں کہ وہ بستر پہ بیٹھ جائے، ابوسفیان آگے بڑھے کہ بستر پہ بیٹھوں۔

طوتہ دونہ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ نے بستر لپیٹ دیا۔

ابوسفیان حیران رہ گئے، کتنے سالوں کے بعد بیٹی کے ساتھ ملاقات ہوئی ہے اور میں بیٹھنے لگا ہوں تو بیٹی نے بستر ہی اٹھا دیا ہے۔ ابوسفیان کو دوہرا خیال آیا۔ اس نے کہا فیصلہ کروانا چاہئے کہ میری بیٹی نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ کہنے لگے:

یٰابُنَیَّةُ اَرَغِبْتِ هٰذَا الْفِرَاشَ عَنِّیْ

میری بیٹی! اس بستر کو تم نے میرے بیٹھنے کے قابل نہیں سمجھا یا مجھے اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں سمجھا۔

دونوں پہلو ہو سکتے ہیں۔ تم سمجھتی ہو کہ میرا باپ قریش کا سردار ہے اور یہ بستر اتنا اچھا نہیں ہے کہ ابا جی کو اس پر بٹھاؤں، اس لئے تم نے سائیڈ پر کر دیا ہے یا اس لئے سائیڈ پہ کیا ہے کہ یہ بستر بڑا اعالی شان ہے اور میں اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔ جس وقت ابوسفیان نے پوچھا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا جواب کتنا عجیب تھا۔

قَالَتْ بَلْ هُوَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

کہنے لگیں یہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے یہ بات نہیں کہ یہ بستر تمہارے شایانِ شان نہیں بلکہ اس بستر کے تم مستحق نہیں ہو۔ تم اس پر نہیں بیٹھ سکتے، تمہارا یہ مقام نہیں ہے کہ تم اس بستر پہ بیٹھو، مطلب یہ تھا اس پہ وہ بیٹھتے ہیں جو اللہ کے عرش پہ بھی جا کے بیٹھتے ہیں۔

بَلْ ھُوَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے۔

وَاَنْتَ اِمْرَءٌ نَجَسٌ

صفۃ الصفوۃ: ۴۶/۲۰ ازواج النبی: ص ۱۶۴

اور تم پلید بندے ہو۔اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے

اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ

سورۃ توبہ:۲۸

بیشک مشرک پلید ہیں تم سراسر پلید ہو۔کون بیٹی اپنے باپ کو یوں کہتی ہے۔ یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے دل میں بول رہا تھا۔

فرمایا:

میرے باپ تم باپ تو ہو مگر تم مشرک ہو، پلید ہو اور میں کسی مشرک کو اپنے پاک محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک بستر پہ نہیں بیٹھنے دوں گی۔

قیامت تک کے لئے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں، آج جو کہتے پھرتے ہیں کہ ان میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ان کے لئے باقاعدہ یہ سبق رکھا کہ باپ میرا ہے اور معاملہ صرف بستر پہ بیٹھنے کا ہے، آگے تو کوئی بات نہیں ہے مگر میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ جس بستر پر میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھیں، اس بستر کو عام بستروں جیسا سمجھا جائے۔نہیں بلکہ اس بستر کی بھی کوئی مثال نہیں ہے۔

اگر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو بیٹھنے بھی نہیں دیا اور منہ پہ

ان کو پلید کہا، کافر و مشرک کہا اور بستر کی عظمت کو بیان کیا، تو انہوں نے قیامت تک کے لئے اپنی بیٹیوں کو یہ پیغام دے دیا کہ جس پیغمبر کے بستر کی مثال کوئی نہ ہو، اس پیغمبر کے سر کی مثال کیسے ہو سکتی ہے۔

یہ عشق رسول ﷺ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دیا ہے اور یہ خواتین اسلام کیلئے آئیڈیل کردار ہے۔ اگر آج بھی کوئی بیٹی سمجھتی ہے کہ اس کا باپ نبی اکرم ﷺ کی توہین کرتا ہے اور گستاخی کرتا ہے، تو اس بنیاد پر محبوب ﷺ کے عشق کو نبھاتے ہوئے اسکو یہ اعلان کرنا چاہیے کہ وہ محبوب ﷺ جس بستر پہ بیٹھ جائیں ہیں، رب ذوالجلال تو اس بستر کو بھی بے مثال بنا دیتا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ بھی اثر کر گیا اور بالآخر وہ وقت ہیں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی کلمہ اسلام نصیب ہوا یا وہ بھی مومن ہو گئے، اس سے پتہ چلا کہ ایمان کوئی کچی لسی کا نام نہیں ہے کہ کافر باپ آجائے یا کافر ماں آجائے، اس کے ساتھ ہو جائے، نہیں نہیں، اسلام نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیا ہے۔

محمد ہیں متاع عالم ایجاد سے پیارے
پدر مادر برادر جان و مال اولاد سے پیارے

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ثابت کیا ابا جی اگر تم عاشق رسول ﷺ ہو تو پھر عزت والے ابا جی ہو اور اگر تم میرے محبوب ﷺ کو نہیں مانتے تو میں تجھے مشرک کہوں گی، پلید کہوں گی اور کبھی بھی اپنے محبوب ﷺ کے بستر پہ نہیں بیٹھنے دوں گی۔

عشق رسول ﷺ میں انصاری عورت کا کردار

عشق رسول ﷺ کا مزید آئیڈیل کردار دیکھئے۔

جب احد کی جنگ ہوئی تو مدینہ شریف میں ایک بڑی ناخوشگوار سی خبر آئی۔ وہ محبوب ﷺ کی شہادت کی خبر تھی یہ سنتے ہی ایک انصاری عورت گھر سے نکلتی ہے اس کو اس سلسلے میں بڑی تشویش ہے، سامنے سے ایک دستہ آرہا ہے، اس سے پوچھتی ہے۔

مَافَعِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

محبوب ﷺ کا حال کیا ہے؟

افواہ کے لفظ نہیں بولتی، آپ کا حال پوچھتی ہے کہ حال کیا ہے، تو کہنے لگے:

قُتِلَ اَخُوْكِ

تمہارا تو بھائی شہید ہو گیا۔

اب یہ پوچھتی نہیں ہے کہ بھائی کہاں شہید ہوا، لاشہ کہاں پڑا ہے اور کس انداز میں ہے، آگے جاتی ہے، پھر ایک وفد آتا ہے، ان سے پوچھتی ہے

مَافَعِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

اللہ کے محبوب ﷺ کا کیا حال ہے؟

وہ کہتے ہیں:

قُتِلَ اَبُوْكِ

تمہارا تو والد بھی شہید ہو گیا۔

اب یہ صنف نازک ہے، دو تیر غم کے چبھ گئے ہیں، مگر پھر بھی رکی نہیں، آگے جاتی ہے، اب ان کے بارے میں نہیں پوچھتی بلکہ پھر بھی یہ ہی پوچھتی ہے:

مَافَعِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

مجھے یہ بتاؤ میرے رسول ﷺ کا کیا حال ہے؟

تو آگے سے خبر ملتی ہے

قُتِلَ زَوْجُكِ

تمہارا تو خاوند بھی شہید ہو گیا۔

اب تین شہادتوں کی خبر مل گئی۔

اُصِيبَ زَوْجُهَا وَاَخُوهَا وَاَبُوهَا

باپ بھی، بھائی بھی اور زوج بھی سارے شہید ہو گئے۔

یہی عورت کے سہارے ہوتے ہیں، اس کے سارے سہارے ختم ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی ابھی شکست نہیں کھائی، کہتی ہے مجھے یہ بتاؤ:

مَافَعِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ

میرے محبوب ﷺ کا کیا حال ہے؟

صحابہ کرام نے کہا:

هُوَ بِحَمْدِ اللّٰهِ كَمَا تُحِبِّينَ

وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں، جیسے تم چاہتی ہو، ویسے ہی ہیں۔ اللہ کے فضل سے بالکل درست ہیں اور ٹھیک ہیں۔

کہنے لگی:

اَرُونِيهِ حَتّٰى اَنْظُرَ اِلَيْهِ

مجھے ایک بار دکھاؤ تب مجھے چین آئے گا،

جبکہ یقین ہے کہ صحابہ کرام سچ بولتے ہیں۔ مگر کہنے لگی مجھے دکھاؤ۔

جس وقت نبی اکرم ﷺ کا چمکتا ہوا چہرہ دیکھا تو کہتی ہے:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلْ

عیون الاثر: ۲/۴۳

تمہارے دم سے ہے آباد میرا گلشن ہستی
جو تم ہو تو خزاؤں کا کوئی خطرہ نہیں مجھ کو

یارسول اللہ ﷺ میرا سہارا میرا خاوند نہیں، میرا سہارا میرا باپ نہیں، میرا سہارا میرے بھائی نہیں، میرا دونوں جہاں میں سہارا تم ہو اور اگر تم صحیح ہو تو مجھے کونسا غم پریشان کرسکتا ہے۔

اس خاتون کا عشق دیکھو، اس انداز میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے وہ ساری شہادتوں کے غم ایک طرف اور محبوب ﷺ کے ٹھیک ٹھاک ہونے والی خوشی سارے غموں پہ غالب آ گئی ہے۔

اس طرح کا عجیب منظر حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں۔

مدینہ شریف میں رات کا وقت تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کو گشت کر رہے ہیں

فَرَأَى مِصْبَاحًا فِي بَيْتٍ

آپ نے ایک گھر میں چراغ جلتے ہوئے دیکھا۔

آپ کو تجسس ہوا کہ رات کا آخری پہر ہے اور گھر میں چراغ کیوں جل رہا ہے

فَرَأَى عَجُوْزًا تَنْفُشُ صُوْفًا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بڑھیا کو دیکھا وہ بیٹھ کے اون کات رہی تھی مدینہ شریف کا پر کیف نظر ہے، ایک نہایت بوڑھی خاتون چرخہ کاتتے کاتتے نعت شریف پڑھ رہی ہے اور اس کا بڑا عجیب انداز ہے۔ کہتی ہے:

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃُ الْاَبْرَارِ ﷺ

ہمارے محبوب ﷺ پر نیک لوگوں کا درود ہو۔

صَلّٰی عَلَیْہِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَارُ

یہ وہ محبوب ہیں کہ جن پر ہر پاک بندہ ہی درود پڑھتا ہے۔

ہر اچھا بندہ ہمارے محبوب ﷺ پہ درود پڑھتا ہے۔ دوسرے شعر میں محبوب ﷺ کو تصور میں سامنے رکھ کے کہنے لگی:

قَدْ کُنْتَ قَوَّامًا بَکَّاءً بِالْاَسْحَارِ

میرے پیارے محبوب ﷺ تمہاری ساری رات قیام میں گزر جاتی تھی اور تم سحر کے وقت روتے تھے، امت کے لئے آنسو بہاتے تھے۔

یَالَیْتَ شِعْرِیْ وَالْمَنَایَا اَطْوَارُ

مجھے پتہ نہیں ہے موت کے اسباب کئی ہوتے ہیں کہ موت کب آتی ہے کس سبب سے آتی ہے، مجھے معلوم نہیں ہے۔

رو رو کے کہتی ہے۔

هَلْ یَجْمَعُنِیْ وَحَبِیْبِیَ الدَّارُ

کیا جنت مجھے اور میرے محبوب ﷺ کو اکٹھا کرے گی۔

کیا جنت کا انتظار کرنا پڑے گا۔اتنی دیر تک میں تڑپتی رہوں گی، مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ میری اپنے محبوب ﷺ سے ملاقات کیسے ہوگی، کیا مروں گی تو مرنے کا پتہ نہیں، وقت معین ہے، کب جاملوں گی۔ رو رہی ہے، رات کا آخری پہر ہے اور وہ چرخہ کات رہی ہے۔

جس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے گلی میں کھڑے ہو کے سنا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے اور روتے روتے دروازے پہ دستک دی آپ نے جب دروازہ کھٹکھٹایا:

فَقَالَتْ مَنْ هٰذَا؟

اس نے کہا دروازہ پر کون ہے؟

فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابُ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں عمر بن خطاب ہوں۔

میں بھی اندر آنا چاہتا ہوں، کہنے لگی:

مَالِیْ وَلِعُمَرَ فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ؟

عمر کو میرے ساتھ اس وقت کیا کام ہے۔

میری نعت میں تو نے خلل ڈالا ہے، عمر دروازہ کیوں کھٹکھٹاتا ہے، یہ آخری وقت ہے، میں اپنے محبوب ﷺ سے بات کر رہی ہوں

مَالِیْ وَلِعُمَرَ

عمر کون ہوتا ہے میرا دروازہ کھٹکھٹانے والا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی اس نعت میں شریک ہونا چاہتا ہوں، دروازہ کھولو تو سہی۔

فَقَالَ اِفْتَحِیْ یَرْحَمُكِ اللّٰہُ فَلَا بَاْسَ

آپ نے کہا: دروازہ کھولو، اللہ تجھ پہ رحم کرے، کوئی حرج نہیں، میں امیرالمومنین ہوں۔

تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے، میں دروازہ کھولنے کے لئے کہہ رہا ہوں، جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اس بڑھیا نے دروازہ کھولا تو آپ نے فرمایا:

اَدِی الْكَلِمَاتِ الَّتِیْ قُلْتِیْهَا آنِفًا

وہی کلمات پھر پڑھو جو تم ابھی پڑھ رہی تھیں، اس نے پھر وہی پڑھنا شروع کر دیا۔

جس وقت وہ عورت پڑھتے پڑھتے

هَلْ یَجْمَعُنِیْ وَحَبِیْبِیْ الدَّارُ

پر پہنچی تو عمر کہنے لگے، اگلا مصرعہ میرے بارے میں بھی شامل کر دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے

وَعُمَرُ فَاغْفِرْ لَهٗ یَا غَفَّارُ

نسیم الریاض: ۴/۴۲۸

اے غفار عمر کو معاف کر دے، عمر کو بخش دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ رحمتوں کے نزول کا وقت ہے، اس بوڑھی صحابیہ پر عشق کا اس وقت عروج ہے۔ اس نعت میں ایک مصرعہ عمر کے بارے میں شامل ہو جائے گا تو عمر کی مغفرت ہو جائے گی۔

یہ ہیں اسلام کی مائیں اور اسلام کی خواتین۔ اور اسلام میں عشق رسول کے لحاظ سے جو خواتین کو کردار دیا گیا ہے کہ راتیں گزر رہی ہیں، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وظیفہ پڑھا جا رہا ہے اور اس انداز میں وہ خالص عشق ہے کہ انہیں کائنات کی کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہے، اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں آنکھیں بہا رہی ہیں۔

حق گوئی کے لحاظ سے آئیڈیل کردار

محتشم سامعین حضرات!

اگر یہی کردار حق گوئی کے لحاظ سے خواتین ڈھونڈنا چاہیں تو کہاں ملے گا۔

حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات موجود ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

مَارَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَصْدَقَ لَهْجَةٍ مِنْ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الَّذِيْ وَلَدَهَا

حاکم فی معرفۃ الصحابۃ: ۴۷۵۶/۳ سیر اعلام النبلاء: ۴۳۲/۳

مجھے سب سے سچا لہجہ جن کا ملا ہے، میرے مطالعہ کے مطابق وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

حضرت فاطمہ کی صداقت کی گواہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیتی

ہیں کہ ان کے بعد جن کی یہ بیٹی ہیں، پہلے اُن کا ہے پھر ان کا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ جو اصدق لہجہ ہے، اس میں امت کی بیٹیوں کے لئے سبق ہے کہ صرف ان سے محبت کافی نہیں ہے بلکہ ان کا کردار ہمیں دعوت دے رہا ہے کہ جس وقت اتنا شائستہ کردار اور اتنی صداقت ان میں ہے کہ کسی معمولی سی بات میں یہاں تک کہ بچوں کے ساتھ مذاح کرتے ہوئے بھی جھوٹ نہیں بولنا اور ہر وقت سچ بولنا ہے۔ جنہوں نے سب سے زیادہ خواتین اسلام میں یہ نام پیدا کیا ہے، ان کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہا جاتا ہے۔

پردہ کے لحاظ سے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا کردار

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے والد کی ایک لونڈی تھی، اس لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا اس بچے کے بارے میں جھگڑا تھا، کہ یہ میرا بچہ ہے اس لئے انہوں نے حضرت سعد کو وصیت کی کہ یہ بچہ تم اس سے لے لینا جب فتح مکہ ہوئی تو اس بچے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ عبد بن زمعہ کہتا تھا کہ یہ میرے باپ کی لونڈی سے پیدا ہوا ہے لہٰذا یہ میرے اباجی کا بیٹا اور میرا بھائی ہے۔ حضرت سعد کہتے تھے کہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور میرا بھتیجا ہے۔

جب یہ فیصلہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ نے قانون کے مطابق فیصلہ کیا کہ جس کی وہ لونڈی ہے بیٹا اس کا شمار ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بیٹا زمعہ کا

شمار ہوگا اور عبد کا بھائی ہوگا، لہٰذا یہ سعد بن ابی وقاص کو نہیں دیا جائے گا۔

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ جو شریعت کا فیصلہ تھا وہ تو میں نے کر دیا اس کے مطابق یہ بچہ تیرا بھائی بنتا ہے لیکن اس کی شکل عتبہ کے ساتھ ملتی ہے، اس لئے آپ نے فرمایا:

اُحْتَجِبِیْ عَنْہُ

تم پر اس سے پردہ کرنا لازم ہے۔

اگرچہ تمہارا بھائی بنا اور فیصلہ تمہارے بھائی کی شکل میں اس کا ہوا کہ تم زمعہ کی بیٹی ہو اور یہ زمعہ کا بیٹا ہے مگر اس کا چہرہ میں نے عتبہ کے ساتھ ملتا دیکھا ہے۔ اس واسطے تم پر اس سے پردہ کرنا لازم ہے۔

مَارَاٰھَا حَتّٰی لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ

بخاری شریف: ۲۷۶/۱

وفات تک حضرت سودہ نے اپنے بھائی کا منہ نہیں دیکھا۔ فرمایا:

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اس سے پردہ لازم کر دیا ہے تو میں پردہ کر کے دکھاؤں گی۔

اس لحاظ سے جہاں جہاں جن رشتوں کے لحاظ سے پردہ نہیں ہے اور جن کے لحاظ سے پردہ ہے ان بہترین شخصیات کے کردار کے اندر غیر محرم کیلئے ایک آئیڈیل کردار ہے کہ جنہوں نے خود ایسا عملاً ثبوت دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم فرما دیا، اس کے مطابق زندگی گزاری ہے اور جس کے کردار کو بھی دیکھو گے، وہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہوں، ان کا پردے کے لحاظ سے بھی بڑا اونچا مقام ہے۔

اس واسطے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے۔

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس رداء نزاہت پہ لاکھوں سلام

خاتون اسلامی اور جہاد

اس طرح پردے میں ان شخصیات اسلام نے زندگی گزاری ہے۔ ہماری بیٹیوں کو ان کا کردار اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

جوش جہاد کے لحاظ سے آج کی ماؤں اور بہنوں کو جو کردار سامنے رکھنا چاہئے، اس کا تذکرہ کتاب الاذکار میں موجود ہے۔

جویریہ بنت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں، کہتی ہیں:

تین سگے بھائی تستر کی جنگ میں شہید ہو گئے، یہ ایران کا مغربی علاقہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں وہ علاقہ فتح ہوا تھا، اس میں تین سگے بھائی شہید ہو گئے۔

جب تستر کے غازی ایک غازی سے مدینہ شریف واپسی پر ان شہدا کی والدہ نے انکا حال پوچھا تو اس غازی نے کہا۔

اِسْتُشْهِدُوْا

وہ تو شہید ہو گئے

تحت مُقْبِلِيْنَ اَوْ مُدْبِرِيْنَ

کہا آگے بڑھ کے حملہ کرتے ہوئے شہید ہوئے یا پیٹھ دے کر بھاگتے ہوئے شہید ہوئے۔

پیش قدمی کرتے ہوئے شہید ہوئے ہیں یا کافروں سے ڈر کے بھاگ رہے تھے کہ پیچھے سے تیر لگ گئے اور شہید ہو گئے تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے چچا نے کہا کہ تینوں کو سینوں میں تیر لگے اور تینوں نے آگے بڑھتے بڑھتے جام شہادت نوش کیا ہے۔

ان تین شہزادوں کی ماں نے کیا نعرہ لگایا؟

قَالَتْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

کہنے لگی، اللہ کی تعریف ہے اور اللہ کا شکر ہے

نَالُوا الْفَوْزَ وَحَاطُوا الذِّمَارَ الاذکار:۱۵۲

میرے بیٹوں نے کامیابی پالی ہے اور میرے بیٹوں نے خاندان کی عظمت و عزت بچالی ہے۔

اسلام کے بیٹے جو ہیں، بھاگ کے پشت میں تیر نہیں کھاتے، یہ سینے میں تیر کھاتے ہیں۔ یہ ایک ماں کا کلیجہ ہے، جس نے تین جگر پارے اسلام کو دیئے ہیں، وہ ایسی نہیں ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کی شہادت پہ روتی رہے اور اپنے بیٹوں کی شہادت کو مرثیہ بنا دے۔

نہیں نہیں، اس کا کردار ایسا ہے کہ تین سگے بیٹے اسلام کو دے دیئے ہیں اور پھر اللہ کا شکر بھی ادا کیا ہے کہ وہ تینوں آگے بڑھتے ہوئے راہ حق کے مسافر بن گئے ہیں۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حسین کردار کے لحاظ سے آگے پیغام پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ بالخصوص جو ہماری بہنیں سن رہی ہیں، وہ بھی آگے

پہنچائیں تو پھر وہ ایک منصب جو عورت کا ہوتا ہے، ادا ہوگا۔

حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا کی زبان کا اثر

حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا حج کرنے گئیں تھیں، واپسی پہ آرہی تھیں تو اونٹ مر گیا۔ اللہ کے ہاں ان کا مرتبہ بڑا تھا اور بہت زیادہ عبادت گزار تھیں، جب اونٹ مر گیا تو وہ کہنے لگیں:

أَهٰكَذَا فَعَلَ الْمُلُوْكُ عَبِيْدَهُمْ ضُعَفَاءَ

کیا بادشاہ اپنے کمزور غلاموں سے یوں ہی کرتے ہیں۔

لَقَدْ دَعَوْتَنِيْ اِلَى زِيَارَةِ بَيْتِكَ

تو نے خود ہی اپنے گھر کی زیارت کے لئے بلایا تھا۔ میں وہاں گئی اور واپس اپنے گھر نہیں پہنچی کہ تو نے میرا اونٹ مار دیا

مَاتَمَّتْ رَابِعَةُ كَلَامَهَا حَتّٰى عَادَتِ الْحَيٰوةُ

نساء من التاریخ: ۲۷۳

ابھی ان کے جملے پورے نہیں ہوئے تھے کہ اللہ نے اونٹ کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

جس وقت اسلام کی ایک بیٹی اپنے آپ کو اس کردار میں لے آتی ہے، جس کا تذکرہ ہم کر رہے تھے، تو اسکو بالآخر یہ مرتبہ ملتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اسکا مقام بہت بلند ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

OOOOOO

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر

8

عہدِ شباب کا اسلامی نصاب

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ

اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ

جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ، وعم نوالہ، واعظم شانہ، واتم برھانہ کی حمد وثناء اور حضور سرور کائنات، فخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیر جہاں، غمگسار زماں سید سروراں، حامیٔ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین سامعین وناظرین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراطِ مستقیم کے زیرِ اہتمام فہمِ دین کورس کے سترہویں پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

عہدِ شباب کا اسلامی نصاب

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارا یہ موضوع نہایت اہم موضوعات میں سے ہے چونکہ انسان کی زندگی ایک بہت بڑا سرمایہ ہے اور پوری زندگی میں شباب سب سے قیمتی حصہ ہے، اس کے بارے میں احکام ایزدی کو جاننا، اور شباب کے اسلامی مصرف کو پہچاننا نہایت ضروری ہے۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس پیغام کی روشنی میں اپنی زندگی کے لمحات گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

انسانی زندگی کے مراحل قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں چونکہ ہر چیز کا ذکر موجود ہے، آج کے موضوع کی مناسبت

سے میں نے سورۃ الروم کی آیت نمبر ۵۴ تلاوت کی ہے۔ خالق کائنات جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ

اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہیں کمزوری سے پیدا کیا

ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور کمزوری کے بعد تمہیں قوت عطا فرمائی

ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً

پھر اس رب نے قوت کے بعد تمہیں کمزوری دی اور بڑھاپا

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ

وہ جو چاہتا ہے، پیدا فرماتا ہے

وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ

وہ اللہ علم والا اور قدرت والا ہے

اللہ تعالیٰ نے جن صفات سے اپنا تعارف اپنے بندوں کو کروایا ہے، ان صفات میں سے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کا ذکر کیا کہ وہ کس طرح تمہیں پیدا کر کے زندگی کے مختلف مراحل سے گزارنے والا ہے۔

اس اسلوب کا مطلب یہ ہے کہ تم اگر اپنے رب کو پہچاننا چاہو تو اپنی زندگی کے مختلف مراحل کو پہچانو، یہیں سے تمہیں اپنے رب کا پتہ چلے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ضعف سے پیدا کیا۔

اس پہلے ضعف سے مراد ماءِ مہین ہے، وہ پانی کی ایک بوند اور ایک قطرہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تجھے اس کمزوری چیز سے پیدا کیا،

ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ایک اور کمزور حالت تمہیں دی اور اس کے بعد قوت دی۔

یہ عربی زبان کا قانون ہے کہ جب نکرہ کو نکرہ کر کے لوٹایا جائے تو وہ دونوں آپس میں جدا جدا ہوتے ہیں تو لفظ ضعف دوبارہ ذکر ہوا تو پہلے ضعف سے مراد پانی کا ایک بے مقدار قطرہ ہے اور دوسرے ضعف سے مراد بچپن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معمولی سی چیز سے پیدا کیا اور پھر پیدا کرنے کے بعد کچھ وقت کے لئے کمزور سا رکھا، اس کے بعد اللہ نے تمہیں قوت دی، یہاں قوت سے شباب مراد ہے، جوانی کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری طاقتوں کو عروج دیا۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً

پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوت کے بعد کمزوری دی اور بڑھاپا دیا۔

یعنی جوانی کا وقت جب گزر گیا، اس کے بعد انسانی قوتیں کمزور ہونے لگیں، پھر وہ بوڑھا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، بناتا ہے۔

اور اس کو پتہ ہے کہ کیسے ان کو بنانا ہے اور کیسے باقی رکھنا ہے۔ لہذا اس کی حکمتیں ہیں کہ اول میں بھی وہ بندے کو کمزوری کی حالت میں رکھتا ہے اور آخر میں بھی کمزور کر دیتا ہے، تاکہ اس کو پتہ چلے کہ اصل قدرتوں والی ذات اللہ کی ذات ہے اور قوتوں والی ذات اللہ کی ذات ہے، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے انسانی مراحل کو جو بیان کیا، یہ ماں کے پیٹ میں کچھ وقت جنین کی حالت میں گزارتا ہے۔

جب ولادت ہو جاتی ہے تو بلوغ تک اس کو طفل، صبی اور غلام کہا جاتا ہے، بالغ ہونے سے لے کر ایک قول کے مطابق 35 سال تک اور دوسرے قول کے مطابق 40 سال تک شباب کا زمانہ ہوتا ہے۔ چالیس سال کے بعد سنِ کہور شروع ہو جاتی ہے، وہ پچاس سال تک ہے، پچاس سال کے بعد شیخوخت اور بڑھاپا ہے جو ایسا مرحلہ ہے کہ جس میں زیادہ کمزوری آجاتی ہے۔

شباب جنون کا ایک شعلہ

اللہ تعالیٰ نے ان تمام مراحل میں انسانی زندگی کا جو ایک حصہ ہے، اس کو قوت کیساتھ تعبیر کیا اور وہ یہ ہے کہ جس کو ہم شباب اور جوانی کہہ رہے ہیں، جوانی اور شباب جنون کا ایک شعبہ ہے۔ یعنی یہ ایک قسم کا پاگل پن ہے، جس طرح پاگل کو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ میرا نفع کس میں ہے اور میرا نقصان کس میں ہے، ایسے ہی جوانی بھی اس کی مستی ہوتی ہے، بہت کم انسان ہوتے ہیں جن کو اپنے حقیقی نفع و نقصان کا پتہ ہوتا ہے، ورنہ انسان اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور اپنی قیمتی جوانی کو نہایت ادنیٰ کاموں میں ضائع کر دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اَلشَّبَابُ شُعْلَةٌ مِنَ الْجُنُوْنِ

جامع المسانید: ۲/۵۵۴

جوانی جنون کا ایک شعلہ ہے

جس طرح شعلہ بندے کو جلاتا ہے، اسی طرح یہ جنون بھی جلاتا ہے، یعنی انسانی کردار کو جلا دینے میں اس کا بہت بڑا کردار ہے، انسان بچپن میں اتنا نہیں لٹتا اور بڑھاپے میں اتنا نہیں لٹتا جتنا جوانی میں لٹتا ہے۔

یعنی اس کا جتنا نقصان علم کے لحاظ سے فکر ونظر کے لحاظ سے جوانی کے زمانہ میں (جو تھوڑا سا لٹکڑا ہے) ہوتا ہے، اتنا اور کسی زمانہ میں نہیں ہوتا، تو اس سے پتہ چلا کہ سب سے قیمتی ٹائم بھی یہی ہے اور سب سے خطرناک ٹائم بھی یہی ہے، جوانی کو جو شخص سنبھال لیتا ہے، اس نے گویا کہ پوری زندگی کو محفوظ کر لیا اور جو شخص اپنی جوانی کو بے لگام کرتا ہے تو اس نے پوری زندگی کو گویا کہ خراب کر دیا ہے، یہ شباب ہر ایک کی تمنا ہے، بچہ شباب کی تمنا کرتا ہے اور شباب میں اس کو بڑھاپا پسند نہیں ہے، شباب کے پانے کی اس وقت آرزو ہے جب شباب آ سکتا ہے مگر اس کے گزر جانے کے بعد بھی بندہ شباب کو ترستا ہے مگر کبھی بھی شباب لوٹ کے اس کے پاس نہیں آتا۔

شباب ایک خواب ہے اور ایک خیال ہے۔ شباب آتا ہے اور چلا جاتا ہے، جوانی آتی ہے، دیکھتے دیکھتے ڈھل جاتی ہے اور اس کے بعد اس کی یادوں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہتا، ایک پل، ایک لمحہ اور بڑی تیز رفتاری سے گزر جانے والی چیز

کہ جس کو پھر انسان حسرت کی یادداشتوں میں محفوظ رکھتا ہے۔ سوائے اس انسان کے جس نے اپنی جوانی کو تقوی کے سانچے میں ڈھال لیا ہو اور اس نے جوانی میں وہ کام کئے ہوں کہ قبر میں جاتے وقت بھی جب اسکو لمحہ لمحہ یاد آئے تو رب کا شکر ادا کرے کہ میں نے جوانی کو محفوظ کیا تھا اور میری جوانی اچھے کاموں میں گزر گئی تھی، اس شخص کو بوقتِ وصال جوانی کا افسوس نہیں ہوگا، یا دوہ بھی کو ے گا لیکن جس نے جوانی کی قدر نہیں کی اور اس قیمتی حصے کو بے قدری کے انداز میں گزارا ہے، یقیناً وہ افسوس کرتا ہے اور پھر اتنی تلخ یادیں اور اتنی کڑوی یادیں اس کو آتی ہیں اور ہر شخص ہی جو اس سٹیج سے گزر کے آگے چلا گیا ہے، اس وقت اس کو یہ پتہ چلتا ہے جب وہ بڑھاپے تک پہنچا تو شاہ حسین علیہ رحمۃ کہتے ہیں:

کتھے گیا تیرا سوہڑا روپا
کتھے گئی تیری حسن جوانی
کتھے گئے تیرے نال دے ہانی
کتھے گئے تیرے ترکی تازی
اوہ ویکھ تیری جنج کھلوتی

اس کو سارا گزرا ہوا زمانہ بار بار آنکھوں کے سامنے آتا ہے اور وہ اسکو خیال سمجھتا ہے اور خواب سمجھتا ہے لیکن اگر یہ لمحات اس کے سجدوں میں گزرے ہیں، قیام میں گزرے ہیں، رکوع میں گزرے ہیں، صوم وصلوٰۃ میں گزرے ہیں، تہجد و جہاد میں گزرے ہیں، تبلیغ و وعظ میں گزرے ہیں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے

اور دین متین کے احکام کے اجراء میں گزرے ہیں۔

یقیناً جب اسے یہ لمحے یاد آئیں گے تو ساتھ وہ نکھتوں کا منظر بھی یاد آئے گا تو اس کو سکون ملے گا کہ اللہ نے مجھے ایک قیمتی ٹائم عطا کیا تھا اور میں نے اس کو اس کے حقیقی مصرف میں خرچ کر کے دکھا دیا۔

جوانی قدرت کا انمول تحفہ

محتشم سامعین حضرات!

اس میں کوئی شک نہیں کہ جوانی قیمتی اوقات میں سے سب سے قیمتی وقت ہے اور جو اللہ کو قیمتی چیز دیتا ہے اس کو اجر بھی اسی لحاظ سے ملتا ہے، جتنا دو گے اتنا لو گے۔

بڑھاپے میں بھی نیکی نیکی ہے مگر اس نیکی میں وہ لطف نہیں جو جوانی کی نیکی کے اندر لطف ہے جوانی میں اصل یہ ہے کہ ایک انسان کے اندر بدی کی طاقت جوش مار رہی ہے اور ابھی عقل جوان نہیں ہوئی، عقل میں عروج عمر کے بڑھنے کے ساتھ آتا ہے۔ بندے کے اندر حیوانیت عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ گھٹتی جاتی ہے تو شباب کے زمانے میں جو حیوانیت بندے کے اندر ہے وہ پورے جوبن پر ہے اور ابھی عقل کی بہار آنے والی ہے، جوں جوں بڑھے گا، عقل مکمل ہوتی چلی جائے گی اور کامل ہوتی جائے گی تو جس بندے نے ابھرتی جوانی کو لگام دے لی اور اس کو تقوی کا پابند کر لیا اور عقل کے دائرے میں اس کو رکھا تو اس شخص نے اپنی جوانی کے قیمتی پن کا فائدہ اٹھا لیا ہے اور اس کی نیکی پر اجر اس واسطے زیادہ ملتا ہے کہ یہاں پر نیکی کو روکنے والی پاور تھی اس کے باوجود اس نے اس پاور کو مؤثر نہیں ہونے دیا بلکہ

اس کو مغلوب کیا ہے، وہ پاور کیا تھی، حیوانیت اور جو نیکی کا تقاضا کرنے والی پاور ہے، وہ عقل ہے۔ جو نیکی کا تقاضا کرتی ہے، وہ پاور کمزور ہے اور جو نیکی سے روکتی ہے، وہ پاور طاقتور ہے، لیکن اس کے باوجود اس کا کمال یہ ہے کہ اس نے کمزور عقل کو پاورفل حیوانیت پر غلبہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی کا زیادہ ریٹ لگا دیا۔

جوانی میں کی گئی نیکی کا ریٹ

ایک شخص وہ ہے جس کو مالک نے یہ کہا کہ تم یہاں سے اٹھ کے وہاں نہیں جا سکتے اور وہ اٹھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا، اب مالک کو اس کے کام کے اندر جو اس نے اطاعت کی ہے، اتنا سرور نہیں آئے گا جتنا سرور اس مزدور کے بارے میں اور اس اپنے خادم کے بارے میں اس کو آئے گا کہ جس کی ٹانگیں سلامت ہیں، جا بھی سکتا ہے، اٹھ بھی سکتا ہے اور بڑا پھرتیلا ہے مگر جب مالک نے کہا کہ تو وہاں سے نہیں اٹھنا۔ تو اس نے مالک کا کہنا مانا ہے اور آخر دم تک وہاں بیٹھا رہا ہے، جس کے اندر طاقت تھی، جو مجبور بھی کرتی تھی اتنی دیر کیسے بیٹھے رہو گے، کہ اس کے باوجود بھی وہ نہیں اٹھا تو دونوں کے اندر جو صلاحیت ہے، اس کے لحاظ سے مالک کو سرور بھی ملے گا، اگر اطاعت دونوں کی پائی گئی، جس میں جانے کی صلاحیت تھوڑی تھی، چلنے پھرنے میں تنگی محسوس کرتا تھا، وہ بھی نہیں گیا اور جو جانے کی طاقت رکھتا تھا، جس میں جانے کا جذبہ بھی تھا، وہ بھی نہیں گیا۔ دونوں نہ جانے میں برابر ہیں مگر جتنا مالک اس پہ خوش ہوگا کہ جو جا سکتا تھا اور پھر بھی نہیں گیا، اتنا اس کے بیٹھے پہ خوش نہیں ہوگا کہ جس میں نہ جانے کی صلاحیت تھی اور بجھا اس نے مالک کا حکم بھی مان لیا ہے۔

جوان اور بوڑھے کی بندگی

ایسی ہی صورتحال ایک جوان کی بندگی میں اور ایک بوڑھے کی بندگی میں ہے۔ جوان کے اندر بدی کی طاقت جوش مار رہی ہے، اس کے اندر شہوت شعلے مار رہی ہے، اس کے اندر اتنی زیادہ طاقت ہے کہ اس کو کسی بھی برے کام میں لگا سکتی ہے لیکن اس نے زندگی کو بہت اچھے انداز میں بسر کیا، پابندیاں لگادیں، اپنے آپ کو پابند کیا، دوسری طرف ایک بوڑھا آدمی ہے، اس کے اندر بدی کرنے کی یا شیطان کے ساتھ سنگت اختیار کرنے کی اتنی طاقت نہیں ہے کہ جتنی نوجوان کے اندر ہے، نہ رات کو اٹھ کے ڈاکے مار سکتا ہے، نہ اٹھ کر کہیں بدکاریوں کی طرف جا سکتا ہے۔

اب ایک جوان کے اندر ایسی ساری طاقتیں موجود تھیں لیکن اس کے باوجود جس وقت اس نے اپنی جوانی کو کنٹرول کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس نیک عمل پر اس کو زیادہ ثواب عطا فرمانے والا ہے۔

مثالیں

اس صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے چند مثالیں ذہن میں رکھئے۔

اب ایک شخص تمہیں ایک ایسی سواری دیتا ہے کہ جو اپنی عمر گزار چکی ہے اور اس کا بڑا پرانا ماڈل ہے، وہ بھی سواری ہے، دوسرا latest ماڈل ہے، وہ بھی سواری ہے۔ اب سواری ہونے میں دونوں برابر ہیں مگر جس نے Latest ماڈل والی دی ہے اس کو اور سمجھا جائے گا اور جس نے عمر گزار کے پرانی سی سواری دی ہے، اس کو اور سمجھا جائے گا۔

اب یہی صورتحال ادھر بھی دیکھیں کہ بندے نے اپنے آپ کی سواری خدا کے لئے پیش کر دی ہے، جس کا شباب ہے اس نے وہ دی ہے جو بالکل Latest ماڈل والی ہے اور اس نے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اور دوسری وہ ہے کہ جس نے پہلی زندگی پتہ نہیں کن راہوں میں گزاری ہے، اور اب آ کے اس نے کہا ٹھیک ہے میں خدا کے لئے اس کو وقف کرتا ہوں۔ فائدہ اس کا بھی ہے اور قبول وہ بھی ہو جائے گی مگر جس نے بھرپور انداز کے اندر اپنی طرف سے ایک تحفہ پیش کیا ہے، رب ذوالجلال اس کو اسی کی چاہت کے مطابق اجر عطا فرمانے والا ہے۔

زرخیز زمین میں کاشت کرنے کا فائدہ

اب اس میں کتنی وضاحت ہے، ایک زمین ہے، وہ بڑی زرخیز ہے، اس زمین کے اندر زرخیزی ہے، اب ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر اس کی زرخیزی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سب سے قیمتی فصل کاشت کر دے اور ہو سکتا ہے اس میں وہی لیلی پاپڑہ ہو، اس میں کوئی قیمتی بیج نہ بویا جائے، اب اس کی زرخیزی اپنی جگہ ہے۔

اگر اس میں گندم کاشت کی گئی تو اتنی خوبصورت گندم اگی کہ دنیا حیران رہ گئی، اتنی سرسبز شاداب اور بڑے قد کی گندم اور اتنا بڑا اس کا خوشہ اور اتنے بڑے بڑے اس کے دانے اور دوسری طرف اسی طرح کی زرخیز زمین ہے مگر کسی نے کاشت کچھ بھی نہیں کیا، اس میں کوئی ادنیٰ سی فصل ہے، اب برابر کی صلاحیت کے لحاظ سے زمین میں کوئی فرق نہیں ہے، زمینیں دونوں ایک طرح کی ہیں مگر کاشت کے لحاظ سے فرق موجود ہے۔

پرہیزگار اور فاسق نوجوان میں فرق

یہی انداز ہے ایک فاسق جوان کا اور ایک متقی اور پرہیزگار جوان کا۔ جوانی میں زرخیزی ہے، جوانی میں قوت ہے، جیسے وہ زرخیز زمین کا کام فصل کو پوری طرح پروان چڑھانا ہے اور اس کو ایک جوبن دینا ہے، آگے جس طرح کا بیج ہوگا، اس طرح کا جوبن اس کو زمین عطا کرے گی۔

لہٰذا ایک انسان جو کہ متقی اور پرہیزگار انسان ہے، اس نے اپنی جوانی میں تقویٰ کا بیج بو دیا ہے، طہارت کا بیج بو دیا ہے، تقدس کا بیج بو دیا ہے، نماز اور روزہ کا بیج بو دیا ہے، اس میں اصلاح کا بیج بو دیا ہے۔ لہٰذا جوانی والی پاور جب ملی تو فصل اگی، لوگ حیران رہ گئے، بوڑھا دس سال میں بھی اس سٹیج پر نہ پہنچ سکا، جس سٹیج پر دو سال کے اندر ایک جوان پہنچ گیا، اس واسطے کہ اس نے اپنی زرخیز زمین کو اس کام کیلئے استعمال کیا ہے اور اس نے بیج اچھا ڈالا ہے۔

اگر یہی جوان اپنی زرخیز زمین میں تقویٰ نہیں رکھتا، فسق و فجور ہے، شراب ہے، اس کے اندر بدکاری ہے، اس کے اندر ڈاکے ہیں اور اس طرح کی باتیں ہیں تو پھر اس جوانی میں تو پاور ہے اور بیج جیسا ہوگا ویسی فصل اگے گی۔ فوراً اس کے اندر ایک انقلاب آجائے گا، ایک تبدیلی آجائے گی۔

لہٰذا فاسق و فاجر کو پہچاننے کے لئے اور اس کے ساتھ متقی اور پرہیزگاری کا جو فرق ہے، اس کو جاننے کے لئے اس زمین کی زرخیزی کو سامنے رکھتے ہوئے، بیج کا جو انقلاب ہے، اس کو پیش نظر رکھو تو پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ ایک جوان بدمعاش کیسے ہوتا ہے اور ایک جوان اللہ کا ولی کیسے بن جاتا ہے۔ جس وقت ایک مومن اپنے

دل کی زمین کو پہچان جاتا ہے اور اس میں اچھا بیج ڈالتا ہے اور اچھا پانی اس کو دیتا ہے یہ وہ ہے کہ جس کو کہا جاتا ہے۔

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

جس وقت انسان اپنے شباب کی زمین کو محفوظ کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ہاں فرشتوں جیسا مقام عطا فرما دیتا ہے۔

انسان کی ظاہری اور باطنی نشو ونما اور معرفت حقیقی

اصل میں اس کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان جس وقت شکم مادر میں تھا، آنکھوں کی جگہ تھی مگر آنکھیں دیکھنے کے لائق بھی نہ تھیں۔ اگر کوئی کھولتا پھر بھی کھل نہ سکتیں۔ پہلے تو جگہ ہی نہیں تھی، پھر جگہ بنی، آنکھ اندر بن گئی، جب پیدا ہوا، آنکھ بند تھی، اس کے کچھ عرصہ بعد آنکھ کھلی مگر پھر بند ہو گئی، کچھ وقت تھا کچھ کھولتا تھا، کچھ بند کر لیتا تھا، اس کے بعد وقت آ گیا کہ آنکھیں کھولی ہیں، تو پھر کافی دیر کھلی رہتی ہیں لیکن جن کو دیکھتا ہے ان کو پہچانتا نہیں۔ ابتداء میں اس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ میری ماں ہے یا کوئی اور عورت ہے۔ پھر یہاں تک وقت آیا کہ اس کو پتہ چلنے لگا کہ یہ میری ماں ہے، یہ کوئی اور خاتون نہیں ہے، اس کو اپنی امی کا تعارف ہو گیا، اس کے اندر ایک تبدیلی آ گئی تو جس طرح ایک ظاہری آنکھ ہے، اسی طرح ایک باطن کی بھی آنکھ ہے۔

ظاہری آنکھ کھلنے کے تدریجی مراحل

جس طرح ظاہر والی آنکھ آہستہ آہستہ کھلتی ہے، ایسے ہی باطن والی آنکھ آہستہ

آہستہ کھلتی ہے۔ ظاہر کی آنکھ پہلے کھل جاتی ہے، باطن کی آنکھ بالغ ہونے کے ساتھ کھلتی ہے، جب انسان شباب کو پہنچتا ہے، اس وقت اس کی آنکھ پوری کھل جاتی ہے، اب اس سے پہلے جس طرح ظاہری آنکھ کھلی تھی، وہ بچہ جب اپنی ماں کو پہچان نہیں رہا تھا تو ماں کو بچے سے نفرت نہیں تھی کیونکہ اسے پتہ تھا کہ آج تو اس کو میرا علم نہیں ہے، کل اس کو میرا پتہ چل جائے گا، جب آنکھیں کھولتا تھا، ماں چاہتی تھی میری طرف متوجہ ہو جائے، بچہ متوجہ نہیں ہوتا تھا، ماں کو رغبت تھی، اس کو پیار تھا اور وہ جانتی ہے کہ وقت آنے والا ہے کہ یہ مجھے میٹھی نگاہوں سے دیکھے گا اور مجھے پہچانے گا کہ اس کا احسان کیا ہے۔ یہ ماں کے سامنے ایک منظر تھا، ہاں اس سے پیار کرتی رہی۔

روحانی آنکھ کے کھلنے کا وقت

بالتمثیل دوسری طرف ایک روحانی آنکھ ہے، وہ باطن کی آنکھ ہے، بالغ ہونے سے پہلے کھلتی تھی، بند ہو جاتی تھی، وہ دیکھتا تھا اور پھر بند کر لیتا تھا، پہچاننے کے قابل ہو چکا تھا، ابھی پہچان نہیں آرہی تھی، تو رب ذوالجلال اس کو دیکھ رہا تھا، فرمایا:

یہ میری طرف دیکھتا تو ہے مگر ابھی تک اس کو پتہ نہیں کہ محسن کون ہے اور غیر محسن کون ہے، جیسے وہ ماں بچے سے بیزار نہیں تھی، کیونکہ اس کو امید ہے کہ یہ ابھی دیکھے گا تو اس کو پتہ چلے گا کہ مجھے دودھ پلانے والی کون ہے، اس کو محسنہ کا پتہ چل جائے گا۔

ایسے ہی بالغ ہونے سے پہلے رب ذوالجلال اپنے بندے سے ناراض نہیں تھا، بیزار نہیں تھا، اس کو پتہ ہے کہ ابھی اسکی پوری آنکھیں نہیں کھلی، آنکھیں کھلیں

گی تو ضرور جانے گا اور جب آنکھیں کھلیں تو شباب آ گیا، شباب کے بعد نصاب شروع ہوگیا، اور بندہ مکلف ہوگیا، اس کے بعد بھی رب کو نہیں دیکھتا، یعنی اس کے دربار میں نہیں جاتا اس کا کہنا نہیں مانتا، اس کی بات نہیں سنتا، اس کے احکام کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اب خطرہ ہے کہ اللہ بے زار ہو جائے، اللہ اس سے اپنی رحمتوں کو روک لے، خالق کائنات اس سے اپنے فضل کو پیچھے ہٹا لے۔

لہٰذا شباب اس لئے حساس موڑ ہے کہ یہاں سے آگے رب ذوالجلال بندے کو امتحان میں ڈالتا ہے۔ جو پہلا مرحلہ تھا وہ تو یونہی تھا، جیسے وہ بچہ کبھی آنکھیں کھولتا تھا، کبھی بند کر لیتا تھا اور ماں اس سے ناراض نہیں تھی، وقت آئے گا تو اس کو پتہ چلے گا۔

یہ شباب اب روحانی آنکھ کھولنے کا وقت آ گیا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد بھی جو بندہ رب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی رحمتوں کو پیچھے روک لیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے گناہ کرتا تھا تو دل پر دھبہ نہیں لگتا تھا، دل ستھرا رہا۔ اگرچہ اس سے غلطی ہوگئی، لیکن دل پر کوئی اثر نہیں پڑا لیکن اگر بالغ ہونے کے بعد اس نے گناہ کیا تو دل پہ سیاہ داغ لگ گیا۔ اب پتہ چلا کہ اللہ کی رحمت پیچھے ہٹ گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کروڑوں ماؤں سے بڑھ کے اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے، اس نے توبہ کا دروازہ اس لئے کھول دیا۔ فرمایا:

تم اشک بہاؤ، یہ سیاہی اشکوں سے دور ہو جائے گی۔

شباب کی زرخیزی

اس گفتگو سے یہ بات سامنے آ گئی کہ شباب کی اہمیت کیا ہے۔

اس شباب سے جس وقت انسان آگے نکلتا ہے تو پھر اس کو یہ دیکھنا چاہئے کہ میری جوانی کے ایام کیسے گزرے ہیں، جوانی کی زمین بڑی زرخیز تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ مخالف قوت ہے وہ powerfull ہے اور جو موافق ہے، وہ کمزور ہے۔ اس کے باوجود بندہ عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اجرت دیتا ہے، کتنی دیتا ہے اتنی دیتا ہے کہ جس کا عام بندہ تصور کرنا چاہے تو تصور بھی نہیں کر سکتا قربان جائیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار رحمت پہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس بات کی تفصیل سے وضاحت فرمادی۔

متقی نوجوان کے لئے ننانوے صدیقوں کا ثواب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَیُّمَاشَابٍ نَشَاءَ عَلٰی عِبَادَةِ اللّٰهِ

وہ بندہ جو بالغ عبادت کی حالت میں ہوا ہے

اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اس نے بلوغت تک کا سفر کیا، بچپن سے ہی اللہ کے دربار سے لگا ہوا تھا، ساتھ بالغ ہوتا گیا اور بندگی بھی ساتھ ساتھ تھی اسی حالت میں وہ پروان چڑھا۔ وہ شیطان کے ہتھے نہیں چڑھا، وہ شیطان کا ہم نوالہ نہیں بنا، اس نے شیطان سے دوستی نہیں کی، ابھی امتحان شروع ہونا تھا کہ وہ پہلے ہی کمر بستہ تھا کہ کب بلوغت کی گھڑی آئے، میرا عمل جب اللہ کے دربار میں خصوصی نگاہ سے دیکھا جائیگا اس لیے میں تیار ہو کے بیٹھا ہوں، جس وقت یہ انسان اس حالت میں تھا تو کیا ہوا، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

حَتّٰی یَمُوْتَ

بالغ ہونے کی سرحد سے لے کر مرنے تک اس کی عبادت برقرار رہی ہے۔

اس کی صورت حال کیا ہوگی۔

اَعْطَاهُ اللّٰهُ اَجْرَ تِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ صِدِّيْقًا (جامع الاحادیث: ۳/ ۴۲۶)

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ننانوے صدیقوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔

ایک صدیق کی بڑی Value ہے، اس کا بڑا مرتبہ ہے، ننانوے صدیق ایک بندے کی شخصیت میں اکٹھے ہو جائیں گے، وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی کو بے لگام نہیں ہونے دیا، اس کو لگام میں رکھا اور اس کو سینما گھروں کی طرف نہیں جانے دیا، جوانی کے آغاز سے پہلے ہی اس بندے نے اپنی جوانی کو اللہ کے دربار میں مقبول اطاعت کا لباس پہنا کے پیش کر دیا ہے۔

میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں،

اللہ تعالیٰ اس کو ننانوے صدیقوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اب یہاں سے یہ بات سامنے آئی کہ جس وقت شباب اتنی قیمتی چیز ہے تو اس کا جہاں انتظار ہے، وہاں اس کے بارے میں منصوبہ بندی بھی ہونی چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شباب آجائے لیکن ہماری تیاری نہ ہو، نسلِ نَو کے لئے پیغام ہے کہ پہلے منتظر ہوں کہ شباب آرہا ہے اور اس سے پہلے میں نے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری تیاری نہ ہو، میری جوانی کا ایک دن گزر جائے یا دو دن گزر جائیں یا ایک مہینہ گزر جائے، یا ایک سال گزر جائے۔ پہلے سے وہ اپنی پوری

منصوبہ بندی کر کے رکھے اور یہ وہ نقطہ ہے جس کی طرف اس وقت آپ ﷺ نے توجہ دلائی تھی۔

جوانی قبل از پیری غنیمت

حضرت عمرو بن میمون روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک بندے کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو

یعنی ابھی تک وہ آئی نہیں ہیں، ان کے آنے سے پہلے جو تمہارے پاس آچکی ہے، اس کو غنیمت جانو اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ، پھر نہ کہنا کہ کاش اب وہ وقت دوبارہ آئے تو میں یہ کام کرلوں۔ اس لیے میرے آقا ﷺ فرمانے لگے:

شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ (مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر: ۵۱۷۴)

اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت جانو

جب بڑھاپا آجائے تو پھر کہو کاش جوانی ہوتی، ایک ہزار رکعت نوافل پڑھتا، روزانہ پانچ پارے منزل پڑھتا، تہجد کا اہتمام کرتا اور نماز پنجگانہ بھی باجماعت پڑھتا اور روزہ بھی رکھتا ساتھ جہاد بھی کرتا تو پھر یہ صرف خواب ہوگا خیال ہوگا، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، یہ کوئی کام نہیں کرسکے گا میرے محبوب ﷺ ارشاد فرمانے لگے۔

وہ بڑھاپے والا وقت دوڑتا ہوا آرہا ہے، اس نے تمہاری طرف منہ کیا ہوا ہے، تم آنکھیں بند کیے ہوئے ہو، اس نے تمہیں Focus کیا ہوا ہے، وہ دوڑ کے

تمہاری جوانی کو کھا جانا چاہتا ہے، قبل اس کہ وہ بڑھاپا آئے، تم اپنی جوانی کو اچھے کام میں لگاؤ۔

یہ شریعت کا قانون ہے کہ جب بندہ وقت پر اچھا کام کرتا ہے، بعد میں معذور بھی ہو جائے، رب ذوالجلال پہلے والے سارے عمل اس کے نامہ اعمال میں لکھتا رہتا ہے، یہ حدیث شریف میں با قاعدہ موجود ہے کہ:

ایک شخص بیماری سے پہلے نمازیں مسجد میں با جماعت پڑھتا تھا، اور پھر بیمار ہو گیا، مسجد میں نہیں جا سکتا، اسے گھر میں ہی جماعت کا ثواب ملے گا۔

اس واسطے جو بندہ یہ چاہتا ہے کہ میرا بڑھاپا جوان ہو، میرے بڑھاپے میں جوانی والی نیکیاں ہوں اور میرا بڑھاپا جوانوں والا ہو تو یہ شریعت نے اس کو گُر بتایا ہے کہ اپنی جوانی کو اسلامی جوانی بنا دو، اللہ تعالیٰ تمہارے بڑھاپے میں بھی جوانی والے نیک کام کا ثواب عطا فرما دے گا، اس واسطے جوانی اور شباب کو غنیمت جاننا چاہیے۔

اب دیکھو جس طرح رمضان المبارک کی آمد سے پہلے محبوب ﷺ نے تقریر کی اور فرمایا قبل اس کے کہ رمضان گزر جائے اور عید آ جائے اور پھر تم افسوس کرتے رہو، کاش کہ مجھے پہلے پتہ چلتا تو میں رمضان میں بڑے نیک کام کرتا پھر سال کا انتظار کرنا پڑے گا، پتہ نہیں زندگی وفا کرے گی یا نہیں۔

ایسے ہی بڑھاپا دوڑ کے آ رہا ہے، جوانی جب تمہیں میسر آ گئی ہے تو بڑھاپے سے پہلے جوانی کا منٹ منٹ قیمتی جانو، جس وقت قیمتی سمجھ کے اللہ کے لئے صرف

کردو گے، اللہ اس پہ منفرد اجر عطا فرما دے گا۔اس میں حکمت اور فلسفہ یہ بھی ہے کہ سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ

انسان جو کچھ اسلام کو دیتا ہے، اسی کے عوض اس کو ملتا ہے۔

اب ایک شخص ساری زندگی اللہ کے دربار کا سرکش رہا اور ساٹھ سال کے بعد تائب ہو گیا اگرچہ پھر بھی یہ فضیلت والا ہے جو اس کو توبہ کا دروازہ کھلا ملا اور اس نے توبہ کر لی ہے، مگر اس وقت کی نیکی جب ساٹھ سال کا ہو چکا ہے، یہ وہ حیثیت نہیں رکھے گی جو جوان کی نیکی کی حیثیت ہوگی، کیوں؟

ابھرتی جوانی میں صدقہ کا اجر

میرے محبوب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَنْ تَصَدَّقَ وَ اَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ (مشکوٰۃ شریف:۱۶۴)

جب تندرست بھی ہو اور تمہیں امید بھی ہے کہ ابھی میں زندہ رہوں گا، اس وقت کا صدقہ بہتر ہے اس وقت سے جب جان حلق میں آ چکی ہو، پھر کہو کہ میرا پلاٹ فلاں مدرسہ کو دے دو اور میری فلاں چیز فلاں کو دے دو۔

اب ثواب تھوڑا ہو جائے گا کیوں ابتلاء ختم ہو گیا، آزمائش تھوڑی رہ گئی، بندہ سمجھ رہا ہے ٹانگیں قبر میں ہیں، یہ میرے کس کام ہے، میں اس کو کسی شعبے کیلئے وقف کر دوں۔ محبوب ﷺ فرماتے ہیں:

پتہ تو تب چلتا تھا ابھرتی جوانی ہوتی، پیسہ ہوتا اور اس کو پتہ ہے کہ چالیس

سال اللہ کے فضل سے امید ہے کہ زندہ رہوں گا، ابھی میں شباب میں ہوں۔ جو شخص اس وقت اپنا پیسہ دیتا ہے، یہ اس سے کہیں افضل ہے کہ جو مرنے کے قریب پہنچ کر اپنا پیسہ دے رہا تھا، چونکہ اب صورتحال بدل گئی، حیثیات بدل گئی ہیں، ایسے ہی جو مرتے وقت دے جاتا ہے، یہ بعد میں جو اس کے بیٹے دیتے ہیں، اس کے مقابلے میں بہت اچھا ہے، اس واسطے کہ پھر بھی یہ خود کام کر رہا ہے۔

صدمہ اول کے ساتھ صبر کا مقام

ایسے ہی آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی (مشکوٰۃ شریف:۱۵۰)

ایک شخص وہ ہے اسلام نے روکا ہے کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو ماتم نہ کرو، اللہ سے شکوے نہ کرو، اور بین نہ کرو۔ اس نے پہلے دن ہی صبر کر لیا اور اس پر وہ قائم ہو گیا، وہ عورت ہے یا مرد ہے، اس نے اللہ تعالیٰ سے شکوے نہیں کیے، حالانکہ جو فوت ہوا وہ بڑا قریبی تھا، لیکن پھر بھی اس نے بین اور ماتم کا سلسلہ نہیں کیا، اب رب ذوالجلال نے اس کو توفیق دی ہے اور دوسرا وہ ہے کہ جس نے پہلے تو دس دن رو رو کے گزارے ہیں اور صبر نہیں کیا، پھر کیا ہوا رونے کی صلاحیت ہی نہ رہی، پھر رونے کی طاقت نہ رہی اور پھر کہنے لگا کہ میں صبر کر رہا ہوں تو نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں، صبر یہ نہیں ہے۔

اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی

جب سخت تکلیف ہوتی ہے اس وقت صبر کی Value ہوتی ہے، اس وقت صبر

کے اجر ملتے ہیں۔ ایسے ہی شریعت کے ہر پہلو میں ہمارے سامنے اس حیثیت کو رکھا گیا کہ جب شیطانیت بندے کو اکسا رہی ہو اور اس کا خون جوش مار رہا ہو اور شعلے مار رہا ہو، اس وقت جو اپنے آپ کو نکیل ڈال کر مصلے پہ کھڑا کر کے اللہ کے دربار میں سجدے کروائے تو اس بندے نے جو حق ادا کیا ہے، اتنا اس نے حق ادا نہیں کیا جو ساٹھ سالہ اپنی زندگی کو لے کے اللہ کے دربار میں آ گیا ہے، رب فرماتا ہے:

جب بدی کی قوتیں پوری طرح تیرے ساتھ تھیں اور تمہیں گمراہ کرنا چاہتی تھیں، اس وقت جو تو نے میرے اسلام کو ٹائم دیا ہے، اس پر جو اجر ملے گا وہ بعد میں کبھی بھی نہیں مل سکے گا۔

جاہلیت میں سرداری کرنے والا اسلام میں بھی سردار ہے

ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس وقت دین میں داخل ہو رہے تھے تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ

جو ان میں جاہلیت کے اندر چودھری تھے، وہ اسلام میں بھی چودھری ہیں، جو جاہلیت کے لیڈر تھے، اگر انہوں نے کلمہ پڑھ لیا ہے تو انہوں نے اپنی لیڈری اسلام کو دی ہے۔

یعنی انہوں نے اپنی لیڈروں والی صلاحیتیں اسلام کو دی ہیں، ایک نارمل سا بندہ کلمہ پڑھتا ہے، جس کا اثر و رسوخ صرف محلے تک ہے اور دوسرا پورے شہر پہ حاوی ہے، اب اس کی صلاحیت جو اسلام کے لئے آئی ہے تو اس کی زیادہ فضیلت ہے۔

ایک عام شخص کلمہ پڑھتا ہے تو اس کا اور انداز ہے اور اگر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کلمہ پڑھتے ہیں تو عرش تک دھوم مچ جاتی ہے، حالانکہ کلمہ تو دونوں کا ایک ہے لیکن اتنا فرق کیوں ہے؟

فرق اس واسطے ہے کہ ایک کی صلاحیت نارمل سی ہے، وہاں اسلام کو اتنا فائدہ نہیں ملے گا جتنا وہاں مل رہا ہے جہاں ایک لیڈر نے اسلام قبول کرلیا تو اس کے اثرات دور دور تک پھیل جائیں گے۔

لہٰذا ہر وہ لمحہ جس میں بندہ اپنی طرف سے قیمتی چیز اسلام کو پیش کرتا ہے، اسلام بھی اس کو قیمتی اجر عطا فرما دیتا ہے۔ اس واسطے شباب کی جو نیکیاں ہیں اور شباب کے جو حوالے ہیں، ان کی ایک اپنی لذت ہے، اب اس کو اپنے بدن پر منطبق کرلیجئے۔

ایک شخص آج جوان ہے اور آج کہتا ہے کہ جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا تو پھر جا کے نیکی کرلوں گا، پھر میں روزے بھی رکھوں گا، نمازیں بھی پڑھوں گا۔

یا وہ کہتا ہے کہ ابھی تو میں جوان ہوں، ابھی داڑھی نہیں رکھتا، میں بوڑھا ہو جاؤں گا تو داڑھی رکھ لوں گا، تو اس پوری تشریح کی روشنی میں ایک شخص جس نے ساٹھ سال کی عمر میں جا کے داڑھی رکھی، اس کی داڑھی کے مقابلے میں اس نوجوان کی داڑھی اللہ کے دربار میں کتنی مقبول ہے کہ جس نے ابھرتی ہوئی جوانی کو داڑھی کے سائے میں پروان چڑھایا ہے، اس کے ساتھ ہی وہ تصوف کے لبادے میں ہے اور اخلاق حسنہ کا زیور پہن کے وہ آگے بڑھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو اپنی طرف سے خصوصی فضل عطا فرمایا ہے۔

ایسے ہی شباب کے لحاظ سے رسول اکرم ﷺ نے جو ہمیں تعلیمات دی ہیں، ان میں شباب اور دربار رب الارباب کا ایک مستقل شعبہ ہے کہ ایک جوان جس وقت اپنی جوانی پرہیزگاری میں گزار رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قرب میں وہ کیسی جگہ پاتا ہے۔

نوجوان اللہ کی رحمت کے سائے میں

سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّاظِلُّهٗ

سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا، جس دن اس کے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا۔

وہ حشر کا دن جب کسی کا کوئی protocol نہیں ہوگا اور بڑے بڑے نواب اس وقت پگھل رہے ہوں گے لیکن سات قسم کے انسان ایسے ہیں کہ جنہیں رب ذوالجلال کے فرشتے اس دن protocol عطا کریں گے اور وہ اللہ کے دربار میں خصوصی سیٹوں کے مستحق بن جائیں گے، نور کی کرسی پر نور کا چہرہ لے کر وہ بیٹھ جائیں گے، ان سات میں سے ایک انسان ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: (بخاری شریف ح:٦٦٠)

شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ

وہ نوجوان جس نے جوانی پرہیزگاری میں گزاری ہے اور جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری ہے، یہ جوان تھا، پھر بھی متقی تھا، یہ وہ انسان ہے

جس کو اللہ قیامت کے دن اپنے دربار میں نور کے منبر پر بٹھادے گا۔

اب اس نے مشکل کام کیا، جوانی اسلام کے نصاب کے مطابق گزاری اور عہد شباب کو مربوط رکھا تو اس کیلئے رب ذوالجلال نے اجر رکھا ہے کہ جب بڑے بڑے لوگ گرے پڑے ہوں گے اور کوئی پرسان حال نہیں ہوگا، اس جوان کو کہ جس نے اپنی جوانی شیطان کے ساتھ نہیں گزاری، رحمان کے حکم کے ساتھ گزاری ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دربار میں بلند مقام عطا فرمانے والا ہے۔

نوجوان پرہیزگار کچھ فرشتوں جیسا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، یہ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ خود فرماتا ہے، جوان کو متوجہ کر کے ایک اسلامی نوجوان سے رب ذوالجلال خطاب کر رہا ہے، اس سے بات کر رہا ہے:

اَیُّھَا الشَّابُّ الْمُؤْمِنُ بِقَدَرِیْ

وہ جوان جس کا میری تقدیر پر ایمان ہے، تقدیر پر ایمان رکھنے والا ہے۔

اَلرَّاضِیْ بِکِتَابِیْ

میرے لکھے ہوئے پر راضی ہے۔

شکوے نہیں کرتا کہ اللہ نے فلاں کو اتنا دیا ہے، مجھے کچھ بھی نہیں دیا، میری تقدیر مانتا ہے اور میری کتاب پر راضی ہے، جو میں نے لکھ دیا، اس سے شکوہ و شکایت نہیں کرتا

اَلْقَانِعُ بِرِزْقِیْ

اور میں اس کو جو رزق دیتا ہوں اس پر قناعت کرتا ہے۔

یعنی ہاتھ مار کے حرام کھانے کی کوشش نہیں کرتا، وہ قناعت کرتا ہے۔

اَلتَّارِکُ لِشَھْوَتِہٖ مِنْ اَجْلِی

میری وجہ سے اپنی ساری خواہشات کو دیس نکالا دینے والا ہے۔

صرف میری رضا کے لئے وہ اپنی آنکھ بھی پاک رکھتا ہے، اپنے کان بھی پاک رکھتا، اپنی زبان بھی پاک رکھتا ہے، اپنی جلوت کو بھی پاک رکھتا ہے، اپنی خلوت کو بھی پاک رکھتا ہے، اس نے اپنی جوانی پرہیز گاری میں گزاری ہے، اس کا کردار عفیف ہے، یعنی وہ مرد ہے یا عورت ہے، وہ پاکدامن ہے، اس کے کردار پر کسی قسم کی کوئی آلودگی نہیں ہے، کوئی داغ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کی یہ چار صفتیں بیان کر کے کہ تو میری تقدیر کو مانتا ہے، میرے لکھے ہوئے پر راضی ہے، میرے رزق پر تو قناعت کرنے والا ہے اور تو میری وجہ سے برائیوں کو چھوڑنے والا ہے، یہ چار صفتیں بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَنْتَ عِنْدِیْ کَبَعْضِ مَلٰٓئِکَتِی

وہ تو میرے ہاں بعض فرشتوں جیسا ہے۔

تیرا مقام میرے دربار میں فرشتوں جیسا ہے، اب انسان خاکی انسان ہے لیکن فرشتہ بن چکا ہے، اس نے اپنی شہوت کے جانور کو کنٹرول کیا ہے، وہ مرد یا عورت جنہوں نے اپنے شباب کے اندر اسلامی پرہیز گاری اور تقویٰ کو اپنے لئے نور بنالیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عام کسی جگہ کے لئے نہیں، خاص مقامات کے لئے

منتخب کر لیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام ہم تک پہنچا دیا ہے کہ وہ نوجوان محسوس کرے جس نے پرہیز گاری میں اپنی زندگی گزاری ہے کہ میں اس سے بول رہا ہوں اور میں رب ہو کے اس سے کہہ رہا ہوں کہ اے انسان! اگر چہ تو آدم زاد ہے، تو خاکی ہے مگر تو نیکی کر کر کے میرے ہاں بعض فرشتوں جیسا بن چکا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کا نوجوانوں سے خطاب

سید عالم ﷺ نے جوانی کا جو نصاب ہمیں دیا ہے، اس کو بطور خاص، اختصار سے بیان کرتے ہوئے اپنے محبوب ﷺ کی یہ بات تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، میرے محبوب ﷺ نے ایک تقریر نوجوانوں سے کی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ

اے میری امت کے جوانو!

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ

تم میں سے جو شادی کا خرچہ اٹھا سکتا ہے اور شادی کے تمام اخراجات پورے کر سکتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

فَلْيَتَزَوَّجْ

اس کو جلدی شادی کر لینی چاہیے۔

فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ

شادی کرو گے تو آنکھیں جھک جائیں گی

واحصن للفرج

اور شرمگاہ محفوظ رہے گی۔

تم میں سے جس کے پاس پیسے ہیں اور جس کے پاس رقم ہے اور خرچہ برداشت کرنے کی صلاحیت ہے، وہ شادی کرے۔

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ

اور جس کے پاس شادی کرنے کے لیے پیسے نہیں ہیں وہ روزہ رکھے۔

جو یہ استطاعت نہیں رکھتا، وہ روزہ رکھے، شادی کا خرچہ ہے تو شادی کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوان کو دو حالتوں میں بند کر دیا۔

انسان دولت مند ہے تو شادی کرے اور اگر دولت مند نہیں تو پھر وہ روزہ رکھے، تیسری کوئی قسم ہمارے جوان کی نہیں ہے۔ جو استطاعت کے باوجود نہ شادی کرے اور نہ ہی وہ روزہ رکھے، وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جائے گا، اس کی جوانی خراب ہو جائے گی، اس کی جوانی جہنم میں جانے کا سبب بن جائے گی۔

روزہ کے بارے میں فرمایا:

فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ (مسلم شریف:۱/۴۴۹، کنز العمال:۱/۲۷۲)

یہ اس کے لیے یک گونہ اختصاء ہے۔

روزہ اس کے لئے گناہوں کے آگے ڈھال بن جائے گا۔

اس کے کردار کو پاک رکھنے کے لئے وِجاء کا کام دے گا، یہ علاج بن جائے گا، اس کی جوانی محفوظ ہو جائے گی، اس کی جوانی بے لگام نہیں ہو گی۔ یہ میرے محبوب ﷺ کا دیا ہوا نسخہ ہے اور یہ ہمارے اس نصاب کا ایک حصہ ہے۔ اس میں ایسی صورتحال ہے کہ کوئی بندہ طلب علم میں ہے اور علمی مراحل میں شادی کرنے سے رکاوٹ آ جائے گی تو پھر روزوں پہ کاربند ہو جائے، روزے کا دامن نہ چھوڑے اور اپنے آپ کو اس انداز میں رکھے کہ کہیں شیطان کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا فتویٰ

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا فتویٰ ہے کہ ایک عالم دین جو پڑھ رہا ہے اور دین کا علم جو طلب کر رہا ہے، طلب علم کے لئے جو نکلا ہے، اسے شادی پر علم کا حصول مقدم کرنا چاہیے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ادھورا رہ جائے اور پھر اس کے لئے ایسے مواقع نہ ہوں۔ اس لیے اب اس کے لیے ضروری ہو جائے گا کہ اس مرحلہ میں اب وہ روزے رکھتا رہے تا کہ کہیں کسی شہوت کے ہاتھوں وہ لٹ نہ جائے۔ اس کا کردار ہمیشہ کے لئے محفوظ رہے۔

یہ میں نے اس لئے کہا کہ جس کے والدین بیچارے بھوکے ہوں اور یہ ان کو آج شادی پہ مجبور کرنا شروع کر دے کہ ہمیں حدیث شریف سے حکم مل رہا ہے، ہماری شادی کرو تو حدیث شریف میں دوسرا حکم بھی موجود ہے، اس کے لحاظ سے بھی اپنے کردار کو صحیح کرنا چاہیے۔

اوائل شباب میں شادی حفاظت ایمان کا سبب

میرے محبوب ﷺ کا حکمت بھرا فرمان کس قدر عظیم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَيُّمَا شَابٍّ تَزَوَّجَ فِيْ حَدَاثَةِ سِنِّهٖ عَجَّ شَيْطَانُهٗ

جس بندے نے اپنی جوانی کے آغاز میں شادی کرلی، اس کے شیطان کی چیخ نکل گئی، اس کا شیطان رو پڑا۔ کیوں؟ وہ کہنے لگا:

يَا وَيْلَهٗ عَصَمَ مِنِّيْ دِيْنَهٗ

(کنز العمال: ۲۷۶/۱)

جائے ہلاکت اس نے تو اپنا دین مجھ سے بچالیا۔

اب اول عمر کی بلوغ کے بعد کی شادی یعنی اس کے پاس اسباب میسر ہیں، تو اس کے لئے کتنا بہتری کا سبب موجود ہے اور ویسے جو گمراہ ہو وہ دس شادیوں کے بعد بھی گمراہ ہوتے رہیں گے لیکن جو سید عالم ﷺ کی حکمت بالغہ ہے، اس نے یہ واضح کردیا کہ یقیناً تم اس کو تجربہ کے لحاظ سے بھی دیکھتے ہو اور معاشرے کے لحاظ سے بھی دیکھتے ہو۔ ایسے میں میرے آقا ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ جلد شادی کرلے گا تو شیطان روئے گا کہ اس بندے نے اپنا دین مجھ سے محفوظ کرلیا ہے۔

محمد بن حسن طوسی علیہ الرحمۃ اور قرآن وحدیث کی چاشنی

رسول اکرم ﷺ نے جو ہمارے لئے نصاب بیان کیا ہے، اس میں مختلف لذتیں ہیں۔ امام محمد بن حسن طوسی علیہ الرحمۃ رات کو مطالعہ کرتے تھے، مطالعہ کرتے

کرتے جب رات کو دو بجے کا ٹائم ہو جاتا تو اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے کہتے تھے:

أَيْنَ أَبْنَاءُ الْمُلُوكِ عَنْ هٰذِهِ اللَّذَّةِ

جتنی لذت اب مجھے آئی ہے اتنی بادشاہوں کے شہزادوں کو نہیں آئے گی۔

یعنی سرِ شام مطالعہ شروع کیا تھا، اہم مسئلہ حل کر رہے تھے، پڑھتے پڑھتے رات گزر گئی اور آخری حصہ آ گیا اور ان کا مطالعہ جاری ہے، لوگ محو خواب ہیں اور وہ محو کتاب ہیں، کوئی قرآن وسنت سے نگینہ تلاش کر لیا، کوئی نقطہ ڈھونڈ لیا، کوئی مسئلہ حل کر لیا تو انکی طبیعت اتنی باغ باغ ہو گئی، کہنے لگے:

وہ شراب میں دھت بادشاہوں کے بیٹے ان کو اس لذت کا کیسے پتا چل سکتا ہے، جو لذت مجھے رب ذوالجلال نے عطا فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا طلب دین میں انوکھا کردار

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میرے محبوب ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں، اتنا بڑا خاندان کس کا ہوگا، اپنی جوانی کو لے کے نکلتے ہیں، کن راہوں میں:

فرماتے ہیں:

مجھے اگر پتہ چل جاتا تھا کہ فلاں شخص کو میرے نبی ﷺ کی ایک حدیث آتی ہے، تو میں سفر کر کے وہاں پہنچ جاتا تھا اور وہاں جا کے میں دروازے پہ دستک نہیں دیتا تھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ آ گیا ہے، آ کے مجھے وہ حدیث سنا دو۔

کہتے ہیں:

میں جا کے دروازے پہ بیٹھ جاتا تھا، وہ صحابی جس کو حدیث آتی ہوتی، میں ان کو اپنے آنے کی اطلاع نہیں بھیجتا تھا کہ کہیں میری وجہ سے ان کو جلدی نہ کرنی پڑے اور میرے لئے کوئی اہتمام نہ کرنا پڑے۔

کہتے ہیں:

میں دروازے پہ چادر بچھاتا تھا، بیٹھا رہتا تھا، اگر دو تین گھنٹے تک کوئی باہر نہیں آتا تھا تو میں لیٹ جاتا تھا، ہوائیں چلتی تھیں، میرا چہرہ ریت سے بھر جاتا تھا اور میں خاندان نبوت کا فرد ہوتے ہوئے قیامت تک کے جوانوں کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسی خوبصورت جوانی ہو تو وہ بھی طلب علم کے لئے وقف کر دینی چاہئے۔

کہتے ہیں:

میں وہاں پہ لیٹا رہتا تھا، اتنے میں اچانک اندر سے استاذ صاحب نکلتے تھے، حیران ہو جاتے تھے اور کہتے تھے

يَا ابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ ﷺ مَا جَاءَ بِكَ هَلَّا أَرْسَلْتَ إِلَيَّ۔

اے میرے نبی ﷺ کے چچازاد بھائی، آپ کیسے تشریف لائے ہو، آپ حکم فرماتے تو میں حاضر خدمت ہو جاتا۔

یعنی یہ جن سے پڑھنا چاہتے ہیں، ان کو بڑی ندامت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ میرے گھر پہ آ کے ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے، مجھے وہ کہا کرتے تھے کہ آپ نے حکم کرنا تھا، ہم

نے آپ کو گھر آ کے پڑھانا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے لئے اساتذہ کا ادب اور علم کی شان اور طالب علم کی جو حیثیت ہے، اس کو واضح کرتے ہوئے یہ فرمایا:

لَا اَنَا اَحَقُّ اَنْ اٰتِیَکَ

نہیں، یہ میرا حق بنتا ہے کہ میں آ کے پڑھوں۔

اس واسطے کہ اگرچہ میں خاندانِ نبوت کا فرد ہوں مگر حدیث تمہارے سینے میں ہے اور تمہارا کام نہیں کہ تم مجھے گھر میں آ کے پڑھاؤ، یہ میرا کام ہے کہ میں آ کے پڑھوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی نوخیز عمر مبارک ہے دوپہر کا وقت ہے، ایک محدث کے آستانے پر، دہلیز پر بیٹھے محدث کا انتظار کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ پاک جوانی کو پگھلانے کا ایک شعبہ یہ بھی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور لذت حدیث

حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا تھا اے امام شافعی ذرا بتائیں، علم پڑھنے میں لذت کیا ہے اور تم کیسے پڑھتے رہے ہو، اپنی جوانی کے دن تو بیان کرو اور کس انداز میں تم نے اس کے لئے کوشش کی ہے، امام شافعی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے کہ میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہوتا تھا کہ میں کوئی سبق لکھنے کے لئے کاغذ خرید لوں، میں ہڈیوں پہ سبق لکھا کرتا تھا، کئی حدیثیں میں نے چاپی پہ لکھی ہیں، اتنی قلت کے باوجود یہ پڑھ کے وقت کے امام بنے، جن کے لئے سہولتیں میسر نہیں تھیں۔

کہنے لگے مجھ سے اگر پوچھتے ہو تو میں سارے اعضاء کی بولی تم کو سناتا ہوں،

جب مجھے کانوں کے ذریعے علم ملتا تھا تو میرا ہر عضو مجھ سے تقاضا کرتا تھا، اے شافعی! اللہ مجھے بھی کان بنا دے کہ جو لذت کانوں کو ملی ہے وہ مجھے بھی میسر آجائے، میرے ہاتھ مجھ سے تقاضا کرتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ اللہ ہمیں بھی کانوں جیسی صلاحیت دے دے۔ پھر کسی نے پوچھا کہ جوانی میں تمہیں پڑھنے کا حرص کتنا تھا تو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کہنے لگے:

طَلَبُ الْمَرْاَةِ الْمُضِلَّةِ وَلَدَهَا لَيْسَ لَهَا غَيْرُهٗ

میں نے علم کو یوں ڈھونڈھا جیسے اکلوتے بیٹے کی ماں اس کو گم ہونے پر تلاش کرتی ہے۔

کسی ماں کا ایک ہی بیٹا ہو اور وہ گم ہو جائے تو جب اس کو ماں ڈھونڈنے نکلتی ہے، نہ جوتا پہنتی ہے، نہ اسے کوئی اور سوجھتا ہے، ہر طرف جاتی ہے، ہر گلی میں پوچھتی ہے، دشمن کے گھر بھی چلی جاتی ہے اور سب کے پاس جاتی ہے اور کوئی سوال نہیں ہے، ہر ایک سے پوچھتی ہے، اپنے بیٹے کی علامت پوچھتی ہے، اور اس کا کہیں جانا پوچھتی ہے، جیسے اکلوتے بیٹے کی ماں اس کے گم ہو جانے پر اپنی طرف سے سوز لے کر اور تڑپ لے کر اور چاہت لے کر نکلتی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے اپنی جوانی کو طلب علم میں یوں پگھلایا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی جوانی اور شہادت

بالخصوص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں نوجوانوں کو جوانیوں کا جو گر سکھایا گیا، مجھے اس کا انداز بڑا خوبصورت ہے، اختصار سے صرف ایک دو مثالیں عرض کر دیتا ہوں۔

الاصابہ اور طبقات ابن سعد میں ہے۔

حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے سعد رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ہو گیا،

کس بات پر؟

حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے، اے سعد رضی اللہ عنہ تم گھر پر رہو، لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں گھر نہیں رہوں گا، باپ بیٹے کی آپس میں اس سلسلے کے اندر بحث چل رہی تھی، بیٹا تو خیر تھا۔

باپ کہتا ہے کہ تمہاری عمر چھوٹی ہے لہٰذا تم گھر میں رہو، جہاد میرے ذمے ہے اور میں جا کے کرتا ہوں، جب بات کافی آگے چلی گئی تو دونوں رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں چلے گئے اور وہاں پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے والد نے سرکار ﷺ کے سامنے سمجھایا کہ تم گھر رہو، میں جہاد پہ جاتا ہوں، میری ضرورت ہے ،تو سعد کا جواب کیا تھا؟

قَالَ سَعْدٌ لَوْ كَانَ غَيْرَ الْجَنَّةِ لَآثَرْتُكَ بِهٖ

اے میرے ابا جی! اگر جنت کے سوا کسی بات کا معاملہ ہوتا تو پھر میں تجھے ترجیح دیتا۔

لیکن بات چونکہ جنت کی ہے تو میں چاہتا ہوں تم سے پہلے میری شہادت کا وقت آئے، محبوب ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ یہ تو بڑا ہی دیوانہ ہے اور شہادت کا تقاضا کر رہا ہے، ابھی تک اس نے اپنی جوانی کا پھل بھی نہیں کھایا اور جوانی کی کوئی لذت بھی حاصل نہیں کی، میرے آقا ﷺ نے فیصلہ کیا۔

ہم اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں دیتے تم باپ بیٹا قرعہ اندازی کر لو۔

اب نبی اکرم ﷺ کے سامنے قرعہ اندازی ہو رہی ہے، چشم فلک نے اسلام کے لئے جو جان دینے کا منتظر تھا، پہلے کبھی لوگوں کو یوں مخلص نہیں پایا تھا، جہاں جان دینے کیلئے قرعہ اندازی ہو رہی ہے، باپ کہتا ہے کہ میں جان دینا چاہتا ہوں، بیٹا کہتا ہے کہ میں جان دینا چاہتا ہوں۔ جب قرعہ اندازی کی گئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قرعہ نکل آیا، بیٹے کا قرعہ نکل آیا جب ان کا قرعہ نکلا:

فَخَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اِلَی الْبَدَرِ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بدر میں پہنچے

فَقَتَلَہٗ عَمْرُوْ بْنُ عَبْدِ وَدٍّ

وہ جو مشرکین کا پہلوان تھا، جو ایک ہزار مرد کے مقابلے میں سمجھا جاتا تھا، عمرو بن عبد ودّ، جس کو بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، حضرت سعد، عمرو بن عبدودّ پہ حملہ آور ہو گئے، لڑتے لڑتے راہِ حق میں شہید ہو گئے۔

یہ نوجوانی تھی اس کو نبوت کے زیر سایہ پروان چڑھایا گیا تھا، اس کا انداز یہ تھا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ جب وقت شہادت کا ہے تو شہادت کی باری میں ابا جی کو نہیں دوں گا، میں خود یہ باری حاصل کرنے والا ہوں۔ چشم فلک نے دیکھا جو انہوں نے قرعہ اندازی کے وقت نعرہ لگایا تھا، اس کا پاس بھی رکھا ہے اور ان کا خون بہتا ہوا بھی اعلان کر رہا تھا۔

اے عصر حاضر گواہ رہنا چراغ الفت جلایا ہم نے
راہ وفا کے قدم قدم پر ہمارے لہو کے دیئے جلیں گے

حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بچپن اور شوق شہادت

یہی منظر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ الاصابہ میں یہ بھی موجود ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

غزوہ بدر والے دن

رَاَیْتُ اَخِیْ عُمَیْرَ ابْنَ اَبِیْ وَقَاصٍ

میں نے اپنے چھوٹے بھائی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔

وہ سرکار ﷺ سے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا، جدھر سرکار ﷺ ہوتے ادھر سے وہ ہٹ جاتا ہے، تو میں نے جب دیکھا تو اس سے کہا:

مَابِکَ یَا اَخِیْ

میرے بھائی کیا وجہ ہے؟

تم کیوں چھپ رہے ہو؟ نگاہِ کرم جس پر پڑتی ہے وہ تو بڑا خوش نصیب ہوتا ہے، تم کیوں چھپ رہے ہو، اس جوان کی ابھرتی جوانی کا انداز دیکھئے، وہ کہنے لگا:

اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّرَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَیَسْتَصْغِرُنِیْ فَیَرُدُّنِیْ

میں چھپا اس لئے ہوں کہ میری عمر بدر جانے والی نہیں ہے، اگر میرے نبی ﷺ مجھے دیکھیں گے تو مجھے خطرہ ہے کہ آپ ﷺ مجھے چھوٹا سمجھ کے واپس لوٹا دیں گے۔

لیکن

اَنَا اُحِبُّ الْخُرُوْجَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّرْزُقَنِی الشَّهَادَةَ

میں جنگ بدر میں جانا پسند کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ جنگ بدر میں

جاؤں۔ شاید مجھے میرا خدا شہادت عطا فرمادے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ایسے تو میں بھی تمہیں نہیں لے جاؤں گا۔

قَالَ فَعُرِضَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ

عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سرکار ﷺ کی بارگاہ میں پیش کردیا گیا۔

یارسول اللہ ﷺ یہ بھی پیچھے آگیا اور اب چھپتا پھر رہا ہے، کہتا ہے میں نے بھی جہاد کرنا ہے، اب دیکھو میرے محبوب ﷺ کی کیا تربیت ہے۔

ان مسکراتے ہوئے شگوفوں کو آگ سے ٹکرانے کا شوق ہے اور وہ ننھے منھے بچوں کو چٹانوں سے ٹکرا کر ان کو پاش پاش کرنے کا جذبہ ہے، جس وقت محبوب ﷺ کے سامنے وہ حاضر ہوئے، تو پھر کیا ہوا:

فَرَدَّهٗ

آپ ﷺ نے فرمایا: میرے طرف سے اجازت نہیں ہے۔

اس کی ابھی چھوٹی عمر ہے، ہم اس کو جانے کی اجازت نہیں دیں گے، والدین کے کچھ حقوق ہیں، ان کی کچھ تمنائیں ہیں اور جنگ کے اندر جو گرمی ہوتی ہے اور جو جنگ کے اندر مشکل مقامات ہوتے ہیں انکو برداشت کرنے کیلئے بندے کی کچھ عمر تو ہونی چاہئے، یہ عمیر بالکل ابھی چھوٹا ہے۔ تو کیا ہوا:

فَبَکٰی

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے رونا شروع کردیا۔

اور کبھی کبھی یہ انداز بھی کام دے ہی جاتا ہے، جب میرے محبوب ﷺ نے دیکھا

کہ ننھا سا صحابی ہے اور رو رہا ہے۔

فَاَجَازَہٗ

آپ ﷺ نے اس کو اجازت عطا فرما دی کہ اگر عمیر آنا چاہتے ہیں تو آ جاؤ۔

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ان کی اتنی عمر چھوٹی تھی کہ

کُنْتُ اَعْقِدُ حَمَائِلَ سَیْفِہٖ مِنْ صِغْرِہٖ

ان کی چھوٹی عمر کی وجہ سے بار بار تلوار لٹکانے والی حمائل میں باندھتا تھا، ان کو اس کے باندھنے کا طریقہ بھی نہیں تھا۔

جس وقت اس انداز میں آگے بڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی حسرت کو پورا کردیا اور سید عالم ﷺ کے زیرِ سایہ اگنے والے ان پھولوں نے اس بات کو ثابت کیا کہ محبوب ﷺ نے جو جوانی کے گر بتائے ہیں وہ واقعی ایسے ہیں کہ جو انسان ان کو دیکھتا ہے، ان پر پابند ہو جاتا ہے اور کاربند ہو جاتا ہے، وہ گر بندے کو اللہ کے دربار میں ولی کامل کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

آج کا ہمارا موضوع Current Affairs کے لحاظ سے نہایت ہی اہم موضوع ہے، آج چونکہ ہمارے نوجوانوں کے لئے ترجیحات بدل چکی ہیں، ہر اس چیز کو Adopt کرنا چاہتے ہیں جو امریکہ سے اٹھے اور برطانیہ سے فیشن آئے اور جو بھی انڈیا اور اسرائیل سے آئے، یہ اس کو اپنانا شروع کر دیتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ

ہمیں کسی کے پیچھے لگنے کی ضرورت نہیں ہے، جن کے اتنے حسین قائد آگے لگے

ہوئے ہوں اور جو سارے رسولوں کے بھی قائد ہوں، ان کے ہوتے ہوئے ہم اور کسی کے پیچھے کیوں لگیں۔ ہم نے سید عالم ﷺ سے وفا کا کلمہ پڑھا ہوا ہے اور جب تک روح جسم میں موجود رہے گی۔ ہم اس وفا کا نعرہ لگاتے رہیں گے، دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ہمیں اپنی طرف راغب کر سکے، ہمیں چمک دکھا کے اپنی طرف لا سکے۔ اگر کوئی چمک سرکار مدینہ ﷺ سے بڑی چمک ہو تو پھر ہو سکتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چمک نہیں ہے۔

لہٰذا سنت کی پیروی کرتے ہوئے فیشن کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اسوۂ حسنہ کا جھنڈا لہراتے ہوئے ہر مرد و زن کو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی پکی محبت کا ثبوت اس انداز میں دینا چاہئے کہ جو آپ نے ہمارے لئے زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا ہے ہم اس پر اول سے لے کر آخر تک کاربند رہیں رب ذوالجلال ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
9

کاروباری شراکت کے اسلامی اصول

أَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ

أَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ ذَوِي الْفَضَائِلِ

أَمَّا بَعْدُ

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ

وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى آلِكَ وَأَصْحَابِكَ يَا حَبِيبَ اللّٰهِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیٔ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ

عقیدۂ اہلِ سنت نہایت ہی معزز و محتشم حضرات و خواتین، سامعین و ناظرین!
رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراطِ مستقیم کے زیرِ اہتمام فہم دین کورس کے سولہویں پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔
آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

کاروباری شراکت کے اسلامی اصول

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن و سنت کے ابلاغ و تبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔
موجودہ حالات میں سب سے زیادہ جس جانب توجہ کی ضرورت ہے، وہ اسلام کا معاملاتی نظام ہے، ہمارے ہاں اسلام کے نظام عبادات کے ساتھ کچھ نہ کچھ لوگوں کی لگن برقرار ہے مگر معاملات کو بالکل طاقِ نسیان میں رکھ دیا گیا ہے اور اس طرح ہمارے خلاف اُن کا پراپیگنڈہ کامیاب ہوتا نظر آرہا ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام کا تعلق مختلف شعبہ جات سے نہیں ہے، ہم عملاً معاذ اللہ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اسلام صرف مسجد تک ہے اور اس کا تعلق تھانے، کچہری یا بازار کیساتھ نہیں، جب کہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔
ہمارا اسلام مسجد کا اسلام بھی ہے اور بازار کا اسلام بھی ہے، یہ تمام شعبہ جات زندگی کے لئے life Code ہے اور یہ مکمل ضابطہ حیات ہے۔ آج عمومی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب دو حضرات آپس میں کاروبار کر رہے ہیں تو وہ راضی ہیں تو ان کی رضا کافی ہے، جب ایک نے دوسرے کے ساتھ کوئی شراکت کی ہے اور دونوں

نے آپس میں معاہدہ طے کرلیا تو اس کے بعد اب تیسری کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

جب کہ اسلام کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اسلام صرف فریقین کی خوشنودی اور ان کی چاہت کا طلب گار نہیں ہے بلکہ اسلام نے مومنین پر یہ لازم کیا کہ تمہارے دنیاوی معاملات تب final قرار پائیں گے کہ جب اسلام بھی راضی ہوگا اور اسلام کی طرف سے بھی اس کو قانونی حیثیت دی جائے گی۔

یہاں پر بائع اور مشتری کا خوش ہو جانا کافی نہیں ہے یعنی ایک شخص جو کسی کے ساتھ partnership کرنا چاہتا ہے، ان دونوں کا آپس میں راضی ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ باقاعدہ اسلام کو راضی کرنا پڑے گا اور اگر اسلام راضی ہوگا تو پھر وہ دنیاوی کاروبار نہیں ہوگا بلکہ وہ نیکیوں کا ایک گلشن بن جائے گا۔

جواز مضاربت دلائل کی روشنی میں

ہماری آج کی جو گفتگو ہے، وہ کاروباری شراکت کے اصولوں کے بارے میں ہے۔ کاروباری شراکت جس پر ایک مفہوم کے لحاظ سے سینکڑوں مسائل کے لحاظ سے بحث کی جاسکتی ہے، مگر ہم وقت کے اختصار کے پیش نظر آج کی گفتگو صرف شرکت مضاربت تک محدود رکھیں گے۔

شرکت مضاربت جس کو Sleeping Partnership کہا جاتا ہے اس کے چند اصول ہیں کہ اس کا معنی کیا ہے؟ اس کا رکن کیا ہے؟ اس کی شرائط اور مختلف صورتیں کیا ہیں؟ اور یہ کیسے معطل ہو جاتی ہیں؟

اس کو بیان کرکے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ہمارا دین زندہ ہے اور اس کے تمام

شعبہ جات زندہ ہیں اور جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے، اس نے صرف یہ نہیں پڑھا کہ میں نے آخرت پر ایمان، رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا ہی معاہدہ کیا بلکہ اس نے رب سے یہ عہد کرلیا ہے کہ اے اللہ! نظام زندگی میں، کاروبار حیات میں جو تجھے پسند ہے، وہی مجھے پسند ہے، اور جو تیرا حکم ہے، میں اس کا پابند ہوں۔ اسلام Ideology کا ایک مکمل ضابطہ ہے۔ اس واسطے مومن کبھی بھی اسلام کی راہوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اسے ہر مسئلہ اسلام سے پوچھنا پڑے گا اور اسلام میں یہ جامعیت ہے کہ وہ کبھی بھی اپنے ماننے والوں کو پریشان نہیں کرتا، بلکہ ہر مسئلے میں رہنمائی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سورۃ المزمل کی آیت نمبر ۲۰ میں فرمان موجود ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قرآن مجید

وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

اور کچھ دوسرے لوگ جو کہ زمین میں سفر کریں گے اور زمین میں سفر کر کے اللہ کا فضل تلاش کریں گے۔

یہاں پر اللہ کے فضل سے مراد کسب حلال اور رزق حلال ہے۔

اس کے لئے زمین میں سفر کرنا، یہ مضاربت ہے اور شراکت ہے کہ جس کی بنیاد پر وہ اپنے لئے لقمہ حلال تلاش کرتا ہے اور جانبین کے لئے اللہ تعالیٰ کے جو اصول ہیں ان کو جب وہ پیش نظر رکھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، جس طرح قرآن مجید، برہان رشید میں اس کا تذکرہ ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مضاربت کا معنی کیا ہے۔

لغوی معنی

شرکت کا لغوی معنی تو آپ جانتے ہیں کہ دو پارٹیاں آپس میں کسی کام کے اندر شریک ہو جائیں تو اس کو شرکت کہا جاتا ہے اور وہ ایک کمپنی بن جاتی ہے۔

مضاربت کا لغوی معنی

جانبین سے ایک دوسرے پر ضرب واقع کرنا۔

شرعی معنی

هِیَ شِرْکَةٌ بِمَالٍ مِنْ جَانِبٍ وَعَمَلٍ مِنْ جَانِبٍ

شرکت مضاربت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنا مال دے اور دوسرا اپنا ٹائم دے۔

ایک کی طرف سے مال ہو اور دوسرے کی طرف سے ٹائم ہو اور آپس میں معاہدہ کرلیں کہ اتنا مال میں تجھے دے رہا ہوں اور تم نے اس میں کاروبار کرنا ہے اور جو profit ہوگا، وہ ہم آپس میں تقسیم کرلیں گے، جو بھی شرائط طے کرتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ نصف نصف بانٹ لیں گے یا ایک کہتا ہے میرا دو حصے ہوگا، ایک حصہ تمہارا ہوگا، اس بنیاد پر وہ profit کو تقسیم کرتے ہیں۔

تو شرکت مضاربت میں دونوں طرف سے مال نہیں ہوتا، ایک طرف سے مال ہوتا ہے۔ ایک صاحب مال ہے اور دوسرا عامل ہے، دوسرا کام کرے گا، دوسرا کاروبار کرے گا، ایک خاص نفع کی شرح کے اوپر جو ان کا آپس میں معاہدہ ہو گیا اس

کو شرکت مضاربت کہا جاتا ہے۔

تفصیلی تعریف

هِيَ اَن يَّدْفَعَ الْمَالِكُ اِلَى الْعَامِلِ مَالاً

مالک عامل کو مال دیتا ہے

لِيَتَّجِرَ فِيْهِ

تاکہ وہ اس میں تجارت کرے

وَيَكُوْنُ الرِّبْحُ مُشْتَرَكاً بَيْنَهُمَا

اس شرط پر کہ منافع مشترکہ ہوگا

بِحَسْبِ مَا شَرَطَا (الفقہ الاسلامی: ۳۹۲۲/۵)

جیسے ان دونوں کی مرضی ہو۔

یعنی اس میں اسلام پابندی نہیں لگاتا کہ اتنا صاحب مال کا نفع ہونا چاہیے اور اتنا عامل کا ہونا چاہیے، بلکہ وہ ان کی رضامندی پر چھوڑتا ہے لیکن آگے یہ شرط ہے کہ وہ کسی عدد کو معین نہیں کر سکتے کہ تیرا ہزار ہے اور میرا دو ہزار ہے، یا تیرا پانچ سو ہے اور میرا ہزار ہے، اس طرح عدد سے معین نہیں کر سکتے۔

یہ کہہ سکتے ہیں کہ جتنا منافع ہو، اس میں نصف تیرا ہے اور نصف میرا ہے، یا ثلث تیرا ہے اور ثلثین میرے ہیں، اس بنیاد پر حصوں کے لحاظ سے تقسیم کر سکتے ہیں، ویسے اگر وہ معین کریں گے، تو سود بن جائے گا۔

کیونکہ ہوسکتا ہے تجارت میں نقصان ہو اور profit ہو ہی نہ۔ ہوسکتا ہے

profit کم ہو اور طے زیادہ کیا گیا ہو، تو اس میں کسی ایک کا نقصان ہو سکتا ہے، اس میں اس لحاظ سے یہ تقسیم کر دیا جائے کہ مہینے کے بعد پانچ ہزار میرا ہوگا اور باقی تیرا ہوگا، اس طرح کی صورتحال یا کوئی اور کسی عدد معین سے profit کو تقسیم کیا جائے تو وہ جائز نہیں ہے۔

یہ کہا جائے کہ جو کچھ ہو اس میں سے نصف تیرا ہے اور نصف میرا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اگر سو منافع ہوگا تو اس کا نصف ہو جائے گا، اگر ہزار ہوگا تو اس کا نصف ہو جائے گا، اور اگر نہیں ہوگا تو اس کا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اس صورت میں کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ اس انداز سے profit کو اس کی شرح کے لحاظ سے معین کر لینا چاہیے عدد کے لحاظ سے اس کو تقسیم نہیں کرنا چاہیے بلکہ حصوں کے لحاظ سے اس کو تقسیم کر لینا یہ مضاربت اسلامی کا ابتدائی حصہ ہے۔

دوسری شرط

مضاربت کی شکل میں جتنا خسارہ ہوگا، وہ مضارب کا ہوگا، خسارہ مالک کا شمار ہوگا۔ چونکہ اس صورت میں جو کاروبار کر رہا ہے، اس کی محنت ضائع ہوگی، جب کچھ بھی نہ بچا تو اس نے جتنی محنت کی، وہ ضائع ہوگئی اور جو خسارہ ہوا، وہ مالک کا شمار ہوگا، اس میں یہ اس پر نہیں ڈالا جائے گا کہ تم خسارے میں بھی برابر کے شریک ہو جاؤ، نہیں نہیں! نفع میں ایک شرح معین کر دی جائے گی اور خسارہ ہو گیا تو وہ رب المال کا ہوگا۔

تعریف میں مختلف قیود کے فوائد

مضاربت کی تعریف میں جتنی قیود آئی ہیں، اب ہم ان کے فوائد کو بیان کرتے ہیں۔

پہلی قید کا فائدہ

اَنْ یَّدْفَعَ الْمَالِکُ اِلَی الْعَامِلِ مَالاً

مالک اپنا مال عامل کو دے گا۔

لہٰذا اگر مال نہ دیا جائے، بلکہ منافع دیا جائے تو اس کو مضاربت نہیں کہہ سکیں گے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی کو رہائش کے لئے مکان دیتا ہے، اب اس میں رہائش رکھنا ایک منافع ہے اور کہتا ہے کہ تم میری جگہ رہائش رکھو اور تم اپنے پیسوں سے کاروبار کرو، اس میں profit نصف نصف تقسیم ہو جائے گا، ایسی صورتحال میں اس کو مضاربت نہیں کہہ سکیں گے اور وہ جائز نہیں ہوگا، اس واسطے کہ یہاں مالک نے مال نہیں دیا بلکہ اس نے ایک منافع دوسرے کو دیا ہے اور اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

وہ دکان کا کرایہ پر دینا ہو یا رہائش پر مکان دینا ہو، تو مضاربت میں ابتدائی شرط یہ ہے کہ ایک شخص اپنی طرف سے مال پیش کرے اور دوسرا اس میں عمل کرے، اور اس میں کاروبار کرے۔

دوسری قید کا فائدہ

یَکُوْنَ الرِّبْحُ مُشْتَرَکاً بَیْنَھُمَا

اور ان دونوں کے درمیان ربح مشترک ہو

اگر ربح مشترک نہ ہو تو اس کو مضاربت نہیں کہہ سکیں گے، خواہ اس طرح مشترک نہ ہو کہ سارا profit مالک کا ہو، پھر بھی یہ مضاربت نہیں ہے اور اگر سارا profit کاروبار کرنے والے کا ہو تو پھر بھی مضاربت نہیں ہے۔ اگر سارے کا سارا کاروبار کرنے والے کا بنائیں گے تو اس کو قرض کہا جائے گا اور اگر سارے کا سارا مالک کا بنائیں گے تو اس کو مباوہ کہا جائے گا۔ مضاربت اسی صورت میں بنے گی کہ ایک شخص اپنا مال پیش کرے، دوسرا اپنی محنت پیش کرے اور دونوں میں طے بھی ہو گیا کہ منافع تقسیم ہوگا۔

اگر منافع تقسیم نہ ہو، مال ایک کا ہو، کام دوسرا کرے تو اس کو وکالت کہتے ہیں کہ دوسرا اس کا وکیل بن گیا ہے اور وہ اس کی طرف سے کام کر رہا ہے، سارا منافع مالک کا ہے، اور وکیل کو تنخواہ ملے گی، اس کو اپنے کام کی اجرت ملے گی۔ اس کو partnership نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک مال پیش کرتا ہے اور دوسرا کام کرتا ہے اور یہ طے ہو چکا ہے کہ جو profit ہے، اس کو تقسیم کیا جائے گا۔

حدیث شریف سے مضاربت کا جواز

یہ حدیث شریف طبرانی کی معجم الاوسط اور مجمع الزوائد میں موجود ہے رسول اکرم ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ایک تجارت کا طریقہ وضع کیا، وہ طریقہ جس وقت نبی ﷺ کے پاس پہنچایا گیا تو ہمارے محبوب ﷺ نے اس

کی تصدیق فرمائی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تجارت کا طریقہ کیا تھا؟

اِذَا دَفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَةً اِشْتَرَطَ عَلٰی صَاحِبِہٖ اَنْ لَّا یَسْلُکَ بِہٖ بَحْرًا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب کسی کو مال دیتے تھے تو یہ شرط لگا دیتے تھے کہ یہ میرا مال ہے، تم نے اس میں کاروبار کرنا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ

اَنْ لَّا یَسْلُکَ بِہٖ بَحْرًا

میرا مال لے کے تم بحری سفر نہیں کر سکتے۔

یعنی خطرہ ہے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے، یہ شرط اپنی طرف سے لگا دیتے تھے

وَلَا یَنْزِلَ بِہٖ وَادِیًا

اور میرا مال لے کے تم کسی وادی میں پڑاؤ بھی نہیں کر سکتے۔

کسی آسان رہائش کی جگہ پر تم نے ٹھہرنا ہے، کہیں جنگل میں تم نے ڈیرہ نہیں لگانا۔

وَلَا یَشْتَرِیَ بِہٖ دَابَّۃً ذَاتَ کَبِدٍ رَطْبَۃٍ

تم نے میرے پیسے سے کوئی جانور بھی نہیں خریدنا، یعنی وہ ذی روح کہ جس کے مر جانے کا خطرہ ہے، ہو سکتا ہے، سارے پیسے ڈوب جائیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی لگا دی کہ پیسہ میرا ہے اور یہ شرائط ہیں، کاروبار تم نے کرنا ہے مگر ان باتوں سے بچ کے کرنا ہے، نہ تو میرا پیسہ لے کر تم نے سمندری سفر کرنا ہے اور نہ ہی کسی وادی میں پڑاؤ کرنا ہے اور نہ ہی تم نے اس

سے کوئی جانور خریدنا ہے۔

فَاِنْ فَعَلَ ذَالِكَ ضَمِنَ

اگر تم نے یہ کام کیا اور نقصان ہو گیا تو تمہیں ضمانت دینا پڑے گی۔

یہ پہلے انہوں نے شرط میں رکھ دیا

فَبَلَغَ شَرْطُهٗ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جب یہ شرط پہنچی

فَاَجَازَهٗ (مجمع الزوائد: ۴/۱۶۱)

تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز قرار دے دیا۔

میرے چچا نے تجارت کا ایک نیا طریقہ متعارف کروایا ہے، یہ میری شریعت کے مطابق ہے، پیسہ ایک طرف سے ہے اور عمل دوسری طرف سے ہے اور منافع آپس میں تقسیم ہوگا، اور مالک کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اگر شرائط لگانا چاہے تو وہ لگا سکتا ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو شرائط لگائیں ان شرائط کے لحاظ سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقد کو جائز قرار دیا۔ تو پتہ چلا کہ یہ مضاربت کا جو طریقہ ہے، یہ آج کی ایجاد نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رائج کردہ طریقہ ہے۔

آثار صحابہ میں مضاربت کا جواز

یہ اثر نصب الرایۃ میں موجود ہے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا، آپ امیر المومنین ہیں اور آپ کے دونوں بیٹے جہاد پر ہیں، یعنی عبداللہ بن عمر اور حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عراق کے جہاد پر تھے۔ عراق میں وہ لشکر

کے ساتھ گئے ہوئے تھے تو وہاں پر جو گورنر تھے، وہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے، مفتوحہ علاقے سے آگے ایرانی سرحد کی طرف جہاد بڑھ رہا تھا تو جس وقت یہ دونوں صاحبزادے واپس آنے لگے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ذہن بھی تجارت کے اصولوں کی طرف مائل تھا۔ جس وقت وہ دونوں واپس آنے لگے تو گورنر سے ملے، تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری ایک تجویز ہے، میں نے بیت المال میں کچھ فنڈ بھیجنا ہے تو میں وہ تمہیں دیتا ہوں، تمہیں بطور قرض دیتا ہوں اور تم دونوں ان پیسوں سے عراق میں سے کچھ چیزیں خرید لو اور وہ جا کر مدینہ شریف میں فروخت کرو، وہ چیزیں فروخت کر کے جتنے پیسے بیت المال کو دینے ہیں، اتنے بیت المال کو دے دو اور باقی منافع آپس میں تقسیم کر لو۔

یہ تجویز انہوں نے پیش کی کہ ویسے میں نے بیت المال میں یہ فنڈ بھیجنا ہے، وہاں تک پہنچنے سے پہلے پہلے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن اگر ان بچوں کا فائدہ ہو جائے تو یہ اچھا ہے، لہٰذا انہوں نے کہا کہ یہاں سے کچھ چیزیں خرید و اور وہاں جا کر فروخت کر دو لیکن یہ تم پر لازم ہے کہ جتنے پیسے میں تم کو دے رہا ہوں، اتنے پیسے تمہیں بیت المال کو دینے پڑیں گے اور باقی تمہارا بھی فائدہ ہو جائے گا۔ دونوں شہزادوں نے آپ کی بات مان لی کہ ٹھیک ہے ہم یہاں سے shopping کرتے ہیں اور وہاں مدینہ شریف کی منڈی میں فروخت کریں گے، جتنے پیسے بیت المال کو دینے ہیں، اتنے دے دیں گے اور باقی منافع ہم لے لیں گے۔

ایسی صورتحال میں جب دونوں شہزادوں نے shopping کر لی اور

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رقعہ لکھ کر امیر المومنین کو بھیج دیا کہ اتنے پیسے تمہارے بیٹوں کے پاس بیت المال کے ہیں، جب یہ پہنچیں تو ان سے اتنے پیسے وصول کر لئے جائیں، یہ دونوں جس وقت مدینہ شریف پہنچے تو وہاں جا کر انہوں نے جو کچھ عراق سے shopping کی تھی، مدینہ شریف کی منڈی میں جب اس کو بیچا تو ان کو کافی profit حاصل ہو گیا، انہوں نے بیت المال میں جتنی رقم جمع کرانی تھی اتنی امیر المومنین کے پاس لے گئے اور باقی انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا حق ہے، ہم نے تجارت کی ہے اور اس سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہو گیا ہے، لہٰذا وہ ہم رکھیں گے، مگر وہ زمانہ تھا، زمانے کے معتبر انسان اور عدالت کے تاجدار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا۔ جب ان تک معاملہ پہنچا تو ان دونوں صاحبزادوں نے کہا کہ یہ پیسہ بیت المال کا ہے، جتنا تھا اتنا ہی دے رہے ہیں اور ہمیں کچھ منافع بھی ہو گیا ہے اور وہ ہم رکھ رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً پکڑ لیا اور فرمایا:

اَكُلُّ الْجَيْشِ قَدْ اَسْلَفَ كَمَا اَسْلَفَكُمَا؟

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جتنا تمہیں قرض دیا تھا، کیا اتنا باقی فوجیوں کو بھی دیا تھا۔

فَقَالَ لَا

تو انہوں نے کہا نہیں۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے صرف ہمیں ہی دیا ہے، انہوں نے قرض دیا ہے، ہم نے محنت کی ہے اور اتنا ہی ہم بیت المال کو دے رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی

اللہ عنہ کہنے لگے:

لَا

ایسا نہیں ہوگا

اگر ہر فوجی کو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پیسے دیتے کہ تم یہاں سے shopping کرو اور مدینہ شریف میں بیچو اور پھر پیسے بیت المال کو دو اور profit اپنے پاس رکھو، تو پھر امیر المومنین کے بیٹے ایسا کر لیتے اور اگر باقی فوجیوں کو یہ سہولت نہیں دی تو پھر تمہیں بھی نہیں دی جاسکتی، وہ سارے پیسے نکالو، جو تم کو profit ملا ہے، وہ بیت المال کا حصہ ہے، وہ بھی ہم بیت المال میں جمع کریں گے، اصل بھی بیت المال کا ہے اور جو اس پر profit ہے، وہ بھی بیت المال کا ہے:

أَمَّا عَبْدُاللّٰهِ فَسَكَتَ وَأَمَّا عُبَيْدُ اللّٰهِ فَقَالَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت یہ فیصلہ کیا تو دونوں بیٹوں میں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو خاموش ہو گئے، لیکن حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ بولے، کہنے لگے:

يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے امیر المومنین!

صرف ایک جانب دیکھ رہے ہو، دوسری جانب بھی دیکھو تو سہی،

لَوْهَلَكَ الْمَالُ ضَمِنَّاهُ

اگر یہ مال ہلاک ہو جاتا، یہ پیسہ گم ہو جاتا، یہ ہمارے پاس چونکہ بطور امانت

تھا تو ہمیں یہ پورا کرنا پڑتا، یہ ہمارے پاس قرض تھا، لہٰذا گم ہونے کی صورت میں یہ پورا کرنا پڑتا، تو اگر ڈوب جاتا تو ہمیں ضمانت دینا پڑتی، لیکن ہمیں اس سے فائدہ حاصل ہوگیا ہے تو ہم نے خود اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا ہے، ہوسکتا تھا، یہ پیسہ لٹ جاتا اور یہ ہم سے ضائع ہو جاتا، تو پھر ہمیں یہ پورا کرنا پڑتا۔

دوسری طرف ہمیں اس سے فائدہ ہوگیا ہے تو جب نقصان کی صورت میں ہمیں ادائیگی کرنا پڑتی، اگر ہمیں profit مل گیا ہے تو اس بنیاد پر ہمارے لئے جائز ہونا چاہئے کہ profit ہمارا ہو اور اصل پیسہ بیت المال کو دے دیا جائے۔

جب عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابھی تک ان کو اس بات کا جواب نہیں دیا تھا کہ محفل میں ایک صحابی بیٹھے تھے، انہوں نے اپنی طرف سے تجویز پیش کی:

فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ جُلَسَاءِ عُمَرَ

ایک صحابی مجلس میں سے اٹھا اور کہنے لگا

يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے امیر المومنین!

یہاں ایک اور فقہی جزئیہ موجود ہے، اگر آپ وہ جزئیہ لگائیں تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

لَوْ جَعَلْتَهُ قِرَاضًا

اگر آپ اس پیسہ کو بیع مضاربت بنا دیں۔

شرکت مضاربت قرار دے دیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک فریق ہیں، تمہارے صاحبزادے دوسرا فریق ہیں، اور وہ بیت المال کو نائب کی حیثیت سے پیسہ دے رہے ہیں، کام تمہارے بیٹوں نے کیا ہے، اب نفع دونوں میں تقسیم ہو جائے گا، بیت المال میں اور تمہارے بیٹوں میں، نہ تو یہ ہوگا کہ سارا نفع بیت المال کو مل جائے اور نہ یہ ہوگا کہ سارا نفع تمہارے بیٹوں کو مل جائے، اصل رقم بھی بیت المال کو ملے گی اور جو منافع ہے وہ بیت المال اور تمہارے بیٹوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

قربان جائیں عادل لوگوں کے پہرے دار بھی عادل ہوتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھنے والا وہ شخص کتنا فقیہ اور زیرک نکلا اور شرکت مضاربت کا ایک تصور جو دربارِ رسالت ﷺ سے چلا تھا اور وہ اس وقت آنکھوں سے اوجھل تھا، امیر المومنین کے سامنے صورتحال واضح نہیں ہو رہی تھی، بیٹے اپنا کیس لڑ رہے تھے، تو اس صحابی کے کہنے پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرما دیا۔

ٹھیک ہے، ہم اس کو شرکت مضاربت بناتے ہیں۔

فَرَضِيَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس صحابی کی بات سن کر راضی ہو گئے۔

کہ ٹھیک ہے اصل رقم بیت المال کی ہے، profit تقسیم ہوگا، نصف بیت المال کا ہوگا اور نصف profit میرے بیٹوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

وَاَخَذَ رَأْسَ الْمَالِ وَنِصْفَ رِبْحِهٖ

تو آپؐ نے بیت المال کے لئے اصل مال لے لیا اور منافع سے نصف بھی لے لیا۔

اَخَذَ عَبْدُاللّٰہِ وَ عُبَیْدُاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا نِصْفَ رِبحِ الْمَالِ

حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہما نے منافع سے نصف حصہ لے لیا۔

اب دیکھو یہ ہے نظامِ مصطفیٰ ﷺ، یہ ہیں اسلام کے حکمران، یہ ہیں سید عالم ﷺ کے تربیت یافتہ لوگ اور یہ ہیں صفہ کے پڑھے ہوئے، یعنی اگر اپنا معاملہ ہو تو مسئلہ گول کر دیا جائے اور دیگر لوگوں کا معاملہ تو وہاں تحقیقات کی جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کے اعتراض کرنے سے پہلے خود Action لیا اور فرمایا، ایسا نہیں ہو سکے گا کہ امیر المومنین کے بیٹوں کو ایک امتیازی حیثیت دے دی جائے، اگر باقی سارے یہ کام کرتے اور ان کے ضمن میں تم بھی آجاتے تو میں معاف بھی کر دیتا، لیکن تم نے یہ کام جداگانہ کیا ہے لہٰذا یہ مال تمہیں نہیں ملے گا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہ شرکت مضاربت باقاعدہ رائج رہی اور اس کے مطابق کاروباری اصول آگے بڑھائے جاتے رہے۔

شرکت مضاربت کا رکن

بیع مضاربت کا رکن ایجاب وقبول ہے۔

جس طرح کہ نکاح میں ایجاب وقبول ہوتا ہے، بیع وشراء میں ایجاب وقبول ہوتا ہے، ایسے ہی شرکت مضاربت میں بھی ایجاب وقبول ہے۔

الفاظ ایجاب

مُضَارَبَةٌ مُقَارَضَةٌ مُعَامَلَةٌ

مثلاً کوئی شخص کسی کو پیسے دے، کہے کہ میں تجھے مضاربت کے لئے دے رہا ہوں یا کہے مقارضت کے لئے دے رہا ہوں، یا معاملت کے لئے دے رہا ہوں یا اس سے ملتے جلتے اپنی بولی کے لفظ بولتا ہے، اب اس میں ایجاب پایا جائے گا، لیکن آگے دوسرے پر موقوف ہے۔

الفاظ قبول

اگر وہ دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ پیسہ قبول کر لیا اور تمہاری طرف سے یہ پیشکش قبول کر لی ہے، تو اب ایجاب بھی پایا گیا اور قبول بھی پایا گیا، اس کے ساتھ عقد پورا ہو جائے گا، لیکن ابھی عقد لازم نہیں ہوگا کہ اس کے بعد فوراً کاروباری شراکت کے قوانین لاگو ہو جائیں یا متحرک ہو جائیں، جب تک وہ بندہ جو دوسری طرف سے کام کروانے والا ہے وہ پیسہ اس کی مٹھی میں نہیں دے گا اور وہ آگے کاروبار شروع نہیں کرے گا، اس وقت تک عقد مضاربت عملاً شروع نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اس کے سارے مسائل اور ساری شقیں اس پہ لاگو کر دی جائیں گی۔

اقسام مضاربت

مضاربت کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ مطلقہ

۲۔ مقیدہ

مضاربت مطلقہ

هِيَ أَنْ يَّدْفَعَ شَخْصٌ الْمَالَ إِلَى آخَرَ بِدُوْنِ قَيْدٍ أَيْ مِنْ غَيْرِ تَعْيِيْنِ الْعَمَلِ وَالْمَكَانِ وَالزَّمَانِ

مضاربت مطلقہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو پیسہ دیتا ہے لیکن آگے کوئی قید نہیں لگاتا کہ تم نے اس سے خریدنا کیا ہے، کس شہر میں خریدنا ہے، اور کہاں بیچنا ہے اور کس وقت بیچنا ہے۔

نہ زمان کی شرط ہے، نہ مکان کی شرط ہے، نہ جنس کی شرط ہے، اس نے پیسہ دیا ہے، تمہاری مرضی ہے جو کاروبار کرو نفع ہمارے درمیان اس طرح تقسیم ہو جائے گا، اس کو مضاربت مطلقہ کہا جاتا ہے۔

مضاربت مطلقہ کے بعد پھر اس کو مقید نہیں کر سکتا ہے، جب عامل کاروبار شروع کر دے تو یہ اس کو روک نہیں سکتا کہ تم نے فلاں کاروبار کرنا ہے وہ بعد میں نہیں کہہ سکتا، وہ آغاز میں شرائط لگا سکتا تھا، لیکن درمیان میں کوئی شرط نہیں لگا سکتا۔

مضاربت مقیدہ

هِيَ أَنْ يُّعَيِّنَ شَيْئًا مِنْ ذَالِكَ أَنْ يَّدْفَعَ إِلَى آخَرَ أَلْفَ دِيْنَارٍ مَثَلًا مُضَارَبَةً عَلَى أَنْ يَّعْمَلَ بِهَا فِيْ بَلْدَةٍ مُعَيَّنَةٍ أَوْ فِيْ بِضَاعَةٍ مُعَيَّنَةٍ أَوْ فِيْ وَقْتٍ مُعَيَّنٍ أَوْ لَا يَبِيْعُ وَلَا يَشْتَرِيْ إِلَّا مِنْ شَخْصٍ مُعَيَّنٍ

(البدائع: ۸۷۔۹۸)

مضاربت مقیدہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو پیسہ دیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم نے کپڑے کا کام کرنا ہے، اب اس کے لئے لازم ہے کہ وہ کپڑے کا ہی کاروبار کرے گا، اگر اس کو کہتا ہے کہ تم نے فرنیچر کا کام کرنا ہے تو وہ فرنیچر کا کام کرے گا، وہ اور کسی کام میں پیسہ نہیں لگا سکتا، اگر وہ یہ کہے کہ تم نے گوجرانوالہ میں ہی کام کرنا ہے تو اس کو گوجرانوالہ میں ہی کام کرنا پڑے گا، تو یہ مضاربت مقیدہ ہے کہ جس میں تعیین زمان کے لحاظ سے، مکان کے لحاظ سے، عمل کے لحاظ سے، اب اگر وہ شخص مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

شرائط مضاربت

مضاربت کے صحیح ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں، ہمارے ہاں تو صرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ ایک کا پیسہ ہو اور دوسرے کا کام ہو تو یہ کافی ہے اور کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے جو اسلام نے لگائی ہے، اب فریقین اپنی اپنی شرطیں لگالیں اور اسلام سے نہ پوچھیں تو اسلام ان میں برکت نہیں ڈالے گا اور ان کے کاروبار کو جائز بھی قرار نہیں دے گا، جس وقت اسلام سے پوچھے کہ اے اسلام! تم بھی بتاؤ تمہاری شرائط کیا ہیں؟

اسلام کی شرائط کو اگر درمیان میں رکھ دیا جائے تو یہ فرق ہے جو ایک مومن اور کافر میں ہوتا ہے، کافر لقمہ کھاتے ہوئے یہ نہیں سوچتا کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے، جو آتا ہے دبا جاتا ہے، مگر مومن پہلے یہ چیک کرتا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے۔

یہ ہماری دنیا میں اور کفار کی دنیا میں فرق ہے، وہ کاروبار کرتے ہیں تو صرف

دنیا کے لئے کرتے ہیں، ہم کاروبار کریں پھر بھی دین کے لئے کرتے ہیں۔

مضاربت کی تین شرائط ہیں۔ کچھ شرائط پیسے کے اندر ہیں، اور کچھ شرائط عاقدین میں ہیں، اور کچھ شرائط منافع میں ہیں۔

1- شرائط رأس المال

رأس المال میں چار شرائط ہیں:

اَنْ یَكُوْنَ رَأْسُ الْمَالِ مِنَ النُّقُوْدِ الرَّائِجَةِ

پہلی شرط یہ ہے کہ رأس المال نقودِ رائجہ میں سے ہو۔

یعنی یا تو وہ سونا ہو یا چاندی ہو، یا ان کے قائم مقام روپیہ ہو، اس کے سوا کسی چیز کو Partnership کے لئے پیش نہیں کیا جا سکتا، یعنی ایک شخص یہ کہے کہ یہ کار لے لو اور کرایہ پر چلاؤ، Driving کرو، جو کرایہ اکٹھا ہو گا، وہ نصف نصف کر لیں گے تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، یہاں مضاربت کے لئے پیسے کا دینا ضروری ہے، جب تک رأس المال پیسہ نہیں ہو گا، اس کو شرکت مضاربت نہیں کہا جا سکتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہاں پر یہ وضاحت کی ہے کہ:

اگر کوئی اس طرح کہے کہ یہ میں تجھے کار دے رہا ہوں، تم اس کو بیچ لو اور اس کے پیسے سے کاروبار کرو تو اب جائز ہو گا، کیونکہ اس نے خود کار بحیثیت پیسہ دی ہے، یہ نہیں کہا کہ اس کو برقرار رکھو اور پھر اس کے ساتھ کاروبار کرو تو پھر ساری صورتیں جائز ہو جائیں گی، لیکن جو یہ کہے کہ یہ مچھلیوں کا جال میرا ہے اور تم مچھلیوں کا شکار کرو، تو یہ جائز نہیں ہو گا، اس واسطے کہ جال کوئی پیسہ نہیں ہے، وہ ایک مستقل چیز ہے، لہذا

اس صورت میں مضاربت ناجائز ہوگی۔

2- رأس المال معلوم

دوسری شرط یہ ہے کہ رأس المال معلوم ہو، یعنی جو پیسہ دیا جا رہا ہے، وہ معلوم ہو، پتہ ہو کہ لاکھ دے رہا ہوں، اگر رأس المال معلوم نہیں ہوگا تو اس کو مضاربت نہیں کہہ سکتے، رأس المال مجہول ہوگا تو مضاربت ناجائز ہوگی۔

اب اس صورت میں کوئی یہ کہتا ہے کہ میں تجھے کچھ پیسے دوں گا تو تم اس سے کاروبار کرو، لیکن وہ رأس المال معین نہیں کرتا کہ تمہیں کتنے دوں گا، کچھ دے کے کہتا ہے، تم شروع کرو، جس طرح کہ ہمارے درمیان رائج ہے، تعیین نہیں کی جاتی، لہٰذا ہر شرعی عقد میں اس کی تعیین کرنا ضروری ہے۔

اگر کسی کو مزدوری پہ لگاتا ہے تو پہلے بتانا ضروری ہے کہ تجھے اس کام پہ اتنے پیسے دوں گا، اگر نہیں بتاؤ گے تو وہ اجارہ حرام ہو جائے گا، اس میں تعیین پہلے ضروری ہے، تاکہ مزدور کی مرضی ہو تو لگے، اگر نہ ہو تو نہ لگے، اگر وہ کام پر بیٹھے اور تم کہو کہ تمہیں اتنے دوں گا، تو اس بیچارے کا حق مارا جا سکتا ہے، ایسے ہی بیع وشراء کے لحاظ سے شے کی قیمت پہلے معین کرنا پڑے گی۔

اسی طرح مضاربت میں ضروری ہے کہ جو پیسہ کاروبار میں لگاتا ہے، اس کو معین کرنا پڑے گا کہ اتنا پیسہ میں تجھے دے رہا ہوں، تم نے آگے خرچ کرنا ہے اور اس میں کاروبار کرنا ہے۔

3- عین حاضر

تیسری شرط راس المال کی یہ ہے کہ پیسہ عین حاضر ہو، یعنی وہ پیسہ دین نہ ہو، قرض نہ ہو۔ مثلاً اس نے کسی بندے سے قرض لینا تھا، کہنے لگا جو میں نے قرض لینا ہے اس سے کاروبار شروع کر دو، تو اب یہ بھی **partnership** صحیح نہیں ہوگی۔ پہلے پیسہ موجود ہو، عین ہو، قرض نہ ہو، پھر جا کر اس کو شرعی طور پر مضاربت کہیں گے، ورنہ شرعی طور پر کبھی بھی مضاربت نہیں کہا جا سکتا۔

4- اَن یَّکُوْنَ رَأْسُ الْمَالِ مُسَلَّمًا اِلَی الْعَامِلِ

چوتھی شرط یہ ہے کہ تمام راس المال عامل کے **hand over** کر دیا جائے، یعنی پیسہ تو کاروبار کے لئے دے، لیکن اس کو اپنے پاس رکھے، اس کو مضاربت نہیں کہیں گے، لیکن اگر راس المال میں یہ چاروں شرائط موجود ہوں گی تو پھر ایک شعبہ اسلام کی طرف سے **clear** ہو جائے گا۔

شرائط عاقدین

عاقدین میں بھی کچھ شرائط ہیں۔

دو بندے آپس میں جو کاروبار کرنا چاہتے ہیں، ان میں بھی کچھ شرائط ہیں:

1- پہلی شرط یہ ہے کہ عاقدین عاقل ہوں، اگر ان میں سے ایک پاگل ہے، مجنون ہے، اور دوسرا اس کا پیسہ لے کے کاروبار کرنا چاہتا ہے، تو اس کو شرعی طور پر مضاربت نہیں کہا جائے گا، با قاعدہ، ہاں تو کیل پائی جائے اور دونوں صحیح

العقل ہوں، تو پھر جا کر مضاربت بنے گی۔

2- مضاربت مسلمان اور ذمی دونوں میں ہو سکتی ہے، ایک مسلمان ہے اور دوسرا ذمی ہو تو اس کے ساتھ بھی مضاربت ہو سکتی ہے، مسلمان ذمی کو پیسے دے کہ تم کاروبار کرو، تو اس میں مضاربت پائی جائے گی۔

شرائط ربح

ربح کی کل چار شرطیں ہیں

1- اَنْ یَّکُوْنَ الرِّبْحُ مَعْلُوْمَ الْقَدْرِ

ربح کی پہلی شرط یہ ہے کہ ربح پہلے دن ہی معلوم ہے، اگر ربح معین نہیں کرتے تو وہ مضاربت حرام ہے، پہلے دن یہ تعین ہو جائے کہ جس نے پیسہ دیا یا جس نے لیا، دونوں طے کر لیں کہ منافع نصف نصف ہوگا، یا جس لحاظ سے بھی ہوگا، وہ معین ہونا ضروری ہے، ورنہ مجہول ہونے کی صورت میں وہ سارے کا سارا سود بن جائے گا اور حرام کا کاروبار ہوگا۔

2- اَنْ یَّکُوْنَ الرِّبْحُ جُزْءً ا مُّشَاعًا

ربح میں دوسری شرط یہ ہے کہ ربح میں تعین جزء شائع کے لحاظ سے ہونی چاہیے، یہ نہ کہو کہ دو ہزار تیرا ہوگا اور پانچ ہزار میرا ہوگا، یا دس ہزار تیرا ہوگا اور دس ہزار میرا ہوگا، اس طرح ناجائز ہے، بلکہ اس طرح کہو کہ نصف تیرا ہے اور نصف میرا ہے، تاکہ وہ نصف تھوڑے میں بھی رائج ہو سکے، زیادہ میں بھی رائج ہو سکے۔

اگر معین کر دو تو ہو سکتا ہے، اتنے پیسے ہی نہ ہوں تو پھر وہ کہاں سے پورے کیے جائیں گے، اگر سارا منافع ہوتا ہی پانچ ہزار ہے اور تقسیم دس ہزار کے لحاظ سے کیا ہوا ہے تو پھر کس طرح پورا ہو سکے گا، کسی کا نقصان ہو جائے گا، اس پہ ظلم ہو جائے گا، اسلام کے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام بتانا چاہتا ہے کہ تجھے اپنے منافع کا اتنا پتہ نہیں، جتنا اسلام کو تمہارے منافع کا پتہ ہے۔ ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی مار کھا جائے، لیکن اسلام کے دونوں ہی پیارے ہیں۔

اس واسطے اسلام کسی کو بھی نقصان نہیں دینا چاہتا، اسلام کہتا ہے، مجھ سے پوچھ کے چلو، تاکہ دونوں کا پیسہ محفوظ رہے۔

3- اَلرِّبْحُ غَیْرُ اَصْلِ الْمَالِ

ربح کی تیسری شرط یہ ہے کہ ربح اصل مال کے علاوہ ہو، یہ نہیں کہ اصل کو منافع میں شمار کر کے تقسیم کرنا شروع کر دو، بلکہ اصل پیسہ محفوظ رہے، اس سے کسی کو منافع نہیں دیا جا سکتا، profit اس کے سوا کو شمار کیا جائے گا اور اس کو آگے پھر تقسیم کیا جائے گا۔

4- اَنْ تُعْطِیَنِیْ مِاۃَ رُوْبِیَۃٍ فِیْ کُلِّ شَھْرٍ بِغَیْرِ رِبْحٍ

مالک عامل سے کہے کہ منافع جتنا ہوگا، وہ تو تقسیم کریں گے لیکن ہر مہینے تم نے مجھے ایک سو روپیہ دینا ہے، اگر ایسا کریں گے تو پھر بھی سود ہو جائے گا، اس صورت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مہینے کے بعد سو بنے ہی نہ، پھر مضارب کو تو نقصان ہوگا کہ مستقل اس کو علیحدہ دیا جا رہا ہے، اس طرح اس کو علیحدہ معین کر لینا یہ شرعی طور

پرنا جائز ہے۔

منافع کے لحاظ سے تو مال تقسیم ہوگا، لیکن ایک سو کو معین کر دے تو یہ ناجائز ہے، اسلام قبول کر کے ہم نے عہد کیا ہے کہ اے اللہ ہم نماز بھی تیری پسندیدہ پڑھیں گے اور تجارت بھی تیرے حکم کے مطابق کریں گے۔

اس واسطے یہ دین کے ساتھ غداری ہے کہ کوئی بندہ یہ سمجھے کہ اسلام private رکھوں گا، مرضی اپنی کروں گا۔ اسلام ایسا نہیں ہے جو کسی کے ساتھ چمٹا رہے، جو اسلام کو private کر دے گا، اسلام اس کو private کر دے گا۔ اسلام regular ہے، عقیدہ ہو، مذہب ہو، عبادت ہو، معاملات ہوں، اسلام میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے، کلمہ تو اسلام کا ہے، لیکن تجارت انگریزوں والی ہے نہیں نہیں، اسلام کہتا ہے، عبادت بھی میری مرضی سے کرنی پڑے گی اور شراکت بھی میری مرضی سے کرنی پڑے گی۔

اب دیکھو ناں کتنی اس میں حکمتیں ہیں۔

ہمیں اتنا فائدے کا پتہ نہیں، جتنا ہمارے رب کو پتہ ہے، وہ ہمارا خالق ہے، اس کا جو فائدہ ہے، اس میں حکمتیں ہیں، اگرچہ بظاہر کہیں ہمیں نقصان بھی لگے تو ہمیں اپنی عقل کو دلاسا دینا چاہیے کہ تجھے اصل کا پتہ نہیں، جب رب فرما رہا ہے تو یقیناً اس میں ہمارا بھلا موجود ہے۔

مضارب کے حقوق

جو بندہ کام کر رہا ہے اور کاروبار کر رہا ہے، اس کے بھی حقوق ہیں۔

-1 ایک حق اس کا یہ ہے کہ منافع میں سے اس کو حصہ ملے، لیکن ایک حق نفقہ کا ہے، تجارتی سفر میں جتنا خرچہ ہوگا رہائش کا، وہ سارے کا سارا مالک پر ہے کہ وہ اس کو دے یعنی نفقہ سارے کا سارا مالک پر ہوگا کہ مالک اس کے اخراجات پورے کرے، اس کو منافع میں رکھ کر اسی کا حصہ بنا کر اس کے حساب سے نہیں کاٹا جائے گا جتنا تم نے پہلے خرچہ کرلیا لہٰذا منافع سے اس کو کاٹ لیں، نہیں، شریعت مطہرہ نے یہ لازم کیا ہے کہ یہ جو اخراجات ہوں گے، نفقہ ہوگا اور جتنا بھی خرچہ ہوگا، یہ مالک کے پیسے سے ہوگا۔

یہاں تک امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان فرمایا:

اگر وہ بیمار ہو جاتا ہے، کاروبار کرنے والا مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو مالک پر اس کی دوائی بھی لازم ہے، یعنی اس کا علاج بھی مالک پر لازم ہے۔

جب پیسہ دیا ہے اور آپس میں partnership بنائی ہے، علاج بھی مضارب کا مالک کے ذمے ہے، اب یہاں سے پتہ چلا ہے کہ جنہوں نے دو اور دو چار کا رٹا لگایا ہوا ہے، اب ان سے پوچھو، اگر مضاربت میں مریض ہو جائے تو اس کا فنڈ کہاں سے آئے گا، اس پر آیت پیش کر دو یا حدیث پیش کرو، سورج مغرب سے نکل آئے گا لیکن وہ پیش نہیں کر سکیں گے اگر پیش کریں گے تو امام صاحب کی فقہ پیش کریں گے اور انہیں ماننا پڑے گا کہ یہ امام ہیں کہ جن کا ہم پر احسان ہے، آج جو ہمارے لئے باتیں ڈھونڈنا مشکل تھیں، انہوں نے پانچ لاکھ مسائل امت کو حل کر کے بتا دیئے۔

مضاربت فاسدہ

مضاربت فاسدہ کو بیان کرنا بھی بڑا ضروری ہے، پہلے جو میں نے بیان کیا کہ اگر شرائط میں سے کہیں کوئی شرط نہیں پائی جائے گی، وہ شرائط جو اسلام نے لگائی ہیں تو مضاربت فاسد ہو جائے گی، ختم ہو جائے گی۔ اب جس وقت مضاربت فاسد ہو گی تو پھر اس وقت اس کا حکم کیا ہو گا۔

مثال کے طور پر ایک شخص نے کسی کو کار دی تھی اور کہا تھا کہ تم driving کرو، جو روزانہ ہمیں بچے گا، وہ ہم تقسیم کرلیں گے، کار میری ہے، driving تمہاری ہو گی، اسلام نے کہا میں راضی نہیں ہوں، اس واسطے کہ یہاں جو کچھ دیا جارہا ہے، وہ پیسہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کو بیچنے کا حکم دیا جارہا ہے، لہٰذا یہ مضاربت فاسدہ ہے۔

لیکن جو کام کر چکے ہیں، اس کا حکم اور حل کیا ہو گا؟

ایک مہینے کے بعد پتہ چلا کہ یہ تو مضاربت فاسدہ تھی، تو پھر ان کا فیصلہ کیسے کیا جائے گا؟

اسلام نے یہ روشنی دی، جہاں بھی مضاربت فاسدہ ہو گی، وہاں پر یہ قانون سامنے رکھو کہ جو کام کرنے والا ہے، اس کو تنخواہ دی جائے گی، یعنی جتنی driver کی تنخواہ بنتی ہے، اتنی تنخواہ اس driver کو دی جائے گی اور profit سارے کا سارا کار والے کا ہو گا۔

جہاں جہاں بھی مضاربت فاسدہ ہو گی تو سارا profit مالک کا ہو گا اور جس نے کام کیا ہو اس کو بھی اسلام محروم نہیں رکھے گا، اس کو مزدوری دی جائے گی،

اس کا جتنا ٹائم بنتا ہے، اتنا اس کے لئے وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ اسی طرح کسی نے کہا کہ جال میرا ہے، اس سے مچھلیاں پکڑ کے لاؤ، عامل نے مچھلیاں پکڑیں، اب یہ مضاربت فاسدہ ہے، جتنی مچھلیاں ہوں گی، وہ ساری مالک کی ہوں گی اور مضارب کو اس کے گھنٹوں کے لحاظ سے اجرت دی جائے گی۔

اسی طرح مضاربت فاسدہ کے لحاظ سے اس بات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اگر کوئی بھی ایسی شق پائی گئی کہ جس سے مضاربت باطل ہوتی ہے تو پھر اس کے بعد اس کو نافذ العمل نہیں سمجھا جائے گا اور وہ مضاربت باطل ہو جائے گی۔ اگرچہ بڑا پکا معاہدہ تھا لیکن پانچ اسباب ایسے ہیں، ان میں سے ایک بھی پایا گیا تو وہ partnership ختم ہو جائے گی، اور اس کے بعد اس کا کوئی قانونی حل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ پانچ اسباب یہ ہیں

پہلا سبب

مالک اگر مضارب کو معزول کر دیتا ہے، اعلان کر دیتا ہے کہ میرے کاروبار کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم اس کو ختم کر رہے ہیں، اس کو حق ہے، وہ مضاربت کو ختم کر سکتا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے مضارب کو معزول کرنے کا اعلان جب ہو جائے گا تو اس کے ساتھ وہ مضاربت ختم ہو جائے گی، اس کے بعد پہلے اشتراک کے لحاظ ان کا کام آگے نہیں چل سکے گا۔

دوسرا سبب

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب جانبین میں کسی ایک کا وصال ہو جائے تو پھر وہ

مضاربت ختم ہو جائے گی، یعنی آگے ورثاء کی طرف نہیں جائے گی، مالک کا وصال ہو جائے یا کاروبار کرنے والے کا وصال ہو جائے تو وہیں پر وہ معاملہ رک جائے گا، یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کے بیٹے کہیں، ہم اس کی جگہ ہیں، یہ سلسلہ ہمارے ساتھ بھی یوں چلے گا، پہلی مضاربت برقرار نہیں رہ سکے گی، جانبین میں سے جب ایک کا وصال ہو جائے گا تو اس کے ساتھ ہی پہلا اشتراک ختم ہو جائے گا۔

تیسرا سبب

متعاقدین میں سے ایک مجنون ہو جائے تو پھر بھی مضاربت ختم ہو جائے گی، مالک مجنون ہو گیا ہے یا کاروبار کرنے والا مجنون ہو گیا ہے، ان دونوں صورتوں میں جب کوئی ایک مجنون ہو جائے، تو وہاں ہی مضاربت ختم ہو جائے گی، اس کے بعد شرعی طور پر اس کو نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھا سبب

اگر مالک مرتد ہو جائے تو اس کے بعد بھی مضاربت ختم ہو جائے گی۔ پیسے کا مالک اگر اسلام سے پھر گیا تو اب وہ مضارب ختم ہے، اس مضاربت پر وہ بندہ مزید کام نہیں کر سکتا، جو کچھ پہلے ہو گیا ہے، اس کو تقسیم کیا جائے گا۔

پانچواں سبب

مال مضاربت مضارب کے پاس ہلاک ہو جائے۔ یعنی عامل تجارت کے لئے نکلا ہوا تھا، سارا مال چوری ہو گیا، اس پر بھی مضاربت ختم ہو جائے گی، اس میں

مسئلہ کیا ہوگا، عامل کے اور مالک کے درمیان جو پیسہ تھا یا مضارب نے پیسے کا سودا خریدا ہوا تھا، وہ گم ہو گیا، چوری ہو گیا، اس کو آگ لگ گئی، وہ پانی میں ڈوب گیا، تو کیا اس کو اپنی طرف سے تاوان دینا پڑے گا یا نہیں دینا پڑے گا۔ تو اس صورت میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ مضاربت کا مال امانت سمجھا جاتا ہے۔

وہاں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بطور قرض دیا تھا اور پھر اس کو مضاربت کا رنگ دیا گیا، اصل جہاں پہ عقد مضاربت ہوتا ہے تو مضارب کے پاس مالک کا مال بطور امانت ہے اور امانت کے بارے میں قانون ہے کہ اگر اس کے اندر بندے کی غفلت کا دخل ہو تو پھر اس کو تاوان دینا پڑے گا اور اگر اس میں غفلت کا دخل ہی نہیں ہے تو پھر اس پر اس صورت میں کوئی تاوان نہیں آئے گا۔

لہٰذا مضارب کے پاس اصل پیسہ ہو یا اس سے خریدی ہوئی چیز تھی، اس کے بعد اگر اس کے اپنے عمل کے بغیر مال یا پیسہ ہلاک ہو گیا تو ایسی صورتحال میں اسلام اس پر بوجھ نہیں ڈالے گا کہ اس پر سارا تاوان ڈال دے کہ تم سارا ادا کرو، نہیں نہیں، ایسی صورتحال میں اس سے کوئی تاوان وصول نہیں کیا جائے گا۔

مضاربت کے لحاظ سے میں نے ایک مختصر سا خاکہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے، اصل جو شراکت کے اصول ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں، ایک شعبہ ہم نے آج کے سبق میں پڑھا اور اس کے جزئیات کو سامنے رکھا۔

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہمیں سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر
10

تحفظ ناموس رسالت ایک فرض اور قرض

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَامُجِيبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ

اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ

وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

ناموسِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہم ہر باطل سے ٹکرائیں گے
جو راہ میں ہماری آئے گا، ہم ان کو مار گرائیں گے

یہ مسئلہ ہے جب ایمان کا، کیا خطرہ ہے جسم و جان کا
اس مسئلے کو جو چھیڑے گا، پھر تاج اچھالے جائیں گے

کیا حاجت ہے ہمیں زندگی کی، پھر زندگی میں شرمندگی کی
سب وار کے پونجی جندڑی کی، خود بدن پہ کفن سجائیں گے

گستاخِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چلتا پھرے، کیوں عاشق دل میں جلتا رہے
گستاخ کو آگ لگا کے ہی، سینے کی آگ بجھائیں گے

اس راہِ محبت میں ہم نے، مہمان بنے جو جیلوں کے
کل خلدِ بریں کے باغوں میں، تختوں پہ دیکھے جائیں گے

اس راہ میں جن کو زخم لگے، وہ پھول ہیں گویا جنت کے
انہیں ساقیِ کوثر محشر میں، بھر بھر کے جام پلائیں گے

محبوب کی عزت گر مانگے، آصف کی جان بھی حاضر ہے
اک جان تمہیں ان پر تو، لکھ بار بھی صدقے جائیں گے

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر و محراب، اربابِ فکر و دانش، اصحابِ محبت و مودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز و محتشم حضرات و خواتین سامعین و ناظرین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے صراطِ مستقیم کے اجالوں میں آج ہم سب کو فہمِ دین کورس کے انیسویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

تحفظِ ناموسِ رسالت ایک فرض اور قرض

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت کا فہم عطا فرمائے، ناموسِ رسالت کو سمجھتے ہوئے اس کے تحفظ کا فریضہ ادا کرنے اور اس سلسلے میں جو ہم پر قرض ہے، اس کو اتارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محتشم سامعین حضرات!

بحیثیت مومن ہر شخص ناموس رسالت کے سلسلے میں جس یقین، چاشنی اور اطمینان کو محسوس کرتا ہے، اسے زبان پر الفاظ کے ذریعے سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایک عام سا مسلمان ہی کیوں نہ ہو، جو بہت بڑا محدث، مفکر نہیں، بالکل ان پڑھ سادا سا ایک امتی ہے، تو اس کے دل میں بھی اس مسئلہ کے لحاظ سے جو یقین ہے، وہ اتنا بلند ہے کہ ہمالہ کی چوٹیاں بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

ذرّہ عاکم ولے بامہر دارم دوستی

ہائے کوہاں تا فراز آسمان خواہم شدن

ایک مسلمان جو بظاہر عام سا ہے لیکن وہ اپنی اس حیثیت کو جانتا ہے اور اس پر رب ذوالجلال کا شکر گزار ہے کہ:

میں ایک ذرہ ہوں اور میری دوستی آفتاب کے ساتھ ہے وہ آفتاب اور اس کی کرن ذروں کو بلندیوں تک پہنچانے والی ہے۔

آج کا ہمارا موضوع اس سال کے ایک بہت بڑے حادثے کے لحاظ سے بھی بڑا اہم ہے، ڈنمارک میں جو گستاخانہ خاکے شائع کئے گئے اور اس کے بعد پوری اسلامی دنیا میں جو اس پر احتجاج ہوا اور ردعمل ہوا اور پھر اس سلسلے میں مختلف سیمینار اور اعلیٰ اداروں کے اندر بھی گفتگو ہوتی رہی۔ اس لحاظ سے بھی یہ اہم مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے اور International affair کے لحاظ سے بھی ایک اہم مسئلہ ہے اور اس وقت اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ ان بدبختوں نے پھر ایک بار عاشقانِ رسول ﷺ کے سینوں کو زخمی کیا، جب رمضان المبارک میں ہی پھر ان خاکوں والی فلموں کو دوبارہ چلایا تو اس کی وجہ سے بھی ایک نئی صورتحال سامنے آ رہی ہے۔

ہم نے چونکہ تمام تر مسلکوں سے بالاتر ہو کر اس ایمانی فریضہ کو سرانجام دینا ہے، تو اس سلسلہ میں ہمیں قرآن وسنت سے اپنا راستہ پوچھنا چاہئے اور زمانے کی ترجیحات، حکومتوں کے معاملات اور اس کے سوا اپنے داخلی بعض معاملات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صرف اور صرف اپنے ایمان کو بچانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اکرم ﷺ کی چاہتوں کے حصول کے لئے ہمیں روح کی گہرائی سے اس مسئلے کو سمجھنا چاہئے اور اسی لحاظ سے پھر اس کو آگے لے جانا چاہئے اور اس پر عمل پیرا

ہونا چاہئے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر مومن کا ایمان

خالق کائنات جل جلالہ نے ہمیں جو اساسی عقائد دیئے ہیں، ان میں سے منصبِ نبوت سے متعلق اہم عقیدہ تمام رسولوں پر اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان انبیاء کرام علیہم السلام میں ہمارے آقا ﷺ کو قیادت اور سیادت عطا فرمائی ہے۔

ہماری یہ گفتگو اس لحاظ سے بھی غیر مسلم دنیا اور بالخصوص عیسائیوں اور یہودیوں کے لحاظ سے قابل غور ہے کہ مسلمان کبھی توہین رسالت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا، جس کے دل میں بھی لذتِ ایمان موجود ہے، اس کے ہاں یہ نہیں ہے کہ اپنے نبی ﷺ کی عزت اور ناموس کا تو دفاع کرے اور معاذ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ناموس پہ حملہ کر جائے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا کسی بھی پیغمبر کے بارے میں نازیبا لفظ بولے، ہمیں جو قرآن وسنت نے سکھایا ہے، وہ یہ ہے کہ جہاں بھی نبوت جلوہ گر ہوئی ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ہر عیب کو دور رکھا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کو عیوب سے پاک پیدا کیا ہے۔

اس واسطے عیسائیوں کو ہماری مجبوری سمجھنی چاہئے یعنی اگر ہم یہ رویہ رکھتے ہوتے کہ ہم ماہِ مدینہ ﷺ کی ناموس کے لئے تو کٹ مرتے ہوتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لحاظ سے ہمارے دلوں میں کوئی تقدس نہ ہوتا تو پھر یہ سوچتے کہ یہ ایک تعصب ہے، اس کی بنیاد پر یہ لوگ جلتے ہیں، جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمیں وہ

شخص اتنا ہی برا لگتا ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نازیبا الفاظ بول رہا ہو، جتنا ماہِ مدینہ ﷺ کی گستاخی کرنے والا بُرا لگتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی نبی ہیں ان کا مقام مزید بلند و بالا ہے۔

جس نے نبی اکرم ﷺ کی گستاخی کی ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گستاخی کی ہے، ہم ان گستاخوں کو نبوت کی گستاخی کے لحاظ سے مساوی سمجھتے ہیں اور ہمارا اس شخص کے بارے میں کوئی نرم پہلو نہیں ہے، نرم گوشہ نہیں ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گستاخی کرتا ہو، ہم اس کو پناہ دینے والے ہوں یا ہم اس کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے والے ہوں ایسا نہیں ہے بلکہ ہم اس کو بھی اتنا بڑا مجرم سمجھتے ہیں کہ جتنا رسول اکرم ﷺ کے گستاخ کو مجرم سمجھتے ہیں، تو پھر عیسائی دنیا کو سوچنا چاہیے کہ وہ ہمارے بارے میں اس نگاہ سے سوچے کہ انہوں نے تمام اُنبیاء علیہم السلام کی نبوت کو تقدس کی نگاہ سے مانا ہے۔

لہٰذا جب یہ ان انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کوئی عیب نہیں سن سکتے اور بیان نہیں کر سکتے کہ جب ان کی نبوتوں کا زمانہ گزر چکا ہے تو وہ نبی ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کا نبی بنایا ہے اور ہمیشہ کی نبوت جن کو عطا فرمائی ہے، ان کے بارے میں اس طرح کی نازیبا گفتگو کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔

لہٰذا مغرب کو بالخصوص اس **view** سے اس دینی مسئلہ سمجھنا چاہیے کہ ہم منصب نبوت کے لحاظ سے بالکل حساس ہیں، اور یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی

انبیاء علیہم السلام کو ہمارے محبوب ﷺ کی نبوت کے جھنڈے کے نیچے نبوتیں عطا فرمائی ہیں اور وہ اپنے دور کے مستقل نبی رہے ہیں، وہ سارے کے سارے ہر عیب سے پاک ہیں اور ان میں سے جو کسی کی بھی گستاخی کرتا ہے، ہمارے نزدیک وہ کائنات کا سب سے بڑا مجرم ہے اور اس کو وہ سزا دینی چاہیے، جو کائنات کے سب سے بڑے مجرم کو سزا دی جاتی ہے۔

اللہ اور رسول ﷺ کی محبت تمام محبتوں پر غالب

قرآن مجید کی سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ۲۲ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

آپ ایسی قوم نہیں پائیں گے، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر تو ایمان رکھے

یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ

اور پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرے۔

اللہ فرماتا ہے:

ایسی کوئی قوم میرے بندوں کے اندر نہیں ہو سکتی جو مجھے مانے اور آخرت کے دن کو نہ مانے، جو اول آخر ایمان کی حدود تھیں، ان کو بیان کر دیا گیا۔

مطلب یہ ہے کہ مجھے مانے میرے نبی ﷺ کو مانے، فرشتوں کو مانے، کتابوں کو مانے، قرآن کو مانے اور آخرت کے دن کو مانے، بعث بعد الموت کو مانے اور اس کے ساتھ اس کا Practical Life میں کیا معاملہ ہو۔

یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ

رب کو اور رسول ﷺ کو مان کر دوستی ان سے کریں جو اللہ کی مخالفت کرتے ہیں اور رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ایسا کوئی مومن نہیں ہوسکتا، مطلب کیا ہے؟ کہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے، تو وہ مومن نہیں ہے، جو ایمان رکھنے کے بعد اللہ کے دشمنوں سے اور رسول اکرم ﷺ کے دشمنوں سے محبت کرتا ہو اور ان کے ساتھ پیار کرتا ہو اور دوستی کی پینگیں ان کے ساتھ بڑھاتا ہو، ایسا بندہ کسی لحاظ سے بھی مومن نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جو مجھے مانتا ہے، اور ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے، مومن بن گیا ہے، وہ کبھی بھی اس شخص کے ساتھ اتحاد نہیں کرسکتا، جو میرا باغی ہو اور میرے نبی ﷺ کا باغی ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رشتوں کو شمار کر کے بتایا کہ

اگر وہ بندے کا فلاں لگتا ہو ایسے باغی بندے کا فلاں رشتہ ہو، پھر بھی وہ اس سے پیار نہیں کرے گا۔

وَلَوْ كَانُوْا آبَاءَهُمْ

اگرچہ وہ اللہ کی گستاخی کرنے والے اور رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والے مومن میں سے کسی کا باپ ہو، تو یہ مومن اس باپ سے بھی محبت نہیں کرے گا۔

اَوْ اَبْنَاءَهُمْ

اپنے بیٹے سے بھی پیار نہیں کرے گا۔

اگر اس کا بیٹا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے، تو اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے:

ایسا مومن نہیں ہوسکتا، جو مجھے مانے اور پھر اپنے اس بیٹے سے پیار کرے، جو بیٹا میرا دشمن ہے اور میرے نبی ﷺ کا دشمن ہے۔

اللہ نے فرمایا:

وہی مومن ہوسکے گا کہ جو ایمان کے بعد یہ تقاضے پورے کرتا ہے۔ کہ وہ جتنا بھی قریبی کیوں نہ ہو، اگر وہ ہمارے دربار سے تعلق نہیں رکھتا، تو وہ مومن نہیں ہے، بلکہ مومن وہ ہوگا جو اپنے گستاخ بیٹے سے کبھی بھی تعلق نہیں رکھے گا۔

اَوْ اِخْوَانَهُمْ

خواہ وہ ان کے بھائی کیوں نہ ہوں۔

مومن وہ ہوگا، جو گستاخ بھائی سے بھی تعلق نہیں رکھے گا۔

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ

خواہ، وہ ان کے خاندان ہی کیوں نہ ہوں۔

ان سے بھی اپنا یہ تعلق ختم کرتا ہے، ان گستاخوں سے رابطہ منقطع کرتا ہے، یہ اصل میں حقیقی مومن ہے، جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اور رسول اکرم ﷺ کی محبت دونوں یکجا محبتیں ہیں، یہ ایک طرف ہیں اور دوسری طرف برادری کی محبت ہے، دوسری طرف باپ کی محبت ہے اور دوسری طرف بیٹے کی محبت، دوسری طرف بھائی کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مومن وہ ہوتا ہے، جو اللہ اور رسول ﷺ کی محبتوں کا جھنڈا ساری محبتوں پر

غالب کر دیتا ہے۔

ان محبتوں سے کوئی محبت ایسی نہیں ہے، جو اس کو راہِ حق سے پیچھے ہٹا سکے، وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا اور ان کے ساتھ وہ نرم رویہ نہیں رکھ سکتا، ان کے ساتھ مودت نہیں کر سکتا، ان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔

ایمان اس چیز کا نام ہے کہ بندے کو معاملاتی زندگی کے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور رسول ﷺ کے ساتھ محبت کا یوں ثبوت دینا پڑے گا کہ ان کے دشمنوں سے مکمل بائیکاٹ کرنا پڑے گا اور دشمنوں کے ساتھ محبت کا رابطہ رکھنا بالکل جائز نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ان خاص رشتوں کا ذکر کیا، تو مطلب کیا تھا؟ کہ جب ان قریبیوں سے پیار کرنا جائز نہیں تو اجنبیوں سے کیسے جائز ہوگا، جب کوئی پہلے مسلمان ہو اور پھر وہ گستاخ بن جائے اور وہ بھائی ہو یا بیٹا ہو، وہ باپ ہو یا چچا ہو، اس کے ساتھ جب رابطہ جائز نہیں ہے تو ایک عیسائی کے ساتھ کیسے جائز ہے؟ اور ایک یہودی کے ساتھ کیسے جائز ہے؟ یا ایک اجنبی مسلمان کے ساتھ جس نے گستاخی کی ہے، اس کے ساتھ اس کا تعلق کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ایسا مومن نہیں ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ مومن وہی ہوتا ہے، جب ایمان آجاتا ہے، تو پھر ان ذوات کا جو دشمن ہوتا ہے، وہ مومن ان سے دشمنی رکھتا ہے، ان کے ساتھ محبت نہیں کرتا، ان

کے ساتھ نرمی نہیں کرتا، بلکہ اس کا ایمان اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس انداز میں زندگی گزارتا ہے کہ ہر ماحول کے اندر اپنے ایمان کی متاع کو محفوظ کر کے رکھتا ہے۔

اللہ اور رسول کے دشمنوں سے دشمنی کرنے والے مومن کا اجر

اللہ تعالیٰ نے پھر ان لوگوں کا اجر بھی بیان کیا، چونکہ یہ کام چھوٹا نہیں، بہت بڑا کام ہے، اس سے جگر پگھلتا ہے، اور بڑے بڑے لوگ جن کا ایمان صنوبر کے درختوں کی طرح ہو، جب ایسی آندھیاں چلتی ہیں تو وہ گرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کی جڑیں اکھڑ جاتی ہیں۔

اپنے قریبیوں کو چھوڑنا محض اللہ کی وجہ سے، باپ کو چھوڑ دینا، بھائی بیٹے کو چھوڑ دینا، بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن جو ایسا کرے، خدا اور رسول ﷺ کے لئے اس کو کیا ملتا ہے، اللہ فرماتا ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔

یعنی ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے، پکا کر دیا ہے، ایمان کا نقش رب نے بھر دیا ہے، یعنی وہ اتنا پکا ہے، اس کو کوئی اور محبت مٹا نہیں سکتی، بھائی برادری کی محبت بیٹے باپ کی محبت اس نقش کو مٹا نہیں سکے گی، پہلے نمبر پر تو ان کا ایمان ایسا کامل ہے اور انعام یہ ہے کہ اس کی اللہ نے خود اپنی طرف نسبت کر دی کہ اللہ نے ان کے دلوں پر ایمان کے نقش لگا دیئے ہیں۔

وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو تنہا نہیں چھوڑے گا، اگرچہ پوری دنیا بھی ان کی مخالف ہو جائے، مگر یہ پکے ایمان والے لوگ اپنی جگہ برقرار رہیں گے، ان کا تقویٰ ان کی حمیت، ان کی جرأت ہمیشہ برقرار رہے گی، اس واسطے کہ یہ دنیا میں کسی کے ریالوں اور ڈالروں کے محتاج نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی ڈیوٹی لگا دی ہے کہ تم نے ان کی ہمیشہ حمایت کرنی ہے۔

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اللہ انہیں جنت میں داخل کرے گا، وہ باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

اللہ ان سے راضی ہوگا اور یہ اللہ سے راضی ہوں گے۔

اس حال میں جنت میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ

یہ ہے اللہ کی پارٹی، یہ اللہ کی جماعت ہے، یہ اللہ کا گروہ ہے۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

خبردار! جو اللہ کا گروہ ہے، وہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔

دوسرا کوئی کامیابی نہیں پا سکتا۔ اب اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے

لئے محبتوں کا نصاب تھا، اس کو کھول کے بیان کر دیا اور اس بات کو واضح کر دیا کہ کچھ فرائض ایسے ہیں، جن کو سال کے اندر ایک بار ادا کرنا پڑتا ہے، ایک مہینے کے اندر، اور کچھ فرائض اس انداز کے ہیں کہ وہ فرائض ادا کرتے وقت بندے کو دن میں پانچ مرتبہ وہ فریضہ ادا کرنا پڑتا ہے، مگر یہ اللہ کی محبت کا فریضہ اور رسول اکرم ﷺ کی محبت کا فریضہ، یہ عشق رسول ﷺ کا فریضہ اتنا بڑا فریضہ ہے کہ جس کی بنیاد پر ہر سانس میں بندے پر ادائیگی لازم ہوتی ہے۔

اگر ایک سانس، ایک لمحہ کے اندر بھی، وہ اس فریضہ سے غافل ہو جاتا ہے اور اس فریضہ کو چھوڑ بیٹھتا ہے، تو اس کا اثر کیا پڑتا ہے، وہ ایمان کی حلاوت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس واسطے یہ ایک دائمی فرض ہے، ایک چاہت ہے، ایک کیفیت ہے کہ جس کا مطالبہ کیا گیا ہے، ہر وقت جو مومن اپنے ایمان کو برقرار رکھنا چاہتا ہے، اسے یہ فریضہ اپنے دل میں محفوظ کرنا پڑے گا۔ اب اس کی اساسی گفتگو کو سمجھنے کے لئے اس آیت کا شان نزول دیکھنا چاہیے۔

آیت کا شان نزول

اس آیت کے شان نزول کو امام قرطبی نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت کیوں نازل ہوئی۔

اصل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے جب کلمہ نہیں پڑھا تھا، یہ اس وقت کی بات ہے، ویسے تو یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اعزاز ہے کہ یہ خود بھی صحابی ہیں، ان کے والد گرامی بھی

صحابی ہیں، ان کے بیٹے بھی صحابی ہیں اور ان کے پوتے بھی صحابی ہیں، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے، جب حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ نہیں پڑھا تھا، ایک دن بول رہے تھے کہ:

اَنَّ اَبَا قُحَافَةَ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ

ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو گالی دی۔

جس وقت انہوں نے گالی دی، تو کیا ہوا

فَصَکَّهٗ اَبُوْبَکْرٍ صکةً

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو یوں تھپڑ مارا کہ وہ منہ کے بل گر پڑے

فَسَقَطَ مِنْهَا عَلٰی وَجْهِهٖ

جب ابوقحافہ رضی اللہ عنہ اپنے منہ کے بل گرے تو اس کے بعد اٹھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اَتَی النَّبِیَّ ﷺ

رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے

فَذَکَرَ ذٰلِکَ لَهٗ

عرض کرنے لگے:

یارسول اللہ ﷺ! آج آپ کے بارے میں میرے والد کے منہ سے کچھ الفاظ نکل گئے تھے تو مجھ سے برداشت نہ ہوا، وہاں تو میرا امتحان تھا کہ والد بھی ہے،

بوڑھا بھی ہے اور پھر آپ ﷺ کا معاملہ تھا تو میں نے ایک تھپڑ مارا ہے تو وہ منہ کے بل گرے ہیں۔

فَقَالَ اَوَ فَعَلْتَهٗ

آپ ﷺ نے فرمایا: اے صدیق! کیا تم نے واقعی ایسا کیا ہے؟

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، ہاں یارسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لَاتَعُدْ اِلَيْهِ

اے صدیق! آئندہ ایسا نہ کرنا۔

محبوب ﷺ اپنی طرف سے جو شفقتیں فرمانے والے ہیں، اس کا آپ ﷺ اظہار کر رہے تھے، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! آج جو انداز تھا میرا

وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِيًّا

مجھے اس خدا کی قسم ہے، جس نے آپ کو سچا نبی بنایا ہے

لَوْ كَانَ السَّيْفُ مِنِّىْ قَرِيْبًا لَقَتَلْتُهٗ (اسباب نزول:۲۷۷)

اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں باپ کا سر اتار دیتا۔

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ آپ ؐ کے بارے میں بولے اور میں اس کو کچھ نہ کہتا، اس وقت پاس کچھ نہیں تھا، میں نے تھپڑ مارا ہے اور اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں کبھی بھی نہ چھوڑتا، اپنے باپ کا سر قلم کر دیتا، جب یہ گفتگو ہو رہی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے

یہ آیت نازل فرمادی کہ:

اے محبوب ﷺ تمہارے دیوانوں کی اور تمہارے عاشقوں کی یہی شان ہے، ان کا ایمان ان کو مجبور کرے گا، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ تجھے اور مجھے مانیں اور پھر ہمارے گستاخوں کو یہ معاف کر دیں، اگرچہ ان کے باپ ہوں گے، پھر بھی یہ نہیں چھوڑیں گے، اور ان سے اس طرح کا معاملہ کریں گے، تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ رسول اکرم ﷺ کا جو کلمہ پڑھتا ہے، اس کو یہ حیثیت مل جاتی ہے۔

محمد ﷺ ہیں متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارے
پدر، مادر، برادر، جان مال اولاد سے پیارے

دوسرا شانِ نزول

دوسرا اس کا شانِ نزول حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قَتَلَ اَبَاهُ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ الْجَرَّاحِ يَوْمَ اُحُدٍ (اسباب نزول:۷۵۳)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ الجراح کو اپنی تلوار سے احد کے میدان میں قتل کیا۔

بہر حال رسول اکرم ﷺ کے اس صحابی ابوعبیداللہ بن الجراح نے جس وقت مخالف کیمپ میں اپنے باپ کو دیکھا ہے، ان سے برداشت نہیں ہو سکا کہ یہ میرے محبوب سے لڑنے کے لئے آگیا ہے اور پھر سلامت واپس چلا جائے، یہ وہ انداز تھا

جو چشم فلک نے کہیں نہیں دیکھا کہ ایک انسان کی محبت میں لوگ یہاں تک چلے گئے ہیں کہ ان کو اپنے رشتے بھول گئے ہیں اور اپنے رشتوں کی محبتیں بھول گئی ہیں، اور والدین کے ساتھ جو پیار ہے، وہ ختم ہو گیا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب جراح کو قتل کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیت نازل کر دی ہے کہ ایمان والوں کا مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ انکا ایمان برقرار تب رہتا ہے، جب ایمان کو محفوظ کرنے کے لئے جو بھی ان کو اپنے محبوبوں کا مخالف نظر آتا ہے یا دشمن نظر آتا ہے اور پھر وہ گستاخیاں کرتا ہے تو یہ اس سے زمین کو پاک کر کے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ہمارے دل اور سر پر صرف ایک محبوب ﷺ کی محبت کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔

یہی وہ صورتِ حال تھی، جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا تھا تو ان کی امی کہتی تھیں کہ اے سعد! واپس آجاؤ، ورنہ میں مر جاؤں گی، اس نبی ﷺ کو چھوڑ دو اور اس دین کو چھوڑ دو تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا:

لَوْ كَانَتْ لَكَ أَلْفُ نَفْسٍ فَخَرَجَتْ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَكْتُ دِيْنِيْ هٰذَا لِشَيْءٍ

میری امی تیری ایک جان ہے، جس کی تم مجھے دھمکی دے رہی ہو کہ میں واپس آجاؤں، ورنہ تم مر جاؤ گی، تم مر کے کیا کر لو گی، اگر تمہاری ہزار جانیں ہوں، ہر جان کے نکلنے پر تم مجھے warning دو کہ سعد واپس آؤ، ورنہ میں مر جاؤں گی، میری ماں تجھے ہزار بار مرتا دیکھوں گا، مگر ایک بار بھی درِ حبیب ﷺ سے واپس نہیں آؤں گا۔

اس آیت کے شانِ نزول کو اسبابِ نزول کے اندر بیان کرتے ہوئے یہ کہا

گیا کہ بالخصوص یہاں جو آ رہا ہے،

أَوْ أَبْنَاءَهُمْ

خواہ وہ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں، گستاخ ہوں اور بیٹے ہوں، تو پھر بھی مومن ان سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔

یہاں پر بطور خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا گیا، دیگر کتب تاریخ الخلفاء میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے لحاظ سے ہے، جس وقت انہوں نے اسلام لانے کے بعد کہا تھا کہ اے ابا جان! جنگ بدر میں آپ میری تلوار کے نیچے آ گئے تھے اور میں نے اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ آپ میرے والد ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کے بیٹھ گئے اور چہرہ سرخ ہو گیا، فرمایا:

لَوْ أَهْدَفْتَ لِي يَوْمَ بَدْرٍ لَمْ أَنْصَرِفْ عَنْكَ

تم نے مجھے چھوڑ دیا تھا، اگر بدر کے دن تم میری تلوار کے نیچے آتے، تو میں تجھے کبھی بھی معاف نہ کرتا۔

لیکن اس مقام پر قرطبی میں حضرت عبداللہؓ کے حوالہ سے یہ ذکر ہے کہ جس وقت بدر کے دن صفیں بنیں، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ میرا بیٹا مخالف صف میں کھڑا ہے تو نبی اکرم ﷺ سے اجازت مانگی، یارسول اللہ ﷺ! ابھی جنگ کا آغاز نہیں ہوا، وہ ایک ایک پہلوان کر کے نکلیں گے، پھر دو دو کر کے نکلیں گے، پھر تین تین، پھر دست بدست لڑائی ہو جائے گی، یہ سارا منظر بعد میں ہو گا، میں چاہتا ہوں، باپ بیٹے کی لڑائی پہلے ہو جائے، مجھے اجازت دو کہ میرا بیٹا جو مخالف سمت

میں کھڑا ہے، میں اس کے پاس جا کر بدلہ لوں اور اس کو بتاؤں کہ تم کس انداز میں میرے محبوب ﷺ کے خلاف نکلے ہو، اس دن میرے نبی ﷺ نے یہ جملہ بولا تھا:

فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَتِّعْنَا بِنَفْسِكَ يَا اَبَابَكْرٍ

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر! اپنی جان سے مجھے فائدہ دو تم میرے لئے کتنے ضروری ہو،

اَمَا تَعْلَمُ اَنَّكَ عِنْدِیْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ

تم یوں ہو، جیسے آنکھیں اور کان ہوتے ہیں۔

تم میری آنکھیں ہو اور میرے کان ہو، ابوبکر میں تجھے کیسے اجازت دے دوں، لہٰذا جو معاملات ہوں گے، ہوتے رہیں گے، سرکار دو عالم ﷺ اسی دن ہی خلافت کی نوید سنا رہے تھے، آنکھیں اور کان سے تشبیہ دے کر پوری ملت اسلامیہ کے اندر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جو مرتبہ تھا، رسول پاک ﷺ نے اس کو واضح فرمایا ہے اور قرآن مجید کی آیت نازل ہوگئی کہ یہ ہے ایمان کہ اگر ان کو اپنا بیٹا اپنے محبوب ﷺ کے خلاف نظر آجائے تو اس کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور فوراً ارادہ کر لیتے ہیں۔

اَوْ اِخْوَانَهُمْ

خواہ وہ ان کے بھائی ہوں۔

اس سلسلے میں بھی وہ اپنا انداز یہی رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو بطور خاص کردار ہے، وہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ہے، جنہوں نے بدر کے دن

اپنے بھائی عبید بن عمیر کی کھوپڑی جدا کر دی، بدر کے دن چشم فلک نے عجیب نظارہ دیکھا کہ بھائی بھائی کو قتل کر رہا ہے، وہ گہرے رشتے آج اس بنیاد پر، اس نظریے کے لحاظ سے بدل گئے ہیں، یہ نہیں دیکھا جا رہا کہ رنگ ایک ہے یا بولی ایک ہے یا خون ایک ہے، بلکہ یہ دیکھا جا رہا ہے کہ وہ پیغمبر کا عاشق ہے یا گستاخ ہے، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے اس کی حیثیت کیا ہے۔

یہ اصل میں ملت اسلامیہ کی بنیادی طور پر روح ہے اور یہ ہماری رشتہ داریوں کی بنیاد ہے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن اپنے بھائی عبید کو قتل کر کے اس بات کو واضح کیا کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سارے عالم ایجاد سے پیارے
پدر، مادر، برادر، جان مال اولاد سے پیارے

أَوْ عَشِيرَتَهُمْ

خواہ کنبہ ہی کیوں نہیں ہے، ان سے بھی ٹکرائے ہیں۔

یعنی

عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَتَلَ خَالَهُ الْعَاصَ بْنَ هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ يَوْمَ بَدْرٍ (تفسیر قرطبی ۲۷۵/۹ـ۲۷۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر کے دن خود قتل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کرتے ہوئے

اپنی چمکتی تلوار سے اس بات کو ثابت کیا کہ ساری محبتوں سے بالاتر جو محبت ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت ہے، اس محبت کی opposition میں جو بھی آئے گا، خواہ چچا ہو یا ماموں ہو خواہ باپ ہو، یا بیٹا ہو، اس کو بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

ایسے ہی (عشیرۃ) کے لحاظ سے یہ بھی ہے کہ حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما بدر کے دن اپنی برادری کے لوگوں کو، عتبہ اور شیبہ کو تلواروں سے ٹکڑے کر دیا تھا اور یہ ثابت کیا تھا کہ ہمیں ربِ ذوالجلال نے جو دین دیا ہے، اس دین کی بقاء کے لئے ضروری ہے کہ جو بھی ہمارے محبوب ﷺ کے خلاف آئے گا، ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ اس سے رشتہ داری کیا ہے، ہم یہ دیکھیں گے کہ یہ ہمارے نبی ﷺ کا گستاخ ہے، لہٰذا ان کا فیصلہ ہماری تلواریں کریں گی۔

یہ مقدس شخصیات کا کردار تھا کہ جن کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، ان لوگوں نے یہ کام کیا تو اللہ نے یہ انعام دیا اور قیامت تک کیلئے اللہ نے یہ پیغام دیا کہ قیامت تک مومن وہی رہے گا کہ جو اس نقشِ قدم پر چلے گا، یعنی ایسے کچی لسی کے ایمان والے لوگ اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہو سکتے اور ان کے ایمان کو اللہ اپنی طرف سے کتابت قرار نہیں دیتا، جو یہ کہیں کہ ایمان بھی رہے گا اور رشتہ داری بھی رہے گی، ایمان بھی رہے گا، برادری بھی رہے گی، ایمان بھی رہے گا اور بھائی ہے یا باپ ہے، اگر گستاخ ہے لیکن باپ اور بھائی تو ہیں، یہ بھی رہیں گے۔ نہیں نہیں، اللہ تعالیٰ نے جھڑک کے فرما دیا کہ

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

ایسی قوم ہرگز مومن نہیں ہو سکتی، جو ایمان بھی رکھے اور ان گستاخوں کا دھیان بھی رکھے۔

فرمایا، نہیں نہیں، بلکہ وہی مومن رہے گا کہ جو اسی انداز میں اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرے گا۔ اس وقت میں آیت کے بعد ایک چھوٹا سا sketch بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آج جو اعتقادی طور پر مرض ہے، جو کینسر کی طرح امت میں آیا ہے اور جسد ملت کو جس نے کھوکھلا کیا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں نے منصب نبوت کو بالکل مذاق سمجھ لیا ہے کوئی کہتا ہے بڑے بھائی جیسے ہیں، کوئی کہتا ہے گاؤں کے چودھری جیسے ہیں اور کوئی کہتا ہے، ڈاکیے جیسے ہیں، یہ انداز لوگوں نے اپنایا ہوا ہے، حالانکہ

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

منصب نبوت کا جو مقام ہے اور اس کی جو حیثیت ہے، وہ عرش سے بھی نازک تر ہے، اس واسطے انسان کو اس سلسلہ میں پوری طرح حساس ہونا چاہئے کہ کہیں کوئی ایسا جملہ اس کی زبان سے نہ نکلے۔ اتنی نزاکت کسی شیشے میں نہیں ہے جتنی منصب نبوت کے اندر موجود ہے اور اتنا تقدس کسی شبنم کے شفاف پن میں نہیں ہے، جتنا کروڑ مرتبہ اس سے زائد تقدس اللہ نے منصب نبوت کو عطا فرمایا ہے۔

اس واسطے اس منصب نبوت کا ایک انداز ذہن میں رکھتے ہوئے پھر ہمیں survey کرنا چاہیے کہ آج اگر بیرونی محاذ پر ہمیں شورشیں نظر آ رہی ہیں اس کے اسباب اندرونی محاذ میں موجود ہیں اور کچھ لوگ اندرونی محاذ کے اندر جو ہیں، انہوں

نے دروازہ کھولا ہے کہ جس کی وجہ سے بیرنی محاذ پڑاتنی قباحتیں پیدا ہوگئی ہیں۔اس لیے،ہم صدق دل سے،خلوص اور ایمان کی اس مجلس کے اندر ان کو دعوت فکر دیں گے کہ اگر کوئی ایسا شخص ایسا دھندہ کر رہا ہے تو خدارا اس ملت پہ احسان کرتے ہوئے اپنی ان باتوں سے باز آجائے،تاکہ جو بیرونی غیر مسلم ہیں،ان کو پتہ چلے کہ مسلم امہ اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں کس قدر عالی نظریات رکھنے والی ہے۔یہاں پر سب سے پہلے حسب المفتین کا فتویٰ بیان کرنا چاہتا ہوں،اس کے بعد اس کا ماخذ بیان کروں گا،البحر المحیط میں امام علم الھدیٰ نے اس کو بیان کیا ہے۔

مَنْ شَتَمَ النَّبِيَّ ﷺ

جس شخص نے نبی ﷺ کو گالی دی

اَوْ اَهَانَهٗ

یا اہانت کی

اَوْ عَابَ فِي أُمُوْرِ دِيْنِهٖ اَوْ شَخْصِهٖ اَوْ فِيْ وَصْفٍ مِنْ اَوْ صَافِهٖ

یا جس نے آپ کے امور دینیہ میں عیب لگایا یا ذاتی معاملے میں عیب لگایا۔

شخص سے مراد رسول اکرم ﷺ کی ذات ہے اور تشخص ہے،مثال کے طور پر آپ کا قد مبارک ہے اور آپ کا چہرہ مبارک ہے،آپ کے ہاتھ مبارک ہیں،آپ کے خاکہ شخصی کے لحاظ سے کوئی عیب لگاتا ہے کہ معاذ اللہ ناک اس طرح کی تھی،اس میں عیب بیان کرنا مقصود ہو،اور تو اور رہا،یہاں تک کہ فتاویٰ عالمگیری میں یہ کہا گیا

لَوْقَالَ اِنْعَلِ النَّبِيِّ ﷺ نُعَيْلٌ يُكْفَرُ

اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین میں سے ایک کو حقارت کی نگاہ سے اتنا کہہ دے گا کہ یہ چھوٹا جوتا ہے، اس کا ایمان سلامت نہیں رہے گا۔

اَوْ فِیْ وَصْفٍ مِّنْ اَوْصَافِہٖ

یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے کسی وصف پر کوئی بندہ hit کرتا ہے۔

اب اس میں عموم آگیا کہ وہ hit کہاں کرے گا، ذات پر یا تعلیمات پر یا پھر اوصاف پر، یہ پہچانئے کہ یہ دھندہ کیسے ہوتا ہے۔

آج ہمارے ہاں کچھ مغرب زدہ لوگ اور اپنے تئیں نام نہاد دانش ور اور مفکر، وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو عام سمجھتے ہیں۔ میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو Oxford سے مسلمانوں کے بچے پڑھ کے آئے تھے، آج بولتے ہوئے ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہم ایک پیغمبر کے بارے میں اپنی زبان کھول رہے ہیں اور جو سارے رسولوں کے سردار ہیں، ان کے بارے میں بول رہے ہیں۔ تو وہ بولتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی توہین کر جاتے ہیں،

داڑھی مبارک پر کوئی جملہ بول جاتے ہیں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ سخت ہیں، یہ ظالمانہ حدود ہیں، یہ فلاں ہیں، یہ فلاں ہیں، اس طرح کا کوئی جملہ بول جاتے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ ڈنمارک میں اگر کوئی گستاخی کرے تو وہ گستاخی ہوتی ہے نہیں نہیں! اگر کوئی اسلام آباد میں گستاخی کرتا ہے تو وہ بھی یوں ہی ہوتی ہے، اگر کوئی گوجرانوالہ میں یوں بولتا ہے، تو وہ بھی گستاخی ہوتی ہے۔ کیوں؟

ہمارے رسول اکرم ﷺ کی سنت ہمارے لئے final طریقہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے اس پہ جو تنقید کرے گا اس نے سرکار دو عالم ﷺ کی توہین کی ہے۔ یہ شریعت اللہ کی طرف سے فائنل شریعت ہے اور اس پر جو تنقید کرے گا، وہ توہین رسالت کر رہا ہے۔ ایسے ہی نبی اکرم ﷺ کی ذات کا معاملہ ہے، جو محبوب ﷺ کو معاذ اللہ یوں تشبیہات دے، لوگو دیکھو! کہیں میری کرسی کے نیچے تو نہیں بیٹھے ہوئے، کہیں یہاں تو نہیں ہیں، اس طرح کی باتیں کر کے رسول اکرم ﷺ کے نور کو تولنے کی کوشش کرے، علوم کے بارے میں اپنی طرف سے کہتا پھرے اور یہاں تک کہہ جائے کہ ان کو کل علم تو آتا نہیں تھا، بعض میں ان کی کیا فضیلت، ایسا تو زید، عمر، بکر، پاگلوں اور حیوانوں کو بھی حاصل ہے، اس طرح کی جو باتیں کر رہا ہے تو وہ شخص نبی ﷺ کی ذات پر بھی تنقید کر رہا ہے، اوصاف پر تنقید کر رہا ہے۔

تنقید کے لحاظ سے وہ سنت پر تنقید کرے، شریعت پہ تنقید کرے، سرکار ﷺ کے پیکر پہ تنقید کرے یا سرکار ﷺ کی صفات پر تنقید کرے، یہ سارے لوگ برابر کے مجرم ہیں، ان سب کو گستاخانہ صف میں برابر کا شمار کیا جائے گا

یہاں پر تو یہ تھا کہ اس گستاخی کا رخ کس طرف ہے، تو نبی اکرم ﷺ کے یہ شعبہ جات ہیں، ان میں سے کسی کی طرف اگر رخ ہوگا تو گستاخی شمار ہوگی، اب یہ کہ وہ گستاخ ہیں کون؟ آگے فرماتے ہیں:

سَوَاءٌ كَانَ الشَّاتِمُ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ أَوْ غَيْرِهَا سَوَاءٌ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ذِمِّيًّا أَوْ حَرْبِيًّا

وہ جس نے رسول ﷺ کی ذات، وصف یا تعلیمات پر تنقید کی ہے، وہ امت محمدی ﷺ سے ہو یا اس کے علاوہ ہو، آگے عام ہے کہ وہ اہل کتاب سے ذمی ہو یا حربی ہو، وہ گستاخ قرار پائے گا۔

سَوَاءٌ كَانَ الشَّتْمُ اَوِ الْاِهَانَةُ اَوِ الْعَيْبُ صَدَرَ عَنْهُ عَمَدًا اَوْ قَصْدًا اَوْ سَهْوًا اَوْ جِدًّا اَوْ هَزْلًا

خواہ اس نے گستاخی ارادے سے کی ہو، یا اس نے سہو سے کی ہو،

سہو کا مطلب یہ ہے کہ وہ گستاخی کا نظریہ رکھتا ہے اور اس نظریے میں بھول گیا تھا، بھول سے اس نے وہ گستاخی گھڑی ہوئی ہے، یعنی نظریاتی الجھن میں آ کر اس نے وہ گستاخی کر دی ہے۔

یا وہ گستاخی مذاق کے انداز میں ہو یا سنجیدگی کے انداز میں ہو۔

علامہ علم الھدیٰ فرمانے لگے، سب میں برابر کا مجرم ہے، رسول اللہ ﷺ کی گستاخی جس انداز میں ہو اور جس انداز میں بھی وہ اہانت کرے تو اس کو کیا کہا جائے گا، وہ فرماتے ہیں:

فَقَدْ كَفَرَ خُلُودًا

وہ دائمی کافر ہو گیا۔

بِحَيْثُ اِنْ تَابَ لَمْ تُقْبَلْ تَوْبَتُهُ اَبَدًا

اس لحاظ سے کہ اگر وہ توبہ بھی کرے گا تو اس کی توبہ کبھی قبول نہیں ہو گی۔

وَحُكْمُهُ فِي الشَّرِيعَةِ عِنْدَ مُتَاَخِّرِ الْمُجْتَهِدِيْنَ اِجْمَاعًا اَلْقَتْلُ

شریعت میں متاخرین مجتہدین کے نزدیک اس گستاخ کا حکم یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

وَلَایُدَاهِنُ سُلْطَانٌ اَوْ نَائِبُهٗ فِیْ حُکْمِ قَتْلِهٖ

اس کے قتل کے معاملے میں بادشاہ یا بادشاہ کا نائب کسی مصلحت کو نہ دیکھے۔

بادشاہ ہو یا اس کا نائب ہو، جس کے پاس وہ case پہنچا ہے تو شریعت کہتی ہے کہ وہ کبھی بھی اس گستاخ کو مہلت نہ دے۔ آج یہی حکومتیں گستاخوں کو راتوں رات کسی کو جرمنی پہنچا دیتی ہیں اور کسی کو کسی اور ملک میں پناہ دیتی ہیں، جب کہ شریعت مطہرہ نے جس شخص کو مسلمانوں کا حاکم کہا ہے، اس پر لازم کیا ہے کہ اگر ایسی گستاخی ہوگئی تو حاکم اور اس کے نائب پر لازم ہے کہ وہ کسی مصلحت کا شکار نہ ہو، فوراً اس شخص کو جس نے توہین کی ہے اور ثابت ہوگئی ہے، اس بندے کو قتل کر دیا جائے۔

وَاِنْ فَاتَ فِیْ قَتْلِهِ الْمَصَالِحُ الدُّنْیَوِیَّةُ

اگرچہ اس کے قتل سے دنیا کی بہت سی مصلحتیں ضائع ہو رہی ہوں۔

مثلاً قتل کریں گے تو حکومتیں خلاف ہو جائیں گی، قتل کریں گے تو قرضہ نہیں ملے گا اور ہر طرف سے boycott ہو جائے گا، تنگی ہو جائے گی تو شریعت مطہرہ نے یہ واضح کیا کہ اگرچہ اس گستاخ کے قتل کی وجہ سے تمہاری خوراک بند ہو جائے، تمہارا پانی بند ہو جائے اور تمہاری زمین تنگ ہو جائے پھر بھی حاکم اسلامی پر لازم ہے کہ اس کو جیتا جی نہ رہنے دے، اگرچہ خود کو زندگی کسی طریقہ سے گزارنی پڑے، جتنی بھی دنیا کی مصلحتیں فوت ہوتی ہوں ہو جائیں مگر کبھی بھی گستاخ گستاخی کر کے

اس زمین پر زندہ رہنے کا حقدار نہیں ہے پھر فرماتے ہیں:

لِاَنَّهٗ حَدٌّ وَجَبَ فَلَا یَسْقُطُ بِالتَّوْبَةِ

یہ ہمارا فتویٰ کیوں ہے؟ اس گستاخ کا جو قتل لازم ہوا تو بطور حد لازم ہوا اور حد ایسی چیز ہے، ثابت ہو جائے تو ساقط نہیں ہوتی، جب تک کہ نافذ نہ کر دی جائے۔

كَحَدِّ الْقَذْفِ (حسب المفتین: ۳۳۷)

مثال کے طور پر حد قذف ہے۔

ایک شخص نے کسی پاکدامن مرد پر الزام لگا دیا تھا کہ اس نے بدکاری کی ہے اور اس الزام کو ثابت نہیں کر سکا تو الزام لگانے والے پر حد قذف لگائی جائے گی، جس کو اس نے کہا کہ اس نے برا کام کیا ہے، وہ کوئی نبی نہیں ہے، وہ کوئی رسول نہیں ہے، وہ کوئی غوث، قطب ابدال نہیں تھے، وہ کوئی صدیق اور اوتاد نہیں ہے، عام سا بندہ تھا، لیکن اس نے جرم نہیں کیا تھا، اس پر اس نے الزام لگایا تو اب شریعت نے اس بندے پر حد قذف کا حکم لگایا، یہ مجرم کروڑ بار توبہ کرے، ایک بار بھی توبہ قبول نہیں ہوگی، کوڑے اس کو ضرور مارے جائیں گے، یہ حد کا قانون ہے کہ حد اگر ثابت ہو جائے تو حد ساقط نہیں ہوتی، تو یہ لوگ جن کی گستاخیاں ہیں اور یہ گستاخ رسول ﷺ کا مسئلہ جو میں بیان کر رہا ہوں، اس کے قتل کا جو فتویٰ دیا، اس کا سبب یہ تھا، کہنے لگے، یہ حد ہے اور حد اًا سکو قتل کیا جائے گا۔

شریعت کی حد ثابت ہو جائے تو ساقط نہیں ہوتی، توبہ کا اس میں دخل ہی کوئی نہیں ہے، سوچنے کی بات ہے کہ ایک عام بندے کی عزت اتنی ہو، جس نے

نبی ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے، وہ سب سے نچلے درجہ والا ہے، مومن ہے اور پاکباز ہے، اس کے بارے میں اگر کسی نے گستاخی کردی تو اس کی توبہ قبول نہیں ہے، لیکن وہ جو شہنشاہوں کے شہنشاہ ہیں، نبیوں کی نبی ہیں اور رسولوں کے قائد ہیں، اس کے بارے میں جو کوئی بھونکتا پھرے، کہہ دیا جائے،، توبہ قبول ہوگئی۔

نہیں نہیں، اس کی توبہ کیسے قبول ہو جائے گی، یہ حد کی بنیاد پر جب قذف کی سزا توبہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی، تو توہین رسالت کی سزا توبہ کی وجہ سے ساقط کیسے ہو جائے گی۔ لہٰذا کسی عرب لیگ کو یہ کب حق پہنچتا ہے یا او آئی سی (O.I.C) کو یا کسی دنیا کے بادشاہ یا کسی حرم کے امام کو یا سعودی حکمران کو کہ وہ کسی کو معاف کردے کہ ہم فلاں صحافی کو معاف کر دیتے ہیں، وہاں کے وزیر اعظم نے معذرت کر لی ہے ، ان کو ہم چھوڑ دیتے ہیں، یہ کسی کے چھوڑنے کا مسئلہ نہیں ہے، یہ رب ذوالجلال کا جو دیا ہوا قانون ہے، اس کے مطابق یہ ہے کہ اگر گستاخ زندہ ہے، تو پوری ملت شرمندہ ہے، اگر گستاخ کا سر اتارا جائے گا تو پوری ملت کا قرض اتر جائے گا، اس واسطے ناموس رسالت کے لحاظ سے یہ مسئلہ ہے۔

یہاں معافی وغیرہ کا جو چکر ہے، یہ ایک پراپیگنڈہ ہے۔ حقوق العباد تو خدا بھی معاف نہیں کرتا، بندہ کون معاف کرے گا۔ یہ ہمارے نبی ﷺ کا حق ہے، اگر کسی میں صلاحیت ہے، تو گنبدِ خضراء سے معافی کا پروانہ لے لے اور اگر نہیں لے سکتا تو پھر اس کو غلاموں کی تلوار کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس فتویٰ کا جو میں نے بیان کیا، اس کا میری اپنی سوچ کے مطابق ماخذ کیا

ہے؟ قرآن وسنت کی بہت سی آیات اس کا ماخذ ہیں۔ بالخصوص بخاری شریف کی جو حدیث شریف ہے، وہ اس کا ماخذ ہے، وہ کیا ہے کہ میرے محبوب ﷺ سواری پہ بیٹھے ہیں، گدھے پہ تشریف فرما ہیں، مدینہ شریف کی گلی ہے، عبداللہ بن ابی ابن سلول کا محلہ ہے، وہاں سے جس وقت وہ سواری گزری ہے، ایک روایت میں ہے کہ وہ شور زدہ زمین تھی، کوئی غبار اٹھا ہوگا تو عبداللہ بن ابی ابن سلول نے ناک چڑھائی اور اللہ کی قسم اٹھا کے سرکارِ مدینہ ﷺ کے گدھے کی توہین کی کہنے لگا:

وَاللّٰهِ لَقَدْ آذَانِیْ نَتْنُ حِمَارِكَ

خدا کی قسم! تمہارے گدھے کی بدبو نے مجھے تکلیف دی ہے۔

جب اس نے یہ لفظ بولے، اب یہاں مسئلہ غور کرنے والا ہے کہ میں نے جو پہلے آپ کو قسمیں بیان کی ہیں، یہ اس سے بھی آگے کا معاملہ ہے۔

جب اس نے یہ کہا کہ آپ ﷺ کے گدھے کی بدبو نے مجھے تکلیف دی ہے تو یہ توہین، نبی ﷺ کی ذات کی نہیں تھی، یہ سرکار ﷺ کی شریعت کی توہین نہیں تھی، یہ نبی ﷺ کی صفات کی بھی توہین نہیں تھی کہ ان کو دیوار کے پیچھے کا بھی پتہ نہیں، یہ بھی نہیں جانتے، وہ بھی نہیں جانتے۔ یہ محبوب ﷺ کی سواری کی توہین تھی، اس میں نہ تو سرکار ﷺ کی ذات کی توہین ہے، نہ آپ ﷺ کی تعلیمات کی توہین ہے، نہ آپ ﷺ کی سنت کی توہین ہے اور نہ آپ ﷺ کی صفات کی توہین ہے اس میں گدھے کی توہین ہے۔ جو ہے تو گدھا مگر سرورِ کونین ﷺ کا گدھا ہے۔

اس کے بارے میں اگر آج کا مزاج ہوتا بعض لوگوں کا ہے۔

لوگ کہتے ہیں، کوئی نہیں، انسانی حقوق بڑے ہوتے ہیں اور اگر کوئی ایسا کردے تو چھوٹی موٹی بات ہو ہی جاتی ہے۔ یہ فلاں لوگ ہیں غصے میں آجاتے ہیں اور فتوی بازی شروع کردیتے ہیں۔ میں کسی Narrow Minded مفتی کی بات نہیں کر رہا، میں اس مفتی کی بات کرتا ہوں کہ جس نے سرکار ﷺ سے پوچھے بغیر فتوی دیا تھا اور عرشیوں کے مہمان نے فتوی منظور فرمالیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سرکار ﷺ کے صحابی ہیں، ادھر عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق ہے اور ادھر سرکار کے خادم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ موتہ کے میدان میں شہید ہوئے تھے اور قادر الکلام شاعر تھے اور جرنیل صحابی تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن لیا کہ کس بدبخت نے میرے نبی ﷺ کے گدھے کو بدبو والا کہا ہے، اگر یہ ہوتا کہ خود تو مانو، لیکن جو کوئی کہتا ہے، کہنے دو، اس کو کچھ نہ کہو، یہ بھی ہمارے ہاں نظریہ promote کیا جاتا ہے کہ تم اپنا نظریہ پیش کرو، جو کوئی بندہ جو کچھ کہتا ہے، اس کو کہنے دو۔

یہ اسلام کی پالیسی نہیں ہے کہ جو کہتا ہے، اس کو کہنے دو اور تم صرف اپنی بات کرو۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ موقف سچا ہوتا تو وہاں پر کھڑے ہوکے نعت خوانی شروع کردیتے۔

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی

سب سے بالا و اعلیٰ ہمارا نبی

ہم اپنی بات کرتے ہیں اور اس کو کچھ نہیں کہتے، لیکن حضرت عبداللہ بن

رواحہ رضی اللہ عنہ نے واضح کیا کہ نعت پڑھنے کے مقام اور ہوتے ہیں اور نعت پڑھانے کے مقام اور ہوتے ہیں، فرمایا، یہ مقام ناموس رسالت پہ پہرہ دینے کا ہے، جب تک میں اس گستاخ کی خبر نہیں لوں گا، اس وقت تک نعت پڑھنی مجھے نہیں آئے گی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کیا جملہ بولا:

وَاللّٰہِ لَحِمَارُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَطْیَبُ رِیْحًا مِّنْکَ (بخاری شریف:۱/۳۷۰)

خدا کی قسم! اے بے وقوف! میرے پیغمبر ﷺ کا گدھا تجھ سے خوشبو والا ہے۔

قسم کی دو صورتحال تھیں، ایک تو یہ کہ نبی ﷺ کی تعریف کرتے، یقیناً اس میں بھی ثواب ملتا کہ تم والشمس، والضحیٰ ہو، طٰہٰ ویٰس ہو، تم سراج منیر ہو، بشیر و نذیر ہو، رحمۃ اللعالمین ہو، سید المرسلین ہو، یہ ساری صفتیں تھیں۔

دوسرا انداز کیا تھا کہ آپ تو ہیں جو کچھ ہیں اور یقیناً ہیں، لیکن جس نے گدھے کی گستاخی کی ہے، آخر وہ بھی تو کچھ ہے، اس کو بھی واضح کرنا چاہیے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سرکار ﷺ کی صدارت میں پوچھے بغیر فتویٰ دے دیا کہ اگر چہ تو شکل انسانی میں ہے، لیکن گدھے کے پیشاب سے بھی برا ہے، جو گدھا میرے نبی ﷺ کا گدھا ہے، یہ الفاظ جلالین کے ہیں کہ:

وَاللّٰہِ لَبَوْلُ حِمَارِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَطْیَبُ رِیْحًا مِّنْکَ

خدا کی قسم! میرے پیغمبر ﷺ کے گدھے کا پیشاب بھی تجھ سے خوشبو والا ہے۔

اب یہ پالیسی واضح ہوئی کہ مومن کے ایمان کو بچانے کے لیے کچھ ذرائع ہیں ورنہ ایمان نہیں رہ سکے گا، ایمان ختم ہو جائے گا۔ جب ایسی بے ہودگی ہو تو ان

لوگوں کو ان کے حوالے سے جواب دینا پڑے گا کہ وہ کیا ہیں، ان کی حیثیت کیا ہے، کیا پدی کیا پدی کا شوربا۔

کیا ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کے بارے میں بولے لہٰذا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے واضح جواب دیا:

وَاللّٰهِ لَحِمَارُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَطْيَبُ رِيْحًا مِّنْكَ

خدا کی قسم! میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گدھا تجھ سے زیادہ خوشبو والا ہے۔

اب یہاں پر ایک عام سادماغ تو یہ کہہ سکتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی نہیں ہوئی، نہ آپ کی سنت پر تنقید ہوئی ہے، نہ علم پر تنقید ہوئی ہے، یہاں پر لڑنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں، یہ گدھا ہے، گدھے کی کیا عظمت ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لڑے اور بتایا کہ یہاں گدھا بھی عظمت والا بن گیا ہے کیونکہ یہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری بن گیا ہے۔ یہ سبب تھا لوگو! کہ جس پھٹی پر قرآن رکھتے ہو، اس پہ پھر تم قدم نہیں رکھتے کہ یہ قرآن کی جگہ ہے۔ جس لکڑی پہ قرآن آجائے تو لکڑی کی شان بڑھ جائے، تو جس پیٹھ پہ صاحب قرآن آجائے، اس کی شان کیوں نہیں بڑھے گی۔

لہٰذا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے لئے یہ سبق دیا کہ یہ معاملہ بڑا ہی حساس ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی توہین کی نیت سے یہ کہہ دے گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے میلے ہیں، اس کا بھی ایمان نہیں رہ سکے گا۔

اس واسطے جو رب ذوالجلال نے مرتبہ و مقام دیا ہے اسکے پیش نظر کوئی ایسا

لفظ مومن سواری کے بارے میں بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ آج اگر وہ تسلسل کے ساتھ عقیدہ برقرار رہتا تو کسی کو یہ خاکے بنانے کی جسارت نہ ہوتی کہ جو گدھے کے گستاخ کو یوں مارتے ہیں، وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے گستاخ کو کیسے چھوڑیں گے۔ یہ صورتحال اس لئے بگڑی ہے کہ درمیان میں ایک پارٹی آگئی، کہ جنہوں نے گدھا تو گدھا رہا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں بولنا شروع کر دیا کہ ان کے بھی دو ہاتھ ہیں، ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں وہ ہم جیسے ہیں، ہم ان جیسے ہیں، اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ غیروں کو یہ خاکے بنانے کی ہمت ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی فکر کو بخاری سے پیش کرتے ہوئے بین الاقوامی فورم پر اس بات کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم وہ نہیں ہیں، جو پیغمبر کو ڈاکیا کہیں یا بڑا بھائی کہیں یا ان کو گاؤں کا چودھری کہیں، کہاں کا ڈاکیا اور کہاں کی ڈاک، یہ ڈاک کا معاملہ نہیں، عظمتِ شاہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ یہاں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی گستاخی نہیں ہونے دی اور صرف یہ نہیں کہ زبان سے کہا بلکہ جوتوں اور مکوں سے لڑائی کی، اگرچہ یہ ساتھی تھوڑے تھے، محلہ اس کا تھا، کچھ کھانی بھی پڑی، مگر پھر بھی یہ ثابت کیا کہ اگر میں سوچوں گا کہ ساتھی اکٹھے کروں تو پھر آؤں تو اس وقت تک ایمان کیسے بچا کے لے جاؤں گا۔

بالخصوص یہ بات قابلِ غور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں تو کس کی مجال ہے کہ وہ فتویٰ دے، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ

السلام آجائیں تو انہیں مجھ سے پوچھ کے چلنا پڑے گا جو میں کہوں گا، وہ انہیں کرنا پڑے گا، میری اتباع کے بغیر وہ نہیں چل سکیں گے۔

تو یہ کیسے ہوا کہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا تو صحابی کو پوچھنا چاہئے تھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ یہ مسئلہ بیان فرمائیں کہ اگر کوئی شخص آپ کے گدھے کو بدبو والا کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ ایک نیا مسئلہ تھا، پہلے اس کی کوئی مثال نہیں تھی، پہلے ایسی توہین نہیں ہوئی تھی، اس مسئلے کا حکم پہلے صحابہ کرام نے نہیں سنا تھا، ان کو معلوم نہیں تھا اور مسئلہ پیدا ہو گیا تو صحابی کو پوچھنا چاہئے تھا، یارسول اللہ ﷺ آپ کے گدھے کو کوئی بدبو والا کہے تو اس پر خاموشی کرنی چاہئے یا اس پہ بولنا چاہئے، اگر بولنا چاہئے تو کیا بولنا چاہئے، پھر صرف بولنا ہی چاہئے یا ہاتھ بھی کھولنا چاہئے، ہمیں کیا کرنا چاہئے، یہ ساری باتیں پوچھنے والی تھیں مگر انہوں نے نہیں پوچھیں۔

حالانکہ سانس بھی سرکار ﷺ کی اجازت سے لیتے تھے تو کیا بتایا کہ ایسے معاملے میں سرکار دو عالم ﷺ کے پوچھنے تک کا انتظار کریں گے تو ایمان کیسے بچائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سرکار ﷺ کے ہوتے ہوئے اپنا فتویٰ نافذ کر دیا، بولنا شروع کر دیا، جملہ بھی گھڑ لیا کہ یہ بولوں گا، پھر مارنا بھی شروع کر دیا، بازا اور جنگ کی، رسول اکرم ﷺ نے بیٹھ کے سارا نظارہ دیکھا، اس کو رد نہیں کیا کہ فتویٰ درست نہیں، یہ تمہارا کام درست نہیں، سرکار ﷺ خوش ہوئے کہ یہ میری امت ہے جو میرے گدھے کے ناموس کی حفاظت کرتی ہے وہ میری ناموس کی کتنی نگہبان ہوگی۔

محتشم سامعین حضرات:

بات بڑی قابل غور ہے۔ یہاں پر ہم اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کسی ملک کی حکومت اور کہیں کی عدالتیں گستاخوں کو پناہ دیتی ہیں تو ہم نہ کسی عدالت کو مانتے ہیں نہ کسی کے حکم کو مانتے ہیں، ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو ماننے والے ہیں۔ جب نبی ﷺ بیٹھے ہوں تو اس وقت فتوے کی ضرورت نہیں ہے تو آج کے کسی مفتی کے فتوے کی کیا ضرورت ہے، کوئی بندہ پہلے یہ کہے کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ فلاں نے یہ گستاخی کی ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟ نہیں نہیں، ان مفتیوں کے فتوی کی ضرورت نہیں ہے، حکم کا تجھے پتہ ہے، اس حکم کو نافذ کردو، اللہ تمہارے اجر کو پورا کردے گا۔

اس واسطے ناموس رسالت کا یہ ایکٹ اور اس کی حیثیات سارے قوانین سے جدا ہیں، بلکہ اس لحاظ سے بھی شریعت کے اندر یہ قانون ہے کہ جو قاضی ہو وہ گواہ نہیں ہوسکتا، ایک شخص نے آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بندہ چوری کررہا تھا اس نے خود دیکھا، اسی کا کیس اس جج کے پاس آ گیا، وہ اس کو پہچانتا ہے کہ وہ میرے سامنے چوری کررہا تھا، اب جب مدعی نے اس کو چور کہا تو جج پر ضروری ہے کہ کہے گواہ پیش کرو، اپنے دیکھنے پر فیصلہ نہیں کرسکتا، اگر اپنی گواہی دیتا ہے تو پھر جج کوئی اور بنے، یہ گواہ بنے، جو جج ہو وہ گواہ نہیں، جو گواہ ہو، وہ جج نہیں، قربان جائیں ناموس رسالت کے تحفظ پر یہاں ہر بندہ جج بھی ہے گواہ بھی ہے، مفتی بھی ہے، قاضی بھی ہے، جس کو پتہ چل گیا ہے وہ اپنا حق پورا کرے، رب ذوالجلال اس کے اجر کو پورا فرمادے گا۔

اب اس مقام پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فتویٰ جاری کر دیا، محبوب ﷺ نے سن لیا، اس کو نافذ رکھا تو قیامت تک یہ ثابت ہوا کہ ہمارے محبوب ﷺ کی عظمت اور آپ ﷺ کا مقام یہ ہے کہ اگر گدھے پر تشریف فرما ہو جائیں تو یہ کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس کو بدبو والا کہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں صحابہ کرام پر کوئی hit کرے، انہیں خلفاء کو اور ان کے سسرال پر کوئی تنقید کرے، ان کے دامادوں پر تنقید کرے، نہیں نہیں، یہ سارا معاملہ دین کو cover کر رہا ہے، ان ساری احتیاط کے حدود پر جو مسلک قائم ہے، اس کو اہلسنت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی ضمناً عرض کرتا جاؤں، ویسے وہ آج موضوع نہیں ہے۔ یہاں پر ایک گدھے کا معاملہ ایسا آ گیا حالانکہ مقابلہ میں تو انسان ہے اور انسان کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

ہم نے سب سے خوبصورت شکل انسان کو دی ہے۔

تو گدھے کے مقابلے میں کچھ تو انسان کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا، پھر یہ ہی انسان نمازیں بھی پڑھتا ہے، جہاد بھی کرتا روزے بھی رکھتا ہے، اس کے باوجود اس کی کسی چیز کا لحاظ نہ کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قیامت تک ہمارے لئے دین واضح کر دیا کہ یہ نہ دیکھو، گدھا ہے یا انسان ہے، کلمہ گو ہے، یا گدھا ہے، یہ نہ دیکھو کہ اس کی صورتحال کیا ہے۔ اب گدھے کے مقابلے میں انسان، گدھے کے مقابلے میں پرہیزگار، نمازی اور مجاہد، کسی کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ ثابت کیا:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اگر نبی اکرم ﷺ کی فرمانبرداری گدھا کرتا ہے تو ہمیں وہ گدھا اچھا ہے اور اگر انسان سرکش ہے تو ہمیں اس سے گدھا پیارا لگتا ہے اور خوشبو والا لگتا ہے، اس واسطے کہ سارے کا سارا مدار نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اچھے تعلق پر ہے۔

اب یہاں پر معافی اور سنت کے لحاظ سے ایک بڑا مغالطہ دیا جاتا ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ تو دشمنوں کے لئے چادر بچھاتے تھے اور دشمنوں کو معاف فرما دیتے تھے اور تم اتنے غصے سے تقریریں کرتے ہو، امت کا مزاج تم پختہ کر رہے اور امت کو تم فتنوں کی طرف لا رہے ہو، یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ تو دشمنوں کے لئے بھی چادر بچھا دیتے تھے، معافی آپ کی شان تھی اور اگر کوئی گستاخی کرتا ہے تو ہمیں بھی معاف کر دینا چاہئے۔ اس کے بارے میں اتنی سختی کیوں ہے۔

انہیں سوچنا چاہئے کہ سنت کیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے اگر اپنے دشمن کو معاف کیا ہے تو اس میں سنت یہ بنی کہ ہم بھی اپنے دشمن کو معاف کر دیں، سرکار ﷺ اپنے دشمن کو چاہے تو معاف کریں، چاہے تو معاف نہ کریں۔ اگر سرکار ﷺ نے کسی دشمن کو معاف کیا ہے تو امت کو کیا سبق ملا کہ امتی بھی اپنے دشمن کو معاف کر دے، لیکن یہ تو سبق نہیں ملا کہ امتی اپنے آقا کے دشمن کو معاف کر دے۔

یہاں الٹی گنگا بہتی ہے، بڑے بڑے نام نہاد مفکر ٹی وی کی سکرین پر امت کے ایمان کو لوٹنے کے لئے لفظوں کی بنڈیاں سجا کے بیٹھے ہوئے ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کا سبق دیا، وہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہاں وہ ضرور رحمت ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کیا سکھائی، آپ کا دشمن تھا اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا، فرمایا، میرے امتیو: تمہارا دشمن آ جائے تو اس کو معاف کر دیا کرو، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق نہیں دیا کہ تم میرے دشمن کو معاف کر دو۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حق نہیں دیا تو وہ کتنا بڑا موذی ہے جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے حق چھیننا چاہتا ہے، حق سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، چاہیں تو معاف کریں، چاہیں تو نہ کریں، بندے کا حق نہیں، امتی کا حق نہیں، ہاں امتی کا یہ حق ہے کہ اس کو جو تھپڑ مارے، یہ اس کو دعا دے، پتہ چلے کہ اس نے کوئی سنت سے سبق سیکھا ہے، اس کے اپنے دشمن آ جائیں تو ان کے لئے چادریں بچھادے، پتہ چلے، یہ سنت کو سمجھنے والا ہے۔

لیکن یہاں بالکل معاملہ برعکس ہے۔ اپنے دشمنوں کے سر اتارتے ہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے سامنے چادریں بچھاتے ہیں، یہ بہت بڑی فکری غلطی ہے اور بہت بڑا سجدہ سہو نکالنے کا مقام ہے۔ لہٰذا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں کو معاف کرنا، اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو معاف کریں۔

اس سے ہمارے لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے لئے وہ کچھ کریں، جو صحابہ نے کر کے دکھایا ہے اور اپنے دشمنوں کو یوں معاف کریں جیسے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے،

چاہیں تو معاف کریں، چاہیں تو نہ کریں۔ معاف کیا بھی ہے اور سزا بھی دلوائی ہے، یہ ایک ہی پہلو نہیں ہے، بلکہ سزا دلوانے میں بھی رحمۃ اللعالمینی کا حصہ ہے، آپ ﷺ نے گستاخ کو سزا دلوائی ہے، فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کے پردوں سے نکال کے ابن خطل کا سر قلم کیا ہے، سزا اس کو دلوائی ہے، فرمایا، اس کو نہیں چھوڑیں گے، اس نے مجھے ستایا ہے، میری گستاخیاں کرتا رہا ہے، وہ

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ

والا نعرہ لگا ہوا تھا، مگر پھر بھی اس موذی کو معاف نہیں کیا تھا بلکہ یہاں تک کہ مصنف عبدالرزاق میں یہ بات موجود ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، نبی ﷺ نے باقاعدہ اس پر ترغیب دی۔

عَنْ عِکْرَمَۃَ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سَبَّہٗ رَجُلٌ فَقَالَ مَنْ یَّکْفِیْنِیْ عَدُوِّیْ فَقَالَ الزُّبَیْرُ اَنَا فَبَارَزَہٗ فَقَتَلَہٗ

(مصنف عبدالرزاق: ۴/۹۸)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ ایک بندے نے نبی اکرم ﷺ کو گالی دے دی

فَقَالَ مَنْ یَّکْفِیْنِیْ عَدُوِّیْ

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میرے غلامو! اس کا کون سر اتارے گا، باقاعدہ اعلان کیا، مطلب یہ ہے کہ یہ بولی کی بیع ہے، بیچنی جنت ہے اور بولی دے کر بیچنی ہے، کون ہے جو اس کا سر اتارے اور جنت لے جائے۔ جس وقت

آپ ﷺ نے یہ اعلان کیا۔

فَقَالَ الزُّبَيْرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَا فَبَارَزَهٗ فَقَتَلَهٗ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر کھڑے ہوئےاور کہ عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں اس کو قتل کروں گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا سر اتار دیا۔

گویا کہ اے محبوب ﷺ! جو تجھے گالی دے، اس سے بدلہ زبیر لے گا، اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ

اِنَّ اِمْرَاَةً كَانَتْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَّكْفِيْنِيْ عَدُوِّيْ فَخَرَجَ اِلَيْهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَقَتَلَهٗ

(مصنف عبدالرزاق: ۴/۹۸)

ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ کو گالی دی تو آپ ﷺ نے فرمایا، کون ہے جو میرے دشمن کو قتل کرے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ میں اس کا سر اتاروں گا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اس گستاخ عورت کا سر اتار دیا۔

یہ احادیث سے میں نے شواہد بیان کیے کہ محبوب ﷺ نے بدلہ لیا بھی ہے اور یہ آپ ﷺ کی صفت رحمت پر کوئی تنقید نہیں ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اصل میں اس کائنات کا بچاؤ یہ سب سے بڑی رحمت ہے اور یہ کچھ گستاخ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے زمین پر زلزلوں کے خطرے ہوتے ہیں، وہ اگر باقی رہیں گے تو کائنات درہم برہم ہوسکتی ہے، ان کے زندہ ہونے کیوجہ سے زمینیں بانجھ ہوسکتی ہیں، آسمان

سے بارش کا نزول رک سکتا ہے، اب وہاں پر رحمت یہی ہے کہ اس کمینے کو ہٹاؤ تا کہ دنیا تو سانس لے سکے۔ لہٰذا یہ بھی سید عالم ﷺ کی رحمت کا معاملہ ہے کہ جہاں یہ سمجھا کہ ان کا صفایا ضرور ہونا چاہئے ورنہ زمین پھٹ جائے گی، اللہ برداشت نہیں کرے گا، اس واسطے محبوب ﷺ نے ان کو سزائیں دلوائی ہیں اور وہ بھی رحمت پھیلانے کے لئے دلوائی ہیں۔

یہاں پر سید عالم ﷺ کا تحفظ ناموس رسالت کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا جو انداز تھا، اس کی ایک دو مثالیں عرض کرتا ہوا اپنی بات کو سمیٹتا ہوں۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو دُبّہ اور امان کے علاقے کا گورنر بنایا گیا اور ان کو وہاں بھیجا گیا۔

فَلَمَّا تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

جس وقت نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا

مَنَعُوْا الصَّدَقَۃَ

تو وہاں کے لوگوں نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا

فَدَعَاھُمْ حُذَیْفَۃُ اِلَی التَّوْبَۃِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ یہ اسلام کا فرض ہے یہ تمہیں دینا پڑے گا، وہ بڑے خطرناک نکلے

قَالُوْا فَاَسْمَعُوْہُ شَتْمَ النَّبِیِّ ﷺ

انہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا اور رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دینا

شروع کر دیں۔

جس وقت وہ یوں بھونکے تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے لفظ سنو:

فَقَالَ لَهُمْ حُذَيْفَةُ اِسْمَعُوْنِیْ فِیْ اَبِیْ وَاُمِّیْ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ظالمو! مجھے، میرے باپ کی گالی دے دو، میری ماں کی گالی دے دو

وَلَا تُسْمِعُوْنِیْ فِی النَّبِیِّ ﷺ

میں سرکار ﷺ کے بارے میں برداشت نہیں کرسکتا۔

مجھے میرے باپ کی گالی دو، مجھے میری ماں کی گالی دو، وہ تو برداشت کرسکتا ہوں، مگر اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں برداشت نہیں کرسکوں گا، جب وہ باز نہیں آئے تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا تو فوراً اسلامی شہروں کا لشکر پہنچا اور ان لوگوں کے سر اتار کر یہ واضح کیا ہے کہ اگرچہ نبی اکرم ﷺ روضہ پاک میں تشریف لے گئے ہیں، مگر ان کی محبت پر پہرہ دینے والے عشاق باقی ہیں۔ لہٰذا کسی کو گالی دینے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور جو ایسا کرے گا، اس سے زمین کو پاک اور صاف کر دیا جائے گا۔ یہی معاملہ سید عالم ﷺ کی ظاہری حیات میں جو داستان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشق کی ہے، اس سے ثابت ہے کہ حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ جس وقت میدان بدر میں زخمی ہوئے اور آپ کی اولین شہادت تھی، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں صحابہ اٹھا کے سرکار ﷺ کی بارگاہ میں لے آئے، اب تصور کرو، وہ میدان

بدر اور محبوب ﷺ کا خیمہ اور یہ زخمی صحابی، ادھر روح نکل رہی ہے اور تڑپ رہے ہیں، جب ان کو محبوب ﷺ کے سامنے رکھا گیا تو میرے محبوب ﷺ نے اپنا قدم تھوڑا سا آگے کیا، پتہ نہیں کہ آگے کرنے کی حکمت کیا ہوگی، مگر عاشق کی معراج ہوگئی۔

فَوَضَعَ خَدَّهُ عَلٰى قَدَمِهِ الشَّرِيفَةِ

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا رخسار قدم مبارک پر رکھ لیا۔

نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک ہے اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا بہتا خون ہے اور تڑپتا لاشہ ہے، جان نکل رہی ہے، اپنا رخسار سرکار ﷺ کے قدموں پہ رکھا اور نعرہ لگایا:

قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَوْ رَآنِيْ اَبُوْ طَالِبٍ لَعَلِمَ اَنِّيْ اَحَقُّ بِقَوْلِهٖ

یارسول اللہ ﷺ! کاش کہ ابو طالب آج زندہ ہوتے تو جو بات انہوں نے اپنے بارے میں کی تھی تو انہیں پتہ چلتا کہ وہ اس نعرے کے مستحق نہیں، میں اس نعرے کا مستحق ہوں۔

جناب ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ کا ایک قصیدہ لکھا تھا، وہ بڑا شاندار قصیدہ ہے، اس میں سرکار ﷺ کی بڑی تعریفیں کی ہیں، اس قصیدہ میں یہ کہہ دیا تھا:

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ دُوْنَهُ
وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

یہ وہ نبی ہیں کہ جن کے گرد پہرے دیں گے، جن کو سلامت رکھیں گے اور ہم جن کا پوری طرح دفاع کریں گے،

کس انداز میں؟

حَتّٰی نُصَرَّعَ دُوْنَہٗ

ان کے آگے ہمیں پچھاڑ دیا جائے گا، ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا، مگر انہیں ہم آنچ نہیں آنے دیں گے۔

کس انداز میں حفاظت کریں گے:

وَنَذْھَلُ عَنْ اَبْنَاءِ نَا وَالْحَلَائِلِ

ہم اپنی بیویوں کو بھی بھول جائیں گے اور اپنے بیٹوں کو بھی بھول جائیں گے۔

مگر اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پہ پہرے دیں گے۔ یہ ان کا جملہ تھا، جو انہوں نے کہا تھا۔ اب وقت شہادت ہے، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پہ رکھا ہوا ہے، فرمایا، اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے دیکھتے تو جو شعر انہوں نے لکھا تھا، اس کو پورا میں نے کر کے دکھایا ہے، یہاں ہم اپنی بیویوں کو بھولے ہیں، اپنے بچوں کو بھولے ہیں، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی محبت میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں۔

یہی انداز حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جس وقت میدان احد کے اندر وہ زخمی پڑے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ جاؤ سعد رضی اللہ عنہ کو تلاش کرو اگر وہ تمہیں زندہ ملیں تو انہیں میرا اسلام کہنا۔ ان کے بھیجنے میں حکمت تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں زخمیوں کے پاس سے گزرتا گزرتا آگے پہنچا تو مجھے سعد رضی اللہ عنہ نظر آئے مگر روح نکل رہی تھی، سانس اکھڑ

چلی تھی، یعنی بالکل دم گھٹنے کو تھا، میں پہنچ گیا۔

اِذَا بِہٖ سَبْعُوْنَ ضَرْبَۃً

بدن پر ستر زخم لگے ہوئے تھے۔

تلواروں کے، تیروں کے، نیزوں کے، پھالوں کے، اس انداز میں آخری سانس لے رہے تھے، میں پہنچ گیا اور میں نے جا کر کہا: اے سعد رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تجھے سلام کہتے ہیں۔ اب دیکھو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے محبت اور عشق میں جو حق ادا کیا ہے، سب کچھ چھوڑ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نکلے ہیں اگر اس میں کچھ بھی محبت کچی ہوتی تو موت سے رنگ اتر جاتا، موت کے منہ میں بیٹھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، اس انداز میں کہ چہرہ کھل اٹھا اور مسکرا پڑے۔

چاروں طرف سے کانٹوں میں گھرا ہوا ہے پھول
پھر بھی کھلا ہوا ہے، عجب خوش مزاج ہے

فرشتے بھی حیران ہیں کہ اتنے زخم لگے ہوئے ہوں، تو بندہ مسکرا کیسے سکتا ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سلام جس وقت سنا، تو کہنے لگے:

میرا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرنا۔

اب یہاں پر احساس پوچھتا ہے کہ سلام دینے کا وقت کیا ہے، روح نکل رہی ہے، اس قیمتی وقت میں کس کو یاد کر رہے ہو، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخموں سے بہتا خون بھی آواز دے رہا تھا۔

وہ جن کی دیپ جذبوں کو سرد ہونے نہیں دیتی
وہ جن کی یاد سے ساری بلائیں بھاگ جاتی ہیں

وہ جن کے ذکر سے سوئی امیدیں جاگ جاتی ہیں
وہ جن کے عشق میں باغ جناں میں بلبلیں بولیں
وہ جن کے عشق میں شجر یقین سے کونپلیں نکلیں

اگر سولی ملے ان کی محبت میں گوارہ ہے
جو ہر تلخی مٹائے ان کے چہرے کا نظارا ہے

سلام دیتے ہوئے کہا:

جَزَاكَ اللّٰهُ عَنِّیْ خَیْرُ مَا جَزٰی نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ

سرکار ﷺ کو حاضر وناظر سمجھ کے خطاب کے صیغہ سے کہا کہ میرے نبی ﷺ میں یہ دعا مانگ رہا ہوں کہ اللہ میری شہادت کا ثواب بھی آپ ہی کو عطا فرمادے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جس وقت دنیا سے جا رہے تھے تو اس وقت انہوں نے ایک چٹھی لکھی تھی اور آج ڈنمارک کے خاکوں تک کے بعد وہ چٹھی ہمیں پڑھنی چاہیے اور سنانی چاہیے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

اِنَّہٗ لَا عُذْرَ لَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ وَاَبْلِغْ قَوْمَکَ مِنِّی السَّلَامَ، وَقُلْ لَھُمْ اِنَّ سَعداً یَقُوْلُ لَکُمْ اِنْ تُخْلِصَ اِلٰی نَبِیِّکُمْ وَمِنْکُمْ عَیْنٌ تَطْرِفُ

(الاصابۃ: ۳/۷۷، سیر اعلام النبلاء: ۳/۱۹۸)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح نکل رہی تھی اور یہ فتوی سنا رہے تھے۔

اے قیامت تک کے عشاق! اگر تم میں سے ایک شخص کے زندہ رہتے ہوئے بھی ہمارے نبی ﷺ کی توہین ہوگئی، اللہ اس ایک کو بھی معاف نہیں فرمائے گا۔

مِنكُمْ عَيْنٌ تَطْرِفُ

ایک باقی ہو۔

اس کے علاوہ دیگر شہید ہو چکے اور وہ ایک قیامت کے دن عذر پیش کرے کہ یا اللہ! ساری دنیا تو اجڑ چکی تھی، میرا کوئی ساتھی نہیں تھا، میں اکیلا تھا، میں باطل سے ٹکراتا تو کیسے، میری تو کوئی power نہیں تھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میرا یقین ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں وہ بہانہ قبول نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نہیں ٹکرایا، ایک زندہ رہا، تجھے مر جانا چاہیے تھا، تجھے شہید ہو جانا چاہیے تھا۔ اب سوچو! اگر ایک شخص بھی ہو تو وہ مجرم قرار پائے گا اور آج ہم جو کروڑوں ہیں، ہمارے زندہ ہوتے ہوئے یہ گستاخیاں کی جاتی رہیں اور ان سے بدلہ نہ لیا جائے تو قیامت کے دن کیا ہمارا جواب ہوگا؟ پوری دنیا میں سرکار ﷺ کے دیوانے عشاق کروڑوں کی تعداد میں موجود ہوں اور گستاخ مسلسل گستاخیاں کرتے جائیں، ان کا ہاتھ نہ روکا جائے اور ان کے سر نہ اتارے جائیں تو کل قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کے سامنے کس منہ سے پیش ہو سکیں گے۔

میرے محبوب ﷺ کے صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جاتے ہوئے پیغام دیا

ہے جو اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ جیسے بھی حالات ہوں، جتنے بھی تلخ ماحول میں سے بندہ گزر رہا ہو، اس کا ایمان تب برقرار رہ سکے گا، جب وہ ناموس نبی ﷺ کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا اور اپنا قرض پورا اتار کے رہے گا۔

اس واسطے، میں تو یہ سمجھتا ہوں اور اس پیغام کو شرق و غرب کے اندر ہم نے پوری اساسی حیثیت کے ساتھ اجاگر کیا ہے اور اس پر ابھی ہمارے ذمے اتنا ہی قرض باقی ہے، جتنا ملت کے دوسرے سپوتوں کے ذمہ قرض باقی ہے، لیکن مل جل کر اس قرض کو اتارنے کے لئے ہمیں کوششیں کرنی چاہئے۔

اگر ایسے گستاخ خاکے بنائیں اور اس کے بعد وہ اپنی طبعی موت مرے تو کل قیامت کے دن ہمارا جواب بڑا مشکل ہوگا، ہم کیا بتا سکیں گے کہ اتنی زندگی پا گئے اور وہ بستر پر طبعی موت مرے، اگر ملت کا کوئی ایک بندہ بھی اٹھ کے ان کے سر اتارے گا تو پوری ملت کا قرض اتر جائے گا۔ اس واسطے آج بھی حرارت ایمان ملت کے جگر میں موجود ہے اور یہ میرا ہی نہیں، ہر مرد باوفا اور ہر مرد حر کا اور ہر مومن کے دل کا یہ نغمہ ہے۔

نبی کے نام پر مٹنا شہادت ہی شہادت ہے
فضاءِ جیل میں رہنا عبادت ہی عبادت ہے
ہم اس عشق کے قائل نہیں جو دید سے بھڑکے
ہمیں تو نام نامی بھی حرارت ہی حرارت ہے
بدن کی بوٹی بوٹی ہو، زبان کڑوی نہیں ہوتی
نبی کے نام میں ایسی حلاوت ہی حلاوت ہے

لگا کے جان کی بازی بتایا ہے یہ عامر نے
جو ان کی راہ میں پگھلے سلامت ہی سلامت ہے
گواہی دے رہی ہیں آج بھی دیواریں برلن کی
نہیں ہے خودکشی یہ تو شہادت ہی شہادت ہے
خلد میں مسکراتے ہوں گے عامر سرخرو ہوکر
مگر ہٹلر کے بیٹوں کو ندامت ہی ندامت ہے
اے آصف کلمہ حق کی صدا اپنی ڈیوٹی ہے
سزا اس جرم کی جو ہو سعادت ہی سعادت ہے

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو ہمیں پیغام دیا تھا، اس پیغام کے لحاظ سے اس دور کے اس اہم مسئلے پر ہمیں سوچنا ہے اور اس سلسلے میں اپنی ڈیوٹی کو پورا کرتے ہوئے ہمیں کچھ لوگوں کا مواخذہ بھی کرنا ہے اور اس بات کو بیان کئے بغیر میری گفتگو کبھی بھی پوری نہیں ہوسکتی کہ وہ لوگ جنہوں نے یہ رستے بنائے ہیں، انہیں اپنے کیے پہ یقیناً ندامت ہے، آج ان کو ندامت ہے کہ پوری دنیا میں ایک احتجاج اٹھا ہے اس احتجاج میں جو روح تھی وہ روح یقیناً امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدے کی تھی۔ اس بات کو ماننا پڑے گا اور کھلے دل سے ماننا پڑے گا کہ جن لوگوں نے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ کو شرک کہا تھا آخر ان لوگوں نے اس کے **sticker** کیوں چھاپے، آج حجاز مقدس کے کونے کونے پہ دیواروں پر اور دوکانوں پر اور کاروں پر اگر یہ لکھا ہے:

لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

تو ہم پوچھتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ اگر شرک تھا تو اب کیسے جائز ہوا اور اگر شرک نہیں تھا تو پہلے تم نے کیوں جرم کیا، اس واسطے اگر آج کہتے ہو:

فِدَاکَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

مُشْتَاقُوْنَ لِرُؤْیَاکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

نُحُوْرُنَا دُوْنَ نَحْرِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

اگر آج تم سمجھتے ہو کہ اس کو بولنا ضروری ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ نہ ماننے کی وجہ سے باطل کے حوصلے بڑھے ہیں، اگر شروع سے یہ بولا جاتا تو باطل پرستوں کو یہ آج بھی اپنے نبی ﷺ سے وابستہ ہیں، آج بھی اُن کا ان کے ساتھ تعلق ہے اور ان کا گزارہ ان کے بغیر نہیں ہے۔ انہیں پتہ چلتا کہ ہم تو آگ کے شعلوں کو دعوت دیں گے، اگر ہم ان کے پیغمبر کے خاکے بنائیں گے، یہ سب سے بڑی غلطی ہے، اس جرم پر ان کا کلمہ پڑھ کے سجدہ سہو نکالنا چاہئے کہ جو انہوں نے پہلے یارسول اللہ ﷺ کو شرک کہا اور اب اسکے نعرے حجاز مقدس میں لکھے ہیں اور باقی بھی ہر جگہ تم نے دیکھا، اگر بیت المقدس کے سامنے سے ریلی گزری تھی تو اجتماع بیت المقدس کا تھا لیکن نعرہ اس میں بریلویوں کا تھا۔

لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

تو یہ کسی کی بھول ہے کہ یہ چند لوگ ہیں جو پاکستان یا انڈیا میں رہتے ہیں، نہیں نہیں، بریلویت تازہ پھولوں کی مہک کا نام ہے اور جو دنیا میں ایمان کا گلشن

ہے، اس مہک کو اسی نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب قدس کی ریلی ہو، مصر کی ریلی ہو، مراکش کی ریلی ہو، ہر ریلی کا نعرہ وہی ہے جو ہمارا نعرہ ہے تو اس نعرے کو جن لوگوں نے گھٹن میں بھی محفوظ رکھا اور اپنی روح سے اس کی حفاظت کی ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اگر آج باطل کے خلاف ان کو حرارت محسوس ہوتی ہے تو وہ عقیدہ تھا، جس عقیدے پر اہلِ سنت نے پہرہ دیا ہے اور ان لوگوں کی طرف سے خرابی تھی کہ دن رات درس دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ بس ڈاک دینے ہی آئے تھے، اور

حَسْبُنَا اللّٰهُ حَسْبُنَا اللّٰهُ

کہہ کہہ کے جس کا تعلق ابو جہل کے مقابلے میں تھا، کہ اللہ فرماتا ہے، اے محبوب ﷺ ان کو کہو، ابو جہل کی کوئی ضرورت نہیں، میرے لئے اللہ کافی ہے۔

انہوں نے اس کو پیغمبر کے مقابلے میں پڑھنا شروع کیا ہوا تھا، حسبنا اللہ کو پیغمبر کی **opposition** بنایا ہوا تھا کہ نبی کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ کافی ہے، تو پھر اب بتاؤ، نبی ﷺ کی ضرورت کیوں پڑی۔

لہٰذا پتہ چلا کہ یہ غلط سوچ ہے جو سید عالم ﷺ کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ وہ ڈاک دے کے چلے گئے، اب پیچھے کیا ہے، نہیں نہیں، ان کے بغیر ایک منٹ بھی زمین کا نہیں گزر سکتا، آسمان باقی نہیں رہ سکتا، ایمان نہیں رہ سکتا۔ اس واسطے ان لوگوں کو اب تائب ہونا چاہئے اور اس رستے پہ آنا چاہئے، جو

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ

کا ہے۔

اللہ کی اس رسی کو پکڑ لیں۔

وَلَا تَفَرَّقُوْا

اور پھر ہم سے آگے پیچھے نہ ہوں، یہ سیدھی سڑک شفاعت نگر کی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ہر ذی عقل مانے گا کہ خاکوں میں گستاخی ہوئی تو کیا تھا، لکیریں بنی ہوئی تھیں، ایک شخص اس ذات کی مثل بنانے پر تل گیا، جس کی مثل رب نے نہیں بنائی، گستاخی ہوگئی کہ تم نے یہ کاغذ پہ لکیریں کیوں بنائیں؟

ساری دنیا اٹھی، اگرچہ بعد میں وہاں بم وغیرہ نصب کیا گیا، لیکن اصل گستاخی خاکہ بنانا ہی ہے، جب Phillip Hitti نے سیرت کی کتاب لکھی تھی اور نبی ﷺ کو معراج کیطرف جاتے دکھایا تھا کہ آپ ﷺ سواری پہ بیٹھے ہیں اور جبریل علیہ السلام نے نکیل پکڑی ہوئی ہے تو ساری دنیا نے کہا کہ یہ تم نے شان رسالت میں گستاخی کی ہے، جب اللہ انکی مثل کوئی نہیں پیدا کرتا، تو تم نے تصویر کیسے بنائی۔

ایک ہے کاغذ پر لکیریں بنانا اور وہ لکیریں یہ بولیں کہ ہم مسلمانوں کے نبی کی مثل ہیں، اگر مثل نہ کہا جائے تو اور کوئی احتجاج نہ ہوتا، ان لکیروں پر احتجاج کیوں ہوا کہ ان لکیروں کو ہمارے نبی ﷺ کی مثل کہا گیا، دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ بنانے والے نے کہہ دیا ہے کہ یہ لکیریں مثل ہیں، اب خود تم مجھے فتویٰ دو، یہ تم میں سے ہر بندہ فتویٰ دے سکتا ہے، ایک ہے کسی کی کاغذ پر لکیریں بنانا اور ایک ہے اس کو منہ پر گالی دینا، تو کیا منہ سے بولنا بڑا جرم ہے یا لکیریں بنانا بڑا جرم ہے۔

لکیریں تو سمجھنے کے لیے کوئی دماغ کھپائے گا، اس کے بعد جا کے بات بنے گی، خاکہ پورا ہوگا اور پھر گستاخی نکلے گی، زبان سے فور الفظ بنیں گے اور گستاخی بن جائے گی، فتویٰ تم سے یہ پوچھ رہا ہوں، اگر کاغذ پر لکیریں بنا کر ان کو سرکار ﷺ کی مثل کہا جائے تو گستاخی ہے، تو جو خود اپنے منہ سے کہے کہ میں مثل ہوں، تو یہ گستاخی کیوں نہیں؟ کاغذ پہ لکیریں بنیں تو یہ گستاخی ہے اور ایک جیتا جاگتا بندہ اپنے منہ سے کہے کہ میں ان کی مثل ہوں اور ان کی طرح ہوں، تو یہ کیا چھوٹی گستاخی ہے؟

کوئی بندہ بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکے گا۔ اگر کاغذ پر بے جان خاکہ نبی ﷺ کے بارے میں خاموش لکیریں توہین ہے تو چلتا پھرتا چھ فٹ کا بندہ جو کہتا ہے، میں ان کی مثل ہوں، اس نے کتنی بڑی گستاخی کی ہے۔ اس واسطے:

میر بھی کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

اگر یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ناموس رسالت پہ پہرہ دے سکتے ہیں تو یہ بھول ہے، نہیں نہیں، رستے ان کے بنائے ہوئے ہیں، قادیانی کے لئے ہوں یا Danish کمپنیوں کے لئے ہوں، ان لوگوں نے یہ دھندہ بنا رکھا ہے اور کوئی کام ہی نہیں ہے، یہ توحید ہے، درس قرآن ہے، یہ تبلیغ ہے اور یہ ختم بخاری ہے، جب تک اپنے آپ کو نبی ﷺ کی مثل نہ کہہ لیں۔ اس وقت تک چین ہی نہیں آتا، اس سے ان لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے، جو ہر روز اپنی مثل کہتے رہتے ہیں، ہم کہہ دیں گے تو کیا ہوگا، ان کو پتہ چلا کہ یہ مثل کہنے والے اس امت کے دو نمبر لوگوں کا طبقہ ہے۔ اصل

وہ ہیں، جو ان کو کسی کی مثل نہیں مانتے، تب احتجاج ہوا، ورنہ جو خود ان کی مثل ہے، کاغذ کی مثل پر کیا اعتراض ہونا تھا، منہ چھپانے کے لئے اٹھے، وقتی مصلحتیں تھیں اور سیاستیں تھیں اور پھر چپ ہو گئے۔ ہمارا یہ مشن باطل کے لئے ہمیشہ رہے گا اور ہم قرآن وسنت کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم وہ ہیں کہ ہم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تک یہ کہا ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل اللہ پیدا کر ہی نہیں سکتا۔

یہ مسئلہ برصغیر میں اٹھا تھا، جب ایک شخص نے کہا تھا کہ اگر اللہ چاہے تو بیک جنبش قلم کروڑوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کر سکتا ہے، تو اس پر امام فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب لکھی تھی اور کہا تھا،

کروڑوں کیا، اللہ ایک بھی پیدا نہیں کر سکتا، تم کہتے ہو رب چاہے تو کروڑوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کر سکتا ہے۔

اسماعیل دہلوی نے کہا تھا، لیکن امام فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ کروڑوں تو کیا، ان جیسا ایک بھی پیدا نہیں کر سکتا، اس نے کہا یعنی اسماعیل دہلوی نے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اللہ ہر چیز پہ قدرت رکھتا ہے۔

تو کیا وہ ایک بندہ نہیں بنا سکتا، تو میرے امام نے کہا تھا کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اس کا معنی تو پڑھو، اگر ہر چیز سے مراد ہر شئی ہے تو پھر کیا اللہ دوسرا اللہ بنا سکتا ہے، جب اللہ دوسرا اللہ نہیں بنا سکتا، تو پتہ کیا چلا کہ اللہ دوسرا اللہ بنانے پر

قدرت نہیں رکھتا، کیونکہ جس بات میں اللہ کی الوہیت پر اعتراض لازم آتا ہو، اللہ وہ کام کرتا ہی نہیں ہے تو میرے امام کہنے لگے، اللہ ہمارے نبی ﷺ کی مثل نہیں بنا سکتا، کیوں؟

ہم پوچھتے ہیں کہ وہ جو بعد میں بنے گا، وہ خاتم النبیین ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر وہ خاتم النبیین نہیں ہے تو وہ محمد ﷺ نہیں ہے، اگر وہ ہے تو پھر اللہ کا کلام جھوٹا ہو جائے گا، کیوں کہ خاتم ایک ہی ہو سکتا ہے، دو نہیں ہو سکتے، آخری ایک ہو سکتا ہے، دو نہیں ہو سکتے، ایک مرتبہ ہمارے محبوب ﷺ کو آخری کہے اور پھر کسی اور کو بنا کے لے آئے، تو اللہ کے کلام میں جھوٹ لازم آ جائے گا، چونکہ میرا رب جھوٹ سے پاک ہے تو وہ دوسرا محمد ﷺ بنانے سے بھی پاک ہے۔

اس واسطے یہ عقیدہ شروع سے رہا ہے اور اس کی برکتیں ہیں، اس کی وجہ سے ناموس رسالت کی ذمہ داریاں پوری کی جا سکتی ہیں، اگر اس قانون کو بین الاقوامی قانون کے لحاظ سے بھی دیکھیں تو ہمارے پاس اس کے بھی دلائل موجود ہیں رب ذوالجلال کے قرآن کو پڑھ لیں، عقلی دلائل کو دیکھ لیں، اگر کوئی اقوام متحدہ کے Forum پر ہم سے بات کرنا چاہتا ہے، ہم ان شاء اللہ اقوام متحدہ کے قانون سے بھی اس کو ثابت کریں گے کہ ہمارے نبی ﷺ کی توہین سب سے بڑا جرم ہے۔ اس واسطے کہ قرآن مجید میں جب یہ کہا گیا:

اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

جب ان سے کہا گیا کہ تم زمین میں فساد نہ کرو۔

اس وقت فساد کس چیز کو کہا گیا تھا، کیا وہ fire کر رہے تھے، کیا وہ بندوں کو قتل کر رہے تھے؟ کیا منافقین اس وقت کوئی ایٹم بم چلا رہے تھے؟ نہیں، فساد کیا تھا؟ وہ نبی ﷺ کی توہین کرتے تھے، تو توہین رسالت ﷺ فساد فی الارض ہے لہٰذا انہیں یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی سوسائٹی برقرار تب رہ سکتی ہے کہ جب فساد فی الارض نہ ہو، اور فساد فی الارض سے بچایا تب جا سکتا ہے، جب نبی ﷺ کی توہین سے لوگوں کو روکا جائے۔

لہٰذا پوری کائنات میں کوئی بھی ملک ہو اس کا اولین قانون یہ ہوگا کہ اگر زمین بچانی ہے تو اللہ کے محبوب ﷺ کو چھیڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ تو سرکار ﷺ کے حوصلے ہیں ورنہ کوئی مثال ایسی نہیں کہ جب کسی نے پیغمبر سے متھا لگایا ہو، اللہ نے ان کو الٹا نہ کیا ہو، سارا قرآن پڑھ کے دیکھ لو، اللہ سے جو کچھ وہ کرتے رہے، اللہ ان کو برداشت کرتا رہا، مگر اللہ کے پیغمبروں سے جن لوگوں نے بغاوتیں کیں، اللہ نے پیغمبروں کی عزت کیلئے ان لوگوں کی بستیاں الٹ دیں، تو آج اگر صدیوں سے ایسا نہیں ہوا، تو کیوں؟ اس لیے کہ درمیان میں ہمارے نبی ﷺ ہیں اللہ تعالیٰ جب جلال میں آتا ہے تو سامنے سرکار ﷺ ہیں، میرے محبوب ﷺ عرض کرتے ہیں یا اللہ! زمین پہ میں ہوں، اگر بدبخت کرتے ہیں تو کرتے رہیں، زمین پہ میں ہوں، اس کو الٹا نہیں ہونا چاہیے۔

اگر سرکار ﷺ تنگ آ کے ہٹ گئے، تو یہ زمین بچے گی کیسے؟

اس واسطے ہم ان لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ میرے نبی ﷺ کو بے

زار نہ کرو، وہ گنبدِ خضریٰ کے مکین، اگر ایک منٹ کے لئے مخلوق اور خالق کے درمیان سے ہٹ گئے اور کہا اے اللہ! جو مرضی آئے ان سے کر لے تو پھر کون بچے گا؟

اس واسطے پوری کائنات میں امن کی ضمانت ہے ناموسِ رسالت ﷺ کا تحفظ، جس وقت تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ برقرار رہے گا تو اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو امن عطا فرمائے گا۔

یہ موضوع یقیناً بہت طویل ہے اور اس کا کافی حصہ باقی ہے، طوالت کی وجہ سے میں اس کو چھوڑ رہا ہوں، اپنی گفتگو اسی پیغام پہ ختم کرنا چاہتا ہوں، جو آج کے دور میں ہر صالح مومن کے دل کی آواز ہے اور جتنے بھی سخت سے سخت حالات ہوں، ان کے مقابلے میں جو ایک مومن کی حقیقی آواز ہونی چاہیے، وہ یہی ہے کہ:

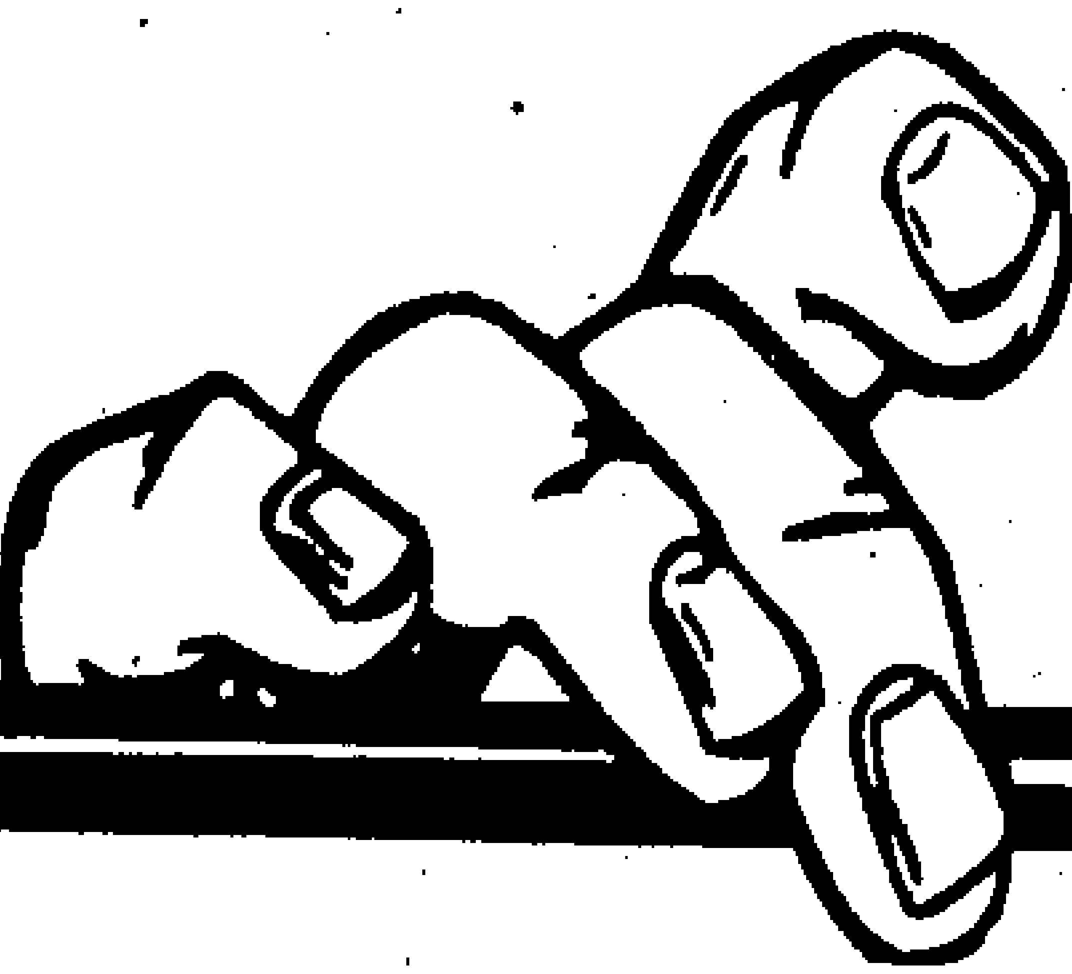
ناموسِ رسالت ﷺ کرسی کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ آیت الکرسی کا معاملہ ہے، یہ بے ایمانوں کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ تو ایمان کا معاملہ ہے۔

اس واسطے ہمیں اس کے لئے پوری طرح حساس ہونا ہے اور اپنی جو قرض کے لحاظ سے ڈیوٹی ہے، اس کو ہم سب نے ادا کرنا ہے۔ میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہمیں تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ooooo

بسم اللہ الرحمن الرحیم



فہرست کتب

صراط مستقیم پبلی کیشنز

مولانا مفتی ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

بانی ادارہ صراطِ مستقیم پاکستان

قیمت	مصنف	کتاب کا نام	نمبر شمار
فی جلد 300	محمد اشرف آصف جلالی	فہم دین (اوّل تا ہفتم)	1
220	محمد اشرف آصف جلالی	غائبانہ جنازہ جائز نہیں	2
160	محمد اشرف آصف جلالی	مفہوم قرآن بدلنے کی واردات (جلد اوّل)	3
120	محمد اشرف آصف جلالی	محاسن اخلاق	4
50	محمد اشرف آصف جلالی	ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں	5
40	محمد اشرف آصف جلالی	میرے لئے اللہ کافی ہے	6
40	محمد اشرف آصف جلالی	حق چار یار	7
40	محمد اشرف آصف جلالی	جنت کی خوشخبری پانے والے دس صحابہ کرام	8
40	محمد اشرف آصف جلالی	فکر آخرت	9
40	محمد اشرف آصف جلالی	ہاں ہم سنی ہیں	10
40	محمد اشرف آصف جلالی	سرکار غوث اعظم اور آپکا آستانہ	11

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	قیمت
12	ایک نومسلم کے سوالات کے جوابات	محمد اشرف آصف جلالی	40
13	شانِ رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق	محمد اشرف آصف جلالی	40
14	توحید و شرک	محمد اشرف آصف جلالی	40
15	ہم اہلسنت و جماعت ہیں	محمد اشرف آصف جلالی	40
16	تحفظ ناموسِ رسالت ایک فرض ایک قرض	محمد اشرف آصف جلالی	40
17	چٹاگانگ میں چند روز	محمد اشرف آصف جلالی	40
18	تحفظ حدود اللہ اور ترمیمی بل	محمد اشرف آصف جلالی	40
19	ایصال ثواب اور گیارھویں شریف کی شرعی حیثیت	محمد اشرف آصف جلالی	40
20	فقہ حنفی سنت نبوی کے آئینے میں	محمد اشرف آصف جلالی	40
21	دختران اسلام کے لیے آئیڈل کردار	محمد اشرف آصف جلالی	40
22	یورپ میں اسلام کے پھیلتے اثرات	محمد اشرف آصف جلالی	20
23	جادو کی مذمت	محمد اشرف آصف جلالی	20
24	اصلاح اور اُس کا اجر	محمد اشرف آصف جلالی	20
25	نورانیت مصطفی ﷺ کا انکار کیوں؟	محمد اشرف آصف جلالی	20

قیمت	مصنف	کتاب کا نام	نمبر شمار
20	محمد اشرف آصف جلالی	شانِ ولائیت قرآن وحدیث کی روشنی میں	26
20	محمد اشرف آصف جلالی	محبت ولی کی شرعی حیثیت	27
20	محمد اشرف آصف جلالی	صلوٰۃ وسلام پر اعتراض آخر کیوں؟	28
20	محمد اشرف آصف جلالی	فقہ حنفی پر چند اعتراضات کے جوابات	29
20	محمد اشرف آصف جلالی	ربط ملت اور اہلسنت کی ذمہ داریاں	30
20	محمد اشرف آصف جلالی	خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام	31
20	محمد اشرف آصف جلالی	فحش گانوں کا عذاب	32
20	محمد اشرف آصف جلالی	رسول اللہ ﷺ کی نماز	33
20	محمد اشرف آصف جلالی	ترک تقلید کی تباہ کاریاں	34
20	محمد اشرف آصف جلالی	اسلام کو درپیش چیلنجز کا ادراک اور اُن کا حل	35
20	محمد اشرف آصف جلالی	صراط مستقیم کی روشنی	36
20	محمد اشرف آصف جلالی	مقتدی فاتحہ کیوں پڑھے؟	37
20	محمد اشرف آصف جلالی	رسول اللہ ﷺ بحیثیت بشر	38
20	محمد اشرف آصف جلالی	منصب نبوت اور عقیدہ مومن	39

قیمت	مصنف	کتاب کا نام	نمبر شمار
20	محمد اشرف آصف جلالی	محبت الٰہی اور اسکی چاشنی	40
20	محمد اشرف آصف جلالی	فہم زکوٰۃ	41
20	محمد اشرف آصف جلالی	حل مشکلات اور عقیدہ صحابہ	42
20	محمد اشرف آصف جلالی	توحید باری تعالیٰ	43
20	محمد اشرف آصف جلالی	قربانی صرف تین دن جائز ہے مع قربانی کے جانور	44
10	محمد اشرف آصف جلالی	نماز تراویح 20 رکعت سنت ہے	45
20	محمد اشرف آصف جلالی	حضرت عمر کا علمی ذوق	46
10	محمد اشرف آصف جلالی	ظہور امام مہدی مع حضرت عیسیٰ علیہ اسلام اور قادیانی	47
20	محمد اشرف آصف جلالی	حضرت امام اعظم ابو حنیفہ بحیثیت بانی فقہ	48
40	محمد اشرف آصف جلالی	تربیت اولاد	49
40	محمد اشرف آصف جلالی	رنج والم سے نجات کا راستہ	50
40	محمد اشرف آصف جلالی	مسئلہ حاضر و ناظر	51
40	محمد اشرف آصف جلالی	اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (کا قرآنی مفہوم)	52
40	محمد اشرف آصف جلالی	فضائل مکہ شریف اور فضائل مدینہ شریف	53
40	محمد اشرف آصف جلالی	حضرت امام زین العابدین کے اٹل فیصلے	54

صدق الله العظیم

فہم دین

جلد ششم

مفتی مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز
5,6- مرکز الاویس داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش سٹریٹ لاہور
042-37115771, 0321-9407699, 0315-9407699

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (سورة التوبہ: ۱۲۲)

اسلام کی آفاقی تعلیمات سے عوام کو روشناس کروانے کے لیے

فہم دین

جلد ششم

2010

ڈاکٹر مفتی محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلی کیشنز (رجسٹرڈ) 5-6 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
042-37115771-2, 0321-3407699

نام کتاب : فہم دین (ششم)

افادات : ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی

مرتب : مولانا محمد عبدالکریم جلالی (فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور)

باہتمام : شیخ محمد سرور اویسی، محمد آصف علی جلالی

پہلا ایڈیشن : یکم ستمبر 2010ء

تعداد : 1100

صفحات : 384

ہدیہ : 300

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ رضویہ لاہور / مسلم کتابوی لاہور

مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور / جامعہ جلالیہ رضویہ لاہور

کرمانوالہ بک شاپ لاہور / مکتبہ جلالیہ صراط مستقیم گجرات

مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں / رضا بک شاپ گجرات

مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ / مکتبہ قادریہ لاہور

جامعہ محمدیہ رضویہ بھکھی شریف۔ منڈی بہاوالدین

مکتبہ رضائے مصطفےٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ

اویسی بُک سٹال پیپلز کالونی گوجرانوالہ 0333-8173630

صراط مستقیم پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ لاہور 0321-9407699

فہرست

انتساب

امام العلماء، تاجور کشور تدریس

حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ
چشتی گولڑوی

کے نام

جنھوں نے مدارس اہلسنت میں چاندنی کیلیے
چاند تیار کیے۔

محمد اشرف آصف جلالی
۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ
یکم ستمبر ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد منشاء تابش قصوری

برکاتِ قلمِ اشرف

جہانِ علم میں قلم کو منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے اور پھر یہ کیوں نہ ہو۔ جبکہ تخلیق اولیات خالق میں قلم کو بھی' اولیت کے شرف سے نوازا گیا اور قرآن مجید میں رب العزت جل مجدہٗ الکریم نے ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ﴾ کی قسم سے عزت افزائی فرمائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو قلم سے محفوظ کرنے کی تاکید فرمائی بلکہ معاہدہ حدیبیہ اور امراء وشاہان وقت کے نام مکتوبات سے قلم کی اہمیت وعظمت اور برکات کو اجاگر فرمایا:

صحابہ کرام' آئمہ دین' محدثین ملت اور علمائے اعلام نے قلم کے ذریعے ہی شعار اسلام کی حفاظت فرمائی اور یہ سلسلہ بدستور جاری وساری رہے گا، مسلمانان عالم میں بڑے بڑے مفکر، محقق، ہر علم وفن کے ماہر ہوئے جنہوں نے قلم کے انوار وتجلیات کو یہاں تک پھیلایا کہ دشمنان اسلام کی لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔ یورپ میں علامہ اقبال نے مسلمان مفکرین کے قلمی تحائف دیکھے تو پکار اٹھے

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
کہ جن کو دیکھ کر یورپ میں دل ہوتا ہے سی پارہ

مسلمانوں کی ریسرچ وتحقیق سے بے اعتنائی دیکھ کر علامہ اقبال جیسے عظیم مسلمان سکالر خون کے آنسو بہانے پر مجبور ہو گئے اور بیداری کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹوں میں ہو خوئے حریری

نیز جذباتی وہ ہوتے ہیں تو یوں پکارتے ہیں

فولاد کب رہتا ہے شمشیر کے لائق
پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں حریری

ان اشعار سے جس عمل کی طرف حکیم الامت علیہ الرحمہ توجہ دلا رہے ہیں۔ فی زمانہ دیکھا جائے تو ان کی حسین ترین تعبیر بن کر ممدوح اکابر، محقق عصر مفکر ملت، حضرت علامہ، مولانا، الحاج الحافظ، القاری، مفتی، ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی دامت برکاتہم العالیہ، فاضل جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف، فاضل بغداد یونیورسٹی بانی ادارہ صراط مستقیم، سامنے آتے ہیں۔ جو بیک وقت دینِ حنیف کے تمام شعبہ جات کی اس شان سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

ایک طرف مسند تدریس کی زینت ہیں تو دوسری طرف تصنیف و تالیف زیر قلم ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ شب و روز تقاریر کا جہاں آباد کئے ہوئے ہیں نیز ادارہ صراط مستقیم کے استحکام و استقلال کے لئے تگ و دو میں پیہم مصروف ہیں۔ وقت پڑنے پر مناظرے کے لئے بھی پابرکاب ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی جامع خدمت کے لئے انہیں منتخب فرمالیا ہے۔ لہذا آپ کو وقت سے نہیں بلکہ وقت کو آپ سے مستفیض ہونے کی ضرورت ہے یوں بھی جب حضرت آصف بن برخیا کے لئے حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کا امتی ہونے کے ناطے وقت نے ہتھیار ڈال دیئے تھے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی علامہ اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی کے لئے وقت اپنے پر کیوں نہ پھیلائے گا۔ خیال رہے کہ ازیں قبل راقم نے ایک مقالہ بنام "آصف بن برخیا سے آصف جلالی

تک" قلمبند کیا تھا۔

عاشقان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقت وسعت اختیار کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین ماہ کی مدت میں اشعۃ اللمعات ایسی عظیم وضخیم شرح لکھ ڈالی جو آج کے علماء وفضلاء تین ماہ میں محض پڑھیں تو ختم نہ کر پائیں۔

امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے برق رفتار قلم میں اللہ تعالیٰ نے اتنی وسعت فرمائی کہ تینتیس 33 ضخیم مجلدات پر مشتمل فتاویٰ رضویہ لکھ ڈالا، ساتھ ہی ساتھ سینکڑوں رسالے اور کتابیں تصانیف فرمائیں۔ جنہیں دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ وقت کی وسعت کہاں سے میسر ہوئی، وہی قادر کریم وقت کا خالق ہے وہ اپنے بندوں سے دین کا کام لینے کے لئے وقت کی رفتار کو صاحب قلم کے تصرف میں دے دیتا ہے۔ تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں کہ کم وقت میں سینکڑوں کتابیں مصنف کے ہاتھ کی کرامت سے ظہور پذیر ہوتی رہیں۔

آج کے ایسے ہی باکرامت قلم سے سینکڑوں رسائل اور جامع تصانیف جلوہ افروز ہو رہی ہیں۔ جنہیں وقت کے اکابر اصاغر عوام وخواص حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی کے نام نامی اسم گرامی سے جانتے پہچانتے ہی نہیں بلکہ دلوں میں ان کی محبت کی شمع جلائے ہوئے ہیں۔

حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب کے تازہ افکار پر مشتمل فہم دین حصہ ششم زیر نظر ہے ازیں قبل فہم دین کے پانچ حصے بار بار چھپ کر عالم اسلام میں قبولیت کی سند حاصل کر چلے ہیں۔ یہ چھٹا حصہ جن موضوعات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے وہ یہ ہیں۔

☆ میرے رب سے مجھے محبت ہے ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی نفاست

☆ شان رسالت کی یکتائی ☆ زکوٰۃ کے اسرار و رموز

☆پردہ دختران اسلام کا وقار ☆عزت اور اس کے حصول کا طریقہ کار

☆قیمتی اوقات اور ذخیر لمحے ☆میوزک خرمن ایمان کے لئے چنگاری

☆حق چاریار ☆جب سچائی خود بولے

یہ عنوان آپ کے سامنے ہیں۔ ان کی تفصیلی فہرست آغاز کتاب میں ملاحظہ فرمایئے اور پھر اپنے ایمان وایقان کی دولت میں اضافہ کیجئے۔

آپ کی حسنات عظیمہ میں ''عقیدہ توحید سیمینار'' کا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کے سماع ہال میں دوبار انعقاد وہ عدیم المثال تاریخی کارنامہ ہے جو ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس سیمینار میں سینکڑوں علماء کرام مشائخ عظام اور جدید اہل علم وقلم انتہائی عقیدت ومحبت سے شامل ہو کہ آپ کی علمی وفکری تبلیغ پر مہر تصدیق ثبت کی راقم الحروف بھی ہر دو بار سیمینار کی برکات سے بہرہ مند ہوا۔

یوں ہی رد روافض میں آپ کا ایک تاریخی خطاب اپنی مثال آپ ہے جو مسلسل ساڑھے چھ گھنٹے کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا۔ ہاں یہ بات بھی قابل تحریر ہے کہ سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے خطابات مستطاب کی سی ڈیز اور کیسٹیں شہرت تامہ حاصل کر چکی ہیں۔

آخر میں استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد الیاس صاحب رضوی اشرفی مدظلہ العالی مہتمم نصرۃ العلوم کراچی کے کلمات طیبات پیش کرتا ہوں۔ جو بغداد شریف میں آپ کے کلاس فیلو بھی رہے۔ دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب مدظلہ العالی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اہل سنت وجماعت کو کتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اشرفی رقمطراز ہیں:

موصوف ممدوح اپنی حد میں جامع الصفات ہیں اس پر کسی خارجی شہادت کی نہ حاجت ہے نہ ضرورت کہ اس پرمحنت شاقہ ومحبت تامہ خودان کا وظیفہ شب وروز شاہد عدل کہ انتہائی قلیل وقت جسمانی وبدنی آرام کا باقی سارا وقت علمی وتحقیقی، فکری ونظری، تحقیقی وتدقیقی کام کا، اور وہ بھی اس شان اور آن بان سے کہ میدان تعلیم وتدریس کے شہسوار، فقہ اسلامی کے مدبر ومحقق، مفتی باکردار، بحر تالیف وتصانیف کے ماہر غوص، چمنستان خطابت ونصیحت، تبلیغ وتذکیر کے گل آفتاب، آسمانی مناظر کے بلند پرواز عقاب، بزم شعروسخن میں صاحب انقلاب، علوم نقلیہ وعقلیہ کے عالم جلیل، فاضل نبیل، میری مراد جامع المعقول حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب مدظلہ العالی ہیں۔

کیا کیا لکھا جائے، یقین کیجئے آپ پر بہت لکھا جائے گا۔ اس لئے کہ آپ نے اپنے آپ کو جہاں دیگر شعبہ جات دینیہ کی آبیاری کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ وہاں راہوار قلم کو بھی سرپٹ دوڑا رہے ہیں۔ اس لئے ھل جزاء الاحسان إلّا الاحسان کا ضرور مظاہرہ ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم شخصیت کا سایہ اہلسنت وجماعت پر ہمیشہ سلامت رکھے اور زمانہ آپ کے علوم وفنون اور تبلیغ وتذکیر سے سدا استفادہ کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر اور محافظ ہو۔

آمین ثم آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ وبارک وسلم

طالب دعا: محمد منشاء تابش قصوری (مریدکے)

مدرس: جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان

۱۸ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ

۳۱ جولائی ۲۰۱۰ء شنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
1

میرے رب سے مجھے محبت ہے

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ اَفْضَلُ

الْوَسَائِلِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ

كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِىُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالیشان میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اُسکی توفیق سے ایک بار پھر رمضان المبارک کی برکتیں اور فہم دین کی سعادتیں حاصل ہو رہی ہیں۔

آپ تمام حضرات کو رمضان المبارک کی آمد اور فہم دین کا افتتاح مبارک ہو آج یکم رمضان المبارک کو ایک عظیم پروگرام شروع کر رہے ہیں جس کا انتظار یقیناً آپ کو کئی دنوں سے ہوگا۔

آؤ میرے ساتھ مل کے دعائیہ کلمات کے ساتھ اپنے اس لمبے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔

رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ وَبِهٖ نَسْتَعِينُ

صلّى الله على حبيبه سيدنا و مولانا محمد و آله واصحابه اجمعين

ربّ ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے بھٹی میرج ہال میں ہم اپنے چودھویں سالانہ فہم دین کورس کا آغاز کر چکے ہیں۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

میرے رب سے مجھے محبت ہے

میری دعا ہے کہ ربّ ذوالجلال ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے۔ یقیناً ہر شخص جو دل میں نورِ ایمان رکھتا ہے۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ خواہ وہ فقیر ہو یا

امیر ہو، خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم ہو سب کے دل سے یہی آواز آتی ہے۔ کہ جو رب میرا خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے، معبود و مطلوب ہے مجھے اُس رب سے پیار ہے اور یہ پیار ہر لحظہ ہر گھڑی بندہ مومن کے دل میں موجود رہتا ہے۔

اور یہ محبت جو ربّ ذوالجلال سے بندے کو ہے اسکی وجہ سے بندے کے بہت سے مسائل ہر وقت حل ہوتے ہیں۔

یہ محبت انسان پر آنے والے مسائل و مصائب اور دکھوں کو دور کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔

ساری دنیا بندے سے روٹھ جائے یہ محبت پھر بھی انسان کو تنہا نہیں ہونے دیتی ساری کائنات بے وفائی پہ اتر آئے لیکن یہ محبت انسان کو کسی کے آگے جھکنے نہیں دیتی۔

یہ محبت اندھیروں میں روشنی ہے۔

یہ محبت دھوپ میں چھاؤں ہے۔

یہ محبت ہر قسم کی آلودگی میں مہک ہے۔

یہ محبت قحط سالی میں ابر کرم ہے۔

اللہ کا فضل ہے کہ اُس نے ہمیں ایمان دیا ہے اور ہمارے ایمان کو یہ شان دی ہے کہ ہر وقت ہمارے سینوں میں ہمارے مولا سے ہمارے خالق سے ہمارے مالک سے جو محبت ہے وہ محبت برقرار رہتی ہے۔

اور اُسی محبت کے سہارے ہماری زندگی کے دن گذرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی محبت کو سراہا ہے۔

اور بتوں کے پجاریوں کے مقابلے میں اپنے بندوں کی محبت کی عظمت بیان کی ہے۔

یہ بھی خالق کائنات جل جلالہٗ کا ہم پہ بڑا احسان ہے۔ اُس سے محبت کرنے والے

فرشتے اُس سے محبت کرنے والی ہوائیں، فضائیں اُس سے محبت کرنے والے کائنات میں پھیلے ہوئے مختلف گروہ۔

لیکن ربّ ذوالجلال نے ہماری محبت کو، جو مومن اللہ سے کرنے والے ہیں اسکو اتنا پسند کیا ہے کہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اس محبت کو بطور ترجیح کے بیان کیا ہے۔

ربّ ذوالجلال کے منکر مشرکین جس وقت اپنے معبودوں سے محبت کا اظہار کررہے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے انھیں احساس دلایا کہ اے مشرکین تم اپنے بتوں سے وہ پیار نہیں کرسکتے جو پیار میرے بندے میرے ساتھ کرنے والے ہیں۔

یعنی اس سے بڑی ایک مومن کی معراج کیا ہوسکتی ہے۔

کہ اُس کا جو ربّ سے پیار ہے اور محبت ہے اُس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے اور ربّ ذوالجلال نے اس بندے کے دل میں محبت کے پانی کی جو گہرائی ہے۔ اُس کو خود بیان کرکے ارشاد فرمایا۔

کوئی بت کا پجاری اپنے بت سے ایسی محبت نہیں کرپائے گا۔ جتنی گہری محبت میرے بندے میرے ساتھ کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید برہان رشید کی سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۵ میں ربّ ذوالجلال نے ارشاد فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا

لوگوں میں کچھ وہ ہیں جو اللہ کے مقابلے میں معبود بنالیتے ہیں۔

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

اُن سے وہ محبت کرتے ہیں جسطرح کہ مومن اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یعنی یہ اُن بت پرستوں کا دعویٰ ہے کہ اُن کی محبت بتوں کے ساتھ ایسی ہے جیسی مومن

اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

مومنین کی رب سے شدید محبت

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۶۵)

اور وہ لوگ جو ایمان لے آئے وہ اپنے خدا سے کہیں زیادہ محبت کرنے والے ہیں یعنی ایمان والے اللہ کے برابر کسی سے محبت نہیں کرتے۔

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

بتوں کے پجاری بتوں سے وہ پیار نہیں کرتے جو محبت اللہ کے بندے اللہ کے ساتھ کرنے والے ہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بطور خاص اَنْدَادًا کا لفظ ذکر فرمایا۔

اَنْدَادًا ند کی جمع ہے اس کا معنی معبود ہے۔

جو مشرکین مکہ کے بنائے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنی محبت کا جتنا بھی دعویٰ کرلو وہ محبت کھوکھلی محبت ہے بالآخر ختم ہو جاتی ہے۔

یہ ایمان والے ہیں کہ جن کی محبت اپنے رب کے ساتھ یوں برقرار رہتی ہے۔ اگر بدن کے ٹکڑے بھی کر دیے جائیں پھر بھی یہ محبت پھیکی نہیں ہوتی بے لذت نہیں ہوتی بلکہ جوں جوں اللہ کے نام پہ ستم سہنے پڑتے ہیں۔ توں توں محبت مزید اجاگر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اور محبت کے اندر ان حضرات کو اللہ تعالیٰ مزید ایک چاشنی عطا فرماتا ہے۔

خالق کائنات کے ساتھ جو محبت ہے۔

اس میں جو پختگی اور دوام ہے اور بتوں کے ساتھ جن کی محبت تھی وہ جس وقت مشکل

میں پھنس جاتے تھے تو اُن کو یقین ہوتا تھا کہ اب بت ہمیں نہیں بچا سکتے۔ تو پھر وہ محبت زوال پذیر ہو جاتی۔ تو پھر وہ اللہ کی طرف دوڑنا شروع کر دیتے۔

لیکن یہ اللہ والے ہیں۔ کہ مصائب و مشکلات میں بھی انکی محبت برقرار رہتی ہے اللہ تعالیٰ سے فوراً مدد آئے پھر بھی محبت کرتے ہیں۔

اگر مدد تاخیر سے ہو اور امتحان مقصود ہو۔ بندے کو آزمانا مقصود ہو پھر بھی بندہ رب سے شکایت نہیں کرتا۔ یا رب کو چھوڑ کے کافر نہیں ہو جاتا کہ فلاں موقع پر میرے رب نے میری مدد نہیں کی تو میں رب کو چھوڑ رہا ہوں۔

نہیں۔ بلکہ یہ ہر اُس چیز کو برداشت کرتے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے آئے۔ سر ماتھے پہ قبول کرتے ہیں اور پھر بھی رب ہی کے بن کے رہتے ہیں اور رب کے کہلواتے ہیں اور رب کے ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه

میرے بندے میرے ساتھ زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔

تنبیہ:۔ اللہ تعالیٰ کے مقربین کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کی آپوزیشن نہیں ہے جس طرح کچھ لوگ پراپیگنڈا کر رہے ہیں بلکہ مقربین کی محبت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تحفہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

(سورۃ مریم آیت نمبر ۹۶)

بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کیلئے رحمٰن محبت کر دے گا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے کلمہ پڑھنے کا منظر

یہاں پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی عجیب داستان نقل کی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے کلمہ پڑھنے کا پس منظر بیان کرتے ہیں۔

وہ عرب کے ماحول کا بدنصیب انسان جس کو ابوجہل کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہچانے میں جو پیش پیش تھا۔ نامراد رہا دل پہ مہر لگی اور وہ رجسٹرڈ جہنمی تھا۔ مگر رسول اکرم ﷺ کا کرم جب بے انتہا تھا۔

اور آپ سے کہا جاتا اے محبوب اگر چاہو تو ان کو راکھ کریں ان پہ پہاڑ گرا دیں تو فرمایا کہ میں ان کیلئے رحمت بن کر آیا ہوں۔

یہ رسول اکرم ﷺ کے صبر کا نتیجہ تھا کہ ابوجہل اگر نہیں مانتا تو کوئی بات نہیں اُس کے گھر پیدا ہونے والا سرکار کا جھنڈا اُٹھالے گا۔

اب عکرمہ کو کیسے ایمان نصیب ہوا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کشتی میں بہت سے مشرکین بیٹھے تھے جن میں عکرمہ بھی تھا۔

اچانک موجیں بڑی تیز ہوگئیں طوفان برپا ہوگیا۔ اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔

فَاَصَابَتْهُمْ عَاصِفٌ

جب بحری طوفان اُٹھا

فَقَالَ اَصْحَابُ السَّفِيْنَةِ اَخْلِصُوْا

تو سارے کشتی والے کہنے لگے اب تم مخلص ہو جاؤ۔

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہم آگے پیچھے بھاگ چکے تھے بتوں کی طرف

جا چکے تھے۔ اب صرف اللہ کو ماننے والے بن جاؤ۔

اس وقت تم بتوں کو پکارنا چھوڑ دو۔ اللہ کو پکارو۔

جس وقت انھوں نے کہا۔

اَخۡلِصُوۡا

تم مخلص ہو جاؤ۔

اور ساتھ کہنے لگے۔

فَاِنَّ اٰلِهَتَكُمۡ لَا تُغۡنِیۡ عَنۡكُمۡ شَیۡـًٔا

تمہارے بت اب تمہیں نہیں بچا سکتے۔

اب اللہ کو تم پکارو کہ وہ تمہیں اس طوفان سے بچائے۔

اور یہ ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ سے سخت محبت کرتے ہیں۔

وہ بیمار ہو جائیں یا کوئی مصیبت آ جائے اور تکلیف آ جائے طوفان آ جائیں تو وہ اس خدا کو چھوڑ کے کہیں اور چلے جائیں۔

نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔

اتنی تکلیفوں اور مصائب کے ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جو طاقتیں ہیں اور اسکی طاقتوں کے جو مظہر ہیں۔

اللہ کے بندے اُن کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

اب وہاں پر ایسا ہوا کہ

جب کشتی ڈگمگانے لگی طوفان اُٹھنے لگا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اب تم سارے بتوں کو چھوڑ دو۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے اس کشتی کو صرف اللہ بچا سکتا ہے۔

بتوں کی محبت ختم ہوئی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔

تو یہ اُن کا پہلا کام نہیں تھا۔

بلکہ قرآن میں آیا ہے۔

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

(سورۃ العنکبوت آیت: ٦٥)

پھر جس وقت کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں ایک اُسی پر عقیدہ لا کر۔ اُس وقت کہتے تھے کہ اللہ معبود ہے اللہ برحق ہے۔

اور جس وقت مشکل سے نکل جاتے تو پھر سمجھتے تھے کہ اب ہم بچ گئے ہیں لہٰذا پھر دوبارہ شرک شروع کر دیتے تھے۔

تو مطلب نکلنے پر چھوڑ جاتے پھر آ جاتے تھے یہ اُن کی صورتحال تھی۔

اب انہوں نے اپنے دستور کے مطابق ویسا ہی کیا۔ حضرت عکرمہ کو بڑا غصہ آیا۔ وہ بھی کٹر مشرک تھے۔ بت پرست تھے۔

انہوں نے جس وقت اپنے لیڈروں کا یہ خطبہ سنا کہ اب تم بتوں کو چھوڑ دو اور صرف تم اللہ کو پکارو۔

بتوں کی طرف تم متوجہ نہ ہو اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

اللہ کے دین میں اخلاص پیدا کرو۔

تو آپ کہنے لگے۔

وَاللّٰہِ لَئِنْ لَّمْ یُنَجِّنِیْ مِنَ الْبَحْرِ اِلَّا الْاِخْلَاصُ لَا یُنَجِّنِیْ فِی الْبَرِّ غَیْرُہٗ

مجھے خدا کی قسم ہے اگر اس وقت سمندر سے اللہ تعالیٰ بچا سکتا ہے تو پھر خشکی میں جانے کے بعد بھی اللہ ہی بچا سکے گا۔

یہ تم نے کیسا دستور بنا رکھا ہے۔ سمندر میں داخل ہوتے ہو تو تم کہتے ہو اخلاص کرو شرک نہ کرو اور جس وقت باہر چلے جاتے ہو تو تم اپنے بتوں کی باتیں بتاتے ہو کہ اللہ کے سوا اور بھی معبود ہیں۔

اللہ کیساتھ شریک ٹھہراتے ہو تو میں اس پر قائم نہیں رہوں گا۔

یہ تمہارا دہرا معیار ہے۔ سمندر میں تمہارا مذہب اور ہے خشکی میں تمہارا مذہب اور ہے میں اُس مذہب پر جانا چاہتا ہوں جو مذہب سمندر اور خشکی کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوتا۔ وہ انسان جہاں بھی چلا جائے اُس کا مذہب ایک ہی ہوتا ہے۔ اُس کا نظریہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اور اُس کی سوچ ایک ہی ہوتی ہے۔

حضرت عکرمہ کا دل توحید کے نور سے آباد

لہٰذا اس کے بعد حضرت عکرمہ کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ لَکَ عَلَیَّ عَھْدًا

اے اللہ تیرے ساتھ میں ایک معاہدہ کرتا ہوں۔

اِنْ اَنْتَ عَافَیْتَنِیْ

اگر آج تو نے مجھے بچایا۔

مِمَّا اَنَا فِیْہِ

جس بھنور میں پھنس چکا ہوں۔

اگر تو نے مجھے اس سے بچا لیا تو۔

اَنْ اٰتِیَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

حضرت محمد ﷺ کے پاس چلا جاؤں گا۔

یہاں سے نکلوں گا تو یہاں سے نکلتے ہی پہلا کام یہ کروں گا۔

اَنْ اٰتِیَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

میں حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا تو کیا کروں گا۔

حَتّٰی اَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدِہٖ

میں جا کر اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ پہ رکھ دوں گا۔

اگر آج تو نے مجھے بچایا تو یہ دوسرے جو مشرک ہیں جو اس کشتی میں بیٹھے ہوئے ہیں اب میں ان سے مختلف ہو چکا ہوں۔

یہ ابھی اس سے گذریں گے تو شرک شروع کر دیں گے۔

میں اگر بچ گیا تو میں تیرے ساتھ معاہدہ کرتا ہوں۔ کہ میں نکلتے ہی اپنا ہاتھ تیرے محبوب علیہ السلام کے ہاتھ پہ رکھوں گا۔

اور اتنی امید عکرمہ کو تھی کہ رسول اکرم ﷺ کا عفو و کرم بہت زیادہ ہے وہ کہنے لگے۔

فَلَاَجِدَنَّہٗ عَفُوًّا کَرِیْمًا

تو مجھے امید ہے جب میں نے اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ پہ رکھا تو وہ مجھے دھکا نہیں دیں گے۔ میں ضرور اُن کو عفو اور کریم پاؤں گا۔

بخشنے والا اور بڑا کریم انسان اُن کو سمجھوں گا۔

یعنی جس کے باپ نے ساری زندگی رسول اللہ ﷺ کو ستایا ہے۔

جب تک وہ زندہ رہا شرارتیں کرتا رہا۔

اور انتہا تک پہنچا۔ آخری ہتھکنڈے استعمال کیے۔

اُس کے بیٹے کے دل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق نے اتنا فتح کیا ہوا ہے کہ وہ سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ میں نے رابطہ صحیح کرنا ہے اور شرک کو میں نے چھوڑنا ہے۔ تو جو اللہ کا دنیا پر مرکز ہے وہ نبی علیہ السلام کا دربار ہے۔

لہٰذا جانا میں نے وہاں ہے وہاں جا کر میں نے اپنا نام درج کرانا ہے۔ اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ہے۔ تو پھر میری حاضری رب کے دربار میں لگے گی میں اُن کی خدمت میں جاؤں گا۔

اور پھر اپنی طرف سے یقین اتنا ہے تاکید کا صیغہ بولا یہ نہیں کہا مجھے امید ہے وہ مجھے بخش دیں گے۔ غلطیاں معاف کر دیں گے۔

نہیں بلکہ حضرت عکرمہ کہنے لگے۔

فَلَا جِدَنَّهٗ عَفُوًّا كَرِيْمًا

(سنن النسائی کتاب المحاربۃ باب الحکم فی المرتد جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۱۶۹ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مجھے یقین ہے جب میں اُن کے پاس جاؤں گا اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دوں گا تو وہ مجھے قبول فرمالیں گے۔

لہٰذا میں اُن کو غفور اور کریم پاؤں گا۔

وہ مجھے بخش بھی دیں گے اور معاف بھی فرمادیں گے۔

جس وقت حضرت عکرمہ اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کر بیٹھے۔ کشتی بچ گئی اور طوفان کو چیر کر ساحل مراد پہ جا پہنچی۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نکلے تو حضرت سعد بن ابی وقاص گواہی دیتے ہیں کہ سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچے اور وہاں جا کر آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔

جن کو اللہ نے اپنا خلیفہ اعظم قرار دیا اُن کے ہاتھ میں حضرت عکرمہ کا ہاتھ پہنچا تو اُن کا دل اللہ کی توحید کے نور سے بھر گیا۔

سر اللہ کے دربار میں جھک گیا اور جو اس نے سمجھا تھا۔ کہ نبی علیہ السلام مجھے قبول کرلیں گے۔ ویسے ہی ہوا۔

سید عالم ﷺ نے حضرت عکرمہ کو کلمہ پڑھایا اور حضرت عکرمہ کو نور ایمان کا تاج عطا فرما دیا۔

بندے کی جو اللہ سے محبت ہے اتنی بڑی محبت ہے جو کسی سے کوئی کر نہیں سکتا بتوں کے پجاری معبودان باطلہ کے حواری دعوے کرتے رہتے ہیں۔ مگر جس وقت مشکل آتی ہے تو محبت چھوڑ دیتے ہیں اور پھر وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہماری اس مشکل کو حل کرسکتا ہے۔

لیکن یہ ایمان والے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد میں تاخیر ہو جائے تو پھر بھی ان کے دل کھٹے نہیں ہوتے۔ پھر بھی محبت میں کمی نہیں ہوتی۔

پھر اس بات کو دیکھا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا انداز ہے کہ ہو سکتا ہے وہ کسی برے کی دعا جلد قبول فرمالے کہ یہ مجھے پسند نہیں ہے کہ یہ مجھے یا اللہ کہہ کے پکارے اور مجھے یا ربی کہے۔

اے میرے فرشتو اسکو فوراً دے دو تا کہ اسکے ہاتھ نیچے چلے جائیں۔ یہ میرے ساتھ بات ہی نہ کریں۔

دوسری طرف ایک بڑا برگزیدہ شخص ہے جو مانگ رہا ہے اور مسلسل مانگ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے فرشتو اسے مزید مانگنے دو یہ مجھے یا ربی کہتا ہے تو مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اس واسطے یہ حکمتیں ہو سکتی ہیں۔

کبھی تو برگزیدہ کی دعا کو فوراً قبول کرتا ہے۔ وہ اُس کی عزت واکرام کے پیش نظر وہ ادنی جو مانگ رہا تھا اُس کو اسواسطے جلد دے دیا کہ وہ پسند نہیں تھا۔ کہ وہ بار بار مجھ سے مانگے۔

لیکن جس وقت اپنے مانگیں تو فوراً دینے میں اُنکی حیثیت کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اور اگر نہیں دیتا تو پھر اُنکی حیثیت کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ جتنی دیر تک اس مقصد کیلئے متوجہ رہے گا۔ مجھے اس سے بڑا پیار ہے اور اس پیار کی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ یہ بولتا رہے اور میں سنتا رہوں۔ اللہ کی قدرت کے فیصلے بڑے عجیب ہیں بخشنے پہ آتا ہے تو اپنی مخلوق کے ایک حقیر فرد پر احسان کرنے والے کو بھی بخش دیتا ہے جس نے اسے رب کی مخلوق سمجھ کے مہربانی کی۔

اس انداز میں جو اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اُسکے ہر کام میں ایسی لاکھوں حکمتیں موجود ہیں۔

میرے رب سے مجھے محبت ہے۔

اس بات کو سمجھنے کیلئے اس کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ

محبت کی دو قسمیں ہیں۔

1۔محبت عامہ 2۔محبت خاصہ

1۔محبت عامہ:۔ اَلَّتِی لَا یَخْلُوْ مِنْھَا کُلُّ مُؤْمِنٍ وَھِیَ وَاجِبَۃٌ

وہ ہے جو ہر مومن میں ہے اور یہ واجب ہے اس کے بغیر مومن مومن ہی نہیں ہوسکتا۔

2۔محبت خاصہ:۔ اَلَّتِیْ یَنْفَرِدُبِھَا الْعُلَمَاءُ الرَّبَّانِیُّوْنَ وَالْاَوْلِیَاءُ وَالْاَصْفِیَاءُ وَھِیَ اَعْلَی الْمَقَامَاتِ

وہ ہے جو محبت عام لوگوں میں نہیں ہوتی بلکہ یہ اولیاء صوفیا اور کامل علماء کے اندر موجود ہوتی ہے۔

اور یہ انسانی مقامات میں سے نبوت کے بعد سب سے بڑا مرتبہ ہے۔
نبوت کا مرتبہ تو اس سے اونچا ہے اسکے بعد انسانی مقامات جتنے بھی ہیں۔ اُن میں سب سے بلند مرتبہ محبت خاصہ والا مرتبہ ہے۔
اس سلسلے میں بڑی ہی لذیذ گفتگو ہے۔
آپ دیکھتے ہیں کہ
فَاِنَّ سَائِرَ مَقَامَاتِ الصَّالِحِیْنَ کَالْخَوْفِ
صالحین کے تمام مقامات ہیں اُن میں جسطرح کہ خوف خدا ہے۔ کسی کے دل میں تھوڑا سہی اور کسی کے دل میں زیادہ سہی یہ بھی تو ایک خوف ہے کہ اس نے بتوں کو سجدہ نہیں کیا اُس نے رب کو ایک مانا۔
ہر مومن کے دل میں خوف ہے۔
والرِّجاءِ
اور ہر مومن کے دل میں رجاء بھی ہے۔
اُسے امید بھی ہے کہ اُسے اُس کا رب بخش دے گا۔
والتوکّل
ہر مومن کے پاس کچھ توکل بھی ہے۔
یہ ٹھیک ہے کسی کے پاس تھوڑا ہے اور کسی کے پاس زیادہ ہے۔
لیکن مومن متوکل ضرور ہوتا ہے۔
یہ توکل ہی ہے کہ اُس نے دنیا کی زندگی گذارنی ہے اور توکل کیا ہوا ہے۔ کہ یقیناً میرا رب مجھے عطا کرے گا۔

ایسا معاملہ نہیں مومن جیسا بھی ہو اتنا بھی گیا گذرا نہیں ہوتا بلکہ اُس میں کچھ نہ کچھ توکل ضرور ہوتا ہے۔

یہ مومن کی شان ہے اس واسطے اُس میں توکل بھی ہے۔

وَغَيْرِ ذَالِكَ

(کتاب التسھیل لعلوم التنزیل زیر آیت والذین آمنوا اشد حبالِلّٰہِ جلد نمبر ا، صفحہ نمبر ۶۷، دار الفکر بیروت)

اور اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں مومن میں موجود ہیں۔

جیسے رضا ہے اور صبر ہے، زھد ہے۔

یہ ساری صفات مومن کے اندر پائی جاتی ہیں۔

لیکن بالآخر اس میں فائدہ انسان کا اپنا ہے۔

یہ ڈرتا ہے اس لئے کہ میں کل جہنم سے بچ جاؤں۔ جہنم میں میں نہ گروں یہ اپنے نفس کی حفاظت کیلئے کرتا ہے بالآخر جا کے اس کو فائدہ پہنچے گا۔

اسے امید ہے کہ مجھ سے میرا رب نقصان دور کرے گا مجھے فائدہ دے گا۔

یہ بالآخر اس کی ذات کی طرف لوٹ رہی ہے۔

یہ ساری چیزیں اس کی ذات کی طرف پلٹ کے آتی ہیں۔

مگر محبت ایسی چیز ہے جو اپنے لئے نہیں اپنے رب کیلئے کر رہا ہے۔

لیکن جو عام محبت ہے اُس کو یا تو جنت کی شکل میں سامنے رکھا جاتا ہے۔

یا جہنم سے بچنے کی شکل میں سامنے رکھا جاتا ہے۔ یہ عام مومن کے دن میں جو محبت ہے اس لئے کہ میں جنت لے سکوں۔ اس لئے کہ میں جہنم سے بچ سکوں مگر خاص لوگوں کے دل میں جو رب کی محبت ہے وہ جنت کے حصول کیلئے نہیں اور جہنم سے بچنے

کیلئے بلکہ اُن کے دلوں میں جو محبت ہے وہ صرف اور صرف رب کیلئے ہے۔

فَاِنَّهَا مِنْ اَجَلِ الْمَحْبُوْبِ فَلَيْسَتْ مِنَ الْمُعَاوَضَهِ

(کتاب التسہیل لعلوم التنزیل، جلد نمبر۱، صفحہ نمبر۶۷)

یہ محبت خاصہ صرف محبوب کیلئے ہے جو کسی معاوضہ کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ بغیر معاوضہ کے محبوب سے کی جاتی ہے۔

پہلی محبت بھی معیوب نہیں۔ کیونکہ جنت مانگنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جہنم سے بچنے کا بھی حکم دیا ہے۔

اس میں کوئی قباحت نہیں ہے مگر گریڈ کے لحاظ سے ایک ہے کہ جب بھی اللہ کو یاد کرے تو جہنم سے ڈرتا ہوا یاد کرے اور جب بھی رب کو پکارے تو جنت کی طلب میں پکارے۔

اور ایک وہ جو جنت دوزخ کی طرف نہ دیکھے جب بھی دیکھے تو رب کے جمال کی طرف دیکھے اور اُس کو پکارے۔

رب کی شان کو دیکھ کر رب کو پکارے

رب کے کرم کو دیکھ کر رب کو پکارے

رب کی صفتوں کو دیکھ کر رب کو پکارے

رب کے ساتھ جو دلی میلان ہے اللہ کے ساتھ جو دلی محبت ہے۔ وہ محبت مجبور کرے جنت دوزخ کا خیال نہ آنے دے اور ہر وقت اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اپنے رب کو محبوب بنائے رکھے یہ وہ خاص محبت ہے جو اللہ بندوں کو عطا فرما دیتا ہے۔

بے مثال محبت:

اس لئے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ایک اثر بیان کرتے ہیں۔
قیامت کا دن ایسا ہوگا۔
اِنَّ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ یَامُرُیَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَنْ اَحْرَقَ نَفْسَہٗ فِی الدُّنْیَا عَلٰی رُؤْیَۃِ الْاَصْنَامِ اَنْ یَّدْخُلُوْا جَھَنَّمَ مَعَ اَصْنَامِھِمْ (تفسیر مظہری جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۱۶۲)
قیامت کا دن ہوگا۔
بت اور اُنکے پجاری ایک لائن میں کھڑے کیے جائیں گے بتوں اور بتوں کے پجاریوں کو جس وقت کھڑا کیا جائے گا۔ تو وہ جو بت پرستی میں مر گئے تھے اور بتوں کے درشن کر کے اپنی زندگی گذاری۔
محشر کا دن ہوگا اللہ بتوں کے پجاریوں سے فرمائے گا کہ تم اپنے بتوں سمیت جہنم میں داخل ہو جاؤ۔
تمہیں اپنے بتوں سے بڑا پیار تھا تم ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔
تا کہ درمیان میں جدائی نہ پڑے فراق نہ ہو تم جہنم میں ان کے سمیت داخل ہو جاؤ۔
جس وقت اللہ کی طرف سے یہ اعلان ہوگا۔
فَلَا یَدْخُلُوْنَ
تو وہ بت پرست بتوں کے ساتھ نہیں جائیں گے۔
بت جہنم میں چلے جائیں گے اور بت پرست پیچھے کھڑے ہو جائیں گے۔
اب پتہ چلا کہ ان کو بتوں سے محبت نہیں ہے۔ اگر محبت سچی ہوتی تو محبوب جہاں ہوتا محب کو جانا چاہیے تھا۔
بت جہنم میں ہیں لیکن بتوں کے پجاری اللہ کے حکم سے جہنم میں داخل نہیں ہو رہے اگرچہ

اُن کو جہنم میں پھینک کے بھی داخل کیا جائے گا۔ مگر کچھ وقت کیلئے اُن کا امتحان مقصود ہے۔
اللہ جانتا ہے مگر اُس نے دنیا والوں کو دکھانا ہے کہ میرے محب کیسے ہوتے ہیں اور
بتوں کے محب کیسے ہوتے ہیں۔
انھیں کہا کہ تمہارے محبوب جہنم میں چلے گئے اور تم بھی اُنکے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ
تو ایک بھی ساتھ نہیں جاتا۔
وہ اُنکے نعرے لگانے والے زندگی میں انکو سجدے کرنے والے اُنکو معبود سمجھنے والے
اُن میں سے کوئی ایک بھی اُنکے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہے۔
ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ بَيْنَ يَدِي الْكَافِرِيْنَ
پھر اللہ کافروں کے سامنے مومنین سے ارشاد فرمائے گا۔
اِنْ كُنْتُمْ اَحِبَّائِيْ فَادْخُلُوْا جَهَنَّمَ
اے میرے بندو اگر تم میرے محب ہو تو تم سارے جہنم میں داخل ہو جاؤ مومنین سے
فرمائے گا کہ اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو سارے جہنم میں داخل ہو جاؤ۔
فَيَقْتَحِمُوْنَ فِيْهَا
جونہی رب کا حکم ہوگا تو سب چھلانگیں لگا کر جہنم میں کود جائیں گے یہ اللہ تعالیٰ کافروں
کو دکھانا چاہتا ہے کہ میرے محب مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ جبکہ
تمہارے محبوب جہنم میں جل رہے ہیں۔ وہ جہنم میں پہنچ چکے ہیں تمہارا حوصلہ نہیں بڑھ رہا۔
لیکن یہ میرے محب اور میرے ماننے والے کہ میں نے ان سے کہا ہے کہ اگر تم میرے
محب ہو تو جہنم میں داخل ہو جاؤ۔
تو سارے جہنم میں کود پڑے۔

يُنَادِىْ مُنَادٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ

قیامت کے دن منادی عرش کے نیچے سے آواز دے گا جب یہ منظر بن چکا ہوگا کافر جہنم سے ڈر کے پیچھے کھڑے ہیں۔ لیکن مومنین کو رب کہتا ہے کہ اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو سارے جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ وہ ایک بار بھی نہیں کہیں گے کہ اے اللہ تو نے تو جنتوں کے وعدے کیے ہم جہنم میں کیسے جائیں اُس میں تو آگ پڑی ہے۔ یہ نہیں کہیں گے بلکہ وہ یہ دیکھیں گے کہ ہمارا رب ہمیں فرماتا کیا ہے۔ اُس نے آخر محبت کے عوض میں کہا کہ اگر تم میرے محب ہو تو پھر جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

سارے بغیر سوچے جہنم کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

تو عرش سے منادی آواز دے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (تفسیر مظہری، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۱۶۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

جو ایمان والے ہیں ان کی محبت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ بعض نے کہا

جنت میں بھیج یا مجھے دوزخ میں ڈال دے
جلوہ دکھا کے میرے دل کی حسرت نکال دے

اصل مقصد تو اللہ کی ذات ہے۔ اگر وہ راضی ہے تو سب کچھ حاصل ہے۔ اس لیے ہمارے صوفیاء نے اس بات پہ بحثیں کیں۔

حضرت مجدد الف ثانی اور دیگر صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم جو جنت جانے کی دعا مانگتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ وہاں حوریں ہیں بلکہ اس لئے جنت کی دعا مانگتے ہیں کہ وہ اللہ کی پسند کی ہوئی جگہ ہے اور ہم جہنم سے جو بچنے کی دعائیں مانگتے ہیں اس لئے نہیں کہ ہم آگ کی وجہ سے وہاں سے بچنا چاہتے ہیں ہم اس لئے اُس سے بچنا چاہتے ہیں کہ وہ

جگہ ہمارے اللہ کو پسند نہیں ہے۔ وہ اللہ کے غضب کی جگہ ہے۔

بات تو ساری ربّ ذوالجلال کی محبت کی ہے۔ اب اُس محبت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا۔ کہ تم میری محبت کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو جاؤ تو داخل ہو جائیں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کفار کو دکھانا چاہتا ہے کہ ان کو میرے ساتھ کتنی گہری محبت ہے۔

میں ان کو جو کہتا ہوں یہ میری بات میرے ساتھ محبت کی وجہ سے مان کر اُس پر عمل کرتے ہیں۔

تیرے نام پہ مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے

اس انداز سے یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی یہ واضح کرتا ہے اور عقبیٰ میں بھی یہ واضح کرتا ہے۔ میرے محبّ جو میرے ساتھ محبت کرنے والے ہیں۔ اس انداز کی کوئی کسی کے ساتھ محبت نہیں کرسکتا۔

اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بڑا حسین منظر پیش کیا ہے۔

تین طبقوں کا انداز محبت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین مختلف طبقوں کے پاس سے گذرے۔

مَرَّ بِثَلَاثَةِ نَفَرٍ

تین مختلف گروہ کے پاس سے آپ کا گزر ہوا۔ تو آپ نے دیکھا۔

پہلا طبقہ

قَدْ نَحِلَتْ اَبْدَانُهُمْ وَتَغَيَّرَتْ اَلْوَانُهُمْ

اُس میں سے بعض کے بدن لاغر ہو چکے ہیں اور اُن کے رنگ بالکل زرد ہو چکے ہیں آپ اُن کے پاس رک گئے۔

فَقَالَ لَهُمْ

آپ نے اُن سے فرمایا:۔

مَاالَّذِیْ بَلَغَ بِکُمْ اِلٰی مَا اَرٰی

یہ کیا سبب ہے کہ میں تمہیں اتنا کمزور دیکھ رہا ہوں۔اس کمزوری کی آخر وجہ کیا ہے۔اور چہروں کا رنگ بالکل بدل چکا ہے۔تمہیں کیا ہوا کیا بیماری لگ گئی ہے۔آپ نے جس وقت اُن سے پوچھا تو اُنہوں نے کہا۔

اصل میں بات یہ ہے کہ نہ بیماری ہے، نہ مرض ہے، نہ درد ہے کوئی بیماری نہیں ہے۔

اَلْخَوْفُ مِنَ النَّارِ

جب جہنمیوں کے بارے میں سوچتے ہیں اور غور کرتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں دنیا کی کوئی خوشی سوجھتی نہیں اُس آگ کے تصور نے یہ کام کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

تم جس چیز سے ڈر رہے ہو اللہ تعالیٰ یقیناً تمہیں اُس آگ سے بچائے گا۔یہ اچھا ہے اُس آگ سے ڈرنا چاہیے۔

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

یہ دعا ہم عام طور پر سوچے بغیر مانگتے رہتے ہیں۔

تصور کر کے اگر مانگیں تو پھر انداز اور ہوگا۔

آگ کا تصور کرنے سے یعنی وہ جہنم جس کے کنارے سے پتھر پھینکیں تو ستر سال نیچے پہنچنے میں لگ جائیں۔اور اُس کی آگ کے ایک شعلے میں اتنی تپش ہے جتنی دنیا کی ساری آگ کے اندر نہیں ہے۔

یہ تصور اُن عابدین پر طاری تھا جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ملاقات کی تھی۔اُنکے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔آپ اُن کے پاس سے گزر گئے آگے ایک اور جماعت کے پاس پہنچے۔

دوسرا طبقہ۔فَاِذَا ھُمْ اَشَدُّ نُحُوْلًا وَتَغَیَّرَ نَقَالُھُمْ

وہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے اور اُن کا رنگ بدلا ہوا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے پوچھا۔

مَا الَّذِیْ بَلَغَ بِکُمْ مَا اَرٰی قَالُوْا الشَّوْقُ اِلَی الْجَنَّۃِ

تمہاری اس کمزوری کا سبب کیا ہے کہ تمہارے رنگ کمزوری کی وجہ سے زرد ہو گئے ہیں۔تمہیں کھانا نہیں ملتا۔یا کہیں درد ہے کیا وجہ ہے۔

وہ کہنے لگے ہمیں اور کوئی مرض نہیں ہے۔بلکہ صرف شوق ہے۔

اَلشَّوْقُ اِلَی الْجَنَّۃِ

جنت کے شوق نے ہمیں یوں بنا دیا ہے۔

اب جنت کا شوق ہو اُس کیلئے کچھ کرنا پڑتا ہے۔جنت کا شوق رات کو سونے نہیں دیتا۔ دن کو اپنی مرضی نہیں کرنے دیتا۔پھر جنت کا جو پراسس ہے اُس کی وجہ سے پھر جنت والے کام کرنے پڑتے ہیں۔

ہم تو جنت کے شوق میں سب کچھ چھوڑ بیٹھے ہیں۔

نفس کو جی بھر کے کھانے نہیں دیتے کیونکہ ہم نے جنت جانا ہے۔ہم نے آنکھوں کو پابند کر رکھا ہے۔کانوں کو پابند کر رکھا ہے ہم نے ہر وقت اپنے آپ کو پابندیوں میں جکڑ رکھا ہے۔دنیا کی لذتوں پر تھوک کے جنت جانے کیلئے اپنے نیک عمل کو جاری رکھا ہے اور ہر چیز کو ہم نے دل سے نکال دیا ہے۔

ہر چیز کی رغبت کو تھوک دیا ہے۔

ہم جنت کے شوق میں اس قدر پابندی کرنے والے ہیں۔ یہ جو بھی صورتحال ہے یہ سب جنت کا شوق ہے۔

اب جنت کے شوق کی بات ہو رہی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو رد نہیں کیا کہ تم نے ٹھیک نہیں کیا نہیں بلکہ فرمایا کہ یہ بہت اچھا ہے۔ جس چیز کا تمہیں شوق ہے وہ اللہ تمہیں عطا فرمائے گا۔

تیسرا طبقہ۔ فَإِذَا هُمْ أَشَدُّ نُحُولًا وَ تَغَيُّرًا كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَرَايَا مِنَ النُّوْرِ

جب تیسرے گروہ کے پاس پہنچے تو ان کے بدن پہلے دونوں سے زیادہ کمزور ہو چکے تھے۔ مگر صورتحال کیا تھی۔

كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَرَايَا مِنَ النُّوْرِ

لگتا تھا کہ ان کے چہرے نور کے آئینے ہیں۔

جس وقت اُن کے چمکتے چہروں کو دیکھا تو ان سے پوچھا تمہیں کیا ہے۔

اتنے نحیف ہو گئے ہو۔

یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوال کا انداز مختلف تھا۔

آپ نے پوچھا:

كَيْفَ بَلَغْتُمْ إِلَى هٰذِهِ الدَّرَجَةِ

تم مجھے بتاؤ تم نے یہ درجہ کیسے پایا۔

تمہارے چہرے جو نور کا آئینہ بن گئے ہیں۔ یہ درجہ تمہیں کیسے ملا۔

قَالُوْا وہ کہنے لگے۔

بِحُبِّ اللّٰہِ تعالیٰ

ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

پہلے گروہ سے پوچھا کہ تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے اور چہرے زرد ہو گئے اسکی وجہ کیا ہے۔ توانہوں نے کہا کہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے ہماری یہ حالت ہوگئی۔

تو آپ نے فرمایا اللہ تمہیں جہنم سے بچائے گا۔

دوسرے طبقہ کے لوگوں میں اُن سے زیادہ کمزوری آچکی تھی۔ اور چہرے زرد تھے۔

اُن سے پوچھا تم کیوں ایسے ہو گئے۔ توانہوں نے کہا جنت کے شوق میں ایسا ہوا تو آپ نے فرمایا اللہ تمہیں جنت عطا کرے گا۔

تیسرا طبقہ جن کے چہرے نور کے آئینے کی طرح روشن ہیں۔ اُن سے پوچھا کہ تم نے یہ درجہ کیسے پایا تو وہ کہنے لگے ایک ہی کام ہے اور کوئی کام نہیں۔

بِحُبِّ اللّٰہِ تعالیٰ

ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ وہ خاص محبت والوں کا مقام ہے۔ جس وقت اس مقام پر انسان پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس وقت جنت دوزخ کے معاملے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

یہ جس وقت دیکھتا ہے تو اللہ کی رضا کی طرف اور اسکی محبت وچاہت کی طرف اس انداز میں ادھر متوجہ رہتا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ اتنا بڑا مرتبہ عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے۔

اَنْتُمُ الْمُقَرَّبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

(تفسیر کبیر زیر آیت الذین آمنوا اشد حبا للّٰہ، جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۲۸، دار الفکر بیروت)

تم وہ ہو جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنا قریب ترین مقام عطا فرمائے گا۔

محبت الٰہی کے درجات آپ حضرات کے سامنے ہیں۔اس صلہ اُسی محبت کے درجات کے لحاظ سے ہوگا۔وہ محبت عامہ ہو یا محبت خاصہ ہو سب کیلئے صلہ اتنا بڑا ہے۔

سورۃ المائدۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (سورۃ المائدہ آیت:۵۴)

اللہ ان سے محبت کرتا ہے یہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

اس سے بڑا اور صلہ کیا ہوسکتا ہے اس بندے نے رب سے محبت کی وہ رب ہو کے محبت کرر ہا ہے۔فرمایا تم نے مجھ سے محبت کی میں تم سے محبت کرر ہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس قدر نواز رہا ہے۔لہٰذا محبت کا سب سے بڑا صلہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔

یہاں پر یہ بات واضح طور پر سمجھنی چاہیے کہ یہاں پر محبت کا لفظ ایک ہے حالانکہ لغوی طور پر محبت کیلئے دل کا تقاضا ہے۔

اور محبت حبّ سے ہے جس طرح وہ دانہ زمیں میں ہوتا ہے پھر جڑ نکالتا ہے پھر پورا درخت بنتا ہے۔اس طرح یہ محبت محبّ کے دل میں ایک گھر بناتی ہے۔اُس دانے کی طرح جس کو زمین میں بویا جاتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ دل سے پاک ہے۔

لیکن قرآن مجید میں بارہا اللہ تعالی نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورۃ آل عمران آیت:۳۱)

اے محبوب تم ان کو کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو تم میرے پیچھے پیچھے آجاؤ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

تو پتہ چلا محبت ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق کرتا ہے۔اور بندہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق محبت کرتا

ہے۔ مگر شرک نہیں ہے۔

اسواسطے ان دونوں کی محبتیں مختلف ہیں۔ محبت ایک ہے۔ کہ اللہ بھی محبت کرتا ہے۔ اللہ کے بندے بھی کرتے ہیں۔

مگر بندہ محبت خود نہیں کرتا بلکہ اللہ کی دی ہوئی توفیق سے کرتا ہے۔

اور اللہ محبت کرتا ہے لیکن کسی کی دی ہوئی طاقت سے نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی طاقت و قدرت سے کرتا ہے۔

یہی آج لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقام ایسے ہیں جو یہ واضح کر رہے ہیں کو شرک کا جھوٹا پلندہ تیار کیا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت بندے میں کسی لحاظ سے مانی جائے تو شرک لازم آجائے گا۔

تو متعدد آیات کا انکار لازم آئے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک صفت اپنی بیان کی وہی اپنے بندوں کی بھی بیان کی مگر شرک نہیں ہوا اللہ تعالیٰ کی وہ صفت اور انداز کی ہے۔ بندے کی صفت اور انداز کی ہے۔

اگرچہ قرآن مجید میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت ذاتی طور پر کرتا ہے اور وہ عطائی طور پر کرتے ہیں۔ مطلقاً کہا ہے۔

ماننے والوں کیلئے فرق ضروری ہے۔ تو اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی محبت ہے کہ اُس نے اپنی صفت والا نام اپنے بندوں کو عطا فرما دیا ہے۔

رب کی محبت کے تقاضے

ہر محبت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا اولین کیا ہے۔

اول تقاضا جو رب کی پسند وہی بندے کی پسند

سب سے بڑا تقاضا اللہ کی محبت کا یہ ہے۔ کہ جو رب کو پسند ہو وہی بندے کو پسند ہو۔ رب کو نماز پسند ہے بندے کو نماز پسند ہو۔ رب کو روزہ پسند ہے بندے کو روزہ پسند ہو رب کو حج پسند ہے تو بندے کو بھی حج پسند ہو۔ رب کو پاک آنکھ پسند ہے تو بندہ بھی پاک آنکھ کو پسند کرے۔ رب بندے کو شریعت کے رنگ میں ڈوبا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ تو بندہ شریعت کا پابند ہو جائے۔

ربّ ذوالجلال بندے کو ظلم سے پاک دیکھنا چاہتا ہے تو بندہ ظلم سے پاک ہے۔ یہ یقیناً ہر شخص کا ذہن مانے گا۔ کہ مجھے رب سے محبت ہے تو پھر رب کی ہر پسندیدہ چیز سے محبت ہونی چاہیے۔

تو میرے بھائیو!

جب نماز سے محبت رب سے محبت ہے کیوں اسواسطے کہ یہ رب کی پسندیدہ ہے۔ تو پھر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رب سے محبت ہے۔

کیونکہ وہ رب کے سب سے بڑا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

یہاں آ کر کچھ لوگ تقسیم کر جاتے ہیں پہلے تو یہ کہیں گے کہ رب سے محبت ہے تو رب کے دین سے محبت کرو۔ رب سے محبت ہے تو پھر یہ ہونا چاہیے وہ ہونا چاہیے۔

ارے اگر رب سے محبت ہے تو رب کی ہر پسند سے محبت کرو اور جو اللہ کی سب سے محبوب چیز ہے۔ اس سے پہلے محبت کرو۔ تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو محبت ہے اسے محبت الٰہی سے کون نکال سکے گا۔

اسکو محبت الٰہی سے نہیں نکالا جا سکتا اسواسطے کہ یہ اللہ کے محبوب ہیں۔

اگر اللہ کے محبوب سے محبت نہیں ہوگی تو اللہ سے کیسے ہو سکتی ہے۔

چونکہ اللہ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی پسندیدہ چیز سے محبت کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے

محبوب علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام سے ملائکہ سے اور رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام سے محبت کرو کیونکہ صحابہ کو سرکار کیلئے اللہ نے پسند کیا ہے۔ اھل بیت کو سرکار کیلئے اللہ نے پسند کیا ہے۔ اولیاء کی محبت اس لئے لازم ہے کہ وہ اللہ کے پیارے ہیں۔

لہٰذا یہ جو ذاتیں ہیں۔ آج ان کو نکال کے اللہ کی اپوزیشن میں ڈال دینا اور ان کو اللہ کی اپوزیشن قرار دینا۔ یہ اللہ سے محبت کا تقاضا نہیں ہے۔

جو کسی کا محبّ ہو وہ تو اُس کے در کے جانوروں سے بھی پیار کرتا ہے۔

چہ جائیکہ اُس کے دربار کے جو زیر ہیں اُن سے پیار چھوڑ دیا جائے۔ •

نہیں نہیں۔

محبت الٰہی ہو تب سکتی ہے۔ جب اُس کی بارگاہ والوں سے مکمل پیار کیا جائے۔

یہ بات بڑی قابل غور ہے۔ یہ دونوں شعبے بڑے ضروری ہیں۔

کوئی شخص کہے کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے اور پھر اسوۂ حسنہ کو چھوڑ دے، سنت کو چھوڑ دے، نماز کو چھوڑ دے، روزے کو چھوڑ دے اور زبانی محبت کا اظہار کرے تو اس محبت کے ہم قائل نہیں ہیں۔ ہم اس کے داعی نہیں ہیں۔

یہ دین متین کی حلاوت نہیں ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا اللہ سے جو محبت ہے۔ اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اطاعت کی جائے بندگی کی جائے۔

دوسری طرف اگر کوئی کہتا ہے کہ نماز تو اللہ کی محبت ہے لیکن نماز میں اگر سرکار ﷺ کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تو پھر اُس نے سرکار ﷺ کی محبت کا مطلب کیا سمجھا۔

محبوب سے جب محبت ہو جائے تو محبوب کی طرف منسوب ہر چیز سے محبت ہوتی ہے اسلئے مقربین بارگاہ ایزدی کی محبت اللہ ہی کی محبت ہے۔

یہ لوگ بندوں کو اکٹھا کر کے اپنی طرف نہیں اللہ کی طرف بھیجتے ہیں۔

اسواسطے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَحِبُّوْنِی لِحُبِّ اللّٰہِ

(شعب الایمان باب فی محبۃ اللہ عزوجل، جلد نمبر ۸، صفحہ نمبر ۳۶۶ دارالکتب العلمیہ)

اے میرے صحابہ اللہ کی محبت کی طرح میرے ساتھ بھی محبت کرو کیونکہ؟ اسواسطے میں تمہارے رب کا پیارا محبوب ﷺ ہوں۔

اپنے رب کے ساتھ تمہیں محبت تب ہو سکے گی جب میرے ساتھ تمہاری محبت ہوگی ورنہ تمہاری محبت تمہارے منہ پہ ماری جائے گی۔

اللہ فرمائے گا تم میرے ساتھ محبت کرتے ہو۔ میرے محبوب کے ساتھ کوئی محبت نہیں ہے۔ اُن کے ساتھ محبت کرو گے تو پھر میرے ساتھ محبت ہوگی۔

اسواسطے سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَحِبُّوْنِی لِحُبِّ اللّٰہِ

میرے ساتھ میرے رب کی محبت کی وجہ سے محبت کرو۔

دوم تقاضا: محبت رسول ﷺ محبت الٰہی کا ذریعہ

اختتام پر ایک بات بیان کرتا ہوں۔

اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ

جو ہماری محبت کا تقاضا ہے۔ اُس کے لحاظ سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آیا۔ اور اُس نے آکر کہا۔

مَتَى السَّاعَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰه ﷺ

محبوب قیامت کب آئے گی۔

تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

مَا اَعْدَدْتَ لَهَا

تو نے اُس کیلئے تیاری کیا کی ہے۔

تو سائل کہنے لگا۔

مَا اَعْدَدْتُّ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ صَلٰوةٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَةٍ

میں نے زیادہ نمازوں روزوں اور صدقوں سے تو قیامت کی تیار نہیں کی۔

کثیر کا لفظ بولا یہ نہیں کہ بالکل ہی نہیں پڑھیں۔

کچھ لوگ اس سے معاذ اللہ یہ معنی بھی نکال لیتے ہیں کہ جس نے نماز تو کوئی نہیں پڑھی روزہ کوئی نہیں رکھا یہ غلط ہے۔ اُس نے کہا کہ کثیر نمازیں تو نہیں پڑھیں۔

لٰكِنِّىْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

میں اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔

میں نے زیادہ نمازیں نہیں پڑھیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ پنجگانہ پڑھتے ہیں۔ نفل بھی پڑھتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں مگر وہ جانتے ہیں کہ جتنا اس کریم اور رحیم کیلئے عبادت کا حق ہے اتنا میں عبادت نہیں کر سکا میں نے کوئی اتنی بڑی تیاری نہیں کی ہوئی۔ لیکن یہ ہے کہ

اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

میں اللہ سے بھی محبت کرتا ہوں اور اللہ کے محبوب علیہ السلام سے بھی محبت کرتا ہوں

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر یہ بات ہے تو سن لو۔

اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ

(بخاری شریف کتاب الادب باب علامۃ الحب فی اللہ جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۹۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

جو کسی کیساتھ پیار کرے قیامت کے دن اُسی کے ساتھ ہی ہوگا۔ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

مَارَاَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَالْاِسْلَامِ

اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو کسی موقع پر اتنا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

فَرِحَهُمْ بِذَالِكَ (تفسیر کبیر زیر آیت والذین آمنوا اشد حبا للہ، جلد نمبر ۲ جزو نمبر ۲، صفحہ نمبر ۲۲۸)

جتنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملہ پہ خوش ہو گئے۔

کہ جس کی جس کے ساتھ محبت ہے وہ قیامت کے دن اُسی کے ساتھ ہوگا۔

اب یہاں سے یہ پتہ چلا کہ

محبت رسول اگر نہ ہوتی تو محبت الٰہی کا فائدہ کس کو ہوتا۔

جنت تو اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور اللہ ہے جنت دینے والا اور اللہ تعالیٰ نے جنت میں نبی علیہ السلام کو رکھنا ہے۔

اور فرمایا اب جو میرے محب ہونگے وہ میرے محبوب کیساتھ ہونگے۔

یہ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کی وجہ بھی ہے اور اس محبت کا تقاضا بھی ہے۔ اُسی محبت کے تقاضہ کے پیش نظر آج ہم نے روزہ رکھا اور یہ ضروری ہے کہ نظام زندگی میں اور نظام بندگی میں جب فیشن سامنے آئے اُس کو چھوڑ کے کہیں میری میرے رب سے محبت ہے۔ جب معاشرہ کہے آجاؤ چند دنوں میں کروڑ پتی بن جاؤ گے سودی کاروبار کرو تو آگے سے یہ کہنا نہیں میری میرے رب سے محبت ہے۔ جو وہ کہے گا اُس کے مطابق میں چلوں

گا۔ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی نہیں کرونگا۔

جس وقت زمانہ عریانی ،فحاشی سے بھر گیا ہے تو محبِ الٰہی نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔کانوں میں انگلیاں دے لی ہیں۔لوگ کہتے ہیں تم بھی مزے لے لو اور عیش و عشرت کرو یہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

مِنْ اَجْلِ ذٰالِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ

اللہ کی غیرت یہ ہے کہ اُس کی مخلوق میں فحاشی نہ ہو۔

میں اللہ کی غیرت کے خلاف نہیں چل سکتا۔

کیوں کہ میرے رب سے میری محبت ہے۔

یہ آج اس دکھتے ہوئے ماحول کے اندر ہمیں اس محبت کا برملا اظہار کرنا چاہیے۔دوکان میں گھر میں معاشرے میں سوسائٹی میں کیونکہ ہر طرف شیطان کی محبت کو عام کیا جا رہا ہے۔مسلمان شیطان کی محبت کا جھنڈہ لے کے نکل پڑے ہیں۔گلیوں بازاروں میں اس محبت کا سبق دیا جا رہا ہے۔

ماہ رمضان المبارک کے ان مقدس لمحات میں ہم نے یہ عہد کرنا ہے۔ہم خود بھی رحمان سے محبت کرتے ہیں اور اس محبت کو ہم نے ہر سو پھیلانا ہے۔میری دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے ابلاغ و تبلیغ کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 2

رسول اللہ ﷺ کی جسمانی نفاست

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِىُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۤئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم نور مجسم شفیع معظم دستگیر جہاں غمگسار زماں سید سروراں حامی بیکساں، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار گوہر بار میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد۔

نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اُسکی توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے دوسرے سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے اس پرنور پروگرام کو اپنے دربار میں قبول فرمائے۔

اور اللہ تعالیٰ ہمیں حق کا پرچم ہر سو لہرانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی جسمانی نفاست

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمہ جہت عظمتوں سے سرفراز فرمایا:۔

یہاں تک کہ آپ کے پیکر کو اپنی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی قرار دیا۔

اور قرآن مجید میں آپ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے شک ہم نے آپ کو گواہ بنایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیکر اللہ کی توحید کی دلیل ہے۔ رب ذوالجلال نے آپ کو گواہ قرار دے کے اس بات کو واضح کیا کہ میں رحیم ہوں میری رحمت کے گواہ تم

ہو۔ میں کریم ہوں میرے کرم کے گواہ تم ہو۔

میں خبیر ہوں میری خبر کے گواہ تم ہو۔ جس نے میرے علم کو دیکھنا ہو وہ تمہارے علم کو دیکھے۔ جس نے میرے اختیار کو دیکھنا ہو وہ تمہارے اختیار کو دیکھے اور جس نے میری ذات کا مشاہدہ کرنا ہو وہ تمہاری ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔

جس نے میرے جمال کو دیکھنا ہے وہ تمہارے جمال کو دیکھے۔

اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے پیکر کو اتنا عظیم بنایا کہ جو شخص پیکر نبوی ﷺ کی طرف متوجہ ہو، اُسے رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہی اللہ کے دربار تک رسائی حاصل ہو جائے۔

اس بنیاد پر آپ کے پیکر کی نفاست بھی توحید کا بہت بڑا مضمون ہے۔ اور آپ کے پیکر کی جو نظافت ہے اس سے بھی لوگوں کے دلوں کے اندھیرے دور ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جسم کے لحاظ سے اتنی عمدگی عطا فرمائی کہ جس شخص نے بھی غیر جانب دار ہو کر ضد اور ہٹ دھرمی سے ہٹ کے آپ کے پیکر کو دیکھا۔ اگرچہ اس سے پہلے وہ کافر تھا لیکن غیر جانب دار ہو کر پیکر نبوی ﷺ کو دیکھتے ہی اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے مالا مال فرما دیا۔

اسواسطے آج ہم اپنے محبوب علیہ السلام کے جسم پرنور اور پیکر انور کی نفاست کے چند حوالہ جات پیش کرنے والے ہیں تاکہ ماحول میں جو ایک روش لوگوں کی طرف سے چل نکلی ہے۔ کہ وہ ہر بات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برابری کی کوشش کرتے ہیں اور مثل ہونے کے دعوے دار بنتے ہیں۔ اس روش کا رد ہو جائے (آج) ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے ذریعے سے رسول اکرم ﷺ کی تجلیوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

جنہوں نے براہ راست سرکار کا اپنی آنکھوں سے دیدار کیا اور سرکار کے نور سے جن کی

آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں ہمیشہ کی روشنی عطا فرمادی۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں۔

قَالَ: مَاشَمِمْتُ عَنْبَرًا قَطُّ وَلَا مِسْكًا وَلَا شَيْئًا

اَطْيَبَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (البیہقی فی دلائل النبوۃ ۱/۱۸۹)

وہ فرماتے ہیں کہ کوئی خوشبو خواہ وہ عنبر کی ہو یا کستوری کی ہو مجھے ایسی نہیں ملی کہ جس میں رسول اللہ ﷺ کی خوشبو کے ساتھ برابری کا وصف موجود ہو۔ دنیا کی جتنی خوشبوئیں ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آنے والی خوشبو سے کہیں نیچے ہیں۔ اگرچہ کائنات میں اُن خوشبوؤں کے مختلف تذکرے ہیں اور اُن خوشبوؤں کا بڑا وقار ہے۔ مگر کستوری اور عنبر اور دیگر خوشبوؤں کو رسول پاک ﷺ کے بدن سے کوئی برابری نہیں۔ آپ بغیر خوشبو لگائے اپنے پیکر سے خوشبوؤں کو فضاؤں اور ہواؤں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت انس آپ کے پیکر کی خوشبو کو دیگر تمام خوشبوؤں پر بلند و بالا قرار دیتے ہیں۔

ایسے ہی شفا شریف میں روایت موجود ہے۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ اُس حدیث کے راوی ہیں۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ اپنی محبت پر داد وصول کرتے ہیں۔

اللہ ﷺ مَسَحَ خَدَّهٗ

جس وقت رسول اکرم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کے رخسار پر رکھے تو حضرت جابر بن سمرۃ کہتے ہیں۔

قَالَ وَجَدْتُ يَدَهُ بَرْدًا فَإِذَا هِيَ اَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ

رسول اکرم ﷺ کا ہاتھ جب چہرے پہ رخسار کو لگا تو مجھے ایک ٹھنڈک محسوس ہوئی وہ ٹھنڈک اولوں سے بھی زیادہ سرد تھی۔

وَرِيْحًا كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُوْنَةِ عَطَّارٍ

(البیہقی فی دلائل النبوۃ:۱/۱۹۰)(شفا نسیم الریاض:۲/۹)

اور ایک خوشبو میں نے پائی تھی۔

اور وہ خوشبو ایسی تھی لگتا تھا کہ آپ نے ابھی ابھی عطار کی صندوقچی میں ہاتھ ڈال کے باہر نکالا ہے۔

یعنی وہ صندوقچی جو خوشبوؤں سے بھری ہوئی ہو اُس میں ہاتھ کو رکھیں تو ہاتھ خوشبو والا ہو جاتا ہے۔ بغیر صندوقچی کے ہاتھ ڈالنے کے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں ایسی خوشبو موجود تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک تو مجھے سرکار کے ہاتھوں کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اور دوسرا ایسی خوشبو تھی کہ ابھی آپ نے اپنا ہاتھ خوشبو کے مرکز میں ڈبویا ہوا ہو۔ اور آپ نے اس کو باہر نکالا ہو اتنی خوشبو مسلسل آپ کے دست مبارک سے آ رہی تھی۔

بیہقی نے اس بات کو دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے کہ

جس وقت کوئی شخص سرکار سے مصافحہ کرتا تھا۔

فَيَظَلُّ يَوْمَهُ يَجِدُ رِيْحَهَا

سارا دن گذر جاتا لیکن مصافحہ کرنے والے کے ہاتھ سے مسلسل خوشبو آتی رہتی تھی۔ جس کو رسول اکرم ﷺ سے مصافحہ کا شرف ملتا تو آپ کے ہاتھوں سے مصافحہ کرنے والے شخص کو

ایسا فیض مل جاتا کہ پورے دن کے اندر اُس کے ہاتھوں میں وہ خوشبو محسوس ہوتی رہتی۔

وَيَضَعُ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِ الصَّبِيِّ فَيُعْرَفُ مِنْ بَيْنِ الصِّبْيَانِ بِرِيْحِهَا

(نسیم الریاض:۲/۱۳)

رسول اکرم ﷺ بچوں سے بڑا پیار کرتے تھے۔ تو آپ جس بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ تمام بچوں میں خوشبو کی وجہ سے دن بھر پہچانا جاتا۔ سید عالم ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے اتنی خوشبو اُس بچے کے سر میں داخل ہو جاتی۔ جس کی وجہ سے یہ پہچان سب کیلئے آسان ہو جاتی اور واضح طور پر وہ بچہ دیگر بچوں سے نمایاں نظر آتا جس بچے کے سر پر سرکار نے ہاتھ رکھا ہے۔

ایسے ہی حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں حضرت جابر سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ يَمُرُّ فِيْ طَرِيْقٍ

رسول اکرم ﷺ چلتے ہوئے کوئی راستہ اختیار کرتے۔ کسی رستے سے گذر جاتے۔

فَيَتْبَعُهُ اَحَدٌ

پھر اُس رستے پر سرکار کے تشریف لے جانے کے بعد کوئی چلتا تو کیا ہوتا؟

اِلَّا عَرَفَ اَنَّهُ سَلَكَهُ مِنْ طِيْبِهٖ (نسیم الریاض ۲/۱۶)

پیچھے راستہ پر چلنے والے کو پتہ چل جاتا کہ یہاں سے سرکار دو عالم ﷺ کا گزر ہوا ہے۔ سید عالم ﷺ کا جس طرف گذر ہو جاتا تو بعد میں پہچان کیلئے وہ خوشبوئیں بکھر جاتیں۔ جس کی وجہ سے آپ کے گذر جانے کے بعد راستے مہک رہے ہوتے تھے۔

اور وہ خوشبوئیں ہمیں سرکار کی خبر دینے والی ہوتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

كُنَّا نَعْرِفُ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا اَقْبَلَ بِطِيْبِ رِيْحِهٖ

رسول اکرم ﷺ جب کسی سفر سے واپس مدینہ شریف پہنچتے یا کسی مقام سے چل کر وہاں پہنچ رہے ہیں جہاں صحابہ موجود ہیں۔

تو صحابہ کرام کہتے ہیں کہ ہمیں سرکار کی آمد کا پتہ سرکار کی خوشبو سے چل جاتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ ابھی دور ہوتے لیکن خوشبوؤں سے ماحول معطر ہو جاتا تھا۔

اور جوں جوں خوشبو میں تیزی ہوتی ہمیں یقین ہو جاتا کہ سرکار واپس تشریف لے آئے ہیں اور آپ ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں۔

یہ وہ عظیم گواہیاں ہیں جن کو سن کر پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی طور پر ایک نظافت اور نفاست عطا فرمائی ہے۔

وہ روحانی نور اور آپ کی تعلیمات کی جو خوشبو ہے وہ تو اپنی جگہ ایک طے شدہ حقیقت ہے۔لیکن یہ جسم کے لحاظ سے ایک عظمت ہے جس کو بیان کرنے کی آج ضرورت ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی ہدایت اور نور معنوی کے لحاظ سے ہی عظیم نہیں ہیں بلکہ آپ اپنے جسمانی نور کے لحاظ سے بھی عظیم ہیں اور آپ کا پیکر اتنا عمدہ ہے کہ صحابہ کرام اس کی گواہی دے رہے ہیں۔

کہ وہ پیکر جدھر سے گذر جائے تو وہاں سے خوشبو آتی ہے۔

اور جہاں سے گذرنا ہو تو وہاں گذرنے سے پہلے خوشبو پہنچ جاتی ہے۔

خود پیکر نبوی ﷺ سے آنے والی خوشبو ایسی ہے جس سے لوگوں کے یقین محکم ہیں اور

صحابہ کرام ہر لمحہ اُن عظمتوں پر ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔
ایسے ہی رسول اکرم ﷺ کی نفاست کے بارے میں وہ بیان ہیں جن کو ہم مختلف طریقہ سے سمجھ سکتے ہیں۔
مثلاً پیکر نبوی جو نور ہے جس کو مصنف عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔
رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بِعَیْنَیَّ ھَاتَیْنِ
میں نے اپنی ان دو آنکھوں سے اپنے نبی علیہ السلام کو دیکھا تو
کَانَ نُوْرًا کُلَّہٗ
تو سرکار مدینہ اپنے تمام بدن کے لحاظ سے نور تھے۔
اپنے قدم کے ناخن سے لیکر سر کی چوٹی تک نور تھے۔
بَلْ نُوْرًا مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ
آپ کوئی عام سا نور نہیں تھے۔ بلکہ اللہ کے نور سے نور تھے۔
رسول اکرم ﷺ کی جسمانی نفاست کو سمجھنے کیلئے اس بات کو سامنے رکھنا چاہیے۔
ابھی آثار سے یہ واضح ہوگا کہ یہ جسم اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کو برھان کہہ دے۔ قرآن میں انکے جسم کو شاھد سے تعبیر کرے۔
اسواسطے کہ اللہ نے جس نور سے آپ کی تخلیق کی ہے وہ کائنات میں ایک منفرد نور ہے۔ جس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے (نور من نور اللہ) سے تعبیر کرتے ہوئے واضح کیا۔ اگرچہ باقی بہت سی چیزوں پر لفظ نور کا اطلاق موجود ہے۔ مگر سرکار کو اللہ نے منفرد قسم کی نورانیت عطا فرمائی۔ جس کی وجہ سے ایسی نظافت اور نفاست اور ایسی لطافت بدن نبوی میں موجود تھی اور آج تک وہ چمک موجود ہے۔ جس کی وجہ سے اندھیرے دور ہوتے ہیں اور دل میں نور کا چراغاں ہوجاتا ہے۔

''پسینہ مبارک''

عن انس اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَاتِیْ اُمَّ سُلَیْمٍ فَیَقِیْلُ عِنْدَھَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لاتے اور وہاں اُن کے گھر میں قیلولہ فرماتے تھے۔

فَتَبْسُطُ لَہٗ نِطْعًا فَیَقِیْلُ عَلَیْھَا

حضرت اُمّ سلیم رسول اکرم ﷺ کیلئے چمڑے کی چٹائی بچھا دیتی تھی۔

وَکَانَ کَثِیْرَ الْعَرْقِ

رسول اکرم ﷺ کو بہت زیادہ پسینہ آتا تھا۔

فَکَانَتْ تَجْمَعُ عَرَقَہٗ وَتَجْعَلُہٗ فِی الطِّیْبِ وَالْقَوَارِیْرِ

تو حضرت ام سلیم لکڑی کے ساتھ پسینہ اکٹھا کر لیتی تھیں اور اُس کو اپنی خوشبو میں ڈالتیں پھر اُس کو شیشی میں بند کرتی تھیں۔

تو سرکار نے حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایسے کرتے ہوئے دیکھ لیا تو آپ نے فرمایا:

یَا اُمَّ سُلَیْمٍ مَاھٰذَا

اے اُمّ سلیم تم یہ کیا کر رہی ہو۔

سرکار نے جب پوچھا تو حضرت ام سلیم کہنے لگی۔

عَرَقُکَ اَدُوْفُ بِہٖ طِیْبِیْ

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب طیب عرق النبی ﷺ والتبرک بہ جلد نمبر: ۲ صفحہ نمبر ۲۵۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یارسول اللہ ﷺ یہ آپ کا پسینہ مبارک ہے اور اس پسینے کو میں اپنی خوشبو میں رکھتی ہوں۔

دوسری روایت میں یہ ہے۔

نَرْجُوْا بَرْكَتَهٗ لِصِبْيَانِنَا

ہم اپنے بچوں کو برکت کے طور پر یہ پسینہ لگاتے ہیں۔

اس کی خوشبو اُن میں منتقل ہو جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت امّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل کو ملاحظہ کیا ہے۔

تو صحیح مسلم شریف میں تذکرہ موجود ہے کہ آپ اُس کے عمل سے ناراض نہیں ہوئے بلکہ بدن کی نفاست سے تبرک حاصل کرنے کا جو عقیدہ صحابہ کرام کا تھا۔

ہمارے آقا ﷺ نے اُس کی تصدیق بھی فرمادی ہے اور اپنی طرف سے اُسکی تائید بھی فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم

ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گیا۔

فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیك وسلم اِنِّیْ زَوَّجْتُ اِبْنَتِیْ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنی بچی کی شادی کی ہے۔

وَاُحِبُّ اَنْ تُعِيْنَنِیْ قَالَ مَاعِنْدِیْ شَیْءٌ

میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ کوئی تعاون کردیں میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے۔ جس وقت اُس شخص نے یہ درخواست کی تو آپ نے فرمایا:۔ فی الحال میرے پاس کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

وَلٰكِنْ اِئْتِنِیْ بِقَارُوْرَةٍ وَاسِعَةِ الرَّاْسِ وَعُوْدِ شَجَرَةٍ

لیکن تم ایک شیشی لے آؤ جس کا سر کھلا ہو اور ساتھ ایک چھوٹی سی لکڑی بھی لے آؤ۔

فَاَتَاهُ بِهِمَا

تو وہ صحابی جس وقت شیشی اور لکڑی لیکر پہنچے۔

فَجَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم یَسْلُتُ العَرَقَ مِنْ ذِرَاعَیْہِ

سرکار نے اپنی کلائی سے لکڑی کے ساتھ پسینہ صاف کیا۔

حَتّٰی اِمْتَلَأَتِ الْقَارُوْرَۃُ

یہاں تک کہ وہ شیشی پسینہ سے بھر گئی۔

قَالَ خُذْھَا

اسکے بعد آپ نے وہ شیشی اپنے صحابی کو دے دی اور آپ نے فرمایا:۔

تَطِیْبُ بِہٖ

آپ کی بیٹی یہ خوشبو استعمال کرے۔

یہ میری طرف سے شادی کے موقع پر تمہیں تحفہ دیا جا رہا ہے۔

فَکَانَتْ اِذَا تَطَیَّبَتْ بِہٖ

تو جس وقت اُس صحابی کی بیٹی رسول اکرم ﷺ کے پسینے کی خوشبو لگاتی۔

یَشُمُّ اَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ رَائِحَۃَ ذَالِکَ الطِّیْبِ

اُس خوشبو کی مہک پورے مدینہ شریف کے لوگوں کو محسوس ہوتی تھی۔

فَسَمُّوْا بَیْتَ الْمُطَیَّبِیْنَ (الخصائص الکبری ۱/ ۶۷)

تو جس گھر میں وہ خاتون رہتی تھی اُس گھر کا نام ہی خوشبو والا گھر پڑ گیا اور اُن لوگوں کو خوشبو والے لوگ کہا جانے لگا۔

یہ رسول اکرم ﷺ کے پسینہ مبارک میں ایسی تجلی ہے ایسا نور ہے اور اُس میں ایسی چاندنی ہے کہ جس کی وجہ سے فیض آگے بڑھتا ہے عام ہوتا ہے۔ جس کو دیا گیا وہ اُس کے لیے ہمیشہ نور اور روشنی بن گیا۔

اور اس عظیم سخاوت کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے اتنا نوازا ہے۔ کہ جو بھی اس طرح کا سوال کرتا رہا۔ آپ نے اس کو ہر جہت میں مالا مال فرما دیا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں گھر میں موجود تھی۔

رسول اکرم ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سے اپنا جوتا صحیح فرما رہے تھے۔ اسی دوران آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آ گیا۔ تو وہ پسینہ کیسا تھا۔

كَانَ عَرَقُهُ يَتَوَلَّدُ نُوْرًا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی پیکر پر پسینہ بھی نور کا تھا۔

آب ذر بنتا ہے عارض پہ پسینہ نور کا
مصحف اعجاز پہ چڑھتا ہے سونا نور کا

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ

ہمارے محبوب کے رخسار پر جو پسینہ ہوتا ہے۔ اُس پسینے کی عام حیثیت نہیں بلکہ ایک خاص حیثیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جسطرح قرآن مجید ہو اور اُس پر سونے کے پانی سے ملمع کاری کر دی گئی ہو۔ ایسے ہی سرکار کے رخ انور پر جس وقت پسینہ آتا ہے تو وہ پسینہ معمولی نہیں ہے۔ اتنا عظیم ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اُس کو نور کہہ کر پکارتی ہیں۔ اور سارے عشاق اُس کو نور کہہ کر پکارتے ہیں لہٰذا نفاست نبوی کا یہ ظہور ہے۔

باقی ابدان پر پسینہ آنے سے تعفن پھلتا ہے اور اس سے ایک بُری ہمک آنا شروع ہو جاتی ہے۔ مگر یہ ہمارے محبوب کے بدن کی نفاست ہے کہ وہاں اگر پسینہ بھی آیا ہے تو پسینہ بھی مرکز کمالات بنا ہوا ہے۔ پسینہ بھی خوشبوؤں کی وجہ سے لوگوں کو معطر کر رہا ہے اور دنیا کو بتا رہا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سرکار کے جسم کو ہر لحاظ سے عظمتوں سے مالا مال فرمایا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے بغل مبارک کے پسینے کی حیثیت اور اُن کا مقام کتنا عظیم ہے دیگر لوگوں کے بغل کے پسینہ کی جو صورتحال ہوتی ہے۔ وہ سب کے سامنے ہے لیکن اگر رسول اکرم ﷺ کے بغل مبارک کا پسینہ اگر کسی کو میسر آیا ہے تو اُس کے ایمان نے یہ گواہی دی ہے۔ کہ دنیا میں کہیں ایسی خوشبو نہیں جو خوشبو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے بغل کے پسینہ کو عطا فرمائی ہے۔

ایک صحابی چھوٹی عمر میں تھے اور یہ کہتے ہیں۔

كُنْتُ مَعَ اَبِیْ

میں اپنے والد محترم کے ساتھ تھا۔

حِيْنَ رَجَمَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه و آله و سلم مَاعِزَبْنَ مَالِكٍ

جس وقت حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کیا۔

فَلَمَّا اَخَذَتْهُ الْحِجَارَةُ

جس وقت حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتھر لگے تو۔

اُرْعِبْتُ

تو میں ڈر گیا جس وقت میں ڈرا تو۔

فَضَمَّنِیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وآله و سلم اِلَيْهِ

رسول اکرم ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا اور میں آپ کے ساتھ چمٹ گیا۔

فَسَالَ عَلَیَّ مِنْ عَرَقِ اِبْطِهٖ

رسول اکرم ﷺ کی بغل مبارک کا پسینہ اسی دوران مجھ پر گرا۔

بِمِثْلِ رِيْحِ الْمِسْكِ (الخصائص الکبری ۱/۶۷)

اُس پسینہ سے بھی کستوری جیسی خوشبو آ رہی تھی۔

رسول اکرم ﷺ کے بدن مبارک کی نفاست اور نظافت کا یہ انداز پسینے کے لحاظ سے ہے۔ دیگر لوگوں میں یہ بات باعث نفرت ہے لیکن سرکار کی عظمت اس لحاظ سے دیگر تمام ذوات سے نرالی ہے۔

''لعاب دھن''

جس وقت آپ کا پیکر نوری ہے تو آپ کا لعاب دھن بھی ایک مثالی حیثیت کا ہے۔

حضرت عروۃ بن مسعود رضی اللہ عنہ جس وقت حدیبیہ میں آئے تھے۔ اُس وقت مشرک تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اپنے ہونٹوں سے لعاب دھن جدا کرتے تھے تو صحابہ زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔

اور وہ ہاتھوں پہ لگاتے تھے۔

یہ بات قریش مکہ نے سنی تو وہ بڑے متعجب ہوئے۔

اور عروہ بن مسعود خود اس بات پر متعجب ہو کر کہنے لگے کسریٰ و قیصر اور نجاشی کے دربار میں مجھے وہ چمک نظر نہیں آئی جو حدیبیہ میں نظر آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کے جسم کی ایسی نظافت اور نفاست ہے کہ۔

اگر وہ گاڑھا بلغمی تھوک جو باعث نفرت ہوتا ہے۔ مگر رسول اکرم ﷺ کے بدن مبارک سے جدا ہو تو وہ باعث نفرت نہیں ہے۔ بلکہ اُس کیلئے رشک کیا جا رہا ہے۔ ہر کوئی اُس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اُس لعاب میں اتنی تازگی ہے اتنا حسن و جمال ہے کہ جس صحابی کو جو لعاب ملتا ہے وہ اُس کو اپنے ماتھے پہ لگاتا ہے۔ اور دنیا والوں کو یہ بتا رہا ہے کہ جس جسم کے لعاب کی اتنی بڑی شان ہے اُس جسم کی اپنی کتنی بڑی شان ہوگی۔

ایسے ہی سرکار کے بدن سے جو پانی لگتا ہے وہ مستعمل پانی بھی صحابہ کرام استعمال کرتے ہیں اور صحابہ کرام وہ پانی خود ہی استعمال نہیں کرتے بلکہ سرکار استعمال کرواتے بھی ہیں۔ اور صحابہ کرام کو سبق بھی دیتے ہیں۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ

رسول اکرم ﷺ کے جسم سے پانی لگ کے نیچے گرنا چاہتا تو صحابہ کرام نیچے نہیں گرنے دیتے بلکہ اُس کو اپنے چہرے پہ لگاتے ہیں۔

جسے کوئی قطرہ نہ ملے وہ اُس ہاتھ پہ ہاتھ ملتا ہے جہاں پر پانی کا قطرہ گرا تھا۔ تو یہ اس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ یہ رسول اکرم ﷺ کے بدن کی نفاست ہے۔ کہ جہاں ایک مرتبہ عام سا پانی بھی لگ جاتا ہے۔ تو وہ پانی پھر عام نہیں رہتا بلکہ وہ اللہ کے فضل سے خاص الخاص بن جاتا ہے۔

لعاب کی نفاست کا عالم یہ تھا۔

سَاَلَتْهُ جَارِيَةٌ وَهُوَ يَاْكُلُ الطَّعَامَ

رسول اکرم ﷺ کھانا تناول فرمارہے تھے کہ اتنے میں ایک نوجوان لڑکی آگئی۔

وَكَانَتْ قَلِيْلَةَ الْحَيَاءِ

وہ حیا کی دولت سے محروم تھی اس میں حیا بہت کم تھا۔

اُس لڑکی نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

یَطْعَمُهَا مِنَ الَّذِیْ فِیْ فِیْهِ

جو لقمہ آپ کے منہ میں ہے۔ آپ یہ لقمہ مجھے عطا فرما دیں۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

آپ نے وہی لقمہ نکالا اور اُس لڑکی کو عطا فرما دیا۔

رسول اکرم ﷺ کا لعاب دھن اُس لقمہ میں شامل ہو چکا ہے اور وہ لقمہ ایک خاتون نے حاصل کر لیا ہے۔ اب وہ خاتون اُس لقمہ کو کھانے لگی۔

فَلَمَّا اسْتَقَرَّ فِیْ جَوْفِهَا

جب وہ لقمہ اُس خاتون کے پیٹ میں پہنچا۔

اَلْقَی اللّٰهُ عَلَیْهَا الْحَیَاءَ

تو اللہ نے اُس کو شرم و حیا کی دولت عطا فرما دی۔

آپ کے فرامین سے ثابت ہے کہ حیا ایمان ہے اور حیا کو نصف ایمان کہا گیا۔ یہ حیا اس خاتون میں کہاں سے بنا آپ کے لعاب دھن سے حیا بنا۔ اس حیا کو ایمان کہا جاتا ہے۔

سرکار کے بدن کی نفاست ہے کہ آپ کے بدن کا لعاب ہو تو وہ لوگوں میں نور ایمان پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔

حَتّٰی لَمْ یَکُنْ بِالْمَدِیْنَةِ اَشَدَّ حَیَاءً مِنْهَا۔ (طبرانی سیرۃ نبی المختار، ۱۵۵)

یہاں تک اُس خاتون میں حیا اتنا کثیر ہو گیا کہ مدینہ شریف میں اُس سے زیادہ حیا والا کوئی بھی انسان نہ تھا۔

یہ رسول اکرم ﷺ کے لعاب کی برکت ہے۔

ایسے ہی آپ کے لعاب میں وہ کمال ہے کہ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر کی طرف بھیجنا تھا اور اُنکی آنکھیں خراب تھیں تو سرکار نے اُنکی آنکھوں میں لعاب ڈالا تو آنکھیں درست ہو گئیں۔

اور آپ نے فرمایا تھا۔

لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ رَجُلًا یُفْتَحُ عَلٰی یَدَیْہِ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ

(صحیح بخاری، باب الجہاد والسیر باب فضل من اسلم علی یدیہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر ۴۲۲)

میں کل اُس کو جھنڈا دوں گا جس سے اللہ بھی پیار کرتا ہے اللہ کے نبی علیہ اسلام بھی پیار کرتے ہیں اور وہ بھی اللہ سے اور اُسکے رسول علیہ السلام سے پیار کرتا ہے۔ جس کو میں جھنڈا دوں گا وہ فاتح خیبر بن جائے گا۔

صبح جس وقت اُن کو بلایا تو اُنکی آنکھیں خراب تھیں۔ آنکھوں کی خرابی اُن میں لعاب دھن ڈال کر دور کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ایسے لگتا تھا کہ کبھی میری آنکھیں خراب ہوئی ہی نہیں ہیں۔

ایسے ہی حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا بازو ابو جہل کے خلاف لڑتے لڑتے کٹ گیا تو سید عالم ﷺ نے یہی لعاب دھن استعمال کرتے ہوئے بازو کے ساتھ لگایا تو وہ کٹا ہوا بازو بدن کیساتھ لگ گیا۔

یہ ربّ ذوالجلال نے ہمارے محبوب علیہ السلام کو نفاست دی ہے۔

باقی لوگوں کے لعاب جراثیم کا گڑھ ہوتے ہیں۔ اور بیماریاں پھیلانے والے ہیں۔

مگر میرے محبوب علیہ السلام کے لعاب میں ہر جہت سے کیسی نفاست ہے۔

کہ جس وقت اُس کو استعمال کیا جاتا ہے تو کہیں آنکھیں صحیح ہو جاتی ہیں۔

اور کہیں بیماریاں دور ہو جاتی ہیں اور کہیں کسی کا بازو صحیح ہو جاتا ہے۔

یہ سرکار علیہ السلام کی جسمانی نظافت کا فیض ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک انفرادی شان عطا فرمائی ہے۔

"بول و براز کے لحاظ سے جسمانی نفاست"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ میں نے سرکار سے ایک دن پوچھا۔

اِنَّكَ تَأْتِي الْخَلَاءَ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جس وقت قضاء حاجت کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ تو اُس مقام پر جس وقت ہم جائیں تو۔

فَلَا نَرٰی مِنْكَ شَيْئًا مِنَ الْاَذٰی ۔ (نسیم الریاض ۲/۲۰)

ہمیں وہاں پر کوئی گندگی نظر نہیں آتی۔

اس کا سبب کیا ہے؟

فَقَالَ لَهَا يَا عَائِشَةُ

آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ:۔

اَوَمَا عَلِمْتِ اَنَّ الْاَرْضَ تَبْتَلِعُ مَا يَخْرُجُ مِنَ الانبياء عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَلَا يُرٰى مِنْهُ شَيْءٌ (شفاء نسیم الریاض: ۲/۲۰)

تمہیں یہ علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کیلئے ایک خاص اہتمام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء جس جگہ پر قضاء حاجت کریں تو زمین اُس کو نگل جاتی ہے۔ لوگوں کو

کچھ بھی نظر نہیں آتا زمین کھا جاتی ہے۔

بہت سے آثار میں یہ بات موجود ہے کہ جہاں پر سرکار قضاء حاجت فرماتے تھے وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن وہاں سے خوشبو ضرور آتی تھی۔

سید عالم ﷺ کے وہاں جانے کی وجہ سے خوشبوئیں پھیل جاتی تھیں۔

اشعة اللمعات میں حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔

آپ نے ایک بار عذر کی وجہ سے بول کیلئے ایک پیالے کا استعمال کیا۔

ایک مرتبہ رات کو جب آپ نے پیالے میں بول فرمایا تو وہ ابھی چارپائی کے نیچے پڑا تھا کسی نے اُٹھا کے اُس کو لے جانا تھا۔

ایک صحابی آگئے اُن کو علم نہیں تھا کہ یہ بول نبوی ہے۔ ویسے پانی سمجھ کر نوش کر گئے۔

رسول اکرم ﷺ کا بول جس وقت وہ صحابی پی گئے۔

آورده اند که شخصے از تشنگان نادانسته بگمان آب بول آنحضرت ﷺ را ازاں قدح بخورد

ایک شخص نے بول کو پانی سمجھتے ہوئے نوش کر لیا۔

تا زنده بود بوئے خوش از اندام وے یافته میشد۔

جب تک وہ بندہ زندہ رہا جدھر سے وہ گذرتا تھا تو اُس کے بدن سے خوشبو آتی تھی۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول جس نے نہ جانتے ہوئے پی لیا تو آپ کے اُس بول کی وجہ سے جب تک وہ بندہ زندہ رہا اُس کے بدن سے مسلسل خوشبو آتی رہی تھی۔

یہ خوشبو اُس تک محدود نہیں رہی بلکہ۔

چند پشت در اولاد او نیز موجود بود۔ (اشعۃ اللمعات ۱/۲۰۷)

اُس کی اولاد میں یہ خوشبو نسل در نسل آتی رہی۔

اب ذرا سوچیے جن کے فضلات میں اتنی خوشبو ہو اُنکے پیکر میں کتنی بڑی خوشبو ہو گی۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ انداز زندگی میں اور وصال کے وقت بھی بدستور قائم رہا۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عنه غَسَّلْتُ النَّبِيَّ ﷺ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جب آپ کے وصال کے بعد آپ کو غسل دیا۔

فَذَهَبْتُ اَنْظُرُ مَايَكُوْنُ مِنَ الْمَيِّتِ فَلَمْ اَجِدْ شَيْئاً

میں غسل دیتے ہوئے تھوڑی تھوڑی دیر دیکھتا رہا تو کسی طرح کی آلودگی بدن سے باہر نہیں نکلی۔ بلکہ اُس وقت بھی سرکار کے بدن سے خوشبو آرہی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میری زبان سے الفاظ نکلے۔

قُلْتُ طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت آپ حیات تھے اُس وقت بھی آپ خوشبو والے تھے اور جب دنیا میں ظاہری حیات ختم ہو گئی ہے۔ اور دنیا سے جا رہے ہو تو آج بھی آپ کے بدن سے خوشبو آرہی ہے۔

یہی لفظ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی استعمال کیے تھے۔

آپ نے جس وقت سرکار کے چہرے کا بوسہ لیا تو یہ لفظ آپ نے بھی بولے تھے۔

طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری ہر ادا نرالی ہے۔ پہلے بھی دنیا میں آپ کی خوشبوئیں موجود ہیں اور آج دنیا سے جا رہے ہو تو آج بھی بدن سے خوشبو آرہی ہے۔ یہ سرکار علیہ السلام کی دائمی نفاست ہے۔ جس کے لحاظ سے آپ کا مقام و مرتبہ تمام سے منفرد رہا۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

وَسَطَعَتْ مِنْهُ رِيْحٌ طَيِّبَةٌ لَمْ يَجِدُوْا مِثْلَهَا قَطُّ (نسیم الریاض ۲/۲۳-۲۴)

جس وقت ہم نے سرکار کو غسل دیا تو ایسی خوشبو آئی جیسے پہلے کبھی بھی نہیں آئی تھی یعنی پہلے ہم نے جو دنیاوی خوشبوئیں سونگھی ہوئی تھیں اُن میں سے کوئی خوشبو بھی اسکا مقابلہ کرنے والی نہیں تھی۔ جو بوقت غسل سرکار کے بدن سے باہر آ رہی تھی۔ دوسرے لوگ خوشبو کے محتاج ہیں مگر سرکار دنیا کی فضا میں خوشبو کو بانٹتے ہوئے تشریف لے کے جا رہے تھے۔

تا کہ لوگوں کو یہ یقین رہے کہ بدن کی نفاست ایمان کا حصہ ہے۔ ہمارا ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن کو نفاست اعلیٰ درجے کی عطا فرمائی ہے۔

"خون نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون مبارک میں علیحدہ ایک اپنی نفاست ہے۔

حضرت ابوطیبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجام تھے۔ سنگی لگاتے تھے۔

سرکار نے پچھنے لگوائے تو آپ کے بدن سے خون نکلا وہ پیالے میں موجود تھا۔ آپ نے حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ خون لے جاؤ اسکو کہیں زمین میں دفن کر دو۔ جس وقت یہ آپ کی بارگاہ سے پیالہ لے گئے دیوار کے پیچھے پہنچے تو دل نے تسلیم نہ کیا کہ وہ پیکر جو عرش سے بھی مقدس ہو اُس کا خون زمین پر پھینک دیا جائے۔

تو انھوں نے وہ خون پی لیا۔ پھر واپس آ گئے۔

رسول اکرم ﷺ نے جب اُن سے پوچھا کہ تم نے خون کا کیا کیا؟

تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں برداشت نہیں کر سکا کہ میں اس خون

کو نیچے گراتا۔ میں نے وہ خون پی لیا ہے۔

سرکار مدینہ نے ارشاد فرمایا:۔

اب اللہ نے تجھ پر جہنم کو حرام قرار دیا ہے۔

ایسے ہی جس وقت سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان احد میں زخمی ہوئے تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے سرکار کے جسم سے خون کو مرحم لگانے کیلئے چوس لیا پھر اُس کو نگل گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ پر انکار نہیں کیا۔ ناراض نہیں ہوئے۔

یہ ارشاد فرمادیا:۔

لَنْ تُصِیبَہُ النَّارُ (نسیم الریاض ۲/۲۹)

کبھی نار جہنم تمہارے قریب نہیں آئے گی۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون مبارک کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی موجود ہے کہ انہوں نے بھی سرکار کا خون مبارک پیا اور رسول اکرم ﷺ نے ان پر بھی انکار نہیں فرمایا:۔

ایسے ہی حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا نے سرکار علیہ السلام کا پیشاب پی لیا۔ تو اس پر انکار نہیں کیا گیا۔ یہ ارشاد فرمایا:۔

اِذَنْ لَاتَلِجُ النَّارُ بَطْنَکِ (نسیم الریاض ۲/۲۱)

اے ام ایمن اب تمہارے پیٹ میں جہنم کی آگ داخل نہیں ہو سکے گی۔

اب یہاں تک آثار کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ ان فضلات کے لحاظ سے بھی محبت کا اظہار کیا جانے لگا تو وہ بھی اس سے محروم نہیں رہے۔

فِی اِمْرَأَۃٍ شَرِبَتْ بَوْلَہٗ

ایک خاتون کے بارے میں روایت ہے جس کا نام برکت تھا اُس نے سرکار کا بول پی لیا تو

فَقَالَ لَنْ تَشْتَکِیَ وَجْعَ بَطْنِكِ (نسیم الریاض ۲/۳۱)

آپ نے اُس سے فرمادیا تجھے آج کے بعد کبھی بھی پیٹ کا درد نہیں ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم مبارک کے ہمہ جہت مناظر ہمارے سامنے موجود ہیں بالخصوص وہ گواہی کتنی بڑی گواہی ہے جو آپ کی والدہ ماجدہ کی ہے۔

وہ آپ کی نفاست کو بیان کرتی ہیں۔

عَنْ اُمِّہٖ آمِنَۃَ رضی اللہ عنھا قَالَتْ وَلَدْتُہٗ نَظِیْفًا مَابِہٖ قَذْرٌ

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

وَلَدْتُہٗ نَظِیْفًا مَابِہٖ قَذْرٌ (نسیم الریاض ۲/۳۴)

جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کے بعد اُسکو غسل دیا جاتا ہے اور پھر اُس کا بدن صاف ہوتا ہے۔

لیکن سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ولادت کے وقت ہی جو نفاست اللہ کی طرف سے دی ہوئی ہے۔ اُس پر خود آپ کی والدہ گواہی دے رہی ہیں۔

آپ فرماتی ہیں کہ میں نے جس وقت ان کو جنم دیا تو ان کا بدن اُس وقت ایسا دھلا ہوا تھا۔ کہ کسی قسم کی کوئی آلودگی بدن مبارک پر موجود نہیں تھی۔

کسی طرح کی کوئی عیب دار چیز کا نام ونشان بھی آپ کے بدن پر نہیں تھا۔

یہ ربّ ذوالجلال کو منظور نہ تھا کہ اسی حالت میں آپ پر نگاہ پڑے تو کوئی آنکھ دیکھ کے یہ نہ کہے کہ ابھی پاکیزگی کی ضرورت تھی یوں کر لیا جاتا تو بدن صاف ہو جاتا۔

ایک لحہ بھی اللہ تعالیٰ کسی کو موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ کہ میرے محبوب علیہ السلام کی والدہ آپ کو ایک گھنٹہ کے بعد غسل دیں اور اتنے میں کوئی یہ کہہ دے کہ ان کے بدن پر فلاں چیز لگی ہوئی ہے۔ یہ میرے محبوب کے بدن کی نظافت کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جداگانہ اہتمام کیا۔ جداگانہ بندوبست کیا۔

ایسی ولادت کائنات میں کسی کی بھی نہیں ہوئی جیسی ولادت ہمارے محبوب علیہ السلام کی ہوئی ہے۔

ایسی نفاست اللہ نے ہمارے محبوب علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جن کو ولادت کے لمحے میں اللہ تعالیٰ نے اتنی شان دی ہے۔ اتنی نفاست دی ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (سورۃ الضحیٰ آیت نمبر ۴)

وہ پھول بعد میں مزید مسکراتا چلا گیا۔

وہ چاند ہر لحہ مزید چمکتا چلا گیا۔ مزید حسن و جمال اُنکو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا چلا گیا تو یہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی نفاست کا ایک انداز ہے اور اسی کا ایک حصہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے پیکر کو اپنی تخلیق کا شاہکار بنایا اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مظہر اتم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مطلقاً انسان کو احسن تقویم کہا ہے۔ سب سے خوبصورت چیز انسان ہے مگر تمام انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ نے جن کو سب سے زیادہ حسن دیا وہ ہمارے آقا ﷺ ہیں۔

یہ بھی نفاست کا ایک حصہ ہے کہ ایک سیرت نگار کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جتنے موزوں اور خوبصورت اعضاء ہمارے نبی علیہ السلام کو دیئے ہیں وہ بھی آپ کے بدن کی عظمت کو اجاگر کرنے کیلئے ہے۔

جیسی آپ کی آنکھیں ہیں ایسی کسی کی آنکھیں نہیں ہیں۔

جیسے آپ کے ابرو ہیں ایسے کسی کے ابرو نہیں۔ جیسے آپ کے ہونٹ گل قدس کی پتیاں ہیں۔ ایسے کسی کے ہونٹ نہیں۔ جیسے آپ کے رخسار ہیں ایسے کسی کے رخسار نہیں۔

جیسے آپ کی ناک مبارک ہے ایسی کسی کی ناک نہیں ہے۔

جیسی آپ کی گردن ہے ایسی کسی کی گردن نہیں ہے۔

اور آپ کے چہرہ پہ پُر نور داڑھی ہے ایسے کسی کی داڑھی نہیں ہے۔ آپ کے سینے جیسا کسی کا سینہ نہیں ہے۔ آپ کے بازووں جیسے کسی کے بازو نہیں ہیں آپ کے قدموں جیسے کسی کے قدم نہیں ہیں۔ آپ کے پیکر جیسا کسی کا پیکر نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت اس تمام مضمون کو سامنے رکھ کے کہہ رہے تھے۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفاست کا یہ مضمون آج اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام نے آنکھوں سے دیکھا ہم نہ دیکھ سکے مگر اُن کے بتائے ہوئے ضابطے تو ہمارے پاس ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ لَمْ يَكُنْ لَهٗ ظِلٌّ وَلَمْ يَقُمْ مَعَ شَمْسٍ قَطُّ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَ الشَّمْسِ

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل جلد نمبر 1، صفحہ نمبر: 57)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ہمارے نبی علیہ السلام کا بدن اتنا نفیس ہے کہ آپ کھلے چہرے کے ساتھ باہر آجائیں تو سورج کی روشنی پر آپ کی روشنی غالب آجاتی ہے۔

اتنا بدن سے نور نکلنے والا ہے۔ اس قدر اُجالے بٹتے ہیں کہ آپ کے چہرے کا نور سورج پر غالب آجاتا ہے۔

اور صحابہ کرام کہتے ہیں کہ سرکار کا بدن تو بدن رہا ہم نے کبھی سرکار کے لباس پر مکھی کو بیٹھا ہوا نہیں دیکھا۔ کیونکہ وہ گندگی پہ بیٹھتی ہے۔ وہ آپ کے بدن پہ آ کر بیٹھے یہ بدن کی نفاست کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُس کو روک رکھا ہے۔

سرکار کا بدن تو بدن رہا سرکار کے جسم سے جو کپڑا لگ جائے وہ کپڑا بھی اتنا محترم ہے۔ کہ مکھیوں کو بتا دیا گیا ہے۔ اے مکھیو اور جہاں تم چاہو جا کر بیٹھو مگر یہاں نہ بیٹھنا اسلیئے کہ یہ مقام ناز ہے۔ یہ نفاست کا مقام ہے۔ تو یہ دنیا میں نفاست کا اعلیٰ ترین منصب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے محبوب علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
3

شان رسالت کی یکتائی

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِبَیْتِهٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (سورت الحجر آیت نمبر:۷۲)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَاسَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع یوم النشور دستگر جہاں غمگسار زماں سید سروراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوھر بار میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

نہایت ہی معزز حضرات وخواتین!

ربّ ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراط مستقیم کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے تیسرے درس میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

ہمارا آج کا موضوع ہے۔

''شان رسالت کی یکتائی''

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے۔ ماہ رمضان المبارک کے پرکیف لمحات میں صبح کی روشنی کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ فہم دین کی روشنیوں کا پھیلتا ہوا سلسلہ ہمارے سامنے ہے۔

اہل ایمان کے چمکتے ہوئے چہرے پورے ماحول کو وجد آفرین بنارہے ہیں۔ ایسے میں بڑے ہی اہم موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع میسر آرہا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عشرہ رحمت میں سب کی جھولیوں کو ابر کرم سے معمور فرمائے۔

اس سے قبل آپ نے منصب نبوت اور عقیدہ مومن کے نام سے گذشتہ سے پیوستہ سال گفتگو سماعت کی تھی اور پھر گذشتہ سال شان رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق پر گفتگو سنی تھی۔ لیکن آج شان رسالت کی یکتائی ہمارا موضوع ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ رسالت کا عقیدہ بنیادی عقائد میں سے ہے۔ اور اسلام کی پہچان اسی عقیدہ میں ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور الوہیت پر یقین کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی کامل یقین ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں۔

اس سے ہمارا یقین اور عقیدہ استوار ہوتا ہے۔

شانِ رسالت کے سلسلے میں نہایت ہی حساس اور محتاط رویّے کی ضرورت ہے۔ آج چونکہ ہمارے ماحول میں اس سلسلے میں کوتاہی برتی جارہی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کس ذات کے بارے میں گفتگو کررہے ہیں۔

اور آپ کے معاملات پر بحث کرتے ہوئے انسان کو پہلے محبتوں اور عظمتوں کے سارے حوالے ذہن میں رکھنے چاہیں۔

آج ہمارے ماحول کو کچھ ایسی ناہمواریوں کا سامنا ہے۔ جس کی وجہ سے سینوں میں دکھ اور درد جنم لیتا ہے۔

شانِ رسالت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کچھ لوگ اُن تقاضوں کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ جن کے بغیر شانِ رسالت کے بارے میں بات ہی نہیں ہوسکتی اسواسطے چند ایسے امور کو واضح کرنا بین الاقوامی فورم پر اور ہر جگہ ہمارے لئے ضروری ہے۔ تاکہ ہر شخص کا یقین محفوظ رہے اور اُس کی زبان سے ایسے الفاظ نہ نکلیں جو دوسروں کیلئے باعث تکلیف ہوں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا معاملہ ہو یا آپکی صفات کا معاملہ ہو یا معمولات کا معاملہ ہو کسی جہت سے بھی آپ کے بارے میں گفتگو کرتے وقت عامیانہ انداز نہیں ہونا چاہیے۔

آپ کی ہر جہت اتنی عظیم ہے اور ہر پہلو اس قدر تابناک ہے۔ کہ جس وقت ایک مومن

اسکا تذکرہ کرے گا تو ایمانی اور ایقانی انداز میں یوں تذکرہ ہوگا۔ کہ جس سے واقعی یہ محسوس ہوگا کہ ایک انسان گفتگو کرتے وقت اپنے ایمان کی مٹھاس کا ذکر کر رہا ہے اور اپنے محبوب علیہ السلام کی محبت کا سندیسہ لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔

ہر شئ سے زیادہ محبوب

شان رسالت کی یکتائی کے لحاظ سے سب سے پہلا مقام یہ ہے۔ کہ سید عالم ﷺ کی ذات دیگر تمام انسانی ذاتوں سے یکتا ہے آپکی ذات کو ایمان کا معیار بنایا گیا کوئی شخص اسوقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جس وقت تک کہ سید عالم ﷺ کی ذات گرامی پر اسے غیر مشروط یقین نہیں ہوتا اور محبوب علیہ السلام کی ذات کیساتھ ہر چیز سے بڑھ کے وہ پیار نہیں کرتا۔ جب کوئی شخص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اس کائنات میں سب پر مقدم سمجھتا ہے اور سب سے بڑا محبوب قرار دیتا ہے اسی کے ساتھ ہی اس شخص کے ایمان کو عروج ملتا ہے اور ایمان مکمل ہوتا ہے اور اگر کسی کو یہ صورتحال زندگی بھر میسر نہ ہو تو اس کا ایمان نامکمل اور ادھورا ہوتا ہے اور اسے کبھی بھی اپنے ایمان کی لذت اور حلاوت محسوس نہیں ہوتی۔

اس سلسلہ میں بخاری شریف کا یہ مقام پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ ایسے انداز میں قَالَ لَهٗ عُمَرُ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے۔ کہنے لگے۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا نَفْسِیْ

یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ﷺ ہیں۔کوئی چیز ایسی نہیں جسکی محبت میرے دل میں تم سے زیادہ ہو۔ ہر چیز سے بڑھ کر آپ مجھے محبوب ہیں۔

اِلَّا نَفْسِیْ سوائے میری جان کے

میری جان کے سوا باقی ہر چیز کی محبت پر آپکی محبت میرے نزدیک غالب ہے۔ ہر چیز کے مقابلے میں آپکی محبت کو ترجیح ہے اور ہر چیز کے مقابلے میں آپ میرے بڑے محبوب ہیں۔ سوائے ایک جان کے۔ میری جان سے جو مجھے پیار ہے اس پیار کی ابھی تمہاری محبت پر ترجیح ہے باقی تمام محبتوں سے آگے یارسول اللہ ﷺ آپکی محبت گزر چکی ہے اور میرے نزدیک آپ ہر چیز سے بڑھ کے سوائے میری جان کے بڑے محبوب ہیں۔

جسوقت سید عالم ﷺ نے یہ بات سنی تو۔

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمانے لگے۔

لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْكَ مِنْ نَفْسِكَ

خلاصہ یہ ہے کہ عمر! ایسا معاملہ درست نہیں ہے ایمان ابھی پورا نہیں خدا کی قسم ہے کوئی شخص اسوقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسکے نزدیک ہر چیز سے میں محبوب نہ ہو جاؤں۔

خواہ دنیا کے انسان ہوں، دنیا کا مال ہو، اپنے بیٹے ہوں، اپنی اولاد ہو، اپنی جان ہو۔ ہر چیز سے مجھے مقدم مانا جائے گا تو پھر ایمان کی تکمیل ہوسکتی ہے، پھر ایمان کو عروج مل سکتا ہے اور پھر ایمان کو حلاوت اور مٹھاس میسر آسکتی ہے۔

جسوقت سید عالم ﷺ نے "لا" کہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روپے کی تردید کی تو

ساتھ قسم اٹھا کے یہ کہا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ

مجھے اس رب کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایمان تب مکمل ہوتا ہے کہ جسوقت ہر چیز سے بڑھ کر مجھے محبوب بنایا جائے اور اپنی جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب رکھے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت یہ سنا۔

فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ فَاِنَّہُ الْآنَ وَاللّٰہِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ برجستہ بولے اور عرض کی اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ مجھے ہر چیز سے عزیز ہیں ہر انسان سے اور ہر محبوب چیز سے ہر مال سے اہل وعیال سے یہاں تک کہ آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب ہیں۔

جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا۔

فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْآنَ یَا عُمَرُ

(صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور باب کیف کان یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲/ص ۹۸۱۔ قدیمی کتب خانہ کراچی)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا ہے۔

یہاں یہ بات بڑی قابل غور ہے۔

اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ عام لوگوں کی برابری ہوتی اور کوئی ذات انسانوں میں سے سرکار کی ہمسری کرنی والی ہوتی تو پھر اس کی محبت بھی ایسی ہی ہوتی جسطرح کہ نبی علیہ السلام کی محبت ہے۔ پھر اس ذات کی محبت کو بھی ایمان کا حوالہ قرار دیا جاتا۔ پھر اس ذات کی محبت کو بھی ایمان کی تکمیل کیلئے ضروری قرار دیا جاتا۔

لیکن یہاں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے یقین اور ایقان کو واضح کر دیا کہ کائنات کی ہر شئی کے لحاظ سے آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب لگتے ہیں۔

تو اس سے شان رسالت کی یکتائی واضح ہو گئی۔

کہ اس ذات جیسی انسان میں کوئی ذات نہیں ہے۔ اس واسطے اس ذات کی محبت ہر ذات پر مقدم ہونی چاہیے۔ بلکہ یہ محبت فرض ہے۔ تب جا کہ ایمان مکمل ہو گا۔

تو سیدنا عمر کی گواہی کے مطابق اور خود سرکار کی تعلیم کے مطابق یہ عقیدہ واضح ہوا کہ شان رسالت کی یکتائی جب تک انسان کے ذہن میں نہیں آتی اُس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوتا۔

یکتائی یہ ہے کہ اس شان جیسی کسی کی شان نہیں ہے۔ ان کی ذات جیسی کسی کی ذات نہیں ہے۔ ان کی ہم پلہ کوئی انسان نہیں ہے۔ ان کی مثل کوئی بن نہیں سکتا۔ اگر کسی کی مثلیت کا کوئی گمان ہوتا کوئی وہم ہوتا تو پھر محبت کے لحاظ سے اس آخری اعلان کی ضرورت نہ پڑتی: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان فرما رہے تھے۔ عمر اپنی ذات سے بھی مجھے عزیز سمجھو! مجھے محبوب سمجھو۔ جس طرح پوری کائنات سے بھی محبوب سمجھتے ہو! تب جا کے ایمان مکمل ہو گا۔

اسطرح یہ شان رسالت کی یکتائی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا پیار اور اتنی محبت کی جائے، کہ آپ کو کائنات میں سب سے زیادہ محبوب تصور کیا جائے اور اس کی تصدیق کی جائے کہ سرکار کی محبت میرے دل میں ہر چیز سے کہیں زیادہ ہے۔

(۲) یہاں اضافہ ہی اضافہ کا عقیدہ ہونا چاہیے:۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت کی یکتائی کے بارے میں امتی کا عقیدہ اضافہ کا ہونا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ کا کوئی عمل مبارک کسی کتاب میں ملا تو کبھی بھی کوئی امتی سید عالم ﷺ کے عمل کیسا تھ اپنا عمل کے لحاظ سے مقابلہ نہ کرے۔

رسول اکرم ﷺ کے معمولات کے برابر اپنے معمولات کا وزن نہ کرے۔ شان رسالت کی یکتائی ماننے کیلئے ضروری ہے کہ اگر کسی موقع پر آپ کا عمل مبارک سامنے آتا ہے تو مومن کیلئے یہ لازم ہے وہ اپنے عمل کو معمولی جانے اور رسول اکرم ﷺ کے ایک عمل کو اپنے ہزار عمل سے کہیں زیادہ سمجھے پھر جا کر ایمان برقرار رہ سکے گا۔

اگر اس نے تولنا شروع کر دیا اپنی نیکی پر نبی علیہ السلام کی نیکی کی برابری شروع کر دی یا اپنی نیکی کو ترجیح دینا شروع کر دیا۔ یا یہ خیال آ گیا کہ ہمارے نبی علیہ السلام نے اس معاملے میں کوئی بڑا عمل نہیں کیا۔ یا اس طرح کی کوئی صورتحال میں کسی وقت کسی کے ذہن میں آ جائے گی تو اس کا ایمان ضائع ہو جائے گا۔

آج ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے منہ والے لوگ جس وقت بات کرتے ہیں اُس وقت اُن کو خیال نہیں رہتا کہ ہم کس ذات کی بات کر رہے ہیں اور کس شخصیت کی بات کر رہے ہیں۔

اس کا ایک پرنور حوالہ موجود ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر جہت کے لحاظ سے عظمت عطا فرمائی ہے۔ خواہ دیکھنے میں آپ کا عمل تھوڑا نظر آئے یا دیکھنے میں آپ کا عمل زیادہ نظر آئے ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ یکتائی دی ہے کہ آپ کا تھوڑا عمل بھی دنیا بھر کے کئی عاملوں سے زیادہ نظر آئے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یُصَلِّیْ جَالِسًا

میں رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرکار بیٹھ کے نفل ادا کر

رہے ہیں اور جس وقت سرکار نے سلام پھیرا تو میں نے یہ سوال کیا۔

حُدِّثْتُ یَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنَّکَ قُلْتَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰی نِصْفِ الصَّلٰوةِ

(صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا، ج ۱/ص ۲۵۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

آپ کی طرف سے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حدیث مجھے پہنچی ہے کہ بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نفل پڑھنے والے کے مقابلے میں نصف ثواب ملے گا۔

یہ فرمان مجھ تک پہنچا۔

لیکن اس وقت میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ بیٹھ کے نفل ادا کر رہے ہیں۔ جبکہ فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نوافل ادا کیے جائیں۔

کھڑے ہو کر نوافل ادا کرنے میں ثواب زیادہ ملے گا۔ بیٹھ کر نفل ادا کرے گا تو ثواب تھوڑا ہوگا۔

آپ کا ہر عمل ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور آپ کے ہر عمل میں نور ہے۔ آپ کے ہر عمل میں روشنی ہے۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت آپ کی عملاً صورتحال آپ کے قول کے برخلاف ہے۔ آپ خود بیٹھ کے نفل ادا فرما رہے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوبصورت جملہ سنیے جس وقت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا۔

وَاَنْتَ تُصَلِّیْ قَاعِدًا

آپ اس وقت نفل بیٹھ کے ادا کر رہے ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَجَلْ ہاں میں بیٹھ کے نفل ادا کر رہا ہوں۔

لٰکِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ (خصائص الرسول، ص ۲۸۲)

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب القصد فی العمل الفصل الثالث ص:۱۱۱)

اس لیے کہ میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، مجھ سے کوتاہی ہوگئی، یا مجھے یاد نہیں رہا، نہیں نہیں، بلکہ آپ کے فرمان کا مطلب یہ نکلا میرے صحابی یاد رکھو میں بیٹھ کے پڑھوں تو تمہارے کروڑ مرتبہ کھڑے ہو کر پڑھنے سے افضل ہے۔

میرا پڑھنا اور ہے تمہارا پڑھنا اور ہے۔ میری حیثیت اللہ کے دربار میں اور ہے تمہاری حیثیت اللہ کے دربار میں اور ہے۔

صحابی پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نماز بیٹھ کے پڑھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا (اَجل) ہاں میں بیٹھ کے پڑھ رہا ہوں لیکن کمی کا خیال نہ کرنا ثواب کے کم ہونے کا نہ سوچنا کیوں؟

لٰکِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ۔ (خصائص کبریٰ ص ۲۸۲)

میں تم میں کسی کی طرح نہیں ہوں، تم میری طرح نہیں ہو۔

تم میرے ہم پلہ اور مثل نہیں ہو سکتے، تم اور ہو میں اور ہوں، تمہاری بندگی اور ہے میری بندگی اور ہے، میرا قیام کرنا اور ہے۔ تمہارا قیام کرنا اور ہے۔

تم گھنٹوں قیام کر کے اگر نفل پڑھو تو اُن کی وہ فضیلت نہیں ہوگی، جو میں بیٹھ کے منٹوں میں پڑھوں گا، مجھے وہ فضیلت مل جائے گی اس لیے کہ مجھے میرے خدا نے یکتا بنایا ہے۔ اگر قیام کر کے کھڑے ہو کر نفل ادا کرتا ہوں تو پھر بھی وارے نیارے ہوتے ہیں اور اگر بیٹھ کے رب کو سجدہ کرتا ہوں تو پھر بھی اللہ کی رحمت کے نظارے ہوتے ہیں۔

ایسے ہی رسول اکرم ﷺ کے روزہ رکھنے کا معاملہ ہے کہ آپ نے صوم وصال رکھنا شروع کر دیے تو سرکار کے صحابہ نے بھی صوم وصال رکھنا شروع کر دیئے جس وقت صوم وصال کی وجہ سے صحابہ کمزور ہونے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہو۔

تو وہ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ ہم روزہ رکھتے ہیں اور پھر اُس کو ملا دیتے ہیں، آپ نے فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو تو وہ کہنے لگے۔

تُواَصِلُ

یارسول اللہ ﷺ چونکہ آپ کرتے ہیں، تم ہم بھی ایسا کرتے ہیں اور روزہ افطار کیے بغیر دوسرے کے ساتھ ملاتے ہو تو ہم نے بھی ملانا شروع کر دیا، تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ

کون ہے تم میں سے میری مثل

تم میں سے کوئی میری مثل نہیں ہے میرے انداز اور ہیں اور میرے تقاضے اور ہیں تمہیں اپنی حد تک سوچنا ہوگا اور اپنی حیثیت سے دیکھنا ہوگا۔

اس واسطے رسول اکرم ﷺ نے بارہا ایسے الفاظ بول کے اپنی فضیلت کو بیان کر دیا۔

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ

(صحیح مسلم کتاب الصیام باب النھی عن الوصال، ج۱/ص۳۵۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

کون ہے جو میری مثل ہو۔

آپ نے واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یکتا شان دی ہے اور یہ منفرد مقام ہے۔ لہٰذا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ کے دربار میں جو حیثیت ہے اُس کے لحاظ سے سرکار کا بیٹھ کے نفل پڑھ لینا اُن کا بھی وہ مرتبہ ہے۔ جو ہم کروڑوں بار کھڑے ہو کر پڑھیں تو ہمیں میسر نہیں آ سکتا۔

تا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ جو یکتائی اس محبوب علیہ السلام کے مرتبہ کی ہے وہ دنیا میں اور کسی بھی شخصیت کو میسر نہیں ہے۔

اس مقام پر وضاحت کیلئے حضرت مجدد الف ثانی کا ایک مکتوب پیش کرتا ہوں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

مزارعان و قُلبہ رانان نیز خدمت پادشاهاں میکنندا ما خدمت مقرّبان دیگر است

مزارع اور ہل چلانے والے بھی بادشاہوں کی خدمت کرتے ہیں لیکن بادشاہوں کے مقرّبین کی خدمت اور ہے۔

ایک بادشاہ کے کچھ مزارع ہوتے ہیں اور کچھ ہل چلانے والے ہوتے ہیں۔

بادشاہ کی خدمت مزارع بھی کرتا ہے اور ہل چلانے والا بھی کرتا ہے۔

ایک طرف اُس کا مقرب ہے جو اُس کے دربار میں بڑے منصب پر اُس کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بھی بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے اور دوسری طرف مزارع بھی بادشاہ کے کھیت میں ہل چلا کے بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے۔

آنجا نام زراعت و قلبہ رانی بُردن عین معصیت است

اس مقرب کیلئے ہل چلانے کا تصور بھی کرو گے تو گناہ ہوگا۔ وہ بہت اونچے مقام و مرتبہ والا ہے اُس کی ذمہ داری اور ہے چارہ کاٹنے والے خادم اور ہیں اور منصب وزارت پر ساتھ بیٹھنے والے بادشاہ کے مقرب اور ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ ان دونوں چیزوں کو بیان کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

ومُزد ھر کار باندازۂ آں کار است

ہر کام کی مزدوری اُس کے کام کی حیثیت سے ہوتی ہے۔

جتنا بڑا کام ہے اتنا بڑا انعام ہے۔ اتنی بڑی تنخواہ ہے۔ اتنا بڑا اسکا سٹیٹس ہے۔

قلبه رانان لمحنت تمام در روزے یك تنگه اجرت میگیرند

ہل چلانے والے دن بھر کی شدید محنت کے بعد ایک دن کی مزدوری ایک ٹکا پاتے ہیں

یہ مزدور اور ہل چلانے والا سارا دن کام کر کے تھک جائے تو ایک ٹکا اس کو اجر ملتا ہے

اس کو تھوڑی سی مزدوری ملتی ہے۔

مقرب درساعتی بخدمت حضور مستحق لکھا میگرد

بادشاہ کا مقرب ایک ساعت میں خدمت حضور کی وجہ سے کئی لاکھ کا مستحق بن جاتا ہے۔

مع ذالك اور ابایں لکھا هیچ تعلقی نیست گرفتارِ قرب شاہ است

(مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱۲۷، حصہ سوم، ص ۷)

پھر بھی اُس مقرب کو جو بادشاہ کے دربار میں لاکھوں انعام پا رہا ہے۔ اُس کو لاکھوں سے کوئی پیار نہیں ہوتا بادشاہ کے قرب سے پیار ہوتا ہے۔

اس مثال کو بیان کر کے مجدد الف ثانی واضح کرتے ہیں۔

فرمانے لگے ہمارا معاملہ جو اللہ کے دربار میں ہے وہ ایک مزارع کا سا ہے۔

ہماری حیثیت ایک مزدور کی سی ہے۔ ہماری حیثیت ایک ہل چلانے والے کی سی ہے

اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دربار میں کرسی مقرب پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

عام کھیتی باڑی کرنے والے کا ٹائم زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اجرت بہت کم ہوتی ہے۔ مگر مقرب آدمی اگر تھوڑا سا ٹائم لگاتا ہے تو اس کی حیثیت بہت بڑی ہوتی ہے کبھی مزدور اور مزارع کو وہ مقام نہیں مل سکتا۔ جو مقام ایک مقرب کا ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے یہ واضح کر دیا ہے۔ اگر ہم دن میں ہزار نفل بھی پڑھ لیں۔ ہمیں ہزار نفل پڑھنے میں وہ مرتبہ نہیں ملے گا جو نبی علیہ السلام کو دو رکعت پڑھنے میں مل جائے گا۔

چونکہ آپ ﷺ مقرب بارگاہ ایزدی ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کی سلطنت کے وزیر اعظم ہیں آپ ﷺ اللہ کے دربار میں کرسی مقرب پہ جلوہ گر ہیں۔

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقام عطا فرمایا ہے۔

لہٰذا آپ ﷺ کا معاملہ ایسا ہے کہ آپ ﷺ ہر وقت اللہ کے دربار میں متوجہ رہتے ہیں کہ جس کی وجہ آپ ﷺ پر حالتِ نوافل کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار و تجلیات برستے رہتے ہیں۔

لہٰذا حضرت مجدد الف ثانی نے اس حدیث کی وضاحت کامل طریقے سے فرما دی۔

جہاں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں بیٹھ کے نفل ادا کر رہا ہوں مگر اس لئے بیٹھ کے پڑھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسا دنیا میں کسی کو نہیں بنایا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے الفاظ بڑے عجیب ہیں۔

مقرب در ساعتی بخدمت حضور مستحق لکھا میگرد و مع ذالک

مقرب آدمی کو بادشاہ کے دربار میں ایک ساعت کے کئی لاکھ ملتے ہیں۔

اس کے باوجود کہ اُسے ایک ساعت میں کئی لاکھ ملتے ہیں۔ اُس مقرب کی نگاہ لاکھ کی طرف نہیں ہوتی ہر وقت اُس بادشاہ کے دربار کی طرف ہوتی ہے۔

اس لیے رسول اکرم ﷺ کی شانِ رسالت کی یکتائی پیش نظر رکھتے ہوئے۔

ہمیں آپ کے مرتبہ کے مطابق گفتگو کرنا ہوگی کہ امتی عمل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ یہ نہ کہے میں زیادہ نفل پڑھتا ہوں۔
یا میں زیادہ روزے رکھتا ہوں۔ یا میں نے حج زیادہ کر لیے ہیں۔
رسول اکرم ﷺ نے ایک حج کیا تھا میں نے اتنے حج کر لیے ہیں لہٰذا میرے حج زیادہ ہو گئے ہیں۔ نہیں!
محبوب علیہ السلام کا ایک حج بھی کروڑوں حجوں پر بھاری ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منفرد مقام بخشا ہے۔

(۳) وہ انداز جسکے جواب میں کمی کا احتمال ہو وہ جائز نہیں

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔
اِنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ
سرکار علیہ السلام تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آ گیا۔
فَقَالَ كَيْفَ تَصُوْمُ
اُس نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کیسے روزہ رکھتے ہیں۔
مطلب یہ تھا کہ رمضان کے علاوہ روزانہ رکھتے ہو یا ایک دن چھوڑ کے رکھتے ہو۔ کتنے مہینے میں رکھتے ہو۔ یہ سوال تھا کہ آپ کے روزے کی کیفیت کیا ہے۔
فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَوْلِهٖ
سرکار علیہ السلام کو اُس کے اس قول سے غصہ آ گیا۔ کہ تم نے مجھ سے یہ سوال کیوں کیا؟
شانِ رسالت کی یکتائی کا معاملہ آپ سے صحابی پوچھ بیٹھے۔
كَيْفَ تَصُوْمُ

آپ روزہ کیسے رکھتے ہیں۔

تو آپ غصے میں آ گئے۔ کتنا غصہ سرکار کو آ گیا۔

فَلَمَّارَاٰی عُمَرُ غَضَبَهٗ

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکار کا غصہ دیکھا تو کہنے لگے۔

رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ

(صحیح مسلم کتاب الصیام باب استحباب ثلاثۃ ایام من کل شھر ج ۱/ص ۳۶۷۔ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار کہتے رہے کہ اے محبوب ہم اللہ کو رب مانتے ہیں۔

اسلام کو دین مانتے ہیں آپ کو نبی (غیب دان) مانتے ہیں۔ یہ غصہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غضب سے اور آپ کے غضب سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے غصے کے اسباب کیا ہیں۔

اب دیکھنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائیں تو ہر وقت آپ کی طرف سے ابر کرم برستا رہے اور غلاموں کیلئے دامان رحمت کھول کے رکھیں۔

مگر اس موقع پر سائل نے صرف اتنا پوچھا ہے کہ

کَیْفَ تَصُوْمُ

اے محبوب آپ روزہ کیسے رکھتے ہیں۔

تو محبوب علیہ السلام کو غصہ آ گیا اس کا سبب کیا تھا۔

شانِ رسالت کی یکتائی دیکھیے۔ سبب یہ تھا کہ تم نے سوال غلط کیا۔

تمہیں سوال کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ تم مجھ سے کیوں پوچھتے ہو، کَیْفَ تَصُوْمُ ؟

تم یہ پوچھو کَیْفَ اَصُوْمُ؟

مجھ سے نہ پوچھو کہ اے محبوب تم روزہ کیسے رکھتے ہو۔

اے پوچھنے والے یہ پوچھو کہ میں روزہ کیسے رکھوں۔

"کَیْفَ تَصُوْمُ" تم نے کیوں کہا میرا معاملہ اور ہے تمہارا معاملہ اور ہے میرا روزہ رکھنے کا جو انداز ہے اُس کے پیچھے اور اسباب ہیں۔ اُس کے پیچھے تقاضے اور ہیں۔ تم اپنی حیثیت کے مطابق پوچھو۔ تم اپنے بارے میں پوچھو۔

تم نے میرے بارے میں سوال کیوں کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کے بارے میں امام نووی لکھتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ سَبَبُ غَضَبِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ كَرِهَ مَسْئَلَتَهٗ لِاَنَّهٗ يَحْتَاجُ اِلٰى اَنْ يُّجِيْبَهٗ وَيَخْشٰى مِنْ جَوَابِهٖ مَفْسَدَةً وَهِيَ اَنَّهٗ رُبَّمَا اعْتَقَدَ السَّائِلُ وُجُوْبَهٗ اَوِ اسْتَقَلَّهٗ اَوِ اقْتَصَرَ عَلَيْهِ وَكَانَ يَقْتَضِيْ حَالُهٗ اَكْثَرَ مِنْهُ وَاِنَّمَا اقْتَصَرَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِشُغْلِهٖ بِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ وَحُقُوْقِهِمْ وَحُقُوْقِ اَزْوَاجِهٖ وَاَضْيَافِهٖ وَالْوَافِدِيْنَ اِلَيْهِ وَلِئَلَّا يَقْتَدِيَ بِهٖ كُلُّ اَحَدٍ فَيُؤَدِّيْ اِلَى الضَّرَرِ فِيْ حَقِّ بَعْضِهِمْ وَكَانَ حَقُّ السَّائِلِ اَنْ يَّقُوْلَ كَمْ اَصُوْمُ اَوْ كَيْفَ اَصُوْمُ فَيَخُصَّ السُّؤَالَ بِنَفْسِهٖ لِيُجِيْبَهٗ بِمَا يَقْتَضِيْهِ حَالُهٗ كَمَا اَجَابَ غَيْرَهٗ بِمُقْتَضٰى اَحْوَالِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(مسلم شریف، ج ۱/ص ۳۶۷)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے ناراض ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں جب بتائیں گے کہ میں روزہ ایسے رکھتا ہوں تو اس کے اندر ہو سکتا ہے پوچھنے والا ان روزوں کو تھوڑا سمجھے۔ ہو سکتا ہے پوچھنے والا اُن روزوں کو اپنے اوپر واجب سمجھ لے۔

ہوسکتا ہے پوچھنے والے کا کہیں اور خیال چلا جائے اُس کو یہ پتہ نہیں ہوگا کہ آپ ﷺ نے تھوڑے رکھے تو کیوں تھوڑے رکھے۔

آپ ﷺ نے زیادہ رکھے تو کیوں زیادہ رکھے۔ آپ ﷺ نے ملا کے رکھے تو کیوں؟

اس کے پیچھے آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔ آپ ﷺ کے اپنے معاملات ہیں۔

آپ ﷺ نے امت کیلئے نرمی بھی پیدا کرنی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے امت کیلئے ابر کرم بھی بننا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے روزانہ لوگوں کی مشکلیں حل بھی کرنی ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ نے روزانہ لوگوں کی مدد بھی کرنی ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ ساری چیزوں کو دیکھ کر گھر کا کام امت کی مشکل کشائی مہمانوں اور وفود کو ٹائم دینا اور پھر امت کیلئے احکام کی نرمی ان سب کو پیش نظر رکھ کے روزے رکھنا ہے۔ اُس کے پیچھے حکمت ہوتی ہے۔ عام سننے والا فوراً اُس تک نہیں پہنچ سکے گا۔ جس وقت امتی کمی کا سوچے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔ جس وقت اُس کو یہ خیال آئے گا کہ آپ نے نفلی روزے تھوڑے رکھے ہیں۔ پھر اُس کا ایمان خطرے میں ہوگا۔ لہٰذا تم مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ تم کیسے روزہ رکھتے ہو بلکہ پوچھنے والا یہ پوچھے یا رسول اللہ ﷺ میں کیسے روزے رکھوں۔

آپ کی ذات کے بارے میں کوئی سوال نہ کرے رسول اللہ ﷺ کی ذات کا معاملہ اتنا حساس ہے کہ کوئی سیرت نگار اُس پر تبصرہ نہ کرے حکمت کے پیش نظر کوئی عمل تھوڑا کیا گیا تو کوئی یہ نہ کہے ہمارے نبی علیہ السلام نے یہ نیکی تھوڑی کی ہے۔ جس کی وجہ سے ایمان زائل ہوسکتا ہے۔

تو شانِ رسالت کی یکتائی کے لحاظ سے ہر مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ بولتے وقت ہمیشہ اس بات پر اپنا یقین رکھے کہ ہمارے نبی علیہ السلام میں کمال ہی کمال ہے۔

عروج ہی عروج ہے۔شان ہی شان ہے۔عظمت ہی عظمت ہے۔

خواہ کوئی لفظ ایسا ہی سامنے آجائے کہ جس میں کمی کا وہم پڑتا ہو۔مگر مومن کی شان یہ ہے کہ وہ کمی کا نہیں سوچے گا بلکہ جب بھی سوچے گا اپنے پیغمبر ﷺ کی برتری کا سوچے گا۔

(۴)رسول اکرم ﷺ کی غلامی کو سندِ نجات ماننا:۔

سرکار کی غلامی کو سند نجات مانتا ہو تو پھر شان رسالت کے بارے میں یقین محکم رہے گا اگر نبی علیہ السلام کی غلامی کو سند نجات نہیں مانتا تو شان رسالت کے بارے میں یقین ڈھیلا ہو جائے گا۔لیکن یہ بات ذہن میں رکھیے۔

کہ یہ سند نجات عقیدے کے لحاظ سے ہے۔ورنہ عمل کے معاملے کی ضرور پوچھ ہوگی عمل میں جہاں کوتاہی ہوگی اُس کو سزا ضرور ہوگی بالآخر وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

لیکن کسی شخص کو اس سلسلے میں شک رہتا ہو۔کہ نبی علیہ السلام کا کلمہ تو میں نے پڑھا ہے پتہ نہیں یہ کلمہ فائدہ دیتا ہے یا نہیں۔پتہ نہیں سرکار کی غلامی فائدہ دیتی ہے یا نہیں۔اگر ایسا اُس کا یقین ہے۔تو وہ کوئی یقین نہیں ہے۔اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی نہ ہی اُس کا کوئی فائدہ ہوگا۔

یہ مومن کے ایمان کیلئے شرط اوّل ہے کہ اُس کو یہ پکا یقین ہونا چاہیے کہ جب سرکار کا کلمہ میں نے پڑھ لیا ہے تو عقیدے اور ایمان کے لحاظ سے مجھے کوئی چیز نہیں روک سکتی لیکن باقی رہا عمل کا معاملہ تو میں کوشش کرتا رہوں گا۔تاکہ مکمل عمل ہو جائے اور ڈائریکٹ اُس کو جنت نصیب ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث کی روایت کرتے ہیں۔

بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَرِيَّةً وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ

رسول اکرم ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اُس کا امیر ایک انصاری صحابی کو بنا دیا۔

وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّسْمَعُوْا لَهٗ وَيُطِيْعُوْا

آپ نے اُن کو حکم دیا کہ تم نے اپنے امیر کی بات ماننی ہے اور اُس پر عمل کرنا ہے۔

جس وقت لشکر پہنچ گیا۔

فَاَغْضَبُوْهُ فِيْ شَيْءٍ

اُس امیر کے سپاہیوں سے کوئی حرکت ایسی ہوگئی جس نے امیر کو غصہ دلا دیا۔

اُس نے کہا۔

اَجْمِعُوْا لِيْ حَطَبًا

تم سارے میرے لئے لکڑیاں اکٹھی کرو۔

تو جس وقت لکڑیاں اکٹھی ہوگئیں تو اس امیر نے کہا۔

اَوْقِدُوْا نَارًا

اب آگ جلا دو۔ لکڑیوں کو آگ لگا دو۔

فَاَوْقَدُوْا

انھوں نے آگ لگا دی۔

جس وقت بہت سی لکڑیوں میں آگ بھڑکنے لگی۔

اب امیر لشکر سارے صحابہ کرام کو جمع کر کے خطاب کرنے لگے۔

اَلَا يَاْمُرُكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَسْمَعُوْا لِيْ وَتُطِيْعُوْا؟

کیا تمہیں سرکار نے حکم نہیں دیا تھا کہ تم نے میری بات کو سن کر اُس پر عمل کرنا ہے۔

سب نے کہا ہمیں سرکار نے حکم دیا تھا۔ کہ تم نے امیر کے کہے پہ عمل کرنا ہے۔

پھر انصاری صحابی نے کہا:

فَادْ خُلُوْھَا

میرا حکم ہے اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔

اب عجیب معاملہ تھا۔ سارے صحابہ سمجھ دار ہیں۔ آگ جل رہی ہے اور اطاعت امیر کا عجیب موقع آگیا ہے۔ امیر کہنے لگے نبی علیہ السلام نے خود کہا تھا کہ تم نے میری بات ماننی ہے۔ لہٰذا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ تم اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔

ایک طرف ظاہری حکم تھا اور دوسری طرف ایک باطنی عقیدہ تھا۔

جس وقت امتحان ہوا تو

فَنَظَرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ

وہ صحابہ کرام ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

کہ ہمارے امیر ہمیں کیسا حکم دے رہے ہیں۔ ہم خودکشی کریں آگ میں کود جائیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

جس وقت انھوں نے بار بار اپنے امیر کا یہ حکم سنا (فاد خلو ھا) کہ آگ میں داخل ہو جاؤ تو صحابہ کرام نے ایک ہی جواب دیا۔ وہ کہنے لگے۔

اِنَّمَا فَرِرْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنَ النَّارِ

اس آگ سے بچنے کیلئے تو ہم نے نبی علیہ السلام کا کلمہ پڑھا تھا اور اگر سرکار کا کلمہ پڑھ کے ہم نے آگ میں ہی جانا ہے۔ تو ہمارے کلمہ کا فائدہ کیا ہوگا۔

اب یہ اُن کے دل نے گواہی دی۔ کہ ٹھیک ہے کہ آپ نے جو ہمیں حکم دیا تھا اُن کا

مطلب اور ہے۔ یہ نہیں ہے کہ امیر کے کہنے پر ہم خودکشی کر جائیں۔

اب امیر کو سمجھانے کیلئے جو انہوں نے جملہ بولا۔

وہ شان رسالت کی یکتائی کا ایک باب ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے جو سرکار کا کلمہ پڑھا تو ہم کلمہ پڑھ کے آگ سے بچ گئے۔ اب ہم کیسے خود آگ میں داخل ہو جائیں اس واسطے تم جو کہتے رہو ہم آگ میں داخل نہیں ہونگے۔

ہمارے پاس ایک قانون ہے۔ ہمارا ایک عقیدہ ہے اور ایک نظریہ ہے۔

اِنَّمَا فَرِرْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنَ النَّارِ

ہم تو دوزخ سے بچنے کیلئے سرکار کے دامن کے نیچے چھپ گئے ہیں۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سرکار کا دامن دوزخ سے تو بچالے اور دنیا کی آگ میں جلادے۔

نہیں نہیں!

ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ تعلیمات نبوی کا حصہ نہیں ہے۔ اس واسطے جن کا ہم نے کلمہ پڑھا ہے۔ وہ ذات ایسی ذات ہے جس نے ہمیں آگ سے بچالیا ہے۔

فَکَانُوْا کَذَالِکَ

امیر کہتے رہے کہ تم آگ میں داخل ہو جاؤ صحابہ کہتے ہیں۔ ہم آگ میں داخل نہیں ہو سکتے اتنے میں کیا ہوا۔

فَسَکَنَ غَضَبُہٗ

اتنے میں امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔

اُطْفِئَتِ النَّارُ

آگ کو بجھا دیا گیا۔

لَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا

جس وقت وہ لوٹ کے واپس آئے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا۔

کہ ہمارے امیر نے ہمیں یہ کہا تھا کہ لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلاؤ آگ جلادی تو انھوں نے ہمیں کہا کہ اس میں اب داخل ہو جاؤ۔ پھر ہم نے یہ جملہ بولا کہ ہم نے تو آگ سے بچنے کیلئے نبی علیہ السلام کا کلمہ پڑھا اور سرکار کے دامن رحمت میں آئے ہیں۔ ہم کبھی بھی آگ میں داخل نہیں ہونگے۔

یہ بات سن کر سید عالم ﷺ نے کیا فرمایا:

فَقَالَ لَوْ دَخَلُوْهَا مَا خَرَجُوْا مِنْهَا اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔

(صحیح بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام، ج ۲/ص ۱۰۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء ج ۲/ص ۱۲۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

آپ نے فرمایا میرے صحابہ تم نے بہت اچھا کیا اگر اس کے کہنے پر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو کبھی اس سے باہر نہ نکل سکتے۔

اور جس طاعت کا میں نے حکم دیا تھا اس کا مطلب معروف کے اندر طاعت ہے۔ گناہ کے اندر طاعت نہیں ہے۔ امیر کی اطاعت ضروری ہے لیکن وہ اطاعت نیکی میں ہے۔ بدی میں اطاعت نہیں ہے۔

یہاں جس چیز کو بیان کرنے کیلئے اس حدیث کو سامنے رکھا گیا وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں یکتائی کا عقیدہ اس قدر پکا ہونا چاہیے جیسے صحابہ کرام کے سامنے بار بار تقاضا ہو رہا تھا اور سرکار سے سنا بھی تھا کہ تم نے اپنے

امیر کی اطاعت کرنی ہے۔ لیکن اس جگہ سوئی بالکل رک چکی تھی اور پکا یقین تھا کہ آپ کو مان کر ہم آگ سے بچ گئے ہیں۔

جس محبوب نے ہمیں جہنم کی آگ سے بچالیا ہے۔ اُس کی شریعت کا یہ تقاضا نہیں ہو سکتا ہے کہ ہم جیتے جاگتے آگ میں داخل ہو جائیں۔

لہٰذا جس وقت اس طرح پختہ یقین بندے کو میسر آتا ہے تو پھر اُسے پتہ چلتا ہے۔ کہ سرکار کا کلمہ پڑھنے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو کتنی برکتیں عطا فرمائی ہیں۔

(۵) ہر ادا میں عظمت جاننا:۔

رسول اکرم ﷺ کی ہر ادا میں عظمت جاننا یہ شان رسالت کی یکتائی ہے۔ اس سلسلہ میں قابل توجہ یہ ہے کہ آپ نے وضو فرمایا۔ آپ نے تین، تین بار بھی وضو فرمایا اور ایک ایک بار بھی اعضا کو دھویا۔

ایک ہے تین بار اعضاء کو دھونا اور ایک ہے کہ صرف ایک ایک بار اعضاء کو دھونا ان دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے جس وقت ہم دیکھیں گے۔ تو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں امتی کا یقین کیا ہونا چاہیے۔

امام طحاوی نے اسکی بڑی اعلیٰ وضاحت کی ہے۔

اس پر کوئی نام نہاد تبصرہ کرے تو وہ اس طرح کرے گا کہ ایک بار تو کامل وضو کر لیا۔ دوسری بار ناقص وضو کر لیا۔

اس میں حکمت کوئی نہیں ویسے ایک بار دھو لیا ہے۔ نہیں نہیں!

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ کے ہر فعل میں عظمت ہے۔

اور ہر انداز میں عظمت ہے۔ اگر اعضاء کو تین بار دھویا ہے تو اُس میں بھی عظمت ہے اگر ایک بار دھویا ہے تو اس میں بھی عظمت ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں۔

قَدْ یَجُوْزُ اَنْ یَکُوْنَ قَدْ فَعَلَ شَیْأً وَغَیْرُہٗ اَفْضَلُ مِنْہُ عَلَی التَّوْسِعَةِ مِنْہُ عَلٰی اُمَّتِہٖ کَمَا تَوَضَّاءَ مَرَّةً مَرَّةً وَکَانَ وُضُوْءُہٗ ثَلٰثًا اَفْضَلَ مِنْ ذَالِکَ

(شرح معانی الآثار کتاب الصلوۃ باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو، ج ۱/ص ۱۳۲، مکتبہ امدادیہ ملتان)

یہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک فعل کریں حالانکہ افضل دوسرا فعل ہے آپ ﷺ نے جو (بظاہر) غیر افضل کیا اسمیں کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے وہ اپنی طرف سے اپنی امت کو سہولت دینے کے لیے کیا جیسا کہ آپ ﷺ نے وضو میں ایک ایک مرتبہ اعضاء دھوئے حالانکہ آپ ﷺ کا اعضاء کو تین بار دھونا اس سے افضل تھا۔

جب تین بار اعضاء کو دھویا ہے تو کامل وضو کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ کہ فضیلت کس وضو میں ہے اور عظمت کس وضو کی ہے۔

اور فرمایا کہ سرکار مدینہ ﷺ نے جب ایک بار دھویا ہے۔ تو سرکار اس میں کوئی کوتاہی نہیں کر رہے تھے۔

رسول اکرم ﷺ اپنی امت کو یہ سبق دے رہے تھے کہ اگر جلدی میں یا پانی تھوڑا ہونے کی صورت میں ایک ایک بار بھی اعضاء دھولو گے تو نماز پھر بھی ہو جائے گی۔

تو دونوں میں ایک نور ہے دونوں میں ایک روشنی ہے۔ اسکو کوئی معاذ اللہ یہ نہ کہے کہ ہمارے نبی علیہ السلام کبھی ایک بار دھو لیتے ہیں۔ کبھی تین بار دھو لیتے ہیں۔ پتہ نہیں

چلتا کہ سنت ہمارے لئے کیا ہے۔ نہیں نہیں!

کوئی بندہ یہ نہ کہے کہ مشقت کی وجہ سے تین بار نہیں دھویا جاتا ایک بار دھو لیتا ہوں۔

نہیں، امت پر شفقت کیلئے، کرم کرنے کیلئے، رحمت کیلئے اگر سرکار ﷺ تین بار دھوتے ہیں۔ پھر بھی کمال کرتے ہیں۔ ایک بار دھوتے ہیں پھر بھی کمال کرتے ہیں۔

"شان رسالت کی یکتائی غصہ میں بھی انصاف"

شان رسالت کی یکتائی میں یہ بات پیش نظر رہے کہ لوگوں کا غصہ غصہ ہوتا ہے۔ لیکن میرے محبوب علیہ السلام کے غصے کو عام لوگوں کے غصے کیساتھ تعبیر نہیں کرنا چاہیے اور عام لوگوں کے غصے کے ساتھ تمثیل بیان نہیں کرنی چاہیے۔

عام لوگ غصے میں آ کر انصاف کے تقاضوں سے ہٹ بھی سکتے ہیں۔

مگر میرے محبوب علیہ السلام کی یکتائی یہ ہے۔ اگر غصہ نہیں تو پھر بھی انصاف ہے۔ اگر غصہ آ گیا تو پھر بھی انصاف ہے۔

اگر کسی شخص نے تنقید کر ڈالی ہے تو نبی علیہ السلام نے اپنی طرف سے بے انصافی نہیں ہونے دی محبوب علیہ السلام نے پھر بھی انصاف کی بلندیوں کو پورا فرمایا ہے۔

تو یکتائی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا صبر دیا ہے مخالف جس طرح کا بھی آ جائے جو بھی کہہ جائے۔ محبوب علیہ السلام اپنے موقف سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

اپنے عدل اور انصاف میں کسی طرح کا فرق لانے والے نہیں۔

چشم فلک نے دیکھا جیسا بھی موقع آیا ہے۔ محبوب علیہ السلام کے غصے نے بھی انصاف کر کے دکھایا ہے۔

خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو سرکار علیہ السلام کے پھوپھی زاد بھائی ہے۔اُن کا اور ایک منافق کا جھگڑا ہو گیا تھا۔حضرت زبیر کا رقبہ انصاری کے رقبہ سے پہلے تھا تو قانون کے مطابق حضرت زبیر سے فرمایا تم پہلے پانی لگاؤ اور پھر پانی چھوڑ دو تا کہ یہ انصاری منافق اپنی زمین کو پانی لگا سکے۔اس شخص کا نام حدیث مذکور نہیں ہے وہ منافق تھا۔

امام نووی کہتے ہیں اس کو جو انصاری کہا گیا تو مطلب یہ ہے اس کا تعلق قبیلہ انصار سے تھا نہ کہ وہ انصارِ اسلام سے تھا۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَاءِ اِلٰى جَارِكَ

پہلے اپنی کھیتی کو سیراب کرلو اور پھر پڑوسی کی زمین کی طرف پانی کو چھوڑ دو۔

تو وہ منافق چپ نہ رہ سکا۔کہنے لگا۔

اِنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ

یہ زبیر تمہاری پھوپھی کا بیٹا ہے۔اس لئے آپ اس کی سائیڈ لے رہے ہو۔

رسول اکرم ﷺ سے جس وقت اُس منافق نے یہ کہا، کہ حضرت زبیر چونکہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں۔اسواسطے آپ نے ایسا فرمایا ہے۔

تو محبوب علیہ السلام نے جس وقت یہ بات سنی۔

فَتَلَوَّنَ وَجْهُهٗ

آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

ثُمَّ قَالَ اِسْقِ یَا زُبَیْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَآءَ

پھر دوبارہ سرکار علیہ السلام نے حضرت زبیر کو حکم

دیا۔اے زبیر اپنی زمین کو سیراب کرو پھر پانی روک کے رکھو۔

حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَی الْجُدُرَ

یہاں تک زمین کے اردگرد رکھے پتھر تک پانی چلا جائے۔

ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَاءِ اِلٰی جَارِكَ

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ النساء باب فلا وربک لایؤمنون ج ۲/ص ۶۶۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

پھر پانی اپنے پڑوسی کیلئے چھوڑ دو۔

پہلے حکم یہ تھا کہ اے زبیر تمہاری زمین ایک بار پانی سے بھر جائے تو پھر پانی اس کو دے دو۔اس کے کھیت کو لگ جائے۔

وہ منافق سمجھ رہا تھا کہ معاذ اللہ سرکار نے اپنی پھوپھی کے بیٹے کی حمایت کی ہے۔

تو رسول پاک ﷺ غصے میں آئے مگر غصے کی حالت میں عدل پھر بھی برقرار رہا۔

اور آپ نے فرمایا اب اے زبیر جتنا تمہارا حق ہے وہ تم پورا کرو۔

پانی ایک مرتبہ زمین کو سیراب کرے پھر بھی پانی کو روک کے رکھو یہاں تک کہ پانی زمین میں بھر جائے اور کنارے تک چڑھ جائے۔اُس کے بعد پھر تم پانی اپنے پڑوسی کیلئے چھوڑ دو۔یہ شخص جس نے تنقید کی ہے ہم اس کا حق پھر بھی پورا دیں گے۔

مگر جو اضافہ اسے اپنی طرف سے دیا جا رہا تھا وہ ہم نہیں دیں گے تا کہ اس کو احساس ہو کہ میں وہ نہیں ہوں جو اپنوں کیلئے دین کے قانون تبدیل کر دوں۔

میں وہ نبی ہوں کہ آزمائش کیلئے اُن کا حصہ اوروں کو دلوا سکتا ہوں اور اُن سے پوچھے

بغیر یہ کرم کرسکتا ہوں۔

اسواسطے سید عالم ﷺ نے یہ دوسرا فیصلہ کیا تو اللہ کی طرف سے آیت کا نزول ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

محبوب مجھے تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک وہ آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔

یہاں پر جو شخص ایمان کا دعویدار تھا اُس کے ایمان کی اللہ نے نفی کردی۔

کیونکہ اس نے سرکار کے فیصلہ کو ماننے میں کوتاہی کی ہے۔

یہ رسول پاک ﷺ کے دربار کی یکتائی ہے کہ یہاں فرائض تو فرائض رہے واجبات تو واجبات رہے۔ پانی کے معاملے میں بھی کوئی شخص ایسی بات کرے تو اُس کا ایمان کبھی صحیح نہیں ہوسکتا۔

ایمان دار تب ہوگا جب سرکار کے فیصلہ کو من وعن پوری طرح تسلیم کرے گا۔

لہٰذا بخاری شریف کے اس مقام نے یہ واضح کردیا کہ سرکار علیہ السلام کا غصہ بھی نیکی کا اتنا بڑا معیار ہے کہ اللہ نے سرکار کے فیصلہ کو ڈی گریڈ نہیں کیا۔ کہ سرکار سے اللہ ناراض ہوتا کہ تو نے ایسا کیوں کیا کہ اب پانی کو روک کے رکھا جائے پھر چھوڑا جائے۔ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کے فیصلہ کی حمایت کرتے ہوئے فرمادیا کہ کوئی بندہ اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک نبی علیہ السلام کی حکومت کو تسلیم نہیں کرلیتا۔

''آپ کی پسند ہو تو سجدہ عبادت ہے''

سید عالم ﷺ کی شان کی یکتائی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ عبادت ہے۔ سجدہ ویسے عبادت نہیں بنتا۔ لیکن کس وقت عبادت بنتا ہے؟ جس وقت سجدے کو نبی علیہ السلام پسند فرماتے ہوں۔

اس سلسلے میں نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے پر حضرت عمر لوگوں کو مارا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مارنے پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ یعنی سارے صحابہ اس بات پر متفق رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالکل صحیح مارتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا تھی۔

عَنْ طَاوٗسٍ اَنَّهٗ سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَنَهَاهُ

(شرح معانی الآثار کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بعد العصر، ج ۱/ص ۲۱۴)

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں منع کیا۔

حضرت طاؤس نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کا معاملہ کیا ہے۔ طاؤس کا خیال تھا کہ اللہ کو سجدہ کرنا ہے اس میں اتنی سختی کیوں کی جا رہی ہے۔

سجدہ رب کو کرنا ہے۔ نماز رب کی ادا کرنی ہے۔ لیکن اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مارتے بھی ہیں۔ کہ تم نے کیوں نفل پڑھے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے لوگو سنو عبادت اس طرح نہیں بنتی کہ سر ایک خاص ہیئت میں زمین پر رکھ دیا جائے۔ تو اُس کو عبادت کہا جائے۔

عبادت تب عبادت بنتی ہے جب اُس سر کے سجدے میں رکھنے کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام پسند بھی فرمائیں اگر نبی علیہ السلام پسند کرلیں تو پھر عبادت ہے۔ اگر اُس کو رسول پاک ﷺ پسند نہ کریں تو وہ عبادت نہیں ہے۔

اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت طاؤس کو یہ جواب دیا۔ فرمانے لگے۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

(شرح معانی الآثار ۱/۲۱۴)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کے رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو یہ اپنی طرف سے بھی اپنے معاملہ کا کوئی اختیار رکھیں۔

جس وقت رسول اکرم ﷺ اس وقت نفل پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ تو اب ایسی صورت بنانا جو سجدے کی ہے جو رکوع کی ہے۔ جو قیام کی ہے۔ اس کو رب بھی پسند نہیں فرمائے گا۔ اس لیے یہ عبادت جس کو ہم عبادت کہتے ہیں۔ سجدہ سجدہ تب بنتا ہے کہ اس پر مہر نبی علیہ السلام کی پسند کی ہے۔ سرکار نے سجدہ کر کے لوگوں کو بتایا ہے کہ یوں کرو گے تو رب راضی ہوگا۔

اور جب عصر کے بعد نبی علیہ السلام نے سجدہ کرنا ناپسند کیا تو پھر وہ سجدہ عبادت نہیں بنے گا۔ اُس کی حیثیت کوئی نہیں ہوگی۔ اس سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام نے اس معیار کو پیش نظر رکھا۔ نبی اکرم ﷺ کی جو چاہت ہے اُس چاہت کے مطابق اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔ اور اُس کی چاہت کے مطابق اللہ کی ریاضت پر اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔ یہ موضوع اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک اہم موضوع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (سورۃ الحجر آیت نمبر۷۲)

محبوب مجھے تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشے میں گمراہ پھرتے ہیں۔

آپ کی مکمل عمر کی قسم اُٹھا کر آپ کی شان کی یکتائی کو واضح کر دیا۔

عمر صرف اعلان نبوت کے بعد کے حصے کو نہیں کہا جاتا۔ عمر مکمل ولادت سے لیکر وصال تک ہماری کی ساری عمر ہے اور ساری عمر کی قسم رب نے اُٹھائی ہے۔

اور قسم اُس چیز کی اُٹھائی جاتی ہے۔ جو اعلیٰ ہو، اشرف ہو، ارفع ہو اور انور ہو تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے محبوب علیہ السلام کی پوری عمر کی قسم اُٹھا کر واضح کیا کہ اس عمر کے ہر منٹ کے اندر اللہ نے ایسی عظمتیں رکھیں ہیں۔ لہٰذا یہ عمر اس لائق ہے کہ اس کی قسم اُٹھائی جائے اور اس عمر کی عظمتیں لوگوں کو بتائی جائیں۔

جس وقت کچھ ازواج مطہرات نے چند سہولتوں کا تقاضا کیا تھا۔ تو نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر۲۸)

اے محبوب تم اپنی ازواج سے فرما دو کہ اے ازواج اگر تم دنیا کی زندگی کا اور اسکی زینت کا ارادہ کرتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں۔

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ

اگر تم اللہ ورسول کا ارادہ کرتی ہو اور دار آخرت کا ارادہ کرتی ہو۔

فَإِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ اَجْرًا عَظِيمًا

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۲۹)

تو اللہ نے تم میں سے محسنات کیلئے اجر عظیم کو تیار کر رکھا ہے۔

اب دیکھو یہ معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات کا ہے۔

کہ آپ کسی کو زوجہ رکھیں یا نہ رکھیں اور تقسیم کیسے کی آپ نے فرمایا اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرتی اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو تو پھر تمہیں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا ہے اور تمہیں اجر عظیم دیا جائے گا۔

اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا کہ

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی جیسے جو معاملات ہیں وہ کتنے پاکیزہ اور کتنے مقدس اور کتنے اعلیٰ ہیں کہ جس وقت آپکی ازواج آپ کی طرف میلان کرنے والی ہیں اور سرکار کو دنیا پر ترجیح دینے والی ہیں۔تو قرآن کہتا ہے کہ تمہیں صرف سرکار ہی نہیں ملے بلکہ اس فیصلے سے تمہیں اللہ تعالیٰ بھی مل گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب تمہیں میسر ہو گیا ہے۔جس کی ذات کا معاملہ اتنا عظیم اُن کی عبادات کے معاملات کتنے اونچے ہونگے۔ایسے ہی کوئی شخص سرکار پہ تنقید کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۵۷)

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اب دیکھیے اللہ تعالیٰ کو تو کوئی اذیت دے نہیں سکتا۔ چونکہ اللہ اس سے پاک ہے کہ اُسے کوئی نقصان دے سکے۔ اللہ اس سے پاک ہے کہ اللہ اُس کا اثر قبول کرے۔

اس کے باوجود بھی اللہ نے لفظ بول دیا کہ وہ لوگ جو اللہ کو اذیت دیتے ہیں۔

مطلب کیا بنا کہ اللہ تعالیٰ کو تو کوئی اذیت دے نہیں سکتا۔ مگر نبی علیہ السلام کی اذیت کا معاملہ کوئی چھوٹا نہیں ہے۔ جس نے سرکار کو اذیت دی گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اذیت دے رہا ہے۔

اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے بار ہا اپنے محبوب کے معاملات کو اپنی طرف منسوب کر کے اس دربار کی یکتائی کو واضح کر دیا۔ اس دربار کے آداب کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر بات پیار سے، سکون سے، محبت سے اور عشق سے کی جائے۔ کیونکہ اگر تھوڑی سی یہاں پر بے احتیاطی ہو گئی۔ تو زندگی بھر کا کمایا ہوا رائیگاں ہو جائے گا۔

آج کے ماحول میں اور ہماری سوسائٹی میں توہین رسالت کے دھندے کیے جا رہے ہیں اور جرائم ایسے ہو رہے ہیں کہ روزانہ کوئی نہ کوئی فتنہ پیدا ہو رہا ہے۔ اس لیے اس گفتگو کو اپنے سامنے رکھا جائے اور اس پیغام کو عام کیا جائے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارک کی عظمتوں کے پیش نظر اور رفعتوں کے پیش نظر اپنی زبان کو مکمل احتیاط کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا بیان ہو۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر
4

زکوٰۃ کے اسرار و رموز

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِبَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوْا الزَّكٰوةَ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاo (سورت بقرہ آیت نمبر:۴۳)

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ و اعظم شانہ کی حمد و ثنا اور حضور پر نور شافع یوم النشور دستگیر جہاں غمگسار زماں سید سروراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گوھر بار میں ھدیہ درود و سلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر و محراب ارباب فکر و دانش اصحاب مودّت و محبت معزز و محتشم حضرات و خواتین اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اُسکی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے چوتھے درس میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

”زکوۃ کے اسرار و رموز“

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن و سنت کے ابلاغ و تبلیغ کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

رب ذوالجلال کا بڑا فضل و کرم ہے کہ رمضان المبارک کے عشرہ رحمت میں ہم سب کو اس رحمت بھرے ماحول میں رحمت کی سوغات حاصل کرنے کا موقع میسر آ رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ خالق کائنات تمام شرکاء کو ایک ایک لفظ سننے پر کروڑوں نیکیاں عطا فرمائے۔

زکوۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ زکوۃ سے متعلق ہمارا تفصیلی لیکچر ہمارے تیرھویں فہم دین کورس میں ہو چکا ہے اور کتابی شکل میں موجود ہے آج کی گفتگو زکوۃ کے اسرار و رموز کے حوالے سے ہے۔ وہ کیا حکمتیں ہیں جنکے پیش نظر ہم پر زکوۃ دینا لازم کیا گیا اور وہ کونسے اسرار ہیں جنکی وجہ سے زکوۃ دینے کا عمل حکمتوں سے معمور اور اسرار سے لبریز ہے۔ ہماری آج کی گفتگو کا رخ اسی طرف ہی رہے گا کہ خالق کائنات کے اس حکم

کے پیچھے کونسی خوبیاں موجود ہیں۔

جس وقت ایک انسان اپنے خون پسینے کی کمائی سے زکوٰۃ دیتا ہے اسے کیا میسر آتا ہے۔ چونکہ یہ بات قرب قیامت میں سے قرار دی گئی کہ جب زکوٰۃ کو ٹیکس محسوس کیا جائے گا تو یہ امر قرب قیامت میں سے شمار ہوگا اور جس وقت زکوٰۃ کو بوجھ سمجھا جائے اور زکوٰۃ کو معاذ اللہ اپنے مال کی کمی سمجھا جائے یا مال کا خسارہ سمجھا جائے تو اس وقت اسکے اندر جو ایک حلاوت اور مٹھاس ہے اسکا فقدان ہو جاتا ہے۔ آج کی گفتگو ان حکمتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ہے جس کی وجہ سے یہ عبادت مزید پرنور بن جاتی ہے اور واقعی انسان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے ساتھ بار بار زکوٰۃ کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ کے اس حکم کی قرآن وسنت کے گہرے مطالعہ سے چند حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔

زکوٰۃ کے اسرار و رموز اور اُسکی حکمتیں

زکوٰۃ کی مختلف اور متعدد حکمتیں ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1: زکوٰۃ اطاعت ایزدی

انسان نے بحیثیت مومن ربّ ذوالجلال کا کلمہ پڑھا اسکا مطلب یہ تھا کہ اے اللہ جو تیرا حکم ہوگا میں اس پر سرِ تسلیم خم کروں گا۔

میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی چلے گی اور تیری مرضی کے مطابق میں اپنی زندگی بسر کروں گا۔

سب سے پہلا سبب زکوٰۃ کے ادا کرنے کا یہ ہے کہ ایک انسان جس نے اللہ تعالیٰ سے

یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ تیرے حکم کے مطابق میں زندگی بسر کروں گا۔ تو زکوٰۃ دیتے ہوئے وہ اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کر رہا ہے اطاعت کا ثبوت دے رہا ہے۔ نفس اور شیطان کے حملوں کو دور کرتے ہوئے عملاً اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ میں اپنی خواہش کا بندہ نہیں ہوں بلکہ اپنے رب کے فرمان کا بندہ ہوں۔ میرا رب جو مجھے حکم دیتا ہے۔ اُس کو مکمل کرنے میں اپنی عافیت محسوس کرتا ہوں۔

لہٰذا اطاعت ایزدی کے سبب کی بنیاد پر بندہ مومن اپنے پیارے مال میں سے زکوٰۃ دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے ربّ ذوالجلال اُس کے مال کو برکتوں سے لبریز کرتا ہے اور اُس کے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔

قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (سورۃ الحج آیت نمبر ۴۱)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وہ لوگ جن کو ہم زمین میں کنٹرول دیں، زمین میں اُن کو اختیار دے دیں وہ کیا کرتے ہیں۔

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ

وہ نماز قائم کرتے ہیں۔

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

اور وہ اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

اور ربّ ذوالجلال کیلئے امور کا اہتمام اور انجام ہے۔

اس آیت کریمہ میں اُن لوگوں کی (جن کو مال دیا اولاد دی رزق دیا، صحت دی ہے) شان بیان کرتے ہوئے اور اُن پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطاعت کا حکم عائد ہوتا ہے۔ اُس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حق پرستوں کا وطیرہ بیان کیا۔

حق پرستوں کی شان یہ ہے کہ وہ نماز پنجگانہ میں رب کو نہیں بھولتے۔

وہ اللہ کو سجدہ بھی ضرور کرتے ہیں اور اگر وہ مال کمالیں، تو یقیناً یہ لوگ مال کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔

تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرفہرست بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا مومن کا کام ہے اور مومن کا شعار ہے اور یہ وفا کا بھی تقاضا ہے اس واسطے وفا کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے ایک مومن اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی بالادستی

زکوٰۃ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی بالادستی کا اعلان ہے۔

حقیقت میں انسان اپنے محبوب کے ساتھ جو محبت کرتا ہے۔ اُسی محبت کے لحاظ سے اُس کی آزمائش ہوتی ہیں۔ اُسی محبت کے لحاظ سے اُس کے امتحانات ہوتے ہیں۔

بندہ مومن نے روزِ ازل اللہ تعالیٰ سے محبت کا عہد کیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

قَالُوْا بَلٰى

سب نے کہا کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے۔

اللہ کی محبت کا عہد روزِ ازل میں کیا۔ دنیا میں ہم جس وقت آ گئے تو اس دنیا کے مختلف تقاضے ہیں۔ محبت کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی محبت کے مقابلے میں باقی ہر محبت کو سرنگوں کر دیا جائے۔ محبوب کی محبت ہر محبت پہ غالب کر دی جائے اور محبوب کی محبت کا جھنڈا ہر جھنڈے سے اونچا کر دیا جائے۔

اب عملاً جس وقت ایک انسان مال کماتا ہے۔ مال سے بندے کا پیار ہوتا ہے۔ مال سے بندے کی محبت ہوتی ہے۔ تو اب دو محبتوں کا آپس میں مقابلہ ہو گیا۔ ایک ربّ ذوالجلال کی محبت ہے اور دوسری مال کی محبت ہے۔

بندہ مومن زکوٰۃ دیکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ربّ ذوالجلال کی محبت کے مقابلے میں کوئی محبت نہیں آ سکتی۔ اللہ کی محبت کے مقابلے میں کسی محبت کی بات نہیں چلتی۔

اللہ کی محبت کے مقابلے میں مال کی محبت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

چنانچہ وہ مال جو اس نے محنت سے کمایا۔ مشقت سے اکٹھا کیا جب رب ذوالجلال کی محبت نے یہ چاہا کہ اللہ سے تمہاری محبت سچی تب ہے جب اُس کے مقابلے میں تم دوسری محبت کو ذبح کر دو اور ہر محبت کو قربان کر دو۔ اس نے اپنا پیارا مال اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر محض رب کیلئے جس وقت فقراء کو دے دیا ہے تو بندہ مومن نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ میرے نزدیک جو میرے خدا کی محبت کا مقام ہے وہ کسی اور چیز کی محبت کا مقام نہیں ہے۔

لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی عملاً اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے باقی ساری چیزوں کو قربان کرنے کا نام ہے۔ باقی پیاری چیزوں کو ترک کر دینے کا نام ہے اس بنیاد پر زکوٰۃ ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت مزید بلند و بالا ہوتی ہے اور دنیا کی

چیزوں کی محبت کو خرچ کرنے سے انسان کو ایک حلاوت اور سرور میسر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں فرمان ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (سورۃ آل عمران آیت ۹۲)

تم اُس وقت تک کامل نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ چیز تم خرچ نہ کرو جس سے تم محبت کرتے ہو تو وہ چیز کیا ہے؟ وہ اچھا مال اور اچھے مویشی ہیں۔ وہ سونا چاندی ہے۔ جس سے ایک طبعاً بندے کو پیار ہے۔ بندے کی رغبت ہے۔ لیکن جس وقت اللہ کے حکم پر انہیں چیزوں کو اپنے آپ سے دور کیا تو محبت کے امتحان میں یہ پاس ہو گیا۔ چونکہ کسی محبّ کی محبت کا امتحان اُس سے اُس چیز کو جدا کر کے لیا جاتا ہے۔ تو ایک انسانِ جس کی طبیعت میں میلان تھا مال کی طرف اور طبیعت میں مال کا پیار تھا۔ جس وقت اُس نے اپنے رب کی رضا کے حصول کیلئے اپنے مال کو اپنے آپ سے دور کرنا برداشت کیا ہے اور یہ اُس نے اپنی چاہت سے کیا ہے۔ تو کامل نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر لیا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ زکوٰۃ میں انسانی فطرت کا بہت بڑا سبق ہے اور انسان کو قرب الٰہی دینے کیلئے اس مال کا بہت بڑا مقام ہے۔ لہٰذا اس سے بڑا انسان کیلئے مال کا فائدہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے دنیا کا مال خرچ کیا تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنا قرب عطا فرمایا ہے۔

اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(سورۃ توبہ: آیت نمبر 111)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین سے اُن کے مال کو اور اُن کی جانوں کو جنت دیکر خرید لیا ہے۔

اب جنت کتنی قیمتی چیز ہے۔ جو اللہ نے مومن کو دے دی ہے۔ مومن سے مومن کا مال بھی خرید لیا ہے اور مومن کی جان بھی خرید لی ہے۔ یہ مال کا اللہ کی راہ میں وقف کر دینا ہے۔ لہٰذا ہر مومن کو اپنی طرف سے یہ خوشی محسوس کرنی چاہیے کہ اگر اُس میں یہ صلاحیت ہے کہ اللہ کے راستے پر دیتے ہوئے اُسے دکھ نہیں ہوتا۔

اُسے کسی طرح کی کوئی الجھن نہیں ہوتی۔ اُسے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ میں وہ ہوں کہ جس نے اپنا مال اللہ کے دربار میں بیچا ہوا ہے اور ربّ ذوالجلال میرے مال کو خریدنے والا ہے۔

کتنی عظیم بات ہے کہ وہ رب جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور جو ہر چیز کا مالک ہے اور پھر وہ اپنے بندے سے مال کو قبول کرے۔ حالانکہ جس وقت اُس نے بندے کو مال دیا تھا۔ تو بندے سے کوئی عوض نہیں لیا تھا۔ اُس نے مفت میں بندے کو مال دے دیا اور جب بندہ اللہ کو دے رہا ہے یعنی فقیر کو دیکر رب کی طرف پہنچا رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ مفت نہیں لے رہا۔ بلکہ جنت کی قیمت دے کے مال کو قبول کر رہا ہے تو ایک مومن جو زکوۃ دیتا ہے اور کسی فقیر کے ہاتھ پہ یہ صدقہ وخیرات رکھ رہا ہے۔ اُسے پہلے تو یہ لذت محسوس ہوگی کہ میرا مال عام مال نہیں ہے۔ بڑا خاص مال ہے کیوں کہ جتنا بڑا دربار ہوتا ہے۔ اتنا ہی بڑا سودا ہوتا ہے۔

تو جس انداز میں اللہ کے دربار کی ویلیو ہے ایسے ہی وہاں بکنے والے مال کی بھی ویلیو ہے تو بندہ مومن عام نہیں ہے خاص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مال کو بھی اتنا پسند کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے دربار کا سودا بنا دیا ہے۔ خود اپنی طرف اللہ تعالیٰ نے خریدنے کی نسبت کر دی ہے۔ حالانکہ خریدتا وہ ہے جو محتاج ہوتا ہے۔

خریدتا وہ ہے جس کے پاس وہ چیز نہیں ہوتی۔ ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے۔

جو چیز جس کے پاس ہے سب اللہ کی ملک ہے اور ربّ ذوالجلال کو کوئی حاجت بھی نہیں ہے۔

لیکن اس کے باوجود اللہ نے خریدنے کا لفظ استعمال کر دیا کہ مومنو تمہارے مال کو میں نے خرید لیا ہے تا کہ پتہ چلے کہ جو زکوٰۃ میں مال دے رہا ہے اُس کا سر فخر سے بلند ہو کہ میں وہ نہیں ہوں کہ لٹ گیا ہوں۔ بلکہ میں تو وہ ہوں کہ جس کے مال کے اعلیٰ ہونے کی وجہ سے میرے مال کو میرے رَبّ نے اپنے دربار میں قبول فرما لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی بالادستی کا جو طریقہ زکوٰۃ میں کارفرما ہے۔

اس کے پیشِ نظر رسول اکرم ﷺ نے کہا تھا۔ اے میرے صحابہ تم دین کیلئے مال پیش کرو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ آج تو میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے آگے نکل جاؤں گا۔ اپنے گھر کا آدھا مال اُٹھا کر لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا۔

مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ

عمر گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا ہے۔

تو کہنے لگے

مِثْلَهٗ

جتنا لے کر آیا ہوں اتنا ہی گھر والوں کیلئے چھوڑ کے آیا ہوں۔

پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور گھر کا سارا مال اُٹھا کر لائے رسول اکرم ﷺ نے پوچھا۔

مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ

اپنے گھر والوں کیلئے کیا چھوڑ کر آئے ہو۔

تو کہنے لگے۔

اَبقَیتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ

(سنن ابی داؤد کتاب الزکاۃ باب فی الرخصۃ، جلد نمبر 1 صفحہ نمبر ۲۴۳، مکتبہ امدادیہ ملتان)

اپنے گھر والوں کیلئے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو چھوڑا ہے۔

اب یہ دو عمل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین کیلئے گھر کا نصف مال لے آئے اور یہ بہت بڑا کردار ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھر کا سارا مال اُٹھا کر لے آئے۔ جب آپ نے دونوں کا جواب سن لیا تو صحابہ کرام کو اس کا نتیجہ بتایا۔

بَیْنَکُمَا مَابَیْنَ کَلِمَتَیْکُمَا

تم دونوں میں وہی فرق ہے جو تم دونوں کے جوابات میں فرق ہے۔

ایک کے دل میں اللہ کی محبت اس حد تک رچ بس چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیار میں ہر چیز کو پیش کر دیا ہے اور دوسرے میں بھی کچھ کمی نہیں لیکن پھر بھی فرق دونوں میں اتنا ہے جو دونوں کے جواب میں آ رہا ہے۔

تو اس سے پتہ چلا کہ یہ مال خرچ کرنا حقیقت میں امتحان محبت کو پاس کرنا ہے اور محبت ایزدی کے امتحان میں پہلا نمبر حاصل کرنا ہے۔ تو جس نے سارا مال خرچ کر دیا ہے اُن کو نمبر بھی پہلا ملا ہے۔

اقبال کہتا ہے۔

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا
جس سے بناء عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت
ہر چیز جسکا چشم جہاں میں ہوا انتظار

بولے حضور چاہیے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
ہے تجھ سے دیدۂ ماہ و انجم فروغ بھی
ہے ذات تیری باعث تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

۳۔زکوٰۃ بخل کا علاج:۔

انسان کے اندر اگر بخل نہ ہو تو اسکی حیثیت نورانی بنتی جاتی ہے اور اگر اس میں بخل ہے تو پھر اُس کی قسمت میں اندھیرا آجاتا ہے اور دل کے اندر داغ لگتے جاتے ہیں زکوٰۃ فرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب بندہ ہاتھ سے کچھ نہ کچھ نکالے گا تو اس سے بخل کا علاج ہو جائے گا۔

بخل جسکو موت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اُس کا علاج جس چیز سے ہو جائے اُس کا حسن تھوڑا نہیں ہے۔لہٰذا سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ

تین چیزیں ہلاک کرنیوالی ہیں۔

پہلی چیز: شُحٌّ مُطَاعٌ

وہ بخل جس کی اطاعت کی جاتی ہے۔یعنی بخل کی بات مانتے ہوئے بندہ کسی کے ساتھ تعاون نہیں کرتا۔بخل کی بات مانتے ہوئے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔بخل کی بات مانتے

ہوئے اپنے پیسے گن گن کے رکھتا ہے اور اُسے نادار کیلئے ظاہر نہیں کرتا۔

دوسری چیز: هَوًى مُتَّبَعٌ

وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے وہ بھی بندے کو ھلاک کر دیتی ہے۔

تیسری چیز: اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ (احیاء علوم الدین ۱/۲۵۴)

(شعب الایمان الحادی عشرفی شعب الایمان باب فی الخوف من اللہ تعالیٰ ج:۱ص ا۴۷، مکتبہ دارالکتب العلمیۃ بیروت، کنز العمال الجزء السادس عشر حدیث نمبر۴۳۸۶۷، موسسۃ الرسالۃ)

بندہ اگر خود پسند ہو تو یہ بھی ایسا کام ہے جس کی وجہ سے بندہ ھلاک ہو جاتا ہے تو تین مھلکات کا ذکر کرتے ہوئے ہمارے آقا علیہ السلام نے پہلے نمبر پر جس خطرناک چیز کا بیان کیا وہ بخل ہے اور بخل کی جڑیں جس عمل سے کٹتی ہیں وہ عمل زکوٰۃ کا عمل ہے۔ تو دوسرے لفظوں میں انسانی زندگی کی بقا زکوٰۃ کی ادائیگی میں ہے اور اللہ کے راستے کے اندر دینے میں ہے۔ جس کے پاس نصاب زکوٰۃ نہیں ہے تھوڑا مال ہے۔ وہ تھوڑا صدقہ کر دے۔ اس سے بھی بخل کے کانٹے کٹیں گے اور صاحب نصاب انسان جوں جوں زکوٰۃ کی ادائیگی کرتا چلا جائے گا۔ بخل والا مرض دل سے ختم ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا زکوٰۃ سے صرف نادار کا فائدہ نہیں ہو رہا۔ بلکہ زکوٰۃ سے زکوٰۃ دینے والے کا کتنا فائدہ ہے کہ وہ بخل کہ جس کی وجہ سے دل کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں دل کا نور اور روحانیت ختم ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ وہ مقدس عمل ہے جس کی وجہ سے انسان کے اندر سے یہ بخل والی بیماری مٹتی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بندے کو روحانی صحت عطا فرما دیتا ہے اور زکوٰۃ کے عمل کی وجہ سے بخل کے خاتمہ کے ساتھ انسان کو شرح صدر حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے دنیا کے امور میں بندے کیلئے اور منزلیں آسان ہوتی چلی جاتی ہیں۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ذہن میں رکھیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ

وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ اُن کیلئے اچھا ہے۔

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ

بلکہ یہ اُن کیلئے شر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کروڑوں کی شکل میں دیا۔ اگر اس کا جی نہیں چاہتا ہے کہ مال کی زکوٰۃ دیگر مال کا حق ادا کیا جائے یا کسی نادار کیساتھ تعاون کیا جائے اس کے دائیں بائیں لوگ بھوک سے بلکتے رہتے ہیں۔ مگر اس کے خزانوں کا دروازہ نہیں کھلتا۔ کونسی چیز خزانے پر تالہ بن گئی ہے تو یہ دل کا بخل ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا کہ جس نے بخل کر کے اپنے خزانے کو بند کر کے رکھا ہوا ہے وہ یہ نہ سمجھے کہ میں نے اچھا کیا کہ کرڑوں روپے تھے تو وہ کروڑوں بند رہے اب اُس میں کمی نہیں آئی لاکھوں روپے زکوٰۃ کا حصہ نہیں نکل گیا۔

ایسا کوئی تصور بھی نہ کرے "بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ" یہ اُس کے خزانے کا بند رہنا۔ اُس کے پیسوں کا اُس کے پاس برقرار رہنا۔ یہ اُس کیلئے خیر نہیں ہے۔ بلکہ اُس کیلئے شر ہے۔ یہ فتنہ ہے آزمائش ہے۔

اس سے کیا ہوگا؟

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (سورۃ آل عمران آیت:۱۸۰)

قیامت کا دن ہوگا تو جس چیز کا انہوں نے بخل کیا ہے یہی گلے میں طوق بنا کے ڈال دیا جائے گا۔

سارا سونا، چاندی مال سب کچھ اُس کے گلے میں ہوگا۔ تو یہ بخل کا طوق ہوگا۔ قیامت کے دن لوہے کی ساری دھاتیں تاپ کے اُس کے سارے جسم پر لگائی جا رہی ہوں گی

اور مال سانپ کی شکل میں بن چکا ہوگا اور انسان کو ڈس کر کہے گا۔

اَنَا کَنْزُكَ اَنَا مَالُكَ

(السنن الکبری کتاب الزکاۃ باب ماورد من الوعید فیمن کنز مال زکاۃ ج ۵ ص ۲۶۶ دار الفکر بیروت)

میں تیرا خزانہ ہوں۔ میں تیرا مال ہوں۔

لہٰذا یہ مصیبتیں تب ہیں جب وہ زکوۃ ادا نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو پیش نظر رکھنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ زکوۃ میں بھلا ہی بھلا ہے۔ انسان کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ بخل جیسے مرض سے انسان ٹھیک ہو جاتا ہے۔

۴۔ زکوۃ شکرِ نعمت ہے:۔

ہر نعمت کا ایک شکر ہوتا ہے۔

کچھ نعمتیں بدنی ہیں اور کچھ نعمتیں مالی ہیں۔

بدنی نعمت کا شکر بدن سے کیا جاتا ہے اور مالی نعمت کا شکر مال سے کیا جاتا ہے۔ اللہ نے صحت دی ہم نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں تو یہ اللہ کا شکر ہے۔ روزہ رکھ کے رب کا شکر ادا کیا جا رہا ہے کہ اے اللہ تو نے میرے بدن میں اتنی نعمتیں رکھیں مجھے صحت دی اور تندرستی دی مجھے تو نے پیدا کیا پروان چڑھایا تو یہ بدن کی بندگی کر کے بدن کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔

چونکہ مال بھی ایک نعمت ہے مال کی نعمت کا شکر کب ادا ہوتا ہے؟ جب زکوۃ ادا کی جاتی ہے۔

لہٰذا زکوۃ کی ادائیگی میں شکرِ خداوندی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ایک تو ضمیر اور وفا کا تقاضا ہے۔ کہ جو رب کھلاتا ہے پلاتا ہے اُس رب

کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اور اگر بندہ یہ چاہتا ہے کہ جو نعمتیں مجھے میرے رب نے دی ہیں وہ میرے پاس رہیں مجھ سے چھنی نہ جائیں تو ان نعمتوں پر پہرہ کیسے لگ سکتا ہے اور نعمتوں کو محفوظ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (سورۃ ابراہیم آیت ۷)

اگر تم شکر کرو گے تو پھر تمہیں اور عطا فرما دوں گا۔

تو اس سے پتہ کیا چلا کہ شی میں اضافہ تب ہوگا۔ جب پہلی چیز برقرار رکھی جائے اگر پہلی چھین لی جائے تو اضافہ نہیں ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ کا قرآن واضح کر رہا ہے کہ اگر کسی کو مال سے پیار ہے تو وہ بھی یہ تقاضا کرے گا کہ اس مال کی زکوٰۃ دی جائے۔

ورنہ مال چھن جائے گا۔ یا اُس کی برکتیں ختم ہو جائیں گی۔ یا اُس میں نحوستیں آ جائیں گی۔

اگر تم شکر ادا کرو گے تو تمہیں اور عطا کر دوں گا۔ تو زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت میں اللہ تعالیٰ مال برقرار ہی نہیں رکھتا بلکہ اپنی طرف سے اُس میں برکتوں کا اضافہ بھی فرما دیتا ہے۔

۵۔ غرباء کیساتھ تعاون:۔

جو نادار اور بے سہارا لوگ ہیں اُن کا سہارا بننا اسلام میں ایک بہت بڑا جہاد ہے بہت بڑی نیکی ہے اور اس کو اللہ کے دربار میں بڑا ہی پسند کیا گیا ہے۔ جس شخص نے زکوٰۃ ادا کی اُسکا اپنا فائدہ بھی ہوا اور جس فقیر کو دی اُس کے گھر چولہا جلا اُس کے بچوں کو کھانا ملا اور اُس کے بچوں کو کپڑا مل گیا۔ اُس کی ضرورتیں پوری ہو گئیں تو یہ کام کوئی معمولی کام تو نہیں اتنا بڑا کام ہے کہ

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

(جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی الستر علی المسلمین جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۵۷ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

جو شخص کسی مومن کی ایک مصیبت کو دور کرے تو اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ تکلیف دور کرنے والے کی قیامت کے دن کی تکلیفیں دور فرمادے گا۔ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کے بارے میں آپ جانتے ہیں۔ اُس دن کی دہشت اور وحشت کو بھی آپ جانتے ہیں اور اس دن انسان کیلئے جو پریشانیاں ہیں وہ بھی آپ جانتے ہیں۔ اگر اُس دن اپنے طور پر کوئی بندہ یہ چاہے کہ میں پوری دنیا خرچ کردوں میری سختیاں دور ہو جائیں تو قیامت کے دن ایسا اس کیلئے نہیں ہو سکے گا۔ لیکن دنیا کی زندگی میں اس کیلئے کتنے سنہری چانسز ہیں۔ تم نے دنیا میں ایک مفلس اور نادار کی پریشانی زکوٰۃ کی صورت میں مال دینے سے ختم کی تو اللہ اس کے بدلے میں حشر کے دن کی تمہاری پریشانیاں دور فرمادے گا۔

حشر کے دن ہولناکیوں کا دور ہو جانا انسان کیلئے بہت بڑا سہارا ہے۔

لہٰذا یہاں جس وقت غرباء کے ساتھ تعاون کیا جا رہا ہے تو بندے کو اس کی وجہ سے اتنا بڑا مقام میسر آئے گا۔ اتنی اُس کیلئے سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔

وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

(الترغیب والترھیب ۳/۲۶۲، نضرۃ النعیم: ۱۰۲۴)

جو کسی انسان کی مشکل کو حل کرتا ہے اللہ اُس کیلئے دنیا میں بھی آسانی پیدا فرمادے گا اور

آخرت میں بھی آسانی پیدا فرمادے گا۔

مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ

جس نے دنیا میں کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈال دیا اللہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اُس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا۔

ایک سفید پوش انسان کیلئے جب زندگی مشکل ہوگئی ہو تو اسکا بھرم رکھنا اور اسکا پردہ برقرار رکھنا اُس کے ساتھ تعاون کر کے اُس کیلئے زندگی کے اسباب پیدا کر دینا اور اپنے مال سے زکوۃ دیکر اپنے مال میں برکت کا سبب پیدا کرتے ہوئے اس کے ساتھ اچھا تعاون کر دینا تا کہ اُس کی زندگی کے دن اچھے گذرتے رہیں۔

یہ معمولی عمل نہیں ہے۔

ہمارے آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں آج تم نے اُسے پیسے دیکر اُس کا بھرم رکھا ہے کل قیامت کے دن رب تمہارا بھرم رکھے گا۔ میدان محشر میں جب لوگوں کے پردے ہٹ رہے ہونگے اور انکی ذلتیں سامنے آرہی ہونگی جس شخص نے دنیا میں کسی شخص کو ذلیل ہونے سے بچالیا۔ ہمارے آقا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں ایسے شخص کو اللہ میدان محشر میں ذلیل نہیں ہونے دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو سب کے سامنے عزت کی چادر عطا فرمادے گا۔

وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ

اللہ بندے کی مدد میں ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے۔

یہ اُس کے ساتھ مدد کرنے میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا رخ اسکی طرف کر دیا۔ اس کے کام خود بخود ہوتے گئے۔ اس کے وارے نیارے ہو گئے اور ربّ ذوالجلال کی طرف سے اس کے وارے نیارے ہونگے۔

وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ

(صحیح مسلم کتاب الذکروالدعاء والتوبۃ باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن ج ۲،ص ۳۴۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

وہ شخص جو کسی راستے پہ چل کے علم حاصل کرتا ہے اُس پر چلنے کی وجہ سے اللہ اُس کیلئے جنت کے راستے آسان کر دیتا ہے۔

آپ گھر سے یہاں چل کے آئے تو اس کے عوض میں اللہ نے آپ کیلئے جنت کے راستوں کو آسان کر دیا ہے۔

دنیا میں طلب علم کیلئے اور دین کی سمجھ کیلئے اگر اتنا سفر کیا ہے تو اللہ اس کے بدلے پل صراط کا سفر آسان فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ اُس بندے کیلئے حشر میں کتنی بڑی آسانی پیدا فرمادے گا۔

قرآن مجید میں ہے۔

كَيْلَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ (سورۃ الحشر آیت نمبر ۷)

یہ اس لئے حکم دیا گیا کہ غنی مال کو خرچ کریں اور فقراء تک پہنچائیں۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ دولت صرف اغنیاء تک محدود نہ رہ جائے۔ یہ آگے بھی بڑھے فقراء تک بھی جائے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں زکوۃ کا حکم دیا ہے۔ تو اس کے اندر فقراء کی خدمت بھی ہے اور فقراء کا بھلا بھی ہے، بے سہارے کا آسرا بھی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ مَشٰى فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ خَيْرًا لَّهُ مِنْ اعْتِكَافِ عَشْرِ سِنِينَ

جو اپنے بھائی کی حاجت کیلئے چلتا ہے اُس کی حاجت کو پورا کرنے کیلئے متوجہ ہوتا ہے تو اُس کو دس سال کے اعتکاف سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔

دس سالہ اعتکاف ایک طرف اور اپنے بھائی کیلئے ایک گھنٹہ نکالنا ایک طرف اُس کے دکھ درد میں شریک ہونے سے اس کو دس سال کے اعتکاف کا ثواب مل جائے گا۔

ایک طرف فرض کی ادائیگی کا ثواب بھی مل رہا ہے۔بخل ختم ہو رہا ہے اور انسان کے دل میں نور پیدا ہو رہا ہے۔جس کے ساتھ اس نے تعاون کیا وہ بھی کوئی معمولی تعاون نہیں ہے اتنا بڑا تعاون ہے کہ گویا اُس نے دس سال کا اعتکاف کیا ہے۔

مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ

(الترغیب والترھیب باب الترغیب فی قضاء حوائج المسلمین ج ۳، ص ۲۶۳ وحیدی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، شعب الایمان فصل الرابع والعشرون من شعب الایمان، ج:۳، ص ۴۲۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

جو ایک دن کیلئے اعتکاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں بنا دیتا ہے اور ہر خندق اتنی بڑی ہے جتنا فاصلہ یہاں زمین و آسمان کے درمیان ہے اس کی مقدار تین مرتبہ اللہ اُس بندے کو جہنم سے دور کر دیتا ہے جس نے اپنے مومن بھائی کیلئے تعاون کیا ہے۔تو یہ وہ اسرار و رموز ہیں جن کی وجہ سے زکوٰۃ کو حسن ملا ہے۔اور یہ باتیں جس وقت انسان سامنے رکھتا ہے تو اُسے پتہ چلتا ہے کہ مجھ پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔بلکہ میں جو کچھ دے رہا ہوں وہ اللہ کی توفیق سے اور اپنی مرضی سے خوش ہو کر دے رہا ہوں۔اس انداز میں جو زکوٰۃ دیتا ہے اس کا دل بھی ستھرا ہو جاتا ہے۔اس کا مال بھی ستھرا ہو جاتا ہے۔

۶:۔دل کی تطہیر:

دل اللہ تعالیٰ کے جمال کا مرکز ہے انسانی دل انسان کے پاس سب سے قیمتی چیز ہے۔ اگر یہ دل آلودہ ہو جائے تو انسان کو بہت بڑا خسارہ ہے اگر دل ہر آلودگی سے پاک ہے تو پھر انسان کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

دل کی پاکی کس چیز میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ

میرے محبوب ان کے مال سے صدقہ وصول کیجئے۔

تو جوں جوں آپ ان سے مال لیں گے توں توں اِن کے دلوں کو ستھرا کریں گے۔ مال لیتے جاؤ گے دل ستھرے ہوتے جائیں گے۔

دلوں سے آلودگی نکلے گی دلوں سے گندے خیالات نکل جائیں گے۔

مال کی محبت نکل جائے گی جو معاذ اللہ اللہ کی محبت کی اپوزیشن بن سکتی ہے۔ جو انسان کو راہ حق سے بھٹکا سکتی ہے۔

اے محبوب جب تم ان سے مال حاصل کرو گے اس کے ساتھ تزکیہ ہو جائے گا۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ

محبوب ان سے مال بھی لو اور ان کو دعا بھی دیا کرو۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (سورۃ التوبہ آیت ۱۰۳)

یقیناً آپ کی دعا ان کیلئے باعث سکون ہوتی ہے۔

تو جن لوگوں سے آپ مال وصول کرتے تھے۔ وہ زکوٰۃ کا ہو یا صدقہ کا تو ان کیلئے بھی سرکار کی دعا ہوتی تھی اور قیامت تک آپ کی طرف سے نائب بن کر جو زکوٰۃ کو وصول کرتا ہے۔ تو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ گنبدِ خضریٰ کے مکین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں یقیناً اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

لہٰذا اس کے اندر یہ روحانیت اور معنویت ہے کہ درمیان سے صدیوں کا فاصلہ مٹ جائے گا اور ایک انسان تھوڑا سا مال دے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی قیمتی دعاؤں کا مستحق بن جائے گا۔

۷:۔ مال میں برکت

زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال میں برکت آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۶)

اللہ تعالیٰ نے سود کو مٹا دیا۔

مٹانے کا مطلب کیا ہے کہ بظاہر تم جتنا بھی دیکھ لو کہ وہ لاکھ کا دس لاکھ ہو گیا یا دس کروڑ ہو گیا اللہ فرماتا ہے میں نے اس کو مٹا دیا۔ یہ لاکھ دس لاکھ نہیں ہوا بلکہ لاکھ لاکھ بھی نہیں رہا۔ سود کی نحوست آ گئی ہے۔ اس سود کی وجہ سے پیسے کی حیثیت ختم ہو گئی ہے۔ یہ بے برکتا ہے۔ یہ بیماریوں میں چلا جائے گا۔ آفت بن جائے گا۔ فتنہ بن جائے گا اور بندے کیلئے مصیبت بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس چیز کو میں مٹاؤں اُسے بڑھا کون سکتا ہے۔

سود کو میں نے مٹا دیا ہے۔

وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ

اور صدقوں کی خود تربیت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ صدقوں میں نشو ونما کرتا ہوں اور صدقہ کو بڑھاتا ہوں۔

اُس میں کس انداز میں اضافہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

اُن لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں یوں سمجھو جیسے ایک دانہ ہوتا ہے۔

اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

تم نے ایک دانہ کاشت کیا اُس سے سات بالیاں نکل آئیں سات خوشے بن گئے۔

فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ

اور ہر خوشے کے اندر اللہ تعالیٰ نے سو دانہ پیدا فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک دانہ سات سو دانوں میں تبدیل ہو گیا ہے۔

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۱)

اللہ تعالیٰ جسے کیلئے چاہتا ہے اُس کو کئی گنا بنا دیتا ہے۔

لہٰذا یہ انداز ہے کہ جس وقت اللہ کے حکم پر مال کی زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

تو مال میں برکت ہو جاتی ہے۔

جو مال جدا کر کے فقیر کو دیا وہ بھی پروان چڑھے گا جو پیچھے رہ گیا وہ بھی پروان چڑھے گا

اور دینے والے کے حال میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق

جوں جوں وہ مال کی زکوٰۃ ادا کرتا چلا جائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ اُس کے مال کو مزید نشوونما عطا فرمائے گا۔

اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

مَامِنْ یَوْمٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ اِلَّا مَلَکَانِ یَنْزِلَانِ

روزانہ جب صبح کا وقت ہوتا ہے تو دو فرشتے آسمانوں سے اترتے ہیں۔

باقی ہر روز ہزاروں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ مگر دو فرشتے بطور خاص ایک کام کیلئے

روزانہ اترتے ہیں۔

فَیَقُوْلُ اَحَدُھُمَا

ایک فرشتہ کہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا

اللہ جو تیری راہ میں خرچ کرتا ہے جتنا اُس نے خرچ کیا اُس کی جگہ اس کو اور عطا

فرمادے جتنی بوریاں اُس کی خالی ہوتی ہیں یا اللہ وہ بھر دے۔

جس جگہ سے اُس نے پیسے اُٹھا کر دیئے ہیں یا اللہ اُس کو اور پیسے عطا فرمادے یہ فرشتہ

دعا مانگ رہا ہے۔ پوری روئے زمین پر جن لوگوں نے دینے کا کام شروع کر رکھا ہے

تو اس جگہ جو جگہ دینے سے خالی ہوئی تھی اس کو بھرنے کا عمل فرشتے کروا رہے ہیں اللہ

کے دربار میں مسلسل یہ دعا کر رہے ہیں اے اللہ جس کے ہاں دینے سے کمی ہوئی

ہے۔ وہ کمی نہیں ہونی چاہیے۔ اُس کی وہ جگہ پیسوں سے بھر جانی چاہیے۔

یَقُوْلُ الْاٰخَرُ

دوسرا فرشتہ کہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا

(صحیح بخاری کتاب الزکاۃ باب فاما من اعطی واتقٰی ج:۱،ص ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اے اللہ جس نے مال روکا ہوا ہے اور وہ فقیروں کو نہیں دیتا وہ حاجت مندوں کو نہیں دیتا یا اللہ اُس کے مال کو تلف کر دے۔ اب دونوں طرح کی طاقتیں موجود ہیں۔

اور دونوں طرح کے فرشتے دعا مانگ رہے ہیں۔ کتنا اچھا ہوگا کہ انسان فرشتوں کی دعائے نفع کا مستحق ہو جائے۔ نہ کہ دعائے نقصان کا مستحق بنے۔

لہٰذا برکت اسی میں ہوگی فائدہ اسی میں ہوگا کہ جس وقت انسان اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کیلئے خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اُس میں کمی نہیں آنے دے گا۔

بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں میں سے حظ وافر اُس کو عطا فرما دے گا۔

۸:۔ راہِ حق میں جان دینے کی تیاری

تو زکوۃ کی ادائیگی کا عمل ایک ریہرسل ہے راہ حق میں شہادت کی تیاری ہے۔

جو رب کے نام پر مال نہ دے سکے وہ جان کیا دے سکے گا۔

تو یہ سالانہ زکوۃ ادا کرنے سے جان دینے کی طرف رہنمائی ہے۔

انسان کو مال بھی پیارا ہوتا ہے۔ جان بھی پیاری ہوتی ہے اور ادھر رب سے بھی پیار ہے اور محبتوں کا جب مقابلہ ہو جائے تو پھر رب کی محبت کو ترجیح دینی ہے اور پھر پکا محبّ ہوتا ہی وہ ہے۔ جو اپنے محبوب کی محبت کے سامنے اور کسی کی محبت جائز ہی نہ سمجھے۔

جب محبت میری میرے رب سے ہے اب اس کے مقابلے میں محبت مال کی بھی ہے اس کے مقابلے میں محبت جان کی بھی ہے۔ جس وقت انسان نے مال اللہ کے رستے میں دیا تو ثابت کر دیا کہ اللہ کی محبت کے بدلے میں مال کی کوئی محبت نہیں ہے۔

یہ محبت جس وقت بار بار ذبح ہوگی تو اس سے بالاخر اس کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہوگا کہ جس محبوب کیلئے مال قربان کیا جا سکتا ہے اُس کیلئے جان بھی قربان کی جا سکتی ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ انداز رکھا ہے کہ تدریجاً بندے کو تربیت دی جاتی ہے اور تدریجاً اس کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔

مشکل سبق پہلے نہیں دیا جاتا پہلے آسان سبق دیا جاتا ہے پھر وہ آسان سبق آہستہ آہستہ مشکل کے قابل بنا دیتا ہے۔

مال قربان کرنا آسان ہے جان قربان کرنا مشکل ہے تو اسلام نے زکوۃ رکھی تا کہ مال کی قربانی کا بندہ عادی بن جائے۔ جب مال کی قربانی کا بندہ عادی بن جائے گا۔ تو پھر اُس کو یہ باور کرانا آسان ہوگا کہ اللہ ہی وہ محبوب ہے اُس سے پیار اپنی جان سے بھی زیادہ کرنا چاہیے۔

تو پھر جب کبھی اسلام کو ضرورت پڑے گی تو یہ بندہ اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کے اللہ کے دربار میں نکلے گا اور یہ کہے گا۔

تجھے وہ شاخ سے توڑیں زہے نصیب تیرے
کہ تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب تیرے

تو کتنا خوش نصیب ہے کہ تیری جان کو رب قبول کر رہا ہے۔

تو زکوۃ دینے کی وجہ سے بندے کے اندر جان دینے کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

۹:۔رب سے تازہ رابطہ

زکوٰۃ اللہ تعالیٰ سے تازہ رابطہ ہے۔

کچھ لوگ فقراء کو بوجھ بھی سمجھتے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ فقیر کا ہاتھ ہمارے لئے بہت بڑا اسہارا ہے۔فقیر کے ہاتھ سے بہت بڑی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔

زکوٰۃ بندے کو ادا کرنی پڑتی اس نے آسمانوں پہ جا کر جمع کرانی ہوتی تو کتنا مشکل مسئلہ ہوتا کس قدر دور جانا پڑتا، آخر جس پر زکوٰۃ فرض ہے ادائیگی تو اس پر لازم ہوتی۔مگر وہ کہاں جا کر جمع کراتا تو پھر یہ ادائیگی ہوتی۔

تو یہ معاشرے کے اندر نادار انسان ہمارے لئے ابر کرم ہیں۔کہ ہاتھ اُس کا ہے مگر جس وقت پیسہ وہاں رکھیں تو وہ اللہ کے دربار میں پہنچ جاتا ہے۔

اُس بنا پر کبھی اس پر احسان ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔بلکہ اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ جس کو یہ صلاحیت حاصل ہے۔اُس غریب کا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کا نائب بنا ہوا ہے۔

ضرورت اور حاجت تو اس فقیر کو ہے دیتے اس فقیر کو ہیں لیکن خوش اللہ ہو جاتا ہے قبول اُس کے دربار میں ہو جاتا ہے۔

لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے دربار سے اور قدرت سے ایک فطری رابطہ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ الصَّدَقَةَ تَقَعُ بِيَدِ اللّٰهِ عزوجل قَبْلَ اَنْ تَقَعَ فِى يَدِ السَّائِلِ

(المعجم الکبیر باب الغین عبداللہ بن مسعود الھذلی حدیث نمبر ۱۰۱۸۵ ج۹ ص۱۰۹ دار احیاء التراث بیروت)

زکوٰۃ اور صدقہ سائل کے ہاتھ میں بعد میں آتے ہیں لیکن اللہ کے ہاتھ میں پہلے پہنچ

جاتے ہیں۔ یہ صدقہ کیا ہے؟

اللہ کے ہاتھ میں یہ صدقہ پہلے جاتا ہے۔

قَبْلَ اَنْ تَقَعَ فِیْ یَدِ السَّائِلِ

سائل کے ہاتھ میں بعد میں جاتا ہے۔

لہٰذا یہ سائل کا ہاتھ جس پر ہم صدقہ کا پیسہ رکھیں اُس پر احسان نہیں جتلانا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کہ معاشرے میں مجھے وہ بنک مل گیا جہاں اللہ کا حصہ جمع کروایا جا سکتا ہے۔

لہٰذا یہ زکوٰۃ ہے کہ میں نے عملاً بندے کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اتنا قرب دے رکھا ہے کہ یہ جس وقت چاہتا ہے اللہ کے دربار میں اُس کا حصہ جمع کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ قبول فرما کے دینے والے کو اجر عظیم عطا فرما دیتا ہے۔

۱۰:۔ دل کا امتحان

زکوٰۃ کی حکمت دل کا امتحان ہے۔

زکوٰۃ ریا اور عدم ریا کے بارے میں اور اخلاص کی ایک بہت بڑی کسوٹی اور معیار ہے قرآن مجید میں دونوں موقف اللہ نے ہمارے سامنے رکھے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ

اگر صدقات تم ظاہر کرو تو بہت اچھا ہے۔ یعنی زکوٰۃ دیتے وقت کسی کو دکھا کے دی یا اعلانیہ دے دی تو یہ اچھا ہے۔

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ

اور اگر تم چھپا کے فقراء کو دو تو یہ تمہارے لئے اچھا ہے۔

وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّـَٔاتِكُمْ (سورۃ البقرۃ آیت:۲۷۱)

اس سے تمہارے گناہ جھڑ جائیں گے۔

اللہ بعض گناہوں کو مٹا دے گا۔ تو اس سے پتہ چلا کہ دونوں

میں اجازتیں ہیں دونوں حکم واضح طور پر ہیں۔ ایک کے

بارے میں فرمادیا "فَنِعِمَّا هِيَ"

اگر تم ظاہر کر کے دو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اور اگر چھپا کر فقیر کو دو "فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

مطلب کیا ہوا۔

دونوں صورتوں میں معاملہ دل کا ہے اگر اعلانیہ دیتے وقت مقصد ریا نہیں ہے تو پھر اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر مقصد یہ ہے کہ میں دیتا ہوں تاکہ اوروں کو بھی تبلیغ ہو جائے۔ میرے بھائی کو بھی پتہ چلے وہ بھی زکوٰۃ دے میرے دینے پر اُس کو بھی رغبت پیدا ہو۔ میں صدقہ کرتا ہوں تو دیکھنے والوں کو بھی رغبت پیدا ہو۔ اگر اس نکتہ نظر سے زکوٰۃ اگر کسی نے اعلانیہ دے دی ہے تو یہ بھی بہتر ہے کہ خود نیکی کر کے اوروں کو نیکی کی دعوت دے دی ہے۔

اگر ایسا ہو کہ دل میں وساوس آجائیں اور ریا کا خطرہ ہو اور یہ دل میں وہم پیدا ہو کہ میں دوں تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ میں بہت کچھ دیتا ہوں تو پھر اس سلسلہ میں اخلاص نہیں رہے گا۔ پھر زکوٰۃ کا ثواب ختم ہو جائے گا۔

اس واسطے انسان کا اپنا ضمیر ہے۔ اپنی صورتحال ہے اُس کو پیش نظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ کے عمل کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

اور پھر یہ دل کا واضح طور پر امتحان ہے اگر اعلانیہ زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوتا اور سب پر یہ فرض ہوتا کہ زکوٰۃ تم نے چھپ کر ہی دینی ہے۔ تو پھر دل کا امتحان نہ ہوتا اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ ہم نے تمہارے لئے جائز رکھا ہے۔ اعلانیہ بھی دے سکتے ہو چھپ کے بھی دے سکتے ہو لیکن ریا حرام ہے۔

جب اعلانیہ جائز ہے اور ادھر ریا حرام ہے ریاء کو شرک خفی کہا جاتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی بندے کا بہت بڑا امتحان ہے کہ جس وقت اعلانیہ طور پر دے رہا ہو تو اسکے ساتھ دل کو کنٹرول کرے۔ ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے دل میں دوسرا خیال نہ آنے دے۔ اگر ایسی صورتحال میں انسان اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کر چکا تو اسے سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو پہاڑوں سے بھی زیادہ طاقت عطا فرما دی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس وقت اللہ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اللہ نے پہاڑوں کو زمین پہ رکھا تو اسکی کپکپاہٹ ختم ہوگئی تو فرشتوں کو تعجب ہوا تو انھوں نے پوچھا کہ پہاڑوں سے بھی سخت چیز کوئی بنائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے لوہا بنایا ہے لوہا پہاڑوں کو کاٹتا ہے۔

فرشتوں نے کہا لوہے سے بھی زبردست کسی چیز کو بنایا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا میں نے آگ کو پیدا کیا ہے فرشتوں نے پوچھا آگ سے زبردست بھی ہے تو اللہ نے فرمایا میں پانی کو پیدا کیا ہے فرشتوں نے پوچھا پانی سے زبردست بھی کوئی چیز ہے تو اللہ نے فرمایا میں نے ہوا کو پیدا کیا ہے۔

فرشتوں نے ساری چیزوں پہ بڑا تعجب کیا۔ کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ زمین بہت بڑی ہے۔
لیکن فرشتوں نے پھر پوچھا کہ ہوا سے بھی کوئی زبردست چیز ہے۔ تو اللہ نے فرمایا ہاں۔

اِبْنُ آدَمُ

حضرت انسان ساری کائنات سے زبردست ہے۔ مگر ایک شرط ہے۔

تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ بِيَمِينِهٖ يُخْفِيهَا مِنْ شِمَالِهٖ

(سنن الترمذی ابواب التفسیر عن رسول اللہ ﷺ سورۃ المعوذتین ج ۲ ص ۱۷۲ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

جب دائیں ہاتھ سے صدقہ کر رہا ہو بائیں کو پتہ نہ چلے۔ اتنے خلوص کیساتھ جس وقت ایک بندہ صدقہ کرتا ہے تو اس وقت وہ ساری کائنات سے پاور فل ہو چکا ہوتا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
5

پردہ دختران اسلام کا وقار

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِبَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (سورت نور آیت نمبر:۳۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِيْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع یوم النشور دستگیر جہاں غمگسار زماں سید سروراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوھر بار میں ھدیہ درودو سلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب ارباب فکر ودانش اصحاب مودّت ومحبت معززو محتشم حضرات وخواتین اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اُسکی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے پانچویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

پردہ دختران اسلام کا وقار

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ نزول قرآن کے مہینے میں ہمیں قرآن مجید کی تعلیمات سے بہرہ ور ہونے کا موقع میسر آرہا ہے۔ حالت روزہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے انوار وتجلیات کا حصول یقیناً بہت بڑی سعادت ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحت وعافیت کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

"پردہ دختران اسلام کا وقار" ایک اہم موضوع ہے۔

جس ماحول اور معاشرے سے امت مسلمہ کا کارواں گزر رہا ہے۔ ہر طرف ڈاکو اور لٹیرے امت کے عقیدہ اور عمل کو لوٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے میں ہمارے

پاس قرآن مجید اور سنت مطہرہ کی شکل میں ایک ڈھال موجود ہے۔ جس کو استعمال کرتے ہوئے ہم ہر قسم کے تیروں سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکتے ہیں اور اپنے ایمان اور عمل کو بچاتے ہوئے اس زندگی کے اندر کامیاب اور عمدہ سفر مکمل کر سکتے ہیں۔

حسن وقبح عند الشرع

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مرد وزن کیلئے علیحدہ علیحدہ احکام نازل فرمائے ہیں بحیثیت مومن اور مومنہ کے ہم میں سے ہر ایک پر یہ لازم ہے کہ ہمارا رب ہم سے جس چیز کا تقاضا کرتا ہے جو ہمیں حکم فرماتا ہے ہم اسی کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے نزدیک حسن وقبح شریعت کے مطابق ہے۔ عقل کو شرع کے تابع کرنا پڑتا ہے۔

ہمارے نزدیک حسن وقبح محض عقلی نہیں ہے۔

یعنی ہم وہ نہیں کہ کہیں ہمیں وہ چیز عقل کے لحاظ سے اچھی لگتی ہے لہٰذا میں اس پر عمل کروں گا اور ہماری عقل فلاں چیز کو اچھا نہیں سمجھتی تو میں اس پر عمل نہیں کروں گا۔

ہمارے نزدیک اصول شریعت ہے۔ ہم کہیں گے کہ شریعت مطہرہ فلاں چیز کو اچھا سمجھتی ہے تو پھر میں بھی اس کو اچھا سمجھتا ہوں اور شریعت مطہرہ میں فلاں چیز کو ناپسند کیا گیا ہے تو اس لئے میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں۔

پردہ شرعی حسن

تو اس بنیاد پر جیسے دیگر احکام ہیں ویسے ہی پردہ کا بھی حکم ہے۔

تو پردہ کے حکم کے لحاظ سے بھی حسن وقبح شریعت مطہرہ کے مطابق ہے۔ جب شریعت نے پردہ کو حسن قرار دیا اور اس کی خوبی کو بیان کیا اس کے لازم ہونے کا آرڈر دیا تو

جس نے کلمہ پڑھا ہے تو اسے یہ حکم ہر حال میں بہتر ماننا پڑے گا۔

اور اس حکم کے لحاظ سے اپنے ذہن کو مطمئن رکھنا پڑے گا۔ اگر کلمہ بھی پڑھے اور اللہ کے حکم کے بارے شک بھی ہو کہ پتہ نہیں یہ چیز اچھی بھی ہے یا نہیں۔

یا ذہن اور عقل میں کوئی ایسا مرض موجود رہے۔ جس کی وجہ سے اُسے پردے پر اعتراض ہے یا پردے سے احکام کے مطابق اُس کے دل میں تشویش اور شک موجود ہے۔

تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ اس کا ایمان صحیح نہیں ہے۔

ایمان کے صحیح ہونے کی نشانی یہ ہے کہ جو رب کا فیصلہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کا حکم ہوتا ہے۔ اُس حکم کے سامنے ایک مومن مرد اور عورت اپنا سر تسلیم خم کر لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ سعادت اُن دخترانِ اسلام کی ہے جنہوں نے جب دین قبول کیا ہے تو دین کے قبول کرنے کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ جو حکم میرے رب کا ہے وہی میری چاہت ہے۔ جو اللہ کا فیصلہ ہے وہ مجھے پسند ہے۔

اور جہاں سے اللہ روکتا ہے وہ میرے لئے ناپسند ہے۔ وہ دختران اسلام اتنی عظیم ہیں کہ جنہیں کبھی بھی پردے کے بارے میں شک نہیں ہوا اور کبھی بھی دل میں پردے کی تنقید کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہے۔

چونکہ جو عورت اپنی زبان سے شریعت مطہرہ کی تعلیمات پر تنقید کر بیٹھے تو اس سے بھی ایمان چھلنی ہو جاتا ہے۔ یقین مر جھا جاتا ہے اور دولتِ ایمان کی لذت ختم ہو جاتی ہے اس لحاظ سے جہاں پردہ اختیار کرنا لازم ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے وہاں گفتگو کے اندر اس کے احترام کو بیان کرنا اور اسکی عظمت کو اجاگر کرنا بھی ضروری ہے۔

اگر محض کوئی مغربیت کی روشنی میں جیا باختہ خواتین کے کہنے پر کوئی اسلام کی بیٹی پردہ کے خلاف بولتی ہے یا پردہ کی تضحیک کرتی ہے اور پردہ کا مذاق اڑاتی ہے یا پردہ کے بارے

میں ایسے جملے بولتی ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں۔
اُسے سوچنا چاہیے کہ اُس کے ایسے الفاظ اسلام سے بغاوت کے زمرے میں شمار ہونگے۔
اور دین سے غداری کے زمرے میں آئیں گے۔
جس وقت ایک خاتون اس بات کی دعوے دار ہے کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مشن کی وارث ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر کی وارث ہے تو پھر اُسے اپنے دین کے لحاظ سے عمل بھی کرنا چاہیے۔
اور اس دین کی مبلغہ بھی ہونا چاہیے تا کہ اپنی بچیوں کو اپنی خواتین کو تبلیغ کر سکے تو اس سے بڑے اچھے اثرات مرتب ہونگے۔
آج قرآن وسنت کا یہ گلدستہ خواتین اسلام کے سامنے پیش کیا جارہا ہے اور ایسے ہی مردوں کیلئے یہ سننا ضروری ہے کیونکہ اصل میں جو قوت حاکمہ مرد کو دی گئی ہے۔ خواتین کے بارے میں اگر یہ خود دین سمجھتے ہونگے تو اچھی طرح دین سمجھا سکیں گے اور جس وقت ایک مرد اپنے گھر میں پردے کی پابندی کرتا ہے تو اس کو چھوٹا نہیں بہت بڑا جہاد قرار دیا جاتا ہے۔
جس وقت ایک انسان اپنے گھر کی حدود تک اپنے دین کو نافذ کر لیتا ہے تو امید کی جاتی ہے کہ وہ ایک بہت بڑے انقلاب کا داعی ہو سکتا ہے اور اگر گھر میں ہی بے دینی ہو اور گھر میں بے پردگی ہو اور گھر میں شریعت کا مذاق اڑایا جا رہا ہو تو پھر کبھی بھی ایسا سوچنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جس کی بنیاد پر معاشرے اور سوسائٹی تک دین کی برکتوں کو عام کیا جا سکے۔

دختران اسلام کیلئے قرآن کا پیغام

آیئے قرآن وسنت کے ان احکام کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ایسے لمحات ہیں کہ جب اللہ

کی رحمتیں برس رہی ہیں۔ اگر ہم تھوڑی سی اس طرف توجہ کریں گے تو ہمارے ذہن کے عقدے کھلتے چلے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی نور دے گا اور قبر میں بھی نور دے گا اور فردوس کے بالاخانوں میں بھی ان شاء اللہ چاندنی موجود رہے گی۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ

اے نبی ﷺ آپ ان عورتوں سے کہہ دیں جو کہ مومنات ہیں۔

یہ مطلقا عورتوں کو حکم نہیں بلکہ ایمان والی عورتوں کو حکم ہے جو عورتیں ابھی ایمان نہیں لائیں اُن کو پہلے ایمان لانے کا حکم دیا جائے گا اور جب ایمان لے آئیں گی تو پھر اُن کیلئے اسلام کے اندر جو نصاب ہے۔ وہ پڑھایا جائے گا۔

تو اس واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اے محبوب آپ مومنات کو کہہ دیں، جو شرک و بدعت کو چھوڑ کر دین حاصل کر چکی ہیں۔ آپ اُن خواتین سے فرمادیں۔

يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ

اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھیں۔

وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ

اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔

عورت کا وقار اس میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپا کے رکھے اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دے زینت میں زیور بھی ہے۔ زینت میں سرمہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ آرائش

زیبائش کی چیزیں ہیں۔ زینت میں ننگے بال ہیں۔ ننگا چہرہ ہے اور بدن کے اعضا جو ننگے ہوں یا جن پر ٹائٹ کپڑا ہو، یا پھر پتلا کپڑا ہو۔

ان ساری صورتوں کو ناجائز قرار دیتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھیں کہہ دو کہ یہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔

لہٰذا جس سے زینت ظاہر ہوتی ہو، جس سے فتنہ پیدا ہوتا ہو جس سے عورت کے بارے میں معاشرے میں ایک اٹریکشن Attraction پیدا ہوتی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے نبی آپ ان کو سمجھا دیں۔

کہ ایسا کرنا تم پہ حرام ہے۔ نہ ویسا پہن سکتی ہو اور نہ ہی ایسے انداز میں سوسائٹی کے اندر تم موجود رہ سکتی ہو۔ تمہارے لئے یہ فرض قرار دیا گیا ہے۔ کہ تم اپنی زینت کو چھپا کر رکھو۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (سورہ النور آیت نمبر ۳۱)

مگر جو خود بخود ظاہر ہے۔

مگر اس کے سوا تمہیں زینت کو ظاہر کرنے کا حکم نہیں ہے۔

خود بخود ظاہر کیا ہے؟

خاتون نے چادر جو اوڑھی ہے وہ بھی ایک زینت ہے اور جو لباس پہنا ہوا ہے اس لباس کو پھر لباس میں چھپانا اور چادر کو چادر میں چھپانا اس کا پھر حکم نہیں دیا گیا کہ اگر عورت نے برقعہ پہن رکھا ہے تو اُس برقعہ کے اندر بھی ایک زینت ہے۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

مگر وہ جو خود ظاہر ہے اس کے سوا ہر قسم کی زینت کو چھپانا لازم ہے تو شریعت مطہرہ نے خاتون اسلام کو ایک نصاب دیا ہے ایک طرف رب کا فرمان ہے دوسری طرف معاشرہ ہے دوسری طرف فیشن ہے دوسری طرف سوسائٹی ہے دوسری طرف عورتوں کی باتیں

ہیں وہ خاتون کتنی مجاہد ہے جو کسی کی بات کو نہیں سنتی جو فیشن کو نہیں دیکھتی جو صرف اپنے رب کے حکم کو دیکھتی ہے اور رسول اکرم ﷺ کے فرمان کو سنتے ہوئے ہر قسم کی زینت پر پہرہ لگا لیتی ہے اپنے آپ کو چھپا کے رکھتی ہے اپنے آپ کو شیطان کا تیر نہیں بننے دیتی اور اپنے آپ کو شیطان کا جال نہیں بننے دیتی۔

جوں جوں اپنے آپ کو چھپاتی جائے گی محفوظ ہوتی جائے گی اور جوں جوں زینت کو ظاہر کرے گی حدیث میں اس کے نام بدلتے جائیں گے۔

کبھی تو اس کو شیطانی تیر کہا گیا۔

کبھی اس کو شیطانی جال کہا گیا۔

تو جال وہ ہوتا ہے جس سے اوروں کو شکار کیا جاتا ہے تو اگر خاتون اسلامی نے اپنا منصب چھوڑ دیا اپنا وقار چھوڑ دیا تو پھر وہ خزانہ نہیں رہی پھر وہ مستورہ نہیں رہی پھر وہ امانت کی امین نہیں رہی۔ پھر اچھی فصل کیلئے کھیت نہیں رہی۔

اور اگر اُس نے اپنے آپ کو شریعت مطہرہ کی حدود میں رکھا ہے اپنے آپ کو چھپایا ہوا ہے تو پھر وہ ایک خزانہ ہے اور ایسا خزانہ ہے ہو سکتا ہے اُسی کے آنگن میں ایک ایسی فصل تیار ہو جائے جو فصل زمانے کے صالحین کی فصل ہو۔ جو فصل زمانے کے مفلحین کی فصل ہو اسواسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی زبان سے مسلمان خواتین کو یہ درس پہنچا دیا۔

کہ تم نے اپنی زینت کو چھپا کے رکھنا ہے۔

اور زینت کے معاملے میں جسا ئ رہنا ہے۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

اس فرمان خدا سے کچھ لوگ معاذ اللہ گمراہی کی طرف جاتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ اس سے چہرے کا پردہ مراد نہیں ہے ہاتھوں کا پردہ مراد نہیں ہے اب جو پردے کی اصل حیثیت ہے اور اس کا سبب ہے وہ فتنہ کا آجانا ہے۔

اب جس چیز میں زیادہ فتنہ ہے۔ اُس چیز کے لحاظ سے پھر پابندی بھی زیادہ ہے چہرہ کھلا ہوگا تو اس کی وجہ سے فتنہ زیادہ پیدا ہوگا۔

بال کھلے ہونگے تو فتنہ زیادہ پیدا ہوگا۔ اس واسطے جس زمانے میں بُرائی کا لاوا پھٹ چکا ہو اور ہر طرف بے حیائی کے شعلے دہک رہے ہوں اُس زمانے میں یہ قول کرنا کہ چہرے کا پردہ کوئی پردہ نہیں ہے۔ یہ شریعت مطہرہ کی حدود کو پھلانگنے کے مترادف ہے۔

جو پردے کی اصل حیثیت ہے اور جو اصل میں پردے کے اسباب ہیں۔ جن میں عورت کیلئے باقی ہر چیز کو ڈھانپنا اور چھپانا لازم کر دیا گیا ہے۔

چہرہ کو چھپانا بطریق اولی لازم ہوگا۔ کیونکہ اس سے سوسائٹی کے اندر فتنہ زیادہ بڑھ سکتا ہے اور پھر اس کی وجہ سے جو شیطان کے جال ہونے کا منصب ہے وہ صورتحال زیادہ پیدا ہو سکتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود کے نزدیک الا ماظھر کا مطلب

اسواسطے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مراد کپڑا ہے۔ جو چہرہ چھپانے کیلئے خاتون نے استعمال کر رکھا ہے۔ اب اس کپڑے کو پھر چھپانا یہ کوئی ضروری نہیں ہے یہ ہے جو خود بخود ظاہر ہے۔ ورنہ پورے بدن کو ڈھانپ کے رکھنا اور بدن کے کسی حصے کو ننگا نہ ہونے دینا اور ہر لحاظ سے تنگ کپڑے سے بھی اجتناب کرنا کہ جس سے اعضاء کی شناخت ہو سکتی ہو۔ یا رنگ نظر آسکتا ہو ایسی تمام صورتوں سے جس وقت ایک خاتون اپنے آپ کو بچائے گی

تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے۔ اپنی زینت کو چھپایا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار سے اجر عظیم کی مستحق بن چکی ہے۔

جاھلیت کی بے پردگی سے بچنے کا حکم

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ - (سورہ النور آیت نمبر ۳۱)

عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی چادریں اپنے گریبانوں پہ ڈالے رکھیں اور کسی طرح کی اس سلسلے میں غفلت نہ کریں اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى

یہ حکم اصل میں ازواج مطہرات کیلئے ہے۔ لیکن خواتین کی قیادت اصل میں اُنکی ہے تو تمام ملت کی بیٹیاں ازواج مطہرات کے تابع ہیں اور اُن کے حکم کی پیروکار ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو حکم دیا۔

کہ تم اپنے گھروں میں موجود رہو۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (سورۃ الاحزاب آیت ۳۳)

جو جاہلیت کے زمانے کی بے پردگی ہے۔ اُس بے پردگی سے اپنے آپ کو بچا کے رکھو چہرہ ڈھانپا ہوا ہو اور پورا بدن ڈھانپا ہوا ہو اور پردے کے اندر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو حکم دیکر اُن کے زیر سایہ تمام خواتین اسلام کو پابند کر دیا کہ اُن کیلئے بہترین جگہ گھر ہے نہایت ہی مجبوری میں باہر نکل سکتی ہیں۔ اُس وقت بھی پردے کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔

دختران اسلام گھر میں نماز پڑھنا افضل

یہاں تک رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

صَلٰوۃُ الْمَرْأَۃِ فِیْ بَیْتِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِھَا فِیْ حُجْرَتِھَا وَصَلٰوتُھَا فِیْ مُخْدَعِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِھَا فِیْ بَیْتِھَا

(ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب التشدید فی ذلک ج ۱ ص ۹۱ مکتبہ امدادیہ ملتان)

عورت کا اپنے گھر کے اندر میں نماز پڑھنا حجرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

وَصَلٰوتُھَا فِیْ مُخْدَعِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِھَا فِیْ بَیْتِھَا

اور عورتوں کا اپنے گھر کی بجائے اگلے اندر نماز پڑھنا مکان میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔
یعنی ایک ہے صحن میں نماز پڑھنا اور ایک ہے کمرے میں نماز پڑھنا اور ایک ہے کمرے سے آگے والے کمرے میں نماز پڑھنا۔

تو سرکار ﷺ نے جہاں مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلتیں بیان کی ہیں۔
عورت کیلئے حکم دیا کہ جوں جوں وہ چھپتی چلی جائے گی توں توں نماز کا ثواب بڑھتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ صحن کے مقابلے میں کمرے میں پڑھے گی تو زیادہ ثواب ہے کمرے کے مقابلے میں مزید چھپا ہوا جو اگلا اندر ہے اُس میں نماز پڑھے گی تو اس کو زیادہ ثواب مل جائے گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ "**وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ**" میں حکمتیں کتنی ہیں۔
کہ عورت کا اپنا ایک نصاب ہے اُس کا اپنا ایک شیڈول ہے۔
اُس کے مطابق جس وقت ایک عورت عمل کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اتنا اجر دیتا ہے کہ ایک انسان اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

صحابیات میں نیکی کا جذبہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

جِئْنَ النِّسَآءُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

عورتوں کا ایک وفد سرکار علیہ السلام کے پاس آ گیا اور انہوں نے شکایت کی کہنے لگیں۔

ذَهَبَ الرِّجَالُ بِالْفَضْلِ بِالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(شعب الایمان الستون من شعب الایمان حدیث نمبر ۸۷۴۲ ج ۶ ص ۴۲۰، دار الکتب العلمیۃ

مرد ہم سے نیکیوں میں آگے نکل گئے۔

اور کہنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ نیکیاں ایسی ہیں جو مرد کر سکتے ہیں ہم نہیں کر سکتیں، جب کہ دل ہمارا بھی چاہتا ہے کہ ہمارے نامہ اعمال میں بھی وہ نیکیاں ہوں۔ تاکہ کل ایسا نہ ہو کہ مرد آگے نکل جائیں اور ہم نیکیوں میں پیچھے رہ جائیں۔ تو ہمیں بھی ایسے مواقع ملنے چاہئیں جس کی وجہ سے وہ نیکیاں جو مرد کرتے ہیں وہ ہم بھی کر لیں۔

نماز روزے کی نیکیاں مشترکہ ہیں جو ہم دونوں کر لیتے ہیں۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرد جہاد پہ جاتے ہیں اور ہم عمومی طور پر جہاد پہ نہیں جاتیں۔ ہم گھروں میں رہتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں احساس پیدا ہوا کہ ہماری نیکیاں ادھوری رہ جائیں گی۔

جب قیامت کے دن میرٹ Marit بنے گا تو مرد پہلے نمبر پر ہونگے اور ہمارے نامہ اعمال میں جہاد کی نیکیاں نہیں ہوں گی اور وہ نیکیاں جو گھر سے باہر کی جاتی ہیں وہ سماجی خدمت کے معاملات میں ہم اُن میں پیچھے رہ جائیں گی۔

یہ ایک تشویش تھی جو بحیثیت مومنہ عورتوں کو ہونی چاہیے تھی۔

اُس وقت کی خواتین کا خیال ہر وقت تقوی و پرہیز گاری کے بارے میں ہوتا تھا۔

ہر وقت یہ سوچ ہوتی تھی۔ کہ کون سا کام کروں گی تو اللہ مزید راضی ہوگا۔ اللہ اپنا قرب عطا کرے گا۔

اسی تحریک کی بنیاد پر انہوں نے جا کر اپنا مقدمہ پیش کر دیا، کہ ہم جہاد پہ نہیں جا سکتیں لہٰذا ہماری نیکیاں تھوڑی ہو جائیں گی۔

مرد ثواب میں خواتین سے آگے

وہ خواتین اسلام کہنے لگیں۔

اَفَمَا لَنَا عَمَلٌ نُدْرِکُ بِهٖ فَضْلَ الْمُجَاهِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

یارسول اللہ ﷺ ہمیں کوئی ایسا عمل بتا دو ہمیں کوئی ایسا وظیفہ بتا دو جو ہم کریں تو ہمیں مجاہد فی سبیل اللہ کا ثواب مل جائے۔

آج عورتوں کے گھر سے نکلنے کے اور اسباب ہیں کوئی کسی میلے میں جانے کیلئے ضد کر رہی ہے کوئی کسی بازار میں گھومنے پھرنے کیلئے ضد کر رہی ہے۔

کوئی کسی رونق اور تازگی کو دیکھنے کیلئے ضد کر رہی ہے۔

مگر رسول اکرم ﷺ کے پاس جو عورتیں آئیں انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہم آپ کے حکم کی پابند ہیں۔ جہاں سے آپ نے روکا ہے ہم رکی رہیں گی۔

کبھی بھی باہر نہیں نکلیں گی۔ مگر ہم چاہتی ہیں ہمارے لئے ایسا دروازہ کھل جائے جس دروازے کی وجہ سے ہمیں بھی اتنی نیکیاں مل جائیں جتنی نیکیاں مردوں کو میسر آ رہی ہیں۔

خواتین اسلام کیلئے جہاد کا ثواب

میرے محبوب علیہ السلام نے صرف اُن خواتین کو ہی سبق نہیں دیا بلکہ قیامت تک کیلئے اپنی امت کی خواتین کو سبق پڑھا دیا ہے۔

تو جس وقت اُن خواتین نے پوچھا تو

رسول اکرم ﷺ نے کیا جواب دیا۔

آپ فرمانے لگے۔

مُحْصَنَةُ اِحْدَا كُنَّ فِىْ بَيْتِهَا تُدْرِكُ عَمَلَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(درمنثور ج ۶ ص ۵۱۸، سورۃ النساء زیر آیت نمبر ۳۴، دارالفکر بیروت)

جو عورت میرے کہنے پر بیٹھی رہے گی۔ بلاوجہ گھر سے باہر نہیں نکلے گی تو اُسے گھر بیٹھے اللہ تعالیٰ مجاہد فی سبیل اللہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔

ایک عورت کو اسلام کا ممنون ہونا چاہیے اسلام کا مشکور ہونا چاہیے جہاد بڑا مشکل ہے جہاد میں بدن کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ جہاد میں خون بہہ نکلتا ہے جہاد میں بھوک برداشت کرنی پڑتی ہے۔

لیکن یہ مردوں کیلئے ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (سورۃ النساء آیت نمبر ۳۴)

مَردوں کو قوت عورتوں سے زیادہ دی گئی ہے اُن پر بوجھ بھی زیادہ رکھا گیا ہے عورتوں پر جہاد فرض نہ کیا گیا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت کی خواتین کو ہی نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی دختران اسلام کیلئے واضح فرمادیا۔

کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے یہ کبھی نہ سمجھنا کہ تمہارا ثواب کم ہو جائے گا اور تمہیں نیکیاں تھوڑی ملیں گی۔ مرد جہاد کر کے جتنی نیکیاں حاصل کریں گے تمہیں اسلام نے اتنا نواز دیا ہے۔ اتنا بلند وبالا کر دیا ہے کہ تم اپنے گھر میں رہو اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرو آرام کرو اور شریعت مطہرہ کے مطابق زندگی بسر کرو تو ربّ ذوالجلال تمہیں وہ ثواب عطا فرمائے گا جو مجاہد فی سبیل اللہ کو زخمی ہو جانے کے بعد ملتا ہے۔

پردہ ہی میں مومنہ کی شان

اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ایک خاتون خانہ کی یہ عظمت بیان کی وہاں باہر

نکلنے کی مجبوری کے جو احکام ہیں اُن میں فیصلے بھی کیے اور احکام بھی بیان فرما دیے ہیں۔
جو لوگ آج چہرے کے پردے کا انکار کر رہے ہیں، فتنہ پھیلاتے ہیں اور شیطان کے ایجنٹ بننے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۹)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی ازواج کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیں کہ یہ اپنی چادریں اپنے چہروں پہ ڈالے رکھیں۔

اپنی چادریں اپنے چہروں پر لٹکائے رکھیں تاکہ ان کے چہرے نظر نہ آئیں اور تم پہچانی نہ جاؤ۔ جس وقت تم پہچانی نہیں جاؤ گی تو فتنے سے محفوظ رہو گی۔

ایک مومنہ خاتون کی یہی شان ہے کہ وہ اپنی رائے اور چاہت کو نہیں دیکھتی بلکہ اللہ کے حکم کی پیروی کرتی ہے۔ اگر اپنی خواہش اور رائے کو لائے گی تو پیچھے شریعت نہیں بچتی۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ

(المومنون آیت نمبر ۷۱)

اگر حق لوگوں کی خواہش کی پیروی شروع کر دے تو زمین و آسمان فاسد ہو جائیں گے سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔

اگر حق کو خواہش کے تابع کیا گیا تو زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ یہ دستور نہیں کہ حق کو خواہش کے تابع کر دیا جائے بلکہ دستور یہ ہے کہ خواہش کو حق کے تابع کر دیا جائے۔ لہٰذا آج مردوں کو سمجھنا چاہیے تاکہ وہ اپنی خواہش کو سمجھا سکیں اور عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سامنے رکھنا چاہیے کہ ہمارے لئے یہ آزمائش ہے کہ ہر جگہ ہر محلے میں، بستی میں، شہر میں ایسے نام نہاد لوگ پیدا ہو

گئے ہیں اور ایسی سوچیں پیدا ہوتی جا رہی ہیں جو حق کو خواہش کے تابع کرنا چاہتی ہیں۔ دین کو موڑ کے خواہش کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔

اگر کوئی عورت معاشرے کی اس چال کو دیکھ کر اُس کے پیچھے چلنا شروع کر دے گی تو وہ گمراہ ہو جائے گی پھر دین نہیں بچ سکے گا۔

وہ قرآن کو سامنے رکھے زمانہ ناراض ہوتا ہے ہو جائے۔ یہ جب بھی دیکھتی ہے اللہ کے فرمان کی طرف دیکھتی ہے تو اللہ اُس کیلئے دونوں جہان کیلئے اجر عظیم کا اعلان فرما رہا ہے۔

انصار کی عورتوں کی خوبی

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھے انصار کی عورتیں بڑی اچھی لگتی ہیں پوچھا گیا اس کا سبب کیا ہے تو کہنے لگی

وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَارَاَیْتُ اَفْضَلَ مِنْ نِسَآءِ الْاَنْصَارِ

(تفسیر ابن کثیر، سورۃ النور آیت نمبر ۳۱، ج ۳ ص ۲۹۵ مکتبہ حقانیہ پشاور)

خدا کی قسم ہے میں نے انصار کی عورتوں سے کوئی عورت اچھی نہیں دیکھی۔

کیسے؟

حکم قرآن پر فوراً عمل

اَشَدَّ تَصْدِیْقًا لِکِتَابِ اللّٰہِ وَلَا اِیْمَانًا بِالتَّنْزِیْلِ

قرآن کو ماننے میں جتنی وہ جلدی کرتی ہیں اور قرآن مجید پر عمل کرنے میں جتنا کردار انصار کی عورتوں کا ہے اتنا اور کسی کا نہیں ہے۔

قرآن کو اترے ہوئے صدیاں گذر گئیں ہیں۔

بچی پیدا ہوتی ہے قرآن گھر میں تھا، بچی بالغ ہو گئی قرآن گھر میں بچی جوان ہوئی قرآن

گھر میں ہے ابھی اس کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ پردہ ضروری ہے کہ پردہ کرنا چاہیے۔ ذہن کو مطمئن کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر وقت اُس کیلئے قرآنی تعلیمات پیش کرتے ہیں۔ پھر جا کر مان جاتی ہے تسلیم کرتی ہے۔

لیکن وہ وقت تو یاد کرو کہ جب رات کو قرآن کی آیت نازل ہوتی تھی فجر ہونے سے پہلے ساری صحابیات اُس پر عمل کر کے دکھا دیتی تھیں۔

مردوں نے قرآن کو سن کے کسی نے اپنی ماں سے کہا کسی نے اپنی بیوی سے کہا کسی نے اپنی بہن سے کہا۔ کسی نے اپنی بیٹی سے کہا اور جونہی انھوں نے سنا ہے انھوں نے ضد اور ہٹ دھرمی نہیں کی کہ کل تک یہ جائز رہا ہے اب ناجائز کیوں ہو گیا ہے۔ اگر پہلے گذارہ ہوتا رہا تو اب بھی گذارہ ہوتا رہے گا۔ نہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ انصار کی عورتیں اس بارے میں پہلا نمبر لے گئی ہیں کہ جس وقت اُن کے مرد نبی علیہ السلام کے دربار میں سنتے ہیں۔ پھر وہ گھر پہنچتے ہیں۔ صرف اُن کے بیان کرنے کی دیر ہوتی ہے۔ جونہی وہ بیان کرتے جاتے ہیں انصار کی عورتیں فوراً عمل کر کے دکھا دیتی ہیں۔

آیت قرآن پر صحابیات کا عمل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔ لَقَدْ اُنْزِلَتْ سُوْرَةُ النُّوْرِ

"وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ"

اِنْقَلَبَ رِجَالُهُنَّ اِلَيْهِنَّ

جب یہ حکم نازل ہو گیا کہ عورتیں اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر لیکر رکھیں انصار نے نبی علیہ السلام سے یہ بات سنی اور سن کر گھر چلے گئے۔

يَتْلُوْنَ عَلَيْهِنَّ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ فِيْهَا

جو اللہ نے نازل کیا تھا انھوں نے جا کر پڑھ کر سنا دیا۔

وَيَتْلُوْا الرَّجُلُ عَلٰى اِمْرَاَتِهٖ وَابْنَتِهٖ وَاُخْتِهٖ

ایک آدمی اپنی بیوی کو پڑھ کر سناتا ہے اپنی بیٹی کو پڑھ کر سناتا ہے اور اپنی بہن کو پڑھ کر سناتا ہے۔

وَعَلٰى كُلِّ ذِىْ قَرَابَتِهٖ

اور ہر رشتہ دار عورت کو پڑھ کر سناتا ہے تو کیا ہوتا ہے

فَمَا مِنْهُنَّ اِمْرَاَةٌ اِلَّا قَامَتْ اِلٰى مِرْطِهَا الْمُرَحَّلِ فَاعْتَجَرَتْ بِهٖ تَصْدِيْقًا وَاِيْمَانًا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابِهٖ

جوں ہی وہ سنتی ہیں فوراً اُٹھ کے اپنی چادروں کا بندوبست کرتی ہیں۔ فوراً پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔

فَاَصْبَحْنَ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُعْتَجِرَاتٍ كَاَنَّ عَلٰى رُءُوْسِهِنَّ الْغِرْبَانَ

(رواہ، ابوداؤد، تفسیر ابن کثیر ۳/۲۹۵)

رات کو حکم نازل ہوا تھا ابھی فجر کی نماز آئی ہے کہ عورتیں اس طرح کالی چادریں لیکر آگئی ہیں اور سروں کو چھپائے ہوئے ہیں۔ سروں پر یوں لگتا ہے جیسے سیاہ کوے بیٹھے ہوئے ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔

رات کو سیاہی کے اندر اندر انھوں نے اپنے پردے کا بندوبست کرلیا اور سید عالم ﷺ سے براہ راست نہیں سنا۔ اپنے خاوند اور اپنے بھائی سے سنا کہ رات آیت کا نزول ہوا تھا۔ جاتے ہی انھوں نے گھر بتایا ہے۔ اب گھر والوں نے یہ نہیں کہا کہ سال کے بعد عمل کرلیں گے مہینے کے بعد عمل کرلیں گے۔ نہیں نہیں۔

اسواسطے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اُن کی عظمت کو سلام کررہی ہیں۔ انصار کی خواتین نے سنتے ہی ابھی نماز فجر کا وقت نہیں آیا تھا کہ مکمل انقلاب آچکا تھا اور رسول اکرم ﷺ کا دین قبول کرنے والی خواتین نے اپنے عمل سے یہ ثابت کردیا کہ جو کچھ ہمیں آپ

فرماتے ہیں اُس کو ہم دل سے ماننے والی ہیں۔
آج کے ہمارے اس ماحول میں جس وقت اس سوچ کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو بہت سے سوال اُٹھتے ہیں۔ لیکن بحیثیت اسلام اور ایمان کے ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ جو انداز ہمارے آقا علیہ السلام نے دیا۔ اُس میں عورت کا بے پردہ نکلنا تو بڑی دور کی بات ہے۔ ننگے سر نکلنا اور ننگے منہ نکلنا بڑے دور کی بات ہے ہمارے دین نے تو اس انداز کو بھی حرام قرار دیا۔

خوشبو لگا کے باہر نکلنا فتنے کا سبب

اگر وہ مسجد میں جانا چاہتی ہے تو پھر بھی وہ خوشبو لگا کے نہیں جا سکتی خوشبو ایک خاموش سا فتنہ ہے اگر چہ وہ آواز نہیں پیدا کر رہی۔ مگر پھر بھی جس وقت وہ گذرے گی تو خوشبو آئے گی۔ تو اس سے فتنے کا دروازہ کھل سکتا ہے تو ہمارے نبی علیہ السلام کا کتنا حسین انداز ہے۔
آپ سے حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ سنا ہے آپ فرما رہے تھے۔

لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ لِامْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِهٰذَا الْمَسْجِدِ حَتّٰى تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ

(ابوداؤد کتاب الترجل باب فی طیب المرأۃ للخروج: ج ۲ ص ۲۲۲ مکتبہ امدادیہ ملتان)

وہ عورت جو مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے جا رہی ہے۔ مگر وہ خوشبو لگا کے جا رہی ہے اللہ تعالیٰ اُس کی نماز کو قبول نہیں کرے گا کب تک؟
آپ نے فرمایا کہ جب تک وہ ایسا غسل نہ کرے جو جنابت کے بعد غسل کیا جاتا ہے یعنی فرض غسل جسطرح اچھی طرح مل کے کیا جاتا ہے اور اعضاء کو رگڑ کر کیا جاتا ہے۔ اس طرح اچھی طرح سارے بدن کو دھوئے یہاں تک کہ خوشبو اتر جائے اور خوشبو سے اُس کا جسم پاک ہو جائے تو پھر جا کر اللہ اُس کی نماز کو قبول کرے گا ورنہ اُس کی

نماز قبول نہیں ہو گی۔

حالانکہ خوشبو کوئی پلیدی تو نہیں ہے خوشبو کوئی نجاست تو نہیں ہے۔ مگر اُس میں فتنہ ہے وہ گذرے گی تو گذرتے ہوئے کسی کو خوشبو آجائے گی دیکھنے کا سبب پیدا ہو جائے گا۔ وہ مرد اس کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔

تو نبی علیہ السلام نے فرمایا اور تو اور رہا ہم اس کو مسجد میں بھی قبول نہیں کریں گے۔

تو جو دین حالتِ خوشبو میں قبول نہیں کرتا تو وہ اُس کا بازار میں جانا کیسے قبول کرے گا۔ اُس کا فنکشن میں جانا کیسے قبول کرے گا۔ اُس کا خوشبو لگا کر رشتہ داروں کے پاس جانا کیسے قبول کرے گا۔

اس کو اتنا بڑا جرم قرار دے دیا۔ کہ جب تک وہ غسل نہیں کر لیتی اپنے آپ سے اُس خوشبو کو دور نہیں کرتی اُس کا سجدہ سجدہ نہیں ہے۔ اُس کا قیام اور رکوع نہیں ہے۔

اب دیکھو کس قدر اس خاتون کا خسارہ ہو جائے گا۔ رب روٹھ جائے گا۔ اللہ سجدہ بھی قبول نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اُس خاتون کی نیکی کو قبول کرتا ہے جو خاتون پردے کے دائرے میں ہے۔

غیر محرم کی طرف اُٹھنے والی آنکھ زانیہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر آنکھ جو نظر بد سے غیر محرم کی طرف اٹھتی ہے وہ بدکار آنکھ ہے وہ زانیہ آنکھ ہے۔

ہر عضو کا ایک گناہ اور بدکاری ہوتی ہے۔ آنکھ کی بدکاری غیر محرم کی طرف دیکھنا ہے۔

یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ ہے جسکو اچھی طرح یاد بھی رکھنا ہے اور اس پر عمل بھی کرنا ہے۔

كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ۔

ہر وہ آنکھ جو غیر محرم کی طرف اُٹھی اُس نے بدکاری کی ہے خواہ خود عورت جارہی ہو یا اُس کی تصویر ہو فلم کی شکل میں ہو یا کسی اخبار پر ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَالْمَرْاَةُ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِيْ زَانِيَةً

(جامع الترمذی ابواب الاداب عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی کراھیۃ خروج المراۃ متعطرۃ، ج۲ص۱۰۶ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، مشکوٰۃ ص۹۶)

ایک عورت خوشبو لگا کر غیر محرم مردوں کے پاس سے گذری تو وہ بھی بدکار عورت ہے وہ بھی نیک نہیں ہے اب یہ لفظ ہمارے نبی علیہ السلام کے ہیں۔

یہ خاتون مسجد جانے کیلئے گلی سے گذرے یا بازار جانے کیلئے گلی سے گذرے یہ جائز مجبوری کی بناء پر گلی سے گذرے اور مردوں کے پاس سے گذری لیکن اُس نے خوشبو لگا رکھی تھی۔ اگرچہ اُس نے پردہ مکمل کیا ہوا ہو۔ میرے آقا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں اس نے میری امت کی خاتون والا کام نہیں کیا اس نے میری خادمہ والا کام نہیں کیا۔

اس نے میرے دین کی لاج کو سامنے نہیں رکھا۔ اگر اس انداز میں خوشبو لگا کر باہر نکلے گی تو یہ بھی برائی میں پیچھے نہیں رہی یہ بھی بدکار بن گئی ہے۔

یہ خوشبو لگانا فتنے کا ایک معمولی سبب ہے اسکو شاید کوئی آج گناہ نہ سمجھے۔

لیکن یہ دین پرانا دین نہیں ہے۔ یہ نیا دین ہے اور اسی دین سے برکتیں آسکتی ہیں آج جو امت مسلمہ پر نحوستیں آگئی ہیں اور آج جو بے حیائی پیدا ہوگئی ہے آج جو دن بدن مسلمان کے خون کی قدر و قیمت پامال ہوتی جارہی ہے اور دن بدن مسلمان زوال

پذیر ہوتے جا رہے ہیں اس کا سبب یہی ہے۔

بے پردگی لعنت کا سبب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا تھا۔ بنی اسرائیل پر اُس وقت تک لعنت نہیں ہوئی جب تک کہ اُن کی عورتیں بے پردہ نہیں ہو گئیں لیکن جب عورتیں بے پردہ ہو گئی تھیں تو اُن پہ لعنتوں کا نزول شروع ہو گیا تھا۔

لہٰذا اس امت کے اندر بھی تب برکتیں باقی رہ سکتی ہیں کہ جب عورت مستور رہے اور کسی طرح کا خاموش سبب بھی اُس کے اندر موجود نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ (سورۃ النور آیت نمبر:۳۱)

عورتیں اپنے پاؤں زمین پہ زور سے نہ ماریں تاکہ زور سے مارنے کی وجہ سے اُن کی زینت ظاہر نہ ہو۔

یہ ہمارا قرآن ہے جس کو پڑھیں تو نماز ہوتی ہے جن کے ایک ایک حرف پہ نیکیاں ملتی ہیں یہ زندگی گذارنے کا طریقہ ہے۔

عورتوں کو چلنے کا طریقہ بھی بتایا کہ تمہارے چلنے میں قدموں سے کوئی آواز پیدا نہیں ہونی چاہیے لیکن مجبوری سے اُسے نکلنا پڑے تو چھپ کے نکلے۔ پھر واپس آنے تک رحمتوں کے نیچے ہوگی اگر اُس نے اپنے آپ کو اس طرح نکالا کہ جس سے زینت ظاہر ہو رہی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم ہو جائے گی۔

پردہ قربِ خداوندی کی علامت

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ

عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے۔

وَاَنَّهَا اِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ

جب بے پردہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔

وَاِنَّهَا اَقْرَبُ مَايَكُوْنُ اِلَى اللّٰهِ وَهِيَ فِيْ قَعْرِبَيْتِهَا

(المعجم الکبیر باب العین عبداللہ بن مسعود الھذلی حدیث نمبر ۱۰۱۱۵، ج ۱۰ ص ۱۰۸ ادار احیاء التراث بیروت)

عورت سب سے زیادہ اللہ کے قریب کب ہوتی ہے؟

جس وقت وہ اپنے گھر کے اگلے اندر بیٹھی ہوئی ہو۔ جب زیادہ پردے میں رہے گی تو اتنا زیادہ اُس کو قرب نصیب ہوگا جوں جوں کپڑا اٹھتا جائے گا توں توں شیطان کے قریب ہوتی چلی جائے گی۔

ایک خاتون خانہ کو نبی علیہ السلام کے فرمان سے یہ معیار سامنے رکھنا چاہیے کہ کپڑا تنگ ہوگیا یا باریک ہوگیا یا چھوٹا ہوگیا تو پھر سمجھو کہ شیطان کا قرب آگیا ہے اور اگر کپڑا زیادہ ہے اور کپڑا موٹا ہے اور گھر کے اندر کا ماحول زیادہ پسند ہے۔ تو اُس کیلئے عافیت ہے۔ وہ سمجھے کہ مجھے میرے رب کا قرب نصیب ہوا ہے۔

لہٰذا ان فرامین کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے پھر اسی سے ہی ہم نئی صبح کے امیدوار ہو سکتے ہیں ورنہ جو صورتحال دن بدن بدلتی جارہی ہے۔ دشمن تو پہلے ہی ہمیں شکار کرنا چاہتے ہیں اور عورت کو انھوں نے نال بنا رکھا ہے۔ حواس باختہ عورتیں مغرب کا آلہ کار بن چکی ہیں اور مسلمان خواتین کے عمل کو لوٹنا چاہتی ہیں۔

یہ فرامین ہمارے لئے دارین کی سعادتوں کا سبب ہیں۔

اور آج یہ بھی سورتحال چل نکلی ہے کہ عورتوں کے ساتھ مصافحہ کرنا اور بدن کے ساتھ بدن ملانا اس کو آج قبیح نہیں سمجھا جارہا۔ اور کچھ سورج مکھی مفکر ہمیں میسر آگئے جو ٹی وی پر بیٹھ کر کہتے ہیں کہ اگر ایک عورت صرف مرد سے ہاتھ ملا لیتی ہے تو اس میں کوئی

قباحت نہیں ہے اس میں شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ اس کو کچھ لوگ اپنا کلچر قرار دیتے ہیں اور وہی ہمارے لئے مشکل راہ ہے۔ جو دین ہمیں سرکار نے دیا ہے۔ الزواجر کے اندر اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

غیر محرم عورتوں کیساتھ تنہائی زہر قاتل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِیَّاکُمْ وَالْخَلْوَۃَ بِالنِّسَآءِ

عورتوں کیساتھ تنہائی سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اگر تم اس کے ساتھ بیٹھ جاؤ گے تو تیسرا شیطان آجائے گا۔ وسوسے آجائیں گے۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَاخَلَا رَجُلٌ وَّامْرَاَۃٌ اِلَّا دَخَلَ الشَّیْطَانُ بَیْنَھُمَا

مجھے اُس رب کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔

جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ علیحدہ بیٹھ جاتا ہے تو اُن دونوں کے درمیان شیطان ضرور آجاتا ہے۔

غیر محرم عورت کو مس کرنے کی شدید مذمت

کوئی کتنا ہی پارسا ہو۔ اُس شخص کیلئے ان باتوں پر عمل کرنا لازم ہے۔

وَلَیَزْحَمُ رَجُلٌ خِنْزِیْرًا مُتَلَطِّخًا بِطِیْنٍ اَوْحَمْاَۃٍ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّزْحَمَ مَنْکِبُہٗ مَنْکِبَ اِمْرَاَۃٍ لَا تَحِلُّ لَہٗ

(المعجم الکبیر باب الصاد صدی بن العجلان ابو امامہ باھلی ج نمبر ۷۸۳۰، ج ۸ ص ۲۰۵ دار احیاء التراث بیروت)

سرکار فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کا کندھا خنزیر کو لگ جائے ایسا خنزیر جو کیچڑ کے اندر ڈوبا ہوا اور آلودہ ہو چکا ہو اس سے بہتر ہے کہ ایک انسان کا کندھا غیر محرم عورت

کیساتھ لگ جائے۔

اس قدر ناجائز و حرام قرار دیا گیا۔

اور مرد کو سمجھایا گیا کہ اگر تمہارا بدن عورت کے ساتھ لگ جائے اور تم اس میں لذت محسوس کرو اور تم اس کو کوئی جرم نہ سمجھو تو یہ تمہارے ایمان کی کمزوری ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَاَنْ يُّطْعَنَ فِيْ رَاسِ اَحَدِكُمْ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيْدٍ

تم میں سے کسی کے سر میں سریا سے سوراخ کر دیا جائے یا کسی لوہے سے سوراخ کر دیا جائے

خَيْرٌ لَهٗ مِنْ اَنْ يَّمَسَّ امْرَاَةً لَاتَحِلُّ لَهٗ

(المعجم الکبیر باب المیم معقل بن یسار حدیث نمبر ۴۸۷ ج ۲۰ ص ۲۱۲ دار احیاء التراث)

یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی کا ہاتھ عورت کو لگ جائے۔

وہ عورت جس کا دیکھنا حرام تھا اُس کو ہاتھ لگنے سے یوں سمجھو کہ تمہارے سر میں سریا کو داخل کر کے سوراخ کر دیا گیا ہے بلکہ اس سے بھی بڑا حادثہ سمجھنا چاہیے۔

آج جس وقت دینی قدریں ختم ہوتی جا رہی ہیں اور ایسے کاموں کو فیشن Fashion بنایا جا رہا ہے آپس میں ملتے وقت رشتہ دار لڑکیاں جو کہ غیر محرم ہیں۔ جس کو برا نہیں سمجھا جا رہا اس کی مذمت نہیں کی جا رہی۔

آج کا کلچر جہنم کے شعلے

ایسے میں ان فرامین کو سامنے رکھنا ہے اور زمانے کو یہ بتانا ہے کہ جس کو تم کلچر Culture سمجھتے ہو یہ جہنم کے شعلے ہیں جس کو تم نئی کائنات سمجھتے ہو یہ جہنم کے اندھیرے ہیں آج ہمارے لئے وقت ہے کہ ان خرافات کو ماحول سے ختم کریں۔

جوں جوں اس میں ہمیں کامیابی حاصل ہوتی چلی جائے گی تو اللہ کی رحمتوں کا نزول

ہونا شروع ہو جائے گا۔

آج لوگوں کے معیار بدلتے جا رہے ہیں۔ وہ فلمی سٹار ہوں یا منحوس لوگوں کے طرز عمل کی باتیں ہوں ہم اُن سب چیزوں کو مسترد کرتے ہوئے دین متین کی وہ روشنی آباد کرنا چاہتے ہیں۔ جو روشنی ہمارے آقا نے مدینہ شریف میں آباد کی تھی۔

اتنے تقویٰ کا مسلمان تھا کہ فرشتے بھی جھک جھک کے اُن کی عظمتوں کو سلام کرتے تھے۔

نابینا آدمی کو دیکھنے پہ سرزنش

سرکار مدینہ ﷺ کی طرف سے جو ہمیں دین دیا گیا اُس میں تو اتنی احتیاط ہے۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما بیٹھی ہیں کہ نبی علیہ السلام کے نابینا صحابی آ گئے۔

ابن ام مکتوم کو جس وقت دیکھا گیا تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

اِحْتَجِبَا مِنْهُ

ان سے پردہ کرو تو سیدہ میمونہ کہنے لگی۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَلَيْسَ هُوَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفَعُمْيَا وَاَنْ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ

(جامع الترمذی ابواب الآداب عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال ج ۲ ص ۱۰۶ المکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ نابینا نہیں ہیں۔ نابینا سے پردے کی کیا ضرورت ہے تو سرکار فرمانے لگے کیا تم بھی نابینا ہو۔ تم تو دیکھ رہی ہو۔

لہٰذا تمہارے لئے علیحدہ حکم ہے اور اُن کیلئے علیحدہ حکم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں۔

خاتون جنت کے ہاں مرد و عورت کا نصاب

رسول اکرم ﷺ نے ایک دن ہم سے پوچھا مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمہارے نزدیک مرد کیلئے بہتر کیا ہے اور عورت کیلئے بہتر کیا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس اسکا کوئی جواب نہ تھا لیکن جس وقت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لوٹ کے آیا تو میں نے اس بارے اُن سے سوال کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو پوری کائنات میں پردے کی علمبردار ہیں وہ کہنے لگی۔

لَيسَ خَيرٌ مِنْ اَنْ لَاتَرىٰ رَجُلًا وَلَا يَرَاهَا رَجُلٌ

(کنز العمال حرف نون باب فی ترغیبات النساء، حدیث نمبر ۴۶۰۱۱، ج ۱۶ ص ۶۰۱ موسسۃ الرسالۃ)

عورت کیلئے سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور اُسے کوئی مرد نہ دیکھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھنٹوں کی بحث کو ایک جملے میں بند کر دیا۔ کہ عورت کیلئے سب سے بہتر یہ ہے کہ عورت کسی مرد کو نہ دیکھے اور اس عورت کو کوئی مرد نہ دیکھے۔ یہ عورت کیلئے سب سے بہتر ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو جا کر بتایا۔

کہ میں نے وہ سوال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے اسکا یہ جواب دیا تو اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔

فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّىْ

فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔

جس طرح میں نے شرم و حیا کی تلقین کی ہے تو فاطمہ نے بھی حق ادا کر دیا ہے۔

بے پردہ خاتون پہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گرفت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کسی کی گھر والی جا رہی تھی اور وہ پردے کے بغیر

گذر گئی تو آپ نے فرمایا۔

اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ

لوگوں تمہیں حیا نہیں آتی، یہ تمہارے لئے کیسے جائز ہے کہ تمہاری بیوی گذر رہی ہو اور اُس کی طرف نگاہیں اُٹھ رہی ہوں۔ اسواسطے یہ غیرت کا معاملہ ہے۔ اپنی عزت کو پیش نظر رکھو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بے پردہ خاتون کے گزرنے پر اتنی گرفت کی اور اُس کو غیرت کے منافی قرار دیا۔ آج مردوں کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان بہت واضح حیثیت کا حامل ہے اور اس میں ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ایک ہماری غیرت ہے اور ایک اللہ کی بھی غیرت ہے۔ اللہ کی غیرت کیا ہے؟ کہ سوسائٹی Society میں فحاشی نہ ہو، عریانی نہ ہو، ایک شخص جو اپنے گھر والوں کو متوجہ نہیں کرتا۔ معاذ اللہ وہ اپنی غیرت کے بھی خلاف چل رہا ہے۔ اور اللہ کی غیرت کے بھی خلاف ہو رہا ہے۔

لہٰذا جہاں بھی پردے پہ عمل نہیں ہو رہا اللہ کی غیرت کے خلاف عمل ہو رہا ہے اور ابھی تک ہمیں یہ مہلت ملی ہوئی ہے ورنہ کب کے بندر بن چکے ہوتے قبل اس کے کہ ایسا وقت آ جائے ہمیں ربّ ذوالجلال کی غیرت کا خیال رکھتے ہوئے اپنے ماحول کو یوں پردے کا گہوارہ بنانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بندوں پہ برستی رہیں۔

اور سارے اللہ کے حکم مانتے ہوئے اس نہج پہ آ جائیں کہ اللہ کی طرف سے برکتوں کا نزول شروع ہو جائے۔ دعائیں مانگی جائیں تو اللہ کی طرف سے ہماری دعائیں قبول ہوتی نظر آئیں۔ مردوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کیلئے اچھی تبلیغ کریں۔

کہ شرح متین کا فتویٰ ہے کہ

اگر کوئی شخص اپنے گھر والوں کو ایسا حکم نہیں دے گا جتنے قدم چل کے اُس کی بیوی بے پردہ جائے گی۔ ہر قدم پر اُس کے شوہر کیلئے ایک جہنم کا طبقہ بنا دیا جائے گا کیونکہ وہ

روکنے کا اختیار رکھتا تھا اُس نے روکا کیوں نہیں۔

اس واسطے اپنے آپ کو جھنم کے شعلوں سے بچانے کیلئے اپنے ذہن میں اس بات کو بٹھا کے اپنے گھر والوں کو پوری طرح اس کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

بے پردگی نفاق کی علامت

اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلْمُتَبَرِّجَات وَهُنَّ الْمُنَافِقَات

جو عورتیں پردہ نہیں کرتیں وہ منافق عورتیں ہیں

یاد رہے کہ اس نفاق سے مراد عملی نفاق ہے۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنهُنَّ اِلَّا مِثْلُ الْغُرَابِ الْاَعْصَمِ

(کنز العمال حرف النون الباب الثالث فی آداب النکاح حدیث نمبر: ۴۴۵۶۹ جلد نمبر ۱۶ صفحہ نمبر ۲۹۷ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۔ جامع الاحادیث حرف الخا حدیث نمبر: ۱۱۸۳۳ جلد نمبر من حرف الباء الی حرف السین صفحہ نمبر ۳۱۲ دار الفکر بیروت۔

ان میں سے جنت میں داخل نہیں ہوں گی مگر سفید پنکھ والے کوے کی مثل ۔یعنی انہیں سے شاذ و نادر کوئی جنت میں جائے گی۔

مردوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ آنکھیں بچا کے رکھیں۔

آنکھوں کو جھکا کے رکھنا راستے کا حق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہمیں راستے میں بیٹھنا پڑتا ہے۔

ہمیں دوکان پہ بیٹھنا پڑتا ہے۔

تو سرکار نے ارشاد فرمایا:۔

اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ

اے میرے صحابہ راستوں میں نہ بیٹھا کرو۔

پوچھا گیا کہ اگر کسی کی دوکان راستے پر ہے تو اب دوکان پہ بیٹھنا پڑے گا۔

تو آپ نے فرمایا۔

اِنْ اَبَيْتُمْ

اگر تم نے بیٹھنا ہے تو

فَاَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهٗ

تو پھر راستے کو حق دو۔

پھر پوچھا گیا کہ

مَا حَقُّ الطَّرِيْقِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

یارسول اللہ ﷺ راستے کا حق کونسا ہے۔

تو آپ نے فرمایا:۔

غَضُّ الْبَصَرِ (الدرالمنثور ۶/۱۷۸)

اپنی آنکھ کو جھکا کے رکھنا راستے کا حق ہے۔ اگر مجبوراً دوکان پہ بیٹھنا پڑے گلی میں جانا پڑا ہے۔ تو تم پہ لازم ہے کہ اپنی نگاہ جھکا کے رکھو۔

خواتین پہ لازم کر دیا کہ وہ پردہ بھی کریں اور خوشبو بھی نہ لگائیں تا کہ جانبین سے ایک توازن پیدا ہو جائے اور معاشرہ ہر قسم کی کجی اور بدی سے محفوظ ہو جائے۔

میری دعا ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا اللہ رب العزت اس پہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
6

عزت اور اس کے حصول کا ذریعہ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِبَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ
وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ
بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ
(سورت آل عمران آیت نمبر ۲۶)
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع یوم النشور دستگیر جہاں غمگسار زماں سید سروراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار گوھر بار میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد!

وارثان منبر ومحراب ارباب فکر ودانش اصحاب مودت ومحبت نہایت ہی معزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل وکرم اور توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام ناویں سالانہ فہم دین کورس میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔
ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے۔

”عزت اور اس کے حصول کا ذریعہ“

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے خصوصی فضل وکرم سے اعزاز اور توقیر کے اعلیٰ مرتبے عطا فرمائے۔

آج کا موضوع اپنی نوعیت کا ایک منفرد موضوع ہے۔

ہر شخص عزت کا متمنی ہے۔ ہر شخص عزت چاہتا ہے۔ مگر اس بات کی طرف بندے کی توجہ کم ہے کہ عزت کس کو کہا جاتا ہے۔ اور کونسی عزت کا حصول ایک مؤمن کے لیے ایک وقار ہے اور پھر عزت میسر کہاں سے آتی ہے۔ وہ کونسا دربار ہے۔ جہاں سے عزت ملتی ہے اور کہاں سے عزتوں کے تاج بندوں کو عنایت کیے جاتے ہیں۔ عمومی طور پر زمانے کی روش اور خیالات کی تبدیلی کی وجہ سے بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ جو ذلت کو عزت سمجھتے ہیں اور عزت کو معاذ اللہ ذلت سمجھتے ہیں۔ تو اس واسطے ابتدائی طور

پر بندہ مؤمن کا جو یقین ہے اور عزت کے لحاظ سے جو اس کا نظریہ ہے وہ پہلے نمبر پر پختہ ہونا چاہیے اور اس کے بعد پھر عزت کے حصول کے لیے اسے کوشاں رہنا چاہیے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

وہ خود بندوں کو عزتیں عطا کرنے والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ وہ ذروں کو آفتاب بنا دیتا ہے۔ کانٹوں کو گلاب بنا دیتا ہے۔ اس کی ربوبیت کا اظہار ہے کہ جس وقت وہ ادنیٰ کو اعلیٰ بناتا ہے۔ اور غلاموں کو امانت کے تاج عطا فرما دیتا ہے۔ تو اس واسطے بندہ مؤمن کو عزت کے حصول کے لحاظ سے صحیح نظریہ رکھتے ہوئے اپنے رب سے عزت مانگنی چاہیے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ

اے نبی ﷺ آپ یہ کہہ دو۔ اے اللہ تو مالک ملک ہے۔

تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ

جسے چاہتا ہے اسے تو ملک دیتا ہے۔

وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ

اور جس سے چاہتا ہے تو ملک کو چھین لیتا ہے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ

تو جسے چاہتا ہے اسے عزت دیتا ہے۔

وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ

اور جسے چاہتا ہے تو ذلت دیتا ہے۔

بِيَدِكَ الْخَيْرُ

تیری قدرت میں ساری خیر ہے۔

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ

(سورۃ آل عمران پارہ نمبر ۳' آیت نمبر ۲۶)

بے شک تو ہر چاہت کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے۔

قرآن مجید میں بندے کی عزت کا مدار اللہ تعالیٰ کی عطا پر بیان کیا گیا۔کوئی شخص اپنے طور پر اللہ کے چاہے بغیر نہ عزت حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کو عزت مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں جب ساری عزت ہے تو پتہ چلا کہ عزت اسی دربار سے بندے کو ملتی ہے اور پھر اس کے حصول کے تقاضے بھی وہی ہوں گے۔

جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ جن کاموں کو اپنی طرف سے شریعت کی شکل دے کر اپنے بندوں کو دے رہا ہے۔

جس وقت ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک انسان اپنی زندگی میں عزت چاہے گا۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو عزتوں کے تاج عطا فرمائے گا۔

عزت کا معنیٰ:

عزت عربی زبان کا لفظ ہے۔

- جس کے بنیادی طور پر تین معانی ہیں:

نمبر1: قوت۔ نمبر2: شدت۔ نمبر3: غلبہ

یہ تینوں معانی اور ان سے منسلک عزت کے چند امور اس عزت کے مفہوم میں

موجود ہیں۔ جہاں بھی عزت پائی جائے گی اور جس کی عزت ہوگی اس میں قوت ہوگی اس کے اندر ایک شدت اور پاور ہوگی اور اس کا غلبہ مانا جائے گا۔

عزت کا اصطلاحی معنیٰ:

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ عزت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اَلْعِزَّۃُ حَالَۃٌ مَانِعَۃٌ لِلْاِنْسَانِ مِنْ اَنْ یُّغْلَبَ

عزت اس حالت کو کہا جاتا ہے۔ جو حالت انسان کو مغلوب نہیں ہونے دیتی۔

(المفردات للراغب، کتاب العین ص: ۳۳۲، المکتبۃ المرتضویہ)

(نضرۃ النعیم العزۃ، ج: ۷، ص: ۲۸۲۰، دار الوسیلۃ المملکۃ العربیۃ السعودیہ)

عزت بمعنیٰ عظمت:

عرفی طور پر عزت کو عظمت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ عزت و عظمت دونوں قریب کے الفاظ ہیں۔ تو ہماری گفتگو کا محور عزت بمعنیٰ عظمت کے ہے۔ کس انداز میں انسان کی عظمت ہے اور انسان کا وقار ہے۔ وہ وقار انسان کو کہاں سے میسر آتا ہے۔ اگر وہ وقار میسر آجائے تو کس طرح اس کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔

قرآن مجید میں لفظ عزت کو مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔

لفظ عزت عظمت کے معنیٰ میں قرآن مجید میں موجود ہے۔

ان جادوگروں نے بھی اپنی رسیاں پھینکیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا عصا پھینکا تو جس وقت وہ جادوگر رسیاں پھینک رہے تھے تو ان کی زبان پر کیا تھا۔

قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُوْنَ

(سورۃ الشعراء پارہ نمبر ۱۹' آیت نمبر ۴۴)

وہ کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم ہم ضرور غالب آجائیں گے۔

تو اس میں جو انہوں نے لفظ عزت استعمال کیا تھا تو یہ بمعنٰی عظمت استعمال کیا تھا۔ کہ فرعون کی عظمت کے صدقے ہم غالب آجائیں گے۔ یہ فرعون کے حواریوں کا وطیرہ تھا۔ مگر رب العزت نے نہ عزت فرعون کو دی اور نہ اس کے ماننے والوں کو دی۔ اللہ تعالیٰ نے عزت اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی اور ان کی پیروی کرنے والوں کو دی تو قرآن مجید کے اس مقام پر عزت بمعنٰی عظمت استعمال ہوا ہے۔

عزت بمعنٰی سہارا او آسرا بھی ہے:

قرآن مجید میں ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت کی کہ منافقین مسلمانوں کو چھوڑ کے کافروں کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور ان سے مشورے کرتے ہیں اور کافروں سے جا کر باتیں کرتے ہیں۔

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

(سورۃ النسآء پارہ نمبر ۵' آیت نمبر ۱۳۹)

کیا لوگ کافروں سے جا کر آسرا ڈھونڈتے ہیں۔ بے شک عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی آسرا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سہارا عطا فرمانے والا ہے۔

عزت بمعنٰی حمیت:

حمیت غیرت کے مترادف لفظ ہے۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ

(سورۃ البقرۃ پارہ نمبر ۲، آیت نمبر ۲۰۶)

اور جب انہیں کہا جائے کہ تم اللہ سے ڈرو تو ان کی عزت ان کو گناہ پر مجبور کرتی ہے۔

یعنی انہوں نے جو ایک رکھ رکھاؤ بنا رکھا ہے۔ وہ چیز ان کو حق کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی اور اس کی وجہ سے وہ گناہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ہماری ناک نہیں رہتی۔ ہمارا یہ برادری کا معاملہ ہے اگر ہم ایسا نہ کریں یہ ایک جعلی مصنوعی عزت ہے۔ جو ان کے سامنے ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نیکی کی طرف مائل نہیں ہوتے اور گناہوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔

تقویٰ مومن کا وقار:

آج ہماری گفتگو کا موضوع عزت بمعنٰی عظمت کے ہے۔ جس وقت اس کو بیان کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عظمت کس میں ہے۔ ایک مومن کا وقار کس میں ہے۔ اور کھویا ہوا وقار حاصل کیسے کیا جا سکتا ہے اور جو وقار موجود ہے اس کو برقرار کیسے رکھا جا سکتا ہے۔ ابتدائی طور پر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو برابری کے مراحل میں رکھا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ

(سورۃ الحجرات پارہ نمبر ۲۶، آیت نمبر ۱۳)

اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے شعبے اور قبیلے بنائے تا کہ تم متعارف ہو جاؤ۔ بے شک تم میں سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو پرہیزگار زیادہ ہے۔

آج ہمارے ہاں برادریوں کو باعث عزت سمجھا جاتا ہے۔ رنگ و نسل کو باعث عزت سمجھا جاتا ہے اور مختلف شعبہ جات کے ساتھ متعلق ہونے کو باعث عزت سمجھا جاتا ہے۔ یا پھر نام نہاد روشن خیالی کے لحاظ سے فیشن ایبل اور فیشن پرست ہونے کے لحاظ سے لوگ اپنی اپنی عزت محسوس کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا قرآن واضح کر رہا ہے کہ!

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت اس کی ہے جو پرہیزگار زیادہ ہے۔

جس کو تقویٰ زیادہ حاصل ہے۔ جو اپنے نفس کی زیادہ خلاف ورزی کرتا ہے۔

جو شہوتوں کو چھوڑ کر رب کی چاہت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس بنیاد پر عزت کا بیان کر کے ہماری بہت سی بیماریوں کا علاج فرمایا ہے۔ سوسائٹی کے اندر جن وجوہات پر جھگڑے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سوسائٹی کا امن تہہ و بالا ہوتا ہے۔ اور جن اسباب کی وجہ سے ایک معاشرتی کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام اسباب کی وجہ سے وہ فتنہ کی آگ بھڑکتی ہے کہ ان چیزوں کو باعث عزت سمجھا جاتا ہے اور پھر اس کے مطابق ہر انسان اپنی عزت کے حصول کے لیے سرگرداں ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآنی سوچ کو جس وقت سامنے رکھا جائے گا تو پھر عزت کا مدار پرہیزگاری ہے تو ہر بندہ اپنی پرہیزگاری کی طرف متوجہ ہوگا۔ نیکی کی طرف متوجہ ہوگا۔

اب اس میں اس کی کسی کے ساتھ کوئی چپقلش نہیں ہو گی۔ کوئی الجھاؤ نہیں ہو گا۔ اپنے دل کی صفائی کی طرف انسان متوجہ رہے گا اور جس وقت وہ یہ سمجھتا ہے کہ عزت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ سے عزت کوئی چھین نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور یہ عزت اس وقت حاصل کی جا سکتی ہے جب اس کو راضی کیا جائے۔

تو اس بنیاد پر معاشرے کے فتنے اور معاشرے کے فساد خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ لڑائیوں کی وجوہات ختم ہو جاتی ہیں۔ اور جو جعلی عزتوں کے دھندے ہیں ان سے بندہ نکل جاتا ہے۔ ہر بندہ اپنی اصلاح پر توجہ دیتا ہے۔ ہر بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق مصروف کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا مقرب بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف سے عزتیں بھی عطا فرما دیتا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پہ تاریخی خطبہ:

اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کا خطبہ بڑا تاریخی خطبہ ہے۔ جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر دیا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ وَسْطِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاَلَا اِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ

اے لوگو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ حضرت آدم

السلام ایک ہے۔ تم ایک رب کے بندے ہو اور ایک باپ کے

بیٹے ہو۔

اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِي

کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ

کسی سیاہ رنگ والے کو سرخ والے پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی سرخ رنگ والے کو سیاہ رنگ والے پر کوئی فضیلت نہیں۔

اِلَّا بِالتَّقْوٰی

(الدر المنثور، سورۃ الحجرات، الجزء السادس والعشرون، ج: ۷، ص: ۵۷۹، دار الفکر بیروت)

اگر فضیلت ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

اگر سیاہ رنگ والا پرہیزگار ہے تو اللہ کے نزدیک وہ عزت والا ہے۔

اگر سرخ رنگ والا اپنے نفس کا پجاری بن چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف توجہ نہیں دیتا وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو، اس کا کتنا ہی اچھا رنگ کیوں نہ ہو۔ ہمارے آقا علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اس شخص کی کوئی عزت نہیں ہے۔

عزت کا مدار یہ ہے کہ!

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

اللہ کے نزدیک جو عزت ہے۔ وہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ تمہارے اندر پرہیزگاری کتنی ہے۔ دل کی نرمی کتنی ہے اور دل میں دین کا اثر کتنا ہے اسی میرٹ پر عزتوں کے تاج بٹتے ہیں۔

آج اپنے آپ کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ جس وقت ہمارے معیار بدلتے گئے اور عزت کے لحاظ سے اطوار بدلتے گئے۔ تو ذلت ورسوائی ہمارا مقدر بنتی گئی۔ آج انسان جس وقت دیکھتا ہے کہ اس کے بچوں کا یہ تقاضا تھا کہ ہمارے پڑوسی کے پاس یہ خرافات ہیں تو ہماری بھی ایسی خرافات ہونی چاہییں۔

فلاں کی اولاد نام نہاد روشن خیالی کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔ تو ہمیں بھی ویسا ہی افرنگی دوکانوں کا کھلونا بننا چاہیے۔

یہ سوسائٹی میں ایک دوڑ لگی ہوئی ہے اور یہ معاشرے میں دوڑ لگی ہوئی ہے اور ہر شخص عزت وہاں سے لینا چاہتا ہے۔ جہاں سوائے ذلت کے کچھ نہیں ہے۔ مغرب کی دوکانوں پر اور افرنگ کے سٹور پر عزت نہیں ملتی۔ بلکہ عزت گنبد خضریٰ کی ہریالیوں سے ملتی ہے اور عزت کعبہ کے نور سے ملتی ہے۔

آج جس وقت عزت کے حصول کے لیے لوگ حرم کا رستہ چھوڑ کر کسی صنم کدے کی طرف جاتے ہیں یا اسلام اور سنت کا رستہ چھوڑ کر کسی نام نہاد کلچر کی طرف جاتے ہیں۔ اگر عزت کے حصول کے لیے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر غیروں کے بتائے ہوئے طریقوں کی طرف قوم جاتی ہے تو ہمیں قرآن اور رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان سبق دے رہا ہے کہ عزت ان جگہوں سے نہیں ملتی۔ عزت رسول اکرم ﷺ کے طریقے کو اپنانے سے ملتی ہے اور یہ وہ طریقہ ہے۔ جہاں چشم فلک نے دیکھا اس زمین کے اوپر وہ لوگ جن کی حیثیت نہ تھی۔ جو بکتے بکاتے آئے تھے۔ غلام تھے مگر انہوں نے اسلام کا جھنڈا اٹھالیا تو وہ عزت والے بن گئے۔

دنیا میں بھی ان کی عزت کو محسوس کیا گیا۔ان کے سامنے حکومتیں سرنگوں ہو گئیں اور ان کی عزت اتنی بڑھ گئی کہ دنیا کے بادشاہوں کے تخت اور تاج ان کے قدموں کے نیچے آ گئے۔

خشیت الٰہی عزت کا سبب:

اس واسطے کہ انہوں نے عزت کی بھیک کسی بندے سے نہیں مانگی اور عزت کی بھیک کسی حکومت سے نہیں مانگی اور عزت کی بھیک دنیاوی قانون سے نہیں مانگی۔جس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عزت کے حصول کے لیے رسول اکرم ﷺ کے دروازے پہ آ کے بیٹھ گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا پسند کر لیا ہے کہ آپ نے ان کو وہ رعب دیا اور وہ طاقت دی اور وہ وقار دیا۔جس کی وجہ سے سپر طاقتیں ان کے آگے سرنگوں ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان فقیروں کو دنیا کے اندر امیری کے تاج عطا فرما دیے۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہمارے ہر وقت پیش نظر رہنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَرَّهَا اَنْ يَكُوْنَ اَكْرَمَ النَّاسِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

(البحر المحیط، سورۃ الحجرات آیت (وجعلنا لکم شعوبا) ج:۹، ص:۵۲۳، دار الفکر بیروت)

بندے کو یہ اچھا لگتا ہے کہ میری عزت سب سے بڑھ جائے اور مجھے اللہ تعالیٰ تمام لوگوں میں سے زیادہ عزت عطا فرما دے تو اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

جس وقت انسان کے اندر تکبر آتا ہے غرور آتا ہے تو پھر اس کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔جب عاجزی آتی ہے اور اس کے اندر خلوص پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی

عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

عمومی طور پر آج عزت چاہنے والا تکبر کی نیت سے چاہتا ہے۔

عزت چاہنے والا اپنی بڑائی کے لیے عزت چاہتا ہے اور یہی بنیادی غلطی ہے۔ شریعت مطہرہ میں عزت بڑائی کے لیے نہیں، عزت تکبر کے لیے نہیں۔ بلکہ جوں جوں کسی کی اللہ کی طرف سے عزت آتی ہے۔توں توں اس کا سر جھکتا چلا جاتا ہے۔اس کے اندر عاجزی آتی ہے اس کے اندر انکساری آتی ہے۔

لہٰذا دنیا کی عزت اور شرعی اصول کے مطابق عزت کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ آج عزت کے حصول کے لیے کوئی کہتا ہے کہ میرے پاس اقتدار ہو۔میرے پاس پیسہ زیادہ ہو۔میرے پاس کوٹھی ہو اور بنگلہ ہو، اور کار ہو، تاکہ میں لوگوں کو بتا سکوں کہ میرے پاس بھی کچھ ہے تاکہ میں عام نادار لوگوں پر اپنی بڑائی کو ثابت کر سکوں اپنی برتری کو ظاہر کر سکوں یہ وہ انداز ہے جو مردود انداز ہے۔

شریعت مطہرہ میں جس کو مسترد کر دیا گیا ہے۔شریعت مطہرہ میں عزت کا سبب تواضع کو قرار دیا گیا ہے کہ اسی کی عزت ہو گی جو تواضع والا ہو گا اور انکساری والا ہو گا اور عاجزی والا ہو گا۔

لہٰذا دنیاوی نکتہ نظر سے جو کوئی عزت چاہتا ہے۔وہ عزت تو اسلام میں مطلوب ہی نہیں ہے۔ہم جس عزت کی بات کر رہے ہیں۔یہ وہ عزت ہے کہ جوں جوں ایک بندے کو اللہ تعالیٰ بڑی کرسی دیتا ہے۔بڑا مقام اور بڑا منصب دیتا ہے۔تو وہ خود لوگوں پر اپنی بڑائی کا اظہار نہیں کرتا وہ لوگوں کے سامنے متکبر نہیں بنتا۔وہ عاجز مزاج بنتا چلا جاتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دی ہے اور وہ لوگوں سے خود

اپنی عزت کا تقاضا نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دل اس کی طرف جھکا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کسی نمرود یا فرعون کی طرف لوگوں کو متوجہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتا ہے تو پھر اس شریعت مطہرہ کی روشنی میں عزت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دی ہوئی محبوبیت ہے۔ جو محبوبیت وہ اپنے بندے کو عطا فرما دیتا ہے۔

اب اس محبوبیت کے لیے دنیاوی تصنع کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی یہ عزت اللہ تعالیٰ کے دینے سے جلوہ گر ہوتی ہے۔ صرف عزت والے نے اللہ تعالیٰ کا شکر برقرار رکھنا ہے۔ وہ شکر ادا کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دی ہوئی عزت باقی بھی رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر لحہ اس کی عزتوں میں اضافہ فرما دیتا ہے۔

عزت کا حقیقی معیار:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ

(صحیح مسلم شریف، کتاب البر والصلوۃ، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ، ج: ۲، ص: ۳۱۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

عزت کے معیار کو سمجھنے کے لیے یہ حدیث سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اگر انسان اپنی برتری اپنے رنگ میں سمجھتا ہے اور اپنے مال میں سمجھتا ہے اور یہ

کہتا ہے کہ چونکہ میرے پاس مال زیادہ ہے تو میں عزت والا ہوں۔

یا میرا رنگ اچھا ہے تو میں عزت والا ہوں۔

سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں عزت اس چیز میں ہو گی۔ جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے گا اور جو رب کی نگاہ کے نیچے ہو گی۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی نگاہ ہو گی وہ چیز قابل عزت ہو گی۔

تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے رنگ کو نہیں دیکھتا اور اللہ تعالیٰ تمہارے مال کو بھی نہیں دیکھتا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہر چیز وہ دیکھ رہا ہے۔ یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ شفقت کرنا اور پیار کرنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے رنگ سے بھی کوئی پیار نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے مال سے بھی کوئی پیار نہیں ہے۔ تو جو چیز اللہ تعالیٰ کے پیار کی داعی نہیں بن سکتی۔ وہ عزت کیسے ہو سکتی ہے تو اس بنیاد پر فرمایا کہ!

جب اللہ تعالیٰ تمہارے مال کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا اور تمہارے رنگ کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا تو پھر یہ سمجھ لو کہ نہ مرکز عزت مال ہے اور نہ ہی مرکز عزت جان ہے اور نہ ہی مرکز عزت رنگ ہے۔

اللہ تعالیٰ کس بنیاد پر اپنے بندے سے پیار کرتا ہے۔ تو وہ اپنے بندے کے دل کو دیکھتا ہے۔ جس کا دل نیکی سے بھرا ہوا ہے اور جس کا دل خواہشات سے خالی ہے اور جس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھر چکا ہے۔

سید عالم ﷺ کے عشق سے معمور ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان دلوں کی طرف دیکھنے والا

ہے اور جس نے جتنا اپنے دل کو ستھرا کر لیا تو اس کو اللہ تعالیٰ اتنی زیادہ عزت عطا فرمائے گا۔ تو پتہ چلا کہ یہاں عزت کے حصول کے لیے کسی اچھے سوٹ کی ضرورت نہیں ہے اور کسی اچھے بود و باش کی ضرورت نہیں ہے۔

یہاں تو عزت کے حصول کے لیے دل کی تعمیر کی ضرورت ہے۔ دل کی اچھی اصلاح کی ضرورت ہے اور حدود دل سے ہر بدی کے کانٹے کو کاٹنے کی ضرورت ہے۔ عمومی طور پر انسان نے عزت جن چیزوں میں سمجھ لی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اس کو مسترد فرما رہے ہیں۔

اگر تم اپنی عزت یا کسی کی عزت کپڑوں کی وجہ سے کرتے ہو یا اس کی کرسی کی وجہ سے کرتے ہو یا اس کے مال اور پیسے کی وجہ سے کرتے ہو تو یہ جھوٹی اور جعلی عزت ہے۔ عزت کرنی ہے تو نیکی کی بنیاد پہ کرنی ہے۔ اگر وہ فقیر کٹیا میں بیٹھا ہوا ہے۔ مگر اس کا دل اللہ تعالیٰ کے جلوؤں سے بھرا ہوا ہے۔ کہ جس بادشاہ کا دل کھنڈر ہے دل ویران ہے اور دل کے اندر شیطانی خواہش ہے اور دل کے اندر وسوسے ہیں اور وہ بیٹھا بہت بڑے کاشانے میں ہے۔

ہمارے محبوب علیہ السلام نے قیامت تک کے لیے فقر غیور اور عزتوں کی تقسیم کرتے ہوئے فرمادیا کہ کبھی بھی ایسے معاملے میں بھٹکنے میں نہ چلے جانا اور غلطی نہ کھا جانا یہ حقیقت میں عزت ہے کہ انسان کا دل عزت والا ہو اور انسان کے دل میں نیکی کا میلان اور نیکی کی پاور موجود ہو۔ کیونکہ وہ چیز سر فہرست ہوگی۔ جو رب کو منظور ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اللہ تعالیٰ کو ظاہر رنگ پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مال

پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو دل پسند ہے اور عمل پسند ہے۔ تو پتہ چلا کہ معیار عزت عمل ہے اور معیار عزت بندے کے دل کی صلاحیت ہے اور دل کی کیفیت ہے۔

آج یہ ماحول جس میں رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنتوں کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ آج فکری آپریشن کی بھی ضرورت ہے۔ انسان کی سوچ اگر صحیح ہو جائے۔ تو پھر سارے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔

پس نخستیں بایدت تطہیر فکر
بعد ازاں آساں شود تعمیر فکر

سب سے پہلے فکر کی تطہیر ضروری ہے اور پھر اس کی تعمیر کی جاتی ہے۔

اگر انسان کی سوچ عزت کے معاملے میں غلط ہو چکی ہے تو اس کو سجدہ سہو کرتے ہوئے اپنی سوچ کو صحیح کرنا چاہیے۔ جب عزت کے معاملے میں سوچ صحیح نہیں ہوگی۔ تب وہ بے عزتی کو عزت سمجھتا رہے گا اور عزت کو بے عزتی سمجھتا رہے گا۔ ذلت کو عزت اور عزت کو ذلت سمجھنا اس سے اور بڑی حماقت کیا ہو سکتی ہے۔

اس واسطے میرے بھائیو! قرآن و سنت کے اس پیغام کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہوئے۔ جو حقیقی عزت ہے۔ جو رب ذوالجلال کے دربار سے ملتی ہے۔ جو گنبد خضریٰ کی ہریالیوں میں ملتی ہے۔ اس عزت کی طرف ہمیں متوجہ ہونا ہے۔ اس کو عزت سمجھنا ہے اور جو زمانے کی ذلت ہے اور جس کو آج جعلی طور پر عزت کہا جاتا ہے۔ اس کو وہ ذلت سمجھتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس نے عزتیں اپنے پاس رکھی ہوئی ہیں اور اس لئے نہیں کہ وہ کسی کو

دے گا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس عزتیں اس لئے ہیں اور اس نے خود واضح کر دیا ہے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ

(سورۃ آل عمران' پارہ نمبر ۳' آیت نمبر ۲۶)

جسے چاہتا ہے ذلت بھی وہی دیتا ہے اور عزت بھی وہی دیتا ہے۔ تو جو اس کا جتنا مطیع بن جائے گا اور جتنا فرمانبردار بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے عزتوں کے تاج عطا فرمائے گا۔

تمام عزتوں کا مالک اللہ تعالیٰ:

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی چند آیات میں تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔
جس میں پہلے یہ ثابت ہوگا کہ عزت ساری رب ذوالجلال کے پاس ہے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

میرے نبی کافروں کی باتیں تمہیں غم میں نہ ڈالیں اس لئے کہ عزت ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اب جس وقت رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کا پیغام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ مشرکین مکہ آپ کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور آپ کی عزت اور حیثیت کے خلاف بولتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو اور بعض کہتے ہیں کہ تم کاہن ہو تم شاعر اور تم مجنوں ہو۔ اس طرح کی باتیں وہ جس وقت کرتے ہیں تو رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کیسے دلاسا دیتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ

میرے نبی ان کی باتیں تمہیں غم میں نہ ڈالیں اور یہ جو آپ کے منصب کی نفی کرتے ہیں ان کے کہنے سے کیا بنے گا۔

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

(سورہ یونس، پارہ نمبر ۱۱، آیت نمبر ۶۵)

بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

عزت رب دینے والا ہے جس نے آپ کو رسول بنایا ہے۔ اس رب نے تجھے خاتم النبیین بنایا ہے۔ اس رب نے تمہیں رحمۃ اللعالمین بنایا ہے۔ اس رب نے تجھے صاحب مقام محمود بنایا ہے۔ اس رب نے تمہارے ہاتھ میں جنت کی چابی دی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ یہ واضح کر رہا ہے کہ دنیا کے کہنے والوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جس کے ساتھ رب راضی ہے۔ سب کچھ اس کو میسر ہے۔ جس کے اوپر رب مہربان ہے۔ سب کچھ اس کو حاصل ہے۔ تو اب احکام پر امت مسلمہ کے لیے کیا سبق بنا۔

تمہارے دشمن ہندوں ہوں یا عیسائی ہوں یا یہودی ہو یا سکھ ہوں۔ جس وقت وہ تمہاری عظمتوں کا اعتراف نہیں کرتے۔ جس وقت وہ تمہارے یقین کے خلاف بولتے ہیں۔ معاذ اللہ تمہیں وہ کمینہ کہیں یا ذلیل کہیں اور تمہارے خلاف باتیں کریں تمہاری عزت اچھالنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

جو میرا بندہ ہے اسے کافروں کی باتوں سے غم نہیں ہونا چاہیے۔ جو میرا بندہ ہے۔ اس کو انگریز کے حملوں سے تکلیف نہیں ہونی چاہیے اور اس کو پریشان نہیں ہونا چاہیے

کیوں؟

اس واسطے کہ ساری عزتیں تمہارے رب کے پاس ہیں۔ عزتیں واشنگٹن میں تقسیم نہیں ہوتیں اور عزتیں برطانیہ میں تقسیم نہیں ہوتیں۔ عزتیں وائٹ ہاؤس میں تقسیم نہیں ہوتی۔ عزتیں دنیا کے درباروں میں تقسیم نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا سن لو۔

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب کر کے یہ بتادیا کہ کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے رب تو ساری کائنات کا رب ہے۔ مگر ولی کے لفظ میں پیار کی بات موجود ہے میں اپنے بندوں کا مولیٰ ہوں اور انہیں عزتیں دینے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے بظاہر یہ جملے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرمائے اور پھر آپ کے ذریعے ساری امت کو اس بات کی طرف متوجہ کر دیا کہ غیروں کے شکووں پر اور ان کے طعنوں پر کبھی بھی دین کے معاملے میں شک کے مریض نہ بن جانا تمہارا دین عزت والا دین ہے اور تمہارا دین وقار والا دین ہے۔

یہود ونصاریٰ کو یٰاَیُّهَا الْمَسَاکِیْنَ سے خطاب:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے جب بھی عیسائیوں کو انجیل کے اندر خطاب کیا اور جب بھی یہودیوں کو تورات کے اندر خطاب کیا بالخصوص تورات کے اندر یہودیت کو جب بھی

اللہ تعالیٰ نے آواز دی ہے تو ان کو (یاایھا المساکین) کہہ کے پکارا ہے۔

امت محمدیہ کو یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب:

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مسکین کہہ کے نہیں پکارا۔ بلکہ قرآن مجید میں 88 مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اپنا نام عطا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اے ایمان والو! اے مومنو

جبکہ مؤمن تو اللہ تعالیٰ کا اپنا نام ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ

(سورۃ الحشر، پارہ نمبر ۲۸، آیت نمبر ۲۳)

وہ مومن ہے، وہ مہیمن ہے۔

تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کیا وقار دیا ہے اور اس امت کو کیا عزت دی ہے۔ دوسروں کو اللہ تعالیٰ پکارے تو انہیں مسکین کہہ کر پکارے کہ تم مسکین ہو مگر اس امت کو جس وقت پکارتا ہے تو اپنے نام سے پکارتا ہے۔ مومن کہہ کر پکارتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو رب دنیا میں ہمیں اپنا نام دے رہا ہے تو امید کی جاتی ہے کہ حشر میں بھی معاملہ اچھا فرمائے گا۔ اگر آج عزت سے پکارتا ہے اور دنیا میں

عزت سے پکارتا ہے اور عزت والا نام دے کر اللہ تعالیٰ آواز دے رہا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے غلاموں کو حشر میں بھی عزتوں کے تاج عطا فرمائے گا۔

منافقین کو دردناک عذاب کی بشارت:

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا

(سورۃ النساء پارہ نمبر ۵ آیت نمبر: ۱۳۸)

میرے نبی ﷺ آپ منافقین کو بشارت دے دیں کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے منافقین کون لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

منافقین وہ ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ نہیں بیٹھتے اور مسلمانوں کو چھوڑ کے کافروں کے پاس چلے جاتے ہیں

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ

کیا یہ ان لوگوں کے پاس عزت لینے جاتے ہیں۔ تو سن لو۔

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

(سورۃ النساء پارہ نمبر ۵ آیت نمبر: ۱۳۸، ۱۳۹)

بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اب دیکھنا قرآن مجید میں دو چیزوں کا انداز جدا جدا ہے۔

مثلاً جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ عبادت ساری اللہ کی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ کے سوا کسی کی کوئی عبادت نہیں ہے۔ نہ عطائی اور نہ مجازی کسی لحاظ سے

دوسرے کی کوئی عبادت نہیں ہے۔ عبادت اللہ تعالیٰ پر بند ہے۔ وہی معبود حقیقی ہے۔ اس کے سوا کسی کی کوئی عبادت نہیں ہے۔

مگر جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ عزت ساری اللہ کی ہے تو اس کا عبادت والا مفہوم نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عزت صرف اللہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اگر کسی کی ہوگی تو شرک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو دی جائے گی تو معاذ اللہ کفر ہو جائے گا۔ نہیں نہیں عزت ساری اللہ تعالیٰ کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دیئے بغیر کسی کو نہیں ملتی۔ وہ دیتا ہے تو ملتی ہے ورنہ کسی کو عزت نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ کی عزت کا مطلب یہ بنا کہ وہ خود عزت والا ہے اور پھر عزت آگے بانٹتا بھی ہے۔ یہ عبادت کی طرح کا معاملہ نہیں ہے کہ وہ خود تو معبود ہے مگر اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ لیکن عزت کے لحاظ سے مسئلہ یہ ہے کہ وہ خود عزت والا ہے اور عزتیں بانٹتا بھی ہے اور جس وقت کہا جاتا ہے۔

فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا

بے شک عزت ساری اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اگر کوئی عزت پانا چاہتا ہے۔ کبھی بھی نہیں پا سکے گا وہ ذلیل و رسوا تو ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ عزیز نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ساری عزتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزتیں دیتا ہے اور دلواتا بھی اپنوں سے ہیں اور ملتی بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے پاس سے ہے۔

اس واسطے اللہ تعالیٰ کو منافقین پر غصہ آ گیا اور فرمایا انہوں نے اگر عزت لینی ہے تو چلے جاتے ہیں ابوجہل کے پاس اور وہاں جا کر بیٹھتے ہیں۔ عتبہ اور شیبہ کے پاس جا کر

بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی چودھراہٹ کی چمک سے ہمیں بھی چمک ملے گی اور ہمیں بھی عزت ملے گی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ان منافقوں کی سوچ غلط ہے عزت ابو جہل کے ڈیرے سے نہیں ملتی۔ عزت حضرت محمد ﷺ کے آستانے سے ملتی ہے۔ عزت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھرانے سے ملتی ہے۔ عزت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دہلیز سے ملتی ہے۔ عزت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر سے ملتی ہے۔ عزت حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی محفل سے ملتی ہے۔

تو اب اللہ تعالیٰ نے عزت کے حصول کے جو ذرائع تھے وہ واضح فرما دیے ہیں اور یہ فرمایا کہ وہ منافق ہیں جو کافر سے عزت چاہتا ہے۔ جو کافر کے ساتھ لگ کے اپنی حیثیت بڑھانا چاہتا ہے۔ جو کافر سے دوستی بنا کر اپنے آپ کو غالب کرنا چاہتا ہے۔ تو کبھی بھی اس کو عزت نہیں ملے گی۔ کیونکہ عزت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور وہ رکھتا اپنے بندوں کے پاس ہے۔ عزت تقسیم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے منتخب کیے ہوئے ہیں۔ لہذا منافقین کو جھڑکی دی گئی کہ تم عزت چاہتے وقت ان کے پاس جاتے ہو جو اللہ کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو عزت نہیں دیتا۔ تو ان کے پاس جانے والوں کو عزت کیسے ملے گی۔

اللہ تعالیٰ عزت اپنے محبوبوں کو دیتا ہے اور اپنے پیاروں کو دیتا ہے۔ تو عزت کے حصول کے لیے اگر تم نے جانا ہے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے پاس جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے پاس جو بندہ پہنچتا ہے۔ جاتے وقت اس کی حیثیت

نارمل ہوتی ہے۔ لیکن جب قرب خاص میں پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لاکھوں کروڑوں سے بھاری عزتیں عطا فرما دیتا ہے۔

قرآن مجید نے اس اسلوب کو تفصیل کے ساتھ اس وقت بیان کیا کہ جب منافقین ایک جنگ سے واپس آرہے تھے اور کہنے لگے

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ

اگر ہم مدینہ شریف واپس چلے گئے تو ہم عزت والے ذلیلوں کو مدینہ شریف سے باہر نکالیں گے۔ (معاذاللہ)

منافقین نے اپنے آپ کو عزت والا قرار دیا اور ہمارے آقا ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہوں نے ذلیل کا لفظ بولا۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا۔

عزت اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ اور مومنین کے لیے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

(سورۃ المنافقون پارہ نمبر ۲۸ آیت نمبر ۸)

عزت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کے رسول ﷺ کی ہے اور عزت سارے مومنین کی ہے۔ لیکن منافقوں کو پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزتیں کس کس کو عطا فرمائی ہیں۔ اسی واسطے آج کے اس ماحول کے اندر انفرادی اور اجتماعی طور پر عزت اسے سمجھا جا رہا ہے۔ جو عزت نہیں ہے اور جو عزت ہے اس سے آج انسان بھاگتا جا رہا ہے۔ اور اس کو چھوڑتا جا رہا ہے۔

تو ہمیں پلٹ کر اپنی اصلاح کرتے وقت عزت کے حصول کے جو ذرائع ہیں ان

کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر واضح کیا کہ عزت کے حصول کا طریقہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر عزت نہیں مل سکتی۔ تو ہمیں اپنی عزت کے اندر وہ عوامل بروئے کار لانے ہیں کہ جن میں تقوی والی صورت موجود ہو اور تقویٰ کا رنگ موجود ہو۔

بہترین انسان کی علامات:

رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان ابن کثیر میں موجود ہے۔

رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔ تو آپ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ:

اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ

لوگوں میں سے سب سے بہتر کون ہے۔

اس کا یہ مطلب ہوگا کہ عزت کس کی زیادہ ہے۔ سوسائٹی میں وقار کس کا زیادہ ہے۔

پہلی علامت: اچھے طریقے سے قرآن پڑھنا:

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

خَیْرُ النَّاسِ اَقْرَءُ هُمْ وَاَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

تم میں سب سے بہترین وہ ہے جس کو قرآن زیادہ آتا ہے۔ جس کو قرآن مجید کا علم زیادہ ہے۔ جو بندہ قرآن مجید اچھے طریقے سے پڑھتا ہے۔

یہ تم میں بڑا عزت والا ہے۔

دوسری علامت: اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔

اَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

جو بندہ سب سے زیادہ رب سے ڈرتا ہو اس کی عزت زیادہ ہے۔

اب اس سے پتہ چلا جو عزت بندے کو مست بنائے اور جس کی وجہ سے بندہ گھمنڈ میں آجائے اور وہ تکبر کرے وہ تو اسلامی عزت نہیں ہے۔

چونکہ اسلامی عزت کا جو معیار ہے وہ یہ ہی ہے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا رہے اور پھر ارشاد فرمایا:

تیسری علامت: نیکی کا حکم دینا

آمرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ اَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

جو بندہ سوسائٹی میں نیکی کا حکم زیادہ دیتا ہے اور نیکی زیادہ پھیلاتا ہے۔ نیکی کی طرف لوگوں کو زیادہ متوجہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ بندہ زیادہ عزت والا ہے۔ آج ہر انسان یہ کہتا ہے کہ میں برائی سے کیوں منع کروں اگر میں کسی کو برا کہوں گا تو برا میرے خلاف ہو جائے گا۔ اگر میں کسی کو برائی سے روکوں گا۔ تو میرے خلاف نفرت پیدا ہو گی۔ لیکن شریعت مطہرہ میں عزت اس بندے کی ہے کہ جو تمہیں اچھائی کا پیغام دے گا اور جو زیادہ نیکی کی دعوت دے گا۔ وہ زیادہ عزت والا ہو گا۔

اور پھر ارشاد فرمایا:

چوتھی علامت: برائی سے روکنا:

اَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

جو شخص بدی سے زیادہ روکتا ہے اور بدی پر لوگوں کو متوجہ کرتا ہے اور متنبہ کرتا ہے

کہ یہ دیکھو فلاں بدی سوسائٹی میں آگئی ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔ جس وقت اچھائی کا حکم زیادہ دے اور برائی سے زیادہ روکے تو رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ وہ بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت کا زیادہ کوٹہ عطا فرمایا ہے۔

پانچویں علامت: صلہ رحمی کرنا:

ایسے ہی نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَاَوْصَلُهُمْ لِلرَّحِمِ

(تفسیر ابن کثیر سورۃ الحجرات زیر آیت "وجعلنا لکم شعوباً وقبائل" ج:۴ ص:۲۳۳ مکتبہ حقانیہ پشاور)

جو بندہ صلہ رحمی زیادہ کرتا ہو۔ اپنے رشتہ داروں کے لحاظ سے قطع رحمی نہ کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔

دل کا تقویٰ عزت کی علامت:

سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو زیادہ عزت عطا فرماتا ہے۔ ایک شخص جو رنگ کالا تھا حبشی تھا اور غلام بھی تھا۔ مگر جس وقت اس نے کلمہ پڑھا ہے تو اس کو شان کیا ملی ہے۔ فتح مکہ کا دن ہے۔ اب بڑے بڑے چوہدری یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ایک ماحول کے اندر سٹیٹس ہے۔ آج کعبۃ اللہ میں اذان پڑھنے کا وقت آرہا ہے۔ تو ہمیں یہ مرتبہ دیا جائے۔ چونکہ ہمارا خاندانی بیک گراؤنڈ بھی ہے۔ اور پس منظر بھی ہے۔ ہماری اس سلسلہ میں پرانی تاریخ بھی ہے۔ مگر جس وقت حرم کعبہ پر اذان پڑھنے کا وقت آتا ہے تو سید عالم ﷺ ایک غلام کو حکم دیتے ہیں۔ جو کعبہ کی چھت پہ چڑھ جاتا ہے۔

وہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پہ چڑھ کے اذان پڑھتے ہیں اور قیامت تک کے لیے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اسلام کے اندر عزتوں کا مدار یہ ہے اور یہ عزتوں کا طریقہ ہے۔ اور یہ ہے اسلام میں عزتوں کی وہ پگڑی کہ جس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ رنگ گورا ہے یا کالا ہے بندہ چھوٹا ہے یا بڑا ہے۔ وہ غلام ہے یا وہ امام ہے۔ اس چیز کو دیکھا جاتا ہے کہ اس کے دل میں تقویٰ کتنا ہے۔ دل میں پرہیز گاری کتنی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پہ:

درمنثور میں تفصیل سے موجود ہے کہ

لِمَا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ رَقَى بِلَالٌ

جس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ فتح مکہ والے دن کعبۃ اللہ پہ چڑھے۔

فَاَذَّنَ عَلَى الْكَعْبَةِ

پھر کعبہ کی چھت پر چڑھ کر جب آپ نے آذان پڑھی۔

فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ هٰذَا الْعَبْدُ الْاَسْوَدُ يُؤَذِّنُ عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ

(تفسیر الدر المنثور سورہ الحجرات "يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ" ج:۷ ص:۵۷۸ دار الفکر بیروت)

کچھ لوگوں کی زبان سے یہ نکل گیا کہ یہ کالے رنگ والا غلام کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا ہے اور اذانیں پڑھ رہا ہے۔ یہ اعزاز اس کو کیوں دیا گیا جب کچھ لوگوں نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ

(سورۃ الحجرات، پارہ نمبر ۲۶، آیت نمبر ۱۳)

اے لوگو ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے شعبے اور قبیلے بنائے تا کہ تم پہچانے جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والا وہ ہے۔ جو زیادہ متقی ہو۔

اے لوگو تم اپنے قبیلہ کو افضلیت کا سبب نہ بناؤ اپنے رنگ کو افضلیت کا سبب نہ بناؤ۔ اور اپنی نسل کو کسی افضلیت کا سبب نہ بناؤ۔

یہ ساری چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ صرف پہچان اور تعارف کے لیے ہیں۔ ترجیح اور فضیلت کس بنیاد پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فضیلت بندے کے دل کے تقویٰ کی وجہ سے ہے اور فضیلت پرہیزگاری کی وجہ سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت نازل کر کے ان لوگوں کا جواب دیا کہ تم میرے بلال کا کالا رنگ نہ دیکھو اور بلال غلامی والا ہے۔ اس کا پس منظر نہ دیکھو بلکہ ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کو بھیج کر غلاموں کو امام بنا دیا ہے۔ لہٰذا آج کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھنے کا شرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیا جا رہا ہے۔ اس میں بنیادی کردار اس کے دل کے تقویٰ کا ہے۔ جو تقویٰ اللہ تعالیٰ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل میں پیدا فرما دیا ہے۔

حضرات محترم! آج ہمارے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ جس انداز میں امت مسلمہ کے افکار کو بدلا جا رہا ہے اور اسلامی شعائر کو مٹایا جا رہا ہے۔ اسی انداز میں ہمارے بھرپور ردعمل کی ضرورت ہے۔ جن چیزوں کو اسلام نے ذلت قرار دیا تھا۔ ان چیزوں کو آج ہمارے سامنے عزت بنا کے پیش کیا جا رہا ہے اور جن چیزوں کو اسلام نے

عزت بنایا تھا۔ ان چیزوں کے بارے میں ذلت کے لفظ گھڑے جا رہے ہیں۔ تو ایسے معاشرے میں اس معیار کی تبدیلی آ جائے کہ کنوے کو مینار کہا جا رہا ہو اور مینار کو کنواں کہا جا رہا ہو اس معاشرے میں پھر حق پرستوں کی ذمہ داریاں پہلے سے بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اور ڈیوٹی پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

ہم نے اس انداز میں نسل نو تک اور اپنے بچوں تک اپنے دین کو پہنچانا ہے۔ جس سے ان کو واقعی پتہ چلے کہ عزت وہ ہے جو مدینہ شریف سے بٹتی ہے۔ عزت وہ ہے جو کلمہ شریف سے آتی ہے۔ عزت وہ ہے جو تقویٰ کے اندر ہے۔ تو پھر ہر شخص کے عمل کا معیار بھی بڑھے گا اور پھر معاشرے میں جو تناؤ اور کشمکش بنی ہوئی ہے۔ وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

دربار مصطفیٰ ﷺ سے عزت کا حصول:

اس عزت کے سبق کے حصول کے لیے سید عالم ﷺ کے دربار کی حاضری نہایت ضروری ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ایک دن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے معاذ جمعہ کے دن تم نظر نہیں آتے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہودی کا قرضہ دینا تھا۔ تو میں وہ قرضہ نہیں دے سکا۔ مجھے یہودی نے پکڑ لیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے مجھے روکے رکھا اور میں آپ کے ہاں حاضر نہ ہو سکا۔

اب دیکھنا کہ رسول اکرم ﷺ کے دربار سے عزتیں کیسے بٹتی ہیں۔ ان کے

باقاعدہ کورس بھی ہیں وظائف بھی اور دعائیں بھی ہیں۔

جس کی وجہ سے جو انسان معاشرتی طور پر گر چکا ہو۔ اسے عزت اور اٹھان جاتی ہے اور عروج ملتا ہے۔ آج جا بجا جس وقت معیشت کے مسائل بنے ہوئے ہیں اور بڑے بڑے لوگ قرضے کے بوجھ کے نیچے پس چکے ہیں۔

اس لحاظ سے ان کی عزتیں خاک میں ملتی جا رہی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں۔ اگر پہاڑ جتنا بھی قرضہ ہوگا تو وہ سارے کا سارا ختم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں دنیاوی لحاظ سے بھی بحال فرما دے گا۔

قرض سے نجات کا مجرب وظیفہ:

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَا اُعَلِّمُكَ دُعَاءً تَدْعُوْا بِهٖ فَلَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِنَ الدَّيْنِ مِثْلَ الثَّبِيْرِ اَدَّى اللّٰهُ عَنْكَ

(تفسیر الدر المنثور سورۃ آل عمران زیر آیت "قل اللھم ملک الملک" ج:۲، ص:۱۷۲، دار الفکر بیروت)

میں تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں جو دعا تم مانگو تو تمہارا قرضہ اتر جائے۔ اگرچہ وہ قرضہ ثبیر پہاڑ جتنا ہی کیوں نہ ہو۔

تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے وہ دعا سمجھا دیں۔

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم یہ پڑھا کرو۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔ تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

یہ الفاظ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو سکھائے اور فرمایا کہ اس کے ساتھ تم نے یہ کہنا ہے۔

رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهَا تُؤْتِی مَنْ تَشَآءُ مِنْهُمَا تَمْنَعُ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُمَا ارْحَمْنِی رَحْمَةً تُغْنِيْنِی بِهَا عَنْ رَحْمَةٍ مِّنْ سِوَاكَ۔ اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ وَاقْضِ عَنِّی الدَّيْنَ وَتَوَفَّنِیْ فِیْ عِبَادَتِكَ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِكَ

(تفسیر الدر المنثور سورۃ آل عمران زیر آیت "قل اللھم ملک الملک" ج:۲،ص:۱۸۲، دار الفکر بیروت)

یہ وہ پوری دعا ہے جو رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی اور فرمایا کہ اے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اگر تم یہ کلمات پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے قرضے اتار دے گا۔ اگر چہ وہ قرضے پہاڑوں جتنے ہوں۔ پھر بھی سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اتر جائیں گے۔

حضرت جثامہ رضی اللہ عنہ اور سنت مطہرہ کی پابندی:

اس گفتگو کے آخر میں ایک بار پھر سنت مطہرہ کی پابندی کی طرف آپ کی توجہ دلاؤں گا کہ اگر سنت ہے تو عزت ہے۔ اگر سنت نہیں ہے تو عزت نہیں ہے۔

حضرت جثامہ رضی اللہ عنہ جس وقت ہرقل کے دربار میں پہنچے تھے۔ کنز العمال میں ہے کہ ہرقل نے ان کو سونے کی کرسی پہ بٹھالیا تو فرماتے ہیں۔

جَلَسْتُ وَلَمْ اَدْرِ مَا تَحْتِیْ

میں بیٹھ تو گیا مگر مجھے پتہ نہیں تھا کہ کس چیز پہ بیٹھا ہوں۔

فَاِذَا تَحْتِیْ کُرْسِیٌّ مِنْ ذَھَبٍ

میں نے جب دیکھا تو وہ سونے کی کرسی پڑی تھی۔

نَزَلْتُ عَنْهُ

میں اٹھ کے کھڑا ہو گیا اور سونے کی کرسی کو میں نے چھوڑ دیا۔

تو ہرقل نے مسکرا کے پوچھا کہ

لِمَ نَزَلْتَ عَنْ ھٰذَا الَّذِیْ اَکْرَمْنَاكَ بِهٖ؟

جو کرسی ہم نے تمہاری عزت کے لیے رکھی تھی تم نے وہ کرسی کیوں چھوڑ دی۔

ہم نے تمہارے اعزاز میں وہ کرسی رکھی تھی تو حضرت جثامہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَنْھٰی عَنْ مِثْلِ ھٰذَا

(کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ٗ صرف الجیم جثامہ بن مساحق رضی اللہ عنہ ج:۱۳ ٗ ص:۳۶۸۸۲ ٗ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا کہ آپ نے سونے کی کرسی پہ بیٹھنے سے منع کیا تھا تو جس چیز سے سرکار منع کریں وہ عزت نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ وہ سونے کی کرسی ہو۔

اور دیکھیے حضرت جثامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ شریعت میں چونکہ سونے کی کرسی پہ بیٹھنا حرام ہے تو جو حرام ہو وہ عزت نہیں ہوتی۔ تو آپ اس سونے کی کرسی سے اٹھ کے کھڑے ہو گئے اور یہ واضح کیا کہ اس کو عزت نہیں کہتے جس کو زمانہ عزت کہتا ہو

ہم اس کو عزت کہتے ہیں۔ جس کو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام عزت کہتے ہوں۔

سید عالم ﷺ کے نزدیک جو عزت ہے۔ وہ ہمارے نزدیک بھی عزت ہے۔ خواہ وہ ٹوٹی ہوئی چٹائی ہو یا اینٹ کا سرہانہ ہو۔ خواہ وہ سفید زمین پر بیٹھ جاتا ہو۔ سرکار نے جس کو عزت قرار دیا وہ عزت ہے۔ اور جس کو سرکار نے عزت نہیں سمجھا اگر وہ سونے کی کرسی ہو وہ عزت نہیں ہے۔

معیار کے طور پر اس کو سامنے رکھیے اور اس ماحول میں بہادر انسان وہ ہے جو عزت کے وہ ضابطے سامنے رکھتا ہے۔ جو رسول اکرم ﷺ نے دیئے اس کے مقابلہ میں لوگ خواہ طعنے بھی کریں۔ تشنیع بھی کریں۔ سب کچھ برداشت کرتا ہے۔ مگر اپنے نبی علیہ السلام کے دین سے غداری نہیں کرتا۔ یہ وہ بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزتوں کے تاج عطا فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان امور پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر 7

قیمتی اوقات اور زرخیز لمحے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِبَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ٠
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ
(سورت الروم آیت نمبر ۱۸۔۱۷)
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا٥

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پر نور شافع یوم النشور دستگیر جہاں غمگسار زماں سید سروراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کے دربار گوہر بار میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

ارباب فکر ودانش اصحاب مودت ومحبت

محتشم حضرات وخواتین

ربّ ذوالجلال کے فضل اور اُسکی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے ساتویں پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

"قیمتی اوقات اور زرخیز لمحے"

میری دعا ہے خالق کائنات جل جلالہٗ ہم سب کو وقت کی قدر وقیمت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمارے اوقات کو ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ زرخیز بنائے۔

رمضان المبارک کے پر کیف لحات میں اور ان زرخیز لحات میں اس موضوع پر گفتگو سننے سنانے کا موقع مل رہا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور ہم سب کو فہم دین کا زیادہ سے زیادہ حصہ عطا فرمائے۔

ربّ ذوالجلال اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے اور ہر وقت اُسکی رحمتیں مخلوق پر برستی رہتی ہیں۔ مگر کچھ اوقات ایسے ہیں جن اوقات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو زیادہ قرب عطا فرماتا ہے۔

ہماری گفتگو کا مرکز ومحور ایسے اوقات کی نشاندہی ہے تا کہ ہمیں پتہ ہو کہ وہ کونسا وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں جھوم کے برستی ہیں تو اُن لمحات میں غفلت اور سُستی سے بچا جائے اور اُن میں بطور خاص اللہ تعالیٰ کے قرب کی کوشش کی جائے تا کہ زندگی بامقصد طریقے اور کامیاب طریقے سے گذر جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ اگر انعام کی گھڑی ہو اور اُس وقت انعام لینے والا اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے تو یقیناً وہ محروم ہو جائے گا اور اگر اُسے پہلے پتہ ہو کہ یہ وقت خاص حاضری کا وقت ہے اور خاص نوازشات کا وقت ہے تو یقیناً اُسے اُس وقت کا انتظار ہوگا اور اُس ٹائم میں اپنے آپ کو وہ تیار کر کے رکھے گا۔

اس واسطے اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنے بندوں پہ مہربان ہے لیکن کچھ اوقات اُس نے خاص کیے ہوئے ہیں اور اُن اوقات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خصوصی قرب عطا فرماتا ہے۔ اُن اوقات میں جو شخص معمولی سی بھی کوشش کر لے اُسے ضرور رحمت کا کچھ نہ کچھ حصہ میسر آ جاتا ہے اور اُس وقت کوئی شخص کسی گناہ میں مصروف ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا وہ انداز جو انعام والا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے بندے کو مجرم پائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کی جگہ عذاب ہو سکتا ہے۔

اس واسطے ہمارے لئے یہ سعادت ہے کہ قرآن مجید میں ہمارے لیے بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ کونسے خصوصی اوقات ہیں کہ جن میں خصوصی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ

پس اللہ تعالیٰ کی پاکی ہے شام کے وقت میں تم ہوتے ہو اور صبح جب تم کرتے ہو۔

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ کیلئے تعریف ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔

عَشِيًّا

اور جس وقت دن کا کچھ حصہ باقی رہ جائے۔

وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (سورۃ الروم، آیت ۱۷۔۱۸)

اور جس وقت تم ظہر کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ

اے میرے نبی ﷺ جو لوگ باتیں کر رہے ہیں آپ اُن پہ صبر کیجئے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

اور اپنے رب کی تسبیح کے ساتھ تعریف کیجئے۔

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ

سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ

اور رات کے وقت اپنے رب کی تسبیح بولو۔

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (سورۃ ق پارہ ۲۶ آیت نمبر ۴۰/۳۹)

اور سجدوں کے بعد، نمازوں کے بعد جو متصل اوقات ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے کچھ اوقات کی بطور خاص تعیین کی اور اس سلسلہ میں کچھ اوقات ایسے ہیں جو ایک دن کے بعد پھر لوٹ کے ہمارے پاس آجاتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ہفتہ

کے بعد لوٹ کے آتے ہیں اور کچھ اوقات ایسے ہیں جو سال کے بعد لوٹ کے پھر ہمارے پاس آتے ہیں۔ یعنی کچھ اوقات کی زرخیزی ایسی ہے کہ وہ دن رات کی کچھ گھڑیاں ہیں اور جس وقت اگلا دن آئے گا تو وہ گھڑیاں دوبارہ ہمارے پاس آجائیں گی کچھ لمحات ایسے ہیں کہ جب ہفتہ گذرے گا تو ہفتہ گذرنے کے بعد پھر ہمیں وہ وقت میسر آئے گا اور کچھ اوقات کیلئے ہمیں سال کا انتظار کرنا پڑے گا۔ جب اگلا سال آئے گا تو پھر وہ وقت ہمیں میسر آئے گا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کے دروازے کھلتے ہیں۔

ہر رات اجابت کی ایک ساعت

رسول اکرم ﷺ نے ہمارے لئے جن اوقات کی تعیین کی ہے اور اُن کو زرخیز بتایا ہے اس میں آپ کا فرمان ہمارے لئے اتنا روشن اور واضح ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ

اِنَّ فِی اللَّیْلِ لَسَاعَةً

ہر رات کے اندر ایک ایسی گھڑی ہے۔

کوئی رات اس بارے میں متعین نہیں ہے کہ وہ شب برات کے اندر ہو یا شب قدر کے اندر ہو بلکہ یہ ایک عمومی کوٹہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ رات کے اندر ایک گھڑی ہے۔

لَا یُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ یَسْاَلُ اللّٰهَ خَیْرًا مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ وَذَالِكَ كُلَّ لَیْلَةٍ (مشکوۃ شریف ص:۱۰۹)

(صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱، ص:۲۵۸)

قدیمی کتب خانہ کراچی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے رات کے اندر ایک ایسی گھڑی رکھی ہے وہ گھڑی اگر کسی بندے کو مل جائے تو اُس گھڑی میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو وہی کچھ عطا فرما دیتا ہے۔

یعنی اس میں نہ سال کا انتظار ہے۔ نہ مہینے کا انتظار ہے اور نہ ہفتے کا انتظار ہے۔ ہر رات کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک گھڑی ایسی رکھی ہے کہ اگر معین اُسی گھڑی کے اندر بندے کو موافقت میسر آجائے اور اُس گھڑی سے آگے پیچھے نہ ہو عین اُس وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے خواہ وہ دنیا کی بھلائی ہو یا آخرت کی بھلائی ہو اُس وقت جو انسان اپنے رب سے سوال کرے گا تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی ضمانت دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس بندے کی دعا کو قبول فرمائے گا اور جس چیز کا وہ سوال کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی چاہت کو مکمل فرما دے گا۔ باقی اس میں تعیین نہیں کہ وہ رات کی گھڑی کونسی ہے۔

جس طرح لیلۃ القدر کو مبہم رکھا گیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ اور راتوں میں بھی عبادت کرتے رہیں اور وہ بھروسہ نہ کر جائیں تکیہ نہ کر جائیں ایسے ہر رات کے اندر جو یہ گھڑی ہے اس میں بھی ابہام رکھا گیا تا کہ اُس گھڑی کی تلاش میں بندہ اُس سے پہلے بھی جاگتا رہے اور بعد میں بھی جاگتا رہے اگر ایک گھڑی کو معین کر دیا جائے تو پھر کوتاہی اور سستی کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اسواسطے اُس کو مبہم رکھا گیا۔

آسمان دنیا پر رب کا نزول اور رحمتوں کی بارش

لیکن محدثین نے اپنے تجربات اور مشاہدے کی روشنی میں بیان کیا ہے اور زیادہ رائے یہ ہے کہ وہ نصف لیل کی گھڑی ہے۔

جب رات آدھی ہو جاتی ہے اس وقت جو لمحہ ہوتا ہے وہ لمحہ خاص لمحہ ہے کہ جس لمحے اللہ تعالیٰ لوگوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ دنیا اور آخرت کے لحاظ سے کوئی بھی سوال کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے منگتے کو نا کام نہیں لوٹاتا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ضرور اُس کی جھولی کو معمور فرماتا ہے۔

اور پھر خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صدا آتی ہے اور یہ وہی انداز ہے جو شب برات یا لیلۃ القدر میں ہوتا ہے۔

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کُلَّ لَیْلَۃٍ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ (مشکوٰۃ شریف ص:۱۰۹)

ہر رات جس وقت رات کا تیسرا پہر ہوتا ہے تو اُس میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے یہ ایک عمومی رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات جس وقت اُس کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے آسمان دنیا پر اپنی شان اور قدرت کے لحاظ سے نزول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔

دعا، عطا اور بخشش کا اعلان

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل اعلان ہوتا ہے۔

مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبَ لَہٗ

کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اُس کی دعا کو قبول کروں یعنی جس نے دعا قبول کرنی ہے اُس کی طرف سے یہ اعلان ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

مَنْ يَسْئَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ

کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اُسکو عطا کروں۔

وہ مانگتا جائے اور میں اُس کو دیتا جاؤں۔

مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَلَهُ

(صحیح مسلم شریف کتاب صلوٰۃ مسافرین باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات ج:۱،ص:۲۵۸ قدیمی کتب خانہ کراچی)

کون ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے تو میں اُس کے گناہوں کو معاف کردوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل یہ اعلان ہوتا ہے رسول اکرم ﷺ نے اسواسطے اسکی تعیین فرمادی کہ اگر بندہ سے ہو سکے تو یہ وقت بیدار رہ کر گزارے۔ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت آواز دے رہی ہے اور اُسکی رحمت بندوں کے دروازوں تک پہنچ چکی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل جب انعام کا اعلان ہو رہا ہے تو ایسے میں بندے کو متوجہ ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے بھیک مانگی چاہیے اور پھر اس میں تعیین بھی نہیں ہے بلکہ ہر رات کے اندر اللہ تعالیٰ ایسا کرم بندوں پہ فرماتا ہے اور اپنے بندوں کی جھولیوں کو اجر عظیم سے معمور فرماتا ہے۔

اسکے علاوہ کچھ خاص راتیں ہیں جیسے لیلۃ القدر ہے اور شب برأت ہے شب برات کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خصوصی کوٹہ ہے۔

پندرہ شعبان اور قیمتی لمحے

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ

جب شعبان کی پندرھویں رات ہوتی ہے (ابن ماجہ، المعجم ۵، کتاب السنۃ ص ۲۵۵۹)

فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا

جب یہ رات آجائے تو سو کے رات نہ گذارو بلکہ اس رات کو قیام کرو اور اسکے بعد دن کو روزہ رکھو۔

اس میں اتنی زیادہ بندگی کی ضرورت کیوں ہے؟ سرکار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ ينزِلُ فِيهَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا

اس رات کے اندر جونہی سورج غروب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پہ جلوہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آواز دیتی ہیں اور آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور پھر اُسکی طرف سے مسلسل اعلان ہوتا ہے۔

اَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِي فَاَغْفِرَ لَهُ

کوئی ایسا ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں اُس کو مغفرت دے دوں اللہ تعالیٰ کی ذات مغفرت عطا کرنے کیلئے آچکی ہے اور خود پوچھ رہا ہے حالانکہ یہ تو منگتے کو چاہیے کہ وہ مسلسل دستک دیتا رہے اور منگتا مسلسل اپنی طرف سے اپیل کرتا رہے مگر وہ رب ہوکر اپنے بندے سے اتنا پیار کرتے ہوئے۔ یہ اعلان کرتا ہے کہ کوئی ایسا بندہ ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہے۔ تو میں اُسکے گناہوں کو معاف کر دوں۔

اَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقَهُ

ہے کوئی ایسا جو مجھ سے رزق مانگے تو میں اُسکو رزق دے دوں۔

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے دروازے کھل چکے ہیں اور اگر کوئی نہیں مانگتا تو پھر اُس کی اپنی غفلت ہے۔ اپنی سستی ہے اللہ تعالیٰ نے تو اس کی قدر بھی بیان کردی اور نبی علیہ السلام نے ٹائم کا معیار بھی بیان کر دیا۔

اور چاند کا طلوع ہونا اور سورج کا غروب ہونا اس میں ہمارے لئے تعیین بھی آ گئی کہ یہ بالیقین پندرھویں شب ہے۔اس میں یہ نہیں کہ قدر کی رات کی طرح کوئی ابہام رکھا گیا ہو۔اس میں تعیین کر دی گئی ہے کہ

شعبان کی پندرھویں رات کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اتنا راضی ہو چکا ہے۔

آج جو بھوکا ہو وہ مال دار بن جائے۔اللہ تعالیٰ جس رات کے اندر یہ اعلان فرماتا ہے وہ سال کے بعد آتی ہے اور اس کو برأت کی رات کہا جاتا ہے۔اس رات کے اندر لوگوں کو مالا مال کیا جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے۔

اَلَا مُبْتَلٍی فَا عَافِیَہٗ

ہے کوئی ایسا جو دکھ میں مبتلا ہو چکا ہو اور مصیبتوں میں تو میں اُس کو عافیت عطا فرما دوں جو غموں کی چکی کے نیچے پس رہا ہو تو میں اُسکو غموں سے نجات دینے کیلئے تیار ہوں۔جو مصائب کے بھنور میں پھنس چکا ہو تو میں اُس کو مصائب سے چھٹکارہ دینے کیلئے تیار ہوں جو مختلف مشکلات میں پھنس چکا ہو میں اُس کو امید اور نجات کے ساحل تک پہنچانے کیلئے تیار ہوں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل اعلان ہوتا ہے۔اگر ہمیں پتہ نہ چلتا تو کتنا خسارہ ہوتا یہ ہمارے آقا ﷺ کا ہم پہ احسان ہے کہ معیّن طور پر اس رات کو یوں بیان کیا ہے کہ جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اسکو مبہم نہیں چھوڑا معین طور پر اسکو بیان کر دیا کہ شعبان کی پندرھویں رات کا یہ کوٹہ ہے۔تو اُس رات کو بیدار رہ کر جاگ کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

کتنی بد نصیبی ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے اس رات کو متنازعہ رات بنادیا ہے۔ اس شب برات کے خلاف لکھتے ہیں اور اسکی حیثیت کو مبہم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ ابن ماجہ شریف میں پورا باب اس رات کے بارے میں ہے۔ جس میں رسول اکرم ﷺ کی مقدس احادیث موجود ہیں۔

اَلَا کَذَا اَلَا کَذَا حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ

(سنن ابن ماجہ ماجاء فی قیام شھر رمضان باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان ص:۹۹۔ المعجم۔ کتاب السنۃ، ص۲۵۵۹)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہوتا رہتا ہے یہاں تک فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ یعنی غروب آفتاب سے لیکر طلوع فجر تک ساری رات یہ اعلان ہوتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے یہ رحمت کا دروازہ کھول کے رکھتا ہے۔

اب یہ بندے پر ہے کہ وہ کتنا بیدار رہتا ہے اور کس قدر اپنے آپ کو رحمت کے حصول کیلئے تیار کرتا ہے۔ چونکہ رحمت کا کوٹہ ہو اور کرم کی بارش کا موسم ہو اور بندہ گھڑا الٹا رکھ لے اُس میں پانی کا کوئی قطرہ داخل نہیں ہوگا اور جو برتن سیدھا رکھے گا اُس میں بارش کا پانی ضرور داخل ہو جائے گا۔ جو اُن لمحات کے اندر غافل ہو کر سو جائے یا گپیں لگانا شروع کر دے یقیناً وہ بندہ محروم رہے گا لیکن جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے اُن کی معافی کیلئے اپنے رب سے درخواست کرے گا تو رسول اکرم ﷺ اپنی طرف سے ضمانت دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس بندے کی جھولی کو امید ہے ضرور معمور فرمائے گا۔

پندرہ شعبان اور جہنم سے آزادی کا پروانہ

اسی رات کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا تھا کہ یہ رات کیسی رات ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ بنی کلب کی بکریوں کے

بالوں سے زیادہ لوگوں کو جہنم سے آزاد کر کے جنت عطا فرماتا ہے۔ تو بنی کلب کی بکریاں بہت زیادہ تھیں اور پھر ان کے بال بہت زیادہ ہیں اور پھر ہر سال اتنے لوگوں کو جہنم سے بری کیا جاتا ہے تو یہ راتوں کے لحاظ سے خاص راتیں ہیں۔ جن کے اندر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ انھیں راتوں میں قدر کی رات ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (سورۃ القدر پارہ نمبر ۳۰ آیت نمبر ۳)

وہ رات ہزار مہینے سے بہتر ہے اور اس کو مبہم رکھا گیا ہے لیکن اتنی تعیین اکثر آثار میں آ گئی ہے کہ وہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہے اور آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے اور پھر سب سے زیادہ قرائن ستائیسویں شب کے بارے میں ہیں اور یہ اس لئے بھی قدر والی رات ہے کہ جس طرح وہ برات والی رات تھی برات کا معنٰی ہے چھٹکارہ، اس رات کو جہنمیوں کو جہنم سے چھٹکارہ دیا جاتا ہے اسواسطے شعبان کی پندرھویں کو شب برات کہا جاتا ہے مگر رمضان المبارک کی اس رات کو قدر کی رات کہا جاتا ہے مطلب کیا ہے کہ اس رات میں قدر والی کتاب قدر والے فرشتے کے ذریعے قدر والے نبی کے سینے پر اتری اور قدر والی امت کو وہ کتاب عطا کی گئی اور جو اس رات کو عبادت کرتا ہے اس کی قدر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو عظمتیں عطا فرماتا ہے۔

اسواسطے اسکی قدر کو پہچاننا چاہیے اور اسکی تلاش میں رسول اکرم ﷺ جس طرح کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ ہمیں بھی کمر بستہ ہو کر اس رات کا کھوج لگانا چاہیے تاکہ کسی نہ کسی بہانے اس قدر والی رات کی گھڑیاں ہمیں کسی نہ کسی بہانے میسر آ جائیں اور قدر والی رات کا خصوصی رحمتوں والا کوثہ جس کی برکتیں سارے سال کو محیط ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ

ہمیں بھی اپنے فضل سے وہ لمحات عطا فرمائے۔

بارہ ربیع الاوّل شریف اور پُر نور لمحے

ایسے ہی جن مقدس راتوں میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں برستی ہیں اُن میں وہ رات بڑی پیاری رات ہے جس رات کو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ جسے لیلۃ المیلاد کہا جاتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ شبِ قدر آج بھی برکت والی ہے اگر چہ اب تو اس میں قرآن نازل نہیں ہوگا۔ قرآن تو نازل ہو چکا جس کی وجہ سے اس رات کو قدر ملی۔ اس رات کو برکت ملی وہ ایک رات کا نزول قرآن ہے۔ ہر بار نیا قرآن نازل نہیں ہوتا۔ لیکن ایک بار جو نازل ہوا تھا اُس قرآن نے قیامت تک کیلئے اس رات کو برکت والا بنا دیا ہے اور اس رات کو ہزار مہینے سے برکت والا بنا دیا ہے۔

ایسے ہی وہ محبوب علیہ السلام جس رات میں جلوہ گر ہوئے وہ من وجہ قدر سے بھی افضل ہے اسواسطے کہ قدر میں نزول قرآن کی وجہ سے برکتیں ہیں اور فرشتوں کی آمد کی وجہ سے لیکن لیلۃ المیلاد میں وہ ذات آئی ہے جن کے سینے پہ قرآن نازل ہوا ہے۔ جن کی آمد کی وجہ سے قرآن ہمیں میسر آیا ہے۔ ایک وہ آقا پیدا ہوئے ہر سال پیدا نہیں ہوتے۔ جس طرح نزول قرآن ایک بار ہوا تھا تو ہمیشہ کیلئے یہ قدر کی رات برکتوں سے بھر گئی ہے ایسے ہی ایک رات جسمیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے تھے تو اُس نے ہمیشہ کیلئے اُس وقت کو برکتوں سے بھر دیا ہے۔

لہٰذا سال گذرنے کے بعد جب بھی وہ رات آتی ہے تو اُس رات کے اندر اتنی ہی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے جتنا اُس میں ہوا تھا کہ جس میں واقعی طور پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہوتی تھی۔ وہ لمحہ چونکہ کائنات میں سب سے بڑے انقلاب کا لمحہ ہے۔ سب

سے بڑی خوشبو کا لمحہ ہے اور سب سے بڑی روشنی کا لمحہ ہے اس واسطے اُس رات کو بھی بیدار رہنا چاہیے۔ اُس کی خوشی کا بھی اہتمام ہونا چاہیے اور اُس رات میں بھی اللہ تعالیٰ سے رحمتوں کا سوال کرنا چاہیے۔

رمضان المبارک کی آخری رات امت کی بخشش

اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں جھوم کر برستی ہیں۔

اور بندوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے پانی سے سیراب کر دیا جاتا ہے۔

ایسے ہی رسول اکرم ﷺ نے جن راتوں کا تذکرہ کیا اُن میں رجب کی پہلی رات بھی ہے اور رجب کی ستائیسویں رات بھی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف فرماتا ہے اور بالخصوص حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ

جب رمضان المبارک کی آخری رات ہوتی ہے تو اُس رات میں اس امت کو بخش دیا جاتا ہے۔

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ (مشکوۃ المصابیح ص،۱۷۴)

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ رمضان کی آخری رات لیلۃ القدر ہوتی ہے کہ جس میں ساری امت کو بخش دیا جاتا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری رات شب قدر نہیں ہے۔ شب قدر اس سے پہلے گذر چکی آخری رات میں کیا ہوتا ہے رسول اکرم ﷺ نے بڑا حسین جملہ ارشاد فرمایا:

لٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرُهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم ص:۱۷۴)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مزدور جس وقت مزدوری پوری کرتا ہے تو اُس کی اجرت بھی پوری کردی جاتی ہے۔

رمضان المبارک کی آخری رات جو بخشش کی رات ہے وہ اس لئے نہیں کہ قدر کی رات ہے۔ قدر کی رات گذر چکی لیکن آخری رات میں اللہ تعالیٰ نے بخشش اس لئے دی ہے اور نوازا اس لئے ہے کہ کام اُس نے پورا کرلیا ہے۔

ایک بندہ رب کے کہنے پر ڈیوٹی دے رہا تھا روزانہ بھوکا رہ کے روزہ رکھ کے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مزدوری کرر ہا تھا۔ آخری رات اُس بندے پر اللہ تعالی زیادہ خوش ہوگیا ہے اور اُس نے ساری امت کو معاف کردیا ہے اور مزدور نے اپنی طرف سے مزدوری پوری کردی ہے اور مالک نے اپنی طرف سے اجرت مکمل فرمادی ہے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ قیمتی راتیں

حضرات محترم کتنے رحمتوں کے میلے ہیں اور کس قدر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے رحمتوں کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ صرف بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص دو عید کی راتیں ہیں خواہ عید الاضحیٰ کی رات ہو یعنی عید سے پہلے کی رات اور خواہ عید الفطر سے پہلے کی رات ہو یہ دونوں راتیں نہایت ہی قیمتی راتیں ہیں۔ ہمارے ہاں ان راتوں کا تقدس پامال ہو رہا ہے ان راتوں کو گانے بجانے کی رات سمجھا جاتا ہے ان راتوں کو بے حیائی کی رات قرار دیا جاتا ہے۔ ان راتوں میں گپیں لگائی جاتی ہیں اور ان راتوں میں بہت سی خرافات کو داخل کردیا گیا ہے۔ جشن کا ایک سماں بنایا جاتا ہے اور اس کو میلہ قرار دیا جاتا ہے جبکہ ان راتوں کا معاملہ بڑا ہی حساس ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان راتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف خاص نظر رحمت فرماتا ہے۔ اب ذرا دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نظر رحمت کر رہا ہو اور بندے بازاروں

میں میوزک لگا کے بیٹھے ہوں، گانا بجانا ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کو اُن پر غصہ آئے گا کہ میں نے تو ان کے بھلے کیلئے راتیں بنائی ہیں تاکہ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں اور یہ لوگ کیسے ہیں کہ انھیں اپنا بھلا پسند ہی نہیں ہے اور اپنی بہتری کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اسواسطے یہ زرخیزی بیان کرنے کا ہم نے موضوع رکھا ہے تاکہ ان قیمتی لمحات کو بیان کردیں تاکہ کوئی غلط فہمی میں نہ رہے اور کسی کو کوئی الجھن نہ رہے اور ایسا نہ ہو کہ نقصان ہو جائے۔

اور پھر ہاتھ ملتا پھرے کہ میرے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔

سال کے بعد یہ دو راتیں آتی ہیں اور بہت کچھ دے جاتی ہیں اگر بندہ حفاظت کرے تو سال سے زیادہ دے جاتی ہیں پہلے سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگلے سال کیلئے برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری بھی ہے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کا بندے پر غضب کتنا زیادہ ہوگا اگر ان راتوں کو شیطان کے نام لگا دیا جائے اور اُن راتوں کو شیطانی کاموں میں مصروف کر دیا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت مواخذہ ہو سکتا ہے۔ گرفت سخت ہو سکتی ہے اور بندے کا کڑا حساب ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان تھوڑی سی توجہ کرے گا تو تھوڑی سی ان راتوں میں بندگی کرنے سے اللہ تعالیٰ ہزار نیکیوں سے زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

پانچ وقت کی حاضری اللہ کا انعام

ان راتوں کے علاوہ جو دن کے لمحات ہیں ان کی طرف بھی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ ہر دن انسان کیلئے قیمتی دن ہے اور پھر دن میں جو لمحات ہیں اُس میں سے سب سے مقدس وہ پانچ وقت ہیں جن پانچ وقتوں میں بندہ اپنے رب کو سجدہ کرتا ہے۔

دن کے یہ پانچ لمحات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے اوقات ہیں اور یہ اوقات وہ ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو ملاقات کا ٹائم دیا تھا۔ یہ پانچ

اوقات نبیوں کی رب سے ملاقات کے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ خاص شخصیات کیلئے خاص وقت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو خصوصی قبولیت کا وقت دیا کہ فجر سے پہلے تم نے ملاقات کرنی ہے پھر تم نے ظہر کے وقت مجھ سے ملاقات کرنی ہے۔ پھر عصر کے وقت تم نے ملاقات کرنی ہے پھر مغرب کے وقت تم نے مجھ سے ملاقات کرنی ہے اور پھر عشاء کے وقت ملاقات کرنی ہے۔

بڑی ذات کے ساتھ ملنے کا شوق بھی زیادہ ہوتا ہے اور ذوق زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کرم کرتے ہوئے اس امت پر ان کو دن میں پانچ مرتبہ ملاقات کا ٹائم دے دیا۔ کہ تم دن میں پانچ بار مجھ سے مل لیا کرو اور پھر وقت بھی وہ دیا جو انبیاء علیہم السلام کی ملاقات کا ہو یہ انبیاء علیہم السلام کا کوٹہ تھا۔ اُن کے بطور خاص یہ اوقات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو انبیاء علیہم السلام کیلئے ملاقات کا وقت متعین کیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بھی وہ اوقات ملاقات کے عطا فرما دیئے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رحمت کتنی ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی ہے

ایک چھوٹے سے دفتر میں ملاقات کا ٹائم لینا ہو تو بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ سب سے بڑا دربار اللہ تعالیٰ کا دربار ہے اور ٹائم بھی وہ ہے جو سب سے قیمتی ٹائم ہے۔ جو نبیوں کی رب سے ملاقات کا ٹائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ وقت اس امت کو عطا فرما دیا ہے۔

بندے کو تو رب کی ملاقات کا شوق ہونا چاہیے اُسے تو انتظار کرنا چاہیے کہ ایک وقت فجر کا گذر گیا رب سے ملاقات ہو گئی ہے اور پھر میں کب ملوں گا جب اللہ سے نبی بھی مل رہے

ہونگے۔رب ذوالجلال سے پھر اُس وقت ملاقات ہوگی جوانبیاء کی ملاقات کا وقت ہے۔

توانسان اس طرح جس وقت اپنے ذہن کوروشن کرتا ہےاوراپنے کو باور کرادیتا ہے۔

اوراس میں شک کی گنجائش نہیں ہے چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ اوقات وہ ہیں جوانبیاء علیہم السلام کی ملاقات کے تھے اللہ تعالیٰ نے وہ اوقات اس امت کوعطا فرمائے ہیں۔

لہٰذا سب سے زیادہ قدر و قیمت ان اوقات کی ہونی چاہیے۔ان میں کوئی سویا رہتا ہے یا گپیں لگاتا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے دربار کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔تو وہ اللہ تعالیٰ کا باغی ہے۔وہ سرکش ہے۔اپنی زبان سے جتنا بھی کہے کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ جھوٹ بولتا ہےاسواسطے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بلایا ہےاورایک بندے کی ڈیوٹی لگائی ہے محلے محلے میں وہ اذان پڑھ رہا ہےاوروہ دعوت دے رہا ہے مسجد کو جنت بنادیا گیا ہےاور پھر بھی جو ملنے نہیں جاتا اُس نے رب سے وفانہیں کی ہے۔

لہٰذا سب سے قیمتی اوقات یہ ہیں اوران کی قدر یہ ہے کہ ان اوقات میں رب کو سجدہ ضرور کیا جائے۔

آمد رمضان پہ فضل منّان

پھر مہینوں کے لحاظ سے رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔جس کا وقت بڑا ہی قیمتی ہےاور یہ اتنا قیمتی ہے کہ ان کی حدود کی شناخت انسان کر ہی نہیں سکتا۔ان اوقات کی قدر و قیمت کوانسان بیان ہی نہیں کرسکتا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ (مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم الفصل الثالث ص:۱۷۳ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس مہینے میں جس نے نفلی کام کیا تو اللہ تعالیٰ فرض جتنا ثواب عطا فرمائے گا اور اس میں فرض کی ادائیگی پر ستر فرائض کی ادائیگی کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

یہ فضیلت کسی ایک رات کی نہیں ہے یہ فضیلت کسی ایک دن کی نہیں ہے اور یہ فضیلت کسی ایک معین گھنٹے کی نہیں ہے پورے رمضان المبارک کو اللہ تعالیٰ نے ایسا قدر و قیمت والا بنایا ہے کہ اس کے لمحات میں زرخیزی رکھی ہے اس کے اوقات میں اللہ تعالیٰ نے ایسی نشوونما رکھی ہے کہ اس میں ہر طرح کا اضافہ موجود ہے۔

رمضان کے اوقات میں زرخیزی

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شان بھی اس وقت کو عطا فرمائی ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ اگر آپ گندم کاشت کرتے ہیں تو فصل جو کی آگئی ہے زرخیز زمین اچھا اگا دے گی اُس سے زیادہ پیداوار ہو جائے گی۔

مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جو کی فصل کاشت کریں اور گندم کی فصل کاٹیں لیکن یہ برکتیں رمضان المبارک کی ہیں کہ جس میں کاشت تو نفل کرو گے مگر فصل فرضوں کی پک جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو اتنا زرخیز بنایا ہے کہ جس وقت میں نفل ادا کرو گے تو فرض والا ثواب ملے گا اور فرائض کو انسان اپنی طرف سے زائد نہیں کر سکتا۔ فرائض شریعت میں معین ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں انسان کو لے جاتے ہیں۔ مگر اُن کو معین رکھا گیا ہے کہ اگر ناغہ ہو گیا تو عذاب بھی ہو گا۔ اس واسطے حساب سے فرض

دیئے گئے ہیں مگر یہ رمضان کی رحمت ہے کہ جس میں نفل کو فرض بنا دیا جاتا ہے۔
بندہ اللہ تعالیٰ کے دربار کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

ایک فرض ستر فرائض کے برابر

وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاہ

جس نے رمضان میں ایک فرض پڑھا تو رمضان کے علاوہ ستر فرائض کے برابر کا ثواب اُس کو میسر آجائے گا۔

تو یہ وہ لمحے ہیں جن میں زرخیزی بھی ہے اور جن کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی برکتیں بھی ہیں۔ پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت کی گھڑیاں رکھی ہیں۔ مثلاً دعا کی قبولیت کیلئے اللہ تعالیٰ نے ٹائم دیئے ہیں وہ نصف شب کے بعد کا وقت ہے۔ یا وہ جمعہ والے دن کی ایک گھڑی ہے جس میں اللہ تعالیٰ بطور خاص دعا کو قبول فرماتا ہے۔

خطبہ جمعہ اور قبولیت کی گھڑی

اُس کے بارے میں بھی لوگوں کی مختلف آراء ہیں کہ وہ جمعۃ المبارک کی گھڑی کون سی گھڑی ہے کہ جس میں جو بھی بندہ چاہے اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا فرماتا ہے اور وہ جمعہ کے دن میں ہے۔ اُس میں محدثین کی جو زیادہ آراہ ہیں وہ اس بارے میں ہیں کہ جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان جو گھڑی ہے وہ دعا کی قبولیت کی گھڑی ہے۔ جس وقت جمعہ کے دن خطیب خطبہ دیکر بیٹھتا ہے اور دوسرے خطبے سے پہلے جو درمیان میں وقت ہے یہ خاص طور پر اجابت کا وقت ہے۔ قبولیت کا وقت ہے لیکن جس قبولیت کی گھڑی کی بات کر رہا ہوں یہ پورا رمضان ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے اتنی رحمت رکھی ہے۔

رمضان میں فرشتوں کی ڈیوٹی

کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔
دُعَائُہٗ مُسْتَجَابٌ

اس رمضان میں روزے دار جو دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی دعا کو قبول فرمالیتا ہے اور بطور خاص اس مہینے کا یہ اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہزاروں لاکھوں فرشتوں کو اپنی بندگی سے روک دیتا ہے انھیں کہتا ہے کہ فرشتو تمہارا ایک ہی کام ہے تمہاری ایک ڈیوٹی ہے تم وہ کروگے تو تمہاری بندگی شمار ہوجائے گی۔

فرشتوں نے عرض کی مولا وہ کونسی بندگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے فرشتو تمہاری ایک ہی ڈیوٹی ہے کہ جس نے میرا روزہ رکھا ہے وہ جو بھی مجھ سے دعا مانگے اُس کی دعا پر تم نے آمین کہنا ہے۔ تمہارا کام اُن کی دعا پر آمین کہے جانا ہے یہ تمہاری بندگی ہے یہ تمہاری بندگی ہے اور پھر یہ تمہاری عبادت شمار ہوگی۔

تو اس واسطے روزے دار جو دعا مانگتا ہے تنہا نہیں مانگ رہا اسکے ساتھ لاکھوں فرشتے ملکر اس کی دعا پر آمین کہہ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ڈیوٹی لگادی ہے۔ تو اس واسطے اپنے وقت کی قدر کو پہچاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں فرشتوں کو ہمارے ساتھ کھڑا کردیا ہے تو پھر ہمیں مانگتے وقت غفلت سے نہیں مانگنا چاہیے سوچ کے مانگنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین رکھتے ہوئے مانگنا چاہیے

روزے دار کیلئے دو خوشیاں

اور پھر ان میں سب سے قیمتی لمحہ دعا کی قبولیت کا وہ لمحہ ہے کہ جب سارا دن روزہ رکھ کے افطار کی گھڑی کو پہنچتا ہے یہ بندے کی دعا کی قبولیت کا خاص وقت ہے کہ بندے

نے صرف رب کی رضا کیلئے اس نے سارا دن روزہ رکھ کر بھوک پیاس کو برداشت کر کے گذار دیا ہے۔ جب افطار کا وقت آ گیا پیاس بھی لگی ہوئی ہے۔ بھوک بھی لگی ہوئی ہے ایسے وقت کے اندر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لِلصَّائِم فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ

مشکاۃ المصابیح کتاب الصوم صفحہ نمبر:۱۷۳

(سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الصیام باب ماجاء فی فضل الصیام ص:۱۱۸ قدیمی کتب خانہ کراچی)

روزے دار کیلئے دو خوشیاں ہیں ایک فطر کے وقت ہے دوسری قیامت کے دن رب کی ملاقات کے وقت ہے۔

تو افطار کے وقت کی یہ خوشی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھی متوجہ کرتا ہے۔ فرشتو دیکھو اس نے بندہ ہو کر کمزور ہو کر مخلوق ہو کر سارے تقاضے پورے کیے ہیں میرا حکم سامنے رکھتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو روک کے رکھا ہے۔ فرشتو تم گواہ ہو جاؤ میں نے اس کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ جو یہ مانگتا ہے میں اس کو عطا کر رہا ہوں۔ لہٰذا میرے بھائیو افطار کے وقت اپنے آپ کو حاضر دماغ کر کے روزہ افطار کرنا چاہیے۔ یہ وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا وقت ہے اور اس میں جلدی کیساتھ یہ لمحہ نہیں گزرنا چاہیے۔ اطمینان اور سکون کے ساتھ یاد کر کے جو بندے کو چاہیے جو اس کی حاجت ہے۔ اپنے رب سے وہ حاجت پیش کر کے اور اُس کی طرف متوجہ ہو کر اپنے رب سے مانگے چونکہ جب بندہ دعا زبان سے مانگ رہا ہو اور دل کی اُس طرف توجہ نہ ہو تو پھر مولا اُس میں توجہ کیا کرے گا وہ فضیلت والی دعا شمار نہیں ہوگی جب خود یہ حاجت مند توجہ کر کے شوق سے اپنے رب کے دربار میں دستک دے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی جھولی کو ضرور معمور فرما دے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنوں کے لحاظ سے جو ہمیں شیڈول دیا ہے اُن میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ کچھ اوقات تو اس لئے قیمتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں اور کچھ اوقات اس لئے بڑے حساس ہیں کہ اُن میں بندے کا امتحان ہو رہا ہوتا ہے۔ ہفتے بھر کی یا دنوں کی حاضری لگ رہی ہوتی ہے۔ اس واسطے پھر بندے کو محتاط رہنا چاہیے کہ رجسٹر سارے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھلے ہیں۔ فرشتے ہر گھڑی کا بیان کر رہے ہیں۔ اب اگر بندہ مزید غافل ہوگا ادھر سے مزید مواخذہ ہو سکتا ہے۔ تو وہ کون کون سے دن ہیں جن میں ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچتے ہیں۔

پیر اور جمعرات اللہ کے دربار میں حاضری

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَعْمَالَ الْعِبَادِ تُعْرَضُ

يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ

(سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب فی صوم الاثنین والخمیس ج:۱ ص: ۳۳۸ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ایک تو وہ پیر کا دن ہے اور دوسرا جمعرات کا دن ہے۔

ہفتے میں پیر اور جمعرات کے دن بطور خاص بندے کا یہ دھیان ہونا چاہیے کہ میرا حساب مکمل ہو رہا ہے۔ میرے رجسٹر رب کے سامنے کھلے ہیں۔ ایک تو روزانہ کی کارروائی پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو کارروائی کا محتاج بھی نہیں وہ تو ویسے ہی جانتا ہے کہ بندے کیا کر رہے ہیں لیکن پھر بھی اُس نے نظامِ عدل رکھا ہے فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ تم نے میرے بندے کے ساتھ رہنا ہے۔

فرشتوں کی ڈیوٹیاں عصر کی نماز میں اور فجر کی نماز میں تبدیل ہوتی ہیں۔ عصر کی نماز کے وقت جو دن میں تھے وہ چھٹی کر کے چلے جاتے ہیں رات کو ڈیوٹی دینے والے

آجاتے ہیں اور دونوں عصر میں موجود ہوتے ہیں۔ پہلے ابھی وہاں ہوتے ہیں کہ نئے فرشتے ذمہ داری سنبھالنے کیلئے آجاتے ہیں اور پھر فجر کے وقت رات والے فرشتے ابھی موجود ہوتے ہیں کہ نئے دن والے فرشتے بھی آجاتے ہیں ان دو نمازوں میں فرشتوں کا زیادہ اجتماع ہوتا ہے اور یہ حساب اور ریکارڈ مکمل کر کے رب کے دربار میں پہنچاتے ہیں۔ رات کی بھی حاضری لگ رہی ہے اور دن کی بھی حاضری لگ رہی ہے مگر جو بطور خاص ہفتے کا امتحان ہے وہ دو دنوں کے اندر ہے ایک وہ پیر کا دن ہے اور دوسرا جمعرات کا دن ہے۔ تو پیر اور جمعرات کا تقدس اس لحاظ سے بھی زیادہ ہے کہ اگر ان دنوں میں جب بندے کا حساب ہو رہا ہو اور ادھر بندے کو تشویش ہو کہ کہیں میری شکائتیں زیادہ نہ ہو جائیں کہیں میرے گناہ زیادہ نہ ہو جائیں ڈر کے سہم کے بیٹھا ہے اور وہ دعائیں مانگ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے

کہ فرشتو دیکھو میرے بندے سے کوتاہی ہو گئی ہے مگر اب تو وہ ڈر رہا ہے اب تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں۔ اب تو یہ کانپ رہا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دربار میں امید ہے کہ وہ ہفتے بھر کی جو غلطیاں تھیں وہ معاف ہو جائیں۔ اس لئے ان کی قدر پہچاننا لازم ہے۔

جمعہ کے دن کثرت درود کا فائدہ

اور پھر بالخصوص جمعۃ المبارک کا دن وہ ہے کہ جس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے۔

اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ الفصل الثالث ص:۱۲۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ ص:۱۱۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ یہ یوم مشہود ہے۔ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ جاؤ فرشتو میرے بندوں کی ملاقات کر کے آؤ۔ میرے بندوں کی زیارت کر کے آؤ۔ یہ خصوصی معائنے والے فرشتے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بھیجتا ہے کہ تم جا کر دیکھو وہ بندگی کیسے کر رہے ہیں ذکر میرا کیسے کر رہے ہیں میرے کلام کی تلاوت کیسے کر رہے ہیں۔ نیکی میں کیسے مصروف ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجتا ہے اس لئے بھی جمعہ کو یوم مشہود کہا جاتا ہے۔

اور پھر جمعہ اس لئے بھی یوم مشہود ہے کہ ایک حساب جمعہ سے جمعہ تک کا ہوتا ہے۔ اور نماز جمعہ کا یہ کمال بیان کیا گیا کہ پہلے جمعہ سے لیکر اگلے جمعہ تک جتنے گناہ تھے وہ جمعہ کی نماز سے جھڑ جاتے ہیں معاف ہو جاتے ہیں۔

اور یہ یوم مشہود اس لئے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ جمعہ بھر کا حساب مکمل کر رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے کہ تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھنا ادھر تمہارے رجسٹر کھلے ہونگے اور مختلف کرتوت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونگے ادھر تم مجھ پر درود پڑھ رہے ہو گے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے اوپر پڑھا جانے والا درود پہنچے گا اور تمہاری اس ادا کو اللہ تعالیٰ دیکھے گا تو پھر بھی یہ رحمت کا موقع ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہہ دے گا۔ کہ فرشتوں اس کے گناہوں کی طرف نہ دیکھو اس کی زبان کے درود و سلام کی طرف دیکھو۔ یعنی یہ علت باقاعدہ محدثین نے بیان کی ہے کہ

رسول اکرم ﷺ نے یہ کیوں فرمایا کہ تم جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود و سلام پڑھو۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھو گے اسی دوران حساب کی گھڑی آجائے گی۔ تمہارے لب پہ درود و سلام ہوگا اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

نماز و اذان کے بعد وقت میں زرخیزی

ان قیمتی لمحات اور زرخیز اوقات میں سے فرائض کے بعد والے لمحے بھی دعا کی قبولیت کے ہیں۔ اُن میں بھی دعا قبول ہوتی ہے اور پھر کسی وقت بھی اذان پڑھی جا رہی ہو۔ ایک اذان کا جواب ساتھ ساتھ دیا جاتا ہے دوسرا اذان ہونے کے دوران ہی جو دعا مانگی جاتی ہے وہ دعا بھی قبول ہو جاتی ہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے دربار کی دعوت دی جاری ہوتی ہے۔ انہیں کلمات کی برکت اتنی ہوتی ہے کہ اس دوران اللہ تعالیٰ سے جو دعا مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

فرض ظہر سے قبل چار سنتوں میں حکمت

رسول اکرم ﷺ سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میں نے ہمیشہ آپ کو ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے پایا اس کا سبب کیا ہے۔ جس وقت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے یہ پوچھا تو رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا۔

يَا اَبَا اَيُّوْبَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَلَنْ تُرْتَجَ حَتّٰى يُصَلَّى الظُّهْرُ (شرح معانی الآثار ۲۳۳/۱)

اے ابوایوب جس وقت سورج ڈھل جاتا ہے اور ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ

آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

یہ وہ آنکھ ہے جو دور سے بھی دیکھتی ہے اور قریب سے بھی دیکھتی ہے۔

سر عرش پر ہے تیری گزر اور دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شی نہیں میرے آقا جو تجھ پہ عیاں نہیں

ادھر دروازے کھلے ادھر سرکار علیہ السلام کی آنکھ نے دیکھ لئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوایوب رضی اللہ عنہ آسمان کے دروازے بند تھے۔ سورج ڈھلتا گیا۔ تو دروازے کھل گئے اور یہ دروازے اُس وقت تک کھلے رہتے ہیں۔

حَتّٰى يُصَلَّى الظُّهْرُ

یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھ لی جاتی ہے۔

ظہر کے بعد جب ظہر ادا کر دی جاتی ہے۔ تو پھر دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

وَاُحِبُّ اَنْ يَّصْعَدَلِيْ فِيْهِنَّ عَمَلٌ صَالِحٌ قَبْلَ اَنْ تُرْتَجَ

(شرح معانی الآثار باب التطوع باللیل والنھار کیف ھو۔ ج:۱،ص:۲۳۳ مکتبہ امدادیہ ملتان)

میں اسلئے چار رکعات پڑھنے کی پابندی کرتا ہوں کہ دروازے کھلے ہیں تو فرضوں سے پہلے بھی میرا عمل ان دروازوں میں چڑھ جانا چاہیے۔ میرا عمل ان دروازوں میں پہنچ جانا چاہیے تو رسول اکرم ﷺ نے ہمارے لئے وقت کی قدر کو واضح کر دیا کہ ان لمحات کو ضائع نہ ہونے دو آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی شناخت بڑی مشکل ہے۔ کون دیکھ سکتا تھا کہ اب دروازے کھل گئے ہیں یہ ہمارے نبی علیہ السلام کا ہم پہ کرم ہے۔

ایک طرف آپ ﷺ نے فرمادیا کہ رمضان آتا ہے تو رحمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف روزانہ کا جو نصاب دیا تو وہ یہ ہے کہ جب بھی سورج کا زوال ہوتا ہے۔

سورج ڈھل جاتا ہے اس کے ساتھ ہی رحمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

تو یہ اُن سب سنتوں کا پس منظر ہے جو روزانہ ہم پڑھتے ہیں۔

ایک خاص وجہ ہے جس کے تحت ہم یہ سنتیں پڑھتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں سنتوں کو چھوڑنے کا ایک فیشن بنتا جا رہا ہے۔ کہ چار فرض پڑھے یا دو فرض پڑھے چھلانگ لگائی اور مسجد سے باہر نکل گئے ایسا نہیں بلکہ یہ باقاعدہ نصاب کی باتیں ہیں اور یہ رسول اکرم ﷺ نے شناخت کر کے ہمیں بتایا ہے۔ کہ فلاں وقت بڑا قیمتی ہے اُس میں فوراً اپنا عمل بھیجو تا کہ وہ رب کے دربار میں پہنچ جائے۔ چونکہ پہلا ٹائم طلوع شمس سے لیکر زوال تک کا۔ اُس میں دروازے بند ہو چکے تھے۔ اب رسول اکرم ﷺ نے ان کی قدر و قیمت بیان کرنے کیلئے یہ واضح کر دیا۔ جونہی سورج ڈھل گیا ہے اب دروازے کھل گئے ہیں۔ جلدی کرلو ان دروازوں سے تمہارا عمل ضرور جانا چاہیے۔ اب جو شخص سنتوں کا پابند ہوگا یقیناً وہ سنتیں پڑھے گا اگر چہ اُسے پتہ نہیں بھی تھا کہ دروازے کھلے ہیں اور حاضری کا وقت بھی پھر بھی جس وقت وہ کام کرتا جائے گا رسول اکرم ﷺ کی سنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ بندے کو اجر عظیم سے معمور فرما دے گا۔

رسول اکرم ﷺ کا ہم پہ کتنا کرم ہے ایک ایک دن کا حساب ایک ایک لمحے کا حساب اور ایک ایک رات کی زرخیزی کو بیان کرنا آپ کا کام تھا۔ اور اُن میں عمل کرنا ہمارا کام ہے۔ اگر آپ بیان کر کے نہ جاتے تو پھر ہم خائب و خاسر ہوتے لیکن رسول اکرم ﷺ نے کوئی بات نہیں چھوڑی۔ سب کچھ بیان کر دیا ہے اور اسکا مقصد یہی تھا کہ میری امت کو اس کا پتہ چل جائے اور امت اپنے آپ کو پابند کرے اور زیادہ سے زیادہ امت کی بھلائی ہو جائے جہنم سے بچ کر جنت کے مہمان بن جائیں۔

عرفہ کا دن ایک زرخیز دن

ایسے مقدس دنوں میں ایک دن عرفہ کا دن ہے۔ یعنی 9 ذوالحج کا دن جس دن میدان عرفات میں حاجی اکٹھے ہوتے ہیں اور عرف عام میں کہا جاتا ہے کہ آج حج پڑھا جا رہا

ہے۔وہ خطبہ حج کا دن، عرفہ کا دن بھی ایک زرخیز دن ہے اُس کے لمحات کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

اِذَا کَانَ یَوْمُ عَرْفَةَ

جب عرفہ کا دن آتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَنْزِلُ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا (مشکوٰۃ شریف ص:۲۲۹)

اللہ تعالیٰ دن کے وقت آسمان دنیا پہ جلوہ گر ہوتا ہے۔

اور اعلان کرتا ہے کہ ہے کوئی گناہوں کی بخشش چاہنے والا کہ میں اُس کے گناہوں کو معاف کر دوں لیکن یہ حدیث ایک دن کے بارے میں ہے اور یہ دن سارے دنوں میں خاص دن ہے۔کہ جس دن میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔

فَیُبَاھِیْ بِھِمُ الْمَلَآئِکَةَ

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پہ فخر فرماتا ہے۔

یعنی میدانِ عرفات میں جو اجتماع ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے فرشتو ان سب کو دیکھو۔

اُنْظُرُوْا اِلٰی عِبَادِیْ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ فرشتو میرے بندوں کو دیکھو۔

اللہ تعالیٰ کو ان بندوں سے پیار کتنا ہے۔کہ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم میرے بندوں کو دیکھو۔اللہ تعالیٰ بطور خاص ان پر فخر کرنا چاہتا ہے کہ فرشتو ان کے گھر کتنے دور ہیں ان کے کام گھروں میں کتنے تھے سب کچھ چھوڑ کر آئے ہیں۔باقاعدہ اللہ تعالیٰ لفظ بولتا ہے۔

اَتَوْنِیْ شُعْثًا غُبْرًا

یہ میرے پاس آئے ہیں میلے کچلے ہیں۔ان کو احرام باندھے ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں اور پھر ان کے بال پراگندہ ہو گئے ہیں۔ کنگھی نہیں کی۔

ضَاجِّیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

یہ چیختے چلاتے آگئے ہیں۔آوازیں بلند کر رہے ہیں۔

لبیک اللھم لبیک کی صدائیں بلند کر رہے ہیں۔فرشتو یہ بڑی دور دراز سے آئے ہیں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو متوجہ کر کے فرماتا ہے کہ

اُشْہِدُکُمْ

اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بنانا چاہتا ہوں۔

اَنِّیْ غَفَرْتُ لَہُمْ

(مشکوۃ المصابیح باب الوقوف بعرفۃ الفصل الثانی ص:۲۲۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

میں نے ان کے گناہوں کو معاف فرمادیا ہے۔

تو یہ وہ خاص دن ہے جس میں اور بھی رحمت کا ریٹ بڑھ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی آزادی ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے کوئی دن ایسا نہیں جس دن عرفہ کے دن سے زیادہ جہنمیوں کو رہائی دی جاتی ہو۔

سارے دنوں میں 9 ذوالحج کا دن ریکارڈ والا دن ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اپنے عمل کی وجہ سے جہنمی بن چکے تھے جنتی قرار دے دیتا ہے۔

آخری بات عرض کر کے گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔

یہ درس عمل کے لحاظ سے ہے کہ یہ اوقات ہیں۔ یہ ہمارے اوپر رسول اکرم ﷺ کا احسان ہے کہ آپ نے ہمیں بیان کر دیا۔ ہمیں پتہ چل گیا۔ میں اس وقت آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں اُس ڈیوٹی کے پیش نظر جو دین کے خادم کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم سب حضرات و خواتین ان اوقات کی قدر و قیمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں غفلت سے بچیں۔ نیکی کی طرف متوجہ رہیں۔

عید کا دن یومِ تقسیمِ انعامات

بالخصوص جس وقت رمضان جا رہا ہوگا عید کا دن ہوگا تو اُس دن کو یوم الجوائز کہا جاتا ہے۔ یعنی تقسیم انعامات کا دن۔

حدیث شریف میں ہے کہ فرشتو تم عید کہتے ہو عرش والے اسے یوم تقسیم انعامات کہتے ہیں یہ یوم جوائز ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

اِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدِہِمْ (مشکوٰۃ ص:۱۸۳)

جس وقت عید کا دن آجاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ پھر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے۔ فرشتو تم میرے بندوں کو دیکھ لو۔

یَامَلَائِکَتِیْ مَاجَزَاءُ اَجِیْرٍ وَفّٰی عَمَلَہٗ

اے میرے فرشتو مجھے یہ تو بتاؤ اُس مزدور کی مزدوری کیا ہونی چاہیے جس نے اپنی ڈیوٹی کو پورا کر لیا۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے۔ تو فرشتے جواب دیتے ہیں۔

رَبَّنَا جَزَاءُهٗ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْرُهٗ

اے اللہ جو ڈیوٹی پوری کر دے اُس کی اجرت بھی پوری کر دینی چاہیے۔

یہ فرشتوں کا مشورہ کتنا اچھا مشورہ ہے۔

جس وقت یہ کام پورا کر چکے ہیں تو پھر ان کی اجرت بھی پوری کر دینی چاہیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے فرشتو سنو۔

مَلَائِکَتِیْ عَبِیْدِیْ وَاِمَائِیْ قَضَوْا فَرِیْضَتِیْ عَلَیْهِمْ

اے میرے فرشتو میرے بندوں نے اور میری بندیوں نے وہ پورا کر دیا جو ان پر فرض تھا۔

ثُمَّ خَرَجُوْا یَعُجُّوْنَ اِلَی الدُّعَا

پھر کام کر کے بھی اکڑ کر نہیں آ رہے کہ یہ کہیں کہ اے اللہ ہم نے بہت کچھ کر لیا ہے ہماری مزدوری نکال اس طرح مجھ سے نہیں مانگتے، سارا مہینہ انہوں نے کام بھی کیا ہے اب بھی سر جھکا کے آ رہے ہیں۔ روتے اور چیختے، چلاتے آ رہے ہیں یہ کام کر کے مجھ پر احسان نہیں ظاہر کر رہے۔ میری بارگاہ میں کام مکمل کر کے عاجزی سے چل کے آ رہے ہیں۔ فرشتو یہ مجھ سے دعا کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس وقت پانچ قسمیں اُٹھاتا ہے۔

وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَکَرَمِیْ وَعُلُوِّیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ

مجھے میری عزت کی قسم میرے جلال کی قسم میرے کرم کی قسم، میرے بلند مرتبے کی قسم اور مجھے میری عظمت کی قسم۔

لَاُجِیْبَنَّهُمْ

میں ان کی دعا کو ضرور قبول فرماؤں گا۔

اتنی قسمیں اُٹھا کہ فرشتوں کو گواہ بناتا ہے کہ میں ان کی دعا کو قبول کروں گا یہ کام کر کے بھی اکڑ کے نہیں آ رہے ہیں۔ یہ ڈیوٹی کر کے کوئی احسان ظاہر نہیں کرتے اور اپنا حق

مجھ پہ نہیں جتلاتے بلکہ پھر بھی عاجزی سے روتے ہوئے آ رہے ہیں۔ فرشتو میں نے قسم اُٹھائی ہے۔ کہ میں ان کی دعا کو ضرور قبول کروں گا۔

فَيَقُوْلُ اِرْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ

اللہ تعالیٰ اُن بندوں سے فرماتا ہے کہ اب تم گھروں کو چلے جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا ہے اب تم چلے جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

صرف میں نے بخشا ہی نہیں بلکہ

بَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ (مشکوٰۃ المصابیح باب لیلۃ القدر الفصل الثالث ص:۱۸۲)

جتنی غلطیاں تھیں اتنی میں نے نیکیاں بھی عطا فرمادی ہے۔

میں نے تبادلہ کر دیا ہے کہ جب تم آئے تھے کسی کا لاکھ گناہ تھا کسی کا ہزار گناہ تھا تو ہم نے اُن کا تبادلہ کر لیا ہے۔ اب ہم نے تمہیں اتنی نیکیاں دے دی ہیں اور گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

یہ خاص دن ہے اب اس دن میں آزمائش بھی ہوتی ہے ادھر تو یوم جوائز ہے یوم تقسیم انعامات ہے اور ادھر گانا بجانا شروع ہو جائے اور میلے ٹھیلے شروع ہو جائیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو بندے پر غصہ آجائے گا۔ میں نے بہتری کیلئے دروازے کھولے اور انھوں نے کیا کرنا شروع کر دیا ہے اس واسطے ہمیں ان اوقات کی قدر محسوس کرنی چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ

عید پڑھ کے گھروں کو واپس جا رہے ہوتے ہیں بدن پہ گناہ کا کوئی داغ نہیں ہوتا۔ گناہوں کی ساری گٹھڑیاں گر چکی ہوتی ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اوقات میں اپنی رضاء سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
8

میوزک خرمنِ ایمان کیلئے چنگاری

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِبَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَالْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ
(سورت لقمٰن آیت نمبر:٦)
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع

یوم النشور دستگیر جہاں غمگسار زماں سید سروراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے دربار گوہر بار میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

ارباب فکر ودانش اصحاب مودت ومحبت

نہایت معزز ومحتشم حضرات وخواتین

ربّ ذوالجلال کے فضل اور اسکی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم کے زیر اہتمام فہم دین

کورس کے آٹھویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

''میوزک خرمن ایمان کیلئے چنگاری''

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو موسیقی کی گندگی سے محفوظ فرمائے اور ہمارے ظاہر و باطن کو مزید طہارت عطا فرمائے۔

ہمارے اس دور کے جو سلگتے مسائل ہیں اُن میں سے ایک اہم مسئلہ میوزک کا مسئلہ ہے۔عربی زبان میں اسکو غنا کہا جاتا ہے پھر یہ ایک قسم کا گانا ہے جس کے ساتھ مختلف قسم کے آلات استعمال ہوتے ہیں جس کی وجہ سے یہ آگ کئی روپ دھار لیتی ہے۔ایمان اور یقین کے گلشن ویران ہو جاتے ہیں کوئی بھی صاحب عقل اور صاحب بصیرت انسان میوزک کی تباہ کاریوں کا انکار نہیں کر سکتا۔

جس قدر ہمارا معاشرہ اس آگ کی لپیٹ میں آچکا ہے۔اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے پوری کی پوری فضا گندگی سے بھر چکی ہے۔لوگ اتنے پریشان ہیں کہ انھیں اپنے گھروں

میں بیٹھنا اور میوزک سے محفوظ رہنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اس طرح گاڑیوں میں دوکانوں میں، دفتروں میں لوگوں نے میوزک کا اندھا دھند استعمال شروع کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ گدھا گاڑیوں پر بھی اسکا اہتمام کر دیا گیا اور شیطان کے اڈے بڑے بڑے بازاروں میں ہی نہیں چھوٹے چھوٹے محلوں میں بھی کھل گئے۔

سی ڈی سنٹر اور میوزک کے دوسرے سٹیشن شیطانی ہیڈ آفس کے طور پر ہر جگہ خود بخود قائم ہو چکے ہیں نسلِ نو کو بھونا جا رہا ہے۔

ہر طرف سے کردار دھندلے ہوتے جا رہے ہیں، معاشرے میں (Reap) ریپ اور اس طرح کی بدکاریاں دن بدن اُن میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال ہوتا جا رہا ہے اور دن دیہاڑے مختلف جرائم جن کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا ناجائز تعلقات کی بنیاد پر ایسے دھندے ہو رہے ہیں۔

ان سب کے پیچھے جو چیز محرک ہے وہ میوزک ہے۔ میوزک کا جو استعمال ہے اس نے معاشرے کو آتش فشاں بنا دیا ہے۔

آپ سب جانتے ہیں کہ جس وقت آتش فشاں پھٹتا ہے تو اُس کی تباہی دور دور تک محسوس ہوتی ہے۔ یہ گندگی کا سیلاب بھی جس کے اندر پوری قوم ڈوبتی جا رہی ہے۔ سوائے چند گھرانوں اور چند انسانوں کے اجتماعی طور پر میوزک نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

حق پرستوں کی ذمہ داری

ایسے ماحول میں حق پرستوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ میوزک کے خلاف جہاد کیلئے قرآن وسنت کا اسلحہ استعمال کریں اور قرآن وسنت کے پیغام کو عام کرتے ہوئے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کریں۔ ورنہ جو تھوڑا بہت متاعِ دین کا تحفظ ہے یہ بھی ختم ہو

جائے گا۔ جہاں شرم وحیا کی دولت ہے اُس کے لُٹ جانے کا خطرہ ہے۔ جہاں آنکھوں کے اندر طہارت ہے وہاں بھی گندگی آجانے کا خطرہ ہے اور جہاں کردار اُجلے ہیں وہاں بھی آلودگیوں کے حملہ آور ہو جانے کا خطرہ ہے۔ ایسے میں آج ہم اس موضوع کو چھیڑ بیٹھے ہیں بڑا روحانی ماحول ہے۔ اہل ایمان کے چہروں کا ایک گلشن نظر آرہا ہے اور مجھے اپنے رب کے فضل وکرم پہ یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ کلمات دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں اثر کریں گے۔ اس پیغام کو جذب کیا جائے گا اور جذب کر کے اس پیغام کو پوری دنیا تک عام کر دیا جائے گا۔ اس اجتماع میں ہر طبقہ کے لوگ تشریف فرما ہیں۔ ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں، حضرات وخواتین کا یہ بھرپور اجتماع ہے اہل ایمان کا دین کے ساتھ دلچسپی کا مظہر بھی ہے اور حمیت دینی کا ترجمان بھی ہے۔

قرآن مجید نے چونکہ ہر مرض کا علاج کیا ہے اور یہ ایسا کلام نہیں ہے۔ کہ جو ایک سال یا دو سال کے امراض کے خلاف تو جہاد کرتا اور قیامت تک کی بیماریوں کو چھوڑ دیتا چونکہ یہ قرآن ہمیشہ کیلئے ہے تو اس نے ہمیشہ کی بیماریوں کا علاج کیا اور ہر دور کے اندر جو بدی سر اُٹھانے والی تھی اُس بدی کو قرآن مجید نے تہہ تیغ کیا ہے اور اپنے انداز سے اس کا اچھا علاج کیا ہے۔

انسان پوری کائنات کا خلاصہ

آپ جانتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک شاہکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح کا بنایا ہے کہ یہ پورے جہاں کا خلاصہ ہے۔ ساری کائنات انسان میں سمٹ کے آگئی ہے، کائنات کی ہر مخلوق کی کوئی نہ کوئی مثال اور اس کا انداز اللہ تعالیٰ نے انسان میں رکھا ہے۔ انسان میں پہاڑوں کی مثال بھی ہے۔ انسان میں صحراؤں کی مثال بھی ہے۔ انسان

کے اندر زمین کی مثال ہے۔ انسان کے اندر آسمانوں کی مثال بھی ہے اور بارش برسنے کا بھی ایک انداز موجود ہے۔ انسان کے اندر آگ جیسی حرارت بھی ہے۔ انسان کے اندر وہ ٹھنڈک بھی ہے جس سے جگر لالہ کے اندر بے قراری پیدا ہو جائے یہ انسان پوری کائنات کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو معجون مرکب بنایا ہے اور اس کے اندر جو چیزیں رکھی ہیں اُن میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہدایت نامہ دیا ہے اگر وہ توازن صحیح رہے تو انسان ایک پاور ہے اور ایک کردار ہے۔

انسان قدرت الٰہی کا شاہکار

اور انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ اور انسان کی اندرونی قوتوں کا توازن بگڑ جائے تو پھر انسان ایک بیمار چیز کا نام ہے۔ پھر انسان جس وقت تنزل کی طرف جاتا ہے تو حیوان سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ اسواسطے ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہمیں جس خالق نے پیدا کیا اُس خالق نے انسان کے اندر کی قوتوں کو مناسب انداز میں رکھنے کیلئے ایک نظام دیا ہے اور اُس نظام کے مطابق انسان اگر زندگی بسر کرتا ہے۔ تو پھر اندر کی آگ نہیں بھڑکتی۔ پھر شہوت کو جوش نہیں آتا پھر انسان ایک مطمئن سمندر کی طرح ہے اور پھر انسان میں ایک وقار ہے اور ایک سنجیدگی ہے۔ ایک متانت ہے اور پھر اس کی نیکی بڑھتی ہے تو فرشتوں کو بھی رشک آتا ہے۔ پھر انسان کے کردار اور عظمت کیلئے فرشتے بھی تڑپتے اور اسکو محسوس کرتے ہیں۔ اس انسان کے اندر عقل بھی ہے غضب بھی ہے شہوت بھی ہے، اگر ان چیزوں کو کنٹرول کر کے عقل کا جھنڈا لہرا دیا جائے تو یہ فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اگر حیوانیت کو کھلا چھوڑ دیا جائے اور عقل کو مغلوب کر دیا جائے تو پھر یہ انسان ڈنگر ہی نہیں بلکہ ڈنگروں سے بھی گیا گزرا ہوتا ہے۔

وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے انسان کے اندر کی قوت میں ایک کجی واقع ہوتی ہے اور انسان کے اندر آگ لگ جاتی ہے شہوت بھڑک اُٹھتی ہے شعلے اُٹھتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا گھر ہی نہیں پورا محلہ تباہ و برباد ہوتا ہے تو میرے بھائیو اُس آگ کو جو چیز بھڑکاتی ہے اُسے میوزک کہا جاتا ہے۔

انسان کو وحشی بنانے کی سازش

انسان کے اندر جو ایک موزونیت تھی اُس موزونیت کو ختم کر کے معاذ اللہ انسان کو وحشی بنانا اور انسان کو ہوس پرست بنانا اور انسان کو ایک بھیڑیے کی شکل دینا۔ سارا میوزک کا کردار ہے۔ جس کی وجہ سے وہ قوتیں جو آپس میں متوازن تھیں، جن کے اندر ایک سکون اور قرار تھا۔ ٹھنڈک اور اطمینان تھا اُن کے اندر کجی واقع ہوتی ہے۔

تو شیطانیت آجاتی ہے اور جس وقت انسان کے اندر شیطانیت واقع ہوتی ہے۔

پھر اُس کو محسوس نہیں ہوتا کہ وہ کونسی حدود پھلانگ رہا ہے۔ کونسی چراگاہ میں چر رہا ہے اور وہ کہاں ڈاکہ ڈال رہا ہے اور کہاں عزتیں لوٹ رہا ہے اور کہاں عصمت کی چادروں کو تار تار کر رہا ہے جو چیز انسان کو اس طرح بدمست بناتی ہے اُسے میوزک کہا جاتا ہے۔

میوزک کی وجہ سے انسان کے اندر حیوانیت جلوہ گر ہوتی ہے حیوانیت متحرک ہو جاتی ہے۔ حیوانیت سرگرم عمل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ انسان جو قدسیوں سے بھی افضل تھا آہستہ آہستہ معاذ اللہ کتوں کی حرکتوں کی طرف اتر آتا ہے۔ جس کی وجہ سے نہ اُس کا اپنا وقار رہتا ہے۔ نہ سوسائٹی میں کوئی امن اور سکون باقی رہتا ہے۔

تو اب ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم وہ جراثیم مار دیں اور وہ کانٹے کاٹ دیں جن کی وجہ سے انسان کے اندر حیوانیت اپنے شر کی طرف جاتی ہے۔

بلکہ ایسا نصاب زندگی قرآن مجید کی شکل میں ہم اپنے سامنے رکھیں کہ اگر گردوپیش کے

حالات میں کوئی بدی آ بھی جائے تو انسان کے اندر نیکی کی اتنی مضبوط پاور ہو کہ وہ سانس لے تو فضا درست ہو جائے اُس کی بات سے ماحول میں روشنی پیدا ہو جائے اور اُس کے کردار کی وجہ سے سارا زمانہ ہر قسم کی عریانی فحاشی سے محفوظ ہو جائے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ انسان کی ایک ظاہری صحت ہے ہر انسان کے اندر کچھ اخلاط ہیں بلغم وغیرہ ہیں یہ اخلاط اگر مناسب رہیں تو بندہ صحت مند ہے۔

اگر ان میں کمی واقع ہو جائے توازن ختم ہو جائے تو بندے کی صحت صحیح نہیں رہتی اندر ہی سے انقلاب آجاتا ہے۔ اندر ہی سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔

اندر ہی ٹھنڈک ہے اور اندر ہی گرمی ہے۔ اندر ہی خشکی ہے اور اندر ہی تری ہے۔ جیسے ظاہری صحت کے لحاظ سے یہ ہے تو ایسے ہی باطنی صحت کے لحاظ سے بھی ہے۔

انسان کے اندر کچھ ایسی طاقتیں ہیں کہ وہ مناسب رہیں گی تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ نہ آگ ہوگی نہ شعلے ہوں گے نہ لاوا پھٹے گا اور نہ ہی کوئی زلزلہ آئے گا اور اگر اُن قوتوں کو معاذ اللہ خراب کر دیا گیا اور اُن میں اگر افراط و تفریط کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تو پھر انسان کے اندر ہی برائی کا مرکز ہے۔ اندر سے ہی بدی نکلے گی اندر سے ہر طرح کا فتنہ پیدا ہو جائے گا۔

یہ وہ میوزک کے شعلے ہیں جس کی وجہ سے انسان کی روحانیت بیمار ہو جاتی ہے وہ خود بھی بیمار ہوتا ہے۔ ماحول کو بھی بیمار کرتا ہے۔ ہمیں قرآن و سنت کا یہ پیغام اس انداز میں یہ سبق دے رہا ہے اگر ہم اُسے سامنے رکھ کر اس قرآن کو اور نبی علیہ السلام کے فرمان کو لے کر اپنے اندر کی اصلاح کریں تو پھر یہ ماحول آتش فشاں نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ اہل ایمان کا گلشن بن جائے گا۔

گفتگو کی فحاشی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ لقمان میں یہ ارشاد فرمایا:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ

لوگوں میں کچھ وہ ہیں جو کھیل کی بات خریدتے ہیں۔

ہر چیز کا ایک لہو ہے۔ ہر چیز کے اندر ایک فحاشی ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو بات اور گفتگو کی فحاشی کو اور لہو ولعب کو خریدتے ہیں۔

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکادیں بے سمجھے

وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا

اور اس کو وہ مذاق بنادیں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (سورۃ لقمان آیت:۶)

ان لوگوں کیلئے ذلت کا عذاب ہے۔

لہو حدیث کس چیز کو کہا جاتا ہے۔

لہو حدیث گانا بجانا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایسے ہی تابعین میں سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت امام مجاہد حضرت امام مکحول اور حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب کے نزدیک لہو حدیث کیا ہے۔

الغناء وَاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ كَذَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ جَابِرٌ وَعِكْرِمَةُ وَسَعِيْدٌ وَمُجَاهِدٌ وَ مَكْحُوْلٌ وَ غَيْرُهُ

(تفسیر ابن کثیر سورۃ لقمان زیر آیت ومن الناس من یشتری ج:۳ ص:۴۵۱ مکتبہ حقانیہ پشاور)

لہو حدیث گانا بجانا ہے۔ یہ صحابہ وتابعین اس کا معنی غناء سے کر رہے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو گانے گاتے ہیں ساز بجاتے ہیں۔ مختلف قسم کے آلات موسیقی کو استعمال کرتے ہوئے میوزک کا دھندہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے فرما رہا ہے۔

جس نے کسی طرح بھی آواز کا شر پھیلایا، آواز کا فتنہ پھیلایا اور آواز کا فتنہ پھیلا کر لوگوں کے ایمان کو لوٹا اور نیکی کو خراب کیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں بھی عذاب کے مستحق ہیں اور آخرت میں بھی عذاب کے مستحق ہیں اس واسطے یہ ایک وبائی بیماری کا سبب بنتے ہیں خود بھی خراب ہوتے ہیں اور جہاں جہاں اُنکی آواز جاتی ہے وہاں وہاں کا شانہ یقین کو آگ لگ جاتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بھرپور مذمت فرمائی ہے۔

لہو حدیث سے مراد گوین عورتیں

اسکی دوسری تشریح اشتراء مُغنّیات ہے۔

اُس زمانہ میں اس طرح نہیں تھا جیسے آج میوزک اور سی، ڈی کیسٹ وغیرہ کا کاروبار ہے وہاں پر باقاعدہ کوئی انسان رکھنا پڑتا تھا بڑے بڑے مجرم گوین عورتیں خرید لیتے تھے اُن لونڈیوں کو رکھتے تھے اور اُن سے گانے سنتے تھے اور شباب وکباب کی محفلوں میں اُن سے گیت سنتے تھے۔ تو "یشتری لہو الحدیث" سے مراد کچھ مفسرین گوین عورتیں لیتے ہیں یا خود گانے بجانے کا دھندہ کرنے والے لوگ جو آلات کو بھی استعمال کرتے ہیں یا پھر وہ گوین عورتیں خرید لیتے تھے اور اُس کی وجہ سے آگے برائی کو پھیلاتے تھے۔

بہر حال جو معنٰی بھی لیا جائے اس میں میوزک کی مذمت کی جا رہی گانے بجانے کی مذمت کی جا رہی ہے اور قیامت تک کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس پیغام کو رکھ کے اپنے بندوں کو اپنے دین کی سچی راہ دکھائی ہے۔

نضر بن حارث کا گھناؤنا کردار

اس سلسلہ میں نضر بن حارث نامی ایک شخص کا کردار بڑا گھناؤنا تھا اُس کے پیچھے اُس کے طریقے پر آج ہمارے حکمران بھی چلتے ہیں اُس طریقے پر جتنے بھی فحاشی کا دھندہ کر رہے ہیں سارے نضر بن حارث کی پیروی میں جا رہے ہیں اور جتنی غیر مسلم حکومتیں آج مسلمانوں کو لوٹنے کیلئے فحاشی کو عام کر رہی ہیں اور اس گانے بجانے کو ترقی دینا چاہتے ہیں سارے نضر بن حارث کے پیروکار ہیں۔

نضر بن حارث نے جس وقت وہ دھندہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی جس میں لہو حدیث کا ذکر اُس کا کام کیا تھا آج ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے نہ جانتے ہوئے آج ہم کسی کے ایجنٹ بن چکے ہیں اور نہ جانتے ہوئے کسی کی خواہش کو پورا کر رہے ہیں کلمہ تو ہم نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑھا ہے ہم نے رب ذوالجلال کی توحید کا کلمہ پڑھا ہے لیکن ہم میں بعض لوگوں کا عمل معاذ اللہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو چھوڑ کے نضر بن حارث کی برائی اور اُس کے غلط پروپیگنڈے کو اُس کے غلط نظریے کو آگے بڑھا رہے اس واسطے آج یہ سوچو کہ اس کا کتنا گھناؤنا کردار تھا۔

نضر بن حارث جس وقت یہ دیکھتا تھا کہ لوگ کلمہ پڑھ رہے ہیں قرآن پڑھتے ہیں اور ساری برائیوں کو چھوڑ جاتے ہیں اُس نے ایک تحریک کا آغاز کیا۔

روح المعانی میں تفصیل کیساتھ اس کا شان نزول موجود ہے۔

نضر بن حارث کی مسلمانوں کے خلاف سازش

نضر بن حارث نے نوجوان لڑکیاں خریدنا شروع کر دیں، لونڈیاں خریدیں اور بہت سی تعداد میں اُس نے اپنے پاس ایک جماعت بنائی، جس وقت کوئی شخص کلمہ پڑھتا اور

قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا تو یہ اپنی طرف سے ایک لڑکی کی پیشکش کرتا اور اُن لڑکیوں کو اس نے سکھلا رکھا تھا کہ میں جدھر تمہیں بھیجوں تمام اخرجات تمہارے میرے ذمہ ہیں اور تم نے ان لوگوں کو جا کر گانے سنانے ہیں ان کے سامنے رقص کرنا ہے اور ان کو تم نے خوب کھلانا اور پلانا ہے اور جس وقت مست ہو جائیں تو پھر تم نے ان سے پوچھنا ہے کہ بتاؤ وہ جو کچھ تمہیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اُس میں لذت ہے یا اس میں لذت ہے جو نضر بن حارث تمہیں پیش کر رہا ہے کتنی بڑی اسلام کے خلاف سازش تھی۔ نضر بن حارث لونڈیوں کو پالتا رہا عورتوں کو منڈیوں سے خریدتا رہا اور مسلمانوں کے کردار کو لوٹنے کیلئے اس نے یہ سازش شروع کی اور عورتوں سے گانے گوا کر انہیں گویں بنا کر مسلمانوں کے کردار کو پاش پاش کرنا چاہا اور اس کے بعد وہ لونڈیاں پوچھتیں کہ بتاؤ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز کا حکم دیتے ہیں، روزے کا حکم دیتے ہیں، جہاد کا حکم دیتے ہیں جس میں خون بہانا پڑتا ہے اور جس میں بھوک کاٹنی پڑتی ہے اور جس میں آرام چھوڑنا پڑتا ہے اس میں تو معاذ اللہ کوئی لذت نہیں ہے۔

لذت اس میں ہے جو ہم پیش کر رہی ہیں جس وقت ایسا

دھندہ نضر بن حارث نے شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔

اور اس کو واضح فرمادیا کہ ہزار نضر بن حارث جیسے لوگ آجائیں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام جنہوں نے سرکار علیہ السلام کا عشق اپنے سینے میں رکھا ہے وہ کسی لونڈی کے پیچھے نہیں جائیں گے، ہمیشہ اپنے کردار کو گنبد خضراء کی ہریالی میں روشن رکھیں گے۔

نضر بن حارث کا وارث کون؟

یہ کتنی گہری سازش اور کتنا عمیق منصوبہ تھا، نضر بن حارث تو مشرک تھا اُس کی جگہ آج ہماری سوسائٹی میں کون آگئے جنہوں نے اُسی کا طریقہ اپنا رکھا ہے نضر بن حارث کے

پیرو کار کون بنے نضر بن حارث کے وارث کون بنے، نضر بن حارث کے اس وقت علمبردار کون بنے آج کی اس سوسائٹی کے اندر جو شخص میوزک کا دھندہ کر رہا ہے۔ میوزک پھیلا رہا ہے اور میوزک کا کاروبار کر رہا ہے وہ نضر بن حارث کا پیروکار ہے اور نضر بن حارث کا وارث ہے اور جو شخص آج سنت نبوی کا جھنڈہ لیکر گانے بجانے کو روک رہا ہے اور میوزک کے خلاف بند باندھ رہا ہے اور میوزک کی چنگاریوں کو بجھانے کیلئے قرآن وسنت کی بوندا باندی کر رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اُسی کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی وراثت عطا فرمائی ہے۔

بات سوچنے کی ہے شاید کسی کو نضر بن حارث کا نام بھی نہ آتا ہو، مگر کام اُس کا زندہ کیا جائے کیا مسلمان کا ایمان باقی رہے گا کیا یہی عہد وفا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ آپ نے تو طائف کے بازار میں پتھر کھا کے خون بہا کے پھر بھی اس دین کا جھنڈا اونچا کیا تھا۔ ہم کلمہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑھیں اور ایجنٹ نضر بن حارث کے بن جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ہمارے خلاف مسلم دشمن قوتیں اس سے بڑے حملے کر رہی ہیں۔ نضر بن حارث کا ایجنڈہ بڑھانے کیلئے امریکہ ہر وقت مصروف ہے برطانیہ اور اسرائیل مصروف ہے۔ یہودی ہر وقت اس سوچ میں ہیں کہ مسلمانوں کو لوٹنا کیسے ہے۔۔

ان کو گانے بجانے میں مصروف کیسے کرنا ہے وہ ہمارے دشمن خود بخود ہر وقت ایسے حملے کر رہے ہیں اور اگر ہم بھی اُنھیں کا آلۂ کار بن جائیں تو پھر بچ کیسے سکیں گے پھر بچے گا کون اور اس معاشرے میں کوئی انسان اس سے بچائے گا کیسے۔

اس واسطے میرے بھائیو!

آج تائب ہوتے ہوئے جو شخص آج تک میوزک سنتا رہا اور جس کے کانوں کے اندر ایسی آواز داخل ہوتی رہی پکی توبہ کرتے ہوئے ایک اشک ندامت اپنی آنکھ سے بہائے اور آج کے بعد کیلئے یہ پکا عہد کرے کہ اے اللہ تیرے دربار میں میں وعدہ کر رہا ہوں

میری جان تو جا سکتی ہے مگر کبھی بھی میرے کانوں میں شیطان کی آواز داخل نہیں ہو سکتی۔

چھ لاکھ ڈالر میوزک کا کاروبار

غیر مسلم حکومتیں ہمیں لوٹنے کیلئے اس قدر کوشش کر رہی ہیں گذشتہ سال انڈین حکومت نے چھ لاکھ ڈالر صرف افغانستان کیلئے مختص کیے تھے تا کہ وہاں پر میوزک کو عام کیا جائے۔ چھ لاکھ ڈالر کوئی تھوڑی سی رقم تو نہیں آخر انڈیا نے یہ چھ لاکھ ڈالر ہندوؤں میں تقسیم کیوں نہیں کیے۔

کہ اُن کو خوراک اور کپڑے دیئے جائیں اور یہ ڈالر افغانستان میں تقسیم کروانے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ معاذ اللہ جذبہ دین اگر ہم پست کر لیں تو یہ اُن کیلئے بہت بڑی کامیابی ہے۔ دشمن لاکھوں ڈالر خرچ کر کے ہمیں میوزک کا عادی بنانا چاہتے ہیں ہمیں گانے بجانے کی طرف لگانا چاہتے ہیں اُن کے پیروکار محلے محلے میں دوکانیں کھول کے اُنکی ہوس کو پورا کر رہے ہیں۔

اس واسطے میرے بھائیو!

میوزک سے ماحول کو پاک رکھنا دین کا تقاضا

جو شخص نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے اور ساتھ ایسا دھندہ بھی کرتا ہے۔ اُسے سوچنا چاہیے کہ وہ لوگوں کے دین کو لوٹ رہا ہے اپنا دین بھی خراب کر رہا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کا تقاضا ہے کہ جہاں تک تمہارے اثرات ہیں وہاں تک میوزک کے نشانات ختم کر دیئے جائیں۔

اس داغ کو اپنے موبائل فون سے لیکر اپنے گھر کے ماحول تک اس کو مٹا دیا جائے اور ہر طرف سے اس کو ختم کرو کوئی ایسی ٹیون جو موبائل میں سنتے وقت یا سناتے وقت آتی ہے وہ بھی شیطانی آواز ہے اُس سے بھی روحانیت ختم ہوتی ہے اس کیساتھ ساتھ پھر جتنے

ریڈیو اور ٹی وی پر اس طرح کے انداز ہیں وہ سارے کے سارے شیطانی انداز ہیں اور پھر اپنے کاروبار کے مراکز کو اس سے پاک رکھو اپنے سفر کی گاڑیوں کو اس سے پاک رکھو اور اپنے گھر کی چاردیواری کو اس سے پاک رکھو اپنے ماحول کو پاک رکھو۔ خدا کی قسم میں اللہ کے فضل کی امید پر ضمانت دیتا ہوں اگر آج ہم اپنے ماحول کو میوزک سے پاک کر لیں جتنی دعائیں قبول نہیں ہوتیں ساری کی ساری قبول ہو جائیں گی۔

احسن حدیث قرآن کا نزول اور اسکے اثرات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ

اللہ تعالیٰ نے سب سے خوبصورت بات جو نازل کی ہے وہ کتاب ہے جس کے مضمون آپس میں ایک جیسے ہیں جو دہرے بیان والی ہے۔

تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ

اور جو رب سے ڈرتے ہیں قرآن سن کے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہاں وہ قرآن کا انداز جس کو سنیں تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ (سورۃ الزمر آیت:۲۳)

پھر اُن کی کھالیں بھی نرم ہوتی ہیں اور اُن کے دل بھی نرم ہوتے ہیں۔

سارے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

کہاں وہ مسلمان گھرانے جہاں صبح قرآن مجید کی تلاوت ہوتی تھی۔

اور سارا دن اُس کا اثر رہتا تھا آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔

رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ کھال کانپ جاتی تھی دل لرز اُٹھتے تھے۔

اور کہاں آج صبح سے شام تک رات سے صبح تک ایک شیطانی کھیل کھیلا جاتا ہے بے حیائی اور عریانی ہے فحاشی ہے اور پھر صرف گانا جو قبیح تھا وہ ہی نہیں رہا بلکہ اُس سے آگے کئی سلسلے شروع ہو چکے ہیں۔

شریعت مطہرہ میں تو اس آواز پہ پابندی لگائی گئی تھی جو آواز لوگوں کو گمراہ کر سکتی ہے۔ پھر اُس آواز کے اندر غلط محبتوں کے مضمون اور رومانس دوہری بُرائی ہے۔ پھر اُس کے ساتھ میوزک بجانا یہ اس میں تیسری برائی ہے اور پھر مرد کی گفتگو عورت کا سننا اور عورت کا گانا مرد کیلئے سننا یہ اس میں مزید کئی ہلاکتوں کا پیش خیمہ ہے صرف ایک بیماری نہیں بلکہ یہاں تو بیماریاں ہی بیماریاں ہیں۔

پردے کے پیچھے نرم گفتگو پہ پابندی

قرآن مجید نے تو آغاز سے منع کر دیا تھا یہاں تک کہ ازواج مطہرات اپنے گھر میں بیٹھی ہیں اُن سے جس وقت کوئی شخص پردے کے پیچھے سے چیز مانگنے آتا ہے تو تقدس کتنا ہے صحابہ کرام کا یقین کتنا ہے، تقوی کتنا ہے۔

اپنی ماؤں سے وہ کوئی چیز مانگنے جاتے ہیں ازواج مطہرات نے اس کا جواب دینا ہے اُس جواب پر قرآن مجید نے کتنے پہرے لگائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

اے میرے نبی علیہ السلام کی گھر والیو، تم اگر تقوی اختیار کرتی رہو تم جیسی کائنات میں کوئی عورت نہیں ہے

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ (سورۃ الاحزاب آیت:۳۲)

بات کرتے وقت نرم لہجہ میں بات نہ کرو۔

جس وقت تم سے کوئی مرد پوچھنے آجائے کہ فلاں چیز گھر میں ہے یا نہیں۔
تو تم نے جس وقت بات کرنی ہے تو وہ بات نرم نہیں ہونی چاہیے۔بات ایسی نہیں ہونی چاہیے جو مرد کو میٹھی لگے۔بات سخت لہجے میں ہونی چاہیے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ازواج مطہرات کو ہے اور بات کرنے والے صحابہ کرام ہیں جن کے تقویٰ کی کوئی مثال نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ

ہوسکتا ہے کوئی منافق آیا ہوا ہو تو اس کے دل میں بیماری پیدا ہوسکتی ہے تم نے بولتے وقت سخت بولنا ہے تا کہ تمہاری آواز تم کو سخت لگے اور کسی طرح کا کوئی دوسرا خیال پیدا نہ ہو سکے۔ اس حکم پر ازواج مطہرات کو بات کا جواب دیتے وقت پابند کیا گیا کہ آپ نے نرم گفتگو نہیں کرنی اور اس انداز کا نہیں بولنا کہ جس میں اٹریکشن ہو اس انداز میں نہیں بولنا کہ جس سے رغبت پیدا ہوسکتی ہو۔عام گھر کے کاموں کی گفتگو کے لحاظ سے اسلام نے پابند کر دیا تو اس اسلام میں یہ کیسے جائز ہوگا کہ ایک عورت بن ٹھن کے اپنی آواز ہی اس لئے نکالتی ہے کہ لوگ میری آواز کو سنیں اور پھر اُس آواز میں مضمون گندہ ہے تو اس سے مزید گندگی بڑھ جائے گی پھر اُس کے ساتھ میوزک بھی ہے تو مزید گندگی بڑھ جائے گی اور پھر وہ مردوں کے سامنے نمائش کرے گی تو مزید گندگی بڑھ جائے گی۔
بے وجہ تو آج پورا ماحول نہیں جل رہا۔

بلا وجہ تو نہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق وشرر سے ملے ہوئے

روزانہ ملک کے اندر ہزاروں واقعات ناجائز تعلقات کے ہو رہے ہیں اس کے پیچھے یہ بیماریاں ہیں اس دین نے تو اس حد تک عورت کی آواز کو بھی محفوظ کیا تھا چہ جائیکہ اس میں کوئی جھوٹا راز محبت بیان ہو رہا ہو اور اُسکے ساتھ آواز میں اٹریکشن پیدا کی جائے اور

لوگوں کی شہوت کو ابھارنے والا انداز اختیار کیا جائے اور میوزک کے ساتھ مردوں کے سامنے ادائیگی کی جا رہی ہو یہ تو بڑے دور کے معاملے ہیں۔

آج کی اس دین متین کی دھرتی کے اندر ہمیں اس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے پوری طرح مرد اپنی آواز کو بچائیں کہ اس کے اندر کسی عورت کیلئے فتنہ ہو اور عورت اپنی آواز کو بچائے مردوں کے لحاظ سے کہ مردوں کیلئے اُس میں کوئی فتنہ ہو، یہاں تک جس وقت ہم پابندی کرلیں گے (ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر وسکون کا نزول ہو جائے گا۔

ایک چھوٹا سا حوض ہو اُس میں بہت بڑا پتھر گر جائے اور پھر لہریں بھی پیدا نہ ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے خشک لکڑیاں ہوں اور انھیں آگ لگائیں لیکن شعلے نہ اُٹھیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اگر واقعی اس پر یقین ہے تو پھر دل میں یہ بات بٹھا لینی چاہیے ہمارا پانی کا مقدس حوض ہے ہمارے گھر کا ماحول اور ہمارے ملک کا ماحول اس میں فحاشی کے پتھر ڈالے جا رہے ہیں لہریں پیدا نہ ہونا ناگزیر ہے اُن لہروں کا درد تو محسوس ہوتا ہے۔ جب کسی کی عزت لٹ جاتی ہے پھر اُسے درد محسوس ہوتا ہے مگر اس سے پہلے ہی ایسا اہتمام ہونا چاہیے کہ حوض میں پتھر نہ گرایا جا سکے۔

پہلے ہی ایسا اہتمام ہونا چاہیے کہ جہاں پر خشک لکڑیوں کو آگ لگائی جا رہی ہو اُس آگ سے لکڑیوں کو بچایا جائے تو اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کے چند فرامین آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک فلمی سٹار یا گویئے جو مسلمان ہو کر گانے گاتے ہیں تو اُن کا حال کیا ہوتا ہے۔

آج لوگ فرق کرتے ہیں کہ فلاں انڈین فلم کا گانا سنتا ہے میں کہتا ہوں کہ وہ تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ لیکن مسلمان کیوں ایسا کرے جس شخص نے گانا گانا شروع کیا اُس کی حالت کیا ہوتی ہے۔

گانے والے کو شیطان کی تھپکی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مَامِنْ رَجُلٍ يَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالْغِنَاءِ اِلَّا بَعَثَ اللّٰهُ عَلَيْهِ شَيْطَانَيْنِ

(الجامع لاحکام القرآن تفسیر قرطبی سورۃ لقمان، ومن الناس من یشتری، ج:۷،ص:۵۰، المکتبہ التجاریہ)

جو آدمی گانا گانا چاہے اگرچہ ابھی میوزک ساتھ نہ بجا ہو صرف جس وقت بغیر باجے کے گانا گانا شروع کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کے دونوں کندھوں پر ایک ایک شیطان بٹھا دیتا ہے۔

کتنا منحوس ہے وہ آدمی جس کے کندھے پر شیطان بیٹھا ہے اور وہ اُس کو حرکت دے رہا ہے تھپکی دے رہا ہے اور یہ گانا گا رہا ہے۔ جن کو قوم سٹار کہتی ہے وہ کیسے فی النار ہو چکے ہیں اُس کے کندھوں پر شیطان بیٹھے ہوتے ہیں جوں جوں وہ گاتا ہے شیطان اُس کو تھپکی دیتا ہے شیطان اُس کو داد دیتا ہے۔

اے بندہ مومن تجھے داد اللہ تعالیٰ کے دربار سے ملنی چاہیے۔ تجھے داد تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے ملنی چاہیے۔ وہ داد کس وقت ملے گی جب زبان پہ قرآن ہوگا۔ زبان پہ دین کی بات ہوگی، زبان پہ نعت شریف ہوگی، زبان پہ درود و سلام ہوگا۔

لہٰذا اپنے اس ماحول میں ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے کہ جنہوں نے خود بھی آگ کا دھندہ کر رکھا ہے اور لوگوں کو بھی آگ کی طرف متوجہ کر رہے ہیں اور جس وقت وہ یہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔ تو شیطان اُن کے کندھوں پہ بیٹھ کے خوشی کر رہے ہوتے ہیں مومن وہ ہے جو ایسے انداز کو اپنے لئے بھی ناپسند کرتا ہے اوروں کیلئے بھی اس کو ناپسند کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

بُعِثْتُ بِكَسْرِ الْمَزَامِيرِ

(تفسیر قرطبی سورۃ لقمان ج:۷،ص:۵۰،المکتبہ التجاریۃ)

مجھے بھیجا اس لئے گیا ہے کہ میں باجے توڑ دوں، سرنگیوں کو توڑ دوں۔

بُعِثْتُ بِهَدْمِ الْمَزَامِيرِ وَالطَّبْلِ (تفسیر قرطبی ۷/۵۰)

میں ڈھول توڑنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

گوین کے پاس بیٹھنے والے کا انجام

پھر رسول اکرم ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا۔

مَنْ جَلَسَ اِلٰى قَيْنَةٍ يَسْمَعُ مِنْهَا صُبَّ فِيْ اُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(بخاری شریف فی التفسیر)

جو شخص کسی گوین کے پاس بیٹھتا ہے اس سے گانا سنتا ہے تو اس کے ساتھ کیا ہوگا جب قیامت کا دن ہوگا اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کے ڈالا جائے گا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

آج اس کی بڑی آسانی ہوگئی پہلے کوئی پیسے والا ہوتا کوئی گوین خریدتا اور پھر اس کا گانا سنتا اور پھر جہنمی بنتا، آج گھر گھر ٹی وی ہے۔ گھر گھر وی سی آر ہے گھر گھر سی ڈی پلیئر ہے اور ٹیپ ریکارڈر ہے۔ ہر چیز میں عورتوں اور مردوں کا گانا موجود ہے اور پھر اس کو جرم نہیں سمجھا جارہا۔ اس کو ریفریشمنٹ کہا جاتا ہے اس کو تفریح کہا جاتا ہے حتیٰ کہ حالت روزہ میں اور نماز کے اوقات میں بھی لوگ گانے سننے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ جملہ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کو جھنجھوڑ رہا ہے۔ کہ اگر تم نے میرا کلمہ پڑھا ہے تو جس کو میں بہتر سمجھتا ہوں اُسے بہتر سمجھنا ہوگا اور جس کو میں تمہارے لئے خطرناک سمجھتا ہوں اُسے خطرناک سمجھنا ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے

ہیں جو گانا سن رہا ہے اُس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کے ڈالا جائے گا، قیامت کے دن اتنا شدید عذاب بندے کے سامنے ہوگا اُس وقت اُس کی کیا حالت ہوگی۔

اس واسطے میرے بھائیو!

یہ چند دنوں کی زندگی گانے کے بغیر گذار دیں اُس کے بغیر بھی زندگی میں لذت ہے گانے کے بغیر بھی اس زندگی میں چاشنی موجود ہے، لہٰذا گانوں سے پابندی کرتے ہوئے میوزک سے اپنے کانوں کو بچاتے ہوئے ہمیں اپنی زندگی بسر کرنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اجرِ عظیم عطا فرمادے۔

گانا گانے والا شیطان

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ نَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ بِالْعَرْجِ اِذْ عَرَضَ شَاعِرٌ یُنْشِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خُذُوْا الشَّیْطَانَ اَوْ اَمْسِکُوْا الشَّیْطَانَ

(صحیح مسلم شریف کتاب الشعر، ج:۲ص:۲۴۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

رسول اکرم ﷺ عرج مقام پر موجود تھے۔ایک گویا سامنے آگیا جس وقت آپ نے اُسے دیکھا تو ارشاد فرمایا:۔

خُذُوْا الشَّیْطَانَ

میرے صحابہ شیطان کو پکڑو۔

یہ تمہارے سامنے چلتا پھرتا شیطان ہے۔جس کو رسول اکرم ﷺ نے شیطان کہا آج قوم کے بیٹے اُنکی تقلید کرتے ہیں اُن جیسے بال رکھتے ہیں اور اُن جیسا حُلیہ بناتے ہیں اُن لوگوں جیسے کپڑے پہنتے ہیں اور انھیں اپنا ہیرو سمجھتے ہیں اور انھیں عزتیں دیتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ عزت والا نہیں یہ شیطان ہے کہ جس نے گانے کا دھندہ کیا جو گانے کا عادی بن گیا اور لوگوں کے سامنے لوگوں کے یقین کو لوٹنے لگا جب آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے اس کو پکڑلو۔

پیٹ میں پیپ کا بھر جانا گانے سے بہتر

اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

لَاَنْ یَّمْتَلِیَ جَوْفُ الرَّجُلِ قَیْحًا خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّمْتَلِیَ شِعْرًا

(صحیح مسلم کتاب الشعر ج:۲،ص:۲۴۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اگر انسان کا دل اور سینہ اور انسان کا پیٹ پیپ سے بھر جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ اُس کے دل میں کوئی گانا موجود ہو۔ اُس کے اندر کوئی گانا موجود ہو پیٹ کے اندر کوئی اتنی گندگی نہیں ہے جتنی گندگی گانے کی ہے۔

آج ہمارے بچے جس وقت گانے گاتے ہیں والدین خوشی سے بیٹھ کر سنتے ہیں اور پھر انھیں داد دیتے ہیں کہ میرا بچہ گانا گا رہا ہے اس کو اتنی فلموں کے گانے آتے ہیں اتنے گانے فلمی ایکٹروں کی طرح گا سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو میری امت کا ہوگا اُس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچائے رکھے اندر اگر گندگی ہے تو باہر بھی گندگی ہوگی اندر اندھیرا ہے تو باہر بھی اندھیرا ہوگا۔ دل میں گانے ہونگے تو زبان بھی گندی ہوگی۔ ماحول گندہ ہو جائے گا ستھرا ایک ہی انداز ہے کہ تم اپنے سینوں کو قرآن مجید کی سورتوں سے بھر لو، سینہ بھی مدینہ بن جائے گا اور زندگی بھی مدینہ بن جائے گی۔

گانے سے دل میں نفاق

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ

(شعب الایمان الباب الرابع والثلاثون من شعب الایمان فصل فی لفظ الملستان عن الغناء۔ ج:۴ص:۲۷۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

جس طرح پانی لگانے سے کھیتی پیدا ہوتی ہے اور کئی جڑی بوٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں کئی بیج صرف پانی لگانے سے خود بخود اگ جاتے ہیں۔

ایسے ہی بندے کے دل کی دھرتی میں بھی کچھ بیج ہیں وہاں کا ایک پانی ہے وہ پانی جس وقت لگتا ہے تو دل کے گلشن اور دل کی کھیتی میں بھی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ظاہری زمین پر پانی لگا تو کئی قسم کی بوٹیاں پیدا ہو گئیں۔ اچھی بھی اور کانٹے دار بھی پھولوں والی بھی۔

دل کی زمین میں منافقت کے بیج موجود ہیں اُس وقت تک وہ نہیں اُگتے جب تک شیطانی پانی نہیں پہنچتا۔ لیکن جس وقت شیطانی پانی پہنچتا ہے پھر دل میں منافقت کی بوٹیاں جنم لیتی ہیں۔ اگر شیطانی پانی نہ ہو تو وہ پانی نہ بیج تک پہنچتا ہے اور نہ وہ بیج اگتا ہے اور نہ ہی منافقت پیدا ہوتی ہے وہ پانی کونسا ہے تو وہ گانا بجانا ہے اور اُس کا پانی ہے اس کی وجہ سے دل میں منافقت پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے دل میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آج ہم اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو گانے سے تو محفوظ نہ رکھ سکیں اور پھر شکایت یہ کریں کہ بچہ میرا ہے، پتہ نہیں اتنی شرارتیں کیوں کرتا ہے۔ بچہ میرا ہے کام شیطانوں والے کرتا ہے، مجھ پر کسی کام میں نہیں گیا، اور دن رات شیطان کے کاموں میں لگا رہتا ہے۔

میرے بھائیو!

بچہ رحمانی کام تب کرے گا جب دل شیطان کے پانی سے بچا ہوا ہوگا اگر خود بچے کو فلم دکھانے لے جاؤ اور خود بچے کو برائی کیلئے ساتھ لے جاؤ اُسے خود اس کام کی طرف لگا دو اور پھر تم شکایت کرو کہ بچہ نیکی نہیں کرتا وہ کیسے نیکی کر سکے گا۔ مرکز تو دل ہے وہاں نیکی ہوگی تو ہاتھ میں نیکی ہوگی دل میں نیکی ہوگی تو کان میں نیکی ہوگی، دل میں نیکی ہوگی تو آنکھ میں نیکی ہوگی دل میں نیکی ہوگی تو زبان پہ نیکی ہوگی۔

لیکن جس وقت دل ہی شیطان کا گڑھ بن جائے گا تو پھر نیکی کہاں سے آئے گی۔

اس واسطے میرے بھائیو۔

منافقت اور ہر قسم کے شر سے بچنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ میوزک سے فضا کو صاف کر لیا جائے اور کم از کم اپنا ماحول تو صاف کیا جائے۔ کانوں میں انگلی دیکر اپنے آپ کو بچایا جائے۔ ربّ کعبہ کے فضل کی امید ہے جب ہر طرح کی پابندی ہوگی اور میوزک سے ہی اپنے آپ کو جس وقت ہر انسان بچائے گا تو اُس کے دل میں نور کا درخت پورے گلشن کی شکل اختیار کر جائے گا۔

سرنگی کی آواز اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

فَسَمِعَ ابْنُ عُمَرَ مِزْمَارًا

آپ کو سرنگی کی آواز آئی۔

فَوَضَعَ اِصْبَعَیْهِ فِیْ اُذُنَیْهِ

تو آپ نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انگلیاں کانوں میں دے لیں اور راستہ چھوڑ دیا وہ راستہ تبدیل کر کے دوسرے راستہ پہ چلے گئے۔ حضرت نافع کہتے ہیں کہ کافی دور چلے گئے میں اُس وقت چھوٹا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا۔

هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا قال فقلت لا قال فَرَفَعَ اِصْبَعَيْهِ مِنْ اُذُنَيْهِ

کیا تمہیں کوئی آواز آ رہی ہے۔ تو میں نے کہا کہ مجھے کوئی آواز نہیں آ رہی۔ پھر آپ نے اپنے کانوں سے انگلیاں باہر نکالیں۔

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں کہاں یہ کہ اپنی گاڑی میں میوزک کی کیسٹ رکھی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دور سے سرنگی کی آواز آئی اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں راستہ چھوڑ دیا۔

اور پھر حضرت نافع سے پوچھ کر اپنے کانوں سے انگلیاں نکال لیں۔

قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَمِعَ مِثْلَ هٰذَا فَصَنَعَ مِثْلَ هٰذَا

(سنن ابی داؤد شریف کتاب الادب باب کراھیۃ الغناء والزمر ج:۲ ص:۳۲۶ مکتبہ امدادیہ ملتان)

پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نافع سے کہا کہ اے نافع سنو میں نے یہ سب کچھ اس لئے کیا ہے کہ ایک دن میں چھوٹا تھا میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا ایسے ہی آواز آپ کو آئی تھی تو آپ نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں تھیں اور راستہ بدل لیا تھا میں نے آپ سے اُس دن کا سبق حاصل کیا ہے اور میں نے تمہارے سامنے ایسا عمل کیا ہے رسول اکرم ﷺ کی سنت پہ عمل کرتے ہوئے تا کہ قیامت تک اس دین کے بچے بچے کو پتہ چل جائے کہ ہم وہ نہیں ہیں کہ جن کے کان شیطانوں کے گڑ بن جائیں اور جن کے کانوں میں شیطانوں کا پیشاب داخل ہو جائے۔ نہیں نہیں۔

ہم نے رسول اکرم ﷺ کی غلامی کا پٹا اپنے گلے میں ڈالا ہے۔ جنہوں نے ہمیں یہ سبق پڑھایا اور بتایا کہ تمہارے لئے یہ ضروری ہے کہ جس وقت ایسی آواز آ رہی ہو

تمہارے اختیار میں اُس کو بند کرنا نہ ہو تو اپنے کان تو بند کر سکتے ہو اپنے کانوں میں جب تم انگلیاں ڈال لوگے تو اللہ تعالیٰ پکا اور حقیقی ایمان عطا فرما دے گا۔

گانا سننا گمراہی ہے

رسول اکرم ﷺ کی حکمت بھری باتیں اور اپنی امت کو جو آپ نے لائحہ عمل دیا ہے اُس کے لحاظ سے آپ کا کتنا پیارا فرمان ہے۔

اِسْتِمَاعُ الْمَلَاهِیْ مَعْصِیَةٌ وَالْجُلُوْسُ عَلَیْهَا فِسْقٌ وَالتَّلَذُّذُ بِهَا مِنَ الْکُفْرِ

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کتاب الصلوۃ باب صلوۃ العیدین الفصل الاوّل۔ ج:۳ ص:۴۹۰ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

جو شخص گانا بجانا غور سے سنتا ہے وہ معصیت کر رہا ہے۔

استماع کا مطلب یہ ہے کہ بندہ گذر رہا تھا راستے میں گانے کی طرف اس نے توجہ شروع کر دی اپنے طور پر لگائے تو پھر جیسے بھی ہو گنہگار ہے کسی نے گانا لگایا ہوا تھا۔ یہ گذر رہا تھا گذرتے گذرتے اسکے کانوں میں آواز پڑی تو اس نے کانوں میں انگلی نہیں دی اور اسکی طرف متوجہ ہو گیا رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ معصیت ہے۔

وَالْجُلُوْسُ عَلَیْهَا

اگر اس نے بیٹھ کر سننا شروع کر دیا وہ محفل ہی گانے کی ہو رہی ہے تو سرکار ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ بیٹھنا فسق ہے۔

وَالتَّلَذُّذُ بِهَا مِنَ الْکُفْرِ

پھر وہ گانا سن کر لذت حاصل کرنا کفر ہے۔

آج یہ سارے کام ہوتے ہیں۔ اس کو اپنا کلچر کہہ دیا جاتا ہے پھر کہتے ہیں کہ ہم تھکے ہوئے تھے اب ہم تفریح کر رہے ہیں اور اس سے ذہن تازہ کر رہے ہیں۔

بھائیو!

ذہن تازہ اس سے کرو جس سے ذہن تازہ ہوتا ہے اور جس سے ذہن آتش فشاں بنے اُس کی شریعت مطہرہ میں اجازت نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے تین لفظ بول دیئے ''فسق کا، معصیت کا اور کفر کا'' یہ تینوں کام ہماری روٹین میں داخل ہو گئے ٹی وی پہ ہر وقت گانا چل رہا ہے۔ اگر کوئی بندہ تصویر نہ بھی دیکھے لیکن آوازیں تو گھر میں ہر وقت گونج رہی ہیں وہ مسلمانوں کے گھر جہاں قرآن کی آواز گونجتی تھی جہاں رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کی آواز گونجتی تھی اور جہاں رسول اکرم ﷺ کی نعت پڑھنے کی آواز گونجتی تھی اُن میں آج بے حیا اور بے شرم لوگوں کے گانے بجانے کی آوازیں گونج رہی ہیں اور پھر روکنے والا کوئی نہیں۔ ہر شخص کہتا ہے کہ میں کسی کو کیوں کچھ کہوں میں اپنی بات کا ذمہ دار ہوں میں کسی کو کچھ نہیں کہوں گا۔

اگر سارے لوگ ایسا کہنا شروع کر دیں پھر دین تو چپ ہو جائے۔

دین تو خاموش ہو جائے۔ دین تو پھر اپنے گھر بیٹھ جائے اور سارے ماحول کو کھلا چھوڑ دیا جائے نہیں نہیں یہ پالیسی ہمارے دین کی پالیسی نہیں ہے۔ ہمارے دین کی پالیسی یہ ہے کہ خود بھی بچنا ہے اور اوروں کو بھی ان برائیوں سے بچانا ہے۔

امت میں خسف مسخ اور قذف کا عذاب

رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہم اپنے سامنے رکھیں ابھی بھی وقت ہے ابھی بھی پانی سر سے نہیں گذرا۔ ترمذی شریف کی حدیث شریف ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ وَّقَذْفٌ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں خسف بھی ہوگا۔ مسخ بھی ہوگا اور قذف بھی ہوگا۔

ابھی تک مجموعی طور پر ایسا نہیں ہوا۔ خسف کا مطلب ہے کہ بستیاں دھنس جائیں گی لوگ رات کو سوئیں گے صبح کو بستیاں مٹ چکی ہوں گی۔

مسخ کا مطلب یہ ہے چہرے بدل چکے ہونگے سوئیں گے تو انسان ہونگے اٹھیں گے تو معاذ اللہ خنزیر بن چکے ہونگے۔ بندر بن چکے ہونگے۔

قذف کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پتھروں کی بارش ہو جائیگی ہر طرف سے پتھر برسنا شروع ہو جائیں گے۔ لوگ زخمی ہو جائیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ ہلاکتیں بیان کیں کہ ایسا وقت آجائے گا ایسا ہو سکتا ہے۔

معاشرے میں میوزک ہلاکت کا سبب

فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَتٰى ذٰلِكَ

ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کب ہوگا۔

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا ظَهَرَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ

(جامع الترمذی ابواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ماجاء فی اشراط الساعۃ ج:۲، ص:۴۵، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

جس وقت معاشرے میں کنجریاں پیدا ہو جائیں گی اور معاشرے کی بڑی تعداد گوین عورتوں کی بن جائے گی اور آلات موسیقی عام ہو جائیں گے۔ ہر طرف اُن کا گانا بجانا عام ہو جائے گا۔ مزامیر، سرنگیاں، طبلے، باجے، ڈھول عام ہو جائیں گے۔

اور شرابیں پی جائیں گی کلب بن جائیں گے ہوٹلوں میں شراب عام ہو جائے گی۔ پھر اُس وقت ایسی ہلاکتیں آسکتی ہیں میری امت کو اُن ہلاکتوں کے آجانے سے پہلے اپنا احتساب کرنا چاہیے اگر انھوں نے خسف، مسخ اور قذف سے بچنا ہے تو ان لوگوں کو لگام

دیتی ہے۔ جو ماحول میں ایسا دھندہ کر رہے ہیں جو روزانہ فلم انڈسٹری کیلئے باقاعدہ بجٹ منظور کیے جاتے ہیں۔ نوجوان بچیوں کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے کہ وہ گانا گائیں اور نوجوان بچوں کو ایکٹر بنایا جا رہا ہے۔

آج اس بات کی حوصلہ شکنی کرنا ہوگی۔

پھر شرابیں عام ہو جائیں گی لوگ فیشن کے طور پر پینا شروع کر دیں گے، اگر ایسا ملت میں رائج رہا تو پھر معاذ اللہ ہمیں ایسا منظر دیکھنا پڑ جائے گا کہ رات کو سوئیں اور صبح کو خنزیر بن چکے ہوں اور بستیاں الٹ چکی ہوں پتھروں کی بارش ہو چکی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے وقت سے محفوظ رکھے۔

اللہ تعالیٰ اُس وقت کے آنے سے پہلے ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنا کردار ادا کریں اب اس کیلئے کسی تلوار کی ضرورت نہیں، کسی توپ کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کیلئے سچے عقیدے اور سچے عمل کی ضرورت ہے اور بیداری کی ضرورت ہے اور زبان کے ستھرا ہونے کی ضرورت ہے۔ جہاں بیٹھو اگر وہاں ایسا ہو رہا ہے تو تم ان کو پیار سے کہو اور انھیں اپیل کرو کہ خدارا بند کر دو۔ اگر وہ بند نہیں کرتے تو پھر اپنا پیغام تو پہنچاؤ، اُن سے اس بات پر جھگڑا تو کرو کہ یہ ہمارے رسول علیہ السلام کے دین کی خلاف ورزی ہو رہی ہے سرکار علیہ السلام کے ہم امتی ہیں۔ ہم سے برداشت نہیں ہوتا کہ سرکار کے دین کی مخالفت ہوتی رہے اور ہم چپ کر کے سنتے رہیں یا ہم برائی کا حصہ بن جائیں نہیں نہیں۔ ہم ان شاء اللہ برائی کا حصہ نہیں بنیں گے اور آخری سانس تک برائی کے خلاف جہاد کرتے رہیں گے اور یہ میرے رب کا فضل ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ ضرور فائدہ مرتب فرمائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ حدیث شریف روایت کرتے ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰی عَنْ ضَرْبِ الدُّفُوْفِ وَصَوْتِ الزَّمَّارَةِ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دفیں بجانے سے منع فرمایا اور بانسری کی آواز سے منع کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ مدینہ شریف کی گلی میں بیٹھے تھے ایک نوجوان گزرا۔

وَهُوَ يُغَنِّيْ

وہ گانے گا رہا تھا۔

رسول اکرم ﷺ نے جس وقت اُس کو گانا گاتے دیکھا تو ارشاد فرمایا:۔

وَيْلَكَ

تو تباہ ہو جائے۔

يَاشَابُّ هَلَّا بِالْقُرْآنِ تُغَنِّيْ

اے نوجوان کیا تجھے قرآن پڑھنا نہیں آتا، قرآن کیوں نہیں پڑھا آواز تو قرآن کی آنی چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ اس انداز میں اپنی پوری زندگی میں اس طرح تبلیغ فرماتے رہے۔ لوگوں کو جھنجھوڑتے رہے۔ لوگوں کی بہتری کیلئے اُن کی اصلاح کرتے رہے کہ پورا ماحول اُس وقت کا معطر تھا، منور تھا، نورانی تھا۔

آج میرے بھائیو!

یہ چنگاری جو ہمارے خرمن میں لگی ہوئی ہے ہمیں ابھی تک نقصان کا اندازہ نہیں ہوسکا، اگر ہمیں خدا کی قسم اندازہ ہو جاتا تو کوئی بندہ چپ کر کے نہ بیٹھتا ہر بندہ ہر گلی میں متحرک ہوتا، ہر محلے میں متحرک ہوتا، ہر شہر میں متحرک ہوتا، اصل میں فتنہ یہ ہے کہ ہمیں نقصان کا اندازہ نہیں ہو رہا، کہ گانا گانے سے سوسائٹی کا نقصان کتنا ہو گیا ہے اور پوری ملت میں یہ ایک نحوست ہے اور مسلمانوں میں ایک کمزوری آگئی ہے اور پھر اُس میں مین بیماری یہ ہے کہ ان کو فوج کے اندر بھی داخل کر دیا گیا ہے مسلمان ممالک کی افواج میں گانے بجانے کے دھندے عام ہو گئے ہیں تو فوجیوں کی ہیبت ختم ہو گئی ہے۔ فوجیوں کا رعب ختم ہو گیا ہے۔

کانوں کو گانوں سے بچا کے رکھنے والوں کا انعام

اسواسطے میرے بھائیو!

ہم نے اپنے پورے ماحول کو یوں پاک کرنا ہے اور ستھرا کرنا ہے قیامت کا دن ہوگا اُس دن پتہ چلے گا اس جہاد کا فائدہ کتنا ہے۔ اگر آج کان گندے ہونگے قیامت کے دن سیسہ پگھلا کے ڈالا جائے گا اگر کان صاف ہونگے تو پھر کیا ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو آواز دے گا جنہوں اپنے کانوں کو گانا سننے سے بچائے رکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

أَيْنَ عِبَادِيَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُنَزِّهُوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَسْمَاعَهُمْ عَنِ اللَّهْوِ وَعَنْ مَّزَامِيْرِ الشَّيْطَانِ

میرے وہ بندے کہاں ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنی جانوں کو اور اپنے کانوں کو لہو سے اور گانے بجانے سے بچا کے رکھا تھا۔

جنہوں نے اپنی جان کو محفوظ رکھا اور جنہوں نے شیطانوں کی آوازوں سے اپنے آپ کو بچا کے رکھا ہے۔ فرشتے کہیں گے یا اللہ یہ سامنے موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

أَدْخِلُوْهُمْ رِيَاضَ الْمِسْكِ

ان سب کو کستوری کے باغات میں داخل کرو۔ کستوری کے باغات میں ان کو بٹھاؤ۔

وَأَخْبِرُوْهُمْ

اوران کو تم خبر دو۔

قَدْ اَحْلَلْتُ عَلَيْهِمْ رِضْوَانِيْ

میں نے ان پر اپنے رضوان کو حلال کر دیا ہے۔

اَسْمِعُوْهُمْ تَسْبِيْحِيْ

(الجامع لاحکام القرآن سورۃ لقمان زیر آیت ومن الناس من یشتری لھوالحدیث ج:۷،ص:۵۰ جزوالثالث عشر المکتبہ التجاریہ)

اے میرے فرشتوں ان کو تم میری تسبیح سناؤ۔

انہوں نے دنیا میں اپنے کانوں کو بچا کے رکھا تھا مگر آج ان کا وقت آیا ہے ان کے کانوں کو ہم ثواب دیں گے۔ کتنا حسین منظر ہوگا کہ کستوری کا باغ اور نور کا منبر ہوگا امتی اُس پر بیٹھا ہوگا اور جنت کے قاری جن کو روحانی کہا جاتا ہے وہ ہر بندے کے کان میں وہ آواز پیدا کریں گے جو آواز اس نے دنیا میں کبھی بھی نہیں سنی ہوگی۔

یہ کب میسر آئے گی جس وقت ہمارے کان پاک اور صاف رہیں گے۔ اسواسطے میرے بھائیو۔

اس مختصر سے پیغام کو سمجھ کر آگے پہنچانے کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں جو ہلاکتیں ہیں اُس میں کچھ حصہ نام نہاد مفکرین کا بھی ہے جنہوں نے گانے بجانے کو دین کا حصہ قرار دے دیا اور وہ مزید ہلاکتوں میں شامل ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اس کو روح کی غذا کہتے ہیں۔ یہ نفس کی غذا تو ہو سکتی ہے مگر روح کی غذا نہیں ہو سکتی۔

دیکھنا ہے اگر اس میں کچھ بھی سچائی ہو تو زمانے کے ماحول کے اندر جو لوگ گانے بجانے والے ہیں محلے کے تھڑے پہ بیٹھے ہوئے آوارہ قسم کے لوگ جو روزانہ گانا سنتے ہیں اگر یہ روح کی غذا ہے تو کیا اُن کی روح مطمئن ہے۔ کیا وہ تقویٰ والے ہیں کیا وہ پرہیز گاری والے ہیں، اگر یہ روح کی غذا ہوتی تو پھر گانے سننے والے زمانے کے ولی

ہوتے، وہ مصلح ہوتے اور قوم کا سرمایہ ہوتے، مگر وہ کیا ہیں چور ہیں، ڈاکو ہیں، بدمعاش ہیں اور وہ لوگوں کی عزتیں لوٹنے والے ہیں۔ تو گانا سننے سے وہ خراب ہوئے نہ کہ اُنکی اصلاح ہوئی ہے۔ لہٰذا بندے کو ایسی فکر سے توبہ کرنی چاہیے کہ اس ماحول میں جب بدی شعلے مار رہی ہے پھر کہا جائے کہ نہیں گانا روح کی غذا ہے یہ مومن کی روح کی غذا نہیں بلکہ یہ شیطانی غذا ہے۔

جس سے لوگوں میں مزید شیطانیت پیدا ہوتی ہے۔

رہا معاملہ کچھ خاص بندوں کا تو انہوں نے مخصوص ماحول میں جو سماع کا ایک انداز تھا اُسکو جائز سمجھا اور پھر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ فرمانے لگے کہ ہم نے معاشرہ دیکھ لیا ہم نے سوسائٹی دیکھ لی چونکہ لوگوں کے اندر اس سے بُرائی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کیلئے اس کو جائز نہیں سمجھتے۔

لیکن خاص لوگوں کو عام لوگوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

فرق کیلئے مثال کافی ہے۔

ایک ہے خشک لکڑی اور ایک ہے سرسبز و شاداب لکڑی۔

اب سرسبز و شاداب لکڑی کو اگر آگ نہیں لگتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خشک لکڑیوں کو بھی آگ لگا دی جائے۔ سرسبز و شاداب لکڑی کا ایک اپنا مقام ہے اسکی اپنی صلاحیت ہے اُس کے اپنے حقوق ہیں، لہٰذا وہاں آگ کا نہ لگنا اجازت نہیں دیتا کہ خشک لکڑیوں میں بھی آگ لگائی جائے۔

لہٰذا کچھ خاص لوگوں کو سامنے رکھ کر سوسائٹی میں خشک لکڑیوں کو آگ لگانے کی کوشش مت کی جائے، ہر لحاظ سے اسکو چنگاری سمجھا جائے۔

ان شاء اللہ جس وقت اس میں پابندی ہوگی تو اس کے ثمرات معاشرے میں آنا شروع

ہو جائیں گے۔

میں آپ کو اس بات کی گارنٹی دیتا ہوں اللہ کے فضل سے کہ جس شخص کو بھی گانا سننے کی عادت ہے وہ اس عادت کو بند کر کے دیکھے رزق میں اور اسکی زبان میں برکتیں ہونگی، اُس کے گھر میں برکتیں ہوں گی گھر کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے ناچاقیاں اور بدسلوکیاں ختم ہو جائیں گی کاروبار کا مندا ختم ہو جائے گا جو پابندی کرے گا دل میں نور بھی پیدا ہوگا لذت بھی پیدا ہوگی پھر وہ وقت آئے گا۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا حارثہ صبح کیسے ہوئی تو کہتے ہیں کہ عرش تک نگاہ پہنچ چکی تھی۔

یہ ساری صورتحال تب ملے گی جس وقت ہم اپنے آپ کو ستھرا بنائیں گے اور بالخصوص اس موضوع کے لحاظ سے ہر آدمی کیلئے پابندی نہایت ضروری ہے۔

جو گھر صاف رکھتے ہیں ان کو گلی میں اسکا سامنا ہے گاڑی میں سامنا ہے تو کانوں میں انگلی دینا مومن کا شعار ہونا چاہیے تا کہ لوگوں کے سامنے اسکا اظہار بھی ہو اور لوگوں کو پتہ بھی ہو، بات سن لینا اور کہہ دینا کہ درست اچھا اور عمل نہ کرنا یہ ہمارے فہم دین کا حصہ نہیں ہے۔ جتنے حضرات ہیں اور جتنی خواتین ہیں سب سے یہ میری ایک دست بستہ اپیل ہے اسکو میں اپنے اوپر فرض اور قرض سمجھتا تھا اس قرض کو اتارنے کیلئے تمہیں بٹھایا ہے۔ اتنے قیمتی وقت میں تمہارے سامنے پیغام پہنچایا ہے میری دعا ہے کہ نہایت ہی قیمتی لمحات میں ہماری ان دعاؤں کو قبول فرمائے اور میرا مولا میوزک کے خلاف اپنی ہاتھوں سے جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
9

حق چار یار رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

(سورت فتح آیت نمبر: ۲۹)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ و اعظم شانہ کی حمد و ثنا اور حضور سرور کائنات، مفخر موجودات، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالیشان میں ھدیہ درود و سلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر و محراب، ارباب فکر و دانش

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی توفیق سے ہم سب کو ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے 10 ویں درس میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

"حق چار یار رضی اللہ تعالیٰ عنہم"

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت کا فہم عطا فرمائے اور ہمیں حقیقی سچے اور ستھرے نظریات پر قائم رہتے ہوئے ان کی تبلیغ کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ موضوع بڑا ہی اہم موضوع ہے۔ اس کی بہت زیادہ وضاحتیں ہیں اس کو آپ نے دل کے کانوں سے سن کر سمجھنا ہے اور اس کو آگے پہنچانا ہے۔

اہل حق ہر طرف سے فتنوں کی لپیٹ میں ہیں، ان فتنوں میں سے ایک فتنہ خلافت راشدہ کے خلاف پروپیگنڈہ کا ہے اور خلفاء راشدین کی عظمت، فضیلت اور مقام و مرتبہ کے خلاف ہے۔

ہم اہل حق ہر فتنے اور ہر خطرے کو محسوس کرتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا جواب چاہتے ہیں۔

خلفاء راشدین کی عظمت دل سے ماننا بقاء ایمان

ہمارا یہ یقین ہے کہ

اسلام ما است طاعت خلفاء راشدین

ایمان ما محبت آل محمد ﷺ است

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مقام اور رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام اور ان کی عظمت کو دل سے ماننا اور جاننا ہمارے ایمان کی بقاء ہے۔

تاجدار اہلسنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لئے کہا تھا کہ

اہل سنت کا ہے بیڑہ پار اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر جہت کی خوشبو اور اجالا عطا فرمایا ہے۔

قرآن سے عظمت صحابہ کا بیان

قرآن مجید کی سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ

اور انکے ساتھ والے

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

کافروں پر سخت ہیں۔

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

آپس میں بڑے نرم دل ہیں۔

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا

تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے

يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

اللہ کا فضل و رضا چاہتے۔

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ

(سورۃ الفتح پارہ 26 آیت نمبر 29)

اُنکی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے بالخصوص خلفاء راشدین کی عظمت کو واضح کیا گیا اور رب ذوالجلال نے اپنے محبوب کی شان کو ذکر کرنے کے فوراً بعد اپنے محبوب علیہ السلام کے تربیت یافتہ عظیم خلفاء کا بڑے خوبصورت انداز میں تذکرہ فرمایا۔

ترتیب اسماء خلفاء راشدین

اس گفتگو میں ہم کوئی تفصیلی بحث نہیں چھیڑ رہے بلکہ صرف ایک ترتیب بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا تذکرہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش نظر رکھا اور جب بھی خلفاء راشدین کے نام لئے تو اسی ترتیب سے لئے جو ترتیب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تھی۔

صحابہ کرام میں سے فضیلت کی بنیاد پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لئے تو ایک ترتیب سے نام لئے اور صحابہ کرام نے بھی ان کے نام ایک ترتیب سے لئے، تابعین نے بھی خلفاء

اربعہ کے نام ایک ترتیب سے لئے اور ہماری ملت کے اولیاء نے بھی اسی ترتیب کو قائم رکھا جو ترتیب رسول اللہ ﷺ نے بیان کرتے ہوئے خلفاء اربعہ کی ترتیب رکھی تھی۔

آج ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ جس انداز میں آپ ﷺ نے اپنے یاروں کا تذکرہ کیا، ہم بھی اسی انداز میں کریں جس انداز میں خلفاء اربعہ کا تذکرہ صحابہ کرام نے کیا، تابعین نے کیا، پوری امت نے کیا اسی انداز کو برقرار رکھا جائے۔ کسی دوسرے گروہ کے نظریات سے متاثر ہو کر نبی علیہ السلام کے طریقے کو چھوڑ دینا، اہلبیت اطہار اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے طریقے کو چھوڑ دینا یہ ہرگز حق پرستوں کا شیوہ نہیں ہے۔

یہاں راستہ جب وحی سے ہمارے سامنے موجود ہے تو حق پرست جس وقت اپنا یقین اور ایقان اس بحث سے حاصل کر لیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسکو اسکے نظریات سے آگے پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔

مقام خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اس سلسلہ میں عام لوگوں کے پاس تحقیق کا وقت تھوڑا ہے اور جیسی روش چل نکلتی ہے اسی کی لوگ پیروی شروع کر دیتے ہیں اور یہ سوچتے نہیں کہ عقیدے پر عمل کی بنیاد ہے اگر عقیدے میں کجی آ گئی تو سارا عمل رائیگاں چلا جائے گا۔

ہمارا با قاعدہ خلفاء راشدین کے عقیدے کے مطابق ایک سلیبس ہے اور ان کی ذوات کے مطابق ایک سلیبس ہے چونکہ انکی ذوات اتنی عمدہ ہیں کہ انھیں نبوت کے بعد ایک سٹیٹس دیا گیا ہے اور ہمارے آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِی وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِین

تم پر میری سنت بھی لازم ہے اور میرے خلفاء کی سنت بھی لازم ہے۔
لہٰذا جن لوگوں کو دین میں اتنا بڑا مرتبہ دیا گیا تو ان کے بارے میں ہمارا ایک نظریہ ہونا چاہیے کہ جن کی سنت نبوت کے بعد اتنی اتھنٹک اور حتمی ہے کہ اگر اس طریقے کو اپنائیں تو رب خوش ہوتا ہے اور اس طریقے پر چلیں تو اللہ کی رضا ملتی ہے تو یقیناً ان شخصیات کے بارے میں ایک ایمان اور یقین کا معیار بھی ہونا چاہیے اس سلسلہ میں اختصار سے مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا ایک قول بحیثیت اپنے عقیدہ کے بیان کرتے ہوئے قرآن وسنت کے دلائل پیش کریں گے۔
حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات شریف میں ارشاد فرماتے ہیں۔
افضلیتِ حضرات خلفائے اربعہ بترتیبِ خلافتِ ایشانست
(مکتوبات دفتر سوئم ۲/۳۷)
چاروں خلفاء (حضرت سیدنا صدیق اکبر، حضرت سیدنا عمرِ فاروق، حضرت سیدنا عثمانِ غنی، حضرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم) کی افضلیت کی وہی ترتیب ہے جو ان کی خلافت کی ترتیب ہے۔
جس انداز میں ان کو خلافت ملی وہی انداز ان کی فضیلت کا ہے۔
اس لیے پہلے خلیفہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں تو افضلیت میں پہلا مقام بھی ان کا ہے، دوسرے خلیفہ حضرت سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ ہیں تو فضیلت میں دوسرا مقام ان کا ہے، تیسرے خلیفہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ ہیں تو امت میں فضیلت کا تیسرا درجہ ان کا ہے اور چوتھے خلیفہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ہیں تو امت میں فضیلت کا چوتھا درجہ ان کا ہے۔

ترتیبِ افضلیتِ خلفاءِ اربعہ پر اہل حق کا اجماع

یہ پوری امت کا اتفاقی عقیدہ ہے۔

آج تک پوری امت مسلمہ اس بات پر قائم ہے کہ ان خلفاء کے درمیان فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو رب ذوالجلال نے ان کے درمیان خلافت کی ترتیب عطا فرمائی اور جس جس نمبر پر وہ خلیفہ ہے اسی نمبر پر ان کو اللہ تعالیٰ نے عظمتیں عطا فرمائیں ہیں۔

اجماع کا مطلب

اجماع کا مطلب یہ ہے کہ نہ صحابہ میں سے کسی نے اختلاف کیا نہ تابعین میں سے کسی نے اختلاف کیا نہ تبع تابعین میں کسی نے اختلاف کیا نہ ائمہ میں سے نہ مفسرین میں سے، نہ محدثین میں سے، نہ اولیاء میں سے، نہ قطب واغیاث میں سے کسی نے اختلاف کیا۔

ہمیشہ اس بات کو دین کا، ایمان کا حصہ سمجھا گیا کہ چاروں خلفاء عظیم ہیں مگر ان میں فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو ترتیب ان کو خلافت کے لحاظ سے عطا کی گئی ہے۔

افضل البشر بعد از انبیاء علیہم السلام

افضل بشر بعد پیغامبران صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ، سبحانہٗ وتعالی علیهم اجمعین حضرت صدیق است رضی اللہ عنہ بعد ازاں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ

(مکتوبات ربانی دفتر سوئم معرفۃ الحائق ۲/۳۷)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل بشر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اسکے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اس طرح کی ترتیب افضلیت کی ترتیب خلفاء راشدین کو عطا فرمائی جو ترتیب ان کی خلافت میں عطا فرمائی ہے۔

دربار رسالت اور ترتیب خلافت ومحبت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَایَجْتَمِعُ حُبُّ هٰؤُلَآءِ الْاَرْبَعَةِ اِلَّا فِیْ قَلْبِ مُؤْمِنٍ اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِیٌّ

رواہ احمد فی فضائل الصحابہ رضی اللہ عنہم (کتاب الورع ص:۹۳)

ان چاروں اصحاب کی محبت صرف مومن ہی کے دل میں جمع ہوسکتی ہے۔

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اس میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف مومن ہی کے دل میں ان چاروں اصحاب کی محبت ہوسکتی ہے ان میں سے کسی کا بغض مومن کے دل میں نہیں آسکتا۔ لہذا ان اصحاب کی محبت بقاء ایمان کا ذریعہ ہے اور رسول اکرم ﷺ نے ان کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے ان اصحاب کے جس ترتیب سے نام لیے تو یہ ترتیب اس بات کی

عکاسی کرتی ہے کہ ان خلفاء اربعہ کی فضیلت بھی اسی ترتیب سے ہے۔

دربارِ رسالت اور ترتیب خلافت وفضیلت

مزید اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ سے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں یہ حدیث شریف ترمذی شریف میں موجود ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ زَوَّجَنِيْ اِبْنَتَهٗ وَحَمَلَنِيْ اِلٰى دَارِ الْهِجْرَةِ وَاعتقَ بِلَالًا مِنْ مَالِهٖ رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَالَهٗ صِدِّيْقٌ رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِيْهِ الْمَلَائِكَةُ رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ

(حدیث:۳۷۱۴، سنن الترمذی کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: ج۲ ص:۲۱۳)

پہلا درجہ اور شان صدیق رضی اللہ عنہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ زَوَّجَنِيْ اِبْنَتَهٗ وَحَمَلَنِيْ اِلٰى دَارِ الْهِجْرَةِ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ابو بکر پہ رحم کرے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کر دیا۔

اس حدیث شریف کے راوی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور سرکار علیہ السلام نے اپنے صحابہ میں سے افضل صحابہ کا تذکرہ کیا اور انکی فضیلتیں بیان کیں اور رسول اکرم ﷺ کے لفظوں میں افضلیت کی ترتیب وہی ہے جو بعد میں خلافت کے اندر آنے والی تھی۔

یعنی رسول اکرم ﷺ نے اپنے علم کی روشنی میں نام بھی اس انداز میں لئے ہیں کہ جس انداز میں انہوں نے منصب خلافت پہ جلوہ گر ہونا تھا۔

جس نے پہلا خلیفہ بننا تھا اس کا نام سرکار ﷺ نے پہلے لیا، جس نے دوسرے نمبر پر خلیفہ بننا تھا اس کا نام سرکار ﷺ نے دوسرے نمبر پر لیا۔ یعنی اس انداز میں آپ نے سب کے نام لئے تا کہ جو مجھ سے سنے اسے یہ اشارہ ملتا جائے کہ کس انداز میں ان کے اندر خلافت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

جس وقت سرکار ﷺ نے تقریر شروع کی تو سب سے پہلا نام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا لیا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ

اللہ تعالیٰ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہ رحم کرے۔

زَوَّجَنِىْ اِبْنَتَهٗ

انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دی۔

ان کی کیا خدمات ہیں؟ یہ میرے سُسر ہیں اور اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کی ہے۔

وَحَمَلَنِىْ اِلٰى دَارِ الْهِجْرَةِ

اور مجھے کندھوں پہ بٹھا کے مدینہ شریف لے آئے۔

دار ہجرت کی طرف انہوں نے مجھے اٹھایا۔ یعنی جس وقت ساتھ قدم اٹھانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا تو صرف میرے ساتھ چلے ہی نہیں بلکہ مجھے کندھوں پہ بھی بٹھایا ہے۔ مجھے کندھوں پہ بٹھا کے دار ہجرت کی طرف لے گئے۔

وَاَعْتَقَ بِلَالًا مِّنْ مَّالِهٖ

میرے غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے مال سے آزاد کرایا۔

غلاموں کے اندر میرے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بڑا مقام ہے اور جس نے اپنے پیسوں سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر آزاد کیا وہ میرے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلے تذکرہ کر کے تین صفتیں بیان کیں۔

دوسرا درجہ اور شان عمر رضی اللہ عنہ

پھر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ

اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔

رسول اکرم ﷺ اپنی ظاہری حیات میں صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں جو ترتیب بیان فرما رہے تھے ہر بندے کو اگر تھوڑی سی بھی عقل سلیم ہو تو پتہ چلے گا کہ جب نبی علیہ السلام ایک کو پہلے ذکر کرتے ہیں پھر دوسرے کو پھر تیسرے کو پھر چوتھے کو بیان کرتے ہیں تو ہم نے اپنے طرف سے کہاں سے پیمانے بنا لیے۔

نبی علیہ السلام جانتے ہیں کہ میں نے اپنے شاگردوں کو کیا کچھ دیا ہے، میں نے ان کو کتنی ولایت دی ہے، میں نے ان کو کتنا پرہیز گار بنایا ہے اور ان کے مقام مرتبہ کی تفصیل کیا ہے۔

پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ

اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔

ان کی خدمات کیا ہیں اور انکی شان کیا ہے؟

يَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا

ہمیشہ حق بولتے ہیں اگر چہ وہ کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ہے کہ یہ ہمیشہ حق بولتے ہیں اگر چہ وہ کڑوا ہو اسکی بڑی قیمت دینی پڑے مگر میرے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے بغیر نہیں رہ سکتے۔

تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَالَهُ صِدِّيْقٌ

(حدیث: ۳۷۱۴، ترمذی شریف ۲/۲۱۳)

حق نے ان کو یہ مقام دے دیا ہے کہ ان کا اس میں کوئی ثانی نظر نہیں آتا یہ شان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کر دی۔

تیسرا درجہ اور شان عثمان رضی اللہ عنہ

پھر سرکار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ

اللہ تعالیٰ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔

ان کی شان کیا ہے؟

تَسْتَحْيِيْهِ الْمَلَائِكَةُ

فرشتے بھی ان کو دیکھ کے حیا کرتے ہیں۔

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ کے دل پر نظر ہے اور انکے باطن کو جانتے ہیں۔ سارے صحابہ کرام میں سے افضل ترین صحابہ خلفاء اربعہ کا تذکرہ ترتیب سے فرما رہے ہیں اور

صحابہ کرام کو سنا رہے ہیں کہ تم نے میرے ان خلفاء کو وہی ترتیب دینی ہے جو میں نے ان کو عطا فرمائی ہے۔

چوتھا درجہ اور شان علی رضی اللہ عنہ

پھر سرکار نے ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا

اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔

ان کیلئے رسول اکرم ﷺ نے دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ

حدیث:۳۷۱۴، ترمذی شریف ۲/۲۱۳)

اے اللہ جہاں علی ہو حق کو بھی ادھر پھیر دے۔

اے اللہ حق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف پھیرے دے کہ جہاں علی ہو وہاں حق ہو۔ سید عالم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا تو چوتھی خلافت کا بھی اعلان کر دیا اور چوتھے نمبر پر جو فضیلت تھی اس کا بھی تذکرہ فرمادیا۔

رسول اکرم ﷺ نے خلافت کی ترتیب بھی بیان کر دی اور ساتھ افضلیت کی ترتیب بھی بیان کردی۔ پھر ان کی شانیں بھی بیان کردی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اس کو بیان کر کے اعتراضات کا دروازہ بند کر دیا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ پہلے خلیفہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اس لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا بیان کر دیا فرمایا: میں خود ہی اس کو بیان کر رہا ہوں اور میں نے خود

ہی اس کو سنا ہے کہ میرے محبوب علیہ السلام نے اسی ترتیب کے ساتھ ہمیں گریڈ عطا فرمائے ہیں۔

تعمیر مسجد نبوی اور خلافت

حضرت سفینہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اس کو روایت کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف بنانے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے نبی علیہ السلام نے خود پتھر رکھا۔ (مستدرک کی روایت میں ہے) کہ

ثُمَّ جَاءَ صِدِّيْقْ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِحَجَرٍ

پھر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پتھر لیکر آ گئے۔

فَوَضَعَهٗ

نبی علیہ السلام کے پتھر کے ساتھ انہوں نے اپنا پتھر رکھ دیا۔

ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِحَجَرٍ

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پتھر لیکر آ گئے۔

فَوَضَعَهٗ

انہوں نے بھی جا کر پتھر رکھ دیا۔

ثُمَّ جَاءَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِحَجَرٍ

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پتھر لیکر آ گئے۔

فَوَضَعَهٗ

مسجد نبوی کی بنیاد میں انہوں نے وہ پتھر رکھ دیا۔

اس وقت شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہ تھے۔ بہر حال ان تینوں حضرات کا تذکرہ حدیث صحیح میں موجود ہے۔ جب پتھر رکھے جا چکے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبر دی۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

هٰؤُلَآءِ وُلَاةُ الْاَمْرِ مِنْ بَعْدِیْ (مستدرك للحاكم ج)

یہی ترتیب میرے بعد خلافت کی ہو گی۔

حضرت صدیق و عمر و عثمان رضی اللہ عنہ کا جو پتھر رکھنا تھا اس پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

هٰؤُلَآءِ خُلَفَآءُ مِنْ بَعْدِیْ (الخصائص الكبرى ط)

یہ حضرات اس طرح میرے بعد خلیفے بنیں گے۔

مسجد نبوی بناتے وقت اسلام کے سٹیٹ کی بنیاد رکھتے وقت اور اسلام کی تاسیس میں پتھر اتفاقاً ایسے نہیں رکھے گئے تھے بلکہ یہ رب کی طے شدہ حکمت پر رکھے گئے۔ دین کا بانی میں ہوں میرے بعد میرے خلیفہ یہ ہیں اور ترتیب وہ ہو گی جو ان پتھروں کے رکھنے کی ترتیب ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کی ترتیب اور فضیلت کی ترتیب خود بیان کر دی اور ایک ایک دن کے اندر کئی بار ایسا ہوتا رہا کہ نبی علیہ السلام جب صحابہ کا نام لیتے تھے اپنے بعد ہمیشہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے تھے۔

دَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ

میں داخل ہوا پھر ابو بکر داخل ہوئے پھر عمر داخل ہوئے۔

خَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ

میں پہلے نکلا پھر ابو بکر نکلے اس کے بعد پھر عمر نکلے۔

یعنی یہ انداز ہمیشہ رہا۔ ہزاروں کی تعداد میں پورے ذخیرۂ حدیث میں ایسی گواہیاں موجود ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی برداشت نہیں کیا کہ کبھی جملے میں میرے صدیق کا نام بعد میں آئے۔ اپنے بعد فوراً ان کا تذکرہ کیا پھر دیگر صحابہ کا تذکرہ ترتیب سے فرماتے رہے۔

جنت کا سرٹیفکیٹ اور ترتیب خلافت

اس طرح بخاری شریف میں حدیث شریف موجود ہے جو خلفاء راشدین کی خلافت کی ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔

قَالَ اَبُوْ مُوْسىٰ الْاَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

فاذا هُوَ قَدْجَالِسٌ عَلٰى بِئْرِ اَرِيْسٍ وَتَوَسَّطَ قُفَّهَا وَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ وَدَلَّا هُمَا فِي الْبِئْرِ

رسول اکرم ﷺ نے بئر اریس کے کنارے پر بیٹھ کر اپنے پاؤں کنویں میں لٹکائے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ میں نے آ کر سلام کہا۔

ثُمَّ انْصَرَفْتُ فَجَلَسْتُ عِنْدَ الْبَابِ

پھر میں دروازے کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

فَجَآءَ اَبُوْبَكْرٍ

تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے۔

فَدَفَعَ الْبَابَ

انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟

میں نے کہا کون ہے؟

فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

انہوں نے کہا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں۔

فَقُلْتُ عَلٰى رِسْلِكَ

میں نے کہا ٹھہرو

فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ هٰذَا اَبُوْبَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ابوبکر آئے ہیں۔

فَقَالَ ائْذَنْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ

آپ نے فرمایا انہیں آنے کی اجازت دو اور ساتھ انکو جنت کی خوشخبری بھی سنادو۔

فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَجَلَسَ عَنْ يَمِيْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

حضرت ابوبکر صدیق اندر داخل ہوئے اور رسول اکرم ﷺ کے دائیں جانب بیٹھ گئے۔

فَاِذَا اِنْسَانٌ يُحَرِّكُ الْبَابَ

پھر ایک آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا

فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟

میں نے پوچھا کون ہے؟

فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

تو اس نے کہا میں عمر ہوں۔

فَقُلْتُ عَلٰی رِسْلِكَ

میں نے کہا ٹھہرو

میں نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

هٰذَا عُمَرُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّاب رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَسْتَاذِنُ

عمر اندر آنے کی اجازت مانگتے ہیں۔

فَقَالَ ائْذَنْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ

آپ نے ارشاد فرمایا انکو اجازت دو اور ساتھ جنت کی بشارت بھی دے دو۔

فَدَخَلَ فَجَلَسَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ یَسَارِهٖ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ بائیں جانب بیٹھ گئے۔

فَجَآءَ اِنْسَانٌ یُحَرِّكُ الْبَابَ

پھر کسی آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا

فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟

میں نے پوچھا کون ہے؟

فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

اس نے کہا میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہوں۔

فَقُلْتُ عَلٰی رِسْلِكَ

میں نے کہا ٹھہرو

فَجِئْتُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَاَخْبَرْتُهٗ

میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور عرض کی۔

حضرت عثمان اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ

آپ نے فرمایا انکو اندر آنے کی اجازت دو اور ساتھ جنت کی بشارت بھی دے دو۔

فَدَخَلَ فَجَلَسَ وِجَاهَهُمْ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ (بخاری شریف ج۱)

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر: ۲۴۰۳ صفحہ نمبر ۲۷۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور آپ کے سامنے کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔

بخاری شریف کتاب فضائل صحابہ میں حدیث نمبر (۳۶۹۵، ۳۶۷۴) سے پتہ چلتا ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دروازہ بند کر کے اندر کھڑے تھے جب دروازے پر دستک ہوتی تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے تو آپ فرماتے اس کو اجازت دے دو اور جنت کی خوشخبری دے دو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دروازہ کھولتے تو پھر انھیں پتہ چلتا کہ باہر کون ہے لیکن رسول اللہ ﷺ انھیں پہلے بتا دیتے کہ باہر کون آیا ہے یعنی اس میں رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا بھی اظہار ہے محدثین نے لکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علیحدہ بیٹھانے میں انکی قبر کی علیحدگی کی طرف اشارہ تھا۔

یہ حضرات جس وقت سرکار کی بارگاہ میں آرہے تھے تو سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر تشریف لائے اور انکو جنت کی بشارت دی گئی پھر عمر داخل ہوئے انکو بھی جنت کی بشارت دی گئی پھر حضرت عثمان داخل ہوئے تو ان کو بھی جنت کی بشارت دی گئی تو اس ضمن میں ان صحابہ کرام کی خلافت بھی ظاہر ہو رہی تھی کہ سب سے پہلے خلیفہ کون ہوں گے پھر کون ہونگے اس کے بعد پھر کونسی شخصیت خلیفہ ہوگی۔

حق کی ادائیگی اور ترتیب خلافت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کس کس انداز کو بیان کیا جائے؟

حضرت عمرو بن لبید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَیْہِ السَّلَام اِشْتَرٰی بَکْرًا مِنْ اَعْرَابِیٍّ (الفتن ص:)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی سے اونٹ کا بچہ خریدا

وہ سودا ادھار تھا پیسے بعد میں دینے تھے

فَاَدْبَرَ الْاَعْرَابِیُّ

جس وقت وہ اعرابی سودا کر کے باہر نکلا۔

اونٹ کا بچہ دے گیا اور پیسے ابھی بعد میں لینے تھے۔

فَلَقِیَ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رضی الله عنه

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انکی ملاقات ہوگئی۔

فَقَالَ عَلِیٌّ لِلْاَعْرَابِیِّ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی سے پوچھا تم سودا تو کر کے جا رہے ہو۔

اِنْ قَبَضَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ حَقُّكَ اِلٰی مَنْ

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کل وصال ہو گیا تو تم نے پیسے کس سے لینے ہیں؟

پیسے تمہارے ادھار ہیں اور کوئی قید نہیں کہ کب سرکار کا وصال ہو جائے۔ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو تم یہ پیسے کس سے وصول کرو گے۔

حضرت علی فیصلہ کروانا چاہتے تھے کہ یہ دیہاتی جا کر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لے۔ اور

سے تو یہ مسئلہ پیسوں کا ہوگا لیکن حقیقت میں اندر سے یہ خلافت کا فیصلہ ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں سکھایا کہ جا کر تم نبی علیہ السلام سے پوچھو۔ لہٰذا وہ دیہاتی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر واپس نبی علیہ السلام کے پاس چلا گیا۔ جا کر اس نے سرکار سے پوچھ لیا۔

مَنْ لِیْ بِحَقِّیْ اِنْ اَتٰی عَلَیْکَ الْمَوْتُ؟

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت کا تو کوئی پتہ نہیں لیکن اگر آپ کا وصال ہو گیا تو میرے پیسے کون دے گا اور میں کس سے وہ پیسے مانگوں۔

قَالَ اَبُوْ بَکْرِ الصِّدِّیْقُ لَکَ بِحَقِّکَ

تو سرکار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو پیسے تو نے مجھ سے لینے ہیں اگر میں کل تجھے نہ ملا تو یہ پیسے تجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ادا کرے گا۔

یعنی میرے بعد سب کچھ ان کے سپرد ہے تم حوصلہ رکھو۔ اگر میں تجھے نہ ملا تو میرا صدیق تمہیں پیسے دے گا۔

فَاَدْبَرَ الْاَعْرَابِیُّ

پھر یہ دیہاتی باہر نکلا

فَلَقِیَهٗ عَلِیٌّ اَیْضًا

حضرت علی رضی اللہ عنہ رستے میں بیٹھے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

مَاقَالَ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟

بتاؤ نبی علیہ السلام نے کیا جواب دیا وہ بدو کہنے لگا:

حَقِّیْ اِلٰی اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ

انہوں نے مجھے کہا ہے کہ اگر میں دنیا سے چلا گیا تو میرا ذمہ دار حضرت صدیق اکبر ہوگا۔

جو پیسے مجھ سے تم نے لینے تھے وہ پیسے ابو بکر صدیق تم کو ادا کرے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد نمبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے مگر پھر بھی وضاحت چاہی۔

فَاِنْ اَبَا بَكْرٍ يَمُوْتُ

ہو سکتا ہے تمہارے پیسے دینے سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی وصال ہو جائے تو پھر تمہارے پیسے کون دے گا۔

فَرَجَعَ الْاَعْرَابِيُّ

وہ دیہاتی واپس لوٹا اور کہا

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْ مَاتَ اَبُوْبَكْرٍ فَاِلٰى مَنْ حَقِّي؟

یا رسول اللہ ﷺ اگر حضرت ابو بکر صدیق میرے پیسے دیئے بغیر فوت ہو جائیں۔

تو پھر میں اپنا حق کس سے مانگوں۔

جس وقت سائل نے یہ سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اِلٰى عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه

اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیسے دینے سے پہلے فوت ہو جائیں تو پھر دوسرے نمبر پر یہ پیسے میرے عمر سے مانگنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمہیں وہ پیسے دیں گے۔

فَاَدْبَرَ الْاَعْرَابِيُّ

وہ دیہاتی دربار رسالت سے باہر نکلا

فَلَقِيَهٗ عَلِيٌّ رضی الله عنه

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور کہا

مَاقَالَ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ؟

بتاؤ نبی علیہ السلام نے کیا جواب دیا۔ اس نے کہا

حَقِّی اِلٰی عُمَرَ

رسول اکرم ﷺ نے مجھے بتایا ہے کہ اگر میرے صدیق دنیا سے چلے جائیں تو تمہارے پیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ادا کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فیصلے کا پتہ چل گیا کہ

دوسرا نمبر اس امت کے اندر خلافت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔

در پردہ سرکار نے سب کچھ حل فرما دیا۔ پیسوں کا تو کوئی معاملہ نہیں تھا۔ بتا سکتے تھے کہ ابوبکر تمہیں دے کے جائیں گے یہ سب کچھ ہو سکتا تھا مگر پیسوں کا معاملہ مبہم رکھ کے Between line خلافت کا فیصلہ سنا دیا۔

جس وقت اس اعرابی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

فَاِنْ عُمَرَ یَمُوْتُ

اگر حضرت عمر فوت ہو جائیں اور پیسے تمہارے پھر بھی باقی ہوں تو پھر وہ پیسے کون دے گا جاؤ یہ پوچھ کے آؤ۔

وہ سادہ دیہاتی تھا چلا گیا۔

قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَاِنْ عمر یَمُوْتُ مِمَّنْ لِیْ بِہٖ؟

اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے تو میں پیسے کس سے مانگوں گا قربان جائیں نگاہ نبوت پہ سرکار نے ارشاد فرمایا۔

حَقُّکَ اِلٰی عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

اگر تمہارا حق دینے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں وہ پیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادا کریں گے۔ بعد میں تیسرے نمبر پر میرا عثمان ذمہ دار ہے۔

فَاَدْبَرَ الْاَعْرَابِیُّ

بدو باہر نکلا

فَلَقِیَهٗ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ انتظار میں بیٹھے تھے اور کہا

مَاقَالَ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ؟

اے دیہاتی مجھے بتاؤ نبی علیہ السلام نے کس کا نام لیا ہے

اس دیہاتی نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے

حَقِّیْ اِلٰی عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

اگر عمر فوت ہو گئے تو پھر تم نے پیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ نے کہا کہ پھر ایک بار جاؤ ہو سکتا ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فوت ہو جائیں اور تمہارے پیسے ابھی تک ادا نہ ہوئے ہوں تو پھر کون ادا کرے گا۔

فَرَجَعَ الْاَعْرَابِیُّ

وہ دیہاتی نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں لوٹا اور جا کر کہا

فَاِنْ عُثْمَانَ یَمُوْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاِلٰی مَنْ حَقِّیْ؟

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی وصال ہو جائے تو یا رسول اللہ ﷺ میرے پیسے کون دے گا۔

رسول اکرم ﷺ کا دریائے رحمت جوش پر ہے یہ نہیں فرمایا کہ ایک بار پوچھ لو جو کچھ تم نے پوچھنا ہے بار بار آجاتے ہو۔ نہیں، نہیں!

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

وہ مانگنے والا پیسوں کی بات کر رہا تھا لیکن سرکار ساتھ ساتھ خلافت بھی بتا رہے تھے اب جس وقت وہ آیا اور کہا کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فوت ہو جائیں تو پھر میں نے اپنا حق کس سے مانگنا ہے۔

اب دیکھنا ہمارے نبی علیہ السلام کا کتنا وسیع علم ہے۔

پہلے تینوں کے نام لئے اب کیا کہا

قَالَ فَإِلَى الَّذِىْ اَرْسَلَكَ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو جائیں تو پھر تم نے پیسے اس سے مانگنے ہیں جو تجھے بھیج رہا ہے۔

آپ نے فرمایا وہی جو تجھے بھیجتا ہے اسی سے اپنا حق وصول کر لینا۔ کیونکہ سرکار جانتے ہیں کہ دور بیٹھ کے اس اعرابی کو کون بھیج رہا ہے اور فیصلہ کون سننا چاہتا ہے۔ میرے محبوب علیہ السلام نے کتنے پیارے لفظ بولے۔

فَإِلَى الَّذِىْ اَرْسَلَكَ (الفتن للامام نعیم بن حماد المروزی:۶۹)

اس سے تم نے مانگنے ہیں جس نے تمہیں بھیجا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کی ترتیب بیان کر دی اور ساتھ فضیلت بھی بیان کر دی۔ میرے محبوب علیہ السلام نے کوئی چیز نہیں چھوڑی تھی۔ اس واسطے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے میرے صحابہ میں تمہیں وہ دین دے کے جا رہا ہوں، وہ ملت دے کے جا رہا ہوں جس کی رات بھی یوں روشن ہے جیسے دن روشن ہوتا ہے میں نے اسکی رات کو بھی

روشن کر دیا ہے۔ یہ رسول اکرم ﷺ کے فرمودات کے اندر ایک ترتیب ہے۔

ہمارا بتقاضاءِ عشق رسالت جو عقیدہ ہونا چاہیے وہ یہ ہونا چاہیے کہ جو ترتیب ان خلفاء میں ہمارے محبوب علیہ السلام نے رکھی ہے ہم آخری دم تک کسی پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہونگے اور اسی ترتیب پر یقین رکھیں گے جو ترتیب خود آقا ﷺ نے اپنے یاروں کو عطا فرمائی ہے۔

صحابہ کرام کی نظر میں ترتیب خلافت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَيٌّ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ رضی اللہ عنه

(حدیث: ۳۷۰۷، ترمذی ۲/۲۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام ابھی ظاہری حیات میں تھے اس وقت کی بات ہے کہ ہم بولتے وقت کیا ترتیب رکھتے تھے، ہمارا عقیدہ کیا ہوتا تھا۔ صحابہ کرام کے نام ہم کیسے لیتے تھے۔

كُنَّا نَقُوْلُ

ہم کہا کرتے تھے۔

وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَيٌّ

حالانکہ نبی علیہ السلام سامنے ہوتے تھے

سرکار کے سامنے ہم جس وقت ان عظیم لوگوں کا ذکر کیا کرتے تھے تو ہم کیا کہتے تھے

اَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ

ہم یہ ترکیب رکھتے تھے

جب بھی سرکار ﷺ نے انکا نام لینا ہوتا تھا، ان کا تذکرہ کرنا ہوتا تھا ہمارا یہ پکا یقین تھا کبھی بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پہلے کسی کا نام نہیں لیتے تھے۔ پہلے نمبر پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے تھے پھر عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے پھر عثمان رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔

اس انداز میں سرکار ﷺ نے محاورہ دیا ہوا تھا کہ یہ میرے خلفاء کی ترتیب ہے۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آپ ﷺ اللہ کے اذن سے اتنا غیب کا علم رکھتے ہیں آپ ﷺ نے ہر خبر کے اندر واضح کر دیا تھا کہ پہلے کس نے فوت ہونا ہے، دوسرے نمبر پہ کس نے فوت ہونا ہے، تیسرے نمبر پہ کس نے فوت ہونا ہے اور چوتھے نمبر پہ کس نے فوت ہونا ہے۔

ایسا نہیں کیا کہ جس نے چوتھے نمبر پہ فوت ہونا ہو خلیفہ اس کو پہلے بنا دیا جائے جن کی وفات کا وقت پہلے تھا اور ازل سے انکی عظمت طے شدہ تھی تو سرکار ﷺ نے خلافت کا نمبر بھی ان کو پہلے عطا فرمایا ہے۔

میں یہ بار بار اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ آج کوئی کہتا ہے

کہ میرا عشق یہ ہے کہ میں فلاں کو پہلا نمبر دوں گا۔ اسکو چاہیے کہ وہ اپنا عشق اپنے پاس رکھے ہمیں وہ عشق چاہیے جو نبی علیہ السلام نے دیا ہے محبوب علیہ السلام سے زیادہ کسی کی صلاحیتوں کو کون جانتا ہے اور سب سے بڑا عہدہ سرکار ﷺ نے جو خود دیا وہ تو سرکار ﷺ کا اپنا مصلیٰ تھا۔ اپنی ظاہری حیات میں مصلے پر کھڑا کس کو کیا؟ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں کو فرمایا:

مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ

جاؤ ابو بکر صدیق سے کہو میرے مصلیٰ پہ کھڑے ہو کر لوگوں کو جماعت کرائیں میں حاضر

بھی تھا۔ اگر میرا حق ہوتا تو سرکار ﷺ مجھے فرماتے مگر مجھے پیغام دیا کہ تم جا کر کہو تا کہ کل قیامت کے دن گواہی بھی تم ہی دو کہ میں خود ان کو پیغام دینے گیا تھا۔

بصرہ میں کچھ لوگوں نے جب اعتراض کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں چادر ڈال کے کھینچ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو منبر سے اتار سکتا تھا۔ میں مسند خلافت سے سب کو اتار سکتا تھا مجھ میں اتنی پاور تھی لیکن میں مطمئن ہوں کہ ان کا کارکن بن کے رہا۔

اس لیے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے جس کو ہمارے دین کا لیڈر بنایا ہم نے اسے اپنی دنیا کا لیڈر بھی مان لیا۔ مصلیٰ دین کا تھا وہ بڑا مسئلہ تھا جب نبی علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ دیا ہے تو ہم سمجھ گئے کہ خلافت بھی ان کی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ۲/۶۲۹)

اس بنیاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ وضاحتیں کرتے رہے اور صحابہ کرام کے ذکر کرنے میں بھی یہ ترتیب موجود تھی، جو ترتیب سرکارِ مدینہ ﷺ نے خود ان کا نام لیتے ہوئے اختیار فرماتے تھے۔

ترتیب خلافت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی نظر میں

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان مکالمہ ہوا نبی علیہ السلام کے چچازاد بھائی، حبر الامۃ اور ترجمانِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بڑا نایاب حوالہ ہے معجم کبیر میں موجود ہے۔ حضرت سعید بن عاص کو

حضرت امیر معاویہ کہنے لگے کہ آج میں ابن عباس سے کچھ ایسے سوال کروں گا ہو سکتا وہ لاجواب ہو جائیں۔

چونکہ ابن عباس علم میں مشہور تھے اور عمر چھوٹی تھی مگر علم بڑا جوانی پر تھا اور کبار صحابہ یعنی جب عشرہ مبشرہ میں سے شوریٰ کی میٹنگ ہوتی تو انکو آگے بٹھایا جاتا تھا حالانکہ یہ چھوٹے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہہ بھی دی کہ اے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میٹنگ میں اس ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ہم سے آگے بٹھاتے ہو حالانکہ ہمارے پوتے بھی اس سے بڑے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نبی علیہ السلام سے جو رشتہ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جو اللہ نے عقل دی ہے اس بنیاد پر میں اسکو بڑوں سے بھی آگے بٹھاتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیے اور ترتیب دیکھنا اور پھر جواب دیکھنا۔

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

مَاتَقُوْلُ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ ؟ (المعجم الکبیر:۱۰/۲۴۰-۲۳۹-۲۳۸)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیا سمجھتے ہو اس بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرو۔

مفسر بارگاہِ رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

مَاتَقُوْلُ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ؟

ابو بکر کون ہیں؟ ان کے بارے میں تمہارا نظریہ کیا ہے۔

قربان جائیں یہ کتنا خوبصورت خطبہ ہے، وہی انداز جو نبی علیہ السلام کا تھا وہی انداز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے تقریر شروع کی۔

کہنے لگے:

رَحِمَ اللّٰہُ اَبَا بَکْرٍ

اللہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔

کَانَ وَاللّٰہِ لِلْقُرْآنِ تَالِیًا

خدا کی قسم: جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے تو کمال کرتے تھے۔ یہ الفاظ سننا کہ صحابی خلفاءِ راشدین کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں، ہر ایک کے لیے جو بیان کریں گے اور تم اپنے دل کو دیکھو گے تو لگے گا کہ ہو بہو اللہ نے وہ چمک ہمارے دلوں کو عطا فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک معیار ہے وہ کوئی گڑبڑ نہیں ہونے دیں گے، ڈنڈی نہیں ماریں گے۔ ہر ایک کی جو شان ہے اسکو وہ بیان کریں گے۔

چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلا نمبر ہے تو ان سے بات شروع کرلی۔

کہنے لگے۔

کَانَ وَاللّٰہِ لِلْقُرْآنِ تَالِیًا

خدا کی قسم قرآن کی تلاوت کرنے والے تھے۔

وَعَنِ الْمَيْلِ نَائِيًا

''اور راہِ حق سے بھٹک جانے سے بہت دور تھے۔''

کبھی بھی راہِ حق سے بھٹکتے نہیں تھے۔

وَعَنِ الْفَحْشَآءِ سَاهِيًا

اور ہر گندی خصلت سے دور تھے۔

انکے کردار میں کوئی بھی بری بات موجود نہیں تھی۔

وَعَنِ الْمُنكَرِ نَاهِيًا

اور بری باتوں سے لوگوں کو بھی روکتے تھے۔

خود بھی بری باتوں سے دور تھے اور لوگوں کو بھی ان سے دور رکھتے تھے۔

وَبِدِيْنِهٖ عَارِفًا

اور اپنے دین کے بہت بڑے عارف تھے۔

ایک وہ عارف کہ جسے میں کہوں کہ یہ عارفِ کامل ہے، ایک وہ عارف کہ جسے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہیں کہ یہ عارف کامل ہے اور ایک وہ عارف کہ جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہیں کہ یہ عارفِ کامل ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کہا اور یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خطابت ہے کہ کس طرح مُسَجَّع بولتے جا رہے ہیں۔

وَبِدِيْنِهٖ عَارِفًا

دین کے بڑے عارف تھے۔

وَمِنَ اللّٰهِ خَائِفًا

اللہ سے بڑا ڈرتے تھے۔

وَعَنِ الْمُهْلِكَاتِ جَائِفًا

اور ہر وہ گناہ جو ھلاکت میں ڈالنے والا ہو اس سے پہلو تہی کرنے والے تھے، دور رہنے والے تھے۔

وَبِاللَّيْلِ قَائِمًا

انکی راتیں قیام میں گزر جاتی تھیں۔

وَبِالنَّهَارِ صَائِمًا

اور دن روز میں گزر جاتا تھا۔

یہ امیر المؤمنین، خلیفۃ الرسول بلا فصل کی شان سنیے۔

وَمِنْ دُنْيَاهُ سَالِمًا

اور آخری دم تک دنیا سے بچ کر رہے ہیں، دنیا کو قریب نہیں بھٹکنے دیا۔

وَمِنْ دُنْيَاهُ سَالِمًا

دنیا سے سالم رہے۔

وَعَلٰى عَدْلِ الْبَرِيَّةِ عَازِمًا

ساری زندگی عدالت کرتے رہے۔

وَبِالْمَعْرُوْفِ آمِرًا

ساری زندگی اچھائی کا حکم دیتے رہے۔

وَاِلَيْهِ صَابِرًا

اور ساری زندگی حق کہہ کر صبر کرتے رہے۔

یعنی یہ نہیں کہ صبح کچھ کہیں شام کو بدل جائیں، انہوں نے جو کہا ہے روح تو نکل گئی

لیکن اس سے پیچھے نہیں ہٹے اور دین کے معاملہ میں سخت سے سخت وقت میں بھی صبر پر کار بندر ہے اور صبر پہ قائم رہے۔

وَفِی الْاَحْوَالِ شَاکِرًا

اور ہر حال میں شکر کرتے رہے۔

اگر نبی علیہ السلام کے پہلو میں دائیں طرف بیٹھے ہوں تو پھر بھی صبر کیا ہے اور اگر بدر کے مقام پر سرکار ﷺ کے خیمے کے باہر تیروں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوں تو پھر بھی شکر کیا ہے۔

ہر حال میں شکر کیا ہے مکہ شریف کے اندر موجود ہوں پھر بھی، غار کے اندر موجود ہوں پھر بھی شکر کیا۔ مشکل سے مشکل وقت میں اللہ سے شکایت نہیں کی، کہ تیرا کلمہ پڑھا تھا تو نے کس مصیبت میں مجھے ڈال دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں، نہیں! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اتنا کھلا سینہ تھا کہ

وَفِی الْاَحْوَالِ شَاکِرًا

وہ ہر ہر حال میں رب کا شکر ادا کرنے والے تھے۔

وَلِنَفْسِہٖ بِالْمَصَالِحِ قَاہِرًا

جب حق کے لیے جان رگڑنے کی ضرورت ہوتی تھی تو صدیق اپنی جان رگڑ رگڑ کے حق کے لیے قربان کرتے تھے۔ یعنی اپنے اوپر جبر کرتے تھے، حق کی خاطر اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالتے تھے۔

فَاقَ وَرَاقَ اَصْحَابَہٗ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سارے صحابہ میں سے جن کو فوقیت ملی وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

فَاقَ وَرَاقَ

''فَاقَ'' کا مطلب فوقیت ہے اور ''رَاقَ'' کا مطلب ترقی ہے

یعنی سارے صحابہ میں ان کے پائے کا کوئی نہیں سب

میں فوقیت اور مرتبہ کے لحاظ سے اونچا مقام ان کا ہے۔

وَرَعًا وَّکَفَافًا

پرہیز گاری میں بھی پہلا نمبر ان کا ہے۔

اور ناجائز کاموں سے رک کے رہنے کو دیکھو تو پہلا نمبر ان کا ہے۔

وَزُهْدًا وَّعَفَافًا

اگر عبادت میں دیکھو تو پہلا نمبر انکا ہے

اگر پاک دامنی میں دیکھو تو پہلا نمبر ان کا ہے۔

وَبِرًّا

نیکی میں بھی پہلا نمبر ان کا ہے۔

وَحَيَاطَةً

دین میں احتیاط کے لحاظ سے بھی پہلا نمبر ان کا ہے۔

وَ زَهَادَةً

زھد میں بھی پہلا نمبر ان کا ہے۔

وَكِفَايَةً

دین کے معاملات میں کفایت دیکھو تو پہلا نمبر انکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلا خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے

بارے میں ختم کیا تو آخری جملہ کیا بولا۔

فرمانے لگے۔

فَاَعْقَبَ اللّٰهُ مَنْ ثَلَبَهُ اللَّعَائِنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ

جو شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی غیبت کرے قیامت تک اس پر اللہ کی لعنتیں ہوں۔

جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عیب ڈھونڈھے یا تنقیص کرے یا تنقید کرے تو اس شخص پر لعنتیں ہوں۔ اس واسطے کہ یہ اتنا عظیم انسان ہے کسی مومن کی زبان کو زیب نہیں دیتا کہ ان کے خلاف بولے۔ ان کو اللہ نے اس امت میں ہر لحاظ سے پہلا نمبر عطا فرمایا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شان:

قَالَ مُعَاوِیَةُ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا

فَمَا تَقُوْلُ فِیْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تم کیا سمجھتے ہو۔

وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جن کو گھٹی نبی علیہ السلام نے دی اور جن کے سینے میں علم سرکار علیہ السلام نے رکھے اور پھر صحابہ کرام میں علم کے لحاظ سے اتنا مرتبہ ملا۔ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سارے دین کو سامنے رکھ کر اپنے نظریات کا اظہار کر رہے۔ لگے۔

رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا حَفْصٍ

ابوحفص پہ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

ابوحفص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

كَانَ وَاللّٰهِ حَلِيْفَ الْاِسْلَامِ

خدا کی قسم وہ تو اسلام کے حلیف تھے۔

(حلیف کا معنی معاہدہ کرنے والا) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمانے لگے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کے حلیف تھے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اسلام کو ضرورت پڑے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ اٹھے ہوں، اسلام کی عظمت کیلئے حلف اٹھا رکھا تھا، آخری وقت تک اسلام پر پہرہ دیا تھا۔

پھر فرمایا

مَاْوَى الْاَيْتَامِ

یتیموں کا ملجاء وماویٰ تھے۔

ساری رات جاگ کے رعایا کے گھروں کی خدمت کرتے تھے۔ اپنی پشت پہ بوریاں اٹھا کے لوگوں کو کھانا پکا کے دیتے تھے۔

آپ کے غلام اسلم کہتے ہیں کہ ایک رات ایک گھر میں جب بچے رو رہے تھے تو امیر المومنین نے رات کو بوری میں سب کچھ ڈال کے جب بوری اٹھائی تو میں نے کہا میں خادم ہوں مجھے اٹھانے دو تو آپ نے فرمایا خلیفہ تم نہیں میں ہوں، کل قیامت کے دن مجھ سے پوچھا جائے گا۔

حضرت اسلم آپ کے غلام کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چولھے میں پھونک مارتے تھے تو دھواں گھنی داڑھی سے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ کھانا پکا کر سامنے

رکھ کر چھپ گئے۔ سامنے رہوں گا تو بچے مجھ سے ڈرتے رہیں گے۔ میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو اس وقت تک میں نہیں جاؤں گا، جب تک یہ ہنسیں گے نہیں۔

دیوار کے پیچھے چھپ کے دیکھتے رہے جب یتیموں نے کھانا کھا کے مسکراہٹ ظاہر کی تو امیر المؤمنین نے کہا میری خدمت پوری ہوگی ہے۔

پھر ابن عباس نے فرمایا:

وَمَحَلَّ الْاِیْمَانِ

جس نے ایمان کا کاشانہ دیکھنا ہو اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت کرنی چاہیے۔

وَمَلَاذَالضُّعَفَآءِ

وہ کمزور لوگوں کی جائے پناہ ہیں۔

مَعْقِلَ الْحُنَفَاءِ

حق پرستوں کا اڈہ ہیں۔

وَلِلْخَلْقِ حِصْنًا

اور مخلوق کیلئے قلعہ ہیں۔

وَلِلنَّاسِ عَوْنًا

لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد ہیں، ان کا نام ہی مدد ہے۔ اللہ کی طرف سے کتنے بڑے مددگار ہیں۔

قَامَ لِحَقِّ اللّٰهِ صَابِرًا وَّمُحْتَسِبًا

ساری زندگی حق پر طلب ثواب کے لیے پہرہ دیا ہے۔ اور صبر کرتے رہے۔

حَتّٰی اَظْهَرَ اللّٰهُ بِهِ الدِّیْنَ

ان کے صدقے اللہ تعالیٰ نے دین کو شان دی ہے۔

وَفَتَحَ الدِّیَارَ

اللہ نے ان کے صدقے شہروں کو فتح کیا ہے۔

ذُكِرَ اللّٰهُ فِي الْاَقْطَارِ وَالْمَنَاهِلِ

اور انہوں نے دنیا کے کونے کونے میں اللہ کی توحید کے جھنڈے گاڑھے ہیں۔

وَعَلَى التِّلَالِ

ٹیلوں پر چڑھ کے اللہ کا ذکر کیا ہے۔

وَفِي الضَّوَاحِيْ

بستیوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا ہے۔

وَالْبِقَاعِ

اور مختلف جگہوں میں جا کر اللہ کا ذکر کیا۔

عِنْدَ الْخَنَاءِ وَقُوْرًا

مصیبتوں کے وقت مرجھانے والے نہیں ہیں۔ پھر بھی بارعب نظر آتے ہیں۔

وَفِي الرَّخَاءِ وَالشِّدَّةِ شَكُوْرًا

اللہ کی طرف نعمتوں کے برسنے کے وقت اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔

انسان پر دو حالتیں ہیں ایک خوشی کی حالت اور ایک غمی کی حالت ہے۔

اگر مصیبتیں آجائیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رعب اور وقار ختم نہیں ہوتا اور اگر اللہ کی طرف سے خوشحالی آجائے تو پھر بھی رب کو بھول نہیں جاتے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ فِیْ كُلِّ وَقْتٍ وَ آنَاءٍ ذَكُوْرًا

ہر وقت ہر گھڑی اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں۔

ان کیلئے آخری جملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں۔

فَاَعْقَبَ اللّٰهُ مَنْ تَنَقَّصَهُ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الْحَسْرَةِ

جو بندہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نقص نکالے ان کے اندر کسی نقصان کی نشاندہی کرے ان کے عیب نکالنے کی کوشش کرے اس پر قیامت تک اللہ کی لعنت ہو، جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی زبان کھولی وہ بندہ بچ نہیں سکے گا قیامت تک اس پر اللہ کی لعنت ہوتی رہے گی۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان:

قَالَ مُعَاوِيَةُ

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا

مَاتَقُوْلُ فِیْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ؟

اے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذرا یہ بتاؤ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان کیا ہے؟

قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا عَمْرٍو

اللہ تعالیٰ حضرت ابو عمر یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم کرے۔

كَانَ وَاللّٰهِ اَكْرَمَ الْحَفَدَةِ

خدا کی قسم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان وہ ہے جو کسی کے بیٹے کی شان نہیں ہے۔

وَاَفْضَلَ الْبَرَرَةِ

اور نیکوں میں سے نیک تھے اور پرہیز گاروں میں سے افضل تھے۔

وَاَصْبَرَ الْقُرَّاءِ هَجَادًا بِالْاَسْحَارِ

تہجد میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے ہیں۔

كَثِيْرَ الدُّمُوْعِ عِنْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ

اللہ کا ذکر کرتے وقت آنکھوں سے اتنے کثیر آنسو ٹپکتے ہیں کہ اتنے اور کسی کی آنکھوں سے نہیں ٹپکتے۔

دَائِمَ الْفِكْرِ فِيْمَا يَعْنِيْهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ

دن اور رات کے ہر وقت میں فکر کے اندر رہنے والے ہیں۔

نَهَّاضًا اِلٰى كُلِّ مَكْرُمَةٍ

جب بھی کہیں نیکیوں کا مقابلہ کرایا جائے جو دوڑ کے ہر نیکی کی طرف چلے اسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جاتا ہے۔

''نَهَّاضًا'' کا معنی ہے بہت زیادہ اٹھنے والا۔

کیونکہ جس وقت اعلان ہوتا تھا کہ فنڈ اکٹھا کرو تو یہ فوراً اٹھتے تھے کہیں سو اونٹ پیش کر رہے ہیں، کہیں ہزاروں دینا پیش کر رہے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔

بہت زیادہ اٹھنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔

سَعَّاءً اِلٰى كُلِّ مُنْجِيَةٍ

نجات والے کام میں سب سے زیادہ دوڑ لگانے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔

وَفَرَّارًا مِّنْ كُلِّ مُوْبِقَةٍ

ہر گناہ سے دور رہنے والے۔

وَصَاحِبَ الْجَيْشِ وَالْبِئْرِ

لشکر اور کنوے کے مالک تھے۔

یہ اشارہ اس طرف ہے کہ مدینہ میں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا۔ یہودی پینے نہیں دیتا تھا جس نے اپنی جیب سے پیسے دیکر کنواں خرید کے مسلمانوں کو دیا وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں اور جس وقت تبوک جانا تھا ہزاروں دیناروں کی ضرورت تھی اس وقت جس نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی ہزاروں دیناروں سے بھر دی اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے۔

وَخَتَنَ الْمُصْطَفٰى صلى الله عليه وسلم عَلٰى اِبْنَتَيْهِ

پوری کائنات میں ایک ریکارڈ کا آدمی، جو صفت کسی انسان کو دنیا میں نہیں ملی وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں کے شوہر ہیں، پوری تاریخ میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ جس ایک بندے کے عقد نکاح میں پیغمبر کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئی ہوں اور پھر پیغمبر بھی وہ جو سارے پیغمبروں کے سردار ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آخری جملہ بولتے ہیں۔

فَاَعْقَبَ اللّٰهُ مَنْ سَبَّهُ النَّدَامَةَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

جو بندہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دے قیامت تک وہ بندہ شرمندہ رہے گا قیامت تک اس کو ندامت رہے گی، وہ خائب وخاسر ہو جائے گا۔

اس واسطے کہ جس کو نبی علیہ السلام نے اپنی دو صاحبزادیوں کا رشتہ دیا ہو وہ معمولی انسان تو نہیں ہوتا۔ لہٰذا کون ہے جو آپ پر تنقید کرے۔

حضرت ابن عثمان رضی اللہ عنہ آزمائش کے زمانہ کے گزر جانے کے بعد بتا رہے ہیں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے تھے اور باغیوں کی طرف سے اعتراضات کے بچھاڑ ہو چکی تھی تو ایسی حالت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنا عقیدہ بیان کر رہے تھے کہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ایمان تب بچے گا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عیوب سے مبرا سمجھے گا اور سرکار علیہ السلام کی دی ہوئی فضیلتوں کا مالک سمجھے گا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان:

قَالَ مُعَاوِيَةُ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔

مَاتَقُوْلُ فِيْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رضی الله عنه ؟

اے ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تم کو کیا کہتے ہو؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تقریر شروع ہوگئی۔

رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا الْحَسَنِ

اللہ تعالیٰ حضرت ابو حسن پہ رحم کرے۔

كَانَ وَاللّٰهِ عَلَمَ الْهُدٰى

خدا کی قسم وہ تو حق کا جھنڈا تھے۔

ہر ایک صحابی کی شان کو ماننا اسلام کا وقار ہے اور کسی کے بارے میں بخل نہیں ہونا چاہیے، جو شانیں ان کو دی گئی ہیں اس درجہ کے لحاظ سے ان پر یقین ہونا چاہیے۔

وَكَهْفَ التُّقٰى

اور پرہیز گاری کی نماز تھے۔

وَمَحَلَّ الْحِجَا

اور عقل کا محل تھے۔

وَطَوْدَ النُّهٰی

ذھانت کا پہاڑ تھے۔

وَنُوْرَ السُّرَی فِیْ ظُلَمِ الدُّجٰی

وہ اندھیرے راستوں میں رات کے چلنے کی روشنی تھے۔

وَدَاعِیَةً اِلَی الْحُجَّةِ الْعُظْمٰی

اور سب سے سیدھے راستے کے علمبردار تھے۔

عَالِمًا بِمَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی

پہلی کتابوں میں جو کچھ اترا تھا وہ اس کے بھی عالم تھے۔

وَقَائِمًا بِالتَّاوِیْلِ وَالذِّکْرٰی

اور ہر وقت قرآن پاک کی تاویل وتفسیر پڑھتے رہتے تھے۔

مُتَعَلِّقًا بِاَسْبَابِ الْهُدٰی

ہر وقت انہوں نے ہدایت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا۔

وَتَارِکًا لِلْجَوْرِ وَالْاَذٰی

ساری زندگی ظلم سے اپنے آپ کو روک کے رکھا۔

وَحَائِدًا عَنْ طُرُقَاتِ الرَّدٰی

کمینگی کی راہوں سے بچ کے رہے۔

وَخَیْرَ مَنْ اٰمَنَ وَ اتَّقٰی

جتنے بھی ایمان لائے اور متقی ہوئے ان سب میں سے ان کو اللہ تعالیٰ نے خیر کا مرتبہ عطا فرمایا۔

وَسَيِّدَ مَنْ تَقَمَّصَ وَارْتَدٰى

قمیص اور تہبند باندھنے والوں میں سے ان کو شان عطا فرمائی ہے۔ آپ سب لباس پہننے والوں میں سے افضل ہیں۔

وَاَفْضَلَ مَنْ حَجَّ وَسَعٰى

حج کرنے والے اور سعی کرنے والوں میں سے افضل ہیں۔

وَاَسْمَعَ مَنْ عَدَلَ وَسَوّٰى

عدل کرنے والوں میں سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔

وَاَخْطَبَ اَهْلَ الدُّنْيَا اِلَّا الْاَنْبِيَآءَ وَالنَّبِيَّ الْمُصْطَفٰى

انبیاء ورسل کے بعد پوری دنیا کے خطیب اعظم ہیں۔

وَصَاحِبَ الْقِبْلَتَيْنِ

دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے پرانے نمازی ہیں۔

فَهَلْ يُوَازِيْهِ مُوَحِّدٌ

تو کیا بعد والوں میں سے ان جیسا کوئی موحد ہو سکتا ہے۔

وَزَوْجَ خَيْرِ النِّسَاءِ

وہ سیدہ فاطمہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خیر النساء کہا ہے۔ اس خیر النساء کے یہ زوج ہیں۔

وَاَبُوْ السِّبْطَيْنِ

اور حسن اور حسین کے والد محترم ہیں۔

لَمْ تَرَ عَيْنِيْ مِثْلَهٗ

میری آنکھ نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔

وَلَا تَرَایٰ حَتّٰی الْقِیَامَۃِ وَاللِّقَاءِ

قیامت تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کوئی نہیں آئے گا۔

فَمَنْ لَعَنَہٗ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْعِبَادِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

(المعجم الکبیر: ۱۰/ ۲۴۰-۲۳۹-۲۳۸)

جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرے اور تنقید کرے سبّ وشتم کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہے اس پر سارے بندوں کی بھی لعنت ہے اور قیامت کے دن تک یہ لعنت ہوتی رہے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے چاروں خلفاء کا تذکرہ ان کی جامع خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے کیا ہے اور پھر نہ ماننے والوں کے بارے میں ایک ایک جملہ بولا ہے۔ ترتیب اسمیں وہی ہے جو نبی علیہ السلام نے عطا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے چاروں مقامات پر جو سرزنش کی گئی کہ!

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلاف جو بولے اس پر لعنت اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف جو بولے اس پر لعنت اور جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بولے اس پر بھی لعنت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو بولے اس پر بھی لعنت ہو۔

یہ لعنت کا فتویٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اللہ نے ہمیں ان سب لعنتیوں سے بچا رکھا ہے۔

ہم ہر ایک کا نام لیتے ہیں تو خوش ہو کر لیتے ہیں ہر ایک کی شان بیان کرتے ہیں تو خوش ہو کر بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو معیار دیا ہے جو بندہ آخری سانس تک اس معیار پر رہے اس کو سنی کہا جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان:

جس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تقریر کر کے فارغ ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے داد دی۔

آپ نے فرمایا:

صَدَقْتَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تم نے بالکل سچ کہا۔

ان چاروں خلفاء کی شان کو یوں بیان کرنا مشکل بڑا تھا کہیں کمی کا خطرہ ہو سکتا تھا لیکن تم نے تو حق ادا کر دیا۔

اَشْهَدُ اَنَّكَ لِسَانُ اَهْلِ بَيْتِكَ

امیر معاویہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اہل بیت کی زبان بنایا ہے۔

تم لسان اہل بیت ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر انداز میں یہ خوبیاں عطا فرمائی ہیں۔

فقاہت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

جس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وہاں باہر چلے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

مَا كَلَّمْتُهُ قَطُّ اِلَّا وَجَدْتُّهٗ مُسْتَعِدًّا

آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا ہو اور ان کی تیاری مجھے نظر نہ آئے۔ یہ اتنا علم اللہ نے ان کو دیا ہے کہ جس موضوع پہ چھیڑ و ان کی پہلے ہی تیاری موجود ہوتی ہے۔

اور اسی کا ایک انداز خطبہ خلافت راشدہ تھا کہ جس نے قیامت تک کیلئے ہمارے ایمانوں کو بہار عطا فرما دی۔

ترتیب خلافت اور وصال کے بعد صحابی کی شہادت

مرنے کے بعد اگر کوئی صحابی بولا ہے تو اس عقیدے کا اس نے بھی اظہار کیا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ فوت شدہ کو بھی بلوا لیتا ہے۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ بہت بڑے صحابی ہیں مدینہ شریف میں ان کا وصال ہو گیا۔ ظہر اور عصر کے درمیان وصال ہوا گھر والے اٹھا کر لے گئے اوپر کپڑا ڈال دیا مغرب کی نماز کے بعد خواتین اکٹھی تھیں اور رو رہی تھیں۔

چادر کے نیچے سے حضرت زید بن خارجہ بول پڑے جس وقت آپ بولنے لگے تو گھر والوں نے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا جس وقت آپ بولے تو کیا الفاظ تھے۔

فَقَالَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی امی ہیں کسی سے پڑھے ہوئے نہیں سب کچھ جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آخری نبی بنایا ہے۔

اس کے بعد فرمانے لگے۔

صَدَقَ صَدَقَ صَدَقَ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ خَلِيْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ

یہ سچ ہے یہ سچ ہے سچ ہے کہ بہت مضبوط اعصاب کے مالک حضرت ابو بکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ ہیں۔

زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ مرنے کے بعد نبی علیہ السلام کی نبوت پر گواہی دے رہے ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت پر گواہی دے رہے ہیں۔

دوسرے نمبر پر فرماتے لگے۔

عَبْدُاللّٰهِ عُمَرُ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْ کَانَ لَا یَخَافُ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

وہ عمر جو حق بات کرنے سے ڈرتے نہیں تھے اور کمزوروں کو بڑوں سے حق لے کر دیتے تھے وہ سچے خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ سچے خلیفہ ہیں وہ سچے خلیفہ ہیں۔

تیسرے نمبر پر فرمانے لگے۔

صَدَقَ صَدَقَ عُثْمَانُ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمٌ بِالْمُؤْمِنِیْنَ

(طبرانی/۱۵۹)

سچ ہے سچ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو مومنین پر رحیم ہیں امیر المؤمنین ہیں۔

اب حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ دنیا سے جا چکے تھے وصال ہو چکا تھا مگر پھر بھی ان کی شان ہے کہ جس وقت گھر والے رونے لگے تو آپ نے کہا ''اَنْصِتُوْ'' خاموش ہو جاؤ میری تقریر سنو میں دنیا سے جا چکا ہوں پھر بھی یہ پیغام دے کے جا رہا ہوں۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے وصال کے بعد بھی جو ترتیب بیان کی تھی یہ وہی ترتیب تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی تھی اور یہ واضح کر دیا کہ یہ زندگی میں بھی عقیدہ ہے۔ یہ قبر میں بھی عقیدہ رہے گا۔

ابو علی مفلوج کا خواب اور ترتیب خلافت:

ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے خواب میں دیکھا تو خواب میں بھی یہ ترتیب سامنے آئی۔

محمد بن سلیمان بن حارث کہتے ہیں میں نے ابوعلی مفلوج کو یہ کہتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے۔

رَأَيْتَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِيمَا يَرَى النَّائِمُ

میں نے خواب میں اپنے محبوب علیہ السلام کو دیکھا یار بھی ساتھ موجود تھے۔

کتنے رنگین تیری محفل کے نظارے ہونگے

جب تیرے پاس تیرے یار پیارے ہونگے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنٹر میں بیٹھتے تھے۔

وَاَبُوْبَكْرٍ عَنْ يَمِيْنِهٖ

ابوبکر رضی اللہ عنہ دائیں طرف بیٹھے تھے۔

وَعُمَرُ عَنْ يَسَارِهٖ

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بائیں طرف بیٹھے تھے۔

وَعُثْمَانُ اَمَامَهٗ

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سامنے بیٹھے تھے۔

وَعَلِيٌّ خَلْفَهٗ

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے بیٹھے تھے۔

اس انداز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹیلہ پر ان چاروں خلفاء کے درمیان بیٹھے تھے۔

اِذَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ صَبِيٌّ يَلْعَبُ

درمیان میں ایک بچہ کھیل رہا تھا۔

میں نے پوچھا

مَنْ ھٰذَا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بچہ کون ہے؟

تو صحابہ نے جواب دیا۔

ھٰذَا اِبْرَاھِیْمُ ابْنُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

(تہذیب الکمال: ۱۳/۳۲۳)

یہ ہمارے نبی علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہیں۔

لہٰذا جس نے ظاہری حیات میں دیکھا تو یہی ترتیب دیکھی اور اگر بعد از وصال دیکھا تو پھر بھی ترتیب تھی جو نبی علیہ السلام نے ظاہری حیات میں عطا فرمائی تھی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ اپنا انداز ہے۔

ترتیب خلافت تابعین کی نظر میں:

ہر دور میں یہی ترتیب مانی گئی اور یہ غیروں کا پروپیگنڈہ ہے جس کی وجہ سے آج تشیع کو اہلسنت میں داخل کیا جارہا ہے۔

کچھ ان پڑھ نعت خواں اور کچھ جاہل گدی نشین اور کچھ باطل کی طرف مائل لیڈروں کی وجہ سے حق کو معاذ اللہ دھندلا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور پھر عوام تو کالانعام ہوتے ہیں جو روش چلتی ہے اس پہ چل نکلتے ہیں۔

جس وقت اپنی محفل میں نعرہ لگاتے ہو۔

تو نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت کے بعد حق چار یار خلافت کا نعرہ لگاؤ تاکہ ہمیں پتہ

چلے کہ تم اس عقیدے پر ہو جو نبی علیہ السلام نے دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بلندیاں بیان کرنا ایمان کا حصہ ہے مگر سرکار کے پہلے تین خلفاء راشدین کا ذکر بھی ضروری ہے۔ نعرۂ تحقیق میں ان چاروں کا ذکر ہے۔ اس واسطے منکرین کو یہ کہتے سنا گیا کہ عملاً تم نے نبی علیہ السلام کے بعد حضرت علی کا مقام مان لیا۔ کیونکہ تمہارے جلسوں میں ان کا نعرہ تیسرے نمبر پہ لگتا ہے۔ نعرۂ تکبیر، نعرۂ رسالت، نعرۂ حیدری

جب کہ تم خلافت بلافصل کے قائل ہو اور خلیفہ بلافصل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مانتے ہو اس واسطے اپنے جلسہ میں ہر جگہ یہ اعلان کرو کہ نعرۂ تحقیق جب لگاؤ گے تو اس میں چار یاروں کا تذکرہ آ جائے گا اور ساتھ حق کا بیان بھی ہو جائے گا اور وہی ترتیب بیان ہو جائے گی جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور نبی علیہ السلام نے پڑھ کر سنا دی ہے۔

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ اور ترتیب خلافت ومحبت:

عَنْ حَمَّادِبْنِ سَلْمَةَ رضی الله عنه

حضرت حما بن سلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

قَالَ اَیُّوْبُ ابْنُ اَبِیْ تَمِیْمَةَ السَّخْتِیَانِیْ

حضرت ایوب بن ابی تمیمۃ السختیانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

مَنْ اَحَبَّ اَبَابَکْرٍ فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ

جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کو قائم کیا۔

وَمَنْ اَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ اَوْضَحَ السَّبِيْلَ

اور جس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے راستے کو واضح کر دیا۔

وَمَنْ اَحَبَّ عُثْمَانَ فَقَدْ اِسْتَضَاءَ بِنُوْرِ اللّٰهِ

اور جس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے اللہ کے نور سے ضیاء کو حاصل کر لیا۔

وَمَنْ اَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

اور جس نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا۔

وَمَنْ قَالَ فِيْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ بِالْحُسْنٰى فَقَدْ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ

(کتاب الورع: ص۔۹۳)

اور جس نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اچھی بات کہی تو وہ نفاق سے محفوظ ہو گیا۔

اس میں حضرت ایوب سختیانی رضی اللہ عنہ نے محبت صحابہ کو بیان کرتے ہوئے جو ترتیب بیان کی ہے یہ وہی ترتیب ہے جو ان کی خلافت کی ترتیب ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان خلفاءِ اربعہ کو اسی اعتبار سے عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔

ترتیب خلافت اور حضرت طارق کا اعزاز:

تابعین کا انداز خلفاءِ راشدین کی ترتیب کے بارے میں کیسا ہے۔

حضرت سعد بن طارق تابعی ہیں اور اپنے والد طارق سے پوچھتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے آج بھی فجر کی نماز میں قنوت کا مسئلہ بنایا ہوا ہے۔ تو سعد کہتے ہیں میں نے قنوت کے بارے میں مسئلہ اپنے والد سے پوچھا

قُلْتُ لِاَبِیْ یَاۤبَتِ

میں نے اپنے ابا جی سے کہا اے میرے ابا

اِنَّکَ قَدْ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَخَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ وَخَلْفَ عُمَرَ وَخَلْفَ عُثْمَانَ وَخَلْفَ عَلِیٍّ ھٰنَا بِالْکُوْفَۃِ قَرِیْبًا مِّنْ خَمْسِ سِنِیْنَ اَکَانُوْا یَقْنُتُوْنَ فِی الْفَجْرِ۔ (طحاوی شریف:۱/۱۷۷)

اے میرے ابا جان آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی نماز پڑھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی پڑھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی پڑھی اور آپ نے کوفہ میں پانچ سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی میرے ابا جی بتاؤ کیا یہ لوگ فجر میں قنوت پڑھتے تھے۔

جس وقت حضرت سعد نے طارق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو کہنے لگے۔

اَیْ بُنَیَّ مُحْدَثٌ

اے میرے بچے یہ قنوت فجر کی نماز میں کسی نے نہیں پڑھی، اب پڑھنے والوں نے خود گھڑ لی ہے۔

اگر ایک تابعی بولا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس نے بھی وہی ترتیب بیان کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی تھی۔

حضرت سعد کے والد کتنے بڑے چوٹی کے نمازی ہیں کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء اربعہ کے پیچھے بھی نماز پڑھی ہے۔

یہ بھی پتہ چلا کہ وہ ان اماموں کے مشترکہ عقیدت مند تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ کسی

نے کہا ہو کہ میں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے تو پڑھی ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نہیں پڑھوں گا یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نہیں پڑھوں گا یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نہیں پڑھوں گا۔

جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قائد مانا ہے اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی قائد مانا ہے جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قائد مانا ہے اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی قائد مانا ہے اور جس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قائد مانا ہے اس نے کوفہ میں پانچ سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مریدی بھی اختیار کی ہے۔

لہٰذا میں امت کا ایک view آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ سب کے دلوں میں مشترکہ عقیدت تھی اور یہ وہی ترتیب تھی جو ترتیب اس وقت گونج رہی تھی اللہ کے فضل سے آج بھی ہمارے سینوں میں موجود ہے۔

گفتگو کو سمیٹتے ہوئے تمہیں اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی نظر میں ترتیبِ خلفا

اپنے قرب و جوار میں اور برصغیر کی چوٹی پہ جو جھنڈا حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظر آتا ہے اس کا بھی تو تھوڑا سا تذکرہ کرنا چاہیے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ سے بڑا محب اہل بیت کون ہو سکتا ہے اور ان سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت اور مرتبے کو پہچاننے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ کشف المحجوب اٹھا کر دیکھیے۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر جاہل اور اجڈ قسم کے ملنگ بھنگ پی کے مختلف نعرے لگاتے پھر رہے ہیں اور دین کے خلاف باتیں کر رہے ہیں اوقاف کو ایسے لوگوں کو لگام دینی چاہیے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے پنجاب میں توحید کے بیج بوئے تھے جس کی کھیتی آج بھی نظر آتی ہے وہ حضرت داتا علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔

آج اس چیز کو کوئی بیان کرے گا تو اس پر الزام آئے گا کہ تم محب اہل بیت نہیں اگر یہ الزام ہم پہ آتا ہے تو یہ داتا صاحب پہ آجائے گا یہ پوری امت پہ آجائے گا۔ محبت اہل بیت وہ ہے جو نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو عطا فرمائی ہے اور اس سے آگے پیچھے وہ ہے کہ سرکار نے فرمایا تھا کہ اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہارے بارے میں دو طبقے جہنمی بن جائیں گے۔ جو تجھے حد سے بڑھ کر مانیں گے وہ بھی جہنمی ہیں اور جو تمہارا مرتبہ نہیں مانیں گے وہ بھی جہنمی ہیں۔ سیدھا جنت میں وہ جائے گا جو تمہاری وہ شان مانے گا جو ہم نے تجھے عطا فرمائی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے پورا ایک باب ائمہ صحابہ کے بارے میں بیان کیا۔

امام صحابہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

صحابہ کرام کے آئمہ کا تذکرہ کن الفاظ سے فرمایا

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے۔

منهم شيخ الاسلام

ان میں سے شیخ الاسلام، اسلام کا پیر، اسلام کا لیڈر

واز بعد انبياء خير الانام

سارے انبیاء کے بعد ساری مخلوق سے بہتر انسان

خلیفه پیغمبر و امام و سید اهل تجرید و شاهنشاه ارباب تفرید
سادہ ترجمہ یہ ہے کہ ولیوں کا تاجدار، تمام اہل تجرید کا بادشاہ
واز آفا ت انسانی بعید
وہ انسان جس میں انسانی عیب کوئی نہیں ہے، کون؟
امیر المؤمنین ابو بکر عبداللہ بن عثمان الصدیق رضی اللہ عنہ
(کشف المحجوب، ص:٦٧)
وہ امیر المومنین حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔
حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام کے ائمہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام میں جو پہلا امام ہے وہ شیخ الاسلام ہیں، ولیوں کے تاجدار ہیں، انبیاء کے بعد سارے انسانوں سے افضل ہیں وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں یہ حضرت داتا علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ ہے۔
اس عقیدہ سے آج بغاوت ہو رہی ہے۔ جاہل لوگ اپنی جاہلیت میں اور اپنے مفادات کے چکر میں شیعوں کے چرنوں میں جا کر چرتے ہیں ان سے داد لیتے ہیں یا امداد لیتے ہیں اس کا ہمیں پتہ نہیں ہے لیکن امت کے مسلک کے ساتھ غداری کر رہے ہیں۔
حضرت داتا علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ولایت کون جانتا ہے۔
آپ نے پہلے نمبر پر صحابہ کے اماموں میں سے جس کا نام پہلے ذکر کیا وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں ان کی یہ ساری شانیں بیان کر کے سب سے بڑا مضمون ان کی شان میں لکھا۔

امام صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

منہم سرہنگ اہل ایمان

ان میں سے دوسرا امام کون ہے؟ اہل ایمان کا سردار

صعلوك اہل احسان

دین میں روحانیت کا پیشوا

امام اہل تحقیق

اہل تحقیق کا امام

واندر بحرمحبت غریق

محبت کے سمندر میں ڈوبا ہوا انسان

ابو حفص عمر بن خطاب رضی الله عنه

(کشف المحجوب، ص:۲۹)

حضرت ابوحفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہے

یہ صحابہ میں دوسری قیادت ہے۔

اگر کسی گدی نشین کو دیکھنا ہے تو داتا صاحب کو دیکھو، اگر کسی پیر کو دیکھنا ہے تو داتا صاحب کو دیکھو جو یہاں بیٹھ کر لاہور والو کو کعبہ دکھا سکتا ہے وہ دین بھی سچا بتاتا ہے۔

ہمیں چھوٹے چھوٹے خودساختہ مجدد کی ضرورت کیا ہے ہمارے سامنے داتا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات موجود ہیں۔

امام صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ:

منہم گنج حیا اعبد اہل صفا

حیاء کا خزانہ، سارے صوفیوں میں بڑا صوفی

متعلق به درگاه رضا

تسلیم و رضا کا پیکر

متحلی بطریق مصطفی ﷺ

ہر وقت سرکار کی سنت کا زیور پہننے والا

ابو عمر و عثمان بن عفان رضی الله عنه

(کشف المحجوب، ص:۷۱)

وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ صحابہ کرام کے تیسرے بڑے لیڈر ہیں۔

اب داتا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ ان کو اتنا عظیم جانے اور تم پوری محفل میں ان کا نام نہ لو خلافت راشدہ کے ضمن میں بھی ان کا تذکرہ نہ کرو تو پھر کیسے مسلک داتا پہنچایا اور پھیلایا جا سکے گا حضرت داتا رحمہ اللہ تعالیٰ سے عقیدت رکھنے والو! ان سے محبت بھی تو ہونی چاہیے۔

وہ "رائے راجو" کو جوتے مار کے نیچے نہ اتارتے تو شاید پنجاب کی مٹی آج شرک سے بھری ہوئی ہوتی۔ حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے۔ لہٰذا ان کا دیا ہوا ایمان بھی معتبر ہے اور عقیدہ بھی معتبر ہے۔

امام صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ:

منهم برادر مصطفی ﷺ

صحابہ کرام میں سے چوتھے امام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی

وغریق بحر یلا

مصیبتوں کا مقابلہ کرنے والے

حریق نار ولا

اللہ کے عشق کی آگ میں جل کر پک جانے والے

مقتداء جملہ اولیاء واصفیاء

اولیاء اور اصفیاء کے تاجدار!

ابو الحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجهه الکریم

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ شانیں دی ہیں۔

میرے بھائیو!

اس تذکرے سے دل کو کتنی ٹھنڈک پہنچی ہے اور کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کے نام سے جلتا ہے کوئی دو کے نام سے جلتا ہے کوئی تین کے نام سے جلتا ہے اور کوئی چار کے نام سے جلتا ہے۔

سنی وہ ہے جو ہر ایک کے نام سے خوش ہوتا ہے۔

اگر ان میں سے کسی کا تذکرہ زیادہ ہوا ہو تو اس کے تذکرہ کو روکنا ہرگز ہمارا مقصد نہیں مگر جن کو بھلایا جارہا ہے ان کو کیوں اور کس وجہ سے بھلایا جارہا ہے؟

اس وقت جو روش اہلسنت کے خلاف ملنگوں اور جاہل لوگوں کی طرف سے آرہی ہے اس کے خلاف جہاد کی ضرورت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیڈروں کو نہ مانے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیسے مان سکے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا

تقاضا ہے کہ جن تینوں کے ہاتھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ دیا ان تینوں کی محبت کا اظہار پہلے کیا جائے۔

خلافت راشدہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں:

مکتوبات شریف میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک خط کا تذکرہ کیا۔

مجدد الف ثانی کون تھے؟

وہ مجدد کہ جس وقت اکبر نے دین الٰہی بنایا تھا جس شخصیت نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اس کو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے۔

یعنی جنہوں نے مصلیٰ پر بیٹھ کر انگڑائی لی تو اکبر کے دربار پر قیامت طاری ہو گئی۔وہ شیر اہل حق گوالیار کے قلعے میں بند رہ کر انہوں نے جہانگیر کو دین کی راہ میں جھکنے پر مجبور کر دیا ان کو دربار شاہی میں جھکانے کی کوشش کی گئی کہ سارے یہاں آ کر جھکتے ہیں تو تم بھی تھوڑا سا جھک جاؤ۔جس وقت حضرت مجدد کے سر کو دبایا گیا تو ناک سے خون بہہ نکلا مگر پھر بھی سر نہیں جھکا اور یہ سینہ تان کر کہا۔

ایک ہے کعبہ میرا اور ایک ہی مسجود ہے
ہر جگہ موزوں نہیں ہے سر جھکانے کیلئے

اس مجدد کی تعلیمات پر پاکستان بنا تھا اور دو قومی نظریہ کے بانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں دو جلدوں میں ان کی تعلیمات کا بہت بڑا خزانہ ہے دنیا میں جتنی آپ کے مکتوبات کو شہرت ملی ہے وہ آپ کا حصہ ہیں۔

آپ خط لکھتے تھے صرف توجہ کیلئے نہیں بلکہ جب کسی علاقے میں بگاڑ پیدا ہوتا تھا

تو خط یوں لکھتے تھے جیسے کمانڈر ان چیف کا آرڈر جا رہا ہے سیدھے ہو جاؤ یہ غلطی تم سے ہو گئی ہے شیخ احمد کا خط تمہارے پاس آ گیا ہے۔ اس وقت انڈیا کے شہر سامانہ میں ایک غلطی ہو گئی تھی اس میں ایک مسئلہ اٹھا حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو پتہ چل گیا۔ اور آپ نے ان کو خط لکھا۔

آپ کے اس خط میں درجنوں ظالموں کا جواب ہے۔

جو ہمارے مسلک کا روپ دھار کے مسلک کی جڑیں کاٹنا چاہتے ہیں۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سامانہ کو خط لکھا۔

سامانہ شہر کے سنی خطیب پر حضرت مجدد کی گرفت:

ذوی الا حترام سادا ت عظا م وقضا ۃ واہالی و موالی کرام بلدہ سنا ما نہ آ نکہ شنید ہ شد کہ خطیب آ ن مقا م د ر خطبہ عید قربان ذکر خلفاء ر ا شد ین ر ا رضی اللہ عنہم ترک کردہ

(مکتوبات دفتر دوم: حصہ ششم ص:۴۱)

ذوی الاحترام سادات عظام سنا گیا ہی کہ وہاں کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاء راشدین کا نام نہیں لیا

وا سامی متبرکہ ایشان رانخواندہ

خلفاء راشدین کے برکت والے نام نہیں لیے

و نیز شنیدہ شد کہ چون جمعے باوَ تعرض نمودند بسھو نسیان خود اعتزار نا کردہ

مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ جب کچھ لوگوں نے اس خطیب پر اعتراض کیا کہ تم نے خلفاء راشدین کے نام کیوں نہیں لیے؟ تو اس نے آگے سے معذرت بھی نہیں کی

بتمرد پیش آمده :

وہ آگے سے اکڑ کے پیش آیا

وگفته چه شد اگر اسامی خلفاء راشدین مذکور نشده

اور اس نے کہا کہ کیا ہوتا ہے اگر خلفاء راشدین کے نام نہ لیے جائیں

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس صورت مسئلہ کو بیان کر کے ارشاد فرمایا

کہ اے سامانہ شہر والو!

مجھے خطیب پر ہی افسوس نہیں، تم پر بھی افسوس ہے

نیز شنیده که اکابر واہالی آن مقام درین باب مساهله ورزیدند

تم نے اس سلسلے میں غفلت وسستی کی۔

وبشدت وغلظت بآں خطیب بے انصاف پیش نیامدند

تم نے اس ظالم خطیب کو جوتے مار کر کیوں نہیں نکالا؟

اے سامانہ کے سیدو! مجھے تم پر بھی افسوس ہے۔

تمہارے خطیب نے غلطی کی ہے لیکن تم نے اس کو ڈانٹا تک نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمانے لگے۔

وائے نه یک بار که صد بار وائے

ایک بار افسوس نہیں سو بار افسوس ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

آج کتنے لوگ ہیں خلفاء راشدین کا نام ترک کر رہے ہیں۔

اس دھرتی پر کچھ جاہل پیر، سجادہ نشین ایسے ہیں

جنہوں نے اپنے درباروں کی مسجدوں میں خلفاء راشدین کے نام خطبوں سے نکلوادیئے۔ کیا ہم ایسے دین کے علمبردار ہو سکتے ہیں؟

اب کچھ خطیب کرایہ کے ایسے ہیں جو شیعوں کی مجالس میں ذاکروں کی جگہ پر کرنے کیلئے چلے جاتے ہیں۔ سامانہ کے علاقے میں ایک سنی خطیب نے خلفاء راشدین کے نام ترک کیے تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ ان کا حساب کیسے کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے۔

ذکر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اگرچہ از شرائط خطبہ نیست و لیکن از شعائر اہل سنت است

خلفاء راشدین کا نام خطبہ میں لینا اگرچہ خطبہ کی شرط نہیں مگر سنیوں کی پہچان ضرور ہے۔ وہ سنی تب ہوگا جب خلفاء راشدین کے نام لے گا۔ یہ ہمارے شعار میں سے ہے۔

خطبہ عید قربان میں خلفاء راشدین کا نام ترک کرنیوالے کا حکم:

وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے شرق و غرب میں علمبردار آج بھی موجود ہیں وہ فرمانے لگے اس خطیب کا میرے نزدیک حکم یہ ہے۔

ترک نکند آنرا بعمد و تمرد

جو خلفاء راشدین کا نام جان بوجھ کر چھوڑے

مگر کسیکہ دلش مریض است

اس کا دل مریض ہے۔

وباطنش خبیث است

اور اس کا باطن خبیث ہے

وہ خطیب بننے کا حق دار نہیں ہے۔ اس نے خلفاء راشدین کے نام ترک کیوں کیے۔

یہ اگر کسی عالم مفتی کی بات ہوتی تو کہتے کہ یہ تنگ نظر لوگ ہوتے ہیں فتوے لگاتے رہتے ہیں۔

جس مجدد کے نظریے پر پاکستان میں رہ رہے ہو اس مجدد کا یہ فتویٰ ہے۔

خلفاء راشدین کے بارے میں اتنا بغض کہ ان کے نام چھوڑ دینا۔ اس بندے کا ہم کوئی علاج نہیں کریں گے وہ ہمارے مسلک کا نہیں ہے وہ برحق نہیں ہے وہ سچا نہیں ہے۔ وہ کون ہے؟ اس کا دل مریض ہے اس کا باطن خبیث ہے۔

آپ نے مسئلہ کی صورتحال کا احاطہ کیا۔ فرمانے لگے۔

اگر کوئی بندہ خطبہ میں خلفاء راشدین کے نام چھوڑتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

یا تو اس لئے چھوڑتا ہے اس کو پہلے دو کے ساتھ دشمنی ہے یا بعد والے دو حضرات کے ساتھ دشمنی ہے۔ اگر ذکر کروں گا۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام پہلے لینا پڑے گا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نام دوسرے نمبر پر لینا پڑے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تیسرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چوتھے نمبر پر لینا پڑے گا تو میں کیوں ذکر کرو۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں۔

خلفاء راشدین کا نام نہ لینے والا رافضی یا خارجی:

اگر فرض کنیم کہ بتعصب و عناد ترک نکردہ باشد اگر در تقدیم

وتفضیل حضرات شیخین متوقف است طریق اہلسنت را رافض است

اگراس لئے چاروں کے نام نہیں لیتا کہ اس کو پہلے دو کی فضیلت میں شک ہے تو یہ بندہ سنی نہیں ہے۔ بلکہ یہ رافضی ہے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔

جس کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے نمبر پر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے نمبر پر شک ہے۔

ان کی فضیلت کا قائل نہیں ہے اور وہ کس بنیاد پر نام ترک کر رہا ہے تو وہ رافضی ہے۔

اگر در محبت حضرات ختنین متر داست

اگر نبی علیہ السلام کے دونوں داماووں سے پیار نہیں۔

نیز از اہل حق خارج است

جو پہلے دو کی برتری نہیں مانتا تو وہ رافضی ہے اور جو دوسرے دونوں سے پیار نہیں کرتا وہ اہل حق سے خارج ہے۔

اس خطیب نے اگران دونوں وجوہ میں سے کسی وجہ پر نام نہیں لئے تو یہ سنیوں کی مسجد کا امام نہیں ہوسکتا۔ اہلسنت کو جماعت وہ کرائے گا جو اہلسنت کا یہ عقیدہ رکھنے والا ہوگا۔

دوسری جانب یہ ہے۔

اگر فرض کنیم بتعصب وعناد ترک نہ کردہ باشد

فرض کریں اس نے تعصب کی وجہ سے نام نہیں لیا۔ کسی کے ساتھ تعصب کی وجہ سے دشمنی نہیں کی ویسے ہی نام چھوڑ دیا۔

تو حضرت مجدد فرماتے ہیں۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

جو جس قوم سے مشابہت بنائے تو وہ انہیں سے ہوتا ہے۔

تو پھر وہ سنی نہیں ہوگا رافضی ہوگا، اگر چہ اس کے دل میں عناد نہیں تھا۔ مگر اس نے قوم کے ساتھ تشبہ تو کر لیا جن کو خلفاء راشدین سے آگ لگتی ہے ان کے ساتھ مشابہت تو کر لی پھر بھی مجرم ضرور بن جائے گا۔ پھر فرمانے لگے۔

اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهَم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تہمت کی جگہ سے اپنے آپ کو بچا کے رکھو۔

تو وہ کیوں اپنے اوپر تہمت لگوا رہا ہے۔ خلفاء کا نام لے۔ تا کہ اس کا پتہ چلے کہ اس کا ایمان کیسا ہے۔ لہٰذا خلفاء کا نام ترک کرنے میں دو حدیثوں کی خلاف ورزی پھر بھی لازم آئے گی۔

اگر وہ شخص ویسے بغیر عناد کے ترک کرتا ہے تو پھر بھی مجرم ہے۔

آج ہمارے مسلک پر فتنوں کی یلغار ہو چکی ہے۔

مسلک میں صدیوں سے پہلے جو عقیدہ آ رہا ہے، اس عقیدے پر کلہاڑے مارنے والے لوگ بھی پیدا ہو چکے ہیں، ان کے اپنے اغراض و مقاصد ہیں۔

آپ میری بات نہ سنیں ان کی کیسٹیں سن لیں جو اس نے شیعوں کی مجلسوں میں جا کر تقریریں کی ہیں، کہ کس انداز میں اہلسنت کو ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کی ہے اور ان رافضیوں کے عقیدے کی ترجیح بیان کی ہے۔

اور ان کے عقیدے کی حامی روایات کو وہاں پر بیان کر کے معاذ اللہ اہلسنت کا وقار مجروح کیا ہے۔

اس واسطے آج ہمیں اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اپنے جلسہ میں اپنی محفل

میں بالخصوص محفل نعت میں اور ہر خطیب اپنے خطبہ کے اندر اور تقریر کے اندر وہ انداز اپنائے جو حضرت داتا صاحب کا انداز ہے۔ حضرت مجدد صاحب کا انداز ہے۔ ساری امت کے صلحاء فقہاء اور صالحین کا ہے اور اس کا خیال ضرور کیا جائے کہ!

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک خطیب کو صرف اس بنیاد پر سنی مسجد کا خطیب نہیں مانتے کہ اس نے ظالموں سے مشابہت اختیار کی لہٰذا یہ ان جیسا ہو گیا۔

اپنی مسجد میں جو صحابہ کے مخالفوں سے مشابہت بنائے تو وہ سنی مسجد کا امام نہیں ہو سکتا اور جو ان کے گھر میں جا کے ان جیسا بن جائے اور ان کے عقیدے کی اور ان کے نظریے کی ترجمانی کرے وہ سنی کا لیڈر کیسے ہو سکتا ہے۔

اس واسطے میری اس بات کو سمجھ کے معمولی قرار نہ دینا، میں نے قرآن وسنت کا سارا نچوڑ اور امت کا عقیدہ تمہارے سامنے بیان کیا ہے۔

ہمیں کسی کی کوئی پرواہ نہیں اگر کسی درگاہ کا کوئی سجادہ نشین ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے اگر کسی پارٹی کا لیڈر ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے ہم نے کسی اور کا کلمہ نہیں پڑھا ہم نے گنبد خضریٰ کے والی کا کلمہ پڑھا ہے۔

ہم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت پر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت پر انشاء اللہ پہرہ دیتے رہیں گے۔

اہل بیت کی عظمتوں کے بھی جھنڈے لہراتے جائیں گے اور صحابہ کرام کی عظمتوں کے بھی جھنڈے لہراتے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ثابت قدمی عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر

10

جب سچائی خود بولے

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِبَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاُخْتَ ھٰرُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْکِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا کَانَتْ اُمُّکِ بَغِیًّا
فَاَشَارَتْ اِلَیْہِ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا
قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا
(سورت مریم آیت نمبر:۳۰_۲۹_۲۸)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؀

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاسَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع یوم النشور دستگیر جہاں غمگسار زماں سید سرداراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار گوہر بار میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد!

وارثان منبر ومحراب ارباب فکر ودانش اصحاب مودت ومحبت نہایت ہی معزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام نویں سالانہ فہم دین کورس میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے۔

''جب سچائی خود بولے''

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿ آج کا موضوع اپنی نوعیت کا ایک منفرد موضوع ہے ﴾

جس میں اس بات کو واضح کیا جائے گا کہ رب ذوالجلال کی قدرت جب کسی کی تائید کرتی ہے تو اس صداقت وسچائی کو کوئی چیز شکست نہیں دے سکتی اور اللہ تعالیٰ کا فضل جب کسی کا حامی ہوتا ہے۔ تو پھر کوئی چیز اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی اور ان صداقتوں کو لازوال عظمتیں میسر آتی ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ سورۃ مریم میں تفصیل سے موجود ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے ساتھ ماحول میں تشریف لائیں تو

اعتراضات کی بوچھاڑ ہوگئی۔معاذ اللہ آپ کے کردار پر شک کیا جانے لگا۔

یَآاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا

لوگ کہنے لگے اے ہارون کی بہن تیرا باپ بھی برا آدمی نہیں تھا۔اور تیری ماں بھی بری نہیں تھی۔تم کس طرح یہ بیٹا لے کے آ گئی ہو۔حالانکہ ابھی تک تمہاری شادی نہیں ہوئی۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ

حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔یعنی مجھ پہ اعتراض نہ کرو۔میرے بیٹے سے پوچھو!

جس وقت آپ نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف قوم کو متوجہ کیا تو

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا

لوگوں نے کہا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں یہ تو ابھی پنگھوڑے میں بچہ ہے۔ یہ نہ ہماری بات سن سکتا ہے اور نہ ہمیں جواب دے سکتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کے پاکیزہ کردار کی گواہی:

جس وقت لوگوں نے یہ کہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پنگھوڑے کے اندر بول پڑے۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا

(سورۃ مریم آیت ۲۸،۲۹،۳۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا! میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس نے مجھے کتاب دی ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔

اسی طرح جو لوگ بڑی آسانی کیساتھ حضرت مریم علیہ السلام پر اعتراض کر رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ان کے لیے اعتراض کا ایک بہت بڑا دروازہ تھا۔ لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بولے اور آپ نے یہ اعلان کر دیا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے۔ مجھے ایک کتاب دی ہے۔ تو اس سے بھرپور انداز میں حضرت مریم علیہا السلام کی صداقت سامنے آ گئی ۔ اور لوگوں کے منہ بند ہو گئے ۔ آپ کے کردار میں کسی طرح کا کوئی شک باقی نہ رہا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت اپنے بندوں کی صداقت کا اہتمام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے مواقع پر جن کو اپنی تائید سے نوازتا ہے۔ یقیناً اس کی صداقت اور سچائی کو کائنات کی کوئی چیز چیلنج نہیں کر سکتی ۔ اور وہ صداقتیں کائنات میں دیرپا ہوتی ہیں ۔ اور اس کے اثرات سوسائٹی میں مدتوں تک محسوس کیے جاتے ہیں ۔

بنی اسرائیل کا عابد و زاہد:

حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب (الزہد) کے اندر تفصیل سے یہ لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عابد و زاہد تھا۔ سوسائٹی کے اندر اس کی نیکی کا بڑا چرچا تھا۔ دن رات اللہ کے ذکر میں مصروف رہتا تھا۔

بدنام کرنے کی سازش:

اس زمانے کے کچھ اوارہ گرد لوگوں نے اللہ کے اس ولی کو بدنام کرنے کی ترکیب بنائی۔ کیونکہ وہ اللہ کی یاد میں مستغرق رہنے کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کو بھی اللہ کی یاد کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ اللہ کے وہ ولی برائی اور بروں کے خلاف جہاد میں بھی

مصروف رہتے تھے۔انہوں نے پروگرام بنایا کہ انہیں بدنام کر دیا جائے تا کہ ان کا پیغام اسی جگہ جام ہو جائے۔

چنانچہ انہوں نے ایک عورت کو تیار کیا۔اور اس کے لیے وقت کا انتخاب کیا کہ تم نے رات کو عابد کی عبادت گاہ میں پہنچنا ہے۔اور وہاں جا کر تم نے اپنا کام مکمل کرنا ہے۔تا کہ اس شخص سے ہمیں نجات مل سکے۔

امام احمد بن حنبل نے سند کیساتھ اس کو لکھا ہے کہ اللہ کا وہ بندہ رات کو اپنی عبادت گاہ میں بندگی کر رہا تھا۔سردی کی رات تھی بارش کا موسم تھا۔ایک خاتون دروازہ پر پہنچ گئی اور اس خاتون نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا!

لیکن وہ پرہیزگار انسان چراغ جلائے اپنی بندگی میں مصروف رہے۔کبھی حالت قیام میں اور کبھی حالت رکوع میں اور کبھی حالت سجود میں رات کے لمحات گزر رہے تھے۔اس عورت نے آوازیں دینا شروع کر دیں!

وہ کہنے لگی!

يَاعَبْدَاللّٰهِ آوِنِيْ اِلَيْكَ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ وَمِصْبَاحُهٗ فَاقِبْ

اے اللہ کے بندے میرا اس وقت کوئی سہارا نہیں۔آپ دروازہ کھولیں تا کہ میں سردی سے بچ سکوں۔رات کے اس وقت میں مجھے کوئی پناہ دینے والا نہیں اور نہ کہیں اس وقت جا سکتی ہوں۔تمہارا یہاں پہ گھر موجود ہے۔بارش بھی ہو رہی ہے سردی بھی ہے اور رات کا وقت ہے۔آپ میرے لئے دروازہ کھول دیں۔تا کہ میں بارش اور سردی سے بچ سکوں۔

اللہ کا یہ ولی اپنی عبادت میں مصروف ہے اور اس خاتون نے بار ہا یہ اپیل کی اور منتیں سماجتیں کرتی رہی کہ آپ دروازہ کھولیں ورنہ میں دروازہ پر ہی مر جاؤں گی۔

مجھے اتنی شدید سردی لگ چکی ہے۔ اور سر چھپانے کے لیے اور کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔

بالآخر اللہ کا ولی جس وقت نماز سے فارغ ہوا تو دروزاہ کھول دیا۔ وہ عورت جس وقت اندر کمرے میں داخل ہوئی تو اس ولی نے اپنی بندگی پھر شروع کر دی۔

چند لمحوں کے بعد اس عورت نے اپنی کاروائی شروع کر دی۔ اور وہ مصلے کے پاس لیٹ گئی اور وہ بار بار اللہ کے اس ولی کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگی۔ جس وقت اس نے یہ سمجھا کہ یہ ولی اشارے کنایہ سے میری طرف متوجہ نہیں ہو رہے۔ تو اس نے اپنی زبان سے دعوت برائی دینا شروع کر دی۔ مگر اللہ کا وہ ولی مسلسل اپنی بندگی میں مصروف رہا۔ جس وقت عورت مزید برائی میں تیز ہونے لگی۔ اس اللہ کے ولی کو برائی میں ملوث کرنا شروع کیا۔

جلتے چراغ پہ انگلی رکھ دی:

تو اللہ کے اس عظیم بندے نے مصلے کے قریب جلتے چراغ پر اپنی انگلی کر دی۔ اور جس وقت چراغ کے اوپر انگلی کی تو وہ جلتے جلتے ساری انگلی جل گئی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ نفل شروع کر دیئے۔ اس عورت نے پھر اپنی بری حرکتیں شروع کر دیں۔

ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الْمِصْبَاحِ فَوَضَعَ اِصْبَعَهُ اَيْضًا حَتّٰى اِحْتَرَقَتْ

پھر وہ دوبارہ چراغ کے پاس پہنچے اور دوسری انگلی کو جلانا شروع کر دیا۔ اسی طرح شعلوں کے ساتھ دوسری انگلی بھی جل گئی۔

ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مُصَلَّاهُ فَدَعَتْهُ نَفْسَهُ اَيْضًا فَلَمْ يَرَعْهُ

پھر وہ اپنی عبادت گاہ کی طرف لوٹے اور دوبارہ بندگی شروع کر دی۔

عورت نے پھر جس وقت اپنی حرکتیں شروع کیں۔

وَهُوَ يَعُوْدُ اِلَى الْمِصْبَاحِ حَتّٰى اِحْتَرَقَتْ اَصَابِعُهُ

تو پھر اپنی بندگی کو چھوڑ کے چراغ کے پاس پہنچے اور اپنے آپ کو اس بات کی تلقین کر رہے تھے۔ کہ اگر یہ دنیا کی تھوڑی سی آگ برداشت کر سکتے ہو تو پھر نار جہنم کو برداشت کرنے کے لیے برائی کا ارتکاب کر لو۔ اپنے آپ کو مسلسل آگ پر تاپ کر اللہ کے اس ولی نے اپنے کردار کو محفوظ رکھا۔

جس وقت بھی اس عورت کے گندے خیالات اور اس کی گندی حرکات سامنے آئیں تو اللہ کا وہ ولی آگ کے پاس چلا جاتا۔ اسی انداز میں ساری رات اس کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر جب دونوں ہاتھوں کی انگلیاں جل گئیں۔ تو اس عورت کو بھی خیال آیا کہ ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کا معیار کتنا اونچا ہے۔ کتنی بار میں نے اس کو متوجہ کیا اس نے میری طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کیا اور اس انداز میں اللہ کی طرف متوجہ رہا۔ اپنے ہاتھ کی انگلیاں جلا دیں۔

حَتّٰى اِحْتَرَقَتْ اَصَابِعُهُ وَهِيَ تَنْظُرُ اِلَيْهِ فَصَعِقَتْ فَمَاتَتْ

جس وقت اس عورت نے دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں کو جلتا دیکھا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی اور اس نے چیخ ماری تو اس کے ساتھ اس کی روح اس کے بدن سے پرواز کر گئی۔

اب وہ لوگ جنہوں نے اس عورت کو غلط نظریے پر بھیجا تھا۔ وہ انتظار میں تھے کہ کب صبح کا وقت ہوتا ہے۔ ہم جاتے ہیں اور اس عورت سے داستان سنتے ہیں۔ کہ کس طرح پرہیز گار اپنی راہ سے بھٹکتا ہے۔ اور کس طرح سچے راستے سے پھسلتا ہے۔

صبح کا وقت ہوا تو وہ لوگ عبادت گاہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں پر عورت کی میت پڑی ہے۔ اب انہوں نے سمجھا کہ ہمارا منصوبہ کامیاب ہو گیا۔ بڑے تند و تیز لہجے سے اس ولی کے ساتھ باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اور اس پہ تنقید کا دروازہ کھولا۔

وہ کہنے لگے۔

يَا عَدُوَّ اللّٰهِ يَا مُرَائِيْ وَقَعْتَ عَلَيْهَا ثُمَّ قَتَلْهَا

اے اللہ کے دشمن تو کتنا ریا کار ہے۔ لوگوں کو تم نے بندگی کا جھانسہ دے رکھا ہے۔ اور تیرا من بڑا پلید ہے۔ تیرا کردار بڑا گندہ ہے۔ تو نے ایک عورت کے ساتھ رات کو بدکاری کی ہے۔ اور اس کے بعد تو نے اس کو قتل کر دیا ہے۔

اب تمہارے کردار کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ تمہارے کردار کا پردہ فاش ہو چکا ہے۔ لہذا انہوں نے احتجاج شروع کیا۔ جلوس نکالنا شروع کیا۔ اور حاکم وقت تک کیس لے گئے۔ کہ فلاں بندہ جو بڑا صوفی بنا ہوا تھا۔ عابد وزاہد بنا ہوا تھا۔ مگر کردار اس کا بڑا گندہ تھا۔ رات کو اس نے اپنے عبادت خانے میں ایک عورت کے ساتھ بدی کی ہے۔ اور برائی کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر اس کو قتل بھی کر دیا ہے۔ باقاعدہ کیس چلا۔ اور اس پرہیزگار بندے کا کردار لوگوں کی نگاہوں میں مخدوش بنا دیا گیا۔ چونکہ دوسری کوئی عورت موجود نہیں تھی۔ عورت خود فوت ہو چکی تھی اور کوئی گواہی دینے والا نہ تھا۔ جو اس کے کردار کے ستھرے پن کو بیان کرتا۔

الزام لگانے والے اپنے الزام کی تصدیق میں اس عورت کی میت پیش کر رہے تھے کہ رات کو یہ وہاں کیسے پہنچی اور وہاں یہ کیسے مرگئی۔ تو یقیناً اس شخص کا کردار ایسا تھا۔ کہ جس نے عبادت کے رنگ میں لوگوں کی عزتوں کو لوٹنے کا ایک کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ اور نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عورت پہنچی ہے۔ اس کے ساتھ برائی کی گئی ہے۔ پھر اس عورت کو اس انسان نے قتل کر دیا۔

فَاَمَرَ بِقَتْلِهٖ

حاکم وقت نے اس کی سزا قتل تجویز کی کہ مجمع عام میں اس انسان کو قتل کیا جائے۔

تا کہ نشان عبرت بن جائے۔ یہ عام لوگوں سے زیادہ برا ہے۔ معاذ اللہ جس نے بندگی کی آڑ میں لوگوں کی عزتیں لوٹنا شروع کر رکھی ہیں۔

جب مجمع لگ گیا تو اس شخص کو قتل کرنے کے لیے پیش کیا گیا۔ ابھی تلوار چلنے والی تھی۔ اللہ کا وہ بندہ کہتا ہے۔

دَعُوْنِیْ حَتّٰی اُصَلِّیَ رَکْعَتَیْنِ

مجھے چھوڑ دو تا کہ میں دو رکعت نفل ادا کرلوں۔

لوگ اس کے بارے میں اپنی سوچ بدل چکے تھے۔ اور یہی سمجھتے تھے کہ اب بھی یہ معاذ اللہ کوئی فراڈ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اللہ کے اس ولی نے وضو کیا اور وضو کرنے کے بعد اس نے نفل پڑھے۔

جس وقت نفل ادا کر لئے۔

ثُمَّ دَعَا

اس نے دعا مانگی۔

وہ کہنے لگا۔

اَیْ رَبِّ اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ لَمْ تَكُنْ لِتُؤَاخِذَنِیْ بِمَا لَمْ اَكُنْ اَفْعَلُ

اے میرے رب مجھے یہ پتہ ہے کہ قیامت کے دن تو مجھ سے اس کا مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ جو میں نے کام نہیں کیا۔

وَلٰكِنْ اَسْاَلُكَ اَنْ لَّا اَكُوْنَ عَارًا عَلَی الْقُرَّآءِ بَعْدِیْ

لیکن میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میرے بعد پرہیز گاروں کا کردار معیوب ہو جائے گا۔ اور لوگ میری وجہ سے بدنام ہو جائیں گے اور نیک لوگوں پر زمانے کے بدمعاش تنقید کریں گے اور میرا نام پیش کریں گے کہ فلاں بڑا پرہیز گار بنا ہوا تھا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ سے انہوں نے اس انداز میں سوال کیا۔

اَسْاَلُكَ اَنْ لَّا اَكُوْنَ عَارًا عَلَى الْقُرَّآءِ بَعْدِی

اے اللہ میں صرف یہ سوال کرتا ہوں کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد میرا نام شرم کی علامت نہ بن جائے۔ اور میں پرہیز گاروں کے لیے عار نہ بن جاؤں۔

میرے بعد نیک لوگوں کے لیے میرا نام گالی نہ بن جائے۔

میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجمع عام میں میرے کردار کی صفائی سامنے آ جائے۔

پھر اگرچہ قتل بھی کر دیا جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے زمانے کے جو نیک لوگ ہیں۔ انہیں کوئی طعنہ نہ ملے۔ اور ان پر کوئی تنقید نہ کی جائے۔ مجمع عام لگا ہوا تھا۔ اور عورت کی میت بھی سامنے موجود تھی۔

عابد کے ستھرے کردار کی گواہی:

جونہی اللہ کے ولی نے یہ دعا مانگی تو

رَدَّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهَا نَفْسَهَا

رب ذوالجلال نے اس عورت کو زندہ کر دیا۔

اور مجمع عام میں وہ اٹھ کے بیٹھ گئی۔ جب وہ زندہ ہوئی تو

فَقَالَتْ

اس نے کہا لوگو!

اُنْظُرُوْا اِلٰى يَدِه ثُمَّ عَادَتْ مَيِّتَةً

(الزھد لامام احمد بن حنبل الشیبانی بقیہ زہد عیسیٰ علیہ السلام ص ۱۲۶ دار الدیان للتراث القاہرہ)

اعتراض کرنے سے پہلے اس انسان کے ہاتھ دیکھو۔

میں نے ساری کوشش کی۔ اس کو پھنسانے کی لیکن جس وقت میرا مکر وفریب

بڑھنے لگتا۔ تو یہ اٹھ کے چراغ پہ اپنا ہاتھ کرتا۔ اس نے ایک ایک کر کے اپنی انگلیاں جلائی ہیں۔ اور اس کی ایک ایک انگلی کو جلتا دیکھتی رہی ہوں۔ بالآخر اس کی دس کی دس انگلیاں جل گئیں اور میں اپنے منصوبہ میں ناکام ہو گئی۔ مجھے رب کا خوف آیا اور مجھ پہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے رعشہ طاری ہو گیا۔ اسی دوران میری روح نکل گئی۔ لہذا اس پرہیز گار کی طرف کوئی انگلی نہ اٹھائے۔ یہ وہ انسان ہے کہ جس کو ساری رات ایک عورت بدی کی دعوت دیتی رہی۔ مگر یہ پھر بھی بدی تو کیا اس نے عورت کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ اور اللہ کے عذاب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے آپ کو آگ پہ جلاتا رہا۔

لہذا میں یہ گواہی دیتی ہوں کہ اس بزرگ کا کردار بالکل سچا اور ستھرا ہے۔ اس انداز میں سچائی جب بولتی ہے۔ اس کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے اور اس کی اپنی ایک تاثیر ہوتی ہے۔ وہ زمانے کے برے لوگ جو حق پرست کا رستہ روکنا چاہتے تھے۔ مجمع عام میں ایک فوت شدہ خاتون زندہ ہو کر اس کے کردار کی گواہی دے رہی تھی تو مجمع میں کتنے بگڑے ہوئے لوگ تھے۔ جن کو ہدایت نصیب ہوئی اور اس انداز میں ایک بندے کا کردار بے غبار ثابت ہوا۔ اور اس کردار کی سچائی نے سینکڑوں لوگوں کو راہ راست کا مسافر اور راہی بنا دیا۔

ایسے ہی بخاری شریف میں تذکرہ موجود ہے جس کو سید عالم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے تفصیل سے بیان کیا۔ پہلی امتوں میں ایک جریج نامی انسان تھا۔ اس کی عبادت کا بڑا چرچا تھا۔ انہوں نے اپنا عبادت خانہ بنا رکھا تھا۔ اس سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ دن رات اس عبادت خانے میں بندگی میں مصروف رہتے تھے۔

والدہ کی ناراضگی کا وبال:

ایک دن ان کی والدہ ان کے پاس آئیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ تو والدہ نے ان کو آواز دی۔ اس پرہیز گار نے سوچا کہ ایک طرف رب کی بندگی ہے۔ ایک طرف

والدہ کی دعوت ہے۔ والدہ کوئی کام کہنا چاہتی ہے۔ لہذا اس نے فیصلہ کیا کہ اللہ کی بندگی نہیں چھوڑوں گا۔ والدہ کی بات نماز سے فارغ ہونے کے بعد سن لوں گا۔

والدہ کی بددعا:

موقف ان کا صحیح تھا کہ اللہ کی بندگی جاری ہے۔ اور اس وقت اس میں انقطاع نہیں آنا چاہیے۔ لیکن ماں کو غصہ آگیا اور ماں نے اپنے بیٹے کے خلاف دعا کر دی۔ ماں کہنے لگی۔

اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى تُرِيَهُ وُجُوْهُ الْمُوْمِسَاتِ

اے اللہ میرا بیٹا اس وقت تک نہ مرے جب تک یہ بدکردار عورتوں کا چہرہ نہ دیکھ لے۔

مومسات: زانیہ اور وحشہ عورت کو کہتے ہیں۔

اے اللہ مرنے سے پہلے یہ بدکردار عورتوں کا منہ دیکھے۔ یہ دعائے نقصان تھی جو غصے میں ایک ماں نے اپنے بیٹے کے لیے کر دی۔

وہ الفاظ رب کی بارگاہ میں مقبول ہو گئے۔ یہ عابد وزاہد اپنے عبادت خانے میں عبادت کے اندر اسی طرح مصروف رہا۔ بہت سا وقت گزر گیا۔ مگر جو ماں کے جملے تھے ان کا اثر بھی باقی تھا۔

وَكَانَ جُرَيْجٌ فِيْ صَوْمَعَتِهٖ

اور وہ جریج نامی بزرگ اپنے عبادت خانہ میں موجود تھا۔

فَتَعَرَّضَتْ لَهٗ امْرَاَةٌ

اس کے پڑوس میں ایک عورت رہتی تھی۔

سرکار ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ عورت اس کے عبادت خانے میں جانے لگی اور اس میں جا کر اس شخص کو اپنی طرف مائل کرنے لگی۔

فابیٰ فَاَتَتْ رَاعِیًا فَاَمْکَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا

مگر وہ بلا کا پرہیزگار انسان تھا۔ بہت بڑا صوفی تھا۔ اور دن رات اللہ کی بندگی میں مصروف رہنے والا تھا۔ اس نے عورت کی طرف کوئی توجہ نہ کی تو عورت نے اپنے آپ کو ایک چرواہے کے آگے پیش کر دیا۔ تو وہ عورت حاملہ ہو گئی۔

فَوَلَدَتْ غُلَامًا

اور وقت معین پر اس کا بچہ پیدا ہو گیا۔

جریج پہ برائی کا الزام:

جب لوگوں نے پوچھا کہ تو نے اس بچے کو کیسے جنم دیا۔ تیرا تو کوئی خاوند نہیں ہے۔ تو اس نے کہا کہ یہ جو اس عبادت خانے میں رہتا ہے۔ میرے اس کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں اور اس کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا۔

جس وقت اس عورت نے بول کے یہ الزام لگا دیا۔

آپ اس وقت معاشرے میں اس بات کو محسوس کرتے ہو کہ اگر کسی نیک آدمی سے کوئی برائی ہو جائے تو اس پر ردعمل شدید ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو ماحول میں برے ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے موقع پر وہ لوگ بڑھ چڑھ کر سامنے آتے ہیں۔ اپنے کردار کو چھپانے کے لیے دوسرے کے خلاف بڑے نازیبا الفاظ بولتے ہیں۔

لہذا اس عورت نے بول کے کہہ دیا کہ میرا بیٹا حرام زادہ ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ میرے اس پرہیزگار انسان کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں اور اس کے نتیجے میں میرا یہ بیٹا پیدا ہوا ہے۔

لوگوں نے جب اس خاتون کی بات سنی تو انہوں نے کچھ نہ سوچا۔

فَاَتَوْهُ فَكَسَّرُوْا صَوْمَعَتَهُ

وہ لوگ اس کے عبادت خانے میں آئے۔ اور اس کے عبادت خانہ پہ حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور انہوں نے کہا کہ عبادت کو تو نے آڑ بنا رکھا ہے۔ اور تیرا کردار کتنا گندا ہے۔

لہذا سب سے پہلے اس کے عبادت خانہ کو گرایا اور اس کی اینٹیں پھیلا دیں۔ اس کے بعد اس انسان کو مارنا شروع کر دیا۔

جس وقت اس کو باہر لے کے آ گئے۔ تو جریج نے کہا مجھے چند منٹ دے دو میں وضو کر لوں۔

فَتَوَضَّأَ وَصَلّٰى

اب اس نے وضو کیا پھر نماز ادا کی۔

اس کے بعد اس پرہیزگار نے جو دن رات اپنے رب کو سجدہ کرتا تھا۔ اپنے رب سے رابطہ قائم کیا اور درخواست کی کہ یا اللہ میں نے جرم کیا نہیں۔ لیکن میری ذمہ لگ گیا ہے۔ اور عورت اپنا شیر خوار بچہ لیکر معاشرہ میں موجود ہے۔ لوگوں میں جو نیک تھے۔ وہ بھی خلاف اور جو برے تھے۔ وہ بھی پرہیزگار کے خلاف ہیں۔ سب کے سب اس کے خلاف تھے۔ کوئی بھی اس کا حامی نہیں تھا۔

شیر خوار بچے کی گواہی:

اس وقت وہ عدالت کے کٹہرے میں تھے۔ اس کو مارا پیٹا جا رہا ہے۔ اس کے کردار پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ جب اس نے نفل ادا کر لئے اس کے بعد اس نے عورت سے نہیں کہا۔ شیر خوار بچے سے کہا!

مَنْ اَبُوْكَ يَا غُلَامُ

اے بچے یہ تو بتا تیرا باپ کون ہے۔

اس کی ماں بار بار کہتی تھی کہ یہ پرہیزگار صوفی جو فلاں جگہ عبادت کرتا ہے۔ یہ بیٹا اس کا ہے۔ اس نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے۔ لیکن اس پرہیز کا کردار کتنا ستھرا ہے اسے اپنے کردار پر اطمینان تھا۔

اللہ تعالیٰ کو موجود سمجھتے ہوئے اس نے شیر خوار بچے سے کہا!

مَنْ اَبُوْكَ يَا غُلَامُ

اے بچے ذرا بتا تو سہی کہ تیرا باپ کون ہے۔

اب لوگ منتظر بھی تھے اور متعجب بھی تھے کہ چار دنوں کا بچہ نہیں بولتا۔ تو یہ بچہ بھی نہیں بولے گا۔ اور یہ جس طرح عدالت کے کٹہرے میں پھنس چکا ہے۔ ابھی اس کو رجم کیا جائے گا۔ اور سزا دی جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کیسے حمایت کرتی ہے۔

اور سچائی کیسے بولتی ہے

جریج کا بے داغ کردار:

سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ!

جس وقت اس پرہیزگار نے بچے سے پوچھا

مَنْ اَبُوْكَ يَا غُلَامُ

اے بچے بتا تیرا باپ کون ہے۔

فَقَالَ الرَّاعِىْ

(صحیح بخاری شریف کتاب الانبیاء باب قول اللہ عزوجل واذکر وافی الکتاب مریم ج:۱ ص: ۴۸۹ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس بچہ نے کہا کہ تمہارے عبادت خانے کے ساتھ جو چرواہا رہتا ہے۔ وہ چرواہا میرا باپ ہے۔ میری ماں نے اس سے بدکاری کروائی ہے اور میں اس کے نتیجے میں پیدا ہوا ہوں تو سید عالم ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ!

پنگھوڑے میں بولنے والے کئی انداز کے ہوتے ہیں اور صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پنگھوڑے میں بولے اور اپنی امی کی صداقت کو ظاہر کیا ہے۔ ان کا ایک اپنا کردار ہے۔ اور ان کا بولنا اپنے انداز کا ہے۔

ادھر یہ بچہ بھی بولا ہے اور اپنی ماں کے کردار کی گواہی ستھرے انداز میں نہیں دی۔ اس ولی کے پاک کردار کو بیان کر دیا ہے۔

اس کی ماں بار بار الزام لگا رہی تھی۔ مگر رب ذوالجلال نے اس نیک انسان کی نیکی کو محفوظ کر لیا۔ اور اس پہ جو الزام لگ رہا تھا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک بچے کو توفیق دے دی وہ شیر خوار بچہ بول رہا تھا۔ اور اللہ کے ایک ولی کے کردار کی گواہی دے رہا تھا۔

ایک عورت کی کہانی ان کی زبانی:

ایسے ہی بخاری شریف کا ایک مقام بڑا منفرد ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کی ایک سہیلی آتی تھی۔ وہ کالے رنگ کی عورت تھی۔ ایک زمانہ پہلے وہ لونڈی تھی۔ پھر ان کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ نبی پاک ﷺ نے اس خاتون کو یہ شرف بخشا کہ ان کو مسجد نبوی شریف کے احاطے میں ایک چھوٹا سا سرکنڈوں کا کمرہ بنا دیا گیا۔

آپ فرماتی ہیں

كَانَ لَهَا حَفْشٌ فِي الْمَسْجِدِ

اس خاتون کے لیے حفش تھا۔

حفش: وہ چھوٹا سا کمرہ جو کانٹوں کا بنا ہوا تھا۔ سرکنڈوں کے بنے کمرے میں عبادت کرتی رہتی تھی۔

فارغ وقت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آجاتی تھیں۔ اور اپنے ماضی کے داستانیں بیان کرتی تھی۔ کہ جب میں کافرہ تھی اور ذرخرید لونڈی تھی۔

فَإِذَا فَرَغَتْ مِنْ حَدِيثِهَا

جس وقت اپنی باتیں کر کے فارغ ہوتی تو ایک بات آہ بھر کے کہتی تھی۔

قَالَتْ يَوْمُ الْوُشَاحِ مِنْ تَعَاجِيبِ رَبِّنَا

وہ کہتی تھی کہ ہار والا دن میرے رب کے عجیب دنوں میں سے ہے۔

إِلَّا أَنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِي

مگر اسی دن نے مجھے کفر سے بچالیا۔ اور کفر والے شہر سے مجھے نجات دی ہے۔

فَلَمَّا أَكْثَرَتْ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب کئی بار اس سے یہ جملہ سنا تو

قَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ وَمَا يَوْمُ الْوِشَاحِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا کہ یوم وشاح کیا چیز ہے؟

اس دن کیا ہوا تھا؟

(وشاح) وہ ہار جو چمڑے کا بنا ہوا ہو اور اس پر ہیرے جواہرات لگے ہوں یہ بڑا قیمتی ہار عربوں کی عورتوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اسے کندھے اور پہلو کے درمیان

پہنا جاتا تھا۔عورتوں کا خاص زیور تھا۔

قَالَتْ

وہ عورت کہنے لگی یوم وشاح کو میں اس لیے یاد رکھتی ہوں کہ جب میں لونڈی تھی اپنے مالک کے گھر میں رہتی تھی۔

ہار چوری کا الزام:

مالک کی صاحبزادی کا ایک ہار بڑا قیمتی تھا۔وہ ہار اس بچی نے کہیں پہ رکھا۔

فَانْحَطتْ عَلَيْهِ الْحُدَيَا وَهِيَ تَحْسَبُهُ لَحْمًا

اس ہار کو ایک چیل گوشت سمجھ کر اٹھا کر لے گئی۔

حالانکہ وہ ایک قیمتی ہار تھا۔

لہذا چیل نے اس کو اٹھایا اور دور چلی گئی۔اس وقت گھر میں کوئی موجود نہیں تھا۔

اس بچی کو ہار کے بغیر والدین نے جس وقت دیکھا تو انہوں نے ہار تلاش کیا۔اس وقت میرے سوا کوئی گھر میں موجود نہیں تھا۔

لہذا مجھ پہ الزام آ گیا۔

فَاتَّهَمُوْنِیْ بِهٖ

پہلے انہوں نے مجھ پر تہمت لگائی کہ وہ قیمتی ہار تمہارے پاس ہے۔

فَعَذَّبُوْنِیْ بِهٖ

پھر انہوں نے مجھے عذاب دیا مجھ کو خوب مارا پیٹا اور تشدد کیا۔

حَتّٰى بَلَغَ مِنْ اَمْرِیْ اَنَّهُمْ طَلَبُوْا فِیْ قُبُلِیْ

حتی کہ انہوں نے تلاشی لیتے وقت میرے عضو مخصوص کی بھی تلاشی لی کہ اس میں کہیں ہار نہ چھپایا ہوا ہو۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ عورت اپنا درد بھرا واقعہ میرے سامنے بیان کر رہی تھی۔ مگر پھر بھی وہ یہ کہتی تھی کہ شکر ہے۔ میرے رب کا کہ ایسا واقعہ تو پیش آیا۔ مگر اس کی برکت سے رب نے مجھے اسلام عطا فرما دیا۔

ایسی صورت حال میں کوئی گواہ پیش نہ کر سکی۔ ہار کا کوئی سراغ نہیں ہے اور مسلسل اس کو مارا جا رہا ہے۔

قدرت الٰہی کی حمایت:

اب دیکھنا اللہ کی قدرت اس کی حمایت کیسے کرتی ہے۔

وہ عورت کہنے لگی۔ اس وقت اس میرے مالک کے سارے رشتہ دار موجود تھے۔ ہزاروں لاکھوں کا وہ ہار تھا۔ مجھے مارا جا رہا تھا اور مجھ سے پوچھا جا رہا تھا کہ ہار تمہارے پاس ہے تم نے کہیں چھپا دیا ہے۔

لہٰذا سو فیصد سب کا خیال میرے بارے میں تھا کہ ہار میں نے چوری کیا ہے۔ حالانکہ میں نے چوری نہیں کیا تھا۔ وہ تو چیل اٹھا کے لے گئی تھی۔

جب میں کہتی تھی کہ وہ ہار چیل لے گئی تو وہ مجھے مزید مارتے تھے۔ کہ چیل کا اس سے کیا تعلق ہے۔

وہ کہنے لگی

اَنَا فِیْ کُرْبِیْ

میں تکلیف میں تھی درد سے چیخ رہی تھی۔

اِذْ اَقْبَلَتِ الْحُدَیَا

اچانک وہ چیل فضا میں آگئی۔ جو ہار اٹھا کے لے گئی تھی وہ گھر کے اوپر آئی اور آہستہ آہستہ نیچے آتی گئی۔

حَتّٰی وَازَتْ بِرُءُ وْسِنَا

یہاں تک وہ ہمارے سروں کے قریب آ گئی۔ اس کے منہ میں وہ ہار موجود تھا۔

ثُمَّ اَلْقَتْهُ

اس چیل نے سب کے درمیان میں اس ہار کو پھینک دیا۔

فَاَخَذُوْهُ

تو میرے مالکوں نے ہار پکڑا۔

تو یہ وہ ہار تھا جس پر مجھے مارا جا رہا تھا۔

عورت کی صداقت کا اظہار:

فَقُلْتُ لَهُمْ هٰذَا الَّذِیْ اِتَّهَمْتُمُوْنِیْ بِهٖ

تو میں نے کہا کہ یہ وہی ہار ہے۔ جس کا تم نے مجھ پہ الزام لگایا تھا۔ تم نے مجھے کتنا مارا ہے۔ میری تم نے بے عزتی کی ہے۔ اور کہاں کہاں سے تم نے میری تلاشی لی ہے ۔ میں سچی تھی اور سچ بولتی تھی کہ میں نے ہار نہیں چرایا۔

دیکھو وہ سچائی میری ثابت ہو گئی ہے۔

اَنَا مِنْهُ بَرِیْئَةٌ

(صحیح بخاری شریف، کتاب بنیان الکعبۃ، باب ایام الجاہلیۃ، ج:۱، ص:۵۴۱، قدیمی کتب خانہ)

میں اس سے بری ہوں۔

اور مجھے یقین ہے جس رب نے مجھے سچا کر دکھایا ہے وہ رب سچا ہے۔ بت جھوٹے ہیں۔ میرا رب سچا رب ہے۔

لہذا وہ کہنے لگی مجھے تکلیف تو پہنچی تھی۔ مگر میں رب کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کے صدقے مجھے ایمان عطا فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ اس انداز میں بندوں کی حمایت فرما دیتا ہے۔

ایسے ہی صداقت کا ایک اور انداز ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں

رسول اکرم ﷺ نے تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔

اس سے ہمیں ہر قسم کے معاملات کی اصلاح کا پہلو ہمیں سمجھانا چاہتے ہیں کہ اگر ایک شخص صداقت پر ہے تو زمانہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور حالات جیسے بھی ہو جائیں اسے اپنی صداقت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اسے اپنے موقف پہ ڈٹ جانا چاہیے۔

اگر اس کو اس سلسلہ میں سزا برداشت کرنی پڑتی ہے۔ تو وہ برداشت کرتا رہے۔

ایک دن اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کا اثر ضرور ظاہر فرمادے گا۔

ایک غریب شخص کا واقعہ:

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ نے پہلی امتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ ایک شخص بڑا غریب تھا۔ اس کو قرضے کی ضرورت تھی۔

قرضہ لینے کے لیے وہ ایک انسان کے پاس پہنچا۔ اس نے اس سے ہزار دینار مانگا۔ دینار سونے کا ہوتا ہے درہم چاندی کا ہوتا ہے۔

ہزار دینار کی ویلیو اس زمانے میں بڑی زیادہ تھی۔

اللہ تعالیٰ گواہ وکفیل:

جس سے اس نے قرضہ مانگا تو اس نے کہا قرضہ دینے کو تو میں تیار ہوں۔

اِئْتِنِیْ بِالشُّهَدَاءِ

میرے سامنے کوئی گواہ لاؤ۔

جو کل گواہی دیں کہ میں نے تجھے ہزار دینار دیا تھا۔ اگر تم انکار کرو گے تو میرے پاس گواہ تو موجود ہوں گے۔ وہ گواہی دیں گے۔ لہذا تم اپنے گواہ کا بندوبست کرو۔

قرض لینے والا شخص ایک مخلص انسان تھا اور دل کا ستھرا تھا۔

اس نے اس سے کہا۔

فَقَالَ : كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

اس نے کہا! خدا کے بندے تجھے گواہوں کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ تم مجھے قرضہ دے دو اللہ گواہ ہے۔

پھر اس شخص نے کہا!

اِئْتِنِیْ بِالْكَفِيْلِ

پھر تم مجھے کوئی کفیل دو۔

اگر تم کل قرض ادا کرنے کے قابل نہ رہو تو وہ کفیل میرا قرضہ پورا کرے۔ تم بھوکے اور نادار ہو جاؤ تمہارے حالات مزید خراب ہو جائیں یا تم فوت ہو جاؤ اس سے میں اپنے پیسے پورے کرلوں۔ تو اس نے کہا!

قَالَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا

قرضہ لینے والے آدمی نے کہا کہ اللہ ہی وکیل کافی ہے۔

جب اس شخص نے گواہ مانگا تو اس نے کہا تھا کہ اللہ گواہ کافی ہے اور پھر جس وقت اس نے کہا کہ کوئی وکیل لاؤ اور اس نے کہا اللہ وکیل کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ قرض پورا کرے گا۔

یہ دو باتیں جب اس نے پیش کر دیں تو اس مالدار انسان کو رحم آ گیا۔

اس نے اس شخص کو ہزار دینار دے دیا۔ وقت معین ہو گیا کہ فلاں دن تو نے یہ پیسے واپس کرنے ہیں۔

دو تین سال کے بعد جب وہ دن آیا۔

تو ہزار دینار اکٹھا کر کے گھر سے نکلا۔

وعدہ وفائی کا عظیم جذبہ:

اس شخص نے مجھ پر بڑا احسان کیا تھا۔ وقت معین آ گیا۔ میرا گزارہ ہو گیا ہے۔ اب میرے پاس سب کچھ ہے۔ اب وعدہ کے مطابق وقت معین پر اس کا قرضہ واپس کر دوں۔ اور اس کا شکریہ ادا کروں۔

جس شہر میں اس نے جا کر قرضہ ادا کرنا تھا۔ اس کی طرف جانے کے لیے بحری راستہ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔

جس وقت یہ انسان سمندر کے کنارے پہنچا۔

فَلَمْ يَجِدْ مَرْكَبًا

اس کو کشتی نہ ملی۔

سارا دن وہ انتظار کرتا رہا کہ آج میں نے قرضہ واپس کرنا ہے۔ اور سواری بھی موجود نہیں ہے۔ سواری کے بغیر سوائے ڈوبنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس کا دل

گواہی دیتا ہے کہ وقت معین پر وعدہ کے مطابق پیسے لے کر آیا ہوں۔ مگر میرے لیے کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ میں جا کے یہ قرضہ واپس کروں۔ اب یہاں کوئی کشتی نہیں ہے۔

بالآخر:

فَاَخَذَ خَشْبَةً

اس نے ایک لکڑی پکڑی

فَنَقَرَهَا

اس لکڑی کو اندر سے خالی کیا۔

فَاَدْخَلَ فِيْهَا اَلْفَ دِيْنَارٍ وَصَحِيْفَةً مِنْهُ اِلٰى صَاحِبِهٖ

لکڑی کو درمیان سے خالی کرنے کے بعد ہزار دینار اس میں بھر دیا۔

ہزار دینار اس میں رکھ کر ساتھ ایک خط بھی رکھا۔ کہ اے اللہ کے بندے آج قرض کی ادائیگی کا وعدہ تھا اور میں قرض لے کے آ گیا ہوں۔ لیکن سمندر طغیانی پر ہے۔ جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور کشتی کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکا۔

اور میں لیٹ بھی نہیں ہونا چاہتا۔ لہذا میں تیرا قرضہ اس لکڑی میں ڈال رہا ہوں۔ اللہ کرے گا تیرا قرضہ تیرے پاس پہنچ جائے گا۔

ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَا

پھر اس نے اس لکڑی کا منہ بند کر دیا

ثُمَّ اَتٰى اِلَى الْبَحْرِ

پھر وہ سمندر کے کنارے پہ آیا۔

اور وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی۔

پھر اس نے کہا!

فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنِّیْ کُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا اَلْفَ دِیْنَارٍ

اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں آدمی سے ہزار دینار قرضہ لیا تھا۔

فَسَاَلَنِیْ کَفِیْلًا

اس نے مجھ سے کفیل مانگا تھا تو میں نے کہا تھا۔

کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا

اللہ ہی کافی ہے۔

فَرَضِیَ بِكَ

تو وہ تجھے وکیل ماننے پر راضی ہو گیا تھا۔

فَسَاَلَنِیْ شَهِیْدًا

پھر اس مالدار آدمی نے مجھ سے گواہ مانگا تھا۔

فَقُلْتُ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا

تو میں نے کہا تھا کہ اللہ گواہ کافی ہے۔

فَرَضِیَ بِكَ

تو وہ آدمی تجھے گواہ ماننے پہ راضی ہو گیا۔

وَاَنِّیْ جَهَدْتُ اَنْ اَجِدَ مَرْکَبًا

اور اب میں نے قرضہ واپس کرنے کے لیے سواری کو تلاش کیا ہے۔

اَبْعَثُ اِلَیْهِ الَّذِیْ لَهٗ

تا کہ میں اس کا قرضہ واپس کر آؤں۔

فَلَمْ اَقْدِرْ

لیکن مجھے سواری کشتی کی صورت میں نہ مل سکی تو

اِنِّیْ اِسْتَوْدَعْتُکَهَا

اب اس کو میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ تو اس کو تو اس شخص تک پہنچا دینا۔

فَرَمٰی بِهَا فِی الْبَحْرِ

پھر اس نے اس لکڑی کو دریا میں پھینک دیا۔

حَتّٰی وَلَجَتْ فِیْهِ

یہاں تک وہ اس میں ڈوب گئی۔

ثُمَّ انْصَرَفَ وَهُوَ فِیْ ذَالِکَ یَلْتَمِسُ مَرْکَبًا

پھر وہ واپس اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔

اور وہ اس حال میں پلٹ رہا تھا کہ وہ سواری تلاش کرے گا تا کہ خود جا کر اس کا قرضہ واپس کرے۔

فَخَرَجَ الرَّجُلُ الَّذِیْ کَانَ اَسْلَفَهٗ

اور وہ آدمی جس نے قرضہ وصول کرنا تھا۔

اور وہ سمندر کے کنارے کھڑا انتظار کر رہا تھا کہ ابھی میرا مقروض آئے گا اور ہزار دینار لے کے آئے گا۔

یَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْکَبًا جَآءَ بِمَالِهٖ

سارا دن وہ انتظار کرتا رہا مقروض پہنچا نہیں۔ شام کا وقت قریب ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک لکڑی تیرتی ہوئی قریب آ رہی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ!

جب اس آدمی نے کہا کہ کشتی تو آئی نہیں مقروض آدمی جھوٹا نکلا۔ اس نے مجھے

قرضہ واپس کرنا ہی نہیں تھا۔

اب اس نے سوچا کہ اس لکڑی کو پکڑ لیتا ہوں تاکہ میرے دن کی کاروائی تو بن جائے گی۔ لہذا اس نے آگے ہو کر کوشش سے تیرتی ہوئی لکڑی کو پکڑ لیا۔ پھر وہ لکڑی اٹھا کے گھر لے گیا۔

اب تم دیکھنا کہ رب ذوالجلال سچوں کا سچ کیسے ثابت کرتا ہے۔

جو انسان مخلص ہو جاتا ہے۔ قدرت اس کی حمایت کیسے کرتی ہے۔

یہ دینار بندوں کے گھروں سے لٹ جاتے ہیں۔ گھروں سے چوری ہو جاتے ہیں۔ مگر اس انسان کو کتنا اطمینان تھا اور اللہ تعالیٰ پر اس کا بھروسہ کتنا تھا۔ جس نے قرض لیتے وقت یہ کہا تھا کہ میرا رب گواہ کافی ہے۔ میں ضرور واپس کروں گا اور کسی کفیل کی ضرورت نہیں۔ میرا رب ہی میرا کفیل ہے۔ وہ میرا قرض پورا کرے گا۔

جب دریا سے تیرتی ہوئی لکڑی پکڑی

فَاَخَذَهَا لِاَهْلِهٖ حَطَبًا

اس نے لکڑی اپنے اہل کے لیے پکڑی تھی کہ اس کو ایندھن کے طور پر جلائیں گے۔ اس کو چیروں گا اور پھر اس سے کھانا پکالوں گا۔

جس وقت وہ گھر لکڑی لے گیا تو دل میں بار بار خیال آ رہا تھا۔

آج جو قرض واپس کرنے کی تاریخ تھی۔ وہ نہیں آیا پتہ نہیں کیا صورتحال بنی ہے۔ وہ قرض واپس کرنا بھی چاہتا ہے یا نہیں تھی۔

فَلَمَّا نَشَرَهَا

جب گھر جا کے اس نے لکڑی کو چیرا

وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِيفَةَ

تو اس لکڑی کے اندر ہزار دینار نکل آئے۔ اور ساتھ ایک خط بھی نکلا۔

اس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے تجھ سے قرضہ لیا تھا۔ اس کی ادائیگی کا جو وعدہ کیا تھا۔ تو میں اس وعدہ پہ پہنچا ضرور ہوں۔ مگر تیری طرف پہنچ نہیں سکا اور نہ کوئی انسان مجھے ملا جسے میں تیری رقم دے کے بھیجتا۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا نتیجہ:

میرا رب پہ یقین بڑا ہے۔ میں نے لکڑی میں تیرے پیسے ڈال دیے ہیں۔ اور ساتھ یہ خط لکھ دیا ہے۔ تو نے مجھ سے گواہ مانگا تھا تو میں نے کہا تھا کہ خدا گواہ ہے۔ تو نے کفیل مانگا ہے تو میں نے کہا تھا کہ خدا کفیل ہے۔

تو میں اللہ کے بھروسہ پر تیرا قرضہ بھیج رہا ہوں۔ اس شخص نے ہزار دینار لکڑی سے پایا اور خط پڑھ کر رب کا شکر ادا کیا کہ!

اے اللہ واقعی جو تجھ پہ یقین کرتا ہے۔ تو اس کے یقین کو پوری طرح عروج عطا فرماتا ہے۔

یہ رب ذوالجلال کا فرمان ہے کہ!

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ

(صحیح بخاری شریف، الکتاب الرد علی الجہمیۃ، باب قول اللہ عزوجل ویحذرکم اللہ نفسہ، ج: ۲، ص: ۱۱۰۱، قدیمی کتب خانہ)

میں اپنے بندے کے ظن کے مطابق ہوتا ہے

وہ مجھے جتنا قریب سمجھے میں اتنا زیادہ اس کے قریب ہوتا ہوں۔ مجھے اپنا جتنا مددگار سمجھے میں اتنا مددگار ہوں۔

ایک سادہ انسان نے بھروسہ کیا ہے۔ اور جانبین کا بھروسہ ہے۔ دونوں کا کوئی خسارہ نہیں ہے۔ کوئی نقصان نہیں ہے۔

عجیب اتفاق ہے اور کوئی شخص لکڑی پکڑنے نہیں آیا۔

وہی گھر سے نکلا ہے وہی انتظار کرتا رہا ہے۔ وہ لکڑی پکڑ کے لے گیا ہے۔ اور لکڑی اس کے گھر پہنچی ہے۔ لکڑی کے ذریعے اس کو پیسے مل گئے ہیں۔

پیسے قرض خواہ کے پاس پہنچ گئے۔

مگر جس نے بھیجے ہیں اس کو ابھی تک اس بات کی تڑپ ہے!

کاش میں خود جا کر اس کے ہاتھ میں پیسے رکھتا۔ آخر میں نے رب کا نام پیش کیا تھا۔ رب ذوالجلال کے نام کی عزت مجھے مجبور کرتی ہے۔

لہذا اس نے نئے سرے سے ہزار دینار کا اہتمام کیا۔

ہزار دینار جمع کر کے وہ انسان دوبارہ سمندر کے کنارے آ گیا۔

پہلے ایک دن آیا تھا مگر اس دن کوئی سواری نہیں ملی۔ میں جا نہیں سکا تھا لکڑی میں ڈال دیئے تھے۔ پتہ نہیں لکڑی کہاں غرق ہو گئی ہے۔

مقروض قرض خواہ کے دروازے پر:

میں تو ابھی تک مقروض ہوں۔

اس نے ہزار دینار لیا ہوا ہے سمندر کے کنارے آ گیا ہے۔ کشتی اس کو مل گئی ہے۔ اس پہ بیٹھ کے اس شہر میں پہنچ گیا۔ جہاں اس نے قرضہ لیا تھا۔ اور وہ انسان ابھی زندہ ہے۔

اس سے ملنے کے بعد اس کو خوشی محسوس ہوئی اور اپنی طرف سے اس نے معذرت

کرنا شروع کر دی کہ کافی لیٹ ہو گیا ہوں۔ دن کافی گذر گئے ہیں۔

جو معین وقت تھا قرض واپس کرنے کا اس میں قرضہ واپس نہیں کر سکا۔ لیکن مجبوری تھی۔

مَازِلْتُ جَاهِدًا فِیْ طَلَبِ مَرْكَبٍ

میں ہمیشہ سواری ڈھونڈھتا رہا تا کہ میں تمہارے پاس آؤں مجھے سواری نہیں ملی۔

لیکن میں نے ایک دن تیری طرف مال بھیجا تھا۔

اس آدمی نے کہا!

هَلْ كُنْتَ بَعَثْتَ اِلَیَّ شَیْئًا

کیا تم نے واقعی میری طرف مال بھیجا تھا۔

قَالَ اُخْبِرُكَ اِنِّیْ لَمْ اَجِدْ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِیْ جِئْتُ بِهٖ

اس نے کہا ہاں جس وقت مجھے یہاں آنے کے لیے کوئی سواری نہ ملی تو میں نے ایک لکڑی میں پیسے ڈالے تھے اور ساتھ خط بھی لکھا۔

مگر میں آج پھر ہزار دینار لے کر تیرے پاس آیا ہوں۔

وہ تو میں نے سمندر کے حوالے کر دیا تھا۔

مگر آج میں خود دینے آیا ہوں۔

قرض خواہ کی خوشی

اب وہ قرض خواہ خوش ہو کے اس کو بتاتا ہے کہ!

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَدّٰى عَنْكَ الَّذِیْ بَعَثْتَ فِی الْخَشَبَةِ

اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے وہ مال ادا کر دیا ہے جو تو نے لکڑی میں ڈالا تھا۔

آج تو ہزار لے کے کیوں آیا ہے۔ تو نے جس رب کو کفیل بنایا تھا۔ اس رب نے تیرا مال میرے پاس پہنچا دیا ہے۔

وہ میرے پاس پہنچا ہے اور میں نے اس کو وصول کیا ہے۔

فَانْصَرَفَ بِالْاَلْفِ دِیْنَارٍ رَاشِدًا

(صحیح بخاری شریف' کتاب الکفالۃ باب الکفالۃ فی القرض والدیون بالاجدان وغیرھا' ج:۱' ص:۳۰۶' قدیمی کتب خانہ)

اب جو تو ہزار دینار لے کے آیا ہے۔ یہ میرا نہیں بلکہ تیرا ہے۔

تو نے میرے سامنے رب ذوالجلال کا نام پیش کیا تھا میں نے اعتماد کیا تھا۔ اور تو پھر جس انداز میں سمندر کے سپرد کر گیا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں سمندر بھی اس کے ہیں کشتیاں بھی اس کی ہیں۔ نہریں بھی اس کی ہیں' لکڑیاں بھی اس کی ہیں۔

اس رب کا فضل ایسا ہوا کہ تیرا وہ پیسہ میرے پاس پہنچ چکا ہے۔

تو سامعین ذرا غور کریں جس وقت انسان اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو جھوٹا نہیں ہونے دیتا۔

اس کے وعدے پورے ہوتے ہیں۔ اس کے جو الفاظ ہیں ان میں پوری صداقت ہوتی ہے۔ یہ بظاہر ایک دنیاداری ہے۔

مگر اس میں دین کا کتنا بڑا سبق موجود ہے۔ ہمارے آج جو معاملات ہیں اس میں ان سب چیزوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور پھر باقاعدہ ہر چیز میں خلوص ہونا چاہیے۔

اس واسطے ہمارے آقا علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

جو شخص کسی سے قرضہ لے اور قرضہ لیتے وقت اس کے دل میں ہو کہ میں نے واپس نہیں کرنا تو اس کو قرضہ واپس کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی۔

اور جس کے دل میں ہو کہ میں نے قرضہ واپس ضرور کرنا ہے۔

اللہ اس کے لیے واپسی کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔

اس نے اپنے دل میں اس چیز کو جگہ دی ہے اور پھر اس معاملات میں جس طرح اس شخص کو بھروسہ اور یقین تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کی حمایت اس کے کام میں شامل حال ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس کا فضل:

لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ ضرور فضل فرماتا ہے۔

اس کے فضل کے سہارے جہاں بظاہر سو فیصد احتمالات ختم ہو چکے ہوں۔ اللہ کا فضل پھر بھی وہاں رستہ بنا تا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(سورۃ الطلاق، پارہ نمبر ۲۸، آیت:۳)

جو بندہ رب سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے رستہ بنا دیتا ہے۔ اور اللہ وہاں سے رزق دیتا ہے۔

جہاں سے کبھی کسی نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔ وہاں سے دروازے کھل جاتے ہیں۔

آج کے ماحول میں ہمیں دنیاوی طاقتوں سے ہٹ کے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے

مناظر کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

آج کا انسان کبھی یورپ کو دیکھتا ہے کبھی واشنگٹن کو دیکھتا ہے۔ پھر اپنی زندگی کے رستے کو اختیار کرتا ہے۔

ہمیں یہ سبق دیا گیا کہ بندہ جس وقت ظاہری اسباب کو بند بھی دیکھے۔ مگر توجہ اس کی رب کی طرف ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے لیے دروازے کھول دیتا ہے۔

جس وقت رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کی تھی اور مدینہ شریف پہنچے تھے۔

عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام:

حضرت عبداللہ بن سلام بہت بڑے یہودی تھے اور یہودیوں کے سکالر تھے۔

وہ کہتے ہیں:

قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ

نبی علیہ السلام مدینہ شریف تشریف لائے۔

میں یہودی تھا۔ سرکار کا دشمن تھا ماننے والا نہیں تھا۔

جِئْتُ

میں آیا تا کہ دیکھوں کہ یہ بولتے کیسے ہیں انداز کیا ہے۔

لَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهٗ

میں نے آ کے جب چہرہ دیکھا۔

عَرَفْتُ

چہرہ دیکھتے ہی مجھے یقین آ گیا۔

چہرہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صداقت کی دلیل:

اِنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ

* (سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ باب الطعام الطعام ص:۲۳۴، قدیمی کتب خانہ)

کہ اتنا خوبصورت چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہوسکتا۔

یعنی صداقت بغیر زبان کے بولتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ابھی درس قرآن نہیں دیا۔

عبداللہ بن سلام کو آپ نے یہ نہیں کہا کہ تم مجھے مانو میں اللہ کا نبی ہوں۔ ابھی دعوت نہیں دی اور عبداللہ بن سلام نے ابھی درختوں کو جھکتے نہیں دیکھا۔ پتھروں کو کلمہ پڑھتے نہیں دیکھا۔

لیکن صداقت خود بولتی ہے۔

کئی سالہ یہودیت دم توڑ گئی۔

اب کہنے لگے:

دیکھتے ہی مجھے یقین ہوگیا۔

اِنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ

اتنا نورانی چہرہ اتنا حسین چہرہ جس پر فریب کا داغ نہیں اور جس پر فراڈ کا غبار نہیں۔ عبداللہ بن سلام کہتے ہیں میں دیکھتا گیا میرا دل گواہی دیتا گیا۔ کہ یہ حسین چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں۔ سچے نبی کا ہی ہوسکتا ہے۔ تو یہ صداقت ہے جو خود بخود جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

☆☆☆☆☆

فہمِ دین

(آٹھ جلدیں)

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

کا اہم اور اچھوتے موضوعات پر لٹریچر

جلد اول
- فہم دین اور ہماری ذمہ داریاں • محبت الٰہی اور اس کی چاشنی • منصب نبوت اور عقیدہ مومن • محاسبہ نفس اور اس کا طریق کار • فہم زکوۃ
- رسول اللہ ﷺ کی نماز • گھر کا اسلامی ماحول • آداب زبان • تعارف آئمہ اربعہ • قادیانیت کا محاسبہ • صراط مستقیم کی روشنی میں
- نظام مصطفےٰ ﷺ کی بالادستی • حل مشکلات اور عقیدہ صحابہ

جلد دوم
- اسلام میں دوستی کا معیار اور طریق کار • سود اور اسکی اقسام • ہم اور ہمارے عقائد • اسوہ حسنہ اور فیشن پرستی • مسئلہ حیات النبی ﷺ
- ترک تقلید کی تباہ کاریاں • مؤمن کا مقصد حیات • جہاد اور دہشت گردی میں فرق • تصوف اور اسلام • حواس نبوی ﷺ
- اوقات اور مصروفیات کا شرعی توازن • جنتی آنکھ • اسلام کو درپیش چیلنجز کا ادراک اور ان کا حل

جلد سوئم
- مفاہیم اسم اللہ تعالیٰ • مفاہیم اسم محمد ﷺ • روزہ کے اسرار و رموز • امتیازات نماز • شان رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق
- زندگی اور اس کی اقسام • خلفائے راشدین سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عقیدت • ماں کی شان اور امتحان • بدعت کا معنی و مفہوم

جلد چہارم
- احادیث ختم نبوت • سماجی خدمت کا اسلامی فلسفہ • ہاں ہم سنی ہیں • ورع و پرہیزگاری کے ماڈل • طلاق ثلاثہ کا شرعی حکم
- نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے • دختران اسلام کیلئے آئیڈیل کردار • عہد شباب کا اسلامی نصاب
- کاروباری شراکت کے اسلامی اصول • تحفظ ناموس رسالت ایک فرض اور قرض

جلد پنجم
- تربیت اولاد • تقلید سے متعلق شبہات کا ازالہ • اسلام بمقابلہ یہودیت وعیسائیت • اور دل نور ایمان سے جگمگا اٹھا
- جنہیں دیکھ کر رب مسکرائے • قرآن اور تفکر کائنات • تصوف عقیدہ توحید کی معرفت • رنج و الم سے نجات کا راستہ
- مسئلہ حاضر و ناظر • اے غریب الوطن اسلام کے ہم وطنو!

جلد ششم
- میرے رب سے مجھے محبت ہے • رسول اللہ ﷺ کی جسمانی نفاست • شان رسالت کی یکتائی • زکوٰۃ کے اسرار و رموز • پردہ دختران اسلام کا وقار
- عزت اور اسکے حصول کا طریقہ • قیمتی اوقات اور زرخیز لمحے • میوزک خرمن ایمان کے لئے چنگاری • حق چار یار • جب سچائی خود بولے

جلد ہفتم
- پاکستان اور اہلسنت کا باہمی رشتہ • مائیں جب فرمائیں • یہود و نصاریٰ اور ہمارا جداگانہ تشخص • باپ کی شان اور امتحان
- دین میں رائے اور تقلید کی گنجائش • ختم نبوت اور قادیانی کفر • شہداء زندہ ہیں • اعتکاف یاد الٰہی میں انہماک •
- ناموس رسالت کے پہرے دارو جاگتے رہو • آئمہ محدثین اور اہل قبور سے استمداد

جلد ہشتم
- خانقاہیں اور لذت اسرار • میرے لئے اللہ کافی ہے • آرڈر پر اشیاء تیار کروانے کے شرعی احکام • رگ ملت اور نشتر تعلیم جدید
- جب رسالت خود نعرہ زن ہو • حرمت شراب • انسانی حواس کا صحیح استعمال • نظام مصطفےٰ ﷺ ایک مثالی انداز حکمرانی • اسلام ہم تیرے ہیں

☆ نمایاں کی گئی کتابیں الگ کتابچوں کی صورت میں بھی دستیاب ہیں۔

صراط مستقیم پبلیکیشنز

5,6- مرکز الادریس داتا دربار مارکیٹ، شیخ ہندی سٹریٹ لاہور

042-37115771, 0333-8173630, 0321/0315-9407699

فہم دین

جلد ہفتم



مفتی مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز

5,6-مرکز الاولیس داتا دربار مارکیٹ، شیخ ہندی سٹریٹ، لاہور

042-37115771, 0321-9407699,0315-9407699

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (سورۃ التوبہ: ۱۲۲)

اسلام کی آفاقی تعلیمات سے عوام کو روشناس کروانے کے لیے

فہم دین

جلد ہفتم

مولانا مفتی ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز
5,6-مرکز الاولیس داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ سٹریٹ، لاہور
042-7115771, 0333-8173630, 0321-9407699

نام کتاب	:	فہم دین (ہفتم)
افادات	:	ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی
مرتب	:	مولانا محمد عبدالکریم جلالی (فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور)
باہتمام	:	شیخ محمد سرور اویسی، محمد آصف علی جلالی
پہلا ایڈیشن	:	جنوری 2012ء
تعداد	:	1100
صفحات	:	448
ہدیہ	:	350 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ رضویہ لاہور / مسلم کتابوی لاہور
مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور / جامعہ جلالیہ رضویہ لاہور
کرمانوالہ بک شاپ لاہور / مکتبہ جلالیہ صراط مستقیم گجرات
مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں / رضا بک شاپ گجرات
مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ / مکتبہ قادریہ لاہور
جامعہ محمدیہ رضویہ بھکھی شریف۔ منڈی بہاوالدین
مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ
اویسی بُک سٹال پیپلز کالونی گوجرانوالہ 0333-8173630

صراط مستقیم پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ لاہور 0321-9407699

﴿فہرست﴾

﴿باب نمبر3﴾

پاکستان اور اہلسنت کا باھمی رشتہ 122

﴿باب نمبر 4﴾

﴿باب نمبر 5﴾

﴿باب نمبر 6﴾

﴿باب نمبر 7﴾

﴿باب نمبر 8﴾

باب نمبر 10

ممتاز مذہبی سکالر، شیخ الحدیث

حضرت علامہ محمد صدیق ہزاروی الازہری

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ مرکز معارف اولیاء لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ نے اہل سنت و جماعت کو جن قابل فخر شخصیات کا عطیہ مرحمت فرمایا ان میں سے ایک نہایت روشن اور تابناک علمی اور فکری شخصیت، عمدۃ المقررین، سند المدرسین، زبدۃ المصنفین، استاذ العلماء حضرت العلام علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی زید مجدہ العالی کی ذات والا صفات ہے۔

رحمٰن ورحیم کی ذات نے حضرت علامہ موصوف پر اپنی رحمت وکرم کے فیضان کی وہ برسات برسائی جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

آپ بیک وقت قدیم وجدید علوم کے زیور سے مرصع ہیں۔ اردو، عربی فارسی اور انگریزی میں گفتگو کے ملکہ تامہ کی دولت سے مالا مال ہیں۔ تقریر، تدریس اور تصنیف تینوں شعبہ ہائے ابلاغ دین کے شہ سوار ہیں۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے جذبہ سے سرشار ہیں، مضبوط دلائل کے ساتھ فرق باطلہ کے رڈ اور غیر مسلم قوتوں کی سازشوں بالخصوص فتنہ قادیانیت کے قلع قمع کے لئے زریں رقم خدمات کا سہرا آپ کے ماتھے کا جھومر ہے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہٗ نے میدان تقریر میں قدم رکھا تو دیکھتے ہی دیکھتے میدان مار لیا اور علم دوست سامعین کی مراد برآئی۔ آپ کا خطاب پر مغز، مدلل اور فکر انگیز ہوتا ہے جس کی اشد ضرورت تھی۔

گذشتہ دنوں راقم کی صدارت میں آپ کا خطاب ایک دینی ادارے کے افتتاح کے موقعہ پر ہوا آپ نے جس طرح علم، علماء، مدارس بالخصوص مدارس اہل سنت، دور حاضر کے چیلنجز، اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں کا ذکر کیا راقم نے بلا مبالغہ دل کی گہرائی سے اپنے صدارتی خطبہ میں یہ بات کہی کہ حضرت علامہ جلالی صاحب مدظلہ اہل سنت پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک بہت بڑا انعام ہے۔

عام طور پر مقررین اور خطباء کے مواعظ اور خطبات کتابی صورتوں میں زیور طبع سے آراستہ ہوتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کتب میں وہی انداز خطابت جھلکتا ہے جو مقرر کی تقریر میں ہوتا ہے اور وہ محض وعظ ہوتا ہے۔

حضرت علامہ جلالی صاحب کے دروس، خطابات اور مضامین جو فہم دین کے نام سے طباعت کی منزل سے گزر کر استفادۂ ملت اسلامیہ کے لئے منظر عام پر آئے تو جن لوگوں نے آپ کا خطاب نہیں سنا ہوگا وہ بھی یہ بات سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ آپ کا خطاب اور درس کس قدر علمی مدلل اور جامع ہوتا ہے۔

فہم دین کی چھ مجلدات راقم کے سامنے ہیں۔عقائد سے لے کر عصری مسائل تک کوئی موضوع ایسا نہیں جو اس عظیم برکت کتاب میں نہ ہو۔عقائد،عبادات،معاملات،معاشیات،سیاسیات،ابطال باطل اور دور جدید کے مسائل پر نہایت جامع کتاب فہم دین میں علامہ جلالی نے جلال و جمال دونوں کو اکٹھا کیا ہے۔

راقم صمیم قلب سے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی جیسے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں اور فہم دین ایسی کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری کے لئے نہایت مفید اور ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ جلالی صاحب زید مجدہ کو صحت کاملہ کے ساتھ دین اسلام کی اشاعت میں دن بدن ترقی عطا فرمائے اور اس کتاب کے افادہ اور استفادہ کو عام فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد صدیق ہزاروی سعیدی الازہری

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل

شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ مرکز معارف اولیاء لاہور

۲۳ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ

یکم نومبر ۲۰۱۰ء

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ممتاز ماہر تعلیم ڈاکٹر محمد بشیر احمد صدیقی

سابق صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

اللہ جل شانہٗ خالق کائنات ہے۔ مالک کائنات ہے رب کائنات ہے۔ خالق کلِ شئی ہے اس نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا۔ خلیفہ فی الارض بنایا۔ اس کو ہدایت ربانی سے سرفراز فرمانے کیلئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا۔ ربّ العالمین نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کو خاتم النبیین، کافۃً للناس اور رفیع الذکر نبی و رسول بنا کر عالمی، آفاقی اور دائمی نمونہ عمل کی حیثیت سے مبعوث فرمایا اپنی ہدایت و رحمت سے نوازا۔ ان پر قرآن حکیم نازل فرمایا جو جامع، کامل، روشن، محفوظ اور حکمت و بصیرت پر مبنی ہمہ پہلو مکمل ضابطۂ حیات ہے اسکی صراحت و وضاحت کیلئے اپنے محبوب، رسول کریم ﷺ کو اِنشراح صدر بخشا اور یوں قرآن حکیم کی تشریح علمِ حدیث اور عملی زندگی میں اُسے منطبق کرنے کیلئے علم فقہ معرضِ وجود میں آئے۔ قرآن حکیم مخزن علوم ہے اس سے ہزاروں علوم و فنون مستنبط ہوئے اس کے معارف کبھی ختم نہ ہونگے اور یہ نُور پھیل کر رہے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

علم فقہ پر اتنی کتب تحریر کی گئی جن کا شمار ممکن نہیں چونکہ مُرُ ورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ نئے حالات و مسائل جنم لیتے ہیں لہٰذا تمدنی تغیرات کے ساتھ ہر دور میں کتب فقہ مرتب ہوتی رہیں۔ ان کی شروح اور حواشی ضبط تحریر میں آئیں جن میں سے مشہور و معروف ''شرح وقایہ'' اور ''غایۃ الحواشی'' نے علمی حلقوں میں شرف قبول حاصل کیا اور یوں فاضل محقق، ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی نے الحافظ الشاہ محمد عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شاہکار تصنیف ''غایۃ الحواشی'' پر تحقیق و تخریج و تعلیق کا اہم فریضہ بطریق احسن انجام دے کر علوم عربیہ میں ڈاکٹریٹ کا اعزاز حاصل کیا۔ ڈاکٹر جلالی اس اعتبار سے انتہائی خوش بخت ہیں کہ انہوں نے ابتدائی عمر میں فاضل اور متبحر علماء اور اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ بلاد عرب کی سیاحت کی اور عربی زبان و ادب میں مہارت و دسترس پیدا کر کے اپنے علم کو مَیقل کیا۔ خوش قسمتی سے انہیں ڈاکٹریٹ کے اعزاز کے حصول کیلئے مشہور ماہر تعلیم جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب کی رہنمائی اور اِشراف کی سعادت حاصل ہوئی جو عربی زبان و ادب پر کامل دستگاہ رکھنے والے مشہور و معروف اور ماہر و متبحر استاذ ہیں اور یوں جذب و انجذاب کے اصول سے بہرہ ور ہو کر نہ صرف ڈاکٹریٹ کا اعزاز حاصل کیا بلکہ اس کے خوشگوار اثرات کا ثمرہ یہ ملا کہ لگن کے ساتھ سعی و کاوش سے کام لینا، تحقیقی و علمی اسلوب، مواد کی فراہمی، اس کی ترتیب و پیشکش کا حسین و دلنشین انداز پیدا ہو گیا اور

کتنی پلکوں سے نمی مانگ کے لائی ہوگی
پیاس تب پھول کی شبنم نے بجھائی ہوگی

کے مِصداق وہ تشنگان علم کی علمی پیاس بجھانے کا طریق، منطق اور استدلالی قوت سے تحریر میں دلچسپی، شگفتگی اور دلنوازی پیدا کر کے قارئین کرام کی تفہیم کیلئے آسان بنانے کی صلاحیت سے بہرہ یاب ہو گئے اور یہی اثر اب ڈاکٹر جلالی کی تحریروں میں پوری آب و تاب سے جھلکتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف کثیر التصانیف فنکار ہیں، ان کی چند مرتبہ کُتب کے تعارف سے قبل مناسب ہوگا کہ ''غایۃ الحواشی'' پر ان کے تحقیقی مقالے (جواب زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے) کی قابل تحسین خصوصیات کا مختصر ذکر کیا جائے۔

فاضل مؤلف کے تمہیدی تعارف کے بعد ڈاکٹر موصوف نے ان کی مؤلفات کا ذکر کیا ہے اور ہر تالیف کا سرسری لیکن جامع تعارف پیش کیا ہے مقصد تالیف کی نشاندہی کی ہے اختلافی مسائل میں فریقین کے دلائل و براہین بیان کئے ہیں اور شاہ محمد عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ذکر کیا ہے۔

اہلسنت و جماعت کے ساتھ مستحکم وابستگی کی بنا پر ڈاکٹر جلالی نے روز مرّہ کے اختلافی مسائل کے حوالے سے مسلک حق پر ہونے والے اعتراضات کے شافی جوابات پر مبنی کتابچے تحریر فرمائے ہیں اور اس ضمن میں چونکا دینے والے شگفتہ اور دلچسپ عنوانات کا انتخاب کیا ہے تاکہ عنوان پڑھ کر ایک تو مسئلہ سامنے آجائے دوسرے قارئین کرام میں کتابچے کے مطالعہ کا ذوقِ تجسس اُبھرے مثلاً عظمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاری اور غفلت میں مدہوش لوگوں کو ہوش میں لانے کیلئے ایک کتابچہ بعنوان: ''یہ شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے ذرا ہوش سے بول'' تصنیف کیا۔ ایک رسالہ ''فقہ حنفی پر کئے گئے چند اعتراضات کے قرآن وحدیث کی روشنی میں جوابات'' تحریر کیا۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے والے اہل ذوق حضرات اور عُشاقِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہنی و قلبی طمانینت کیلئے کتاب و سنت کی روشنی اور اُمتِ مسلمہ کے معمولات کے ذاتی مشاہدات پر مبنی بالخصوص سرزمین عراق میں پوری دُھوم سے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے ذکر پر مشتمل ایک کتابچہ بعنوان ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دُھوم'' ترتیب دیا۔

آپ کی تصانیف کثرت سے ہیں لہٰذا بخوف طوالت ان درج بالا تین تصانیف کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

المختصر روز مرّہ کے اختلافی مسائل جن سے مسلک حق پر عمل پیرا لوگوں کو اکثر واسطہ پڑتا ہے ڈاکٹر جلالی نے معترضین کے لغو اعتراضات کے دندان شکن اور شافی جوابات تحریر کرنے کی سعادت حاصل کی ہے چونکہ ڈاکٹر موصوف ''کمشن'' کو نہیں ''مشن'' کو ملحوظ رکھنے والے مُفکر، مفتی اور مناظر ہیں لہٰذا ان کتابچوں کا ہدیہ انتہائی ارزاں تجویز کیا ہے تا کہ مسلکِ حق کی بیش از بیش ترویج ہو۔

ڈاکٹر جلالی کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ علوم جدیدہ اور علوم قدیمہ دینیہ کا حسین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ عصری اور عالمی مسائل پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں لہٰذا انہوں نے امتِ مسلمہ کی بالخصوص اور اہل مغرب کی بالعموم فکری تطہیر کیلئے عصری مسائل کی نشاندہی اور ان کا شافی اسلامی حل پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے مثلاً سُودی نظام میں بُری طرح غرق لوگوں کو سود کی اقسام اور اس کے مہلک اثرات، فیشن پرستی

میں مُبتلا لوگوں کو فیشن کی تباہ کاریاں، زندگی کے غلط تصور کو اپنانے والوں کو صحیح تصورِ حیات کا ذکر تربیت اولاد سے قطعاً غافل لوگوں کو اپنی ذمہ داریوں کے احساس، ضبط تولید کے قائلین کو "وَلُوْدْ" اور "وَدُوْدْ" کی خوش گواری سے آگاہ کرنے کیلئے جو سعی و کاوش انجام دی ہے وہ قابل تحسین ہے اسی طرح سائنس کے نئے انکشافات سے مرعوب لوگوں کو "قرآن اور تصور کائنات" کے صحیح مفہوم سے باخبر کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔

فرزندانِ توحید کو عصرِ حاضر میں اپنی نئی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کیلئے اُن میں اسلام کے درپیش چیلنجز، ان کا اِدراک اور اُنکا حل پیش کرنے کے جذبے کو اُبھارا ہے۔ کہیں یہود و نصاریٰ کی مادی ترقی سے حیران و ششدر مغرب زدہ لوگوں کو اسلام بمقابلہ یہودیت و نصرانیت سے آگہی بخش کر اسلام کی عظمت و فوقیت پر روشنی ڈالی ہے اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اُمت مسلمہ میں متنازعہ اور مختلف فیہ مسائل مثلاً طلاقِ ثلاثہ کے شرعی حکم کو کتاب و سنت سے واضح کیا ہے۔ کہیں فتنۂ انکار ختم نبوت کو جڑ سے اُکھاڑنے کیلئے ذخیرہ احادیثِ رسول ﷺ سے بکثرت احادیث بیان کر کے ذہنی اور قلبی سکون مہیا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے (بخوفِ طوالت انہی چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے)۔

ڈاکٹر جلالی کی ایک سعادت، خوش بختی اور قابل صد تحسین انتخاب کا ذکر مناسب ہوگا کہ انہوں نے وسیع ذرائع ابلاغ کے اس دور میں سامعین کے ساتھ TV کے ناظرین کو بھی شامل کر کے مسلک حق کی ترویج و اشاعت کا دائرہ خاصا وسیع بنالیا ہے اور "عَلَّم بالقلم" کے قرآنی ارشاد کی روشنی میں قلم کی اہمیت کے اس دور میں "فہم دین" کی قلمی صورت اپنائی ہے اور خصوصی طور پر قابل ذکر اس ادارے کو "صراطِ مستقیم" سے موسوم کیا ہے جو بقول صلاح الدین سعیدی۔

علم اور تقویٰ کا ہے اس دور میں کوہِ گراں
فقر کی گودی کا پالا ہے صراطِ مستقیم

قرآنی ارشادات:

اِنَّ ربّی علی صراط مستقیم

اِنّك لَمِنَ المرسلین علی صراط مستقیم

اِنّك لَتَهدی اِلٰی صراط مستقیم

اور روزانہ پڑھی جانے والی پنجگانہ نماز میں بکثرت مانگی جانے والی خصوصی دُعا اھدنا الصراط المستقیم سے باخبر اہل علم و فضل اور قرآن حکیم کے اسرار و غوامض پر نگاہ رکھنے والے حضرات سے "صراطِ مستقیم" کے معارف مخفی نہیں ورنہ اسکی صراحت کیلئے پوری کتاب درکار ہے۔

علم بہت بڑی نعمت ہے "اِنّما یخشی اللّٰہ مِنْ عِبادہ العلماء"

کے قرآنی ارشاد کے مطابق یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ

بے علم نتوان خدا را شناخت

قرآنِ حکیم کی ادبی لطافتوں سے آگاہ اہل کمال اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ علم صحیح وہی ہے جو خشیت الٰہی کا موجب ہو۔

امام غزالی نے اپنے دور کے مروّج علوم وفنون میں بالخصوص فلسفہ میں کمال پیدا کیا لیکن روحانی فیوض سے بہرہ ور ہوکر ''تہافتہ الفلاسفہ'' سے ''محض عقلیت'' کا رد فرمایا اور ''احیاء علوم الدین'' اور ''منہاج العابدین'' جیسی کتب تصنیف فرمائیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ ڈاکٹر جلالی بھی امام غزالی کے نقشِ قدم پر اپنی منزل کی طرف رواں دواں بڑھ رہے ہیں علوم جدیدہ وقدیمہ کے حسین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ وہ روحانی فیوض وبرکات سے مستنیر ومستفیض ہیں اور سیّد ہجویر المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق زبان وادب کے ساتھ حُسنِ ادب سے بھی بہرہ مند ہیں۔ لہٰذا اپنی تحریروں اور نگارشات میں وہ ''فَخرِ فخور'' ہونے کا اظہار نہیں کرتے بلکہ

؎ صراحی سرنگوں ہوکر بھر دیتی ہے پیمانہ

کے مصداق بارگہ خداوندی جل شانہ میں ہدیہ تشکّر وامتنان پیش کرتے اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں سراپا ادب اور نعمتِ تقویٰ سے بہرہ ور، حُبِ الٰہی اور حُبِ رسول ﷺ میں سرشار نظر آتے ہیں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب کہا ہے:۔

ما مست صبحیم از میخانہ توحید
حاجت بے و بادۂ خمار نداریم

اور بقول صلاح الدین سعیدی

حضرت آصف جلالی چاند ہیں اس دور کے
اور ان کے گرد ہالہ ہے صراطِ مستقیم

رب کریم جل شانہ انہیں ظلمتِ فتن کے اس دور میں چاند بن کر ''فہم دین'' کی چاندنی پھیلانے کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرمائے۔

بارگاہِ صمدیت میں دُعا ہے کہ خدائے عظیم واعظم، کبیر واکبر جل شانہٗ انہیں اجر جزیل عطا فرمائے اور قارئین کرام کو ''فہم دین'' کے انسائیکلو پیڈیا سے مستفید ومستفیض ہونے کی سعادت بخشے۔ آمین

بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم والہ واصحابہ اجمعین

احقر العباد بشیر احمد صدیقی عفی عنہ

المرقوم یکم دسمبر ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر

1

ناموسِ رسالت کے

پہرے دارو جاگتے رہو

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور حضور اکرم ﷺ کے دربار گوہر میں ہدیہ درود و سلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر و محراب ارباب فکر و دانش

معزز و محتشم حضرات و خواتین

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہم دین کورس میں آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

"ناموس رسالت کے پہرے دار و جاگتے رہو"

اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ناموس رسالت پہ پہرہ دینے کی توفیق عطا فرمائے ہمارے دین کی اساس اور اسلام کی روح ہمارے آقا ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔

مغز قرآن روح ایمان جان دیں

است حب رحمۃ للعالمین

رسول اکرم ﷺ کی محبت روح ایمان ہے اس محبت کا یہ تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ناموس پر پہرہ دیا جائے اور ہر گھڑی رسول اکرم ﷺ کی عظمتوں کی پاسبانی کی جائے۔ اس سلسلہ میں متعدد موضوعات سماعت کر چکے ہیں بالخصوص "تحفظ ناموس رسالت ایک فرض اور قرض" گذشتہ کورس میں سماعت کر چکے ہیں۔

﴿ناموس رسالت کی نگہبانی ایک ایمانی تقاضہ﴾

آج اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم اس موضوع کو بیان کرنے لگے ہیں۔

چونکہ ناموس رسالت کے دشمن اور دین کے غدار ہر وقت اپنی سازشوں میں مصروف ہیں اور ناموس رسالت کے خلاف اپنی نازیبا حرکتوں میں لگے ہوئے ہیں تو ہمیں بھی اپنا ذوق سلامت رکھنے اور اعتقاد بچانے کیلئے اور رسول اللہ ﷺ کی ناموس کی نگہبانی کیلئے اپنا سبق یاد رکھنا ہے۔

﴿عالمی سطح پر افسوسناک واقعات﴾

گذشتہ سال رمضان المبارک کے بعد اس رمضان المبارک تک عالمی سطح پر اور اندرون ملک مزید کچھ ایسے واقعات ہوئے جو نہایت افسوس ناک ہیں اور ناموس رسالت کے لحاظ سے غلامان رسول ﷺ کے کلیجے اُن واقعات سے چھلنی ہوئے۔ بین الاقوامی سطح پر شیطان رشدی کو جو برطانیہ کی طرف سے سر کا خطاب دیا گیا یہ امت مسلمہ کے زخموں پر نمک چھڑکنے سے بھی بڑا کام تھا

اور پھر ڈنمارک کے اخبارات میں خاکے چھپنے کے بعد سویڈن میں بھی جو خاکے چھپے اور پھر بنگلہ دیش میں بنگالی اخبار کے اندر ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جو خاکے چھپے۔ پاکستان میں بڑے قبیح انداز میں نازیبا حرکت مختلف شہروں میں ہوئی۔ بالخصوص کراچی شاہراہ لیاقت نجمہ ہاؤس سے ایسا لٹریچر چھپا جس میں یورپ کے گستاخانہ خاکوں سے بھی بڑی گستاخیاں موجود تھیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے پیکر کی شبیہ بنا کر رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کا انداز اختیار کیا گیا۔

سید عالم ﷺ کی نبوت اور سرکار علیہ السلام کے جسم پاک کا مذاق اڑایا گیا نعوذ باللہ کلمہ طیبہ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے ایک ڈھانچہ تیار کیا۔ یعنی

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

لکھ کر اس کے دوسرے حصے کا معنیٰ کرتے ہوئے ایک ڈھانچہ بنایا گیا اور پھر اسکے ساتھ ایک ٹوٹے ہوئے قدم کی تصویر بنائی گئی جس پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔

اور پھر ایک ایسا ہڈیوں کا ڈھانچہ (جس پہ گوشت نہ ہو) بنا کر اسکے نیچے یہ آیت لکھی گئی۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

(پارہ ۱۶ سورۃ الکھف آیت ۱۱۰)

رسول اللہ ﷺ کی بشریت جو کہ آپ کی حیثیت کے مطابق آپکی اعلیٰ ترین عظمتوں کا ایک حوالہ ہے اور عام لوگوں کی بشریت سے اُس بشریت کا مرتبہ کہیں زیادہ اونچا ہے اور ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(معاذ اللہ) یہاں پاکستان میں خاکے بنے، تصویر بنی اور پھر ایسا ڈھانچہ بنایا گیا جسکی تعین اسکے نیچے لکھی گئی آیت سے کی گئی یورپ سے بنائے ہوئے خاکوں سے کہیں زیادہ قبیح حرکت تھی۔ یہ کن لوگوں نے کی؟

اس آیت کو جس انداز سے لکھا آپ پڑھ سکتے ہیں میرے پاس وہ لٹریچر موجود ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو روزانہ رسول اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کو سطحی اور نارمل ثابت کرنے کیلئے ان آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ مجمع میں پڑھتے ہیں اور پھر بار بار بشریت بشریت کی رٹ لگاتے ہیں۔

﴿محمد ثاقب شکیل جلالی مجاہد اسلام﴾

ایسے ہی شیطان رُشدی سے بڑی گستاخیوں والی کتاب گجرات کے قریب جلال پور جٹاں کے ایک نہایت نام نہاد انسان (جسکو اصغر چغتائی کہا جاتا ہے) نے لکھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ کھاریاں کے ایک نوجوان آستانہ عالیہ بھکھی شریف کے فیض

یافتہ محمد ثاقب شکیل جلالی نے غازی علم الدین شہید کا کردار ادا کرتے ہوئے اس کتاب کے کمپوزر کو تھانے میں واصل جہنم کر کے پاکستان پولیس کے اس سپاہی نے اپنا نام غازیوں میں لکھوایا ہے۔

اسی طرح کی حرکت گگو منڈی اور بورے والا میں بھی ایک نام نہاد معاصر تنظیم کے غنڈوں نے کی وہاں پر ابھی تک 295-C کا معاملہ چل رہا ہے۔

﴿ ذات رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ﴾

(دشمنان اسلام کی شرانگیزیاں)

یہ صورتحال بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پورے بین الاقوامی فورم پر عالمی سطح پر سب سے زیادہ جس شخصیت کو معاذ اللہ یہودی اور عیسائی ہدف بنا کے مختلف طریقوں سے زہر اگل رہے ہیں۔ یہ وہ شخصیت ہے جنکی ذات کے گرد اسلام یوں گھومتا ہے جسے کعبے کے گرد حاجی گھومتا ہے وہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہے باطل پرست کچھ لوگوں کو ہمارے اندر سے خرید کے اور کچھ اپنی طرف سے مختلف طریقوں سے گستاخی کرنے میں مصروف ہیں۔

اسواسطے ہمارا فرض بنتا ہے کہ جاگتے رہیں اور مسئلے کی نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے پورے دینی اور ایمانی جذبے سے ناموس رسالت کے پہرے دار رہیں۔ جسطرح کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے رسول اللہ ﷺ کی عظمتوں پہ پہرہ دیا تھا۔

﴿ گستاخ رسول ﷺ لعنت کا مستحق ﴾

اللہ تعالیٰ قرآن میں ایسے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا

(پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۵۷)

بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحیم ہے کریم ہے، رحمان ہے مگر جس وقت کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے خلاف بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا مستحق نہیں رہتا بلکہ لعنت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کیلئے اپنی لعنتوں کا اظہار کیا جو رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کا (معاذ اللہ) ارتکاب کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لعنت کا حکم سن کر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس پر اکتفا نہیں کیا کہ چونکہ اللہ کی طرف سے اس پر لعنت ہو گئی ہے تو اب ہمارے ذمہ اسکی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ بلکہ صحابہ کرام نے اپنے زور بازو سے اپنی جانوں کا نذرانہ دیتے ہوئے بھی اس بات کو واضح کیا ہے کہ بحیثیت امتی ہم پر علیحدہ حق موجود ہے

یہ ٹھیک ہے کہ رب چاہے تو کسی گستاخ کو جلا دے جسطرح ڈنمارک کے خاکے بنانے والے بالخصوص اخبار کا کمپوزر اور اسکے پورے خاندان کے بارے خبر شائع ہوئی کہ وہ آگ میں جل گئے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً گرفت بھی ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے جس میں وہ مہلت بھی دیتا ہے اب کتنے اسکی ذات کے منکر ہیں جو جی رہے ہیں اور کتنے بتوں کے پجاری ہیں جن پر گرفت نہیں ہو رہی۔ تو ایسے ہی کچھ گستاخوں کو ڈھیل دی جاتی ہے۔

یہ امت پر فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا احتساب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عظیم کے مستحق بن جائیں۔

اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کا وہ انداز کہ جسمیں آپ نے صحابہ کرام کو خود اس عمل کی دعوت دی۔

حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ناموس رسالت کے پہرے دار)

بنی عمرو بن عوف کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی

وَقَالَ شِعْراً هَجَافِيْهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

(الاصابہ ج ۴ ص ۲۳۸ ، نضرۃ النعیم ج اص۲۹۶)

اس نے ایک نظم لکھی جس میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کو پتہ چل گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ لِيْ بِهٰذَا الْخَبِيْثِ

میرا کون سا عاشق ہے جو اس خبیث سے بدلہ لے گا۔

رسول اکرم ﷺ رحمت ہی نہیں بلکہ جان رحمت ہیں اور رحمۃ للعالمین ہیں آپ کی طرف سے غصے کا اظہار بھی ایک رحمت ہے، چونکہ ایسے منحوس لوگ اگر معاشرے میں ہوں تو زمین کے پھٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ آسمان سے آگ برسنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو واصل جہنم کرنا یہ زمین کو بچانے کیلئے ضروری ہوتا ہے اور سوسائٹی کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہوتا ہے۔

اسواسطے رسول اللہ ﷺ نے رحمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

مَنْ لِیْ بِھٰذَا الْخَبِیْثِ

کون ہے جو اس خبیث سے میرا بدلہ لے۔

اس نے میری شان میں گستاخی کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی طرف سے جب یہ اعلان ہوا۔

فَخَرَجَ اِلَیْہِ الصَّحَابِیُّ سَالِمْ بْنُ عُمَیْرٍ فَقَتَلَہٗ

(الاصابہ ج ۴ ص ۲۳۸ ، نضرۃ النعیم ج ۱ ص ۲۹۶)

حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور اس گستاخ کو جا کر قتل کر دیا۔

یہ باری باری، مرحلہ، مرحلہ، اپنی اپنی سعادتوں کا معاملہ ہے۔

''تحفظ ناموس رسالت ایک فرض اور قرض'' میں آپ نے خالد بن ولید اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے جدا جدا ایمانی مظاہرے کا انداز دیکھا۔

ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ کون اٹھے گا جو فلاں گستاخ کو قتل کرے تو ایک مرتبہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور ایک مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے۔

لیکن اس موقع پر جب آپ نے فرمایا کہ اس خبیث سے کون بدلہ لے گا تو یہ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کی سعادت تھی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے گستاخ کا سر اتار کر عشاق رسول ﷺ میں سے اونچے مرتبہ پر اپنا مقام حاصل کر لیا۔

دو ننھے مجاہدوں کا منفرد اعزاز

رسول اکرم ﷺ کی ناموس پر پہرے کا انداز یہ بھی ہے۔

جب مقام بدر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

لڑائی جاری تھی۔

اِنِّیْ لَوَاقِفٌ یَوْمَ بَدْرٍ فِی الصَّفِّ

محاذ جنگ میں صف کے اندر کھڑا تھا۔

فَنَظَرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَشِمَالِیْ فَاِذًا اَنَا بَیْنَ غُلَامَیْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ

میں نے جب اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو انصار کے دو نوعمر بچے ہیں۔ جس وقت میں نے ان دو بچوں کو دائیں بائیں دیکھا تو مجھے تھوڑا سا ڈر محسوس ہوا کہ سائیڈیں تو محفوظ ہونی چاہیں۔ یہ اچھا تھا کہ میرے دائیں بائیں کڑیل جوان اور تجربہ کار کمانڈر ہوتے تو میری دائیں سائیڈ بھی محفوظ رہتی اور بائیں سائیڈ بھی محفوظ رہتی۔ جبکہ میرے دونوں جانب چھوٹے بچے آگئے ہیں۔ جب میں لڑوں گا تو دائیں جانب بھی غیر محفوظ ہوگی اور بائیں جانب بھی غیر محفوظ ہوگی اس سے نقصان کا خطرہ ہے اور میں صحیح کردار ادا نہیں کرسکوں گا۔ آپ فرماتے ہین کہ اس سلسلہ مین میرے ذہن میں تشویش آئی۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں سوچ رہا تھا۔

فَغَمَزَنِیْ اَحَدُھُمَا

اُن میں سے ایک نے مجھے ہاتھ لگایا۔

قَالَ یَا عَمِّ اَتَعْرِفُ اَبَا جَھْلٍ

اس لڑکے نے پوچھا کہ اے چچا ابو جہل کا تمہیں پتہ ہے۔

یہ جو ہمارے سامنے مشرکین مکہ کی فوج کھڑی ہے ان میں ابو جہل کون ہے ان دو

چھوٹے بچوں میں سے ایک نے مجھ سے سوال کیا۔

تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اُن سے کہا۔

نَعَمْ

ہاں میں جانتا ہوں کہ ابوجہل کون ہے؟

مَا حَاجَتُكَ اِلَيْهِ

تمہارا اس سے کیا کام ہے۔

میں ابوجہل کو تو جانتا ہوں لیکن اس وقت جنگ میں ابوجہل کا ایڈریس پوچھنے کا مطلب کیا ہے؟

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال اس طرف نہیں جا رہا تھا کہ یہ اُسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ انکے نوعمر ہونے کی وجہ سے آپ نے ان سے پوچھا کہ اُن سے تمہارا کام کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا۔

اُخْبِرْتُ انه يَسُبُّ رسولَ الله ﷺ

میں اس لئے ایڈریس نہیں پوچھ رہا کہ میرا اُس کے ساتھ کوئی محبت کا رشتہ ہو یا میں دنیا کا اس سے کوئی کام کرواؤں۔ میں پتہ اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ ہم دونوں اسی کی تلاش میں نکلے ہیں۔ باقی دوسرے مجاہد جو چاہیں کریں ہمارا ہدف یہ ہے اور ہم اسلئے پوچھ رہے ہیں۔

ایک ہے مطلقاً کافر ہونا اور ایک ہے کافر ہو کر شرارتی ہونا اور پھر کافر ہونیکے ساتھ ساتھ گستاخ بھی ہونا۔ یہ ظلم بالائے ظلم ہے اور یہ ایک شخص کا گھناؤنا کردار ہے۔

ایک دل کا کالا ہو اور کافر ہو اسکی زبان خاموش رہے یہ کافر تو پھر بھی ہے جہنمی ہے مگر

اعلانیہ موذی نہیں ہے، ابو جہل کالا بھی تھا اور پھر ہر وقت شان رسالت ﷺ کے خلاف بھونکتا، بکواس کرتا رہتا تھا۔

ان دونو عمر صحابہ کرام نے مکہ شریف کی سرزمین تو نہیں پائی تھی کیونکہ یہ انصاری تھے۔ مدینہ شریف میں ابھی نوخیزی کا زمانہ تھا۔

جب بدر کے میدان میں پہنچے تو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ابو جہل کو جانتے ہو تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کبھی گستاخوں کے پتے بھی پوچھنے پڑتے ہیں اور انکے ایڈریس بھی پوچھنے پڑتے ہیں ان سے بھی ایک کام ہوتا ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَئِنْ رَاَیْتُہٗ لَایُفَارِقُ سَوَادِیْ سَوَادَہٗ حَتّٰی یَمُوْتَ الْاَعْجَلُ مِنَّا

خدا کی قسم مجھے اُس رب کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔

صرف میں اس کو ایک بار دیکھ لوں۔

لَئِنْ رَاَیْتُہٗ

اگر میں نے اسکو دیکھ لیا۔

لَایُفَارِقُ سَوَادِیْ سَوَادَہٗ

تو پھر میرا جسم اسکے جسم سے جدا نہیں ہوگا۔

حَتّٰی یَمُوْتَ الْاَعْجَلُ مِنَّا

یہاں تک کہ جس نے ہم میں سے جلدی مرنا ہے وہ مر جائے گا۔

ایک کام ضرور ہو کر رہے گا یا میں نہیں رہوں گا یا پھر وہ نہیں رہے گا۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ میں دیکھ لوں اور پھر بھی اسے چھوڑ دوں۔

آپ صرف دکھا دیں ہم اڑ کر اس تک پہنچیں گے۔

لان رأیتہٗ

اگر میں نے اسکو دیکھ لیا تو دو باتوں میں ایک بات ضرور ہو کر رہے گی۔ یا ہم زندہ واپس نہیں لوٹیں گے یا وہ زندہ واپس نہیں لوٹے گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

فَتَعَجَّبْتُ لِذَالِكَ

مجھے بڑا تعجب ہوا۔

کہ رسول اللہ ﷺ کے عشق میں کیا قوت ہے اور اس جذبہ میں کتنی پاور ہے۔ ایک طرف قریش کا وہ سردار ہے کہ جس کے ارد گرد حصار ہے۔ سخت ترین سیکیورٹی کے پہرے میں وہ موجود ہے۔ دوسری طرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نوخیز عاشق ہیں جو اتنا تند و تیز جذبہ لیئے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ ہم صرف اسے ایک بار دیکھ لیں پھر ہم نہیں چھوڑیں گے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب انکا یہ جذبہ دیکھا تو فرمانے لگے میں سمجھتا تھا کہ میری سائیڈیں کمزور ہیں۔ یہ مطلقاً کسی کافر کو نہیں مارنا چاہتے بلکہ یہ کافروں کے سردار کا سر اتارنا چاہتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس بات پر تعجب تھا ابھی میں سوچ رہا تھا کہ اس میں کتنا بڑا جذبہ ہے اتنے میں جو میری دوسری سائیڈ میں تھا اس نے مجھے ہاتھ لگایا اور کہا اے میرے چچا بتاؤ ابوجہل کدھر ہے۔

دونوں پہلا نمبر لینا چاہتے تھے۔ایک کا خیال تھا کہ مجھے ابوجہل کے بارے میں پتہ چلے تو میں پہلے جاؤں اور دوسرے کا خیال تھا کہ مجھے پتہ چلے تو میں پہلے جاؤں۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا کام ہے تو اسکا جواب بھی یہی تھا کہ

قسم کھائی ہے مر جائیں گے یا ماریں گے ناری کو

سنا ہے وہ گالیاں دیتا ہے محبوب باری کو

پہلے وہ مکہ شریف میں تھا لیکن آج وہ باہر نکل کے آ گیا ہے اور بدر میں پہنچ گیا ہے لہٰذا وہ بچ کے نہیں جا سکتا۔ہم رسول اکرم ﷺ کی ناموس کے پہرے دار ہیں لہٰذا سرکار علیہ السلام کی ناموس پہ پہرا دیتے ہوئے اپنی جانیں دے سکتے ہیں۔لیکن اس گستاخ کو زمین پہ زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا

دونوں اپنی تلواریں لہراتے ہوئے ابوجہل کی طرف دوڑے۔

صحابہ کرام کی جانب جو صفیں بنی ہوئی تھیں ان صفوں کو چیرتے ہوئے آگے نکلے اور باطل کی چٹانوں کے ساتھ ٹکرا گئے ابوجہل کے گرد جو حصار تھا وہ حصار توڑا یعنی اُس کا یہ خیال ہی نہیں تھا کہ کوئی یہاں آکر بھی حملہ کر سکتا ہے۔یہ رسول پاک ﷺ کے عشق کی چنگاری تھی اور یہ حریت کا منظر تھا اور یہ ایمان کی قوت تھی کہ دونوں کو اپنی کوئی فکر نہیں تھی۔کہ بدن کے کتنے ٹکڑے ہوتے ہیں لیکن اُن کا جذبہ یہ تھا کہ اسکو واپس نہیں جانے دیا جائے گا۔دونوں آگے بڑھے۔

وَهُوَ يَجُوْلُ فِي النَّاسِ

وہ ابوجہل لوگوں میں ٹہل رہا تھا۔ اسے کوئی خطرہ نہیں تھا وہ سمجھتا تھا کہ میرے ارد گرد اتنے گارڈ ہیں مجھ تک تو کوئی پہنچ نہیں سکتا۔

فَضَرَبَاهُ حَتّٰى قَتَلَاهُ

لیکن رسول اکرم ﷺ کے یہ دونوں عاشق کود پڑے اور اس انداز میں حملہ آور ہوئے کہ پل بھر میں ان دونوں مجاہدوں نے اس سب سے بڑے گستاخ کا خاتمہ کر دیا۔

ثُمَّ انْصَرَفَا اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

پھر اپنی چھوٹی چھوٹی تلواروں کے ساتھ بڑا کام کر کے فوراً رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس لوٹے۔

ان دونوں مجاہدوں کا کتنا خوبصورت انداز تھا جب اُس ابوجہل کا سر اتارا جس نے مکہ شریف کی سرزمین مسلمانوں کیلئے تنگ کر دی تھی۔ جسکی شرارتوں کی وجہ سے رات کے اندھیروں میں محبوب علیہ السلام کو مکہ شہر اللہ تعالیٰ کے حکم پہ چھوڑنا پڑا تھا۔ جسکی اتنی حماقتیں تھیں اور اسکے سینے میں اتنا بغض تھا۔ مکہ شریف میں صحابہ کرام کو اس کمینے کی طرف سے تشدد کا سامنا کرنا پڑا جس وقت یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ایسا موقع فراہم کرے کہ سرکار علیہ السلام کے گستاخ کو مار کے سرکار علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہو۔

آج یہ اُس کا شرف ہے لیکن کل قیامت کے دن جب رسول پاک ﷺ مقام محمود پر تشریف فرما ہونگے اور ساری دنیا آپکی تعریف کر رہی ہوگی اُس وقت بھی یہ مجاہد جس نے رسول پاک ﷺ کے گستاخ سے بدلہ لیا ہوگا۔ اس کو اللہ تعالیٰ منفرد سیٹ عطا فرمائے گا۔

رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں جا کر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم ابو جہل کو قتل کر آئے ہیں۔ جب دونوں میں سے ہر ایک نے یہ کہا کہ میں ابو جہل کو مار آیا ہوں دوسرے نے کہا کہ میں مار آیا ہوں تو سرکار علیہ السلام نے پوچھا۔

اَیُّکُمَا قَتَلَهٗ

تم میں سے کس نے ابو جہل کو مارا۔

قَالَ کُلٌّ مِّنْهُمَا اَنَا قَتَلْتُهٗ

ہر ایک نے اُن میں سے کہا کہ میں نے قتل کیا۔

دونوں ابو جہل کو قتل کرنے میں شریک بھی تھے۔ اور اُن کا حق بھی بنتا تھا۔

تو رسول پاک ﷺ کا مقام عدل بھی ہے انھیں انعام سے نوازنا بھی ہے۔

جتنا کام ہو گا اسی لحاظ سے اس نے انعام وصول کرنا ہے۔

آقا علیہ السلام نے فرمایا:

هَلْ مَسَحْتُمَا سَیْفَیْکُمَا

رسول اکرم ﷺ اپنی نگاہ نبوت سے بھی بتا سکتے تھے کہ تم میں سے کس نے مارا ہے یا دونوں نے مارا ہے۔ مگر قیامت تک کیلئے عسکری فیصلے بھی تو امت کو دینے تھے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ مَسَحْتُمَا سَیْفَیْکُمَا

کیا تم تلواریں صاف کر کے لے آئے ہو یا ابھی اسی طرح ہیں جسطرح اُس موذی کو لگی تھیں تو کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ابھی ہم نے تلواریں صاف نہیں کیں ہم ابو جہل کو کاٹتے ہی دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آگئے ہیں۔ تو رسول اکرم ﷺ

نے دونوں کی تلواروں کو دیکھا۔ تو ان دونوں کی تلواروں پر اس گستاخ کا خون لگا ہوا تھا۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فیصلہ کیا اور یہ اعلان ضروری تھا۔ کہ قیامت تک جب گستاخوں کی لسٹ بنے گی تو اس وقت یہ بڑا گستاخ پہلے نمبر پر ہوگا۔

جو اُن گستاخوں سے میری ناموس پہ پہرا دیتے ہوئے بدلہ لیں گے۔ جب اُنکی لسٹ بنے گی تو اس بڑے گستاخ کو مارنے والے بھی پہلے نمبر پر ہونگے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا۔

کِلَا ھُمَا قَتَلَہٗ

(البدایہ والنہایہ ج ۳۔۴ ص ۳۰۵ بیروت)

قتل تم دونوں نے کیا ہے لیکن پہل دونوں میں سے ایک نے کی ہے۔ اور وہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انکے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ انعام کا اعلان کر دیا مگر دونوں کو اس فعل میں شریک قرار دیکر قیامت تک کیلئے اپنے ان عظیم عاشقوں کا رتبہ کائنات میں دوبالا فرما دیا۔

رسول اکرم ﷺ کا وہ فرمان بخاری و مسلم شریف میں موجود ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ جملہ سنا یعنی عشق کے مسئلہ پر باقاعدہ جنت کی بولی لگتی رہی، ناموس رسالت کا مسئلہ تھا۔

ناموس رسالت پہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا پہرا

کعب بن اشرف یہودی تھا وہ بھی اسی طرح کا گستاخ تھا۔ حالانکہ پہلے ان سے معاہدہ ہوا تھا لیکن اسکی گستاخیوں کی وجہ سے معاہدہ ٹوٹ چکا تھا تو کعب بن اشرف کی گستاخیاں جب رسول اللہ ﷺ تک پہنچیں۔ تو وہ جو رحمۃ للعالمین ہیں۔

جنہوں نے یہاں تک حکم دیا کہ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوْا وُجُوْہَ الدَّوَابِ فَاِنَّ کُلَّ شَیْءٍ یُّسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ

(الدرالمنثور سورۃ الاسراء زیرآیت ۴۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جانوروں کے منہ پر نہ مارو کیونکہ ہر شیء اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔

یعنی میری شریعت میں کسی جانور کے منہ پر بھی مارنا جائز نہیں ہے۔ اسواسطے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے والی ہے۔

وہ جو اپنی زبان سے اُس عورت کیلئے جنت کا اعلان فرمارہے تھے جس نے اپنا موزہ دوپٹے سے باندھ کر کنویں میں لٹکا کر ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا اور اسکی زندگی بچائی تھی۔ اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کعب بن اشرف کی گستاخیاں پہنچیں تو پھر جنت کا اعلان کیا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لِکَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کون ہے جو کعب بن اشرف کا سر اتارے گا؟

رسول اکرم ﷺ نے اسکے ساتھ وجہ بیان کی

فَاِنَّہٗ قَدْ آذَی اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ

اسکا جرم یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول علیہ السلام کو اذیت پہنچائی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف زبان سے لفظ نکلنا کتنا بڑا جرم ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اسے کوئی اذیت دے سکے۔ کیونکہ رب ذوالجلال کی ذات کسی کا اثر قبول نہیں کرتی۔ اذیت آتی ہے جب کسی کو مارا جائے یا دکھ پہنچایا جائے اور اسے دکھ آئے تو جو غیر کا اثر یوں قبول کرے وہ الہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے جو تقاضے ہیں اسکی جو قدرتیں ہیں کسی کی قدرت اس سے زیادہ ہو تو اس پر اثر کر سکے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کی طاقت ہو سکتی ہے؟

لہٰذا حقیقت میں کوئی اللہ تعالیٰ کو اذیت دے سکے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

لیکن قرآن مجید میں وہ خود کہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول علیہ السلام کو اذیت دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی گستاخی رب کی گستاخی

یہاں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ آذَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

اس کعب بن اشرف نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول علیہ السلام کو اذیت دی ہے۔ تو اس سے پتہ یہ چلا کہ مقام نبوت حساس کتنا ہے، نازک کتنا ہے۔ کہ یہاں کی گستاخی رب کے دربار تک پہنچتی ہے۔

یعنی ادھر کے معاملات رب کے معاملات ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا۔ انکی زبان کو اپنی زبان کہا۔ انکی اطاعت کو اپنی اطاعت کہا ان کی محبت کو اپنی محبت کہا۔ ان کے ساتھ بیعت کو اپنے ساتھ بیعت کہا تو اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ جب انکی محبت میری محبت اور انکی عزت میری عزت ہے تو پھر دنیا ہوش سے رہے۔

اگر ان کے خلاف کوئی بولے گا تو وہ یہ نہ کہے کہ رب کی پارٹی والا ہوں نبی علیہ السلام کے خلاف بول لوں تو کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے خلاف بولنا میرے خلاف بولنا ہے، انکی اذیت میری اذیت ہے۔

گستاخ رسول ﷺ کا قتل بھی رحمت ہے

اسواسطے رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے کہ کعب بن اشرف نے میرے خلاف بھونک کر اذیت رب کو دی ہے اور پھر میری اذیت رب کی اذیت ہے۔ اسواسطے سرکار علیہ السلام نے یہ لفظ بول دیئے۔ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مجرم ہے میں رحمت عالم اور میں رحمۃ للعالمین ہوں مگر اس کا باقی رہنا رحمت کے منافی ہے۔ اسکو زمین سے ہٹانا زمین کے فائدے میں ہے۔ کون ہے جو کعب بن اشرف کا سر اتارے گا۔

اس کا مدینہ شریف سے باہر ایک قلعہ تھا ابھی قریب زمانہ اسکے مکان کے کھنڈرات کو ختم کیا گیا۔ اُس قلعہ میں وہ رہتا تھا اور پھر ہر وقت پہرے میں رہتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کون ہے جو اسکا سر اتارے گا۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفاداری

تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لبیک کہا

فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور پھر پوچھا

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُحِبُّ اَنْ اَقْتُلَهُ

یارسول اللہ ﷺ آپکو یہ پسند ہے کہ میں اسکو قتل کردوں؟

قَالَ نَعَمْ

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں۔

تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے

قَالَ فَأْذَنْ لِي أَنْ أَقُولَ شَيْئًا

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن الاشرف ج ۲ ص ۵۷۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

پھر آپ مجھے اتنی اجازت فرما دیں کہ اگر اس سے بات کرتے ہوئے کوئی بات خلاف واقع کر جاؤں تو مجھے معاف کر دیا جائے اور مجھ پر کوئی گرفت نہ ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ اجازت بھی عطا فرما دی۔

ٹھیک ہے تمہیں اجازت ہے تم نے اسکا سر ضرور اتارنا ہے۔ اس سے باتیں جو بھی کر لو۔

جس وقت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت لے لی تو اس نے کعب بن اشرف سے دن کے وقت ملاقات کی۔ اس ملاقات میں یہ باتیں آگئیں کہ کلمہ تو ہم نے پڑھا تھا مگر ہم تو بھوکے مر گئے۔ کبھی صدقہ ہے کبھی زکوٰۃ ہے۔ کبھی کوئی حکم ہے کبھی جہاد ہے۔

روزانہ ہمارے اخراجات زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ اب تو گھر میں کھانے کیلئے بھی کچھ نہیں ہے مجھے کچھ گندم کی ضرورت ہے اور کچھ اناج کی ضرورت ہے اور پھر ہم ابھی دین چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ جب تک کہ فیصلہ نہ ہو جائے کہ کس کی فتح ہے اسواسطے ہماری یہ مجبوری ہے۔ ہم ساتھ بھی نہیں چھوڑ سکتے۔

یہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے (Coments) کومنٹس تھے کہ کعب بن اشرف کو یوں لگا کہ بندہ ہمارا ہے یعنی کوئی منافق ہے۔ منافق یہودیوں سے ایسی

باتیں جا کر کرتے تھے۔ جس وقت ایسا معاملہ سامنے آیا تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں کچھ قرض لینا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے قرض دے دیں۔

اور کچھ اناج سے تعاون کریں پھر جلد اسے لوٹا دوں گا۔

بہرحال یہ طے ہو گیا کہ ٹھیک ہے میں تمہیں قرض دیتا ہوں لیکن تم اپنی کوئی چیز میرے پاس رہن رکھو اور میں تمہاری یہ حاجت پوری کر دیتا ہوں، جب تم یہ قرض واپس کرو گے تو اپنا رھن واپس لے جانا۔

وہ بڑا موذی قسم کا انسان تھا کہنے لگا اپنی عورت رہن رکھ جاؤ۔ تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا۔ تو وہ کہنے لگا اپنا بیٹا رھن رکھ جاؤ۔ تو آپ کہنے لگے نہیں کل لوگ میرے بیٹے کو طعنے دیں گے کہ تجھے رھن رکھ کے تیرا باپ گندم لے کر آیا تھا۔ تو کہنے لگا کہ کوئی اسلحہ رکھ جاؤ تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس پر معاملہ طے ہو گیا اور پھر یہ طے تھا کہ دن کے وقت نہیں آؤں گا۔ اس لئے کہ اگر دن کے وقت آیا تو پھر پردہ چاک ہو جائے گا کہ یہ کعب بن اشرف کا بندہ ہے مجھے پھر کوئی دربار رسالت میں بیٹھنے نہیں دے گا۔

اسواسطے میں رات کے وقت آؤں گا اور رات کے وقت اپنی حاجت پوری کر کے چلا جاؤں گا۔ رات کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آئے انکے ساتھ دو آدمی بھی تھے۔ ان میں کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی بھی تھا۔ جو کہ مومن تھا۔ رات کو جس وقت آئے تو قلعے کے نیچے کھڑے ہو کر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز دی۔ کعب بن اشرف نے جب آواز سنی تو اپنی چارپائی سے اٹھا، نیچے اتر رہا تھا۔ اسکی بیوی نے کہا کہ یہ وقت نیچے جانے کا نہیں ہے۔ تم اس وقت نیچے نہ جاؤ۔ اس نے

خدشات کا اظہار کیا۔ اس وقت جو نیچے بلا رہے ہیں وہ غلط لوگ ہو سکتے ہیں۔

کعب بن اشرف نے کہا نہیں نیچے میرا دوست ہے۔ میں نے اسکو ٹائم دیا ہوا ہے۔ اسواسطے میں جانا چاہتا ہوں۔ بہر حال عورت نے کہا کہ جو آواز آئی ہے اس سے مجھے خون ٹپکتا ہوا محسوس ہوا ہے۔ کعب بن اشرف نیچے اترا جس وقت ملاقات ہوئی تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تم نے بڑی اچھی خوشبو لگائی ہوئی ہے۔ یہ فخر سے کہنے لگا اور اپنی بیوی کی خوشبو پر ناز کرنے لگا تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں ساتھیوں کو سمجھایا ہوا تھا کہ میں جب ملوں گا اور کہوں گا کہ تیرے سر کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہوں تو میں اچھی طرح اسکو اپنے بازو میں جکڑ لوں گا اور تم نے تلوار سے اسکا کام پورا کر دینا ہے۔

جس وقت حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب بن اشرف سے ملے تو فرمانے لگے کیا میں تمہارے سر کی خوشبو سونگھ سکتا ہوں۔ اس نے کہا تم سونگھ سکتے ہو۔ تو آپ نے اسکو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ساتھیوں نے تلواریں مار کے کام تمام کیا۔

رسول اکرم ﷺ کے دل کی جو تمنا تھی۔ کہ کعب بن اشرف کو زمین پہ زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ چونکہ اسکا معاملہ وہ نہیں تھا جو مکہ شریف کے مشرکین کے ساتھ تھا کہ اسکے ساتھ واضح جنگ کی جائے اور جنگ کے بدلے میں اسکا سر اترے۔ جیسے ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کے اتر گئے۔ اصل میں یہ معاہدہ کر کے پھر غداری کر چکا تھا اور پھر اس نے مشرکین مکہ سے جا کر مذاکرات کیے کہ تم آؤ میں تمہیں مدینہ شریف میں شیلٹر دوں گا اور پھر تم حملہ کرنا وہ چونکہ خیانت کر چکا تھا غدر کر چکا تھا۔ اسکی سزا اس طرح ہی بنتی تھی۔

رسول اکرم ﷺ کے ان عاشقوں نے اس گستاخ کا سر اتار کے اپنے محبوب ﷺ

کو جا کر پیغام دیا اور سرکار علیہ السلام کی طرف سے جنت کے سرٹیفکیٹ وصول کر لیے۔

یہاں پر یہ بات بڑی قابل غور ہے کہ کعب بن اشرف کو جس انداز میں قتل کیا گیا اس انداز سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس گستاخ نے واقعی گستاخی کی ہے اسکو مٹانے کیلئے جو حربہ بھی کسی کو استعمال کرنا پڑے وہ ضرور کرے۔ اس گستاخ کو زندہ نہ رہنے دے۔ یعنی اسکا یہ حق نہیں بنتا کہ وہ زمین پہ سلامت رہے۔

﴿گستاخ کی حمایت کرنے والا بھی واجب القتل﴾

اگر کوئی شخص اس طریقے پر اعتراض کرتا ہے کہ یہ حق نہیں بنتا تھا کہ ایسا اسکے ساتھ کیا جاتا اور اس طرح اسکو پکڑا جاتا اس طرح اسکو اپنے پھندے میں گرفتار کیا جاتا۔ تو صحابہ کرام کا یہ اٹل موقف تھا۔ اگر کسی نے کعب بن اشرف کے قتل کے خلاف اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ اس کو فراڈ سے مارا گیا۔ صحابہ کرام کہتے تھے وہ بندہ بھی واجب القتل ہے۔ جو کعب بن اشرف کی ایسی حمایت کرے کہ وہ لفظوں میں اتنا کہہ دے اس سے غدر ہوا اس سے خیانت ہوئی اور دھوکہ سے اسکو مارا گیا جس نے ایسا لفظ کسی صحابی کے سامنے بولا صحابی نے قسم اُٹھائی کہ جیسے کعب کا سر اتارا تھا تیرا بھی سر اتارتے ہیں۔

﴿بڑھاپے کی حالت میں بھی گستاخ کا تعاقب﴾

ایسا واقعہ واقدی کی کتاب میں تفصیل کیساتھ موجود ہے۔

مدینہ شریف میں جب مروان بن حکم کا زمانہ تھا تو مروان بن حکم کے پاس گیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے تھے اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے وہاں ایک شخص ابن یامین نضری بیٹھا ہوا۔ ابن یامین نضری نے وہاں بیٹھے ہوئے

اپنی رائے کا اظہار کیا مروان نے پوچھا؟

كَيْفَ كَانَ قَتْلُ ابْنِ الْأَشْرَفِ

کعب بن اشرف کے بارے میں پوچھا کہ اسکا قتل کیسے ہوا۔

تو ابن یامین نضری نے کہا

كَانَ غَدْرًا

وہ قتل نہیں تھا بلکہ غدر تھا۔

جس طرح برصغیر میں ہماری جنگ آزادی ہے۔ تو اس جنگ آزادی کو ہندو بھی غدر کہتے ہیں اور پھر مسلمانوں میں بھی ایک فرقہ ہے جو اسکو غدر کہتا ہے ہم کہتے ہیں 1857ء کی جنگ آزادی لیکن اُن کی کتابوں میں لکھا ہے۔ 1857ء کا غدر یعنی انگریزوں کے خلاف جو مسلمانوں کا جہاد تھا۔ جسمیں فضل حق خیر آبادی شہید ہو گئے اُن کے فتوے پر جہاد شروع ہوا۔ اس جہاد کو غدر کہا اسلام کا نام لینے والے کچھ لوگوں نے۔ کافر تو اس جہاد کو غدر کہتے ہی تھے۔

یہاں پر ابن یامین نضری نے غدر کا لفظ استعمال کر دیا کہ وہ قتل نہیں تھا بلکہ غدر تھا اور جنہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا وہ پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ چپ نہ رہ سکے فرمایا

وَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ جَالِسٌ شَيْخٌ كَبِيرٌ

حضرت محمد بن مسلمہ بوڑھاپے کی حالت میں مروان بن حکم کے پاس بیٹھے ہیں۔ جب آپ نے یہ بات سنی تو وہ جس نے یہ بات کی تھی وہ تو اپنی جگہ رہ گیا۔ جس کی مجلس میں کی گئی وہ مروان بن حکم کی مجلس تھی۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا

یَا مَرْوَانُ أَیُغْدَرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَكَ

اے مروان کیا تمہارے دربار میں رسول اللہ ﷺ کی طرف غدر کی نسبت کی جاتی ہے۔ تمہارے پاس بیٹھے ہوئے تمہارے دربار میں رسول اللہ ﷺ کی طرف غدر کی نسبت کرنا کہ رسول اللہ ﷺ نے غدر کیا۔ یہ جائز ہے کہنے لگے

وَاللّٰهِ

خدا کی قسم آج کے بعد تیرے دربار میں نہیں بیٹھوں گا۔ ہر وہ جگہ سوائے مسجد کے جہاں تو ہوگا وہاں میں نہیں بیٹھوں گا۔ مسجد تو مسجد نبوی شریف ہے۔ اگر وہاں ایک چھت کے نیچے تم اور میں اکٹھے ہو جائیں تو علیحدہ بات ہے۔ آج کے بعد تیرے دربار کا بائیکاٹ ہوگا۔ تیرے دربار میں ایسی بات کیوں ہوئی اور فرمانے لگے

وَاللّٰهِ مَاقَتَلْنَاهُ اِلاَّ بِاَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

خدا کی قسم ہے میں نے کعب بن اشرف کو اپنے فیصلے سے قتل نہیں کیا بلکہ یہ تو ہمارے محبوب علیہ السلام کا حکم تھا۔ سرکار علیہ السلام نے قتل کا حکم دیا ہم نے قتل کیا تمہارے پاس ابن یامین نضری بیٹھ کر اسکو غدر کہہ رہا ہے۔ اگرچہ تم یہ نہیں بولے لیکن مجھے نفرت تم سے بھی ہے۔ آج سے ہمارا تم سے بائیکاٹ ہے۔

پھر فرمانے لگے

اَمَّا اَنْتَ یَابْنَ یَامِیْنَ

ابن یامین اب تم سیدھے ہو جاؤ اور میری بات بھی سن لو، اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر میرا عشق پھر بھی جوان ہے۔ جن ہاتھوں سے کعب بن اشرف کو بھون سکتا ہوں تمہارا کلیجہ بھی نکال سکتا ہوں اور پھر نہ ابن یامین نضری کے کلیجے کا اعتبار، پھر نہ اس

کے روزے کا اعتبار، نہ اس کی نماز کا اعتبار، نہ حج کا اعتبار، نہ جہاد کا اعتبار حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے

فَلِلّٰهِ عَلَیَّ

یہ میں نے نذر مان لی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے مجھ پر لازم ہے

اِنْ اَفْلَتَ وَقَدَرْتُ عَلَيْكَ وَفِيْ يَدِيْ سَيْفٌ اِلَّا ضَرَبْتُ بِهٖ رَاْسَكَ

آج کے بعد جب بھی تو مجھے مل گیا اور میرے پاس تلوار ہوئی تو پھر میں تیرا سر اتار کے رہوں گا۔ تو کون ہوتا ہے۔ ایک گستاخ کی سائیڈ لے رہا ہے۔ جسکو ہم نے سرکار علیہ السلام کی اجازت سے مارا۔ تو نے اس مارنے کو غدر کہا۔ تمہارا ایمان تمہارا عقیدہ یہ سب کچھ خائب وخاسر ہو گیا۔ تمہاری ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہ رہی کہ جسکا کوئی ادب کیا جائے۔

خدا کی قسم جب بھی وہ لمحہ آئے گا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی سامنے تم آجاؤ گے اس وقت تلوار چلنے سے رک نہیں سکے گی۔ تمہارا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ بوڑھے تھے مگر ان کے جملوں کا ڈر ابن یامین نضری کو بڑا تھا۔ ابن یامین نضری نے جب اپنے قبیلہ کے علاقہ سے باہر آنا ہوتا تو باقاعدہ پہلے لوگ بھیجتا تھا کہ کہیں گلی محلے میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو موجود نہیں ہیں۔

اگر یہ پتہ چلتا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس علاقہ میں موجود ہیں تو پھر وہ باہر نہیں نکلتا۔ اگر یہ پتہ چلتا کہ اس علاقے میں نہیں ہیں تو پھر وہ باہر نکلتا اُس نے یہ بات یاد رکھی ہوئی تھی کہ اگر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامنا ہو گیا تو وہ مجھے

چھوڑے گا نہیں میرا کام پورا کرے گا۔

ایک دن حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جنازہ پڑھنے گئے۔ ابن یامین بقیع کے قبرستان میں تھا۔ ابن یامین نے دیکھا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنازے میں موجود ہیں۔ تو اس نے چھپنا چاہا ادھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پتہ چل گیا کہ ابن یامین نضری آیا ہوا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کافی چھڑیاں موجود تھیں تلوار پاس نہیں تھی۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن یامین کو پالیا تو آپ نے چھڑیوں سے مارنا شروع کر دیا۔

فَلَمْ يَزَلْ يَضْرِبُهُ جَرِيْدَةً جَرِيْدَةً حَتّٰى كَسَرَتْ ذَالِكَ

آپ اُن چھڑیوں سے مسلسل مارتے رہے اسکے چہرے پر اور اسکے سر پہ مارا پھر بھی وہ مرا نہیں تھا۔ آپ فرمانے لگے اصل میں کام تلوار کا ہے۔

وَاللّٰهِ لَوْ قَدَرْتُ عَلَى السَّيْفِ لَضَرَبْتُكَ بِهٖ

(الصارم المسلول ص ۱۲۴)

آپ نے فرمایا کہ اس قسط میں یہی کافی ہے۔ اب جس وقت تلوار ملے گی تیرا سر بھی اتاروں گا۔

یہ صحابہ کرام کا عشق اور دین میں پختگی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے گستاخ کی سائیڈ لینے والا بھی اُن سے بچ نہ سکا۔ انہوں نے وہاں پر اپنی محبتوں کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کو واضح کیا کہ امت جانے کہ نہ گستاخی کرنی ہے اور نہ گستاخ کا ساتھ دینا ہے اور خود بھی عاشق بننا ہے اور ہمیشہ عاشقوں کا ساتھ دینا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے پہرے داروں کا کیا انداز تھا۔

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواں عشق

رسول اکرم ﷺ میدان بدر میں تھے۔ آپ کے ایک صحابی حضرت عمیر بن عرص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا ہونے کی وجہ سے بدر میں نہ جاسکے انہیں پتہ چل گیا کہ ایک عورت عصما بنت مروان گانے گاتی ہے اس میں رسول پاک ﷺ کی توہین کرتی ہے۔

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم اٹھالی اور کہنے لگے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ لَکَ عَلَیَّ نَذْرًا

اے اللہ تیرے لئے میں نے اپنے اوپر یہ نذر لازم کرلی ہے اگر میرے محبوب علیہ السلام کو صحیح سلامت مدینہ شریف میں تُو لے آئے تو میں خوشی کیا کروں گا؟ کہنے لگے میں اس گستاخ عورت کا سر اتاروں گا جس نے ہمارے آقا علیہ السلام کی توھین کی ہے۔ یہ آپ نے نذر مان لی۔ اس لیے کہ تشویش بھی بڑی تھی کہ باقی سارے جہاد پر ہیں میں نہیں جاسکا۔ یہ بھی پتہ نہیں کہ رسول پاک ﷺ کس انداز میں واپس تشریف لاتے ہیں تو یہ نذر مانی کہ میرے رب میرے محبوب علیہ السلام کو صحیح واپس لے آئے تو میں اس نذر کو یوں پورا کروں گا کہ اس گستاخ عورت کا سر اتاروں گا۔

یہ کتنی خوبصورت نذر تھی۔ سرور عالم ﷺ جب بدر سے واپس آئے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چل گیا کہ محبوب علیہ السلام تشریف لے آئے بندہ نابینا ہو اور رات کا وقت ہو پھر کسی کا گھر ڈھونڈھنا ہو پھر تلاش کر کے کسی کو مارنا ہو ساری باتیں کتنی مشکل ہیں۔

نصف رات کا وقت تھا۔ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلتے چلتے اس خاتون کے گھر تک پہنچ گئے۔

حَتّٰی دَخَلَ عَلَیْھَا فِیْ بَیْتِھَا

حتی کہ آپ اس عورت کے گھر میں چلے گئے اندر جانے کے بعد آپ نے کیا کیا؟

فَحَسَّھَا بِیَدِہٖ

اُس عورت کو ہاتھ لگا کے محسوس بھی کیا کہ کہاں لیٹی ہوئی ہے۔

فَوَجَدَ الصَّبِیَّ تُرْضِعُہٗ

اُس وقت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ اسکے دوسرے بچے سوئے ہوئے تھے رات کا وقت ہے۔

عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔ ہمدردی اور نرمی سارے تقاضے ہو سکتے ہیں مگر جو اس کا جرم ہے اس نے ایسی آگ لگا رکھی ہے۔ کہ ایک نابینا معذور بندہ اسکا سر اتارنے نکلا ہے۔ یہ ساری مہربانی کی چیزیں دل سے واش ہو چکی ہیں۔ کہ نہ یہ لحاظ ہوگا کہ عورت ہے نہ یہ لحاظ ہوگا کہ بچوں کی ماں اور نہ یہ لحاظ ہوگا کہ شیر خوار بچے کی ماں ہے اور دودھ پلا رہی ہے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بچے کو ایک طرف کیا پھر آپ نے یہ کیا کہ

وَضَعَ سَیْفَہٗ عَلٰی صَدْرِھَا

آپ نے تلوار اوپر سے ماری نہیں بلکہ تلوار سینے پر رکھ کے اوپر سے دبائی۔

حَتّٰی اَنْفَذَہٗ مِنْ ظَھْرِھَا

حتی کہ تلوار پیٹھ کے پیچھے سے نکال دی۔

رات کے اندھیرے میں حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روشنی کا یہ کام کیا۔ اس گستاخ کے بارے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ بھی نہیں لیا پہلے دونوں واقعات میں

سرکار علیہ السلام کا حکم تھا کہ یہ کرو لیکن ادھر معاملہ اس سے جدا ہے رسول اکرم ﷺ بدر میں تھے ادھر یہ نذر مانے ہوئے تھے کہ میں نے اسکا سر اتارنا ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا ہی نہیں ہے کہ کس کو مارنا ہے بڑا سخت معاملہ ہے۔ پوچھنا چاہیے تھا کہ اس نے گستاخی کی ہے لہٰذا اسکا سر اتارنے کی اجازت ہے یا نہیں ہے۔ لیکن حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ بھی نہیں پوچھا اس کے بدن کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

نگاہِ مصطفےٰ ﷺ تیری کیا بات ہے

پھر بڑے حوصلے سے باہر نکلے اس نابینے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حوصلہ کروڑ بیناؤں سے افضل ہے۔ چلتے چلتے نماز فجر کے وقت مسجد نبوی شریف میں پہنچ گئے

لَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نَظَرَ اِلٰی عُمَیْرٍ

رسول اکرم ﷺ نے جب سلام پھیرا تو عمیر نظر آئے۔

"قربان جائیں غیب دان محبوب علیہ السلام پہ، رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز کا سلام پھیرتے ہی ارشاد فرمایا

اَقَتَلْتَ بِنْتَ مَرْوَانَ؟

عمیر! عصمٰی بنت مروان کو قتل کر آئے ہو؟

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

نَعَمْ بِاَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

میرا باپ تجھ پہ قربان ہو جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسکا میں کام تمام کر آیا ہوں۔

سید عالم ﷺ نے جب پوچھا اور انہوں نے بتایا تو انھیں کچھ سہارا ملا راوی کہتے ہیں

خَشِیَ عُمَیْرٌ

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ڈر تھا کہ مجھ پر یہ الزام نہ آجائے کہ

اَفْتَأتَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بِقَتْلِھَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے تو اپنا فتوی چلاتا ہے۔

پہلے تمہیں سرکار علیہ السلام سے پوچھنا چاہیے تھا پھر اُسے قتل کرنا چاہیے تھا۔ انھیں یہ ڈر تھا کہ کوئی مجھے یہ نہ کہے تو سرکار علیہ السلام کے ہوتے ہوئے اپنے فتوے چلا رہا ہے۔

جس وقت سرکارِ مدینہ ﷺ کی یہ بات سنی تو حوصلہ ہوا کہ سرکار علیہ السلام اسکو قبول فرما رہے ہیں اب کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ

ھل علیّ فی ذالك شیٔ؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ عصمٰی بنت مروان کو قتل کرنے کی وجہ سے میں نے کوئی جرم کیا ہو؟ مجھ پر کچھ لازم آتا ہو کہ یہ کفارہ ہے تو نے یہ کیا۔ اے میرے محبوب علیہ السلام کچھ مجھ پہ لازم آتا ہے؟ کچھ میں نے حرج کیا یا کچھ میں نے غلطی کی؟

تو ہمارے آقا علیہ السلام نے یہ جملہ بولا:

لَا یَنْتَطِحُ فِیْھَا عَنْزَانِ

اسکا مفہوم یہ کہ اسمیں دو بھیڑیں نہیں لڑیں۔

یہ وہاں بولا جاتا ہے جہاں کوئی حرج نہ ہو۔

﴿ گستاخ رسول ﷺ کو قتل کرنے والا اللہ و رسول ﷺ کا مددگار ﴾

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ نہیں ہوا بالکل تم نے ٹھیک کیا۔ رسول

اکرم ﷺ نے جس وقت یہ لفظ بولے تو حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود کہتے ہیں میرے محبوب علیہ السلام نے یوں نگاہ دوڑائی کہ دائیں سے بائیں طرف دیکھا۔ فجر کی جماعت تھی اسکے بعد کا درس تھا جو ہم بھی فجر کی نماز کے بعد دے رہے ہیں اور پھر مناسبت بھی ہے کہ جس رات کو حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدلا لیا تھا وہ (25) پچیس رمضان المبارک کی رات تھی۔ یہ ان کا عہد محبت تھا۔

فَالْتَفَتَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اِلٰی مَنْ حَوْلَہٗ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے صدیق وعمر، سعد و سعید تمام صحابہ کرام کو دیکھ کر فرمایا:

اِذَا اَحْبَبْتُمْ اَنْ تَنْظُرُوْا اِلٰی رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ بِالْغَیْبِ فَانْظُرُوْا اِلٰی عُمَیْرِ بْنِ عَدِیٍّ

جس بندے کو یہ شوق ہو کہ میں ایسے بندے کی زیارت کروں جس نے غائبانہ رب کی مدد کی اور رب کے رسول علیہ السلام کی بھی مدد کی ہے اس بندے کو میرے عمیر کی زیارت کرنی چاہیے۔

(الصارم المسلول ص ۹۵ مکتبہ نشر السنۃ ملتان)

سرکار علیہ السلام کی بارگاہ میں ان کا عمل پسند بھی ہو گیا اور شان بھی مل گئی۔

اس سلسلہ میں درجنوں شواھد ہیں کہ ناموس رسالت ﷺ کا معاملہ ہو اور کوئی گستاخی کر جائے تو رسول اکرم ﷺ سے پوچھنا صحابہ کرام ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب ایک یہودی اور منافق فیصلہ لیکر آئے تھے تو یہودی نے کہہ دیا کہ تمہارے نبی علیہ السلام اسکا فیصلہ میرے حق میں کر چکے

ہیں۔ یہ کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لے گئے تلوار نکالی اور اس گستاخ کا سر اتار دیا۔

اتنی بات پر اُس کا سر اتار دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے بعد عمر کے پاس فیصلے کیلئے کیوں آئے؟ انہوں نے سرکار علیہ السلام کا فیصلہ معمولی سمجھا۔ ان سے دوسری بات نہیں کی کہ اس سے کچھ پوچھے اور نہ ہی نبی علیہ السلام سے جا کر پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی آپ سے فیصلہ کروا کے پھر کسی اور سے فیصلہ کروائے اسے کچھ کہنا چاہیے یا چھوڑ دینا چاہیے یہ تو پوچھ کے کرنا چاہیے تھا لیکن یہ ساری چیزیں پوچھے بغیر ایک کلمہ گو کو مار دیا اگر چہ وہ منافق تھا لیکن کلمہ تو پڑھتا تھا۔

اس منافق کے ورثاء رسول اکرم ﷺ کے پاس آگئے اور کہنے لگے عمر سے بدلہ لو اس نے مومن کو قتل کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بدلہ کس چیز کا لوں رب کا حکم آگیا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

(پارہ ۵ سورۃ النساء آیت ٦۵)

اُس وقت تک کوئی مومن مومن نہیں ہوسکتا جب تک نبی ﷺ کی حکومت کو تسلیم نہیں کر لیتا۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مومن کو نہیں کافر کو مارا ہے۔

بظاہر موقع ایسا تھا کہ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گرفت کرنی چاہیے تھی کہ تم اپنے آپ ہی فیصلے کرتے پھرتے ہو۔ مجھ سے پوچھا تو کرو، کیا کرنا ہے، کسی کو مارنا کوئی معمولی سا کام ہے۔

آپ پر گرفت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی فہرست آ گئی کہ قیامت تک کیلئے یہ فیصلہ ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی جائے تو پھر کسی مفتی کی حیثیت کیا ہے؟

کسی قاضی اور جج کی حیثیت کیا ہے؟

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ پر گرفت نہ ہو جائے۔ تو محبوب علیہ السلام نے جملہ بولا کہ اس نے اللہ اور اسکے رسول علیہ السلام کی غائبانہ مدد کر دی ہے۔

نَصَرَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بِالْغَيْبِ

اس نے غائبانہ اللہ اور اسکے رسول علیہ السلام کی مدد کی ہے۔

ایک یہ ہے میں خود کہوں کہ جاؤ فلاں کو مارو۔ اسکا عشق اتنا ایڈوانس ہے۔ میرے حکم کے بغیر غائبانہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور نذر مان لی ہے اور انہوں نے جا کر ایک گستاخ عورت کا سر اتار دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے سب کے سامنے اعلان کیا کہ جس کو یہ شوق ہو وہ ایسے بندے کی زیارت کرے جو اتنا مخلص ہے کہ غائبانہ بھی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول علیہ السلام کی مدد کرنے والا ہے۔

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس گستاخ عورت کو قتل کیا تو رسول اللہ ﷺ نے لفظ یہ بولے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی مدد کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کی مدد کی۔ عمومی طور پر جب یہ آتا ہے کہ فلاں نے نبی علیہ السلام کی مدد کی تو کچھ دل سے بڑے خوش ہوتے ہیں۔ تم تو کہتے ہو کہ وہ ہماری مدد کرتے ہیں وہ تو خود کسی کی مدد کے محتاج ہیں (معاذ اللہ)

اگر پہلا لفظ دیکھ لیا جائے تو سارے شک نکل جائیں گے اُس نے اللہ تعالیٰ کی

بھی مدد کی تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ تو سب کی مدد کرنے والا ہے تو مطلب کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد اللہ تعالیٰ کی مدد اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کی مدد اللہ تعالیٰ کی مدد جسطرح کہ (نَصرَ اللّٰهَ) کہنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا انکار نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عطا سے جو رسول اللہ ﷺ کی پاور چلے اسکا بھی انکار نہیں ہوتا، بلکہ شان کا اظہار ہوتا ہے۔

جسطرح قرآن مجید میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً

(پارہ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۲۴۵)

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرضہ دے؟

اسکا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو کوئی کمی آ گئی ہے دنیا کو کھلا کھلا کے اب قرض لے کے کھلانا چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی شان بڑھانا چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے۔

ادھر ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی مدد کرے اور اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کی مدد کرے۔ تو یہ لفظ اس امتی کی شان بڑھانے کیلئے استعمال کئے گئے کہ محبوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو کے اپنے غلاموں کے اس عشق کو قبول فرمانے والے ہیں۔

جس وقت رسول اکرم ﷺ نے یہ الفاظ بولے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے، آخر رشک تو آ جاتا ہے

جسطرح علامہ اقبال نے کہا غازی علم الدین شہید کے بارے میں کہا تھا

''ترکھاناں دا پتر بازی لے گیا''

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اطاعت خداوندی میں گم

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے

اُنْظُرُوْا اِلٰی هٰذَا الْاَعْمٰی الَّذِیْ تَسَرّٰی فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ

دیکھو اس نابینے کو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیسے آگے گذر گیا۔

اُنْظُرُوْا اِلٰی هٰذَا الْاَعْمٰی

اس نابینے کو دیکھو۔

تَسَرّٰی فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ

اطاعت خداوندی میں کیسے آگے نکل گیا!

اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ڈبو دیا ہے۔

قربان جاؤں محبوب علیہ السلام کو عاشق کتنا اچھا لگتا ہے۔ سرکار علیہ السلام کہنے لگے عمر سنو!

لَا تَقُلِ الْاَعْمٰی

ایسے بندے کو نابینا تو نہیں کہتے

جو رات کے وقت گستاخ عورت کو ڈھونڈھ کے مارے وہ نابینا نہیں ہوتا۔

لَا تَقُلِ الْاَعْمٰی لٰكِنَّهُ الْبَصِیْرُ

(الاصابۃ ج ۴ ص ۹۰)(الصارم المسلول ص ۱۳۰)

اے عمر اسے نابینا نہ کہو اس سے بڑی آنکھیں کس کی ہوسکتی ہیں۔

اسکو اعمیٰ نہ کہو اسکا عشق دیکھو اسکی آنکھ نہیں تو نہ سہی لیکن میرا عشق تو ہے۔ سرکار علیہ السلام نے اعمیٰ کہنے سے روک دیا اور آپ نے اپنے صحابہ کرام کو یہ انداز دیا۔

ہر ایک کی محبت کا منفرد انداز ہے اور منفرد طریقہ ہے۔

﴿حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ﴾

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أُتِیَ عُمَرُ بِرَجُلٍ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ فَقَتَلَه‘

ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے نبی علیہ السلام کو گالی دی ہے۔ آپ نے اسکو قتل کر دیا اور پھر آپ نے اپنے عہد حکومت میں اپنا آرڈیننس جاری کیا فرمانے لگے:

مَنْ سَبَّ اللّٰهَ اَوْ سَبَّ اَحَداً مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فَاقْتُلُوْه‘

(الصارم المسلول ص ۲۲۷، ۲۲۶)

جو بندہ رب کو گالی دے یا کسی نبی کو گالی دے تو عمر کا فتویٰ یہ ہے کہ اسکو قتل کر دو اسکے لئے جائز نہیں کہ وہ زمین پہ زندہ رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان جملوں سے یہ اعلان بھی ہے کہ آج کا یہودی اور عیسائی ہمارے آقا علیہ السلام کو بھونکتا ہے لیکن کیا ادھر سے یہ ہو سکتا ہے؟ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف زباں کھولے کوئی مسلمان ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف زبان کھولے یہ نہیں ہو سکتا۔

یہ ہمارا اجماعی اتفاقی فیصلہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف زبان کھولے گا تو اسکا سر اتارا جائے گا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی زبان کھولے گا تو اسکے اسلام کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اسکا سر اتارا جائے گا۔

تو ہم انٹرنیشنل فورم پر عیسائیوں اور یہودیوں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ تم نے یہ انا کا

مسئلہ بنالیا۔ گستاخیاں کرتے ہو اور پھر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ انکے نبی ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ تو وہ نبی ہیں جنہوں نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کی شان ماننا ہم پہ لازم کر دیا ہے جنکو تم اپنا نبی سمجھتے ہو وہ بھی ہمارے ہیں یہ ہے اسلام کی خوبی اور یہ ہے اسلام کا وقار، ایسا نہیں ہے کہ وہ ہمارے نبی علیہ السلام کی گستاخی کریں اور مسلمان کہے کہ ہم بدلا لینے کیلئے ان کے نبیوں کو ایسا کہتے ہیں۔ ایسا کرنا حرام ہوگا ناجائز ہوگا کفر ہوگا اور پھر ایسا کوئی کرتا ہی نہیں۔ اسکی کوئی مثال نہیں ملتی تو آج بھی اسلام کی انٹرنیشنل فورم پر برتری ہے۔ کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ ادب سکھایا ہے کہ ایک بھی ایسا واقعہ نہیں مل سکتا۔

دوسری طرف دن رات گماشتے باہر ہوں یا ہمارے ملک میں چھپے ہوئے ہوں ایسی شرارتیں کر رہے ہیں۔ انھیں اس پس منظر کو دیکھ کر توبہ کرنی چاہیے کہ اسلام کتنا خوبصورت مذہب ہے جس نے ہر ہر نبی کا ادب اپنے ماننے والوں پر لازم کر رکھا ہے۔

ذمیوں کے حقوق

ذمی کے بارے میں جو حقوق ہیں وہ بہت زیادہ ہیں مگر ذمی جب تک ذمی ہو اگر اس نے تھوڑی سی بھی گڑبڑ کی اسکو معاف نہیں کیا جائے گا ورنہ تو ہمارے آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے معاہد کو مارا

اَنَا حَجِيْجُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن ذمی کا وکیل میں بنوں گا۔

جس نے میرے غلاموں کے دیس میں ایک یہودی ایک عیسائی کو جو امن معاہدہ کر کے ذمی بن چکا تھا اسکو مار دیا، اسکا مال چھینا تو رسول پاک ﷺ فرماتے ہیں

قیامت کے دن میں اپنے غلام کی سائیڈ نہیں لوں گا بلکہ میں ذمی کی طرف سے آؤں گا کہ اس پر ظلم کیوں کیا گیا۔

آپ ﷺ اتنے ذمی کو حقوق دیئے لیکن ذمی ذمی تو ہو۔

رسول اللہ ﷺ پر تنقید سب سے بڑا جرم

اسکی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے

سب سے بڑا جرم جو ذمی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ پہ تنقید کرے یا اسلام پر تنقید کرے۔ اس کی وجہ سے اس نے عہد خود توڑا اب وہ ذمی نہیں رہا بلکہ محارب ہو گیا اس نے اعلان جنگ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ذمی کے بارے میں پتہ چلا کہ اس نے رسول اکرم ﷺ کی گستاخی کی ہے وہ راھب اور پادری تھا آپ فرمانے لگے میں اگر سنتا تو اسکو قتل کر دیتا۔

اِنَّا لَمْ نُؤْتِھِمُ الذِّمَّۃَ عَلٰی اَنْ یَّسُبُّوْا نَبِیَّنَا

ہم نے ان لوگوں کو رسول اکرم ﷺ کی توہین کیلئے ذمی نہیں بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے ان کو جو ذمہ دیا وہ یہ ہے کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ تو کیا انہیں ہم نے سرکار ﷺ کو گالیاں نکلوانے کیلئے ان ذمیوں کو پالا ہے؟ اور سرکار علیہ السلام کو گالیاں دینے کیلئے سنبھالے ہیں آپ نے فرمایا نہیں نہیں میں اس ذمی کا سر اتروں گا جو محبوب علیہ السلام کے خلاف بولے گا۔ اس لئے کہ اس نے خود ذمہ توڑا یہ ذمہ نہیں کہ تم ہمارے ملک میں رہو اور اسلام پر تنقید کرتے رہو اور رسول پاک ﷺ کی گستاخیاں کرتے رہو۔ ہم نے یہ ذمہ نہیں اٹھایا تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ انسان کے بچے بن کے رہو گے تو پھر تمہارے حقوق کا تحفظ ہوگا۔

یہود و نصاری کی گستاخانہ شرارتیں

اسواسطے آج کے شرارتی وہ یہودی ہوں یا عیسائی ہوں انھیں ذمی کے احکام کے تقاضے پورے کرنا لازم ہیں اور انکی طرف سے جو شرارتیں ہو رہی ہیں لاہور میں تین چار مقام پر مجمع عام میں گانے بجاتے ہوئے رسول اکرم ﷺ پر تنقیدیں کی گئی ہیں چونگی امر سدھو کے علاقے میں اور انکے علاوہ دیگر علاقوں میں ایسا ہوا اور پھر انکو ہمارے ارباب اقتدار ذمی کہہ کے آڑ دیتے ہیں وہ رحمت مسیح جیسے چوڑھے جس وقت محبوب علیہ السلام کی شان میں بھونکتے ہیں تو راتوں رات جرمن کے ویزے دیکر پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہ کوئی ذمہ نہیں یہ کوئی اسلام کی خدمت نہیں۔ یہ اسلام کے ذمے کا فلسفہ نہیں۔ جس نے ذمہ خود توڑا اس کا فیصلہ عاشقوں کی تلواریں کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واضح کیا اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک جملہ عرض کرتا ہوں۔

ذمیوں کی طرف سے مداخلت فی الدین کیا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام گئے ایک نبطی آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ملکر معاہدہ کیا کہ اب قبضہ تمہارا ہے ملک تمہارا ہے ہم نے رہنا ہے۔ ہمارے کچھ حقوق ہیں ہمارے حقوق کی حفاظت ہونی چاہیے۔

معاہدہ طے ہو گیا جب مجمع میں وہ معاہدہ پڑھا جانے لگا۔

تو اب دیکھنا کس چیز کو مداخلت فی الدین سمجھا جائے گا ہم کہتے ہیں ذمی ذمی رہیں ہمارے دین کو نہ چھیڑیں۔ ہمارے دین میں مداخلت نہ کریں۔ ہمارے دین پر تنقید نہ کریں۔ یہ کس وقت مداخلت اور تنقید ہوتی ہے آج تو صورتحال یہ ہے پورے

والا میں ایک سکول میں پادری کے استقبال کیلئے سارے مسلمان بچوں کو پادریوں والے کپڑے پہنائے گئے۔اس حدتک ان کی شرارتیں بڑھ چکی ہیں۔

شام میں جس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع میں عہد نامہ پڑھنے لگے، خطبہ پڑھا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَعِیْنُہٗ

ساری تعریفیں اللہ کی ہیں میں اسکی حمد کرتا ہوں اور میں اس سے مدد چاہتا ہوں۔

مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ

جس کو اللہ تعالیٰ ھدایت دے اسکو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔

وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ

اور جسے رب گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع عام میں جب یہ پڑھا تو ایک نبطی نے جو آپ کے ساتھ ہی کھڑا تھا اس نے لقمہ دیا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِلُّ اَحَداً

اللہ تعالیٰ کسی کو نہیں گمراہ کرتا۔

تم یہ خطبہ غلط پڑھ رہے ہو۔ خطبہ میں تھا کہ جسے رب گمراہ کرے اُس کو کوئی ہدایت نہیں دیتا۔رب کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت قرآن مجید میں ہے:

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْراً وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْراً (آیت ۲۶ سورۃ البقرۃ)

اس قرآن سے کئی لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اور کئی لوگوں کو گمراہ کردیتا ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جسے رب گمراہ کردے اسے کوئی

ہدایت نہیں دے سکتا۔ تو وہ ذمی بولا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ بظاہر تو وہ توحید بیان کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت نہ کرو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ دور تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا

مَاتَقُوْلُ؟

کیا کہہ رہے ہو مجھے کچھ سبق پڑھانا چاہتے ہو؟

قَالَ لَاشَیْءَ

اس نے کہا کچھ نہیں کہہ رہا خاموش ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پڑھا اس سے پھر کہا آپ نے فرمایا سننے والو یہ بتاؤ کہ یہ کہتا کیا ہے؟

اَخْبِرُوْنِی مَایَقُوْلُ

مجھے بتاؤ یہ کیا کہتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں یہ بولتا نہیں میں پڑھتا ہوں لیکن پھر یہ بولتا ہے۔ یہ کیا کہتا ہے؟

قَالُوْا یَزْعُمُ اَنَّهٗ لَا یُضِلُّ اَحَدًا

لوگوں نے کہا کہ یہ کہتا ہے اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا، تو یہ نہ کہو جسے رب گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس سے لازم آتا ہے رب ہی بندوں کو گمراہ کرتا ہے جبکہ رب کسی کو گمراہ نہیں کرتا، اسواسطے یہ جملہ خطبہ میں سے کاٹ دو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکی بات سن کے عہد نامہ پڑھنا بند کر دیا فرمانے لگے:

اِنَّا لَمْ نُؤْتِكَ الَّذِیْ اَعْطَیْنَاكَ لِتَدْخُلَ عَلَیْنَا فِیْ دِیْنِنَا

یہ ہمارا دین ہے، ہم نے تجھے جو ذمہ دیا اس لئے نہیں دیا کہ تم ہمارے دین میں مداخلت کرو، تمہیں رب کی شانوں کا پتہ نہیں ہے ہم قرآن سے بول رہے ہیں اور کوئی پاور نہیں ہے ہدایت جس پاور کی طرف سے آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اور اگر کوئی کفر کرتا ہے تو کوئی اور خدا نہیں جو کافر کو طاقت دے کافر کی اپنی مرضی ہے۔ پکڑا یہ جائے گا مگر جو طاقت کفر میں استعمال ہوئی وہ طاقت پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ تو اس کی نسبت رب کی طرف اس لحاظ سے ہے۔ وہ جو گمراہ ہے وہ اپنے عمل کی وجہ سے جہنمی بن جائے گا۔ قدرت رب کی ہے طاقت رب نے پیدا کی۔ لیکن اسکو استعمال اس نے اپنی مرضی سے کیا۔ لہٰذا اس لحاظ سے جو نسبت رب کی طرف ہو رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکی وضاحت کو ضروری نہیں سمجھا۔ دو ٹوک لفظوں میں کہہ دیا۔ اس وقت سمجھانا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ ہم یہ کیوں کہہ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عہد نامہ ختم ہے اور ہم تمہیں عہد اس لئے نہیں دے رہے تھے کہ تم ہمارے دین میں مداخلت کرو۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَئِنْ عُدْتَّ لَاَضْرِبَنَّ الَّذِیْ فِیْهِ عَیْنَاكَ

(الصارم المسلول ص ۲۲۷،،۲۲۶)

مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اب اگر تو نے یہ جملہ دوبارہ بولا تو تیرا سر بدن کے ساتھ نہیں رہے۔

وہ جو میں نے خود لکھا سیاہی خشک ہوگئی۔ ابھی وہ خشک نہیں ہوئی تھی تو بول پڑا پھر تو اس پر کیا عمل کرے گا اب میں بھی اس پر عمل نہیں کروں گا جو ذمہ تھا وہ ختم

ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں اس جگہ کو ماروں گا جس میں تیری آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ تیرا سر اتاروں گا۔

یہ جملہ بولنے سے عہد ٹوٹ گیا۔ صرف اتنے جملے سے عہد ختم ہو گیا۔

آپ نے فرمایا کہ جو رسول اللہ ﷺ کا دین پڑھے ہوئے ہوں انھیں تجھ جیسے پادری کی کیا ضرورت ہے؟ تو ہمیں مشورے دینے آیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تیرے ساتھ کوئی عہد نہیں ہے۔ اگر تو نے اب دوبارہ یہ جملہ بولا تو تیرا سر میں اتاروں گا۔

ادھر تو یہ صورتحال ہے کہ اس سے ہزار درجہ وہ بھگوڑے آگے بڑھے ہوئے ہیں پھر بھی یہ ذمی ہونگے تو کیسے ہونگے؟ اس لیے ذمہ اور اسکے جو تقاضے ہیں ہم خود اس کے علمبردار ہیں مگر ذمیوں کو یہ احساس کرنا چاہیے کہ وہ کہاں سے بولتے ہیں کیسے بولتے ہیں اور انھیں اپنے آپ کو لگام دیکر رکھنا چاہیے کہ روزانہ کی شرارتیں اور رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف پروپیگنڈے جو انکے معمول کا حصہ بن چکے ہیں اسکی اجازت غلامان مصطفیٰ ﷺ ہرگز نہیں دے سکتے۔

موجودہ صورتحال بڑی تشویشناک

اس اختصار کے ساتھ موجودہ صورتحال میں جو ہمارے سامنے مسائل پیش ہوئے انکے لحاظ سے سب سے بڑا مسئلہ برطانیہ کی طرف سے رشدی کو سر کا خطاب دینے کا تھا۔ یعنی جس میں قانونی طور پر ایک حکومت نے گستاخوں کو شیلٹر دیا کہ جس نے ہمارا ویزہ لینا ہو، ہمارے پاس ہماری سیکیورٹی میں رہنا ہو، ہمارے کروڑوں ڈالر لینے ہوں وہ مسلمانوں کے نبی علیہ السلام کی توہین کرے (معاذ اللہ) اور ہمارے پاس آجائے

ہم اسکو سر کا خطاب بھی دیں گے اور سنبھال کے بھی رکھیں گے۔

ملکہ برطانیہ نے یہ انعام دیکر مسلم امہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ آج اگر کوئی یہ موضوع پیش کرتا ہے تو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ جاذبیت پھیلا رہے ہیں ادھر دیکھو انکی وہ بوڑھی ملکہ جسکی ٹانگیں قبر میں ہیں اسکے دل میں نبی علیہ السلام کا بغض کتنا ہے ایک کتے کو سر کا خطاب دینے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔

یعنی وہاں پر رسول اللہ ﷺ کا بغض بوڑھوں میں بھی نوجوان ہے ادھر جوانوں میں عشق بوڑھا ہو جائے تو پھر بچنے کی صورت کیا ہے؟ اسواسطے اگر اس بوڑھی جہنمی خاتون ملکہ برطانیہ میں اتنا بغض ہے تو پاکستان کی سو سالہ بوڑھی کے اندر اس سے زیادہ سرکار علیہ السلام کا عشق ہونا چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ کے دشمن کو وہ نوازتے ہیں۔ سب سے بڑا سر کا خطاب دینے والے ہیں۔

میں نے اس موقع پر کہا تھا کہ

ایک کتے کو اگر ملکہ کہے عالی جناب
دیکھ لو پھر کتنا سستہ ہو گیا سر کا خطاب

سر کے خطاب کی اُنکے نزدیک بڑی ویلیو ہے تو ہم نے کہا کہ پتہ چل گیا کہ سر کا خطاب ''قیمتی'' کتنا ہے۔ ہمارے عرف میں جو بھونکنا شروع کرے اسکو ان کے لحاظ سے سر کا خطاب دیا جاتا ہے ہمارے ماحول کا جو کتا ہو اسکو بھی بوٹیاں ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔

کس لئے شیطان رشدی کو لیا ہے گود میں
خود کیا ملکہ برطانیہ نے امن عالم کو خراب

جس کی اک اک گھونٹ میں ہے نفرتوں کی گندگی
اہلِ مغرب پی رہے ہیں رات دن ایسی شراب

نہ حیا اپنے نبی کا نہ خیالِ مصطفیٰ ﷺ
کس قدر مردار ٹھہرے آج یہ اہلِ کتاب

سر کا دینا سر کا لینا اپنا اپنا ہے عمل
انکا دینا ہے خطا اور اپنا لینا ہے ثواب

بالیقیں وہ پوری امت کا بنے گا تاجِ سر
کاٹ کے سر اس کمینے کا بنے جو کامیاب

آج یہ لہجے کی شدت سنتِ حسان ہے
اس لئے آصف یقیناً پائے گا اجر و ثواب

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر
2

آئمہ محدثین اور اہل قبور سے استمداد

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل اور اسکی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام ۱۴ ویں سالانہ فہم دین کورس کے پندرھویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

''آئمہ محدثین اور اہل قبور سے استمداد''

میری دعا ہے خالق کائنات ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اسکے ابلاغ و تبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو قبور کے لحاظ سے جو رہنمائی فرمائی ہے

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن بریدۃ رضی اللہ عنہ اپنے باپ حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا

(صحیح مسلم کتاب الجنائز باب اسْتِئْذَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ ج ا ص ۳۱۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

تمہیں میں نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو۔

آغاز میں تو منع کیا گیا لیکن اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے اجازت عطا فرمائی اور خود شہداء احد کی قبور پر تشریف لے جاتے رہے۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ

کرام کا بھی یہ عمل رہا، تابعین، تبع تابعین اور آج تک امت مسلمہ کا یہ عمل موجود ہے۔

ہمارا موضوع صرف آئمہ محدثین کے لحاظ سے ہے اور اس وقت یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ صرف زیارت قبور کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ قبور کا احترام اور انکی تعظیم بھی کرتے تھے۔ وہاں جانے کو اپنے لئے مفید بھی سمجھتے تھے۔

اور مزارات کی حاضری کو اپنے لئے متبرک سمجھتے تھے۔ وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنی مشکلات پیش کرتے تھے اور اہل قبور سے سفارش کی استمداد کے نتیجہ میں انکی مشکلات حل ہو جاتی تھیں۔

استمداد کا لغوی معنی ہے مدد کو طلب کرنا ہے۔

﴿زیارت قبور کے لحاظ سے آئمہ محدثین کے معمولات﴾

جو عمل ہم آئمہ محدثین کا پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک طبقہ کے تقاضا کے مطابق ہے کہ کسی فقیہ، صوفی، زاہد و سالک کا جس وقت عمل انکے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تو وہ محدث کی ترجیح کو بیان کرتے ہیں اور محدثین کی ولیو اور اہمیت کا احساس دلاتے ہیں کہ محدثین کی سنت پر پابندی (ان لوگوں کے بقول) زیادہ ہے۔

اس لیے آج ہم محدثین میں سے جو آئمہ محدثین ہیں ان کا عمل پیش کریں گے کہ وہ اپنی زندگی میں قبور کی کس قدر حاضری دیتے تھے اور اگر اُن سے یہ بات ثابت ہوگئی تو پھر انھیں انکا عمل ضرور قبول کرنا چاہیے اور پھر ہم جس مسلک پر ہیں وہ صدی یا ڈیڑھ صدی کی پیداوار نہیں ہے۔ امت کی پوری عمر کے اندر ہر دن میں موجود ہے۔ تو پھر دوسرے لوگ حدیث اور محدثین کا نام لیتے ہیں۔ انھیں حدیث کی سند نبی علیہ السلام تک پہنچانے

کیلئے اور محدث ڈھونڈنے چاہیں کہ جنکا عقیدہ ان لوگوں کے عقیدے کی طرح کا ہو۔ چونکہ جو محدث میدان عمل میں ہیں، خواہ وہ بخاری کے اساتذہ ہوں یا بخاری کے تلامذہ ہوں یا خود امام بخاری ہوں وہ آئمہ محدثین جنکی کتابیں متداول ہیں۔ اس امت میں تدوین حدیث کے لحاظ سے ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب وہ ہمارے عقیدے پر ہیں اپنا عقیدہ ان لوگوں کے نزدیک معاذ اللہ شرکیہ عقیدہ ہے۔

﴿استمداد اور اہلِ ھواء﴾

کسی قبر کی تعظیم کرنا وہاں جا کر آنسو بہانا، وہاں جا کے استمداد کرنا، زیارت کیلئے جانا ان لوگوں کے نزدیک محض بدعت نہیں بلکہ شرک ہے (معاذ اللہ اور شرک بھی وہ جو ابو جہل کے شرک سے بڑا شرک ہو۔

اس پر باقاعدہ ان لوگوں نے فتوی لگایا کہ جو شخص بھی مزار کی نیت سے گھر سے نکلتا ہے یعنی صرف جانے سے ان کے بقول شرک ہو جائے گا، استمداد تو بڑی دور کی بات ہے۔ جو اس مقام کی تعظیم کے پیش نظر گھر سے جائے تو اسکا یہ شرک ابو جہل کے شرک سے بڑا شرک ہے۔

یہاں تک لکھ دیا کہ پہلی قوموں میں یغوث اور لات ومنات تھے اس امت میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالی وہ اس طرح کے لوگ ہیں (معاذ اللہ) ان لوگوں نے اللہ تعالی کے اولیاء کو پہلی امتوں کے بتوں کے ساتھ ملا کر ان اولیاء کے معتقدین کو مشرکین کے ساتھ ملایا اور پھر (معاذ اللہ) انتہائی شرک کا الزام دیا۔

ادارہ صراط مستقیم کا بدعقیدگی کے خلاف جہاد

اس لیے میں پورے وثوق اور ذمہ داری سے یہ موضوع پیش کر رہا ہوں اس ظلم کے جواب میں جو صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ پوری امت پہ کیا گیا، یعنی صحابہ کے مذہب کو اگر شرک کہا جائے تو اس سے بڑا اور ظلم کیا ہوگا۔ تابعین کے مذہب کو شرک کہا جائے تو اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ تبع تابعین کا جو مذہب ہے اسکو شرک کہا جائے تو اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔

اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ حج کے موقع پر جب کعبہ میں پوری دنیا سے فرزندان توحید پہنچے ہوئے ہوں تو وہاں بھی کچھ لوگوں کی طرف سے یہ بات سننے کو ملتی ہے کہ

"اکثر بلاد اسلامیہ اس وقت مشرک ہو چکے ہیں" میں نے اپنے کانوں سے وہ تقریر سنی اور پھر وہ تقریر (المدینہ) اخبار میں بھی چھپی۔

لَقَدِ اسْتَحْكَمَتْ هٰذِهِ الرَّزِيَّةُ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْبِلَادِ الْاِسْلَامِيَّةِ

اکثر مسلمان ممالک مشرک ہو چکے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ یہ قبروں کی زیارت کیلئے گھروں سے جاتے ہیں۔ تو یہ شرک ہے پھر اسکے بارے میں کہا کہ

مِنْ اَعْظَمِ اَنْوَاعِ الشِّرْكِ

(اخبار "المدینہ" ۱۳ جنوری ۲۰۰۷)

یہ شرک کی بڑی اقسام میں سے ایک بڑی قسم ہے۔

یعنی گھر سے ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کی زیارت کیلئے جانا اسکو شرک

کی بڑی انواع میں سے شمار کیا۔

کیا اس سے زیادہ کسی مہمان کی بے قدری اور توہین ہو سکتی ہے؟ رب کے بندے رب کے گھر میں حج کرنے گئے ہوں اور انکو وہاں سے مشرک ہونے کی گالی دی جارہی ہو اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ اکثر بلاد اسلامیہ میں پہلے نمبر پر انکے نزدیک پاکستان ہے پھر افغانستان، بنگلہ دیش اور انڈیا ہے اور پھر عرب ممالک عراق، شام، مصر وغیرہ جہاں انکی اپنی حکومت نہیں وہاں پر تمام لوگوں پر شرک کا الزام لگایا گیا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بد نام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کے ساتھ اتنا ستم اور اتنا ظلم کرنا۔

حالانکہ انکے بارے میں ہے:

عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ

حضرت ایوب حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْحَاجُّ وَفْدُ اللهِ (مصنف ابن ابی شیبۃ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حاجی تو اللہ تعالیٰ کا ڈیلیگیشن (delegation) یعنی وفد ہیں۔

کیا یہ گھر چھوڑ کے وہاں شرک کا فتویٰ لینے گئے تھے؟ انھیں برملا کعبے میں بیٹھ کر یہ کہا جارہا ہے کہ تم حج کرنے آگئے ہو لیکن ہو تم مشرک کیونکہ اکثر بلاد اسلامیہ کے

لوگ وہاں پر موجود ہیں۔ اکثر اسلامی ممالک کے لوگ مشرک ہیں تو اسی تناسب سے حاجیوں میں ان کی تعداد بھی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں بیٹھ کر فرقہ واریت پھیلا رہے ہیں اور اوپر سے کہتے ہیں کہ ہم وحدت اور اتحاد کے داعی ہیں۔

اسے اس آواز کو ہر افق پر بلند کرنا لازمی ہے کہ یہ دین جو شروع سے چلا آرہا ہے۔ اسکو کسی حکومت کے ریالوں سے مٹایا نہیں جا سکتا اور اس حقیقت کی آواز کو دبایا نہیں جا سکتا۔ اس لئے شروع سے لیکر آج تک صراط مستقیم کا جو نور ہے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ قیامت تک باقی رہے گا۔

قبر کی حیثیت اور اس کی حقیقت

سب سے پہلے قبر کی حیثیت کو دیکھنا چاہیے کہ قبر ہے کیا؟ عمومی طور پر قبر کو ایک گڑھا سمجھا جاتا ہے بندے کو اس گڑھے میں ڈال دیا گیا وہاں جانے سے فائدہ کیا ہو سکتا ہے اور اس جگہ کا مقام کیا ہو سکتا ہے۔ اگر قبر کو گڑھا سمجھا جائے تو پھر جانے کی ضرورت بھی کوئی نہیں ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ

(الجامع الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ ج ۲ ص ۷۳ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوتی ہے۔

اہل ایمان اور پھر کامل مومنین کی قبر گڑھا نہیں ہوتی انکی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے اور جنت کی زیارت کو شرک کون کہے اور جنت سے فائدہ اٹھانے کو شرک کون کہے اور جنت میں جا کے محروم کون رہے۔ جب ہمارے آقا علیہ السلام نے اسکو ریاض الجنۃ کہہ دیا کہ وہ قبر ہے اور حق پرست وہاں دفن ہے۔ جسکا سینہ اللہ تعالیٰ کے نور کا مدینہ بنا رہا ایمان جس میں جلوہ گر رہا۔ اب وہ جس جگہ پر آرام کر رہا ہے اسے عام جگہ جیسا نہ سمجھا جائے۔ اگر وہ مومن ہے اور کامل مومن ہے تو یقیناً اسکی قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

انسان کا خمیر اور قبر کی مٹی

وہ جگہ جہاں کوئی دفن ہے اس جگہ کی ویلیو اسکے مہمان کے لحاظ سے ہوتی ہے۔

اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا وَقَدْ ذُرَّ عَلَیْہِ مِنْ تُرَابِ حُفْرَتِہٖ

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب ما جاء فی قبر النبی وابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مصنف عبد الرزاق حدیث نمبر ۶۵۳۲)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو جس وقت ماں کے رحم میں اس میں جان ڈالی جاتی ہے اس سے پہلے اسکے خمیر میں اسکی قبر کی مٹی کو شامل کیا جاتا ہے۔

جہاں اس نے فوت ہونا ہوتا ہے وہاں کوئی حاجت ہوتی ہے، اور جہاں اس نے دفن ہونا ہوتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ تو قبر کی زمین کا تقدس سمجھنا ہے تو پھر اس شخص کا مرتبہ دیکھو جو وہاں پر دفن ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جس جگہ پر دفن ہیں تو وہ جگہ کیوں مقدس ہے؟ کہ وہ جگہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خمیر میں داخل کی گئی تھی۔ اللہ کا ولی جہاں دفن ہے اللہ تعالیٰ کے صدیق اور اللہ تعالیٰ کے شہید اور اللہ تعالیٰ کے صالحین جس جگہ پہ دفن ہیں اس جگہ کی ویلیو کیوں بڑھ گئی ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جسکو یہ تقدس ملا اس صوفی، اس سالک، اس قطب، اس غوث اور اس عظیم انسان کے خمیر میں اس مٹی کو شامل کیا گیا تھا لہٰذا یہ مٹی عام نہیں بلکہ یہ مٹی ساری زندگی رب کو سجدہ کرنے والی مٹی ہے۔

﴿مومن کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ﴾

تو یہ اصل وجہ ہے قبر کی جگہ اور عام جگہ میں فرق ہے قبر میں جو لیٹا ہے اس زمین کو ایک نسبت پہلے حاصل تھی اور اس کو عظمت مل گئی ایک وہ نسبت ہے کہ اس میں پہنچنے والا پہنچ جاتا ہے تو اس وقت نسبت مل جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ۔

جس وقت میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اسکا امتحان ہوتا ہے۔ امتحان میں جب وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی ہے۔

فَيُنَادِي مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ

آسمان سے یہ آواز آتی ہے۔

وہ دوسرا جہان ہے اس جہان کی نہ ہمیں آواز آتی ہے نہ ہم اس بندے کو دیکھ سکتے جو قبر میں ہے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ یہ غیب دان نبی علیہ السلام کا

احسان ہے کہ جس نے غیب کی باتیں ہمیں بتائی ہیں۔

آسمان سے آواز آتی ہے۔

أَنْ صَدَقَ عَبْدِي فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ

میرے بندے نے سچے جواب دیئے ہیں لھذا اس کے لیے فرش جنت کا بچھا دو

یعنی جس نے مجھے رب کہا اور دین کو اسلام کہا اور میرے محبوب کو نبی علیہ السلام کہا اب اسکو پہلے کی طرح نہیں رہنے دینا جو چند لمحے حساب سے قبل قبر میں گذرے تھے۔

اب وہ ویسے نہیں رہے گا۔

فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ

اس کے لیے فرش جنت کا بچھا دو

قبر تو اس میرے بندے کی ہوگی لیکن اس قبر میں فرش جنت کا ہوگا اس میں بستر جنت کا لگے گا۔ نیچے گدا اور تکیہ جنت کا لگے گا۔

وَأَلْبِسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ

اور اس کو لباس جنت کا پہنا دو اور اس کے لیے دروازہ جنت کا کھول دو

اور اسکا لباس بھی جنت کا ہوگا۔

وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الجنائز ص ۱۴۲ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

اس کے لیے دروازہ جنت کا کھول دو

اسکی قبر میں دروازہ جنت کا کھلے گا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان برزخ کے معاملہ کا ہے۔ ہمیں دیکھ کر بھی اتنا یقین نہیں ہو سکتا جتنا سرکار علیہ السلام کے فرمانے پہ

ہو گیا ہے۔ کہ واقعی ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی قبر ملے گی۔ دروازہ جنت کا لباس جنت کا، نیچے بچھونا جنت کا ہے۔

اسلام میں قبر کا تقدس

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے واضح کیا کہ ایک طرف شعلے ہوں اور دوسری طرف قبر ہو تو انگاروں پہ قدم رکھنا ہلکا امر ہے قبر پر قدم رکھنے کے مقابلے میں کیونکہ قبر کا ایک تقدس ہے وہ قبر دنیا میں جنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ لفظ ارشاد فرمائے۔ جس جگہ ہوائیں جنت کی ہوں اور وہ جنت کا باغ کہلائے۔ اسکو دیکھنے میں پھر حرج کیا ہے؟ اسکی نیت سے جانے میں پھر اعتراض کیوں ہے؟ وہاں جانے والے کو محروم کہنے کی ضرورت کیا ہے۔ جب رب نے اسکو جنت بنایا اور وہاں جنت کی ہوائیں چلیں۔ قبر کے بارے میں فرمایا کہ قبر میں بستر جنت کا اور قبر میں اسکا لباس جنت کا اور قبر میں ہوائیں جنت کی۔

یہ نظام رب ذوالجلال کا ہے کہ جنت آسمانوں کے اوپر اور قبر زمین کے اندر مگر دروازہ جنت کا قبر میں کھل جاتا ہے۔ جو قبر کی شرعی حیثیت ہے۔ اگر کوئی شخص اسکا مطالعہ کرے مجھے امید ہے کہ وہ کبھی بھی قبر کو بت نہیں کہے گا۔ اور کبھی بھی قبر کی اس حیثیت کا انکار نہیں کرے گا جو قبر میں آنے والے کی وجہ سے قبر کو ملی ہے۔

لیکن قبر پہ جانے والے کو جو آداب اختیار کرنے چاہیں اور جو تقاضا ہے۔ وہ ایک مستقل سبق ہے۔ جہاں کجی ہے اس کجی اور بگاڑ کو صحیح کرنا یہ ہمارا اپنا جہاد ہے۔ لیکن ہم ایسا نہیں کرنے دیں گے۔

کسی آنے والے طوفان کا ڈر اوا دیکر

نا خدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا

قبر کی جو حیثیت ہے جو زیارت قبور کا مقام ہے اور جو استمداد کی حیثیت ہے۔ اس پر یقین رکھنا پڑے گا۔ اسکے بعد اگر کوئی نازیبا حرکت کرتا ہے۔ اگر کوئی اسلام کی حدود کو پھلانگنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اسکو لگام دینا ہمارا کام ہے نہ یہ کہ حقیقت کا انکار کر دیا جائے اور اُس حقیقت کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جائے۔

﴿حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ﴾

بخاری و مسلم میں یہ حدیث شریف موجود ہے:

حضرت سیدنا ابو هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ملک الموت عزرائیل علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ جب یہ روح قبض کرنے کی بات کرنے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے سے تھپڑ رسید کر دیا۔ حضرت ملک الموت کو جب تھپڑ مارا۔

فَفَقَأَ عَيْنَهُ

اسکی آنکھ نکال دی۔

آپ کا اتنا زبردست تھپڑ تھا۔

فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ قَالَ

حضرت عزرائیل علیہ السلام رب کے پاس گئے اور کہنے لگے۔

أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ

میرے رب تو نے مجھے اس بندے کی طرف بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔

اب پتہ چلتا ہے کہ اوروں کے پاس ملکوت الموت اور طرح جاتے ہیں اور خواص کے پاس اور طرح جاتے ہیں ورنہ کسی کی کیا مجال ہے کہ کچھ کہہ سکے اسکو جا کر دبوچ لیں اور جان نکال لیں تھپڑ کھانے کی ضرورت کیا تھی۔

باقاعدہ عزرائیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشورہ کرنے لگے کہ مجھے رب نے بھیجا ہے آپکی جان نکالنی ہے۔ تو انہوں نے آگے سے تھپڑ مار دیا۔

اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پہ غصہ نہیں آیا، کون ہوتا ہے میرے فرشتے کی آنکھ نکالنے والا میں اسکا محاسبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جواب نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا کہ آنکھ میں صحیح کر دیتا ہوں تو پھر اُن کے پاس چلا جا۔

بخاری و مسلم کے جو ظاہری لفظ ہیں ان سے پتہ چلا کہ لوگوں نے نکمی سوچوں سے یہ سوال بنا رکھے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نور ہوتے تو پھر زخمی کیوں ہوتے۔ نور کا تو خون نہیں بہتا۔ جبکہ فرشتے تو نور ہیں لیکن یہاں پر اسکی آنکھ نکل گئی۔ اس سے پتہ چلا کہ یوں زخمی ہو جانا نور ہونے کے منافی نہیں ہے، ایسا ہو سکتا ہے۔

جس وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جاؤ میرے کلیم کے پاس ہم انہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تمہاری آنکھ ٹھیک کرتے ہیں۔

قَالَ ارْجِعْ اِلَيْهِ فَقُلْ لَهٗ

تم دوبارہ واپس چلے جاؤ اور انھیں جا کر کہو۔

اب اُن سے پہلے کی طرح بات نہ کرنا۔ بلکہ تم انھیں یہ کہو۔

يَضَعُ يَدَهُ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهُ بِمَا غَطَّتْ يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ

وہ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھیں تو جتنے بال انکے ہاتھ کے نیچے آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمر بڑھا دی جائے گی۔

اس سے بہت زیادہ عمر بڑھ سکتی تھی۔ حضرت ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تمہیں انعام دے دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مارا تھپڑ تھا لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں اور کوئی بندہ ملک الموت کے سامنے اونچی آواز تو کرے۔ آپ نے جب تھپڑ مارا تو ملک الموت نے یہ نہیں کہا کہ آنکھ تو نکل گئی ہے لیکن اب میں جان نکال کے جاؤں گا۔ انھیں پتہ ہے کہ آخر رب کے کلیم ہیں۔ رب نے جو کہنا ہے وہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی مواخذہ نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ میرے فرشتے تم اُن سے کہو بیل کی جلد پہ ہاتھ رکھیں جتنے بال انکے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے سال عمر بڑھا دی جائے گی۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ پیشکش کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ جب یہ سال گذر جائیں گے۔

أَيْ رَبِّ ثُمَّ مَهْ

اے میرے رب پھر کیا ہوگا۔ اتنے سال جب مزید گذر گئے تو پھر کیا ہوگا۔

قَالَ ثُمَّ الْمَوْتُ

فرمایا کلیم پھر موت ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے۔

قَالَ فَالْآنَ

پھر مجھے ان سالوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ابھی میری جان نکالو۔

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت دے دی کہ میری جان نکال لی جائے۔ (ایسے انبیاء کرام کا اپنا سٹیٹس ہے فرشتے اجازت مانگتے ہیں پوچھتے ہیں۔ اجازت ملتی ہے تو پھر وہ روح نکالتے ہیں۔ عام لوگوں کی طرح آکر دبوچ نہیں لیتے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا انبیاء کرام کا قرب

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا۔

فَسَأَلَ اللّٰهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ

اے میرے رب میں مرنے کو تیار ہوں میری روح نکل جائے۔ لیکن میری ایک حاجت ہے۔ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس جگہ پہ موت نہ آئے۔

أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ

مجھے بیت المقدس کے قریب کیا جائے۔

رَمْيَةً بِحَجَرٍ

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب مِنْ فَضَائِلِ مُوسَىٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ج۲ ص۲۶۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بیت المقدس کے اتنا قریب ہو جاؤں کہ درمیان میں صرف اتنا فاصلہ ہو جتنا پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو خود نبی ہیں۔ وہ بھی قبر وہ ڈھونڈنا چاہتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات موجود ہیں۔

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ ایک عظیم تابعی

ان کا زمانہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانے کے بالکل قریب ہے۔ انہوں نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی پڑھا حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پڑھا۔

پھر محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالی وہ استاد ہیں جنکے شاگرد حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالی محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالی وہ استاد ہیں جنکے شاگرد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی، محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالی وہ استاد ہیں جنکے شاگرد حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ تعالی جیسے ہوں اتنے عظیم فقہا اور محدثین جنکے شاگرد ہوں وہ خود کتنا بڑا امام ہوگا۔

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالی کی ولادت

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالی کی ولادت ۳۱ھ کو ہوئی۔ یعنی ان کا زمانہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ کے قریب ہے۔ انہوں نے متعدد صحابہ کرام سے ملاقات کی اور ان سے شرف تلمذ حاصل کیا اور پھر آگے پڑھاتے رہے۔

محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ کیا تھا؟ یہ خود جڑ ہیں اور اصل ہیں اس سے پھر ہزاروں اور لاکھوں شاخیں نکلیں یعنی جب امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے استاد ہوں وہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کہ امام بخاری کے اکثر استاد حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

ان سے اوپر ایک مکمل نیٹ ورک ہے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالی کا اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کا اور حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ تعالی کا، اور پھر یہ نیٹ ورک جہاں سے چلا ہے وہ حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں پھر صحاح ستہ والے تمام محدثین انکے شاگرد ہیں۔

اگر سارا حوض گدلا ہو گیا تو پھر پیچھے بچ کون سکے گا اور پھر آگے وہ پانی پی کون سکے گا۔ حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کا وہ عقیدہ جسکو آج کوئی شرک کا الزام دے اسکو اپنی سوچ کا آپریشن کرانا چاہیے۔ حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ اگر شرکیہ ہے تو پھر وہ ساری حدیثیں جو انکے ذریعے سے پہنچی ہیں غیر معتبر ہو جائیں گی۔

﴿حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا خوبصورت عقیدہ﴾

انکے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں لکھا کہ حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر در رسول ﷺ پہ بیٹھے رہتے تھے۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ

جب وہ اپنی جانوں پہ ظلم کر بیٹھیں تو اے محبوب وہ تمہارے پاس آجائیں۔

مجرم بلائے آئے ہیں جَآءُوْكَ ہے گواہ

پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ

وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور رسول پاک ﷺ انکے لئے سفارش کر دیں۔

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

تو وہ اللہ کو تواب و رحیم پالیں گے۔

یہ رسول اکرم ﷺ کی ظاہری حیات کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ امت نے اسکو ہر زمانے کیلئے عام سمجھا۔ جو وہاں جا سکتا ہے وہ وہاں ضرور جائے جو نہیں جا سکتا سرکار ﷺ کیلئے تو کوئی دوری نہیں ہے۔

اس لیے کہ بخاری شریف میں ہے کہ

رسول پاک ﷺ اپنا ہاتھ لمبا کریں تو جنت میں ہاتھ پہنچ جائے اور وہاں ہاتھ سے گچھا بھی پکڑ لیں تو پھر اس ہاتھ کو پاکستان آنے میں دیر کیا لگے گی۔

رسول اکرم ﷺ کے روضہ پاک کے قریب حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا کرتے تھے۔

وَكَانَ يَأْتِي مَوْضِعًا مِنَ الْمَسْجِدِ يَتَمَرَّغُ فِيْهِ

حضرت محمد بن منکد رحمۃ اللہ علیہ مسجد نبوی شریف کی ایک جگہ پہ آ کے لیٹتے تھے اورلوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔

وَيَضْطَجِعُ

اور وہاں لیٹ جاتے تھے۔

فَقِيْلَ لَهُ فِي ذٰلِكَ

تو ان سے کہا گیا کہ اسکا سبب کیا ہے؟

فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ

تو وہ کہنے لگے کہ اگر چہ میں پیدا بعد میں ہوا ہوں مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس جگہ دیکھا ہے۔

تو ان کا عقیدہ کیا تھا؟ اسماعیل بن یعقوب کہتے ہیں۔

كَانَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ يَجْلِسُ مَعَ أَصْحَابِهِ

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے اردگرد مجمع لگا ہوتا تھا۔

فَكَانَ يُصِيبُهُ صَمَاتٌ

انھیں ایسا مرض تھا یا کوئی وجہ کی کیفیت تھی کہ زباں چپ کر جاتی تھی۔

خاموشی چھا جاتی تھی۔ان کیلئے بولنا مشکل ہو جاتا تھا۔

فَكَانَ يَقُومُ كَمَا هُوَ

تو حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔یہاں تک کہ اپنا رخسار رسول اللہ ﷺ کی قبر پر رکھ دیتے تھے۔

وہ کتنا اچھا زمانہ تھا۔وہاں کوئی ایسا ڈھنڈورا نہیں کھڑا تھا جو محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کو مارتا کہ سجدہ کر رہے ہو۔اس وقت قبر مبارک ابھی ننگی تھی۔رسول اکرم ﷺ کے آرام کی وہ جگہ جو عرش سے بھی افضل ہے اس مقام پر بیٹھے ہوئے جب یہ حالت پیش آتی تو پھر وہ اٹھتے اور اپنا رخسار نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پہ رکھ دیتے اور پھر یہ ایک بار نہیں ہوا بلکہ بار بار ایسا ہوا۔اس لیے کہ اس میں کان ماضی استمراری ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بار بار ایسا عمل کرتے تھے۔

يَضَعُ خَدَّهُ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ اپنا رخسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پہ رکھتے

ثُمَّ يَرْجِعُ

پھر واپس لوٹ آتے۔

اب تو وہاں پر روضہ رسول ﷺ کے پاس اگر کوئی ہاتھ باندھے تو اس کیلئے قید خانہ ہے ہاتھ کھلائے جا رہے ہیں، جو نہیں کھولے گا اسکو اٹھا کے لے جائیں گے۔

ہاتھ باندھنے کی کیا صورت ہے اور قبر پہ رخسار رکھنے کی کیا صورت ہے۔ یعنی جو سجدے کے قریب ہے خدشہ تھا دیکھنے والا اسے سجدہ نہ سمجھ لے جبکہ آج ہاتھ باندھنے سے ہاتھ کھلائے جاتے ہیں۔

وہی دھتورے جو اپنے بادشاہوں کے قدم چومتے ہیں۔ اپنے اوپر مسلط حکمرانوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ہزار بار تم ان کا ٹی وی پر مشاہدہ کر سکتے ہو انھیں بتوں کی طرح چومتے نظر آتے ہیں۔

لیکن ادھر رسول اللہ ﷺ کے روضہ کے پاس جس نے ہاتھ باندھے ہوں تو وہ شرک شرک کی آواز لگاتے ہیں اور ہاتھ کھلاتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے سے بھی شرک ہو جائے گا۔ ادھر ہاتھ نہ باندھو۔

قبر انور سے استعانت

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ جھک کر جب رخسار قبر رسول ﷺ پہ رکھتے تھے۔ تو کسی نے پوچھا کہ اس کا سبب کیا ہے ؟ اب سنو استادوں کے استاذ کا عقیدہ اور سنو ولیوں کے سرتاج کا عقیدہ اور سنو ایک بہت بڑے تابعی کا عقیدہ۔

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کے یہ لفظ ہیں۔

فَقَالَ اِنْ يُصِيبُنِىْ خَطَرٌ فَإِذَا وَجَدْتُ ذٰلِكَ

اگر مجھے خطرہ ہو جب میں یہ محسوس کروں تو

اِسْتَعَنْتُ بِقَبْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم

میں رسول اکرم ﷺ کی قبر سے مدد چاہتا ہوں

وہی لفظ استعمال کیے جو سورۃ فاتحہ میں موجود ہیں (اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ)

آپ نے فرمایا کہ

اِسْتَعَنْتُ بِقَبْرِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم

میں نے رخسار عبادت کرنے کیلئے نہیں رکھا۔ میں نے رخسار رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے مدد چاہنے کیلئے رکھا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ امام ہیں ان کو احتیاط کا پتہ ہے۔

اور پھر یہ رسول پاک ﷺ کے روضہ پاک کی خصوصیت ہے۔

عام قبروں پر جاتے وقت کسی زائر کیلئے یوں جھکنا جائز نہیں ہے۔ اسلیے کہ عوام کو پتہ نہیں کہ حالت سجدہ کس طرح بن جاتی ہے۔ پھر اتہام کا خطرہ ہے۔

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کو ان ساری چیزوں کا پتہ ہے اور رسول پاک ﷺ کی قبر مبارک چونکہ تنگی ہے۔ سرکار علیہ السلام کی قبر کی مٹی کے ساتھ چہرہ لگانے کا موقع میسر ہے اور وہاں لگایا ہے اور لوگوں کو بتایا ہے کہ

اِسْتَعَنْتُ بِقَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

(سیر اعلام النبلاء ج ٦ ص ١٥٩)

میں نے نبی علیہ السلام کی قبر سے مدد چاہی ہے۔

کیا انھیں یاد نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (سورۃ الفاتحہ آیت ٤)

ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں

کیا محمد بن منکدر رحمہ اللہ تعالیٰ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھتے تھے ؟ کیا محمد بن منکدر

رحمہ اللہ تعالی کو یہ آیت نہیں آتی تھی ؟ انھیں یہ سورۃ آتی تھی اور یقیناً آتی تھی لیکن پھر بھی وہ مشکل آنے پہ رسول اللہ ﷺ کی قبر سے استعانت کرتے تھے اور پھر ایسے شخص کو جب امام مالک رحمہ اللہ تعالی اپنا استاد بنا رہے ہیں تو انھیں یہ خیال نہ آیا کہ میں کہیں معاذ اللہ مشرک سے تو نہیں پڑھ رہا۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کو خیال نہ آیا وہ آپکے سینکڑوں شاگرد جنکے آگے پھر ہزاروں شاگرد ہیں۔ انہوں نے اس امام سے پڑھا اور اس امام کا عقیدہ اتنا واضح عقیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہمیں اپنے عقیدے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ یہ رستہ سیدھا مدینہ شریف جانے والا ہے۔

آئمہ محدثین کا عمل بعد والوں کے لئے حجت

رسول اکرم ﷺ کی امت میں سے محدثین کے عمل کا دوسرے لوگ تقاضا کر رہے تھے۔ اسواسطے محدثین کا عمل تمہارے سامنے پیش کرنے لگا ہوں اور پھر وہ محدثین جن کی سندوں پر پوری حدیثوں کا مدار ہے۔ یہ نہیں کہ دسویں صدی کا کوئی محدث، نویں صدی یا چھٹی صدی کا کوئی محدث،

سب سے پہلے ان استادوں کا عقیدہ بیان کرنے لگا ہوں جہاں سارے شاگرد جا کر اکٹھے ہوتے ہیں اور جنکے شاگرد ہر ہر مسند پر پہنچے اور جنکی روایت کردہ حدیثیں بخاری میں ہیں انکی روایتیں اُن کا احترام کرتے ہوئے قبول کی جاتی ہیں۔ چونکہ فلاں نے یہ حدیث روایت کی ہے لہٰذا یہ حدیث سچی ہے۔ یعنی علم حدیث کی جو بنیاد ہے اور جہاں جا کر سارے کنکشن جڑتے ہیں ہم ان لوگوں کا عقیدہ بیان کریں گے۔

تو جنہیں ان کا عقیدہ پسند ہے وہی انکی روایت کردہ حدیث مان سکتا ہے ورنہ بدعتی کی حدیث معتبر نہیں ہوتی۔ اور جو شخص مشرک ہو اگر وہ حدیث پڑھائے تو اسکے بارے میں سارے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ اسکی حدیث معتبر نہیں اسکو مانا نہیں جاسکتا، اسکو پڑھا نہیں جاسکتا اور اس کو پڑھایا بھی نہیں جاسکتا۔

لہذا راوی کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ اسکا عقیدہ درست ہو۔

جن راویوں کے عقیدے بدعتیوں والے ہوں انکی حدیث غیر معتبر ہوتی ہے۔

اگر آج حدیث کو معتبر مانا گیا اور یقیناً معتبر ہے تو پھر اس عقیدے پر جو عقیدہ اللہ تعالیٰ نے ان محدثین کو خود عطا فرمایا ہے۔

حضرت امام حمیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

یہ وہ امام ہیں جنہوں نے علم حدیث کی بہت زیادہ خدمت کی ساری زندگی حدیث پڑھتے پڑھاتے گذر گئی۔ بخاری و مسلم کے بعد جو حدیث پڑھانے والے لوگ ہیں ان میں ان کا بڑا منفرد مقام ہے۔

۴۸۸ھ ان کا وصال ہے۔ انہوں نے بخاری و مسلم کو جمع کر کے "جمع بین الصحیحین" ترتیب دیا۔ اسکے علاوہ بہت زیادہ انکی علمی خدمات ہیں۔

جب ان کا وصال ہو گیا تو انہیں بغداد شریف کے مقبرہ باب ابرز میں دفن کیا گیا مگر حضرت امام حمیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کے حکمران مظفر ابن رئیس کو وصیت کی تھی کہ جب میرا وصال ہوا تو تم نے میری قبر حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کے پاس بنانی ہے۔ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ولی ہیں۔ بغداد

شریف میں دریائے دجلہ کے قریب باب الاعظمیہ میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے پڑوس میں ان کا مزار ہے۔

امام حمیدی رحمہ اللہ تعالی نے وصیت کی کہ مجھے تم نے حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالی کے قرب میں دفن کرنا ہے زندہ ہوتے ہوئے اگر کسی قبر والے کے پاس جانے سے کوئی فائدہ نہ ملتا ہو۔تو پھر مر کے وہاں جانے کی ضرورت کیا تھی۔

حضرت امام حمیدی رحمہ اللہ تعالی شیخ المحدثین

حضرت امام حمیدی رحمہ اللہ تعالی کا امام ذہبی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں تذکرہ کرتے ہوئے شیخ المحدثین کا لفظ بولا۔یعنی محدثین کے پیر اور محدثین کے استاذ اور پھر انھیں امام القدوہ کہا کہ جنکی اقتداء کی جاتی ہے۔

اور ابن حزم انکے شاگرد ہیں۔اندلس کی سرزمین میں علم وحکمت کا ستارہ ہیں وصال سے قبل انہوں نے وصیت کی اور انھوں نے اپنا نظریہ ظاہر کردیا جس پروہ پہلے موجود تھے کہ مجھے کسی عام جگہ پر دفن نہ کرنا بلکہ مجھے حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالی جو ولیوں کے ولی ہیں اور صوفیوں کے صوفی ہیں جنکی ولایت کے ہر طرف چرچے رہے اسکے پڑوس میں دفن کرنا ہے۔

ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالی کے ولی کا پڑوس مل جائے گا تو بعد از وصال بھی قبر ٹھنڈی رہے گی۔اس سلسلہ میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ یہ حدیث کا حصہ ہے۔

صالحین کے قرب کا فائدہ

ان حدیث بخاری و مسلم سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کیلئے یہ وصیت کرنا کہ فلاں ولی

کے پاس ہو اسکا پیچھے اصل موجود ہے اور اسکا سبب موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی واضح کر رہے تھے۔ کہ بیت المقدس میں جو انبیاء کرام کے مزارات ہیں۔ انکی وجہ سے جو بیت المقدس کو تقدس حاصل ہے۔ یہ چاہتے تھے کہ میرا ڈیرہ بھی وہاں لگے جہاں رحمتوں نے پہلے ہی ڈیرہ لگا رکھا ہے۔

﴿برے پڑوس کے نقصانات﴾

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

اُدْفِنُوْا مَوْتَاكُمْ وَسْطَ قَوْمٍ صَالِحِيْنَ (التذکرہ) قرطبی

اپنے فوت شدگان کو نیکوں کے درمیان دفن کیا کرو۔

اسکا سبب کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

فَإِنَّ الْمَيِّتَ يَتَأَذّٰى بِجَارِ السُّوْءِ كَمَا يَتَأَذّٰى الْحَيُّ بِجَارِ السُّوْءِ

بے شک برے پڑوس کی وجہ سے میت کو تکلیف ہوتی ہے جس طرح زندہ کو برے پڑوس کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔

جہاں روزانہ مردے کی تفتیش ہوتی ہو۔ عذاب اتر رہا ہو، جسکی دیواریں ساتھ ہوں اسکو بھی تکلیف ہوگی۔ جہاں قبر جنت کا باغ بنی ہوئی ہو تو جسکی قبر اسکے ساتھ ہو اسے بھی خوشبو آسکتی ہے۔ لہذا اپنے مردے کو برے پڑوس سے بچاؤ۔

لوگ تو کہتے ہیں کہ تیرے ساتھ کسی کی قبر بھی نہیں ہونی چاہیے۔ اسکا پیچھے ایک سبب ہے۔ کہ برے پڑوس سے نقصان ہوتا ہے اور اچھے پڑوس سے فائدہ ہوتا ہے۔ جنکی قبریں فوت شدگان کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ انکی قبروں کا زندوں کیلئے کتنا فائدہ ہوگا۔

یہ کسی جاہل کی بات نہیں کسی متوہم کی بات نہیں۔ بلکہ میں شیخ المحدثین کی بات پیش کر رہا ہوں۔ جنکے سینے سے ہزاروں تک حدیث پہنچی اور وہ حدیث کے امام ہیں۔ حضرت امام حمیدی رحمہ اللہ تعالی وصیت کر کے گئے کہ مجھے حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالی کے پاس دفن کرنا میں دنیا سے چلا جاؤں گا لیکن پھر بھی مجھے ان کا فیض ضرور ملے گا۔

جب امام حمیدی رحمہ اللہ تعالی فوت ہو گئے ورثاء نے کوئی دھیان نہ کیا۔ انکو باب ابرز میں دفن کر دیا گیا۔ پھر انھیں وہاں دو سال گذر گئے۔ اسکے بعد اس حکمران کو خواب میں ملے۔

ان کا عقیدہ دیکھو جو ۴۸۸ھ کے اندلس کے علم کا ستارہ جو بغداد شریف میں آ کر استاد قرار پایا۔ وہ امام حمیدی رحمہ اللہ تعالی وصیت کر گئے تھے کہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالی کے پاس دفن کیا جائے لیکن جب وصیت پہ عمل نہ ہوا تو دو سال صبر کر لیا۔ پھر اسی کے خواب میں آئے جسکو وصیت کی تھی اسے کہا کہ تم نے میری وصیت پوری نہیں کی۔

فَرَاٰهُ بَعْدَ مَرَّةٍ فِي النَّوْمِ يُعَاتِبُهُ

جب بادشاہ مظفر کے خواب میں آئے تو غصے میں تھے ان پر عتاب کیا کہ تجھے میں بشر حافی رحمہ اللہ تعالی کے پاس دفن کرنے کا کہا تھا لیکن تم نے مجھے ان سے کہیں دور دفن کیا مجھے یہاں سے نکالو اور بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں دفن کرو۔

امام حمیدی رحمہ اللہ تعالی کا بدن دو سال بعد بھی خوشبودار

ثُمَّ اِنَّهُمْ نَقَلُوْهُ بَعْدَ سَنَتَيْنِ اِلٰى مَقْبَرَةِ بَابِ حَرْبٍ

باب ابرز کے قبرستان سے نکال کر باب حرب کے قبرستان میں لے گئے۔

فَدُفِنَ عِنْدَ بِشْرِ الْحَافِیْ رحمه الله تعالی

(سیر اعلام للنبلاء ج ا ص ۱۸۵)

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالی کے پاس دو سال بعد انکو دفن کیا گیا انہوں نے یہ اپنے زور بازو سے کروایا۔ حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ۴۹۱ھ کو جس وقت ان کا بدن نکالا گیا تو عینی گواہ کہتے ہیں۔

وَكَانَ كَفْنُهٗ جَدِیْدًا وَبَدَنُهٗ طَرِیًّا یَفُوْحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الطِّیْبِ

(سیر اعلام للنبلاء ج ۶ ص ۱۵۵)

کفن نیا تھا بدن تازہ اور اس سے خوشبو آ رہی تھی۔

اس سے پتہ چلا کہ ایسے عقیدے والوں کی ایسی ہی شان ہوتی ہے۔ یہ نیت تھی کہ بشر حافی رحمہ اللہ تعالی کے قدموں میں برکت ملے گی اور مشکل حل ہو جائے گی اور پھر خود بھی کوئی معمولی درجے کا انسان نہیں جنکے بدن نے یہ بتایا کہ بشر حافی رحمہ اللہ تعالی کے قدموں سے دور رہ کر بھی اتنی ویلیو تو ہے کہ کفن نیا ہے، بدن تازہ ہے اور انکے بدن سے خوشبو آ رہی ہے۔ یہ اس عقیدے کی صداقت ہے کہ برصغیر اور ہند میں گھڑا نہیں گیا بلکہ یہ عقیدہ پوری امت کا ہر دور میں رہا ہے۔ کہ اللہ تعالی کے ولی جس جگہ پہ دفن ہوتے ہیں وہاں پہنچنے کیلئے مر کے بھی ترستے رہتے ہیں۔

امام ابوبکر بن خذیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

(امام علی رضا کے مزار پر حاضری)

حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

قَالَ الْحَاكِمُ سَمِعْتُ اَبَا بَكْرٍ مُحَمَّدٍ بْنِ الْمُؤَمَّلِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عِيْسٰي يَقُوْلُ خَرَجْنَا مَعَ اِمَامِ اَهْلِ الْحَدِيْثِ اَبِيْ بَكْرٍ بْنِ خُزَيْمَةَ وَعَدِيْلِهٖ اَبِيْ عَلِيْ الثَّقَفِيْ مَعَ جَمَاعَةٍ مِّنْ مَشَائِخِنَا

(تذکرۃ الحفاظ ج۲ص۸۶)

حضرت حاکم نے کہا کہ میں نے محمد بن مومل سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم اہل حدیث (محدثین) کے امام حضرت ابوبکر بن خزیمہ اور ان کے ہم پلہ ابوعلی ثقفی کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہمارے مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت بھی ساتھ تھی۔

رسول اکرم ﷺ کا در تو آپ ﷺ کا در ہے سرکار علیہ السلام کی نسلِ پاک کا ایک شہزادہ جو ایران کی سرزمین طوس میں لیٹا ہوا ہے۔ اُس شہزادے کی قبر پر محدثین کے امام باجماعت حاضری دینے گئے۔

وہ شہزادے کون ہیں؟ وہ حضرت علی رضا رضی اللہ عنہ ہیں وہ بیٹے ہیں حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹے ہیں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹے ہیں امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ بیٹے ہیں امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹے ہیں حضرت امام حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور یہ ابن رسول علیہ السلام ہیں یہ ان کا سلسلہ نسب ہے۔

علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ یہ اہلبیت کے عظیم فرزند ہیں جنکا مزار اقدس طوس میں ہے۔ انکے مزار پہ حاضری دینے کیلئے کون گئے۔ تہذیب التہذیب اسماء الرجال کی کتاب ہے۔ جو وفد آپ کے مزار پہ حاضری کیلئے گیا اُس وفد میں کون کون تھے ان کا نام سنیں گے تو سینہ ٹھنڈا ہو جائیگا۔

محدثین کے لئے بہت بڑا مرکز علم

اس وفد میں سے محمد بن مومّل اسکو روایت کرتے ہیں۔ یہ نیشاپور کے تھے۔

۳۸۹ھ انکا یوم وصال ہے۔ ان کا علم حدیث میں اتنا بڑا کردار ہے۔

بَنٰی دَارًا لِّلْمُحَدِّثِیْن

انہوں نے باقاعدہ بہت بڑا مرکز بنایا جہاں محدثین کو بلا کے رکھا اور اپنی طرف سے انکے وظیفے بھی مقرر کیے کہ حدیث پڑھو اور پھر حدیث شریف پڑھاتے رہو۔

جبکہ خود ایک بہت بڑے محدث تھے۔

محمد بن مومّل کہتے ہیں۔

خَرَجْنَا مَعَ اِمَامِ اَھْلِ الْحَدِیْثِ

ہم اہل حدیث کے امام کے ساتھ نکلے۔

اہل حدیث سے مراد کون؟

اس اہل حدیث سے مراد داڑھی لگانے والا نہیں ہے۔ بلکہ ماہرینِ حدیث مراد ہیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم سارے ماہرین حدیث ہیں ایک ہمارا بھی امام ہے۔ اہل حدیث کے امام سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے استاد اپنے امام کی اقتداء میں نکلے۔ وہ امام کون تھے؟ وہ حضرت امام ابوبکر بن خزیمہ تھے۔ ہم انکے ساتھ نکلے۔

امام ابوبکر بن خزیمہ رحمہ اللہ تعالی کا تعارف

حضرت امام ابوبکر بن خذیمہ رحمہ اللہ تعالی کا تعارف بھی ہو جائے تا کہ تمہیں پتہ چلے کہ قبروں کی حاضری دینے والے کون لوگ تھے؟ اگر قبر کی پرستش کا طعنہ دینا ہے تو امام اہل حدیث حضرت ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالی کو بھی ملے گا۔ ان کا نام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تعالیہے انہوں نے ۱۴۰ کتابیں حدیث کی لکھیں اور پھر انکو حافظ الحدیث بھی کہا جا تا ہے۔ اور انکو حدیث میں حجت بھی کہا جا تا ہے۔ ان کو امام الائمہ بھی کہا جا تا ہے۔ یہ سارے اوصاف اس وقت کے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھے۔

یہ وہ استاد ہیں کہ ڈائریکٹ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی انکے شاگرد ہیں یعنی امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے استاذ کا عقیدہ کیا تھا۔ ہم صرف محدثین کا عقیدہ بیان کر رہے ہیں۔ صوفیوں کا جو عقیدہ ہے انھیں نہیں چھیڑا۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ صوفی ہیں ہمیں کوئی شیخ الحدیث دو، محدث دو۔

اس لیے ہم چن چن کے محدثین کے عقیدے بیان کر رہے ہیں، تا کہ واضح ہو جائے کہ محدثین بھی صوفی ہیں۔

ابن خزیمہ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور پھر ۳۱۱ھ میں ان کا وصال ہوا۔

نیشاپور کے لوگوں کا عقیدہ

قال ابو عثمان اِنَّ اللّٰہَ لَیَدْفَعُ الْبَلَاءَ عَنْ اَھْلِ ھٰذِہِ الْمَدِیْنَۃِ لِمَکَانِ اَبِیْ بَکْرٍ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ (سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص ۳۵۸)

ابوعثمان کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہر کی ساری مصیبتیں جس نام کی وجہ سے ٹالی ہیں وہ حضرت ابن خزیمہ کا نام ہے۔

یعنی اتنے پائے کا ولی ہے۔ اہل حدیث انکے شعبے کا نام ہے لیکن عقیدہ سنی۔ اور پھر شعبہ حدیث پڑھانا ہے۔ ورنہ جو آج یہ لفظ اہل حدیث استعمال کرتے ہیں انکے ہاں یہ عقیدہ نہیں پایا جاسکتا۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی بھی (معاذ اللہ) کچھ نہیں دے سکتے ابن خزیمہ کیا دے سکے گا۔

حضرت ابوبکر بن خذیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے مشکل کشائی

جبکہ یہاں لوگ یہ عقیدہ بیان کرتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ لَیَدْفَعُ الْبَلَاءَ عَنْ اَھْلِ ھٰذِہِ الْمَدِیْنَۃِ لِمَکَانِ اَبِیْ بَکْرٍ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ۔ (سیر اعلام للنبلاء ج۱۱ص ۳۵۸)

بے شک اللہ تعالیٰ اس شہر والوں سے حضرت ابوبکر محمد بن اسحاق کے مقام اور مرتبے کی وجہ بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔

یعنی حضرت محمد بن اسحاق کے چہرے اور انکے منہ کی قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہر کو مصیبتوں سے بچا رکھا ہے۔

یہ حضرت ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنکی قیادت میں دوسرے محدثین چلے ہیں کس کی طرف؟ کعبے کی طرف نہیں، مسجد اقصیٰ کی طرف بھی نہیں وہ چلے کدھر ہیں؟ وہ چلے ہیں رسول اکرم ﷺ کے گلشن کے پھول کی قبر کی زیارت کیلئے۔

ان کو وہ حدیث یاد نہ تھی۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ

(صحیح البخاری کتاب التہجد باب فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ ج ۱ ص ۱۵۸ قدیمی کتب خانہ کراچی)

کجاوے نہ باندھنا سوائے تین مساجد کے۔

ادھر امام اہل حدیث ہو اور انھیں یہ حدیث نہ آتی ہو۔

جو آج کے گمراہ لوگ مزارات پہ جانے کے خلاف پیش کرتے ہیں کہ صرف تین جگہ جاسکتے ہو باقی کہیں کا سفر حرام ہے۔ ان سارے محدثین کو یہ حدیث یاد تھی۔ مگر انھیں اس کے مفہوم کا پتہ تھا وہ اسکے مفہوم پہ واردات کرنے والے نہیں تھے۔

﴿حضرت ابو علی ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعارف﴾

محمد بن مومل کہتے ہیں۔

وَعَدِيْلِهِ اَبِىْ عَلِىْ الثَّقَفِىْ

حضرت ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۲۴۴ھ کی ہے۔ وفات ۳۲۸ھ کی ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

مَعَ جَمَاعَةٍ مِنْ مَشَائِخِنَا

اور پھر ہمارے ساتھ ایک مشائخ کی پوری جماعت تھی۔ جاہلوں کی جماعت نہیں تھی اور پھر آج کے عرف کے بعض مشائخ نہیں جن پر مشائخ کی تعریف سچی نہیں آتی بلکہ مشائخ سے مراد وہ ہیں کہ جن کے علمی قد کی پیمائش بہت مشکل تھی۔ وہ سارے فقہ حدیث، تصوف کے سمندر تھے وہ تمام امام اہل حدیث حضرت ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں چلے ہیں۔ ایک اللہ کے ولی کے در کی زیارت کیلئے۔

میں پوچھتا ہوں کعبے کی فضاء میں بیٹھ کرامت پر شرک کا فتویٰ لگانے والے خطیب سے اگر یہ گالی آج کے بلاد اسلامیہ کی اکثریت کو دو گے تو اس پوری امت کا کیا بنے گا۔ جو بالجماعت ایک قبر کی زیارت کیلئے جا رہے ہیں۔

انکے نزدیک نیت زیارت سے جانا شرک ہے اور وہ بھی ابو جہل کے شرک سے بڑا شرک ہے اور جہاں جائیں اسکو یعوث کہیں اور بت کہیں۔ یہ ان کا گھڑا ہوا عقیدہ ہے دوسری طرف پوری امت کے محدثین ہیں۔

مبارک ہو اہل حق تمہیں اس لئے کہ ہمیں اپنا نسب بدلنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اگر انہوں نے حدیث لینی ہے تو کوئی نئے لوگ تلاش کریں پہلے ستون سارے ہمارے عقیدے پر ہیں۔ ان تمام محدثین کا عقیدہ وہی تھا جس عقیدے کو بعد میں امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ نے بریلی شریف میں پڑھایا ہے۔

حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پہ محدثین کی حاضری

محمد بن موئمل کہتے ہیں۔

وَهُمْ إِذْ ذَاكَ مُتَوَافِرُوْنَ

اس وقت قافلے میں بہت زیادہ مشائخ شریک تھے۔

یہ انحطاط تو اب بعد میں آ گیا ہے۔ لیکن اس وقت مشائخ کی کثیر تعداد تھی اور ہم سب چل پڑے۔ کدھر؟

اِلٰی زِیَارَةِ قَبْرِ عَلِیِّ بْنِ مُوْسٰی الرِّضَا بِطُوْس

یہ سفر حرم کا نہیں تھا بلکہ یہ سفر طوس کا تھا۔

حضرت امام علی رضا بن موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زیارت کیلئے طوس گئے۔ تمام محدثین حضرت ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں حضرت امام علی رضا بن موسیٰ کاظم رحمہما اللہ تعالیٰ کی قبر کی زیارت کیلئے وہاں گئے کیا وہ سارے بھول گئے تھے کسی ایک کو بھی یہ مسئلہ یاد نہ رہا۔ نہیں نہیں وہ بھول نہیں گئے تھے بلکہ وہ اصول پر جا رہے تھے۔ یہ انکی بھول نہیں بلکہ اصول تھا۔

قبر کے لئے تواضع، تضرع اور اس کی تعظیم

جس وقت تمام مشائخ ابن خزیمہ کی قیادت میں وہاں پہنچے تو محمد بن مومل کہتے ہیں۔

فَرَاَیْتُ مِنْ تَعْظِیْمِهٖ یَعْنِیْ ابْنَ خُزَیْمَةَ لِتِلْكَ الْبُقْعَةِ وَتَوَاضُعِهٖ لَهَا وَتَضَرُّعِهٖ عِنْدَهَا مَا تَحَیَّرْنَا

(تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۸۸)

میں نے ابن خزیمہ کو دیکھا کہ انہوں نے قبر کی تعظیم کیا اور اس کے لئے تواضع کی اور قبر کے پاس تضرع کیا تو اس نے ہمیں حیرت میں گم کر دیا۔

حضرت امام علی رضا اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر ابن خزیمہ کے جو تین کام میں نے دیکھے تو میں حیرت میں گم ہو گیا۔

پہلا کام کیا تھا۔

مِنْ تَعْظِیْمِہٖ

انہوں نے قبر کی تعظیم کی۔

تعظیم سے مراد یہ نہیں کہ انہوں نے سجدہ کیا۔

تعظیم سے مراد یہ ہے کہ ادب سے کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی۔

روضہ رسول ﷺ پہ غلامان مصطفیٰ ﷺ سے ناروا سلوک

یہاں پر تعظیم کا لفظ ہے۔ وہ جو در رسول ﷺ پہ ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں ان سے لڑتے جھگڑتے ہیں کہ یہ تعظیم کا انداز ہے لہذا ہاتھ کھول دو۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہاں اکڑنے کا مقام ہے (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کی دہلیز پہ ہاتھ اس لیے کھلوائیں کہ شرک ہو جائے یعنی ہاتھ کھولو ورنہ شرک ہو جائے گا۔

حضرت امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کی نسلِ پاک کے ایک بیٹے کے مزار پر تعظیم کر کے بتا رہے تھے کہ ان قبروں کی تعظیم سے شرک نہیں ہوتا بلکہ تعظیم سے شرک کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

وَتَوَاضُعِہٖ لَھَا وَتَضَرُّعِہٖ عِنْدَھَا

دوسرے نمبر پہ ہے تواضع اور تیسرے نمبر پر تضرع ہے

محمد بن مومل رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اُس قبر پر اتنے عاجز بنے ہوئے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بڑی عاجزی سے وہاں پر حاضری دے رہے تھے۔ جس تضرع کو آج عبادت کہا گیا۔ جس تضرع

اور انکسار کو آج ریاضت کہا گیا اور جس تعظیم کو آج عبادت کا نام دیکر شرک کا فتویٰ لگایا گیا۔ وہ تینوں لفظ سارے محدثین کے امام کی سیرت میں موجود ہیں کہ انہوں نے امام علی رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر پر تعظیم بھی کی ہے اور تضرع بھی کیا اور تواضع بھی کی ہے۔ اس قبر کا سجدہ نہیں کیا طواف نہیں کیا۔ تواضع کی ہے تعظیم کی ہے۔ تضرع کیا ہے، مگر قبر کی پوجا نہیں کی۔

آپ دیکھتے ہیں کہ سالہا سال کے بعد جب بخت یاوری کرتا ہے تو ایک بندہ مدینہ شریف کا مہمان بنتا ہے۔ جب وہ چلتا ہے تو آنکھوں میں آنسو ہیں اور جب جہاز سے اترتا ہے کیفیت بدل جاتی ہے۔ رستے میں بھی درود و سلام آنکھوں میں رم جھم ہے۔ مگر ان ظالموں کا فتویٰ ہے کہ مدینہ شریف جاتے وقت آنسو بھی نہ بہاؤ۔ اتنی پابندیاں لگانا چاہتے ہیں کہ یہ عاجزی بن جائیگی اللہ کے سوا کسی کیلئے عاجزی نہیں ہونی چاہیے۔ مدینہ شریف جاتے وقت ہاتھ باندھ کر نہ چلو۔ یہ ساری پابندیاں انہوں نے اپنے پیٹ سے بنائی ہیں۔

جبکہ امت کا یہ عقیدہ ہے تمام محدثین کی جو جماعت حضرت علی رضا بن موسیٰ کاظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر پر پہنچی تو جب انہیں دیکھا گیا تو وہاں تعظیم بھی ہے، تواضع بھی ہے، تضرع بھی ہے لیکن شرک پھر بھی نہیں ہے۔ تو یہ محدثین جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں تو جسکی جڑ کا عقیدہ یہ ہے اسکے پھلوں کا آج بھی عقیدہ یہ ہے۔

یہ کسی کی بھول ہے کہ وہ ہمارے تسلسل کو خراب کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو جائیگا۔ ہم جانتے ہیں کہ ریالوں کے پیسے کافی ملتے ہیں اور ان سے کافی چھوٹے بچے پلندے تیار کر لیے جاتے ہیں۔ مگر حقیقت اصل میں حقیقت ہے اسکو کبھی بھی دبایا نہیں جاسکے گا۔

اُن محدثین سے لیکر یہاں تک یہ نور کا سلسلہ موجود ہے

عظیم محدث ابن حبان کا عقیدہ

اب میں تمہارے سامنے ابن حبان کا عقیدہ پیش کرتا ہوں انکی وفات ۳۵۴ھ کو ہوئی۔ انہوں نے اپنی کتاب ''کتاب الثقات'' میں اسکو واضح کیا یہ وہ محدث ہیں کہ انکے کہنے پہ راویوں کی ثقاہت کو تسلیم کیا جاتا ہے اس میں انہوں نے ثقہ راویوں کو بیان کیا۔

جس بندے کے کہنے پر گواہی معتبر ہوگی وہ کہہ دے تو راوی سچا ہے۔ وہ کہہ دے تو راوی جھوٹا ہے۔ وہ انسان کتنا بڑا معیار ہوگا۔ آؤ اُس ابن حبان سے پوچھتے ہیں تمہیں قبر پر جانے سے کیا ملتا ہے۔

ابن حبان نے اپنی کتاب (کتاب الثقات) میں حضرت علی رضا رحمہ اللہ تعالی کے حالات لکھے جو کہ ایک بہت بڑے محدث تھے ان کا تذکرہ جب انہوں نے اپنی کتاب میں کیا تو اپنا ایک تجربہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت امام علی رضا رحمہ اللہ تعالی کے مزار پر حاضری اور مشکلات کا حل

ابن حبان کہنے لگے:

مَاحَلَّتْ بِیْ شِدَّۃٌ فِیْ وَقْتِ مَقَامِیْ بِطُوْسَ وَزُرْتُ قَبْرَ عَلِیْ رَضَا بْنِ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ صَلَوٰاتُ اللّٰہِ عَلٰی جَدِّہٖ وَعَلَیْہِ وَدَعَوْتُ اللّٰہَ اِزَالَتَھَا عَنِّیْ اِلَّا اُسْتُجِیْبَ لِیْ وَزَالَتْ عَنِّیْ تِلْکَ الشِّدَّۃُ

(کتاب الثقات)

طوس میں رہتے ہوئے مجھے جب بھی مشکل پیش آئی تو میں نے حضرت علی رضا بن موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کی (اللہ تعالیٰ آپ کے جد امجد پر اور آپ پر رحمتیں نازل فرمائے) وہاں جا کر میں نے رب سے اس کے ازالے کی دعا کی تو میری دعا قبول ہوئی اور مجھ سے وہ مشکل دور ہو گئی۔

یعنی جب میں طوس میں رہا کرتا تھا۔ تو کوئی ایسی مشکل نہیں جو مجھ پہ آئی ہو اور میں علی رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کے پاس پہنچا ہوں اور وہ مشکل حل نہ ہوئی ہو۔

تو یہ ایک محدث کا عقیدہ ہے۔ کتاب الثقات کا نام لیکر راویوں کو تولنے والو! اس بندے کا عقیدہ بھی تو دیکھو اسکا اپنا عقیدہ کیا ہے۔ بدعتی غیر معتبر ہوتا ہے۔ مشرک غیر معتبر ہوتا ہے۔ اسکو امام نہیں کہا جاتا یہ امام ابن حبان اپنی کتاب میں علی رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے اپنا پرسنل عقیدہ بیان کرتے ہیں۔

مَاحَلَّتْ بِیْ شِدَّۃٌ فِیْ وَقْتِ مَقَامِیْ بِطُوْسَ

کوئی مشکل مجھ پہ نہیں آئی جب میں طوس میں ہوتا تھا۔

وَزُرْتُ قَبْرَ عَلِیْ رَضَا بِنْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ

تو میں نے حضرت علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کی

ایسا نہیں کہ کبھی مشکل حل نہ ہوئی ہو۔ بلکہ یہاں ''کلماتِ حصر'' ہیں فرمایا جب بھی مشکل آئی ہے تو امام کے دربار پہ جا کر دعا مانگنے سے حل ضرور ہوئی ہے۔

یہ ابن حبان کا اس وقت کا عقیدہ ہے۔ ہمیں کوئی بریلویت کی طرف یوں منسوب نہ کرے کہ ہمارا عقیدہ وہاں گھڑا گیا۔ نہیں بلکہ بریلویت اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ جو شروع سے آرہی تھی۔

ابن حبان کو حضرت امام علی رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر پہ اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ پکڑ کر تو نہیں لے گئے بلکہ وہ خود گئے اور پھر وہ کہتے ہیں:

هٰذَا شَيْءٌ جَرَّبْتُهٗ مِرَارًا۔

یہ وہ تجربہ ہے جو میں نے کئی بار کر کے دیکھا ہے۔

جو بھی مجھے مشکل آتی ہے میں آپکے دربار پہ چلا جاتا ہوں۔ میری مشکل حل ہو جاتی ہے۔ اور پھر ابن حبان امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کا نام کتنے ادب سے لیتے ہیں فرماتے ہیں۔

صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلٰى جَدِّهٖ وَعَلَيْهِ

اللہ تعالیٰ کے درود ہوں انکے نانا جی پر اور ان پر

وَدَعَوْتُ اللّٰهَ اِزَالَتَهَا عَنِّيْ

یہ ان کا عقیدہ ہے ورنہ دعا گھر بھی تو ہو سکتی تھی لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب مجھے مشکل آتی تو میں حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پہ جا کر دعا کرتا کس چیز کی۔

اِزَالَتَهَا عَنِّيْ

کہ یہ مشکل مجھ سے زائل کر دے۔

اِلَّا اسْتُجِيْبَ لِيْ وَزَالَتْ عَنِّيْ تِلْكَ الشِّدَّةُ

امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی برکت سے میری دعا قبول ہو جاتی اور مجھ سے ہر شدت کو دور کر دیا جاتا۔

یہ انداز ہمیں محدثین میں نظر آتا ہے۔

آج ان ظلمتوں کو دور کرنے کیلئے کچھ سویروں کا بندوبست ضرور کرنا پڑے گا۔

ہمارے مخالفین کا انداز کچھ یوں ہے

پنجابی میں کہتے ہیں "جھوٹا ہوواں تے لے دے جاواں"

اور پھر کہاوت ہے کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"

جنکے پلّے کچھ نہیں تھا وہ ہماری پیمائش کرنا شروع ہو گئے ہم تاریخ والے اور ہم اسلاف والے اور ہم صحابہ کرام کے عقیدے والے اور ہم تابعین کے عقیدے والے اور پھر یہ نہیں کہ۔

"جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا"

اس حقیقت کو بین الاقوامی فورم پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر وقت ثابت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ داتا کے دربار پہ جانے والے گھڑا ہوا عقیدہ نہیں بلکہ صحابہ کرام سے بالواسطہ پڑھا ہوا عقیدہ رکھتے ہیں۔

ابن حبان کی استمداد حضرت امام علی رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر سے ہوئی یا نہ ہوئی کس نے مدد چاہی تھی اور پھر کیوں ایسا کیا ویسے تو وہ جہاں تھے وہیں سے دعا مانگتے انھیں امام علی رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے دربار پہ جانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ وہاں گئے ہیں پھر فرماتے ہیں۔

جَرَّبْتُهٗ مِرَارًا

بار بار یہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ جنت والے جو جنت میں بیٹھے ہیں انکے پاس جائیں تو رب ذوالجلال اچھی سن لیتا ہے۔

امام موفق بن احمد مکی کہتے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو سید امام ہیں فقہ کے اور سید امام ہیں حدیث کے یہ امام فقیہ ہونے کیساتھ کیساتھ محدث بھی ہیں۔ ان کا عقیدہ یوں بیان کیا گیا۔

علی بن میمون اسکے راوی ہیں وہ کہتے ہیں:

سَمِعْتُ الشَّافِعِيَّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ

میں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہتے ہوئے سنا

اِنِّيْ اَتَبَرَّكُ بِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے تبرک لیتا ہوں۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ تو فوت ہو گئے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ تبرک کہاں سے لیتے ہیں؟

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَجِيْءُ اِلٰى قَبْرِهٖ

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ فوت ہو گئے لیکن انکی قبر تو موجود ہے۔ سوچیں وہ زبانیں جو ہمیں قبر پرست کہیں کہ اس مشروط طریقے سے قبر پر جانے سے اعتراض ہے تو پھر تم اپنی تاریخ کہیں اور سے ڈھونڈو جو تمہیں ڈھونڈھنی چاہیے۔ یہ ساری تاریخ ہم حق پرستوں کی تاریخ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَجِيْءُ اِلٰى قَبْرِهٖ يَعْنِيْ زَائِرًا

میں زیارت کرنے امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کی قبر پہ جاتا ہوں۔ کیوں جاتے ہیں؟

فرماتے ہیں:

اِذَا عُرِضَتْ لِیْ حَاجَةٌ

قبر پہ جانے کے مختلف مقاصد ہیں۔ قبر والے کیلئے فاتحہ پڑھنا۔ یا عبرت حاصل کرنا

اے امام شافعی رحمہ اللہ تعالی تم اکثر امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کی قبر پہ کیوں جاتے ہو؟

تو فرماتے ہیں۔

اِذَا عُرِضَتْ لِیْ حَاجَةٌ

جب کوئی مشکل پیش آتی ہیں، تو میں کیا کرتا ہوں۔

وَجِئْتُ اِلٰی قَبْرِہٖ

اور میں انکی قبر کے پاس آتا ہوں۔

وَسَاَلْتُ اللّٰہَ تَعَالٰی حَاجَةً عِنْدَہٗ

پھر انکے پاس بیٹھ کے رب سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں۔

فَمَا تَبْعُدُ عَنِّیْ حَتّٰی تُقْضٰی

(مناقب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی ج ۲ ص ۱۹۹ مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ کوئٹہ)

ابھی ہاتھ نیچے نہیں ہوتے کہ حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالی حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالی سے تبرک لیتے ہیں۔ یہ عدالت ہے۔ وہ خود مستقل فقہ والے ہیں لیکن چونکہ عقیدہ سنیوں والا ہے امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے گستاخ نہیں۔ کہ میری اپنی فقہ ہے اور انکی اپنی فقہ ہے۔ فقہ کا معاملہ اگرچہ جدا ہے لیکن عقیدہ ان سب کا ایک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے تبرک لیتے ہیں پھر جو کسی سے تبرک لیتا ہے وہ خود بھی متبرک بن جاتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی قمیص دھو کر پیا کرتے تھے۔ ابن حنبل مسجدوں کے نام رکھنا آسان ہے۔ مگر ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے عقیدے رکھنا مشکل ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قمیص کو کیوں دھویا اور پھر اسکا پانی کیوں پیا۔ یہ کام کر کے وہ بتا رہے تھے کہ جس شخص نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے برکت پائی ہے اسکی قمیص میں بھی برکت آئی ہے۔ جو علم کا سمندر ہے حدیث انکے سینے میں ہے۔ اسکے پاس یہ برکت آئی ہے۔

اسی طرح برکتوں کا عقیدہ امت میں ہمیشہ موجود رہا۔

﴿حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ﴾

وہ محدث جو برصغیر کی ساری حدیث کا سرچشمہ ہیں وہ محدث کہ جنکو محقق علی الاطلاق کیا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں۔

پس زیارت برائے امداد مرموتی را و استمداد از ایشان ہر دو باشد بر تفاوت حال زائر و مزور (اشعة اللمعات ۴۰۲/۳)

زائر کی حالت کے مطابق اور مزور (جسکی زیارت کی جارہی ہے) کی حالت کے مطابق دونوں کام ہوسکتے ہیں کہ قبر والے کی مدد کی بھی جاسکتی ہے اور اس سے مدد

لی بھی جاسکتی ہے۔ان مقاصد کی لیے زیارت قبور جائز ہے۔

یعنی کچھ ایسے ہوتے ہیں جو قبر والے کو مدد دینے جاتے ہیں۔اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو قبر والے سے مدد لینے جاتے ہیں۔تو ہم پوچھتے ہیں اے امام یہ دونوں طریقے جائز ہیں یا دونوں ناجائز ہیں یا ایک جائز ہے اور دوسرا طریقہ ناجائز ہے۔

تو شیخ محقق فرمانے لگے کہ دونوں مرتبے کے مطابق جائز ہیں۔

امام المحدثین ابن عبدالبرؒ کا عقیدہ

ابن عبدالبرؒ جنکا وصال ۴۶۳ ھ ہے۔اور وہ بہت بڑے محدث ہیں۔اور موطا امام مالک کی ساری سندوں پر اس کا تبصرہ موجود ہے۔

انہوں نے کتاب ''الاستیعاب'' میں صحابہ کرام کا تعارف لکھا۔

صحابہ کرام کا تعارف لکھتے لکھتے جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف کیا جو کہ میزبان رسول ﷺ تھے اور کہا کرتے تھے کہ سرکار ﷺ کی طرف کھانا جاتا تھا۔ جب پلیٹ واپس آتی تو وہاں سے کھاتے تھے جہاں سرکار مدینہ ﷺ کی انگلی لگی ہوتی تھی۔جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو فرماتے اس لیے کہ ہم سرکار کے ہاتھوں کا تبرک لینے کیلئے ایسا کرتے تھے۔

ان کا وصال استنبول میں ہوا۔فصیل شہر کے قریب ان کا مزار شریف موجود ہے۔

ابن عبدالبرؒ جو امام المحدثین ہیں حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا اب یہاں سے اندازہ لگائیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال سے لیکر ۴۶۳ ھ تک کون سا عقیدہ رائج تھا۔

قبر ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے بارشوں کا نزول

ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں:

قَبْرُ اَبِیْ اَیُّوْب قرب سورها مَعْلُوْمٌ اِلَی الْیَوْمِ

(کتاب الاستیعاب ج ۱ص ۱۵۶)

آج تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار اپنی جگہ قائم ہے۔ حالانکہ حالات بدلے تھے۔ غیر مسلموں کا انقلاب آیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اتنے زہریلے نہیں تھے۔ جتنے جنت البقیع کو گرانے والے ثابت ہوئے ہیں۔

قبر ابی ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کے استنبول میں برقرار رکھا گیا۔ اُس وقت مسلمانوں کا کیا عقیدہ تھا۔ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں۔

مُعَظَّمٌ

انکی قبر کی تعظیم کی جاتی ہے۔

یَسْتَسْقُوْنَ بِہٖ

جب بارشیں نہیں ہوتیں تو قبر کے پاس آکر بارشوں کی دعا مانگتے ہیں۔

اور اس قبر کے وسیلے سے اہل ترک بارش کی دعا کرتے ہیں۔ تو پھر کیا ہوتا ہے؟ کہتے ہیں۔

فَیُسْقَوْنَ

(کتاب الاستیعاب ج ۱ ص ۱۵۶)

جب انکی قبر کے وسیلے سے دعا مانگی جائے تو پھر بارش ہو جاتی ہے۔

یہ ابن عبدالبرؒ ہیں مالکی فقہ کے فقیہ ہیں اور پھر بہت بڑے محدث ہیں اور یہ قبر

صحابی رسول ﷺ کی ہے تو اس سے پتہ چلا جسکے صحابی کے دربار سے خالی کوئی نہ جائے تو خود ان کے آقا ﷺ کے دربار سے خالی کون جائے گا۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر بھی لوگ جاتے ہیں اور مدد بھی مانگتے ہیں۔

استمداد کے طریقے

قبر پر جا کر استمداد کے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ

ایک یہ ہے کہ وہاں جا کر سلام کیا اور پھر فاتحہ شریف پڑھی اور دعا رب سے کی اور کہا کہ یہ مقبول بندے ہیں، جنکے پاس میں آیا ہوں تو انکے صدقے سے میری مشکل آسان کر دے۔

دوسرا طریقہ

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سلام کرنے کے بعد فاتحہ خوانی کی اور کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہو تم اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارش کر دو۔

انھیں معبود بنائے بغیر سفارشی بنانا جائز ہے۔

لیکن جو آیت میں ہے تو وہ کافر و مشرک بتوں کو سفارشی بناتے تھے۔ انھیں معبود بنا کے ہمارے نزدیک اگر کوئی شخص کسی ولی، کسی قطب کو معبود سمجھ کے اللہ کے دربار کا سفارشی بنائے گا تو مشرک قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ کسی ان پڑھ سنی سے پوچھ لو وہ داتا صاحب کو معبود نہیں مانتا۔ بلکہ وہ معبود کا عابد اور بندہ مانتا ہے۔

﴿تیسرا طریقہ﴾

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کے ولی میں تیرے پاس آیا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کا سلیقہ نہیں آتا مجھے اللہ تعالیٰ سے لیکر دے۔

' یہ بھی امت کے اندر رائج رہا۔ اس کا مطلب یہ بنے گا کہ ان سے مانگنا کہ مجھے تو دے یہ مجاز اجائز ہے۔'

جسطرح کہ سولہویں پارے میں ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آگئے کہنے لگے۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا

(پارہ ۱۶ سورۃ مریم آیت ۱۹)

بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں

بیٹا دینے کی نسبت اپنی طرف کی۔ حالانکہ بیٹے تو رب دیتا ہے۔

یہ مجازاً ایسا جائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی مجازاً اللہ تعالیٰ کے اذن سے عطا کرتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے بندے ہی کو کہہ دیا کہ بندے اللہ تعالیٰ سے لیکر دے سکتے ہیں تو اس پر ساری امت کا اتفاق ہے شرک نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ عین اسلام ہے۔

کہا جاتا ہے۔

شَفَى الطَّبِيْبُ الْمَرِيْضَ

فلاں سے دوائی لی تھی میرا مرض ٹھیک ہو گیا۔

طبیب نے مریض کو شفا دے دی۔

حالانکہ قرآن تو کہتا ہے۔

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ

پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۸۰

اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے

تو پھر کیوں ڈاکٹر کا نام لیتے ہیں کہ مجھے فلاں ڈاکٹر نے شفا دی۔ اگر مومن ہے تو اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں جسکا عقیدہ ہے کہ سب کچھ رب کرتا ہے ڈاکٹر کچھ نہیں کر سکتا تو مجازاً ڈاکٹر کا کہہ دیا اس کی وجہ سے اسکو مومن سمجھا جائے گا۔

اسی طرح اس میں یہ تیسرا طریقہ بھی ہے جو آج تک امت میں اسی طرح رائج ہے۔ جو ڈائریکٹ ان سے مانگتے ہیں وہ جانتے ہیں اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتے، رب کہے تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان میں محتاط طریقہ سب سے پہلا طریقہ ہے۔ اسکے مطابق حاضری کا اہتمام ہونا چاہیے۔

ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقے سے بارش مانگی آج لوگ کہتے ہیں کہ یہ صدقہ لفظ کہاں سے آیا۔ وسیلہ کہاں سے آیا۔ ہم نے کہا یہ صدقہ اور یہ وسیلہ نہ اجمیر شریف میں گھڑا گیا نہ بریلی شریف میں گھڑا گیا نہ سرھند شریف میں گھڑا گیا نہ سیال شریف میں گھڑا گیا نہ شرقپور شریف میں گھڑا گیا نہ بھکھی شریف میں گھڑا گیا نہ علی پور شریف میں گھڑا گیا یہ تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے پاس سے پڑھا گیا ہے۔

﴿جبہ مبارک کے پانی سے مریضوں کو شفا﴾

مسلم شریف میں ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کا جبہ مبارک دھو کے کیوں پیتے ہیں؟

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى لِنَسْتَشْفِي بِهَا

(صحیح مسلم کتاب اللباس و الزینۃ باب تحریم استعمال اناء الذھب و الفضۃ ج ۲ ص ۱۹۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

نبی کریم ﷺ یہ جبہ مبارک پہنا کرتے تھے ہم وہ جبہ مبارک دھو کر اس کا پانی مریض کو پلاتے تو اسے شفا مل جاتی تھی۔

پانی کے جبے مبارک سے لگنے کی وجہ سے مریض کو شفا مل جائے گی۔ تو وہ جس کے دل میں سرکار علیہ السلام کا سچا عشق موجود ہو اور سرکار علیہ السلام جسکے سینے میں رہتے ہوں یہ اسکی قبر کے انوار ہو سکتے ہیں۔

اس لیے سب سے بڑی گواہی ابن عبدالبرؒ کے حوالے سے پیش کر رہا ہوں۔ یہ زمانہ ۴۶۳ھ کا ہے۔ اُس وقت کے لوگوں کو بریلوی کس نے بنایا تھا؟ اس وقت یہ عقیدہ کیوں تھا؟ میں پوچھتا ہوں اِس عقیدے کا اور کوئی سبب نہیں۔ یہ کوئی آوٹ سائیڈر نہیں۔ یہ باہر سے نہیں آیا۔ یہ عقیدہ منگوایا نہیں گیا بلکہ یہ شروع سے چل کے آیا ہے۔

اسواسطے ہم نے جتنے حوالے ان ابتدائی سالوں کے پیش کر دیئے ہیں۔ اب کچھ تو حیاء کرو۔ ہمیں جو کہتے ہو کہتے رہو لیکن ان کا تو حیا کرو۔ جنکی تاریخ پر پورا اسلام روشن ہے۔

﴿لاتشد الرحال کا حقیقی معنی و مفہوم اور اس کا مصداق﴾

جہاں تک اس حدیث شریف کا تعلق ہے جو بخاری شریف میں ہے۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ

نہ کجاوے باندھے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰى

(صحیح البخاری کتاب التهجد باب فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ ج ا ص ۱۵۸ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مسجد حرام اور مسجد نبوی شریف اور مسجد اقصیٰ۔

حدیث میں اِلَّا مستثنیٰ متصل ہے

تمام محدثین کے نزدیک سوائے ابن تیمیہ کے یہ استثناء متصل ہے۔

استثناء متصل کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسجدوں کے لحاظ سے بات ہو رہی ہے۔ مطلقاً بات نہیں ہو رہی۔ کہ طلب ثواب کیلئے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ریٹ بڑھ جائے گا اگر زیادہ نیکی اور ثواب لینا ہو تو جن مسجدوں کی طرف سفر کرنا چاہیے۔ ساری مسجدوں میں سے وہ تین مسجدیں یہ ہیں۔

حدیث میں اِلَّا مستثنیٰ منقطع نہیں

یہ مستثنیٰ منقطع نہیں ہے کہ یہاں یہ کہا جائے کوئی سفر بھی جائز نہیں سوائے ان مسجدوں کے سفر کے اگر اس کو مستثنیٰ منقطع بناؤ گے تو پھر جیو گے کیسے زندگی میں بیٹی کے پاس جانے کا سفر بھی ہوگا۔ بیوی کے پاس جانے کا بھی سفر ہوگا پڑھنے والا، تجارت والا سفر بھی ہوگا پھر ان کو کیسے جائز بناؤ گے مطلقاً سفر سے استثناء نہیں ہے۔ بلکہ مسجدوں کے سفر کے لحاظ سے استثناء کیا ہمارے آقا علیہ السلام نے کہ مسجدوں میں سے جن مسجدوں کی طرف تمہیں سفر کرنا چاہیے زیادہ ثواب لینے کیلئے وہ یہ تین مسجدیں ہیں۔

اسکی مثال یوں سمجھو

کہ آپ اپنے بیٹے کو دروازے پر کھڑا کر دیں کہ فیکٹری کے مزدور آنے والے

ہیں ان میں سے کسی کو نہ داخل ہونے دو مگر زید، عمرو اور بکر کو صرف اسے یہ کہہ دیا۔ اب وہ دروازے پہ کھڑا ہے نام والے مزدور آتے رہے۔ اتنے میں اسکا ماموں بھی آ گیا اسکو داخل کر دیا۔ اسکا باپ ناراض نہیں ہوگا۔ اسکی کلام کا یہ پس منظر تھا کہ یہ جو اجازت والے تین نام ہیں یہ مزدوروں کے لحاظ سے ہیں۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ کوئی رشتہ دار بھی داخل نہیں ہونے دینا۔ مزدوروں سے اجازت صرف تین کو ہے نہ کہ مطلقاً انسانوں میں سے اجازت صرف تین کو ہے۔ اگر اُس کا دادا آ جائے تو اسکو بھی اندر جانے دو۔ اسکا ماموں آ جائے تو اسے بھی اندر جانے دو۔ استثناء متصل کا یہ قانون ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى

(صحیح البخاری کتاب التهجد باب فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ ج ۱ ص ۱۵۸ قدیمی کتب خانہ کراچی)

نہ کجاوے باندھو مگر تین مسجدوں کی طرف یعنی مسجد حرام اور مسجد اقصی اور مسجد نبوی شریف کی طرف۔

مسجدوں میں سے جس مسجد کا قصد کر کے سفر کرنا ہے طلب ثواب کے لحاظ سے وہ یہ تین مسجدیں ہیں۔ باقی مزارات پہ حاضری اور باقی تجارتی سفر اور دیگر معاملات کیلئے سفر اس سے جدا ہیں۔

یہ ظالم اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ کے دربار کی حاضری کے خلاف پڑھتے ہیں اگر گھر سے جانا ہے تو مسجد کی نیت سے جائیں۔ میں پوچھتا ہوں مسجد نبوی نبوی بنی کیسے؟ مسجد تو سرکار علیہ السلام کے بغیر نبوی بن ہی نہیں سکتی۔ پھر مسجد کا یا تو نام بدلہ

جائے۔ اگر تمہیں سرکار علیہ السلام سے اتنی نفرت ہے۔ (معاذ اللہ) اسواسطے جنکے صدقے ریاض الجنۃ اور جنکے صدقے سے مسجد نبوی شریف، اگر ان کو منفی کر کے جاتا ہے تو پھر ادھر جانا کیوں ہے ؟

اسواسطے امام اعلیحضرت الشاہ احمد رضا خان قادری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے:

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

﴿حدیث میں ہی لاتشد الرحال کے مصداق کا بیان﴾

امام عینی نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا اور بالخصوص مسجدوں کے لحاظ سے حصر دوسری حدیث میں بھی ہے۔ جو اصل سند سے ثابت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکے راوی ہیں کہتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ لاینبغی للمطیّ ان یَشُدَّ رِحَالُهٗ اِلٰی مَسْجِدٍ یَبْتَغِیْ فِیْهِ الصَّلٰوةَ غَیْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِ هٰذَا

(عمدۃ القاری ج۵ص۵۶۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسجدوں میں سے کسی مسجد کی طرف سوائے ان تین مسجدوں کے سفر نہ کیا جائے۔

یہاں پر خود مسجد مستثنیٰ منہ میں موجود ہے۔ کہ مطلقاً سفر کی بات نہیں کی جارہی بلکہ مسجدوں کے سفر کے لحاظ سے بات کی جارہی ہے۔ بخاری کی حدیث کا جو ہم نے معنیٰ بیان کیا وہی اس حدیث شریف میں حصر کے ساتھ موجود ہے۔

یہ بھی بڑے لیول کا انداز ہے۔ ورنہ قبا میں نفل پڑھیں تو عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ تو کیا جو قبا میں نفل پڑھنے کی غرض سے جائے گا وہ مجرم ہوگا۔ نہیں بلکہ مطلب یہ

ہے کہ بہت زیادہ جہاں ثواب ملتا ہے۔ وہ یہ ہیں ان کیلئے جانا چاہیے۔ اسکو جو حدیث میں آ گیا اسکو کوئی خارج نہیں کر سکے گا۔

امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ

اس لیے امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

اَمَّا قَصْدُ غَیْرِ الْمَسَاجِدِ مِنَ الرِّحْلَةِ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ وَفِی التِّجَارَةِ وَالتَّنَزُّہِ وَزِیَارَةِ الصَّالِحِیْنَ وَالْمَشَاهِدِ وَ زِیَارَةِ الْاِخْوَانِ وَنَحْوِ ذَالِكَ فَلَیْسَ دَاخِلاً فِی النَّھْیِ

(مسند امام احمد، عمدۃ القاری ج ۵ ص ۵۶۶)

لیکن مساجد کے علاوہ سفر کا ارادہ کرنا، طلبِ علم کا سفر کرنا، تفریح کے لیے سفر کرنا، تجارت کا سفر کرنا، صالحین کی زیارت کے لیے سفر کرنا، مزارات کی زیارت کا سفر کرنا، بھائیوں کی ملاقات کا سفر کرنا اس نہی (منع) میں داخل نہیں ہے۔

اس حدیث سے طلب علم کا سفر حرام نہیں ہوتا، تجارت کا سفر بھی حرام نہیں ہوتا، سیر و تفریح کا سفر بھی حرام نہیں ہوتا، صالحین کی زیارت کا سفر بھی حرام نہیں ہوتا اور انکے مزارات کی حاضری کا سفر بھی حرام نہیں ہوتا، بھائیوں کی ملاقات کا سفر بھی اس حدیث سے حرام نہیں ہوتا اس لیے کہ اس میں صرف مسجدوں کی بات ہو رہی ہے۔

مسجدوں کے لحاظ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہ حدیث بتا دی۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا فرمان ہے جسکو حضرت ابو سعید ری رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں پہلے آپ نے مسجد کا ذکر کیا کہ مسجدوں میں سے جن کی طرف طلب ثواب کیلئے سفر کرنا چاہیے وہ یہ تین مسجدیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس حق کو آگے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
3

پاکستان اور اہلسنت کا باہمی رشتہ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِىُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع یوم النشور، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار گوھر بار میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد!

وارثان منبر ومحراب اربابِ فکر ودانش

نہایت ہی معزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام 11ویں درس میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے:

''پاکستان اور اہلسنت کا باہمی رشتہ''

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقائق سمجھنے اور حقائق پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر آباد کیا اور اللہ تعالیٰ نے وطن کی محبت انسان کے دل میں ڈالی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ ۔

بے شک ہم نے تمہیں زمین میں رہائش دی۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ

اور تمہارے لئے زمین میں زندگی بسر کرنے کے اسباب فراہم کیے۔

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ

پارہ نمبر ۸ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۰

بہت تھوڑا تم شکر ادا کرتے ہو۔

برصغیر کی تاریخی عظمت

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جس خطہ کو چنا یہ زمین عہد قدیم سے ارض ہند کہلاتی تھی۔ رب ذوالجلال نے اس سرزمین کو تاریخی عظمتوں سے سرفراز فرمایا:

یہاں تک کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے آپ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ مَا اَهْبَطَ اللّٰهُ آدَمَ اِلَى الْاَرْضِ الْهِنْدُ

هذا حديث صحيح الاسناد (المستدرك للحاكم كتاب تواريخ المتقدمين من الانبياء و المرسلين باب ذكر آدم عليه السلام حديث نمبر ۴۰۴۷ جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۴۰۸)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے جس زمین پر نازل کیا وہ یہی ہندوستان کی زمین تھی۔ آپ جنت سے جس وقت دنیا پر تشریف لائے تو جس زمین پر آپ کا نزول ہوا اور جس زمین نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے قدم کو چوما وہ یہ برصغیر پاک و ہند کی زمین ہے۔

برصغیر کی زمین میزبانِ اول

اس لحاظ سے پوری انسانیت کی میزبان اول جس زمین کو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہماری سرزمین ہے۔ کہ پہلے انسان جب اس دنیا پر جلوہ گر ہو رہے تھے تو انکی میزبانی کا شرف اس خطۂ پاک کو حاصل ہو رہا تھا۔

برصغیر میں توحید و رسالت کے نغمے

اور پھر روئے زمین پر سب سے پہلے جہاں ربِّ ذوالجلال کی توحید کا نغمہ گونجا اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا تذکرہ ہوا وہ زمین بھی برصغیر پاک و ہند کی زمین ہے۔

سری لنکا میں حضرت آدم علیہ السلام کا اجلالِ ورود

چونکہ روایات میں موجود ہے کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام زمین پہ نازل ہوئے اور یہاں جلوہ گر ہوئے تو ان کو زمین پر وحشت محسوس ہوئی۔ چونکہ نیا ماحول تھا نئی جگہ تھی۔ سری لنکا میں جس وقت آپ کا اجلال ورود ہوا تو پھر آپ کو ایک وحشت محسوس ہوئی تو اس وحشت کو دور کرنے کے لیے ایک آواز بلند کی گئی۔ وہ آواز وہ ہے جو آج ہماری مساجد سے اذان کی شکل میں گونجتی ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یہ کلمات اس برصغیر کی زمین پر اس وقت گونج رہے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کا اس زمین پر ظہور ہو رہا تھا۔

ابھی تک ان کا سفر حجاز یا میدان عرفات کی طرف نہیں ہوا تھا۔ سب سے پہلے روئے زمین پر ہماری اس زمین کو شرف حاصل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ورود اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے نغمے اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کی گواہیاں کائنات میں جس جگہ پہلے گونجیں اور فضاؤں کو معطر کیا گیا۔ وہ زمین یقیناً برصغیر پاک و ہند کی زمین ہے۔

برصغیر کی خوشگوار آب و ہوا

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَطْيَبُ رِيْحٍ فِى الْاَرْضِ الْهِنْدُ

(المستدرک للحاکم کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء و المرسلین باب اطیب ریح فی الارض الھند حدیث نمبر ۴۰۲۸ جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۴۰۸)

ساری روئے زمین پر جہاں کی آب وہوا بہت ہی خوش گوار ہے وہ برصغیر پاک وہند کی سرزمین ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہوا کی خوشگواری کے لحاظ سے تاریخ کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔

برصغیر میں مذہبی رنگ خصوصی عطا

اللہ تعالیٰ کی اس زمین کے لیے یہ ایک خصوصی عطا ہے اور آج بھی پوری کائنات میں برصغیر پاک وہند میں جو مذہبی رنگ ہے اس کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

میں خود عربوں میں موجود رہا ہوں عرب جس وقت اپنی محافل میں بیٹھتے ہیں اور شریعت مطہرہ اور دین کے رنگ کا تذکرہ چھڑتا ہے۔ تو آج بھی اس خطے کے لوگوں کو خراج تحسین اس لحاظ سے پیش کرتے ہیں کہ جتنی دین کی پختگی ان لوگوں میں ہے اتنی اور کہیں نظر نہیں آتی۔

جتنے دستار والے لوگ پاکستان ہندوستان بنگلہ دیش میں نظر آتے ہیں اور داڑھی والے اور دین کے ساتھ پختہ تعلق والے حضرات اس سرزمین پر اس وقت بھی موجود ہیں اتنے اس لیول کے حضرات دوسرے مقام پر موجود نہیں ہیں۔

اقبال کہا کرتے تھے۔

میر عرب ﷺ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

سید عالم ﷺ حجاز مقدس میں بیٹھ کے یہاں کے عاشق جو آنے والے تھے ان کے دلوں کی محبت کی ٹھنڈی ہوا کو محسوس کر رہے تھے۔

تمام روئے زمین پر مکہ و مدینہ کی فضیلت

ہم اس تمام تر تناظر میں جو فضیلت مانتے ہیں تو وہ خاک عرب کی مانتے ہیں اور تمام روئے زمین پر مکہ شریف اور مدینہ شریف کی عظمتوں کو جس طرح رسول اکرم ﷺ کی نسبت سے اجاگر کیا گیا وہ ہمارا ایمان ہے اور پھر بحیثیت مؤمن ہمارے لیے کوئی جغرافیائی حدود پر جغرافیے کی وجہ سے فخر کرنا ہمارے ایمان سے خارج ہے۔ ہم جغرافیائی حدود پر یقین نہیں رکھتے ہم اپنے معبود پر یقین رکھتے ہیں جو بھی کلمہ اسلام پڑھتا ہے خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہو۔ کسی زمین پر ہو اور کسی جگہ پہ ہو وہ ہمارا بھائی ہے اور اللہ نے اس کو ایک ہی لڑی کا موتی بنا دیا ہے۔

برصغیر میں حق کی اذان دینے والے

اس تاریخی پس منظر کو بیان کرنے کے ساتھ یہاں اسلام جس وقت پہنچا۔ اس وقت سے کلمہ پڑھنے والوں کی ایک جستجو تھی کہ اس زمین کے اندر ہمارے رب کا نظام رائج ہو ہمارا دین غالب آجائے۔ بعض اسلامی حکمرانوں کے زمانے میں دین نافذ بھی ہوا۔

جب سے پہلے بندے نے کلمہ پڑھا تھا اس وقت سے لے کر 1947 تک اور قیام پاکستان کی تحریک کی کامیابی تک مسلسل کسی نہ کسی شکل میں یہ تحریک موجود رہی اور یہ تڑپ اور جستجو موجود رہی اور آج تک اس منزل کے حقیقی حصول کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ تو اوّل سے لے کر آخر تک اہلسنت و جماعت کی کوشش سے عبارت ہے۔

اگرچہ آج کے حالات میں ہم اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہے لیکن پوری روشن اور تابناک تاریخ کو دیکھا جائے تو اس روئے زمین کا جو مقدر جاگا اور یہاں ہند

کی رات میں جو فجر کے جلوے طلوع ہوئے اور ہند کے خارزاروں میں توحید کے گلاب کھلے اور سجدوں کی بہار آئی تو اس کے پیچھے جتنی جدوجہد ہے۔ وہ اہلسنت کے اولیاء ومشائخ اور علماء کرام کی ہے۔

ہم اپنی گفتگو کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پاکستان اور اہلسنت کا جو باہمی رشتہ ہے۔

1) ایک حصہ اس جدوجہد کا وہ ہے جو حصول پاکستان کی حسی تحریک سے پہلے جاری رہا۔

2) دوسرا وہ حصہ ہے جب پاکستان کے حصول کی تحریک زوروں پر تھی۔

3) تیسرا حصہ پاکستان کی آزادی کے بعد کے معاملات پر مشتمل ہے۔

پہلا دور

برصغیر میں اہلسنت کی تاریخی خدمات

اس میں اگر آپ اہلسنت کی خدمات کو دیکھنا چاہتے ہیں تو برصغیر کی صدیوں پر مشتمل تاریخ ہے۔ اس پوری تاریخ کے اندر جتنے اولیاء، صوفیاء اور فاتحین ہیں سب کے سب مسلک اہل سنت سے وابستہ تھے۔

تاریخ میں ان کے معمولات اور ان کے عقائد اور تاریخ کے اندر ان کے نظریات کا تفصیلاً تذکرہ موجود ہے۔

اگر آپ اولیاء کی لسٹ دیکھیں تو پھر بھی پورا نکہت ونور کا سلسلہ ہمارے مقدس نفوس سے آباد ہے۔ اگر فاتحین اور عادل حکمرانوں کی لسٹ دیکھیں تو وہ سارے کے سارے ہماری فقہ اور ہمارے مسلک پر موجود ہیں۔

برصغیر میں شمع حق روشن کرنے والے

آپ دیکھتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند کی زمین میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ تعالی اور اس طرح کے ہزاروں اولیاء کرام جو مختلف زمانوں میں یہاں شمع حق کو روشن کرتے رہے اور انہوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک دین پر پہرہ دیا۔

وہ سارے کے سارے ہی اسی مسلک کے تھے اور وہ سارے ہمارے عقیدے کے ترجمان تھے۔ انہوں نے ہندو مت' بدھ مت' سکھوں اور ہر باطل طاقت کا مقابلہ اپنے اخلاق سے بھی کیا اور اپنی تعلیمات سے بھی کیا۔ جس کے نتیجے میں یہاں پر دین محفوظ رہا۔ جس کے نتیجے میں یہاں پر ایمان کی شمع روشن رہی اور وہی نتیجہ آج ہمارے سامنے ایمان کی شکل میں موجود ہے۔

لہذا ہم بہ بانگ دہل کہتے ہیں:

داتا ہجویری بھی حنفی، خواجۂ اجمیر بھی
یہ ملک تو حنفیوں کی اس لیے جاگیر ہے
حنفیو اٹھو! بناؤ ملک کو حنفی سٹیٹ
وقت کا یہ فیصلہ ہے قوم کی تقدیر ہے

جن لوگوں نے یہاں اسلام پہنچایا ان کا اسلام معتبر ہے تو پھر ان کا اسلام کے اندر جو تعارف ہے وہ بھی معتبر ہے اور پھر ان لوگوں کے نظریات بھی معتبر ہیں۔

برصغیر میں اولیاء کا فیضان

برصغیر کی مٹی اولیاء کرام رحمہم اللہ کے فیضان کی مرہونِ منت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ پوری تاریخ میں ہمارے ان قد آور بزرگوں کے مقابلے میں کسی دوسرے مسلک کا کوئی قد آور تو کیا کوئی بونا سا انسان بھی نظر نہیں آتا کہ جس نے ان اندھیروں کے اندر دین کی شمع روشن کی ہو۔

جس وقت برصغیر کے اندر داتا علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ حق کا جھنڈا لے کر نکلے تھے دوسرے مسلک والے بتائیں ان کا کوئی نام ملتا ہو؟ جس نے اس وقت حق کی حمایت میں کوئی کردار ادا کیا ہو۔

☆ جس وقت حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ لاکھوں کو کلمہ پڑھا رہے تھے اس وقت دوسرے لوگ اپنی تاریخ پیش کریں ان کی تاریخ کا اس وقت عالم کیا تھا؟

☆ جس وقت حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ اس زمین پر حق کے جھنڈے لہرا رہے تھے اس وقت ان لوگوں کی تاریخ کا کونسا حوالہ ہے؟

☆ جس وقت حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ جبر کے دانت توڑ کر دین پر پہرہ دے رہے تھے اس وقت دوسرے لوگ اپنا کوئی لیڈر کوئی قائد پیش کریں۔

☆ جس وقت امام فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے برطانوی سامراج کے جبڑے چیرتے ہوئے اس دین متین پر پہرہ دیا تھا، اس وقت دوسرے مسلک والوں کا کونسا لیڈر تھا جس نے انگریزوں کے دانت کھٹے کیے ہوں اور اس سرزمین کو استعمار کے اثرات سے بچایا ہو؟

لہذا اس پوری تاریخ میں ان کا کردار بہت زیادہ ہے

جن کی گفتار میں اثر تھا اور جن کی تبلیغ میں سوز تھا۔

اور جن کے افکار نے راتوں کو دنوں میں تبدیل کیا۔

وہ جتنے حضرات تھے اللہ کا فضل ہے

ہم ان لوگوں کے وارث ہیں،

ہم ان لوگوں کے عقیدہ پر ہیں،

ہم ان لوگوں کے نظریے پر ہیں

اور اس سرزمین کا چپہ چپہ ان لوگوں کی تاریخ کو آج بھی محفوظ کیے ہوئے ہے۔

اس برصغیر پاک و ہند کا نام دیکھ لو! اس کے دیہاتوں اور شہروں کے نام جو ولیوں کے ناموں پر آج بھی موجود ہیں۔ وہ اس حقیقت کو واضح کر رہے ہیں کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یہاں حق کا پیغام پہنچایا ہے، حق کی تخم ریزی کی ہے اور اسکے بیج بوتے رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں فصل پکی ہے اور آج اس کھیتی کا ثمرہ ہمارے سامنے پاکستان کی شکل میں موجود ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکرادا کریں وہ تھوڑا ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے کسی پگڈنڈی کا راہی نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں شاہراہ پہ رکھا ہے یعنی

وہ مین روڈ جس پر داتا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ چلتے نظر آتے ہیں

اور جس پر خواجہ غریب نواز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ چلتے نظر آتے ہیں

جس پہ حضرت شیر ربانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ چلتے ہوئے نظر آتے ہیں

جس پہ حضرت حافظ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ چلتے ہوئے نظر آتے ہیں

اور حضرت پیر سیال رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے بزرگ چلتے نظر آتے ہیں

اس شاہراہ پر ہم بھی پیچھے چلتے جا رہے ہیں۔

لہٰذا ہمارے افکار کی اساس اور بنیاد مکہ شریف کے اس پیغام سے ہے جو سیّد عالم ﷺ نے پیش فرمایا تھا اور عظیم اکابر نے اسے ہم تک پہنچایا ہے۔ ہم اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ بھی کریں یہ حقانیت کائنات میں ہماری طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین پر حق کی سربلندی اور حق کا علمبردار ہونے کا جو سہرا ہے وہ ہمارے مسلک کے لوگوں کو عطا فرمایا ہے۔

سپہ سالارانِ اسلام کا مسلک

تاریخ میں جو مشکل مقامات تھے وہاں پر جو حق پرستوں نے پہرہ دیا تو اس وقت بھی عقیدہ ہمارا تھا۔ وہ فاتحین خواہ وہ احمد شاہ ابدالی ہوں یا سلطان محمود غزنوی ہوں یا ٹیپو سلطان ہوں، ان تمام لوگوں میں ہمارا مسلک اور عقیدہ جلوہ گر تھا۔ وہ فاتحانہ حملوں میں تبرک کے حصول کے لیے اپنے پیرانِ طریقت کے پاس جا کے بھیک مانگتے تھے اور مفتوحہ علاقوں میں اپنے بزرگوں کی تعلیمات کو پیش نظر رکھتے تھے یہ سارے کا سارا ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔

برصغیر میں امامِ اہلسنت مجددِ الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کردار

پھر جس وقت برصغیر پہ کربلا کا وقت آیا حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکبر کے دینِ الٰہی کا اس انداز میں مقابلہ کیا۔

اقبال کہنے لگے!

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

اقبال کہنے لگے وہ ہے تو مٹی لیکن اس مٹی میں ستاروں سے بڑھ کر چمک ہے کیوں کہ اس قبر میں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ لیٹے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اس وقت کی روشن خیالی کا مقابلہ کیا اکبر کے فتنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑی سخت سزائیں برداشت کیں۔ مگر بالآخر آپ کی تحریک کامیاب ہوگئی۔ کردار اتنا واضح ہوگیا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس جہانگیر قدموں میں حاضر ہوا اور کانگڑہ کا قلعہ جو کبھی بھی فتح نہیں ہوا تھا جب وہ قلعہ فتح ہوا اور سولہواں جلوس شاہی تھا تو جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ آپ اس قلعے کا افتتاح کریں۔

اسلام کا آج بڑا تاریخی موقع ہے کسی فاتح سے بھی یہ قلعہ فتح نہیں ہوا تھا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس شرط پر قلعہ پر قدم رکھوں گا کہ جب میں قدم رکھوں گا تو فوراً گائے کو ذبح کیا جائے گا اور پھر آذان کی آواز گونجے گی اور قلعے میں مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔

جہاں انکی یورشیں ہیں وہیں آشیاں بنے گا
کوئی بجلیوں کو جا کے یہ فیصلہ سنادے

اکابرینِ اہلسنت کا روشن کردار

ہمارے اسلاف نے انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اس کا مقابلہ کیا ،اور پھر جس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں انگریز اپنے قدم جما چکا تھا اور مسلسل اس کی خرافات یہاں پر آچکی تھیں ،تو ایک مردِ حُر جن کو امام فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالی کہا جاتا ہے جنہوں نے کالے پانی کی سزا ہنس کے قبول کی ،مگر اپنے فتوے سے دست بردار نہیں ہوئے جن کے فتوؤں سے برطانوی سامراج کی نیندیں حرام ہوگئیں۔ جزیرہ انڈیمان کے اندر روح نکل گئی آج بھی خلیج بنگال کے مشرق میں ان کی قبر حریت کی اذانیں پڑھ رہی ہے۔وہ امام فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالی کس کے عقیدے کے تھے؟ وہ ہمارے امام تھے وہ مفتی کفایت احمد کافی رحمہ اللہ تعالی جو نعت شریف پڑھتے ہوئے تختہ دار پر چڑھ گئے اور مفتی عنایت احمد کاکوروی کا جھاد ،ان لوگوں نے ہر دور کے اندر ہمارا سر اونچا رکھا اور تاریخ کے ہر موڑ کے اوپر یہ لوگ ہیں جو ہمارے بزرگ اور اسلاف ہیں اور انہوں نے برصغیر کو بچانے کے لیے بھر پور کردار ادا کیا ہے۔

دوسرا دور

دو قومی نظریہ اور اس کے وارث

وہ دو قومی نظریہ جو اصل میں مکی اور مدنی نظریہ ہے۔اس کو ہمارے اولیاء نے

یہاں پر پروان چڑھایا اور اس کی پرورش کی اس کے ثمرات جس وقت قریب آنے لگے تو ہندوستان میں ایک فتنہ اٹھا جو متحدہ قومیت کا فتنہ تھا۔

متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا گیا اور پھر اس نعرہ کے لیے کچھ اصحاب جبہ ودستار کو خریدا گیا۔ جس وقت ہندوؤں نے یہ سمجھا کہ اب یہاں پر انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی تحریک کامیاب ہو جائے گی تو پھر یہ اس زمین کے وارث ہونگے۔

تو ہندوؤں نے مسلمانوں کو اتحاد کی پیشکش کی کہ ہم اور تم مل کے انگریز کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ ان کا مطلب تھا کہ ہماری اکثریت ہے اگر ہم انگریز کو بھگانے میں کامیاب ہو گئے تو کل ہند ہمارا ہوگا، مسلمان ہمارے غلام ہونگے۔

اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوؤں کے خلاف جہاد

ہندوؤں نے جس وقت یہ جال پھینکا تو کئی مسلمان لیڈر اس سازش میں پھنس گئے۔ ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگایا اور اس کی بنیاد جغرافیہ کو بنایا جارہا تھا چونکہ ہماری زمین ایک ہے، ہماری بولی ایک ہے ہماری معاشرت ایک ہے، اس واسطے ہم ایک ہیں۔ اگرچہ ہم ہندو ہیں تم مسلمان ہو، ہمارا کوئی فرق نہیں۔

یہ آواز اس وقت کے ہندوؤں نے بلند کی، بدقسمتی سے ان کو کچھ داڑھیوں والے ایسے میسر آگئے اور کچھ جبوں اور پگڑیوں والے ایسے لوگ مل گئے کہ جنہوں نے اس نظریے کی دین سے بنیاد تلاش کرنا شروع کر دی اور منبروں پر بیٹھ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہندو اور مسلمان کی قومیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ دلائل دے رہے تھے چونکہ ہمارا گھر ایک ہے، ہماری جگہ ایک ہے، ہمارا علاقہ

ایک ہے، ہمارا ملک ایک ہے اس واسطے ہم ایک ہیں۔ یہ فتنہ جس وقت مسجد اور منبر اور مدرسہ سے اٹھا تو اس کے مقابلے میں جنہوں نے دو قومی نظریہ پر پہرہ دیا وہ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

آپ نے فرمایا یہ غلط سوچ ہے کہ انگریز کے ساتھ جہاد کرنا ہو تو ہندوؤں کو ساتھ ملا لیں یہ تو یونہی ہے:

فَرَّمِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيزَابِ

بارش ہو رہی ہو اور بندہ بارش سے بچنے کے لیے دوڑتا ہوا آ جائے اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو جائے۔ آپ نے فرمایا پھر اسے بارش سے بچ کے دوڑنے کا فائدہ کیا ہے۔ اگر اس نے کھڑا ہی پرنالے کے نیچے ہونا تھا۔

تو حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا جہاد جیسے انگریز کے خلاف ہوگا ایسے ہی ہندوؤں کے خلاف بھی ہوگا یہ ہمارے ہم قوم نہیں ہیں ہماری قومیت کیا ہے؟

حضرت محمد ﷺ نے جب مکہ شریف میں کہا تھا:

خدا ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔

تو اس سے کس چیز کو واضح کیا تھا کہ جس نے میرا کلمہ پڑھا وہ جہاں بھی ہے میرا ہم قوم ہے اور اگر یہ کلمہ ابولہب نہیں پڑھتا تو یہ ہماری قوم کا نہیں ہے۔ جس بنیاد پر رسول اکرم ﷺ نے قومیت کی بنیاد رکھی تھی برصغیر میں اس نظریے کو اگر محفوظ کیا ہے تو ہمارے بزرگوں نے محفوظ کیا ہے۔

گاندھی نواز علماء

جب برصغیر میں اہلسنت دو قومی نظریے کی اذان دے رہے تھے اس وقت دیوبندی مکتبہ فکر کی طرف اکھنڈ بھارت اور وحدت ھند کا راگ الاپا جارہا تھا۔ حسین احمد مدنی اور عطاء اللہ بخاری جیسے لوگ متحدہ قومیت کے مبلغ تھے

اور گاندھی کو منبروں پہ ''رسول السلام'' کہا جارہا تھا، اس وقت بھی حق والوں نے گاندھی کی آندھی کا مقابلہ کیا۔

جب دوسری طرف سے گاندھی کے فضائل بیان ہورہے تھے اس دور کے اندر بھی اگر منبر کی لاج رکھی ہے اور مسجد کا وقار برقرار رکھا ہے اور دین کی شان کو اجاگر کیا ہے تو وہ اہلسنت کا کردار ہے۔

اس وقت اس قدر حالات خراب ہوگئے تھے کہ ابو الکلام آزاد کی ہر تقریر ہندو قومیت کے بارے میں اور اکھنڈ بھارت کے بارے میں ہوتی تھی۔ اور تقسیم کو اسلام کے خلاف قرار دیا جارہا تھا کہ برصغیر تقسیم نہیں ہونا چاہیے۔ دو ملک نہیں بننے چاہییں۔ پاکستان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

چلتے چلتے اس نے اپنی کتاب ''India wins freedom'' میں اسلامی قومیت پر (معاذ اللہ) اعتراضات کردیئے اور سید عالم ﷺ کی دی ہوئی قومیت جو کلمہ کی قومیت ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے کہا:

"Aftar the first century of islam was not able to unite all the muslim countries into one state."

پہلی صدی گزرنے کے بعد اسلام اس قابل ہی نہیں تھا کہ تمام ملکوں کو محض دین کی وجہ سے متحد کر سکے (معاذ اللہ)۔

ایک صدی کے گزر جانے کے بعد ابوالکلام آزاد کی طرف سے اسلام کو اپنی حیثیت کھو دینے کے مترادف قرار دیا جا رہا تھا۔ اور انڈیا کو اپنی شناخت قرار دیا جا رہا تھا۔

جس وقت یہ زہر گھولا گیا تو یہ بریلی شریف اور سواد اعظم اہلسنت کی آواز تھی۔ جس نے کہا ہم انڈیا کے ہیں مگر دین ہمارا مدینہ شریف کا ہے۔ اگرچہ ہم اس جگہ کے ہیں مگر ہمارے اندر سوز مکہ شریف کا ہے یہ بنیاد سامنے رکھی گئی تو اس کے نتیجے میں اللہ نے ہمیں علیحدہ ملک پاکستان عطا فرمایا۔

دیوبند اقبال کی نظر میں

ایسے خطبوں کے جواب میں علامہ اقبال کو یہ کہنا پڑا:

عجم ہنوز نداند رموز دین ورنہ
ز دیوبند حسین احمد این چہ بوالعجبی
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد ﷺ عربی است
بمصطفیٰ ﷺ برساں خویش راکہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

عجم کو ابھی تک دین کی رمز کا پتہ ہی نہیں چلا یہ عجم کے لوگ کیسے ہیں۔

ز دیوبند حسین احمد این چہ بوالعجبی است

دیوبند کے حسین احمد سے یہ کیا حماقت سرزد ہوئی ہے۔

یہ شعر کلیات اقبال میں آج بھی موجود ہے اور بڑی کوشش کی گئی کہ یہ شعر کلیاتِ اقبال سے نکال دیا جائے اس میں ہماری سبکی ہوئی ہے۔ مگر اقبال کے وارثوں نے کہا کہ اقبال کا یہ پیغام باقی رہے گا جس نے غلطی کی تھی اس کو غلطی کی سزا بھگتنا پڑے گی۔

سرود بر منبر که ملت از وطن است

یہ منبر پہ بیٹھ کے تقریر کرتا ہے کہ ہماری ملت وطن سے ہے۔

یہ وطن کا پجاری بن گیا اس نے وطن کو اسلام پر مقدم کر دیا۔

چه بے خبر زمقام مصطفی ﷺ عربی است

جس کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام کی خبر ہو وہ ایسی غلط باتیں نہیں کر سکتا۔

چونکہ یہاں ملت وطن سے نہیں بنتی، ملت کلمہ اسلام سے بنتی ہے۔

بمصطفی ﷺ برساں خویش را که دین ہمه اوست

سب کچھ چھوڑ دو، وطن چھوڑ دو، ثقافت چھوڑ دو، کلچر چھوڑ دو، جغرافیہ چھوڑ دو اور حضرت محمد ﷺ کے قدموں میں پہنچ جاؤ کیونکہ دین تو اس ذات کا نام ہے۔

گر به او نرسیدی تمام بولہبی است

اگر رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نسبت مقدم نہیں ہے تو پھر تمام بولہبی ہے پھر کوئی مسلمانی نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے ان کو جھنجوڑا اور پھر ایک مقام پر یہ لفظ بھی کہنے پڑے۔

سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی

وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

کہ جن نمازوں سے توحید کو وقار ملا برصغیر میں کچھ نمازی ایسے ہیں کہ انہوں نے برہمنوں کی نذر کر دیں۔ مطلب تھا گاندھی کو مسجد میں بٹھا کر اس کے نعرے لگوانا اور ایک قومیت کی بات کرنا، دو قومیتوں کی نفی کرنا۔

لیکن اس دو قومی نظریے کو پروان چڑھایا تو ہمارے بزرگوں نے چڑھایا تھا۔

عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے لوگ اور حسین احمد جیسے لوگ شور و غوغا کر رہے تھے کہ ہم ایک قوم ہیں مگر سنی بچہ بچہ کہہ رہا تھا ہم دو قومیں ہیں ہندو اور ہیں مسلمان اور ہیں۔ اقبال کہنے لگے!

کسے کہ پنجہ زد ملک و نسب را
نہ داند نکتہ دین عرب را
اگر قوم از وطن بودے محمد
ندادے دعوت دیں بولہب را

جو ملت کی بنیاد ملک و نسب کو بنا رہا ہے وہ دین عرب کے نکتہ کو نہیں سمجھتا اگر قوم وطن سے بنتی ہوتی تو حضرت محمد ﷺ ابولھب کو دین کی دعوت نہ دیتے۔

عرب کے دین کا فلسفہ کیا ہے اگر قوم وطن سے بنتی ہوتی ہے۔

جس طرح قومیت پرست لیڈر اعلان کر رہے تھے کہ ہمارا چونکہ وطن ایک ہے۔

ندادے دعوت دیں بولہب را

اگر وطن سے قوم بنتی ہوتی تو نبی علیہ السلام ابولہب کو کلمہ کی دعوت کبھی نہ دیتے۔ چونکہ ابولہب کا وطن تو وہی تھا، ابوجہل کا وطن تو وہی تھا پھر ان کو دعوت دینے کی ضرورت کیا تھی؟ پھر بدر اور حنین کے معرکوں کی ضرورت کیا تھی؟

اگر نبی اکرم ﷺ تلوار لیکر نکلے ہیں اور اپنے جغرافیے کے لوگوں کے خلاف جہاد کیا ہے اور پھر بدر میں کیا فرق تھا۔ کیا دو رنگوں والے، دو نسلوں والے تھے؟ دو زبانوں والے تھے؟

نہیں نہیں انکی زبان ایک تھی رنگ ایک تھا علاقہ ایک تھا مگر لڑے کیوں ہیں؟ ایک طرف خدا والے تھے دوسری طرف بتوں والے تھے تو اس بنیاد پر اقبال کہنے لگے۔ سارا دین ان لوگوں نے بیچ دیا اور ہندوؤں کی محبت میں دین کو ملیامیٹ کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ لیکن یہ علماء اہلسنت ہیں کہ جنہوں نے اس وقت حق کا علم بلند کیا۔

اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو پاکستان بنانے کا کوئی مقصد ہی نہیں تھا۔

اسکا کوئی سبب ہی نہیں تھا۔ یہ بنیاد تھی کہ ہندوؤں کے ساتھ ہمارا گزارا نہیں ہوتا۔ ہمارا مذہب اور، ہمارا کلچر اور، ہمارے شعائر اور ہیں ہم ان سے جدا، وہ ہم سے جدا ، اس کیس (Case) کو جناب محمد علی جناح نے اس بیس (Base) پر علماء کرام کی وکالت کرتے ہوئے سامنے رکھا۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان جیسا ملک عطا فرمایا۔

﴿ہمارا اور پاکستان کا جسم وجان کا تعلق﴾

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا عظیم ملک عطا فرمایا ہے کہ اس ملک پاکستان کے ساتھ ہمارا تعلق ایسا ہے جیسا جسم وجان کا تعلق آپس میں ہوتا ہے۔

اس لئے کہ پاکستان بننے سے پہلے کی صدیوں کی جو تاریخ ہے وہ بھی ہماری ہے اور پھر انگریز کو بھگا کر ہند کو آزاد کرنے میں کردار بھی ہمارا ہے اور جس بنیاد پر پوری دنیا

میں منفرد ملک پاکستان بنا۔اس بنیاد پر پہرہ دینے کا تاج بھی ہمارے علماء ومشائخ کے سر ہے۔پاکستان کی بقا کا سلسلہ بھی ہمارے علماء ومشائخ کے زندہ کردار کی وجہ سے ہے

﴿پاکستان آبادی کے لحاظ سے ساتواں بڑا ملک﴾

پاکستان پوری دنیا میں آبادی کے لحاظ سے ساتواں بڑا ملک ہے اور اسلامی ممالک میں صرف انڈونیشیا کے علاوہ باقی سب سے بڑی سٹیٹ (State) ہے

﴿پاکستان سے محبت کی وجہ﴾

جس نظریے پر یہ ملک بنا ہے اس نظریے پر پوری روئے زمین پر مدینہ شریف کی سٹیٹ کے بعد کوئی ملک نہیں ہے، باقی ملکوں کے پیچھے جغرافیہ ہے۔ برادری، رنگ ہے، نسل ہے۔ لیکن پاکستان ایک رنگ کی وجہ سے نہیں، ایک نسل کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نظریے کی وجہ سے بنا ہے۔ ہمیں پاکستان سے صرف اس لئے پیار نہیں کہ یہ ہمارا ملک ہے۔

خدا کی قسم ہے ہمیں پاکستان سے پہلے نمبر پر اس لئے پیار ہے کہ جو نظریہ دے کر ہمارے آقا علیہ السلام نے مدینہ شریف میں سٹیٹ (State) بنائی تھی اس نظریے پر پوری دنیا میں اگر کوئی ملک بنا ہے تو وہ پاکستان بنا ہے کہ مدینہ شریف میں سٹیٹ (State) کی بنیاد بھی یہی نظریہ تھا۔

آج کے ملکوں میں جغرافیے ہیں اور برادریوں کی بنیاد پر ملک کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا۔عربوں کی چھوٹی چھوٹی سٹیٹس (States) بن گئیں۔لیکن نظریے پر کوئی نہیں بنا۔

اگر غلط نظریے پر بنا ہے تو وہ اسرائیل بنا ہے اور صحیح اسلامی نظریے پر بنا ہے تو

وہ اس پوری دنیا میں پاکستان بنا ہے۔ کسی نے کہا تھا:

نقش ہیں جو دل پہ وہ تصویرِ پاکستان ہے
جذبہ الفت کی ایک تعبیر پاکستان ہے
کون اب تسخیر کر سکتا ہے ارض عشق کو
مصطفٰے ﷺ کے نام کی جاگیر پاکستان ہے

ہم پاکستان کا نام عبادت سمجھ کے لیتے ہیں اور ہمارا پاکستان سے تعلق ایمان والا تعلق ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس زمین پر بیٹھتے ہیں اور یہاں کی زمین کا اناج کھاتے ہیں۔ ہم پاکستان سے اس لئے پیار کرتے ہیں کہ یہ اس نظریے کا عملی نمونہ ہے جو نظریہ ہمارے محبوب علیہ السلام نے طائف کے بازار میں پتھر کھا کے بھی پیش فرمایا تھا۔

﴿تصور پاکستان اور اکابرین اہلسنت﴾

اس بارے میں یقیناً ہم سمجھتے ہیں کہ تصور پاکستان اور ہمارے ملی شعائر جن کے معتقدات ہمارے ساتھ مطابقت کرتے ہیں اور جو باقاعدہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے فتویٰ لے کر اپنی رائے بناتے تھے۔

1920ء میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں واضح طور پر تصور پاکستان پیش کیا۔

﴿حضرت عبد القدیر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تصور پاکستان﴾

حضرت عبد القدیر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس ہند کی تحریک کا احاطہ کرتے ہوئے تصور پاکستان پیش کیا تھا تو ان کی خدمات کو سامنے لانا بہت ضروری ہے۔

بہت بڑے مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جو کہ سابق وزیر تعلیم بھی ہیں۔
اور کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے ہیں۔

انہوں نے کتاب "The struggle for pakistan" میں اس حقیقت کو لکھا ہے۔

In march and april 1920 the Dhul.Qurnain of Badaun pablished an open letter from one Muhammad Abdul Qadir Bilgrami to gandhi advocating partition of the sub.Continent,in which he gave even a list of muslim districts which is generally speaking,not too different from the present boundaries of East and West pakistan.

ڈاکٹر اشتیاق حسین نے کہا کہ مارچ اور اپریل 1920ء میں بدایون کے اخبار ذوالقرنین نے ایک صاحب محمد عبدالقدیر بلگرامی رحمہ اللہ تعالی کا گاندھی کے نام ایک کھلا خط شائع کیا تھا۔ جس میں برصغیر کی تقسیم کی تجویز پیش کی گئی تھی اس میں انہوں نے مسلم اضلاع کی فہرست تک دی تھی جو مشرقی و مغربی پاکستان کی موجودہ سرحدوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔

کہاں 1947ء اور کہاں 1920ء اور کہاں علامہ اقبال کا تصور پاکستان، علامہ محمد اقبال کی طرف سے تصور پاکستان پیش کیے جانے سے کتنے سال پہلے 1920ء میں ایک بہت بڑے عالم دین عبدالقدیر بلگرامی رحمہ اللہ تعالی تصور

پاکستان پیش کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین اس خط کو لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ بعد میں جب پاکستان بنا تھا تو اس کے سارے وہی اضلاع تھے۔ جو 1920 میں عبدالقدیر بلگرامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پیش کیے تھے۔ جن جن ضلعوں کا نام انہوں نے پیش کیا تھا۔ اسی نقشے کے مطابق بعد میں پاکستان بنا ہے۔ اس واسطے پاکستان کے بنانے میں تصور دینے کا جو اصل کام ہے وہ ہمارے ان بزرگوں کا ہے۔ جنہوں نے تصور بھی دیا اور عملی کوششیں بھی کیں اور پھر اپنا خون دے کر ہمارے لئے علیحدہ ملک کا بندو بست بھی فرما دیا۔

قیام پاکستان کے مخالفین

آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا کردار ہر شخص کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔

جس وقت احراری کمپنی گاندھی کے چرنوں میں چر رہی تھی۔ مجلس احرار بھی ادھر تھی اور جمیعت علماء ہند گاندھی کے نعرے لگا رہے تھے۔

جماعت اسلامی کا ترجمان القرآن فروری 1946ء میں یہ کہتا تھا کہ پاکستان کا نام لینے والے اور بتانے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔

جس وقت عطاء اللہ شاہ بخاری مجمع عام میں یہ کہہ رہا تھا کہ

''اگر پاکستان کی پ بھی بن جائے تو میری داڑھی گدھے کے موت اور پیشاب سے مونڈ ڈالنا''

(ماہنامہ عرفات لاہور مارچ ۱۹۷۹ء، ص ۴، ۵، بحوالہ ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۵ء)

جس وقت یہ لوگ ہندوؤں کی محبت میں اسلام کے خلاف بھڑاس نکال رہے تھے اللہ کا فضل ہے کہ ایسے کڑے وقت میں سنی بچے بچے نے پوری تحریک کو منظم کر کے ان

ہندوؤں کو شکست دیتے ہوئے پاکستان کا وہ منظر حاصل کر لیا۔ جس کی روشنی آج بھی تمہارے سامنے موجود ہے۔

آج بھی نوائے وقت کے اداریے اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے اس کو "پلیدستان" کہا اور قائداعظم کو "کافراعظم" کہا۔ جنہوں نے "مسلم لیگ کو اس وقت ووٹ دینا سور کھانے کے مترادف قرار دیا" یہ ان لوگوں کا کردار تھا۔

رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص: ۲۷۵

آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا کردار

لیکن اس وقت ہمارے علی پور سیداں شریف کے پیر جماعت علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہہ رہے تھے

"جو مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دے گا اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کرنے دیا جائے گا"

یہ حمایت کر رہے تھے اور بتا رہے تھے لوگو! یہ دین کا مسئلہ ہے لہذا ہمیں اس پر فخر ہے کہ کبھی بھی ہم تاریخ کے اندھیروں میں نہیں رہے۔ بلکہ سُنّی ہر وقت تاریخ کے سویروں میں موجود رہے ہیں جس وقت تحریک چل نکلی اور ہندو مسلم اتحاد والے سارے خواب چکنا چور ہو گئے اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو سن کر لوگوں نے اپنے قبلے سیدھے کیے۔

تو آل انڈیا بنارس سنی کانفرنس منظر ہی کچھ اور پیش کر رہی تھی جس کے نتیجے میں پاکستان کا قیام یقینی بنا۔ مگر اندرونی حالات کو دیکھ کر اور ہمارے علماء کی فکر کو سن کر تائب

ہو گئے اور پھر جا کر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے کوشش شروع کر دی۔

اب یہ مقابلہ تھا ایک طرف کانگریسی ملاں تھے جو کہتے تھے کانگریس میں شامل ہونا فرض ہے اور وہ کہتے تھے کہ ہم کانگریسی ہیں۔

دوسری طرف ہم حق پرست تھے ہمارے مشائخ نے کہا اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کی بیعت ٹوٹ گئی ہے۔ جس نے پاکستان مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیا پاکستان بنانے کے لیے جو ووٹ دے گا وہ ہمارا مرید ہو سکتا ہے لہذا پوری پاور کے ساتھ جنہوں نے پاکستان کو بنایا وہ اہلسنت ہیں۔

اس واسطے ہم اور پاکستان آپس میں یوں ہیں جیسے جسم اور جان کا آپس میں تعلق ہوتا ہے۔

ہمارے وہ عظیم مشائخ جنہوں نے آل انڈیا سنی کانفرنس کی 1925ء میں بنیاد رکھی۔ پھر ہر شہر میں سنی کانفرنسیں کیں اور رائے عامہ کو استوار کیا۔

حضرت شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمہ اللہ تعالی سفیر اسلام

پھر جس وقت منزل بالکل قریب آنے کو تھی تو قائد اہل سنت علامہ الشاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالی کے والد گرامی حضرت شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمہ اللہ تعالی جو اعلیٰ حضرت کے بڑے خلیفہ تھے۔ ان کو قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا کہ تم میرے نزدیک سفیر اسلام ہو سارے ملکوں کی زبانیں بھی جانتے ہو۔ جاؤ پوری دنیا میں پاکستان کا مقدمہ پیش کرو۔ عربوں کو بھی بتاؤ، عجم کو بتاؤ، برٹش کو بھی بتاؤ کہ ہماری مجبوری کیا ہے؟ ہم پاکستان کیوں چاہتے ہیں؟

پھر انہوں نے پوری دنیا میں دورے کر کے لوگوں کو اس بات پر قائل کیا اور بیدار کیا کہ ہم کوئی ایسا ٹکڑا نہیں چاہتے کہ جہاں جاگیر دارانہ نظام ہو ہم ایسا ٹکڑا چاہتے ہیں جہاں قرآن وسنت کے قانون کو نافذ کر کے دکھا دیا جائے۔

﴿آل انڈیا بنارس سنّی کانفرنس میں مطالبہ پاکستان﴾

آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے موقع پر جب کوشش آخری مراحل تک پہنچی تو انڈیا کے شہر بنارس میں پانچ ہزار علماء مشائخ اکٹھے ہو گئے اور بنارس سنی کانفرنس میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ اگر محمد علی جناح مطالبہ پاکستان سے دستبردار بھی ہو جائیں تو ہم پھر بھی پاکستان بنا کے چھوڑیں گے۔

اس لیے کہ وہ ہمارے وکیل ہیں اگر وہ وکالت کریں گے تو ہم ان کے ساتھ ہیں اور اگر کسی طرح ان کو راستے سے ہٹا دیا گیا تو ہم پھر بھی اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے ۔تو یہ کون لوگ تھے۔ یہ ہمارے سُنّی علماء ومشائخ تھے۔

☆.........حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالی

☆.........مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان رحمہ اللہ تعالی

☆.........مولانا مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ تعالی

☆.........پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمہ اللہ تعالی

☆.........پیر عبد الرحمان بھرچونڈی شریف رحمہ اللہ تعالی

☆.........پیر سید مغفور القادری رحمہ اللہ تعالی

☆.........مولانا ابو الحسنات محمد احمد قادری رحمہ اللہ تعالی

☆.........مولانا عبد الحامد بدایونی رحمہ اللہ تعالی

☆..........مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........مولانا عبدالعلیم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........مولانا محمد ابراہیم علی چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........مولانا محمد امین الحسنات پیر مانکی شریف رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........شاہ محمد عارف اللہ میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........مولانا غلام قادری اشرفی رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........مولانا محمد احمد مجددی ابن حضرت مفتی مظہر اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........دیوان سید آل رسول علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ

☆..........مفتی محمد برھان الحق جبل پوری رحمہ اللہ تعالیٰ

اور انکے علاوہ ہزاروں مشائخ اور آستانوں کے گدی نشین تھے۔ جنہوں نے یک زبان ہو کر آواز بلند کی تھی تو رب ذوالجلال نے ہند کی اس مخلوق کو آزادی عطا فرمائی ہے۔

﴿قیام پاکستان کے بعد کا دور﴾

آل انڈیا بنارس سنی کانفرنس قیام پاکستان کے بعد سمجھنے لگی کہ جن کو ملک بنا کے دے رہے ہیں وہ خود ہی ملک میں نظام مصطفےٰ کو نافذ کر کے قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگی گذار سکیں گے لیکن بدقسمتی سے مسلم لیگ اپنی راہ سے ہٹ گئی تو پھر ہمارے علماء ومشائخ نے جمعیت علماء پاکستان کے نام سے اس کوشش کو شروع کیا اور وہ کوشش آج تک جاری ہے۔ مگر جو کمی ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ اور پھر بالخصوص ہمیں اس

بات پر زیادہ افسوس ہے۔

تلقین اعتماد وہ بھی کر رہے ہیں آج
راہ طلب میں جو کبھی معتبر نہ تھے
نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھیے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

مخالفین پاکستان کی ستم ظریفی کا تسلسل

(خودکش دھماکے)

جنہوں نے کہا تھا کہ "یہ احمق لوگ ہیں جو پاکستان کی بات کر رہے ہیں"
اور کہتے تھے "کون ہے مائی کا لعل جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے"
آج وہ پاکستان کے مامے بنے پھرتے ہیں وہ ڈیزل قسم کے لوگ اب پاکستان کو اپنی جائیداد سمجھ چکے ہیں۔

اور پاکستان کو کھوکھلا کرنے کے لیے آج کتنے غلط لوگ متحرک ہو چکے ہیں۔ روزانہ کے دھماکے اور خودکش حملے یہ کس کی کارستانیاں ہیں۔ ہمیں پلٹ کر پھر وہ منظر یاد آتا ہے کہ جنہوں نے دل سے پاکستان کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ اور کہتے تھے کہ یہ ایک احمقوں کی بات ہے۔ پھر اس باڈر کو جو (۲۰) بیس لاکھ شہیدوں کو خون سے بنایا تھا۔ اسے آج معاذ اللہ مٹانے کی کوشش ہو رہی ہیں۔

تحریک پاکستان میں سنّی مسلمانوں کی قربانیاں

اس واسطے اہلسنت علماء و مشائخ اور عوام اہلسنت نے اگر آج بیداری کا مظاہرہ نہ

کیا اور اپنے ملک کو بچا کر اس میں نظام مصطفےٰ ﷺ کو لانے کے لیے کوشش نہ کی تو تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔

میرے بھائیو! جو کرائے کا رہائشی ہوا سے مکان سے دلچسپی کوئی نہیں ہوتی اور جس نے خود بنایا ہو مٹی کی اینٹوں سے نہیں۔ جگر کے لہو سے بنایا ہو تو اس کو اپنے گھر کی خبر ہوتی ہے۔ ہم نے پاکستان اس انداز میں حاصل کیا۔

بیس (۲۰) لاکھ مسلمانوں نے خون دیا، دو کروڑ مسلمانوں نے گھر چھوڑا، 90 ہزار عورتوں کی عزتیں لوٹیں گئیں۔ پھر یہ پاکستان بنا۔

آج وہ پاکستان ہم سے مطالبہ کر رہا ہے ہم اس کے تقدس کو برقرار رکھیں۔ پاکستان بنانے کا مقصد کسی کی چودھراہٹ کو عروج دینا نہیں تھا۔ پاکستان بنانے کا مقصد تو یہ تھا کہ مدینہ شریف کا رنگ نظر آئے۔ مکہ شریف کا رنگ نظر آئے۔ شریعت مطہرہ کا ماحول ہو سنت نبوی کا چرچا ہو۔ یہی پشاور کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا۔

پاکستان قرآن وسنت کی لیبارٹری

ہم زمین کا ٹکڑا نہیں چاہتے تھے۔ ہم تو قرآن وسنت کی لیبارٹری چاہتے تھے۔ ہم قرآن وسنت کے لیے پاکستان لینے والے ہیں۔

یہ کمیونسٹ خیال کے لوگوں کی تردید ہے کہ بانی پاکستان نے باقاعدہ طور پر قرآن وسنت کے لاء کی بات کی ہے۔ اور پھر یہ سعادت ہمیں حاصل ہے۔

حضرت امام شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمات

جب دستور پاکستان کا نام رکھنے کی بات آئی تھی تو اس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان

امام شاہ احمد نورانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رکھوایا تھا۔ پہلے محض پاکستان تھا جب یہ کہا گیا کہ اس کا سرکاری مذہب کیا ہوگا اور یہ بات دستور میں طے ہو رہی تھی تو وہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جنہوں نے کہا تھا کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔

اور جس وقت یہ طے کیا جا رہا تھا کہ پاکستان کی جو مین (Main) پوسٹیں ہیں۔ ان پر کوئی قادیانی نہیں آسکتا تو یہ کوششیں امام شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تھیں۔ اور جس وقت پاکستان میں نظام اسلام کی جد و جہد کو عروج دیا جا رہا تھا تو اس وقت مولانا عبدالستار خان نیازی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے

مگر این جی اوز (NGO,S) اور مختلف قسم کی ایجنسیوں نے اس کاروان حق کو ہر دور میں نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور لوٹنے کی کوشش کی۔ لیکن آج بھی وہ حرارت باقی ہے اور آج بھی وہ جذبہ باقی ہے۔ یہ آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصر نو رات ہے دھندلا سا ستارہ تو ہے

ہر طرف اندھیرے چھا گئے ہیں۔ روشنی کی کرن اہلسنت و جماعت ہیں۔ ان شاء اللہ یہی آگے بڑھیں گے اور اس گھر کی حفاظت کریں گے۔ اس کے ساتھ گفتگو کو ختم کر رہا ہوں۔

پاکستان بنایا تھا پاکستان بچانا ہے
تن من دھن سب وار کے ہم نے یہ جھنڈا لہرانا ہے
یاد ہے تم کو ہندوستان پہ جب انگریز کا سایہ تھا
گنگا جمنا کی دھرتی پہ کفر کا بادل چھایا تھا

مسلم لیگ نے گھر گھر جا کے قوم کو پکڑ جگایا تھا
آل انڈیا سنی کانفرنس نے پاکستان بنایا تھا
اب اس دیس کے والی ہم ہیں ہم نے اسے سجانا ہے
پاکستان بنایا تھا پاکستان بچانا ہے

شیخ مجدد نے جو تخم عرض ہند میں ڈالا تھا
خیرآبادی نے لہو دے کر اس گلشن کو پالا تھا
فکر رضا نے اس گلبن میں ہر سو کیا اجالا تھا
آل انڈیا سنی کانفرنس نے اس کا ثمر سنبھالا تھا
اس نظریے کو اب ہم نے پھر جگ میں پھیلانا ہے
پاکستان بنایا تھا پاکستان بچانا ہے

امن سکون سے بیٹھنے والو آج اونچے ایوانوں میں
ان کی بھی تو یاد کرو جو کٹ گئے تھے میدانوں میں
کتنی غیرت تھی ان میں اور قوت تھی ایمانوں میں
آج وہ ہم سے کہتے ہیں فردوس کے بالا خانوں میں
ہم نے جس کو خون دیا تھا تم نے اسے چلانا ہے
پاکستان بنایا تھا پاکستان بچانا ہے

کچھ ایسے ہیں جو لہو مل کر آبیٹھے ہیں شہیدوں میں
ان کی ملت بنی وطن سے خود کہتے تھے جریدوں میں
وحدت ہند تھی لیلیٰ ان کی ہر جا غزل قصیدوں میں
بڑی خوشی سے بیٹھتے تھے یہ گاندھی جی کے مریدوں میں

ہم نے ایسے ستم گروں کو بھی شیشہ دکھلانا ہے
پاکستان بنایا تھا پاکستان بچانا ہے
کب سے اس گلشن پہ دیکھو حملے کیے بجزاؤں نے
اس کے غنچوں کا رس چوسا ہے سوتیلی ماؤں نے
اس کے صحن میں ڈیرے ڈالے ہیں بے رحم بلاؤں نے
اس کا مالی سویا ہوا ہے استعمار کی چھاؤں میں
اس گلشن سے ہر غاصب کو ہم نے مار بھگانا ہے
پاکستان بنایا تھا پاکستان بچانا ہے
میرے دیس کے ہر چپے پہ یارب امن کے پھول کھلیں
شام سحر کے ہر لمحے میں عدل واحسان کے دیپ جلیں
اس کے ہر باسی کو یارب علم حلم کے جام ملیں
اس کے دشمن جل جل کے خود اپنی موت میں آپ مریں
آصف ہم نے اپنے دیس میں اپنا دین چلانا ہے
پاکستان بنایا تھا پاکستان بچانا ہے

﴿و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
4

مائیں جب فرمائیں

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلٰي رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰي آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِيْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور شافع یوم النشور دستگیر جہاں غمگسار زماں سید سروراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد!

وارثان منبر ومحراب ارباب فکر ودانش

نہایت ہی معزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام 12ویں درس میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے۔

''مائیں جب فرمائیں''

میری دعا ہے کہ خالق کائنات ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اس کے ابلاغ وتبلیغ کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ اور جن کی ماؤں کا وصال ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ماؤں کو فردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ

اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو

الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

وہ رب جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔

وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

اسی میں سے اُس کا جوڑا بنایا

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً

(پارہ ۴ سورۃ النساء آیت ۱)

اوران دونوں سے بہت سے مرد وعورت پھیلا دیئے۔

ماؤں کی شفقت کا انداز

آج کی گفتگوان چند عظیم ماؤں کے اقوال کی روشنی میں ہے۔ جوان کی زبان سے اپنے فرزندان کے حق میں صادر ہوئے۔

مشکل وقت میں کڑی آزمائش کی گھڑیوں میں جب اپنی ماؤں سے عظیم بیٹوں نے مشورے کیے یا مشکل اور کڑے وقت میں ماؤں نے اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو اس سلسلے میں بھی ایک روشنی ہے پہلے اس کو پیش کریں گے۔

بالخصوص ماں کا دل جو سمندروں سے بھی زیادہ گہرائی رکھتا ہے۔ جب اس کے جذبات سے کوئی آواز نکلتی ہے تو عرش عظیم تک وہ ایک دستک کی طرح پہنچتی ہے اور رب ذوالجلال کسی کی ماں کے جملوں کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے اور ایسی دعاؤں اور ایسے الفاظ کو قبولیت تامہ عطا کی جاتی ہے۔ کائنات میں سب سے بڑی ماں اور سب سے عظیم خاتون کے مقدس الفاظ سے اپنی گفتگو کو شروع کرتے ہیں۔

وہ سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے فرزند ارجمند پوری کائنات میں بڑے سے بڑے ہر شخص سے بڑے ہیں اور ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ہیں اور مخلوق میں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر جہت سے عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آخری لمحہ سرکار ﷺ سے گفتگو

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور ہمارے آقا علیہ السلام کا سفر مدینہ شریف سے واپسی کا تھا۔ جب محبوب علیہ السلام کی عمر مبارک تقریباً چھ سال تھی اور شریک سفر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ مدینہ شریف میں اپنے ننھیال سے ہو کر واپس آتے ہوئے سید عالم ﷺ جب اپنی عظیم ماں کے ساتھ اونٹنی پر سوار تھے کہ ابواء کا علاقہ آ گیا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا علیل ہو گئیں۔ ابواء کی ایک پہاڑی پر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا لیٹ گئیں۔ آخری لمحات میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عظیم فرزند کے چہرے کی طرف دیکھا اور اپنے ان جذبات کا اظہار کیا۔

اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِی الْمَنَامِ
فَاَنْتَ مَبْعُوْثٌ اِلَی الْاَنَامِ

جو خواب میں نے دیکھے ہیں۔ اگر وہ صحیح ہیں تو یقیناً آپ اللہ کے رسول علیہ السلام ہو۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنی آخری نگاہ اپنے عظیم فرزند کے چہرے کی طرف اٹھاتے ہوئے۔ یہ کلمات بولے!

كُلُّ حَيٍّ مَيِّتٌ

ہر زندہ فوت ہو جانے والا ہے۔ جو بھی مخلوق میں زندہ ہے اسے فوت ہونا ہے۔

وَكُلُّ جَدِيْدٍ بَالٍ

ہر نئی چیز نے پرانا ہو جانا ہے۔

وَكُلُّ كَبِيْرٍ يَفْنٰى

اور ہر بڑی عمر والا فنا ہو جائے گا۔

اَنَا مَيِّتَةٌ وَذِكْرِیْ بَاقٍ

میں دنیا سے جا رہی ہوں مگر میرے بیٹے میرا ذکر باقی رہے گا۔

وَقَدْ تَرَكْتُ خَيْرًا وَوَلَدْتُ طُهْرًا

(مواہب اللدنیہ باب ذکر رضاعہ ﷺ ج ا ص ۱۶۹)

اس واسطے کہ میں نے دنیا کو خیر دی ہے اور میں نے طہارت کو جنم دیا ہے۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا کی یہ گفتگو جو آخری لمحے ہمارے آقا علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ جس پر حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا گواہ ہیں۔

یہ ہر لحاظ سے ایک جامع اور اصولی گفتگو کا ایک باب ہے۔ جس میں انہوں نے ایک مفکرانہ انداز میں پوری کائنات کی تاریخ اور حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اشعار ارشاد فرمائے۔ اور دنیا سے جاتے وقت ان کے دل کو ایک اطمینان اور سکون تھا کہ اگر چہ میری زندگی ختم ہو رہی ہے۔ مگر میں نے کائنات میں زندگی بانٹی ہے اور میرے فرزند ایسے ہیں ہر بہار کے اندر اسی پھول کی خوشبو موجود رہے گی اور ہر ایوان کے اندر اسی آفتاب کا نور جلوہ گر رہے گا اور کائنات میں ہدایت انہیں کے صدقے تقسیم ہوتی رہے گی۔ اور جدھر بھی چمک پڑے گی اس چمک کے تذکرہ کے ضمن میں میرا بھی تذکرہ ضرور کیا جائے گا۔

ماں کی دعا سے فوت شدہ بیٹے کو زندگی ملی

سید عالم ﷺ کے عظیم صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں۔ ہم ایک انصاری نوجوان کی عیادت کے لیے گئے۔ وہ بالکل نوعمر صحابی تھے اور شدید بیمار تھے۔ ہم جس وقت ان کی عیادت کر کے اٹھے ہی تھے کہ ان کی روح نکل گئی۔ ان

کے اوپر چادر ڈال دی گئی۔ جس وقت ہم نے اس کی والدہ کو خبر دی کہ تمہارے نوجوان بیٹے کا وصال ہو گیا ہے اور تم اس پر صبر کرو۔

تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ان کی والدہ نے ہم سے سوالیہ انداز میں پوچھا!

وَقَدْمَاتَ؟

کیا میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔

تو ہم نے کہا ''نَعَمْ'' ہاں تمہارا بیٹا فوت ہو چکا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں اس ماں نے اپنے ہاتھ برجستہ آسمان کی طرف اٹھا لیے اور اپنے سادے انداز میں یہ دعا مانگی اور کہا!

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ آمَنْتُ بِکَ

اے اللہ میں تجھ پہ ایمان لائی۔

میں کافرہ تھی۔ بتوں کو چھوڑا اور تیرا کلمہ پڑھا۔

وَھَاجَرْتُ اِلٰی رَسُوْلِکَ

اور میں نے سب کچھ چھوڑ کے تیرے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی۔

فَاِذَا نَزَلَتْ بِیْ شِدَّۃٌ دَعَوْتُکَ فَفَرَّجْتَھَا

آج تک جب بھی کوئی مشکل مجھ پہ آئی ہے۔ اے میرے رب میں نے تجھے آواز دی تو تو نے میری مشکل کو حل کیا۔ اور تو نے میری مدد کی ہے۔

اتنی بات کہنے کے بعد کہنے لگی۔

أَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ لَا تَحْمِلْ عَلَيَّ هٰذِهِ الْمُصِيبَةَ

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتی ہوں۔ مجھ پر اس مصیبت کا بوجھ نہ ڈال۔ میں جیتے جی اپنے بیٹے کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتی۔ اور تو نے میرا بیٹا فوت کر دیا ہے اور میری یہ دعا ہے کہ میرے بیٹے کی روح واپس کر دے تا کہ جب تک میں زندہ رہوں تو میں اپنے بیٹے کو دیکھتی رہوں اور جب تو میری پہلی دعائیں قبول کرتا رہا ہے تو میرے رب میری اس دعا کو بھی قبول فرما لے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم اسی طرح اس کے پاس موجود تھے۔ اس کے بیٹے کے اوپر جو ہم نے چادر ڈالی ہوئی تھی تو اندر سے اس کے ہاتھ نے حرکت کی

فَكَشَفَ الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهٖ

اس نے خود اپنے چہرے سے کپڑا اٹھایا۔ اور اللہ کے اذن سے وہ باتیں کرنے لگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

حَتّٰى اَكَلْنَا وَاَكَلَ مَعَنَا

(البدایہ و النہایہ حدیث کرامۃ الولی السنۃ الحادیہ عشر للھجرۃ جلد نمبر ۶،۵ صفحہ نمبر ۵۳۶)

وہ اٹھ کے بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ ہم نے بھی کھانا کھایا اور اس نے بھی کھانا کھایا۔

تو یہ ایک والدہ کا درد ہے اور والدہ کی تڑپ ہے۔ اور ایک والدہ کا اپنے رب پر اعتماد اور یقین ہے۔ رب ذوالجلال نے دربار میں کسی کی والدہ کی تڑپ اور آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دے دیا کہ تم اگر چہ روح قبض کر کے لے آئے ہو اور قانون یہ نہیں ہے کہ دوبارہ روحوں کو لوٹایا جائے۔ اس خاتون نے اس انداز سے

میرے ساتھ گفتگو کی ہے اور اپنے بیٹے کے لحاظ سے اس نے جو میرے ساتھ باتیں کی ہیں۔ میرا دریا رحمت جوش میں آ گیا ہے۔

لہذا ہم اس کی زندگی میں اس کے بیٹے کو نہیں ماریں گے۔ تو رب ذوالجلال نے اس خاتون کے الفاظ پر اس بیٹے کی ماں کی گزارش پر اس کے بیٹے کی روح کو واپس لوٹا دیا۔

اسے صحابہ کرام تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

كُنَّا فِي الصُّفَّةِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

کہ ہم صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سید عالم ﷺ تشریف فرما تھے۔

فَاَتَتْهُ اِمْرَاَةٌ مُّهَاجِرَةٌ وَمَعَهَا اِبْنٌ لَّهَا

ایک مہاجرہ خاتون کسی علاقے سے آ گئی۔ بتوں کا دین اس نے چھوڑا۔ اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور رسول اللہ ﷺ کے دربار میں پہنچی۔

فَاَضَافَ الْمَرْاَةَ اِلَى النِّسَآءِ

رسول اکرم ﷺ نے ان کو خواتین کے ساتھ ملا دیا۔

وَاَضَافَ اِبْنَهَا اِلَيْنَا

اور اس کے بیٹے کو ہمارے ساتھ بٹھا دیا۔

اس طرح ماں بیٹا مدینہ شریف میں رہنے لگے۔

سید عالم ﷺ نے ان کی تربیت کی اور روزانہ اپنے فیض سے آنکھوں کو حصہ دیا۔

وَلَمْ يَلْبَثْ اِنْ اَصَابَهُ وَبَاءُ الْمَدِيْنَةِ

کچھ دن گزرے تھے کہ ایک وباء آئی۔ اور وہ بیماری مدینہ شریف میں پھیل گئی۔

فَمَرِضَ اَيَّامًا

تو وہ بیٹا بیمار ہو گیا اور کئی دنوں تک بیمار رہا۔

ثُمَّ قُبِضَ

کئی دنوں کی بیماری کے بعد وہ بیٹا فوت ہو گیا۔

ماں بیٹے کی رہائش جدا جدا تھی۔ ان دونوں کی ملاقات کبھی کبھی ہوتی تھی۔

اس کی ماں خواتین کے ساتھ رہتی تھی اور اس کا بیٹا صُفّہ میں رہتا تھا۔ جس وقت اس کے بیٹے کا وصال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو غسل دیا جائے تاکہ اس کا جنازہ پڑھیں اور اس کو دفن کر دیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَّغْسِلَهٗ

جب ہم نے اس کو غسل دینا چاہا تو رسول اکرم ﷺ کو اس وقت خیال آیا۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا:

يَا اَنَسُ اِئْتِ اُمَّهٗ فَاَعْلِمْهَا

اے انس اس کی والدہ کے پاس جاؤ اور اس کو خبر دو کہ تمہارا بیٹا اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اب اس کا جنازہ تیار ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَاَعْلَمْتُهَا

میں نے جا کر اس کی والدہ کو اطلاع دی۔

فَجَاءَتْ حَتّٰى جَلَسَتْ عِنْدَ قَدَمَيْهِ

وہ آ گئی اور اپنے بیٹے کے قدموں کے پاس بیٹھ گئی۔

فَاَخَذَتْ بِهِمَا

پھر اس کے دونوں قدموں کو پکڑ لیا اور دعا مانگنا شروع کر دی۔

یہ بات ہر سچے انسان کے دل میں القاء ہوتی ہے کہ بات کیسے کرنی ہے۔ گفتگو کیسے کرنی چاہیے کہنے لگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ لَکَ طَوْعًا

اے اللہ میں نے جو تجھے مانا تو مجبوراً نہیں دل کی خوشی سے مانا۔

وَخَالَفْتُ الْاَوْثَانَ زُهْدًا

میں نے اپنے دل کی پرہیز گاری کی وجہ سے بتوں کی مخالفت کی۔

میں نے بتوں کو چھوڑ کر تیرا کلمہ پڑھا اور میں نے یہ سب کچھ اپنی خوشی سے کیا۔

وَهَاجَرْتُ لَکَ رَغْبَةً

اور میں نے صرف تیرے لئے ہجرت کی اپنا ماحول چھوڑا، خاندان چھوڑا، اپنا گھر چھوڑا، اپنے اس بیٹے کو لے کر میں تیرے محبوب ﷺ کے دربار میں حاضر ہو گئی۔

اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیْ عَبَدَةَ الْاَوْثَانِ

اے اللہ میرے وجہ سے بتوں کے پجاریوں کو خوش نہ کرنا

اے اللہ! آج بتوں کے پجاری مجھے کیا کہیں گے۔ کہ تو اچھا کلمہ پڑھ کے گئی تھی۔ ہجرت کر کے گئی تھی۔ جس رب کا تو نے کلمہ پڑھا اس رب نے تیرا بیٹا فوت کر دیا۔ اللہ! بتوں کے پجاریوں کو بات کرنے کا موقع نہ دے اور ان کو مجھ پر خوش

ہونے کی گھڑی نہ دے۔اب یہ خبر جس وقت ان کو پہنچے گی تو وہ خوش ہونگے ۔حالانکہ یہ ایک نظام ہے۔اس کی حکمتیں ہیں۔

جس وقت اس تمہید کے بعد اس خاتون نے اللہ کے دربار میں ایک مقدمہ پیش کیا پہلے ساری گفتگو کرتی آئی۔پھر کہنے لگی۔

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دلجوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت مسلم کا خدا کوئی نہیں

وہ کہنے لگی

لَا تُشْمِتْ بِیْ عَبْدَةَ الْاَوْثَانِ

بتوں کے پجاریوں کو میری وجہ سے تنقید کا موقع نہ دے۔وہ خوش نہ ہوں۔لہذا اے اللہ تیرے دربار میں دعا کرتی ہوں۔

لَا تُحَمِّلْنِیْ مِنْ هٰذِهِ الْمُصِیْبَةِ

اس مصیبت کا بوجھ مجھ پہ نہ ڈال جو تو نے بوجھ مجھ پہ ڈال دیا ہے۔

مَالَا طَاقَةَ لِیْ بِحَمْلِهَا

میں اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتی۔

صحابہ کرام موجود ہیں غسل کی تیاری کا وقت ہے۔

نبی ﷺ تشریف فرما ہیں۔میرے محبوب ﷺ کے زیر سایہ بیٹھ کر۔اس عظیم ماں نے اپنے اس فوت شدہ بیٹے کے قدموں کو پکڑ کر رب ذوالجلال کے دربار میں اپنی درخواست پیش کردی۔

صحابہ کرام کہتے ہیں

فَوَاللّٰہِ مَا انْقَضٰی کَلَامُھَا حَتّٰی حَرَّکَ قَدَمَیْہِ

خدا کی قسم ہے۔ابھی وہ ماں بات کر کے چپ نہیں ہوئی تھی کہ اس کے بیٹے کے دونوں قدموں میں جان آ گئی۔

یعنی جن دونوں قدموں کو پکڑ کر رب سے بول رہی تھی۔صحابہ کرام کہتے ہیں کہ کوئی دیر نہیں لگی۔ابھی آخری جملہ ختم نہیں ہوا تھا کہ بیٹے نے قدموں کو حرکت دی۔ سب سے پہلے قدموں میں جان آئی۔

ثُمَّ اَلْقَی الثَّوْبَ عَنْ وَجْھِہٖ

اس نے اپنے ہاتھ کے ذریعے سے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔

وَعَاشَ

اور پھر وہ بیٹا زندہ رہا کب تک؟

صحابہ کرام کہتے ہیں

حَتّٰی قَبَضَ اللّٰہُ رَسُوْلَہٗ

ہمارے محبوب ﷺ کی پوری ظاہری حیات کے اندر وہ بیٹا زندہ رہا۔

حَتّٰی ھَلَکَتْ اُمُّہٗ

(البدایہ و النہایہ حدیث کرامۃ الولی السنۃ الحادیۃ عشر للھجرۃ جلد نمبر۶،۵ صفحہ نمبر۵۳۶)

یہاں تک اس کی والدہ کا وصال ہوا۔تو پھر اس کے بیٹے کا وصال ہوا۔

﴿ماں کے جملوں کی تاثیر﴾

کتنی پاور ہے ایک سچی ماں کی دعائیں اور اس کے جملوں کی تاثیر کیسی ہے۔یہ ایک نظام قدرت ہے اللہ جس کی روح کھینچتا ہے واپس نہیں دیتا۔لیکن ایک ماں جھگڑ

پڑی ہے اور اس کا انداز بڑا نرالا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس کی محبت کو قبول کیا ہے۔

یعنی یہ نہیں کہا کہ اگر تو نے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنی ہے تو مانگ ورنہ دوسری دعا نہ کر۔ آپ اس کی محبت بھری گفتگو کو سنتے رہے ہیں۔ سرکار کے سامنے وہ بولتی رہی ہے۔ اور اس نے اپنی درخواست اپنے رب کے دربار میں پیش کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور مہربانی کا ابر کرم برسا اور اللہ تعالیٰ نے اسکے بیٹے کی روح کو واپس کر کے دنیا والوں کو بتایا کہ ماں کے دل کی جو حرارت ہوتی ہے۔

اور ماں کے دل کے اندر جو ایک ارمان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اس کا بڑا دھیان ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ماؤں کے جملوں کو قبول فرماتا ہے اور نہ ہونے والے کاموں کو بھی ان کی دعاؤں سے مکمل فرما دیتا ہے۔

اب ہم ایک ایسی ماں کا تذکرہ کرنے والے ہیں۔ وہ بھی صحابیہ ہیں اور تاریخ میں انکا ایک بہت بڑا کردار ہے انکو حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہما کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منفرد شان

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی ہیں۔ ابھی صرف سترہ لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی کلمہ پڑھ لیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان یہ ہے کہ وہ خود بھی صحابیہ ہیں۔ ان کے ابا جی بھی صحابی ہیں۔ ان کے دادا جان بھی صحابی ہیں۔ ان

کے شوہر نامدار بھی صحابی ہیں۔ان کے بھائی بھی صحابی ہیں اور ان کے بیٹے بھی صحابی ہیں

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتنی بڑی محدثہ اور مفسرہ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے انکے شاگرد ہیں، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمارے آقا علیہ السلام کی پھوپھی جان ہیں۔حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہوئی۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حواری کا لقب دیا تھا۔اور وہ حواری لفظ آج بدنام ہو چکا ہے۔کسی کے جو چیلے ہوتے ہیں ان پر حواری کا لفظ بولا جاتا ہے۔مگر شریعت مطہرہ میں اصل لفظ حواری بڑا پاک لفظ ہے۔

ہمارے آقا علیہ السلام نے اس کو مخلص ترین صحابی کے بارے میں استعمال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے۔لیکن میرا حواری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔

وہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ان کے ساتھ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہوئی۔اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو **"ذات النطاقین"** کہا جاتا ہے۔**"نطاق"** کمر بند کو کہتے ہیں۔

تو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذات النطاقین اس لئے کہا گیا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھانا اپنے ابا جی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر میں باندھا تو انہوں نے اس کمر بند کے دو حصے کیے۔اس واسطے ان کا لقب ذات النطاقین پڑ گیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیدائش پہ اللہ اکبر کے نعرے

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا وہ صحابیہ ہیں کہ مدینہ شریف میں جانے کے بعد سب سے پہلے مہاجرین میں سے جس خاتون کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ وہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مہاجرین کی پوری جماعت کا پہلا شہزادہ ہے جو مدینہ شریف میں پیدا ہوئے اور صحابہ نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔

چونکہ یہودی کہتے تھے کہ مہاجرین پر جادو ہو چکا ہے کہ ان کے گھر بیٹا پیدا نہیں ہوگا تو اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا پہلے ہی بیٹے کی امید سے تھی۔ مدینہ شریف پہنچیں تو قبا کے مقام پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب پیدا ہوئے تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں کپڑے میں لپیٹ کر مدینہ شریف کی گلیوں کا چکر لگایا پھر فرمایا یہودیو! سن لو قریش پر کوئی جادو نہیں۔ مہاجرین پر کوئی جادو نہیں ہوا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بیٹا عطا فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پہلی غذا

اور پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے بعد کا پہلا شہزادہ ہے جس کو نبی علیہ السلام نے اپنے لعاب دہن سے گھٹی دی۔ آپ نے کھجور منہ میں چبائی اور اس کے بعد ان کے منہ میں ڈالی۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں سب سے پہلی جو چیز پہنچی تو وہ نبی علیہ السلام کا لعاب دہن تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ساری زندگی راہ حق میں مجاہد کی طرح کردار ادا کرتے رہے اور بالخصوص جب مکے میں آپ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور مکہ شریف میں امیر المومنین کی حیثیت سے دور دراز تک ان کے احکامات کو مانا جانے لگا۔ بنو امیہ کے فرمانروا عبدالملک کو یہ بات پسند نہ تھی اس نے حجاج بن یوسف کو بھیجا کہ تم وہاں چلے جاؤ اور ان سے میری بیعت لو۔ اگر وہ میری بیعت کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ان کا سر اتارو

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے نتیجے میں چالیس ہزار کا لشکر حجاج بن یوسف کی قیادت میں مکہ شریف حملہ کیلئے آ گیا۔ مکہ شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ امیر المومنین کی حیثیت سے تھے۔ حجاج بن یوسف نے عبدالملک کے حق میں بیعت لینے کیلئے مکہ شریف کا محاصرہ کیا۔ اور یہ محاصرہ پانچ مہینے اور سترہ دن تک جاری رہا۔ اہل مکہ کا پوری طرح محاصرہ کر لیا گیا۔

چالیس ہزار کے لشکر نے آ کر منجنیقیں نصب کر دیں اور کعبہ شریف کے قریب والے پہاڑوں سے منجنیقوں کے ذریعے پتھراؤ کیا گیا۔

جس سے کعبہ شریف کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھی شہید ہوتے رہے۔

اس دوران بہت سے مسائل پیدا ہوئے۔ ابن زبیر کے ساتھیوں نے یہ بھی پیش کش کی کہ تم مذاکرات کر لو اور دست بردار ہو جاؤ اور اپنی جان بچا لو۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے مؤقف اور مشن پر ثابت قدم رہے۔

اورادھر پانچ مہینے کا محاصرہ اور مسلسل چالیس ہزار فوج کا حملہ تھا جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی شہید ہو گئے اور کچھ مجبوراً حجاج بن یوسف سے جا ملے۔ جن کو کھانا نہیں ملتا تھا پانی نہیں ملتا تھا اور کوئی صورت حال بچنے کی نہیں تھی ۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے بھی جان بچانے کے لیے حجاج کی امان میں چلے گئے۔ حضرت خبیب اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے۔ امن کے لیے حجاج کے پاس چلے گئے ۔ صرف چند ساتھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں۔ اپنی ماں کے پاس مشورہ کرنے کے لیے چلے گئے۔

یہ بات (۷۳ھ) تہتر ہجری کی ہے۔ (۷۲ھ) بہتر ہجری میں یہ محاصرہ شروع ہوا اور (۷۳ھ) تہتر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ہجرت کے موقع پر مدینہ شریف میں پیدا ہوئے تھے۔ اسطرح حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ خود (۷۳) تہتر سال کے تھے۔

﴿بوڑھی ماں کا بلند حوصلہ﴾

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تہتر (۷۳) سال کا بوڑھا انسان پانچ مہینے محاصرہ کے باوجود آپ نے جہاد کو جاری رکھا اس وقت آپ کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر نوے (۹۰) سال سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔ اتنی بوڑھی ماں اور اتنے سخت حالات اور پھر آپ کا بلند حوصلہ تو ایسے میں قیامت تک کے لیے ماؤں کو ایک نصاب دیا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ شریف میں اپنے گھر میں موجود تھیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مشورہ کرنے کے لیے حاضر خدمت ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں سے جس وقت جا کر یہ کہا کہ صورتحال یہ ہے کہ میرے ساتھ صرف چند ساتھی رہ گئے ہیں باقی شہید ہو گئے ہیں۔اور کچھ حجاج کیساتھ مل چکے ہیں۔

فَمَارَأيُكَ ؟

اب آپ کی اس بارے میں رائے کیا ہے ؟

میرے سامنے تین چیزیں پیش کی جارہی ہیں۔

نمبر 1: مجھے یہ بھی کہا جارہا ہے کہ ابن زبیر اگر حفاظت سے باہر نکلنا ہے تو نکل جاؤ۔

نمبر 2: مجھے گرفتاری کی پیش کش بھی ہورہی ہے۔

نمبر 3: اور مجھے سر اتارنے کی دھمکی بھی دی جارہی ہے۔

اب ساری بات واضح ہے کہ میری فوج بھی ختم ہو چکی ہے۔میں اس وقت اکیلا ہوں۔اگر میں پہلے دو کام اختیار نہیں کرتا تو تیسرا کام میرے سر کے اترنے کا ہے۔

تو میری ماں تجھ سے مشورہ کرنے آیا ہوں۔مجھے اس وقت کیا کرنا چاہیے۔

صابرہ ماں کی مجاہد بیٹے سے گفتگو

جس وقت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی بوڑھی ماں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا تو اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اندر کتنا حوصلہ تھا۔وہ کتنی صابرہ تھیں اور دین میں کس قدر بصیرت رکھنے والی تھیں

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا کہنے لگیں۔

يَا بُنَيَّ اَنْتَ اَعْلَمُ بِنَفْسِكَ

اے میرے بچے ہے (بُنَيَّ تصغیر کا لفظ بولا) تجھے تمہارے بارے میں زیادہ پتہ ہے

پہلے یہ جملہ بولا پھر کہنے لگیں۔ اب میری بات سنو!

اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّكَ عَلٰى حَقٍّ وَتَدْعُوْا اِلٰى حَقٍّ وَاصْبِرْ عَلَيْهِ

اگر تم جانتے ہو کہ تم حق پر ہو اور حق کی طرف دعوت دیتے ہو تو پھر اس حق پر صبر کرد

فَقَدْ قُتِلَ عَلَيْهِ اَصْحَابُكَ

اور پھر تمہارے دوست اس حق پر شہید ہو چکے ہیں۔

وَلَا تُمَكِّنْ مِنْ رَقَبَتِكَ يَلْعَبُ بِهَا غِلْمَانُ بَنِيْ اُمَيَّةَ

اپنی گردن کو گرفتاری میں نہ دیں کہ بنو امیہ کے بچے اس کے ساتھ مذاق کرتے رہیں۔ پھر فرمانے لگیں

يَا بُنَيَّ عِشْ كَرِيْمًا

اے میرے بیٹے زندہ رہنا ہے تو شان سے رہو۔

مُتْ كَرِيْمًا

مرنا ہے تو شان سے مرو

لَا يَاْخُذُكَ الْقَوْمُ اَسِيْرًا

نہ پکڑے تجھے قوم قیدی بنا کر

یعنی کبھی بھی مجھے تیری گرفتاری کی خبر نہ ملے۔ بلکہ مجھے تیری شہادت کی خبر ملے۔

اس وقت گرفتاری بھی کوئی کام ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کو مروا کے کہو کہ میں گرفتاری

پیش کرتا ہوں۔ کبھی بھی اپنے آپ کو مذاق نہ بنانا۔ اور پھر اتنا خوبصورت جملہ بولا!

اِنْ كُنْتَ عَلٰى حَقٍّ مَا وَهَنَ الدِّيْنُ

اگر تم حق پر ہو یعنی تم نے جس وقت جہاد شروع کیا تھا تو اپنے زور کی وجہ سے یا حق کی حمایت کی وجہ سے کیا تھا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے میں نے تو حق کی وجہ سے شروع کیا تھا۔ تو فرمایا تیرا کوئی ساتھی بھی زندہ نہ رہے۔ حق تو اب بھی زندہ ہے۔ حق تو اب بھی تیرے پاس ہے۔

جس وقت تو نے لڑنا شروع کیا تو وہ حق تجھے چھوڑ کے نہیں گیا۔ وہ حق اب بھی تیرے پاس ہے ۔ اس واسطے اے ابن زبیر جو تو نے میرا دودھ پیا ہے۔ میں تمہیں کہہ رہی ہوں اور یہی میرا حکم بھی ہے۔ مشورہ بھی ہے، رائے بھی ہے کہ حق تو تمہارے ساتھ ہے اور کوئی بھی تیرے ساتھ نہ ہو تو کوئی بات نہیں لیکن جب روح نکلے گی تو حق کی حمایت میں نکلے گی۔

بوڑھی ماں تو یہ چاہتی ہے کہ میرے بیٹے کو گرم ہوا بھی نہ لگے اور جہاں معمولی سا بھی خدشہ ہو کہ وہاں جانے سے نقصان ہوگا۔ وہاں جانے سے روکتی رہتی ہیں۔

یہ بوڑھی ماں کہہ رہی ہے اے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن لو! میرا یہ حکم ہے کہ تم نے گرفتاری پیش نہیں کرنی۔ تمہیں شہید کیا جائے یہ مجھے پسند ہے اور میں جس وقت مروں تو یہ فیصلہ سن کے مروں۔ یا تم کامیاب ہو جاؤ غازی بن کے یا کامیاب ہو جاؤ شہید بن کے۔

ماؤں کا نصاب

اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے بیٹے کو جو پیغام دیا۔ وہ آج کی ماؤں کے لیے بھی ایک سبق ہے کہ!

ان کے پاس جب بیٹے آجائیں اور پوچھیں کہ ماں ایک طرف دین ہے دوسری طرف دنیا ہے۔ دنیا کی طرف جاؤں تو فائدہ بڑا ہے اور دین کی طرف جاؤں تو نقصان بڑا ہے۔ تو ماں کو یہ کہنا چاہیے کہ اے میرے بیٹے جدھر دین ہو ادھر نقصان نہیں ہوتا دین خود فائدہ ہے اور دنیا تو عارضی چیز ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا بولنے لگی کہ

اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّكَ اَنَّمَا اَرَدْتَّ الدُّنْيَا فَلَبِئْسَ الْعَبْدُ اَنْتَ

اگر تو نے دنیا کے لیے تلوار اٹھائی تھی تو پھر تم برے انسان ہو

اَهْلَكْتَ نَفْسَكَ وَاَهْلَكْتَ مَنْ قُتِلَ مَعَكَ

پھر تو خود بھی ہلاک ہے اور تیرے ساتھی بھی ہلاک ہیں۔ وہ دین کی کوئی خدمت کر کے نہیں گئے۔

وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى حَقٍّ فَمَا وَهَنَ الدِّيْنُ وَكَمْ خُلُوْ دُكَ فِي الدُّنْيَا

اور اگر تم حق پر ہو تو دین کمزور نہیں ہوا تو دنیا میں آج نہیں مروگے تو چار دن بعد مر جاؤ گے۔ کون ہمیشہ اس دنیا میں رہتا ہے۔

تو جب دنیا سے جانا ہی ہے۔ تو اس میں حق کے لیے جو جاتا ہے اس کے لیے حق کی طرف سے رحمتوں کا نزول بھی ہوتا ہے۔

جس وقت حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے اپنی گفتگو ختم کی۔

تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اٹھے اپنی امی کے قریب ہوئے۔

فَدَنَا مِنهَا فَقَبَّلَ رَاْسَهَا

اپنی امی جان کے قریب ہو کر اپنی بوڑھی ماں کا سر چوما۔ اور کہا

هٰذَا وَاللّٰهِ رَاْيِ

امی خدا کی قسم ہے میری رائے بھی یہی ہے۔ میں ڈرا نہیں ہوں میں بھاگا بھی نہیں ہوں۔ صرف میں تم سے مشورہ چاہتا تھا۔

مشورے کا مقصد ثواب میں شریک کرنا

اور میرا یہ ذوق کہتا ہے کہ انہوں نے یہ پوچھا تھا تو اس نقطہ نظر میں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں اشارہ ملا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو۔ تو بیٹے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ اللہ کے نبی کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے تو جس وقت اللہ حکم دے دے پھر مشوروں کی ضرورت نہیں ہوتی مشورہ تو دو چیزوں میں سے بہتر کے انتخاب کیلئے ہوتا ہے۔ لیکن رب جس وقت حکم دے رہا ہو تو وہی بہتر ہوتا ہے۔ تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے سے مشورہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بغیر پوچھے ذبح کر دینا چاہیے تھا۔ مگر مشورہ کیوں کیا تاکہ بیٹے کو بھی پورا ثواب مل جائے۔

ایک یہ ہے کہ بغیر پوچھے لٹا دیں تو اس صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو ثواب ملے گا۔ لیکن بیٹے کو ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس میں بیٹے کا تو کوئی دخل ہی نہیں ہے۔

لیکن جس وقت پوچھا تو انہوں نے کہا!

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

(پارہ ۲۳ سورۃ الصافات آیت ۱۰۲)

اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے

ابا جان جو کچھ کرنا ہے رب کے لئے کرلو میں اسی پر صبر کروں گا۔

تو پھر جتنا ثواب حضرت ابراھیم علیہ السلام کو مل رہا تھا۔ اتنا رب کے حکم پر پیش ہوتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی مل رہا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ اگر چاہتے تو خود شہید ہو جاتے آپ کو تو اس کا ثواب مل جاتا۔ لیکن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا کے حوصلہ کا اظہار نہ ہوتا۔ اوران کا جو دین سے پیار ہے اس کا اظہار نہ ہوتا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے امی سے اس لئے پوچھا کہ میری شہادت میں ثواب میری امی کو بھی مل جائے۔ اوران کی رائے سامنے آجائے اور قیامت تک کافروں کی ماؤں اور مشرکوں کی ماؤں اور یہودیوں عیسائیوں کی ماؤں کو پتہ چلے کہ جنہوں نے نبی علیہ السلام کا کلمہ پڑھا ہے۔ وہ جان کی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ دین کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ بھی دینا پڑے تو دے دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں سے کہا امی جان میں نے آپ سے مشورہ اس لئے کیا ہے تا کہ آپ کو بھی اس کا ثواب مل جائے۔

اللہ تعالی کی حدوں کی پاسداری کا جذبہ

پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے

وَاللّٰهِ مَارَكَنْتُ اِلَى الدُّنْيَا

خدا کی قسم دنیا کا ایک فیصد بھی میرا خیال نہیں تھا۔ جس وقت میں نے تلوار پکڑی تھی۔

وَلَا اَحْبَبْتُ الْحَیَاۃَ فِیْهَا

اور دنیا میں رہنے کی میری کوئی دلچسپی نہیں۔

وَمَا دَعَانِیْ اِلَی الْخُرُوْجِ اِلَّا الْغَضَبُ لِلّٰهِ اَنْ تُسْتَحَلَّ حُرْمَتُهٗ

میرے تلوار اٹھانے کا صرف ایک ہی باعث تھا کہ جو مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو پھلانگا جائے اور اللہ کی حدود کو پامال کیا جائے اور پھر عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ کر کے گھر میں بیٹھے رہے۔

صرف ایک بات نے مجھے اس رستے پہ لگایا۔ جو آج میں شہادتوں کے گلشن میں شہید ہونے کے لیے تیار کھڑا ہوں تو اس لئے کہ جب جابر حکمرانوں نے اللہ کی حدود کو کراس کیا ہے۔ حدود اللہ کو پامال کیا ہے: ؛ سے برداشت نہیں ہو سکا۔

ان سے پہلے جو یزید کے مظالم تھے وہ ۔ ا میرے سامنے تھے۔ میں ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دین کی حمایت میں نکلا ہوں۔ مجھے اپنی امارت کا کوئی شوق نہیں اور مجھے خلافت کی بھی کوئی غرض نہیں۔ میں نے اس لئے جھنڈا اٹھایا ہے کہ اگر آج ہم پاور بن کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ان لوگوں کے خلاف ڈٹ کے مقابلہ نہیں کریں گے تو دین پھر بدلتا چلا جائے گا۔

اس واسطے میری امی نہ مجھے دنیا کی محبت ہے نہ دنیا میں جینا چاہتا ہوں۔ مجھے اس بات پر غصہ آیا تھا کہ رب کا دین ہو رب کا قرآن ہمارے پاس ہو، اس کی مخالفت ہوتی رہے یہ برداشت نہیں ہو سکتا تھا۔ اس واسطے میں نے اپنا لشکر تیار کر لیا اور مکہ شریف کے اندر میں نے ڈیرے لگا لئے۔

پھر کہنے لگے

فَانْظُرِیْ یَا اُمَّاهُ فَاِنِّیْ مَقْتُوْلٌ فِیْ یَوْمِ هٰذَا

اے میری امی تم دیکھ لینا آج میں شہید ہو جاؤں گا۔

یہ میرا فیصلہ ہے آج میری شہادت ہو گی۔

فَلَا یَشْتَدُّ حُزْنُكِ

میں نے پوچھا اس لئے ہے تا کہ تمہیں غم زیادہ نہ ہو۔

اگر میں ویسے شہید ہو جاتا تمہیں خبر پہنچتی تو وہ اور معاملہ تھا۔ جب تم خود شہادت کے لیے رخصت کر رہی ہو اب اگر میری شہادت کی خبر پہنچے گی تو معاملہ اور ہو گا اور میں نے اس لئے پوچھا ہے کہ

وَسَلِّمِیْ لِاَمْرِ اللّٰهِ

میری امی جب میری شہادت ہو جائے اور تمہیں میری شہادت کی خبر ملے تو تم نے میرا معاملہ رب کے سپرد کر دینا۔

تم نے کہنا ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

﴿حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ستھرا کردار﴾

فَاِنَّ اِبْنَكِ لَمْ یَتَعَمَّدْ اِتْیَانَ مُنْكَرٍ

تو اس بیٹے کی ماں ہے جس نے آج تک عمداً ایک بھی گناہ نہیں کیا۔ وہ بیٹا آج تجھ سے وقت شہادت اجازت مانگ رہا ہے۔

وَلَا عَمِلَ بِفَاحِشَةٍ

آج تک تیرے بیٹے نے کوئی برائی نہیں کی۔

وَلَمْ يَجْرُفِیْ حُكْمِ اللّٰهِ

آج تک اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تیرے بیٹے نے جرأت نہیں کی۔
اللہ کے حکم کے مقابلے میں کبھی جسارت نہیں کی۔

وَلَمْ يَغْدَرْ فِیْ اَمَانٍ

آج تک امانت کے اندر غداری نہیں کی۔

وَلَمْ يَتَعَمَّدْ ظُلْمَ مُسْلِمٍ وَلَا مُعَاهِدٍ

آج تک میں نے کسی مسلم پر بھی ظلم نہیں کیا اور کسی ذمی پر بھی ظلم نہیں کیا۔

وَلَمْ يَبْلُغْنِیْ ظُلْمٌ عَنْ عَامِلٍ فَرَضِيْتُهٗ بَلْ اَنْكَرْتُهٗ

اگر میری حکومت میں میرے گورنر نے کسی پر ظلم کیا ہے تو میں نے اس کا بھی بدلہ لیا ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ عِنْدِیْ آثَرَ مِنْ رِضٰی رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ

اور اس عامل کے ظلم کو میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضا پر ترجیح نہیں ہے

اب اپنی پالیسی کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ هٰذَا تَزْكِيَةً لِّنَفْسِیْ

اے میرے رب یہ باتیں میں نے اپنی بڑائی کے لیے نہیں کیں کہ میں آخری وقت اپنی تعریف کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے جو کچھ یہ باتیں کی ہیں

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَعْلَمُ بِیْ مِنِّیْ وَمِنْ غَيْرِیْ

اے اللہ تو میرے بارے میں اور میرے علاوہ دوسروں کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی پالیسی اپنی ماں کے سامنے بیان کر کے شہادت کی اجازت لے کے نکلتے وقت رب ذوالجلال سے گفتگو کر رہے ہیں۔

اے اللہ جو باتیں مجھ سے ہوگئیں کہ میں نے ظلم نہیں کیا فحاشی نہیں کی میں نے ہمیشہ حق کی حمایت کی ہے۔ میں نے عمداً کبھی گناہ نہیں کیا۔ اے اللہ یہ میری اپنی تعریف نہیں تھی۔ میں اپنی ماں کو حوصلہ دینا چاہتا تھا کہ میری ماں کو شہادت کی خبر ملے تو اسے خوشی ہو کہ میرا کوئی اجڈ بیٹا دنیا سے نہیں گیا۔ میرا ایک کامل کردار والا بیٹا دنیا سے جا رہا ہے۔

﴿ایک بیٹے کی ماں سے دعاؤں کی درخواست﴾

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی امی سے کہا کہ اے میری امی اب میں جانا چاہتا ہوں تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

اُخْرُجْ يَا بُنَيَّ

اے میرے بچے تم چلے جاؤ

حَتّٰى اَنْظُرَ مَا يَصِيْرُ اِلَيْكَ اَمْرُكَ

تاکہ مجھے پتہ چلے کہ فیصلہ کیا ہوتا ہے۔

فَقَالَ جَزَاكِ اللّٰهُ يَا اُمَّهْ خَيْرًا

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے میری ماں خدا تجھے جزا دے۔

فَلَا تَدْعِى الدُّعَا قَبْلُ وَبَعْدُ

کبھی دعا میں مجھے ترک نہ کرنا۔ میرے لئے دعائیں مانگتے رہنا۔

جس وقت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے تو آپ کی والدہ نے دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ قَدْ سَلَّمْتُهُ لِاَمْرِكَ فِيْهِ وَرَضِيْتُ بِمَا قَضَيْتَ فَقَابِلْنِىْ فِىْ

عَبْدَاللّٰہِ بْنِ زُبَیْرٍ بِثَوَابِ الصَّابِرِیْنَ الشَّاکِرِیْنَ

اے اللہ میں اپنا بیٹا تیرے سپرد کر رہی ہوں تو میرے بیٹے کو صابرین کا ثواب عطا فرما۔ میرے بیٹے کو شاکرین کا ثواب عطا فرما۔

اس کے ساتھ کہتی ہیں ۔ اے میرے بیٹے اب رخصت ہو جاؤ ۔ میں تمہیں اجازت دے رہی ہوں ۔ بوڑھی ماں ہے نظر ختم ہو چکی ہے ۔ بیٹے کو رخصت کرنے لگی ہے۔73 سالہ بیٹے کو90 سالہ ماں نے اپنی گود میں لے لیا۔

فَاحْتَضَنَتْہُ لِتُوَدِّعَہُ

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹے کو رخصت کرنے کے لیے اپنی آغوش میں بٹھایا اور ہاتھ پھیرا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بدن پر زرہ تھی۔ جس وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے لوہے کی زرہ پہنی ہوئی ہے تو حضرت اسماء کہنے لگی۔

یَابُنَیَّ :مَاھٰذَا لِبَاسُ مَنْ یُّرِیْدُ مَا نُرِیْدُ مِنَ الشَّھَادَۃِ

(البدایۃ والنہایۃ باب قتل عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلد نمبر ۸ صفحہ نمبر ۳۲۵ دار المعرفۃ بیروت)

اے میرے بیٹے جس نے شہادت لینی ہو اس کو زرہ کی ضرورت کیا ہے۔ ایک طرف تم مجھ سے شہادت کی اجازت لیتے ہو اور پھر تم نے زرہ پہنی ہوئی ہے۔

اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا بیٹے زرہ اتار دو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے زرہ اتار دی اور اپنے اضافی کپڑے اتار دیئے۔ شہادت میں ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی ستر میں فرق آ جائے۔

اسلام کے ساتھ وفاداری کا سبق

جس وقت وہ اپنے باقی کپڑے سمیٹ رہے تھے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان کو اپنے خاندان کی عظمت اور اسلام کے ساتھ وفا کا سبق بھی دے رہی تھیں۔ فرمانے لگیں!

اے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تیرے ابا جی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کو نبی علیہ السلام نے اپنا حواری کہا تھا، اور تیرے نانا کو صدیق اکبر کہا جاتا ہے، اور تیری دادی نبی علیہ السلام کی پھوپھی ہیں۔ اور تیری خالہ نبی علیہ السلام کی زوجہ ہیں۔ یہ سارے معاملات اپنے ذہن میں رکھو اور تم نے آج جس وقت شہادت گاہ میں قدم رکھنا ہے یہ سارے حوالے تمہارے سامنے ہونے چاہییں۔

کوئی شکوہ اور کوئی شکایت اور کوئی بے صبری نہیں ہونی چاہیے۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی عظیم ماں کا سبق لے کر باہر نکلے ہیں تو یہ پیشکش پھر ہو گئی ہے کہ اگر چاہو تو جان بچا کر باہر چلے جاؤ۔ چاہو تو گرفتاری دے لو۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا نہ گرفتاری منظور ہے نہ اس سے نکل کر جان کی حفاظت منظور ہے۔ میں جس دین کے لیے تلوار اٹھا کے نکلا تھا۔ اس کے لیے آخری سانس تک لڑوں گا۔ لڑتے لڑتے جس وقت چھلنی ہو گئے۔ اس وقت ایک موذی نے بڑھ کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا سر اتار لیا۔ وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہ جب پیدا ہوئے تھے تو مدینہ شریف میں اس وقت اللہ اکبر کی آواز گونجی تھی۔ وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہ جب شہید ہوئے ہیں۔ تو پھر کچھ موذی اللہ اکبر کی آواز بلند کر رہے تھے۔

اس موقع پر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت سنا تو فرمایا:

ظالمو! تم سے وہ لوگ اچھے تھے جنہوں نے اس ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت پر اللہ اکبر کہا تھا۔ آج تم ان کی شہادت پر اللہ اکبر کہتے ہو۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ دین کی سربلندی کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہوئے یوں نظر آئے ہیں۔ جیسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کردار ادا کیا تھا۔ اور پھر ان کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کردار ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہ خاندان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفا کا حصہ ہے۔

ادھر حجاج کی طرف سے اتنا ظلم وستم ہو رہا تھا کہ آپ کا سر کاٹ کے عبدالملک کی طرف بھیجا گیا۔ اور پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) حجون کی پہاڑی پر الٹا لٹکا دیا گیا۔ حجون ایک پہاڑی کا نام ہے جو مکہ شریف میں ہے۔ اس پہاڑی پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا جسد اقدس کئی دنوں تک لٹکتا رہا۔ اتنا ظلم حجاج کی طرف سے تھا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو خبر پہنچی کہ آپ کا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔

اس کے بعد پھر حجاج کی طرف سے مذاکرات کی کوشش کی گئی۔ ہر ظالم ظلم کے داغ دھونا چاہتا ہے۔ مظلوم خاندان کے ساتھ اپنی حمایت اور محبت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ معاملہ یزید کا تھا۔ ایسے ہی حجاج نے پیغام بھیجا کہ اے اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم آؤ میں تمہیں اعزاز دینا چاہتا ہوں۔

یہ پیغام جس وقت حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچا تو فرمانے لگیں کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی میں حجاج کے پاس جاؤں گی۔

حجاج نے پھر پیغام بھیجا۔ کہ یا تو تم خود آؤ گی یا پھر تمہیں بالوں سے کھینچ کر یہاں

لایا جائے گا۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں کہتی ہیں میں بیٹھی ہوں اس کو بھیجو جو مجھے بالوں سے پکڑ کر لے جائے۔کون مجھے بالوں سے پکڑ کر لے جائے گا ؟

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جب یہ پیغام حجاج کے پاس پہنچا۔

حجاج غصے میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جا پہنچا۔تو وہ دوسری طرح نرمی سے پیش آیا۔

کہنے لگا۔ یَا اُمَّہ

اے ماں تجھے امیر المؤمنین کا پیغام دینا چاہتا ہوں۔عبدالملک بن مروان نے مجھے باقاعدہ کہا ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا کا ایک بہت بڑا مقام ہے۔اسماء کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔

جس وقت حجاج نے ﴿یَا اُمَّہ﴾ کہا تو اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگی۔

لَسْتُ لَكَ بِاُمٍّ

تیرے جیسے بدبخت کی میں ماں نہیں ہوں۔

میں کس کی ماں ہوں؟

لِکِنِّیْ اُمُّ الْمَصْلُوْبِ عَلٰی رَأْسِ الثَّنِیَّۃِ

(سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۵۳۰)

حجون کی پہاڑی کے اوپر پھندے پر جو سواری کر رہا ہے۔میں اس کی ماں ہوں۔ میں زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں ہوں۔

حجاج سے کہا میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔حجاج نے کہا کوئی ہمارے ذمہ کام ہو تو بتاؤ۔

تو حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگیں۔سن لو! تم اس وقت مجھ سے کسی نرمی کا تقاضا کرتے ہو۔سنو! تیرے کرتوتوں کو میں شروع سے جانتی ہوں۔ میں نے خود نبی علیہ السلام کی زبان سے سنا تھا

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میری امت کے اندر ثقیف خاندان سے دو آدمی نکلیں گے۔ایک کذاب ہوگا دوسرا مبیح ہوگا۔

کذاب مختار ثقفی تھا۔ جو اہل بیت کی جھوٹی محبت کے ضمن میں لڑتا رہا اور پھر اس کا سر اتارا گیا۔اس کذاب کی خبر بھی نبی علیہ السلام نے دی تھی۔اور دوسرے مبیح کی خبر دی تھی۔

''مبیح'' اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کو قتل کرنے والا ہو۔ میں نے نبی علیہ السلام کی زبان سے تمہاری مذمت سنی تھی۔اگر چہ تم بعد میں پیدا ہوئے ہو۔مگر ہمارے محبوب علیہ السلام نے اپنی زبان سے خبر پہلے دے دی تھی۔لہذا میں تجھے بتانا چاہتی ہوں کہ میرے پاس تیرے لئے کوئی نرمی نہیں ہے۔

میرے پاس تیری مذمت حدیث سے ثابت ہے کہ تو وہ بد بخت انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام نے بھی بد بخت قرار دیا ہے۔

پھر حجاج کہنے لگا دیکھو میں نے اللہ کے دشمن کو مارا ہے حضرت اسماء فرمانے لگیں۔ میرا بیٹا اللہ کا دشمن نہیں تھا۔وہ صوام تھا قوام تھا۔ روزانہ روزہ رکھا کرتا تھا اور روزانہ رات بھر قیام کرتا تھا۔

حجاج نے کہا دیکھو میں نے تیرے بیٹے کی کس طرح دنیا خراب کی ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں

ٹھیک ہے تم نے میرے بیٹے کی دنیا خراب کی ہے۔ مگر میرے بیٹے کی شہادت نے تیری آخرت برباد کر دی ہے۔ نقصان تجھے ہوا ہے مجھے تو نہیں ہوا" دنیا عارضی ہے آخرت دائمی ہے۔ تم نے ہمیں دنیا کا نقصان دیا یہ کوئی بات نہیں ہے لیکن تو اپنی آخرت کا نقصان کر بیٹھا ہے۔ میرا بیٹا اور میں جس راہ پر قائم ہیں ہم نے اپنی آخرت کو سنوار لیا ہے۔

﴿آج کے ماحول میں خاتون اسلام کی ذمہ داری﴾

عظیم ماں کے ان جملوں کو اس موضوع کے لحاظ سے پیشنظر رکھنا آج کے حالات میں ہمارے لئے ضروری ہے۔ بالخصوص آج کی خواتین کے لیے اس میں سبق ہے۔ جس وقت ماں سے بیٹا آ کے پوچھتا ہے امی ایک طرف یہ سنت ہے اور دوسری طرف یہ فیشن ہے۔ فیشن سارے کر رہے ہیں۔ سنت سارے چھوڑ رہے ہیں۔ تو امی میں کیا کروں؟ اسلام کی بیٹی کا حق بنتا ہے۔ وہ کہے میرے بیٹے فیشن کو لات مارو۔ قدم سے ٹھکرا دو۔ اور اپنے نبی کی سنت کا جھنڈا اٹھا لو۔ اگر چہ کوئی بھی تجھے پسند نہ کرے لیکن اللہ تعالی تو پسند کرے گا۔ اللہ تعالی کے نبی علیہ السلام تو پسند کریں گے۔

اس واسطے آج کی ماؤں کے لیے حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا کا یہ کردار سامنے رکھنا ضروری ہے۔ جب اسلام پہ کربلا کا وقت آ جائے۔ جب حدود اللہ کو پامال کیا جا رہا ہو۔

ایسے میں ماؤں پر ضروری ہے اپنے بیٹوں کو دودھ کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے اپنے دودھ کا تذکرہ کرتے ہوئے۔ انہیں یہ بتائیں کہ ہمارے اندر دین ہے ایمان ہے۔ ہمارے اندر یقین ہے۔ ہر چیز پہ کمپرومائز ہو سکتا ہے۔ اسلام پر کوئی کمپرومائز نہیں ہو سکتا کہ ہم اسلام بیچ کر زندگی کی بھیک مانگتے رہیں۔

ایسی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔

اسلام کی بیٹی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی آغوش میں آنے والی نسل کی اس انداز میں تربیت کرے جس سے پتہ چلتا رہے کہ!

شراب عشق احمد میں کچھ ایسی کیف و مستی ہے
جان دیکر بھی اک دو بوند مل جائے تو سستی ہے

﴿وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
5

یہود و نصاریٰ اور ہمارا جداگانہ تشخص

اَحْمَدُ کَ اللّٰھُمَّ یَا مُجِیْبَ کُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ ھُوَ اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ذَوِ الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ قَالَتِ الْیَھُوْدُ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ غُلَّتْ اَیْدِیْھِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَعَلٰی آلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاسَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثناء اور حضور اکرم، نورِ مجسم شفیع معظم، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب ارباب فکر ودانش

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ادارہ صراطِ مستقیم پاکستان کے زیرِ اہتمام فہم دین کورس کے 13 ویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

"یہود ونصاریٰ اور ہمارا جداگانہ تشخص"

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن و سنت کو سمجھ کر اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آج امتِ مسلمہ جن خطرات میں گھری ہوئی ہے ان میں ایک بہت بڑا خطرہ یہود ونصاریٰ کیساتھ مشابہت کا ہے اور یہود ونصاریٰ کی پیروی کا ہے۔

☆ آج امتِ مسلمہ کے بعض افراد کو دھوکہ دے کر، ورغلا کر اغوا کیا جا رہا ہے۔

☆ انہیں طیبہ کی حسین وادیوں سے نکالنے کیلئے مغرب کی چمک دکھائی جا رہی ہے۔

☆ انھیں زمزم اور کوثر وتسنیم سے ہٹا کر یورپ کے میخانوں کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔

☆ زندگی گذارنے کا لائف کوڈ اور نظام حیات جو ہمارے خالق ومالک نے ہمارے لئے پسند کیا ہے۔ اس کے مقابلے میں شہوت پرستوں اور خواہش کے پجاریوں کے

بنائے دساتیرِ حیات کی طرف آج امت مسلمہ کو متوجہ کیا جارہا ہے۔

ایسے خطرات میں امت کے پاس بچاؤ کیلئے جو قلعہ ہے وہ قرآن مجید ہے۔

آج کا مومن اپنے رب کی قدرتوں پر یقین رکھتے ہوئے اور اپنے آقا تمام رسولوں کے قائد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبتوں کا دیپ جلائے ہوئے اس کائنات میں سب کو یہ بات باور کرانا چاہتا ہے کہ ہمارے دل میں اور ہمارے کردار میں جہاں کہیں بھی جلوہ گری ہوگی وہ رب ذوالجلال کے پسندیدہ دین اسلام کی جلوہ گری ہوگی۔

ہمارے انفرادی و اجتماعی زندگی کے معاملات ہوں یا امور ہوں ان کے اندر اسلام کا جلوہ گر ہونا اور ان کے اندر دین متین کی چمک کا موجود ہونا آج کے مومن کا سب سے بڑا کردار ہونا چاہیے۔

جداگانہ تشخص بیان کرنے کا مقصد

اس مقصد کے پیش نظر آج کے موضوع کو اس فورم (form) پر بیان کیا جارہا ہے۔ کہ ہمارے دکھوں کا علاج واشنگٹن میں نہیں ہے۔ ہمارے مرض کی دوا برطانیہ کے پاس نہیں ہے۔ ہمارے مسائل کا حل اسرائیل کے پاس نہیں ہے۔ ہماری الجھنوں کا مداوا انڈیا کے پاس نہیں ہے۔ ہمارے ہر مسئلہ کا حل قرآن وسنت میں موجود ہے۔

اس واسطے آج کچھ لوگ غیروں کے آلہ کار بن کے اُن کا پیغام مسلمانوں میں پھیلانے لگے اور کچھ بے چارے نادانستہ اُس جال کا شکار ہونے لگے۔

تو یہ ہماری ڈیوٹی بنتی ہے کہ ہم اپنے جداگانہ تشخص کی صورت و اہمیت کو واضح کریں۔

☆ جس کا کوئی سہارا نہ ہو وہ اگر مارا مارا پھرتا ہے تو کوئی بات نہیں۔

☆ جس کے پلے کچھ نہ ہو وہ در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرے تو کوئی بات نہیں۔

☆ جس کے پاس ضابطہ حیات نہ ہو وہ غیروں کی گداگری کرتا پھرے تو کوئی بات نہیں

☆ لیکن جس امت کو ساری امتوں کا سردار بنایا گیا ہو۔

☆ جس کے قانون کو ہر قانون کا سردار بنایا گیا ہو۔

☆ جن کی کتاب کو ہر کتاب پر امامت دی گئی ہو۔

☆ جن کے رسول ﷺ کو سارے رسولوں کا قائد اور سردار بنایا گیا ہو۔

اُس امت کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ للچائی نظروں سے غیروں کی طرف دیکھے اور وہ کسی غیر کے دروازے کے در کی بھیک کا محتاج رہے۔ اُسے ہر وقت اپنے رب کے کرم کی طرف اور اپنے محبوب کی عنایت کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

یہودیوں کا بگڑا ہوا عقیدہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ

اور یہودی بولے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے

اُن یہودیوں کے اللہ کے ماننے کا انداز یہ ہے کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ موجودہ یہودی قرآن کے نزول کے وقت کے یہودیوں سے کئی درجے بگڑ گئے ہیں۔ اُس وقت کے یہودیوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اتنے کمینے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ معاذ اللہ بندھے جا چکے ہیں لہذا وہ کچھ دے نہیں سکتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں کہا۔

غُلَّتْ اَیْدِیْھِمْ

انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں

جو اللہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ ان کے کہنے والوں کے ہاتھ جکڑے جائیں۔

وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا

اور ان پر اس کہنے سے لعنت ہے

بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ

بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں

اللہ کے ہاتھوں کو کون باندھ سکتا ہے۔ دن رات اُس کی طرف سے لوگوں پر بخشش ہو رہی ہے۔ لوگوں کو کھلایا جا رہا ہے خیرات بانٹی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پھیلے ہوئے ہیں۔

اور یہ متشابہات میں سے ہے کہ اللہ نے دو ہاتھوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔

یہ رب کی ذات کا کمال ہے جو عقل کے ترازو پہ تولا نہیں جا سکتا۔ ہاتھ کے ہونے پر ہمارا یقین ہے لیکن ہمارے ہاتھوں کی طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں تو وہ کیسے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور ہمارے لئے اس پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خود ہمیں اپنے ہاتھوں کا دیدار کرا دے گا۔

یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ

عطا فرماتا ہے جیسے چاہے

وہ جس طرح چاہتا ہے لوگوں کو عطا کرتا ہے اُس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ نہ اُسے کوئی مجبور کرسکتا ہے۔

قرآن کا اعلان یہودیوں کے کفر میں دن بدن اضافہ

وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّكُفْرًا

(پارہ ۶ سورۃ المائدہ آیت ۶۴)

اور اے محبوب یہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر میں ترقی ہوگی۔

اس قرآن کو بنایا تو رحمت گیا تھا لیکن چونکہ اُن کے مزاج بگڑ چکے ہیں اس واسطے انھیں یہ رحمت راس نہیں آئے گی وہ اس کو ازروئے شرارت کے پڑھیں گے اور ازروئے کفر کے پڑھیں گے۔ جوں جوں قرآن پڑھا جائے گا یہودیوں کی شرارتیں زیادہ ہونگی اور اُن کا کفر زیادہ ہوگا اس کی صداقتوں کا اس سے بڑا بیان کیا ہوسکتا ہے چودہ صدیوں سے زائد عرصہ گذر چکا ہے اس کی کوئی خبر بھی جھوٹی نہیں ہے۔

قرآن کی سچی خبریں

اُن اخبار میں سے ایک خبر یہ ہے کہ قرآن پڑھیں گے یا سنیں گے تو ان کا کفر تیز ہو جائے گا اور پھر اے مسلمانو! تم کبھی بھی یہ نہ سمجھنا کہ یہ تمہارے وفادار ہو جائیں گے۔ اور تمہارے معاون بنیں گے۔

تم مومن تب ہو جب تمہارے پاس قرآن ہے اور جب تک تمہارے پاس قرآن ہے ان کی شرارتیں ختم نہیں ہونگی تم قرآن کے بغیر نہیں رہو گے اگر مومن رہنا

ہے تو قرآن ساتھ رکھنا ہے اور جب تک تمہارے ساتھ قرآن ہوگا اُس وقت تک یہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، یہ تمہارے دشمن ہونگے۔

اللہ تعالیٰ نے ان وجوہ کو اس لئے بیان کیا کہ قیامت تک کے حالات اُس کے سامنے تھے۔ بڑے نشیب و فراز آئیں گے یہود و نصاریٰ تمہیں ورغلانے کی کوشش کریں گے اور تمہارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ یہود و نصاری رہ کے تمہارے حامی بن جائیں اگر تائب ہو کر مومن بن جائیں تو علیحدہ بات ہے۔ جب تک یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ قیامت تو آسکتی ہے لیکن یہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔

اتنے موذی دشمن سے مشابہت آخر کیوں؟

تو مطلب کیا تھا کہ جو اتنے موذی دشمن ہیں اور اتنے مہلک ہیں تو پھر مسلمانو! ان سے بچ کے رہنا اور وہ کون ہے جو دشمن کے ساتھ مشابہت اختیار کرے۔ مشابہت تو پیار کی وجہ سے اختیار کی جاتی ہے۔ کسی کو کسی انسان کا بولنا پسند آیا تو اس نے ویسا بولنا شروع کر دیا، کسی کا لباس پسند آیا تو ویسا لباس پہننا شروع کر دیا، کسی کا کوئی طریقہ پسند آیا تو وہی طریقہ شروع کر دیا تو یہ مشابہت محبت کی وجہ سے اختیار کی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لائق محبت نہیں ہیں۔

یہ جو کچھ بھی کہیں تمہارے دشمن ہیں یہ کبھی بھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ شہد بھی پیش کریں تو وہ ضرور زہر ہوگا۔ اگر یہ پھول بھی دکھائیں تو وہ کانٹا ہوگا یہ بہار بھی لیکر آئیں تو ضرور خزاں ہوگی۔ ان پر کبھی تم نے اعتماد نہیں کرنا۔

یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ ہم ان سے دور ہیں وہ ہم سے دور ہیں۔ کبھی ان کے طریقوں کی پیروی نہیں کرنی ان کے راہ ورسم کو تم نے تھوکنا ہے۔ اور اُن سے کسی طرح کی کوئی مشابہت نہیں ہونی چاہیے تاکہ بغیر کوئی اشتہار چھاپنے کے اور بغیر کوئی ثبوت دینے کے صرف دنیا تمہارا چہرہ دیکھے تو کہے کہ یہ وہ ہیں جو یہود ونصاریٰ کے مخالف ہیں۔

تمہارے اجسام اور تمہاری عادتیں اور تمہارے چہرے اور تمہارے خصائل اور تمہارے طور زندگی کو دیکھ کر اُن کو پتہ چلتا رہے کہ یہ وہ ہیں جو حق والے ہیں اور جن کا یہود ونصاریٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہود ونصاری کے بارے قرآن کا فیصلہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہودیوں کے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں اور وہ بخیل ہیں، وہ لعنتی ہیں، وہ شرارتی ہیں اور وہ کافر ہیں۔ یہ باتیں یہودیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہیں۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کلام کرنے کا سلیقہ کس کو آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کے حکمت والی گفتگو کون کرسکتا ہے۔

تو آج ایک یہ بھی روشن خیالی ہے کہ یہود کو کچھ نہ کہو نصاری کو کچھ نہ کہو، نرم لہجہ رکھو، تو ہم کہتے ہیں ہم نرم لہجہ کہاں سے رکھیں جب قرآن کا لہجہ اتنا گرم ہے۔ ان آیات کو قرآن سے نہیں نکالا جاسکتا اور جو اس بارے میں سوچے وہ بھی کافر ہو جائے گا یہ ایک حقیقت ہے جس کی قرآن نے مذمت کی ہے ہمیں اُس کی مذمت کرنا پڑے گی اور ایسے ہی اُس کو کہنا پڑے گا جیسا رب کہہ رہا ہے وہ خالق ہو کر کیوں فرماتا ہے۔ اسواسطے کہ وہ رب کے وفادار نہیں بنے۔ رب کے بارے میں جو کہیں کہ اللہ کے (معاذ اللہ) ہاتھ

جکڑے جا چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ ہاتھ تو ان کے جکڑے گئے اور ان پر لعنت ہے اور قرآن کی وجہ سے ان میں طغیانی بڑھے گی اور کفر میں اضافہ ہوگا۔

ہمارے کچھ ایسے بھولے دوست بھی ہیں جن کو آج ان کا ایمان یاد آتا ہے۔ اور ان کو Beleaver کہتے ہیں۔ قرآن تو کہتا ہے کہ یہ کافر ہیں۔ ہر آنے والے دن ان کی شرارت بھی بڑھے گی اور ان کا کفر بھی بڑھے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور ہم نے اُن کے اندر آپس میں قیامت تک کیلئے عداوت اور بیر ڈال دیا ہے۔

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ

جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو بجھا دیتا ہے۔

وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا

اور وہ زمین میں فساد کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے یہودیوں کی متعدد صفتیں بیان کی ہیں۔

یہودیوں کے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں، لعنتی ہیں، بخیل ہیں، کافر و سرکش ہیں آپس میں دشمنی اور بغض رکھتے ہیں۔ جنگ کیلئے آگ گرم کرتے ہیں اُن کا مشن جنگ ہے اور وہ زمین میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ

(پارہ ۶ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶۴)

اور اللہ فساد کرنے والوں سے پیار نہیں کرتا۔

مسلمانوں کی نجات کا واحد راستہ

یہ کہنے کا مطلب کیا تھا کہ اے مسلمانو! تم میرے بندے ہو جس سے میرا پیار ہونا چاہیے اُس سے تمہارا پیار ہونا چاہیے تو یہود و نصاریٰ فساد پھیلانے والے ہیں۔ لہٰذا جو فسادی ہیں وہ میرے پسندیدہ نہیں ہیں۔ جب وہ میرے پسندیدہ نہیں ہیں اور تم میرے ہو تو پھر تمہیں بھی چاہیے کہ یہود و نصاریٰ کو پسند نہ کرو تم اُن سے دور رہو۔

آج کا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ہم نے کبھی یہود و نصاریٰ کو پسند نہیں کیا ہم نے تو ہمیشہ اُن سے نفرت کی ہے تو پھر آج کا کردار چغلی کھاتا ہے

☆ اگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ پیار نہیں تو پھر چہرہ اُن جیسا کیوں بنایا ہوا ہے؟

☆ اگر یہود و نصاریٰ سے پیار نہیں ہے تو پھر دوکان کا نظام اُن جیسا کیوں رکھا ہوا ہے؟

☆ اگر یہود و نصاریٰ سے پیار نہیں تو پھر کپڑے اُن جیسے کیوں پہنے ہوئے ہیں؟

☆ اگر یہود و نصاریٰ سے پیار نہیں تو پھر نظام حیات کا انداز اُن جیسا کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہارا رب ہوں تم نے میرے ساتھ پیار کرنا ہے لیکن تم میرے دشمنوں کے ساتھ پیار کرتے ہو۔ میں نے تمہیں پیار کرنے کا ایک جامع پیکر حضرت محمد ﷺ کی صورت میں دیا ہے چہرہ اُن کا دیکھو گے اُن میں جمال میرا نظر آئے گا۔ یہ تمہارے لئے ہم نے سنت بنادی ہے۔ اُن کو بہت بڑا معیار قرار دیا ہے اب جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ مجھے پسند ہے۔ میں نے تمہیں جداگانہ تشخص کیلئے محبوب علیہ السلام کی شکل عطا فرمائی ہے کہ جن کا ہر کردار جداگانہ ہے، ہر انداز جداگانہ ہے۔

اے لوگو! تم ڈھونڈھ رہے تھے کہ ہم یہود و نصاریٰ سے فرق تو چاہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا

(پارہ ۶ سورۃ النساء آیت ۱۷۴)

اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اُتارا۔

برھان کو دیکھتے جاؤ اور رب کی پسند کو پہچانتے جاؤ۔

قرآن مجید کی اس آیت کی شرح کے طور پر بخاری شریف کی ایک حدیث سامنے رکھیے ہم یقیناً ان لوگوں کو اہل کتاب کہتے بھی ہیں اور سمجھتے بھی ہیں۔ مگر ہم ان لوگوں کو مومن نہیں سمجھتے۔

یہاں پر مومن سے مراد لغوی معنی نہیں بلکہ شرعی معنی مراد ہے تو شرعی معنی کے لحاظ سے یہود و نصاریٰ مومن نہیں ہیں اُن کے ایمان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ آج کے بگڑے ہوئے انسان ہیں۔

جس وقت اسلام آیا تھا اُس وقت کے ان کے حالات کو سامنے رکھ لیں تو پھر کوئی غلطی نہیں ہوگی سید عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مژدہ اپنے صحابہ کرام کو سنا رہے تھے کہ قیامت کے دن رب کا دیدار ہوگا۔

﴿بتوں سمیت ان کے پجاری جھنم کا ایندھن﴾

اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ

جب قیامت کا دن ہوگا۔

أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ تَتْبَعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ

(بخاری شریف کتاب التفسیر باب قولہ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ ج ۲ ص ۶۵۹ قدیمی کتب خانہ کراچی حدیث نمبر ۴۵۸۱)

قیامت کے دن اعلان ہوگا ہر امت جس کی عبادت کرتی تھی اُس کے پیچھے چلے۔ جس کی دنیا میں انہوں نے عبادت کی وہ اپنے معبود کے ساتھ ہو جائے تو جس نے پتھر کی عبادت کی یا بت کی عبادت کی یا درخت کی عبادت کی وہ اسی کے ساتھ ہو جائے گا۔

فَلَا يَبْقَى مَنْ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللَّهِ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ إِلَّا يَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ

پس جو بھی اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں اور پتھروں کی عبادت کرتا تھا وہ جہنم میں گر جائے گا۔ سارے جھوٹے معبودوں کے پجاری اپنے معبودوں کے ساتھ ہو جائیں گے (کوئی بچھڑے کے پیچھے ہے کوئی گائے کے پیچھے ہے کوئی پتھر کے پیچھے تو کوئی درخت کے پیچھے ہے) انھیں مجموعی طور پر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ بَرٌّ أَوْ فَاجِرٌ

حتیٰ کہ اللہ کے ماننے والے باقی رہ جائیں گے، خواہ وہ نیک ہوں یا برے ہوں یعنی کچھ وہ ہیں جو مانتے بھی ہیں اور اطاعت بھی کرتے ہیں کچھ وہ ہیں جنہیں یقین و ایمان تو ہے مگر وہ فاسق و فاجر ہیں۔ یہ دونوں طرح کے لوگ باقی رہ جائے گے۔ ان کیساتھ کون ہیں۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَغُبَّرَاتُ أَهْلِ الْكِتَابِ

اور اہل کتاب کے بقایا۔

یعنی اہل کتاب میں سے جنہوں نے بتوں کی پوجا کی وہ تو جہنم میں چلے گئے اور باقی مومن رہ گئے اور کچھ اہل کتاب میں سے رہ گئے جن کا دعویٰ تھا کہ ہم اہل توحید میں سے ہیں ان کو ابھی جہنم میں نہیں پھینکا گیا۔

اب یہ ہے کہ اُن کے اہل کتاب ہونے میں اور دیگر مشرکین میں فرق کتنا سا ہے۔ باقی سارے مشرک جہنم میں داخل ہو گئے اور وہ ''غبرَ ات اهل کتاب'' ابھی باقی ہیں کیونکہ انہوں نے جن کی عبادت کی وہ جہنم میں جانے والے نہیں وہ اللہ کے نبی ہیں انہوں نے اُن کی جھوٹی عبادت کی۔ جب ثابت ہوا کہ یہ بقایا اھل کتاب بھی مشرک ہیں ان کو بھی جھنم میں پھینک دیا جائے گا۔

فَتُدْعَى الْيَهُودُ

یہودیوں کو رب کی بارگاہ میں بلایا جائے گا۔

فَيُقَالُ لَهُمْ مَنْ كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟

اُن سے کہا جائے گا یہودیو تم کس کی عبادت کرتے تھے۔

قَالُوا كُنَّا نَعْبُدُ عُزَيْرَ ابْنَ اللَّهِ

وہ کہیں گے کہ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے جو کہ اللہ کے بیٹے ہیں۔

فَيُقَالُ لَهُمْ كَذَبْتُمْ

اُن سے کہا جائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا۔

حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں تھے تم نے اُن کو جھوٹا معبود بنایا وہ تو تمہیں توحید کا سبق دیتے رہے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَّلَا وَلَدٍ

نہیں پکڑا اللہ تعالیٰ نے بیوی کو اور نہ ہی بچہ

جب اُس کی کوئی بیوی نہیں تو بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔

پھر اُن سے کہا جائے گا۔

فَمَاذَا تَبْغُوْنَ

تمہیں کس چیز کی تلاش ہے حشر کا میدان ہے۔ گرمی بہت زیادہ ہے تو وہ کہیں گے۔

فَقَالُوا عَطِشْنَا رَبَّنَا فَاسْقِنَا

اے ہمارے رب ہمیں پیاس بڑے لگ گئی ہے تو ہمیں پانی پلا دے۔

فَيُشَارُ أَلَا تَرِدُوْنَ فَيُحْشَرُوْنَ إِلَى النَّارِ كَأَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَتَسَاقَطُوْنَ فِي النَّارِ

پس اشارہ کہا جائے گا کیا تم داخل نہیں ہوتے ؟ پس وہ آگ کی طرف اکٹھے کر دیے جائیں گے گویا وہ آگ سراب ہے حالانکہ اسکی آگ کا بعض حصہ بعض کو کھا رہا ہے پس وہ آگ میں گر جائیں گے۔

انھیں اشارہ کیا جائے گا اور وہ ایسے لگے گا کہ سامنے ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے مگر وہ جہنم ہوگا۔ جب اُن کو اشارہ ہوگا تو جب وہ اس میں وارد ہونگے تو وہ جہنم شعلوں سے بھرا ہوگا یہ اُن کا خاتمہ ہوگا۔

ان کے اہل کتاب ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ اولی طور پر جہنم میں نہیں گئے کچھ دیر روک کے رکھا گیا۔

اور ان سے پوچھا گیا کہ تم نے کس کی عبادت کی۔ تو انہوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ عزیر علیہ السلام نے تو تمہیں توحید بتائی تھی۔ تم نے اُن کو کیوں معبود بنایا۔ پھر اُن کو جہنم میں ایک طریقے سے داخل کیا گیا۔

اُن سے پوچھا جائے گا تمہیں کس چیز کی تلاش ہے تو وہ کہیں پیاس بڑی لگی ہے پانی چاہیے تو اُن کو اشارہ کیا جائے گا کہ وہاں پانی ہے۔ جب وہاں جائیں گے تو وہ پانی نہیں ہوگا بلکہ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے ہونگے اُن کو ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل کردیا جائے گا۔

اگر اُن کا ایمان کچھ بھی معتبر ہوتا تو وہ ہمیشہ کیلئے جہنمی قرار نہ پاتے۔ تو صرف یہ فرق ہے کہ باقی مشرکین پہلے جہنم میں جائیں گے لیکن ان کو کچھ دیر روک کے پھر جہنم میں ہمیشہ داخل کردیا جائے گا۔

پتہ چلا کہ وہ اہل کتاب جو اصل اہل کتاب تھے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کرام علیھم السلام سے جو دین پایا اس پر پختگی سے قائم رہے اور شرک نہیں کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی دنیا سے چلے گئے وہ جنتی ہیں۔ جنہوں نے بت پرستی کی وہ جہنمی ہیں اپنے معبودوں کے ہمراہ پہلے ہی جہنم میں چلے جائیں گے جن کا دعویٰ توحید تھا مگر مشرک ثابت ہوئے وہ دوسرے نمبر پر جہنم میں جائیں گے۔

ثُمَّ يُدْعَى النَّصَارَىٰ

پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا۔

فَيُقَالُ لَهُمْ مَنْ كُنتُمْ تَعْبُدُونَ

اُن سے کہا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے۔

قَالُوا كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيحَ ابْنَ اللَّهِ

وہ کہیں گے ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔

فَيُقَالُ لَهُمْ كَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ

اللہ فرمائے گا تم جھوٹ بولتے ہوئے اللہ کا کون بیٹا ہوسکتا ہے اُس کی کوئی بیوی نہیں ہے اور نہ کوئی اولاد ہے تم نے کس کو معبود بنایا اور پھر تم نے ان کو ابن اللہ سمجھے رکھا۔

فَيُقَالُ لَهُمْ مَاذَا تَبْغُونَ

اُن سے کہا جائے گا کہ اب تمہیں کیا چاہیے۔

وہ کہنے لگے پیاس بہت زیادہ ہے پانی کی ضرورت ہے۔

تو اُن کو اشارہ کیا جائے گا جو کہ سراب ہے وہ سمجھیں گے کہ پانی کا سمندر بھرا ہوا ہے۔ حالانکہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ ادھر جہاں اشارہ ہوا جہنم کے شعلے تھے۔ تو اُن کو جہنم میں داخل کر دیا گیا۔

محشر اور امت مسلمہ

حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ مِنْ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ

یہاں تک کہ اللہ کو معبود ماننے والے نیک اور فاجر ہی باقی رہ جائیں گے۔

اسکے بعد رسول اکرم ﷺ کا علم دیکھیے حشر کا دن ہوتا، ہم وہاں ہوتے تو پھر جا کر ہمیں اس کا پتہ چلتا لیکن یہ رسول اکرم ﷺ کا ہم پہ کرم ہے کہ آپ نے صفہ پہ

بیٹھ کے صدیوں بعد کی باتیں بتائی ہیں۔حشر بپا ہے باقی سارے فارغ ہو چکے ہیں اور جہنم میں جا چکے۔

اللہ تعالیٰ کو ماننے والے اور رسول اللہ ﷺ کو ماننے والے اور ہر دور کے مومن باقی رہ جائیں گے۔اُن میں کچھ نیک ہونگے اور کچھ بُرے ہونگے۔

اب کوئی جتنا بھی گنہگار ہو وہ کبھی تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے۔یعنی دل میں یقین ہر وقت ہے اور کبھی ورد بھی کر لیتا ہے۔بہت بڑا مجرم اور ڈاکو اُس مومنین کی لسٹ میں ہے باقی رہنے کا معیار شرک نہ کرنا ہے اللہ کی عبادت کرنے والے باقی کھڑے ہیں۔

أَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فِي أَدْنَى صُورَةٍ مِنَ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا

اللہ تعالیٰ کو جس صفت کے ساتھ وہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ اسی صفت میں تجلی فرمائے گا۔

فَيُقَالُ مَاذَا تَنْتَظِرُونَ تَتْبَعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ

اُن سے کہا جائے گا تم کس کے انتظار میں کھڑے ہو۔وہ سارے چلے گئے تم پیچھے کھڑے ہو بتاؤ کس کا انتظار ہے۔ہر امت جس کی عبادت کرتی تھی اس کے ساتھ چلی گئی۔ تم کس کے انتظار میں ہو۔

قَالُوا فَارَقْنَا النَّاسَ فِي الدُّنْيَا عَلَى أَفْقَرِ مَا كُنَّا إِلَيْهِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ

وہ کہیں گے ہم دنیا میں بھی ان کے ساتھ نہیں گئے حالانکہ ہم ان کے بہت زیادہ محتاج بھی تھے۔

یہ جہاں چلے گئے ہم ان کے سنگی نہیں ہیں۔دنیا میں بھی ہم ان کے ساتھی نہیں تھے۔ یہ ہم سے جدا ہوتے۔ہم نے تو ان کے ساتھ جانا ہی نہیں تھا۔

یہ حشر میں کہیں گے۔ یا اللہ ان کا اور ہمارا دنیا میں کھانا پینا جدا جدا تھا۔ ہم ان سے جدا رہے ان کیساتھ کبھی بھی نہیں رہے۔ تو آج بھی ان سے جدا ہیں وہ سارے چلے گئے۔

وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ

ہم نے ان کی سنگت اختیار نہیں کی

اور ہم اُن کے ساتھ نہ دنیا میں گئے نہ آج اُنکے ساتھ گئے ہیں۔

وَنَحْنُ نَنْتَظِرُ رَبَّنَا الَّذِي كُنَّا نَعْبُدُ

ہم تو اپنے رب کے انتظار میں ہیں جس کی ہم عبادت کرتے تھے۔

ہمارا پیارا رب آئے گا ہم اُس کے ساتھ جائیں گے۔ اپنے رب کے انتظار میں ہم یہاں کھڑے ہیں۔

فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ

اللہ فرمائے گا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں جس کی تم عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کی لذت کے بارے میں عدم نامی شاعر نے کہا تھا

محشر کا خیر کچھ بھی نتیجہ ہو عدم
کچھ گفتگو تو کر لیں گے کھل کے خدا کیساتھ

کتنا حسین منظر ہوگا جب سارے بندے دیکھ رہے ہونگے اور معبود کہے گا۔

أَنَا رَبُّكُمْ

مجھے ڈھونڈنے والو میں تمہارا رب ہوں۔

تم مجھے رات کی تنہائیوں میں سجدے کر کر کے ڈھونڈتے رہے۔ تم نے رات تراویح کے

اندر قرآن سنتے وقت مجھے تلاش کیا۔ تم نے چھپ کے مجھے ڈھونڈا تم نے سجدے کر کے مجھے ڈھونڈا۔ تم میری تلاش میں بھوکے رہے۔ تم نے مجھے تہجد میں آوازیں دیں۔ تم آنکھوں کی برسات سے مجھے ڈھونڈتے رہے۔ ساری زندگی تمہاری میری دید کی خاطر گذر گئی۔

أَنَا رَبُّكُمْ

اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئی ہیں میں تمہارا رب ہوں۔

وہ کتنا اچھا منظر ہوگا اور کتنا اچھا موسم ہوگا، کیسے پر کیف نظارے ہونگے، کیسا وجد ہوگا، کیسا سرور ہوگا، اللہ اپنی طرف سے آواز دے گا اللہ ان بندوں کو ساتھ لے گا۔ کیا وارے نیارے ہیں

فَيَقُولُونَ لَا نُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا

(بخاری شریف کتاب التفسیر باب قولہ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ ج ۲ ص ۶۵۹ قدیمی کتب خانہ کراچی حدیث نمبر ۴۵۸۱)

تو بندے کہیں گے ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھرائیں گے کہ ہم نے کبھی شرک نہیں کیا تھا اس رب کے ساتھ کسی کو معبود نہیں بنایا۔ اس رب کو وحدہٗ لاشریک سمجھا ہے تو رب نے بھی ہماری محبت کو رسپانس دیا ہے۔

﴿مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کے انجام میں فرق﴾

جھوٹے معبودوں کے پجاری اپنے بتوں اور معبودوں کے ساتھ جہنم میں ہیں اور یہ سچے مومن ہیں جن کو اس وقت جب کوئی سہارا نہیں ملے گا اور تنہائی محسوس ہوگی اللہ ان کو تنہائی محسوس نہیں ہونے دے گا۔ وہ کیسے تنہا ہو جسے خود رب کہہ رہا ہو میں تیرا رب آگیا ہوں۔

یہود ونصاریٰ کے ساتھ محبت کے جو اسباب بتائے جاتے ہیں یہاں اُن کی

کوئی ڈاکو ہوگا، کوئی بدمعاش ہوگا آج ہمیں اس قرآن کو سامنے رکھ کے اپنی نسل کو استوار کرنے کی ضرورت ہے بچہ گھر سے باہر نکلے تو سوسائٹی کہے کہ اللہ کا ولی جا رہا ہے۔

یہود و نصاریٰ کسی طرح بھی محبت اور چاہت کے لائق نہیں ہیں۔ ہم اپنے دل میں اس انداز کو رکھتے ہیں جو انداز ہمیں سرکار ﷺ نے عطا فرمایا۔ اور اسی کو آگے پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

﴿میدان حشر میں یہود ونصاریٰ مسلمانوں کا کفارہ﴾

آخری حدیث اس موضوع کی بیان کرتا ہوں۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَة

جب قیامت کا دن ہوگا

دَفَعَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى كُلِّ مُسْلِمٍ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّ

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک ایک یہودی پکڑائے گا یا ہر مسلمان کو ایک ایک عیسائی پکڑائے گا۔

یہودی اور عیسائی سے مراد وہ ہیں جو مشرک ہو گئے یا اپنے عقیدے کو بدل دیا، یا اسلام آنے کے بعد اپنے عقیدے پر ڈٹے رہے۔

تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

هٰذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ

(مسلم شریف کتاب التوبۃ باب قَبُولِ تَوْبَةِ الْقَاتِلِ وَإِنْ كَثُرَ قَتْلُهُ ج ۲ ص ۳۶۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اپنی جگہ جہنم میں اسے پھینک دے اور خود جنت چلا جا۔

اور یہ تیرا کفارہ ہے اے مسلمان یہ تیرا کفارہ ہے تیری سیٹ پر اس کو جہنم میں بٹھانا ہے۔

هَذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ

فکاک کہتے ہیں جسے دیکر جان چھڑائی جائے یعنی وہ مسلمان جن کی شفاعت ہو جائے گی بخشش ہو جائے گی ان کی سیٹیں کیسے پر ہوں گی۔

اللہ فرمائے گا یہ رسی پکڑ واسے جہنم میں پھینکو یہ تمہاری جگہ باندھا جائے گا۔

اس واسطے ان کے دلوں کبھی بھی تمہارا بغض ختم نہیں ہو گا۔

اگر وہ حق پرست ہونگے تو قیامت تک مان کر ادھر آتے جائیں گے۔ اس دین کو قبول کرتے جائیں گے۔

جو اتنے ذلیل ورسوا ہوں

☆ کون ہے جو ان کے پیچھے چلے

☆ کون ہے جو انکو اپنا پیشوا مان لے

☆ کون ہے جو ان کے سامنے ہاتھ پھیلائے

☆ کون ہے جو ان کی تقلید کرتا پھرے۔

مومن کی یہ شان نہیں ہو سکتی، مومن دنیا میں بھی افضل ہے اور آخرت میں بھی افضل ہے۔

و آخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
6

باپ کی شان اور امتحان

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَنِ اشْكُرْلِیْ وَلِوَالِدَيْكَ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور پرنور، شافع یوم النشور، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار گوھر بار میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

ارباب فکر ودانش اصحاب مودت ومحبت

نہایت معزز ومحتشم حضرات وخواتین

ربّ ذوالجلال کے فضل اور اُسکی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم کے زیر اہتمام فہم دین کورس میں آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

''باپ کی شان اور امتحان''

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے۔ قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو جو بہترین انعامات دیئے اور انسان کیلئے جن امور کو ابر کرم، رحمتوں کی برسات اور بہت بڑے سہارے کے طور پر جو چیزیں عطا کیں اُن میں سے ایک باپ کا سہارا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک بچے کے باپ کیلئے اُس کے دل میں جو شفقت اور پیار رکھا ہے۔ اُس کی وسعتوں کی پیمائش بہت مشکل ہے۔ انسان کے والد کی شکل انسان کیلئے جو سایہ رحمت ہوتا ہے اور کرم کا سائبان ہوتا ہے۔ اُس کے والد کی شکل میں زندگی میں جو سہارا ہوتا ہے۔ ان کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

ایک بہت بڑا شجر سایہ دار کسی کو وہ سایہ فراہم نہیں کرسکتا۔ جو ایک والد اپنی اولاد کو

سایہ فراہم کرتا ہے۔ کسی بہت بڑے شیلٹر کے اندر پہنچ کر انسان غموں اور دکھوں سے اس قدر محفوظ نہیں ہو سکتا۔ جس قدر وہ اپنے والد کے سایہ رحمت میں بہت سے مصائب اور بہت سی مشکلات سے محفوظ رہتا ہے۔

والد کی الفت، شفقت اور اُسکی ہیبت یہ ساری چیزیں اولاد کیلئے ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہیں والد کا پیار تو پیار ہے ہی اُس کی جھڑکیوں میں بھی بیٹوں کیلئے ایک بہت بڑی بھلائی کا خزانہ محفوظ ہوتا ہے۔ اس مفہوم کو قرآن و سنت میں بارہا مقام پر بیان کیا گیا ہے۔

﴿اللہ تعالیٰ اور والد کا شکر ایک ساتھ﴾

اللہ تعالیٰ سورۃ لقمان میں ارشاد فرماتا ہے۔

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ

(پارہ ۲۱ سورۃ لقمان آیت ۱۴)

تم میرا بھی شکر ادا کرو اور والدین کا بھی شکر ادا کرو۔

﴿عبادت کے بعد والدین سے حسن سلوک کا حکم﴾

اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا مقام والدین کو بخشا ہے۔ جہاں عبادت کا ذکر تھا وہاں اپنی عبادت کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر فرمایا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

(پارہ ۱۵ سورۃ الاسراء آیت ۲۳)

تمہارے رب کا حکم ہے کہ تم عبادت صرف میری کرو اور والدین کے ساتھ حسن

سلوک کرو۔ یعنی عبادت کے فوراً بعد والدین کے حسن سلوک کا تذکرہ فرمایا۔

دوسری طرف اس مقام پر جب شکر کا ذکر ہوا تو فرمایا۔

اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ

میرا بھی شکرادا کرو اور اپنے والدین کا بھی شکرادا کرو۔

اللہ تعالیٰ اور والدین کے شکر میں فرق

تو قرآن مجید کے اس مقام پر جو عظمت والدین ہے اُس کو جہاں اجاگر کیا گیا وہاں ہمارے لئے عقائد کے لحاظ سے اس بات کی بھی وضاحت کی گئی کہ ایک ہی چیز کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اُسکا معنٰی اور ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرف ہو تو اسکا معنٰی اور ہوگا۔

اس مقام پر شکر کی نسبت دو ذوات کی طرف کی گئی کہا گیا کہ تم میرا شکرادا کرو اور اپنے والدین کا بھی شکرادا کرو۔ اگر یہی نظریہ توحید مدنظر رکھا جائے کہ جو چیز رب کیلئے ہو وہ کسی بھی معنی کے لحاظ سے اور کیلئے ہوگی تو (معاذ اللہ) شرک بن جائے گا۔ پھر تو والدین کے شکر کو شرک ہونا چاہیے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے۔

تو پتہ چلا کہ لفظ ایک ہی ہے کہ میرا شکرادا کرو اور اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرو۔ مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کا اور مفہوم ہے اور والدین کے شکر کا اور مفہوم ہے۔

چونکہ شکر نعمت کے جواب میں ہوتا ہے تو والدین جو کچھ اولاد کو دیتے ہیں اپنے پاس سے نہیں رب کا دیا ہوا دیتے ہیں تو اُن کا شکر اس لحاظ سے ایک مجازی حیثیت میں

ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کسی کو دیتا ہے اپنا دیتا ہے۔ کسی سے مانگ کر اور کسی سے لیکر نہیں دیتا اور کسی کی طاقت سے نہیں دیتا تو اس لئے اللہ تعالیٰ کا بندے پر جو انعام ہے وہ حقیقی طور پر ہے۔ تو اُس کے جواب میں تعریف ہے وہ شکر حقیقی ہے۔ لیکن قرآن مجید نے لفظ شکر ہی دونوں کیلیے استعمال کیا۔ تا کہ کسی طرح کا کوئی شرک کا وھم پیدا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو مقامات دیے ہیں اُن مقامات کا اعزاز بھی کرواتا ہے جب والدین کو شان دی کہ وہ بیٹوں کیلیے ابر کرم بن جائیں تو جس وقت اُن کی شفقتوں کا اظہار ہوتا تو اُن کی اولاد پر لازم کیا کہ تم نے میرے یہ بندے جن کو میں نے اس شان کا مالک بنایا ہے۔ اس شان کی جب تم تعریف کرو گے اور اسکے مشکور رہو گے تو تمہیں میری طرف سے اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں ان امور کی طرف متوجہ کیا اور سید عالم ﷺ کے متعدد فرامین والد کی عظمت اور اُسکے مقام کے بارے میں موجود ہیں۔

مستدرک للحاکم میں یہ حدیث شریف ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

بِرُّوْا اٰبَاءَکُمْ تَبَرَّکُمْ اَبْنَاءُکُمْ

(نضرۃ النعیم الاحادیث الواردۃ فی برالوالدین ج ۳ ص ۷۷۴ دار الوسیلۃ المکۃ المکرمۃ)

تم اپنے آباء کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو تمہارے بیٹے بھی تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ تم اپنے آباء کو اگر بھول گئے تو تمہارے بیٹے تمہیں بھول جائیں

گے۔ اگر تم نے اپنے آباء کی بات کا غصہ کیا تو تمہارے بیٹے تمہاری بات کا غصہ کریں گے اور اگر تم نے اپنے آباء کی اطاعت کی اور اُنکے ساتھ حسن سلوک کیا تو پھر اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کو تمہارے لئے مطیع اور فرمانبردار بنا دے گا۔

اس میں جتنی فائدہ جو دنیا میں انسان کیلئے اپنے والدین کی تعظیم کا ہے وہ بھی سامنے آگیا اگر کوئی شخص اس حکم کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اللہ نے حکم دیا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ آباء کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اسے بے رخی کا سامنا نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو اس کے لئے مطیع اور فرمانبردار بنائے گا۔

﴿پاک دامن رہنے کے ثمرات﴾

اسی حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

عِفُّوْا تَعِفَّ نِسَاءُكُمْ

(مستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۵۴) (نضرة النعیم ج ۳ ص ۷۷۴)

تم خود پاک دامن رہو تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامن ہونگی اگر تمہارا اپنا کردار صحیح ہوا تو تمہاری گھر کی خواتین کا کردار بھی ستھرا رہے گا۔ لہٰذا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میرا گھر محفوظ رہے۔ میری عزت محفوظ رہے اُس کو اوروں کی عزت کا خیال کرنا چاہیے اور اُسکی آنکھ پاک ہونی چاہیے۔ اُس کے جذبات شستہ ہونے چاہئیں۔ اُس کے خیالات پاکیزہ ہونے چاہییں۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے گھر کی عزت برقرار

رہے اور معاملہ عفیف رہے تو وہ اوروں کے لحاظ سے ہمیشہ پاک سوچے تو اللہ تعالیٰ اُس کو پاک دامنی اور عفت کا حصار عطا فرمائے گا۔

والدین کے اھل محبت سے حسن سلوک

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اِحْفَظْ وُدَّ اَبِيْكَ

اے عبداللہ بن عمر اپنے باپ کے اھل مُحبت کا خیال رکھو۔

یعنی باپ کے جو دوست ہیں، رشتہ دار ہیں، باپ کے جو لوگوں کے ساتھ محبت والے روابط ہیں، اُن کا تم خیال رکھو۔

بیٹوں کو اپنے باپ کے اھل محبت کے ساتھ تعلقات صحیح رکھنے چاہیں اس سے فائدہ کیا ہوگا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے چہرے کا نور برقرار رہے گا۔

تمہیں روشنی میسر آئے گی۔

لَا تَقْطَعْهُ

ان تعلقات کو تم خراب نہ ہونے دینا۔

جو والد کے دوست ہیں اُن کی عزت برقرار رکھنا اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک ہمیشہ رکھنا۔ اسکو کبھی تم قطع نہ ہونے دینا۔

فَيُطْفِئَ اللّٰهُ نُوْرَكَ

اگر ایسا ہو گیا کہ تم نے قطع تعلق کر لیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے نور کو بجھا دے گا۔

اگر والدین کے اہل محبت کے ساتھ تعلقات منقطع ہو گئے یا اُن کے ساتھ جو خوشگوار تعلق تھا وہ ناخوش گوار ہو گیا تو اس سے بندے کے ایمان کا نقصان ہو جائے گا اور روحانی نقصان ہو جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَيُطْفِئُ اللّٰهُ نُوْرَكَ

(الہیثمی فی المجمع ج ۷ ص ۱۴۴)(نضرۃ النعیم ج ۳ ص ۷۷۵)

پھر اللہ تعالیٰ تمہارے نور کو بجھا دے گا چہرے کی تازگی ختم ہو جائے گی۔

چہرے کا نکھار ختم ہو جائے گا اور زندگی کی رونق ختم ہو جائے گی اگر تم چاہتے ہو کہ زندگی پُر نور رہے اور چہرے کا نکھار باقی رہے اور زندگی کا رنگ اچھے طریقے سے برقرار رہے تو رسول اکرم ﷺ نے اس کا نسخہ بتایا کہ اپنے والدین کے اہل محبت حضرات کے ساتھ اپنے تعلقات بدستور قائم رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی کی بہاروں کو قائم رکھے گا۔

والد جنت کا مین دروازہ

رسول اکرم ﷺ نے ایک مختصر جملے میں والد کی شان کو ایک خوبصورت انداز میں یوں بیان کر دیا۔

اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ

والد جنت کا سنٹرل گیٹ ہے۔

سب سے بڑا مین دروازہ جو جنت کا ہے وہ والد ہے۔

اِنْ شِئْتَ فَاَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ اَوِ احْفَظْهُ

(جامع ترمذی ابواب البر والصلۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء من الفضل فی رضی الوالدین ج ۲ ص ۱۲ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

اگر تو چاہے تو اس دروازے کو خراب کر دے یا اس کی حفاظت کر

یعنی اب تمہاری مرضی ہے کہ وہ دروازہ کھلا رہنے دو یا بند کر دو۔

والد تمہارے لئے اوسط ابواب جنت ہے۔ جنت کے دروازوں میں سے جو رکزی گیٹ ہے۔ جس میں سے ایک انسان کو داخل ہونے کی تمنا ہوگی کہ جنت ماؤں تو بڑی شاہراہ سے جاؤں اور بڑے دروازے سے جاؤں تو ہمارے آقا ﷺ شاد فرماتے ہیں۔

جس بندے نے جنت کا بڑا دروازہ ڈھونڈنا ہے وہ اپنے والد کی خدمت کرے س نے جنت کے بڑے دروازے سے داخل ہونا ہے وہ اپنے والد کا مطیع اور رمانبردار رہے والد کی عزت کرتا رہے۔

والد کی خدمت اس چیز کا باعث بنتی ہے کہ جنت کے بڑے گیٹ سے داخل ہو سکے والد کی عزت اور اُسکی قدر اور اُن کا احترام بندے کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اُس کا استقبال جنت کے مرکزی گیٹ پر کیا جائے گا۔

والد کے ساتھ حسن سلوک پر بندے کو حشر میں بھی یہ امتیاز ملے گا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ بندے کو جنت عطا کرے گا تو مرکزی گیٹ سے وہ جنت میں داخل ہوگا اور وہاں سے سلام سلام کی آوازیں آرہی ہوگی۔ وہاں زیادہ سلامتی کے نعرے گونج رہے ہونگے۔

﴿ملت کی راتیں دنوں کی طرح روشن﴾

رسول اکرم ﷺ نے ہمارے لئے جنت کی راہوں کو روشن کیا ہے تو جنت کے گیٹ بھی بتائے ہیں۔ ظاہری زندگی میں آخری سانس تک جنت کی راہیں روشن کیں اور پھر فرما کر گئے ہیں۔

قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا

(سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین ص ۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

تحقیق میں نے تمہیں روشن ملت پہ چھوڑا جس کی راتیں دنوں کی طرح ہیں۔

میں نے دین تمہیں وہ دیا ہے کہ جس کی راتیں بھی یوں روشن ہیں جیسے دن روشن ہوتے ہیں تو آپ ہمیں یہ روشنی دیکر گئے ہیں۔ جس میں جنت کے دروازوں کی شناخت اور اُن کا تعارف اور اُن میں داخل ہونے کے ذرائع کو بیان کیا اور یہ بندہ مومن کا کتنا بڑا مرتبہ ہے اور کتنی آسانیاں ہیں۔

کہیں تو یہ کہا گیا کہ محلے کی مسجد تمہارے لئے جنت ہے۔ وہاں سے گذرو تو پھل کھا لیا کرو مطلب یہ ہے کہ مسجد میں جانے کیلئے جو قدم اُٹھیں گے حقیقت میں یہ جنت جانے والے قدم ہیں۔

اور پھر گھر میں موجود اپنی والدہ اور اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کرو گے والدہ کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور والد خود جنت کا مین گیٹ ہے۔ اس طرح جنت اللہ نے مومن کے ساتھ آباد کر دی ہے۔

اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہمارا احساس کتنا بیدار ہوتا ہے اور اس سنہری چانس کو کتنی سعادت خیال کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اپنی امت کیلئے ہمہ جہت عظمتوں کا بندوبست فرمایا ہے۔

﴿اولاد کا کمایا ہوا مال بھی باپ کا ہے﴾

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔

ایک صحابی رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر خدمت ہوئے اور اپنا ایک گھریلو مسئلہ پیش کیا یہ ہمارے رسول اکرم ﷺ کا دربار رحمت تھا خواہ کسی کا انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی معاملہ ہو کوئی چار دیواری کے اندر کی بات ہو، جو بھی آپ سے دنیاو آخرت کے لحاظ سے پوچھتا تھا رسول اکرم ﷺ اُسکی رہنمائی فرماتے تھے۔

ایک شخص نے آکر کہا یا رسول اللہ ﷺ

اِنَّ لِیْ مالاً وَّوَلَدًا

میرے پاس مال بھی ہے اولاد بھی ہے۔

وَاِنَّ اَبِیْ یُرِیْدُ اَنْ یَّحْتَاجَ مَالِیْ

اور میرے والد محترم میرا مال لینا چاہتے۔

ساتھ اُس نے یہ بھی کہا مجھے اسکی ضرورت ہے کہ میں بال بچوں والا ہوں۔ میرا مال بھی ہے، میرا اعیال بھی ہے مگر میرے والد محترم میرا مال مجھ سے لینا چاہتے ہیں تو اُس سلسلہ میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے چھوٹا سا جملہ بولا اور رحمتوں کو لپیٹ کے اپنے امتی کے سپرد کر دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِیْكَ

تم بھی اپنے باپ کے ہو اور تمہارا مال بھی تمہارے باپ کا ہے۔

مطلب یہ تھا کہ مال کی بات کرتے ہیں تم خود بھی اُپنے باپ کے ہو۔

اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِیْكَ

(ابوداود۔الحدیث ۳۵۳۰۔ابن ماجہ کتاب التجارات باب ماللرجل من مال والدہ ص ۱۶۵ قدیمی کتب خانہ کراچی الحدیث ۲۲۹۱)

تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

تم نے یہ کیوں سوچا کہ مال میرا ہے اور باپ لینا چاہتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ وہ مال تیرا نہیں بلکہ وہ اپنا مال لینا چاہتا ہے۔ تم اُسکی جزو ہو اور تم اُسکا حصہ ہو وہ تمہارے والد ہیں اُن کو اپنا بھی مالک سمجھو اور اپنے مال کا بھی مالک سمجھو۔ اُن سے تم نے امتیاز کیوں برتا، یہ کیوں سمجھتے ہو کہ یہ میرا مال ہے اور میرے والد صاحب وہ لینا چاہتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ جملہ ''اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ'' اسکا مطلب یہ تھا کہ تم نے غلط سوچا کہ وہ تمہارا مال لینا چاہتے ہیں نہیں وہ اپنا ہی مال لینا چاہتے ہیں۔ اسواسطے کہ تم بھی اپنے باپ کے ہو، تمہارا مال بھی تمہارے باپ کا ہے۔

والد کے خیال کی ضیافت کرنا بھی اس کا حق

یہ اللہ تعالیٰ نے ایک والد کو اعزاز بخشا ہے۔ یہ شان بخشی ہے۔ یہ خود والد کو سوچنا چاہیے کہ اگر اُس کے پوتے ہیں، پوتیاں ہیں اُسکے بیٹے کی بھی اولاد ہے۔ وہ اُن کا بھی خیال رکھے۔

جو حق شریعت نے والد کو دیا ہے بالخصوص جب والد کے پاس کھانے کیلئے کچھ نہ رہ جائے اور وہ محتاج ہو جائے۔ اب ضرورت ہے کہ ایک بیٹا اپنے والد کیلئے نرم رویہ رکھے۔ جب بیٹا چھوٹا تھا باپ سے لیکر کھاتا تھا۔ اُس وقت جی جی کرتا تھا تو کوئی کمال نہیں۔ اُس وقت چھوٹا بھی تھا اور محتاج بھی تھا اور باپ سے لیتا تھا اور کھاتا تھا۔

اب اصل کمال ہے کہ باپ کما نہیں سکتا اور بستر پر خود چل کر آ نہیں سکتا۔

تو بیٹا اپنے باپ کو بوجھ نہ سمجھے، صرف اُن کے بدن کی ہی ضیافت نہ کرے بلکہ اُن کے خیال کی بھی ضیافت کرے۔ خیال کو بھی ٹھیس نہ پہنچنے دے۔ اُن کو یہ محسوس نہ ہونے دے۔ یہ شریعت نے لازم کر دیا۔

اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ

کبھی تمہارے والد کو دل میں یہ خیال بھی نہیں آنا چاہیے کہ میرا بیٹا مجھے بوجھ سمجھ رہا ہے اتنا تم نے اپنے آپ کو نرم رکھنا ہے اور کبھی بھی کسی معاملے میں کوئی بات ایسی نہیں آنے دینی جس کی وجہ سے وہ یہ سوچنے پہ مجبور ہو جائے کہ اب میں کما نہیں سکتا اور میں کسی پہ بوجھ بن گیا ہوں۔ تو اس لئے لازم کیا کہ اُن کے بدن کی ضیافت بھی ضروری ہے اور اُن کے خیالات کی ضیافت بھی ضروری ہے کہ کبھی بھی اُن کے خیال کو کوئی ٹھیس نہ پہنچنے پائے۔

رسول اکرم ﷺ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے فرامین جوامع کلم میں سے ہیں ان پر گھنٹوں بحث ہو سکتی ہے لیکن صرف ایک سرسری کے طور پر آپ کے سامنے ان کو پیش کر رہا ہے۔

آج ماں کی شان کو تو بیان کرتے ہیں اور پھر ماں اور باپ میں کمپیریزن کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کو اگر شان دی ہے تو باپ کو بھی شان سے نوازا ہے اور پھر اصل میں کمانڈ پاور (power) باپ کے پاس ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ کے لحاظ سے اور یہ جو والد کا اعزاز ہے اس میں اصل بندے کی تربیت ہوتی ہے اور سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ باپ میں شفقت بھی ہے اور رعب بھی ہے۔ تو باپ کا رعب

جڑیں کاٹنا مقصود تھا۔ کہ وہ اس لائق ہی نہیں کہ اُن سے پیار کیا جائے۔ اُن کے اہل کتاب ہونے کا اعتبار صرف اتنا ہے جو آپ نے دیکھ لیا ہے اس کے علاوہ محشر میں اہل کتاب اور دیگر کفار میں کوئی فرق نہیں ہے لہذا یہ کہنا کہ ان کیساتھ اتحاد بھی کریں گے، ان کو ہم اپنا سمجھیں گے اور ان کیلئے ہم مسجدوں کے دروازے کھولیں گے سب جھوٹ ہے۔ اس میں کوئی چیز نہیں ہے۔

اس واسطے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تو سکہ بند جہنمی ہیں اُن کے ساتھ نرمی کیا ہوسکتی ہے۔ اتنا فرق تھا کہ دوسرے پہلے نمبر پر جہنم میں داخل ہو گئے اور ان کو دوسرے نمبر پہ جہنم میں داخل کر دیا گیا۔ اور جب آواز آئی کہ سارے چلے گئے تم پیچھے کیوں رہ گئے تو اللہ کے ماننے والوں نے کہا۔

فَارَقْنَا النَّاسَ فِي الدُّنْيَا

ہم دُنیا میں بھی اُن کے ساتھ نہیں چلے تھے۔ آج اُن کیساتھ کیوں ملتے۔

فَارَقْنَا

ہم نے فرق کیا۔

یہ ہمارا جداگانہ تشخص کا موضوع ہے۔

مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کی عادات میں فرق

ہم نے دنیا میں فرق کیا اور ہم نے اپنی عادت کا فرق سمجھایا جیسے یہ بیٹھتے تھے ہم ویسے نہیں بیٹھتے تھے۔ ہمارا اور ان کا ماکولات، مشروبات اور ملبوسات میں فرق رہا رہن سہن میں فرق رہا۔

اے اللہ انہوں نے دنیا میں مزے لوٹے۔ ہم نے دنیا میں تقویٰ کمایا۔

یہ کلبوں میں ڈانس کرتے رہے۔ یہ فائیو سٹار ہوٹلوں کے اندر شراب کی محفلیں سجاتے رہے۔ یہ رات بھر بدی کی لذتیں لیکر راتیں گذارتے رہے۔

اے مولا: ہم نے آنکھیں بھی پاک رکھی تھیں ہم نے کان بھی پاک رکھے تھے ہم نے فرق کیا تھا۔ ان کا کلچر ہمارا نہیں، ان کے طریقے ہم نہیں اپنا سکتے، ان کی سوچ کو ہم قبول نہیں کر سکتے یا اللہ یہ آج کا ہی فرق نہیں ہے ہم نے تو دنیا میں بھی فرق کر کے دکھایا تھا۔

اس واسطے آج اس درس میں بیٹھنے والے حضرات و خواتین سے گذارش کرتا ہوں ہزار لطف آئے یہود و نصاریٰ کے طریقے میں پھر بھی اُس کو تھوکو اس واسطے اگر آج اُس طریقے پہ چلو گے تو جہنم میں انہیں کے ساتھ جانا پڑ جائے گا۔ آج اگر جداگانہ تشخص مکی مدنی تشخص، حرائی اور بدری تشخص اور عرش اور لوح محفوظ کا دیا ہوا تشخص ہے جو وہ اپنا تشخص ہم برقرار رکھیں گے۔

حشر کے دن ہم اُن کے ساتھ نہیں دھکیلے جائیں گے۔ اللہ کے فضل سے اُس دن فردوس کے وارث بن جائیں گے۔

آج ہم جس وقت روزانہ کے حالات کو دیکھتے ہیں تو اقبال کا یہ شعر سامنے آتا ہے۔

وضع میں تم نصاریٰ تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

روزانہ کے بالوں کے فیشن، اور سٹائل اور کپڑے اور عادات میں اُن کی پیروی اتنا افسوس ہوتا ہے کہ آج اس ماحول کے اندر گلی محلے میں چلتے ہوئے ہم اپنے نوجوان دیکھتے ہیں۔

اُن کی پینٹیں اور شرٹیں اور اُن کے انداز اور ان کے بال اور ڈیزائن اور فیشن

اتنے بھوکے لگتے ہیں یہودیوں کے طریقے کے۔ کہ وہاں کل نکلا یہاں آج پہنچا ہمارا دین ایسا نہیں کہ جس میں بالوں کا کوئی طریقہ بیان نہ کیا گیا ہو۔

ہمارا دین ایسا نہیں کہ جس میں کپڑوں کی اور بود و باش کی کوئی تفصیل موجود نہ ہو۔ جب ہمارے دین میں سب کچھ ہے اور یہی علامتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم نے کہنا ہے کہ ہم اُن سے جدا ہیں۔

اور ہم نے اپنے آپ کو اُن سے عملاً جدا ثابت کرنا ہے۔ ہم نے یہ بتانا ہے۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ہم تو رسول ہاشمی ﷺ کی قوم ہیں۔ ہم نے اپنے کردار سے یہ ثابت کرنا ہے۔ چونکہ ہر گلی، ہر محلے، ہر ائرپورٹ پر کسی کا انٹرویو تو نہیں ہوگا بتاؤ تم کون ہو، تمہارا عقیدہ کیا ہے، ہر وقت چلتے پھرتے ہزاروں لوگوں سے انٹرویو تو نہیں ہوگا فرق پھر بھی ضروری ہے۔ فرق کیسے ہوگا؟

تمہارے چہرے کو دیکھنے سے فرق کا پتہ چلنا چاہیے۔ کہ یہ مصطفوی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا غلام ہے۔ تمہارے کپڑے کے انداز سے پتہ چل جانا چاہیے ایک علاقائی لباس ہے اگر شریعت سے متصادم نہ ہو، وہ علاقے کی وجہ سے آگیا اُس میں قباحت نہیں ہے لیکن غیروں کا لانے میں سبب کیا ہے۔

انگریز کی بود و باش کو اپنے اندر پکا کرنا اس کا سبب محبت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جس نے کسی قوم کا لباس پہنا اُس نے پہلے سمجھا کہ میرا اُس سے پیار ہے۔

اُس نے ظاہر کیا کہ میرا اُن کے بغیر گذارہ نہیں ہو رہا۔ اُس نے یہ ثابت کیا کہ وہ مجھے اچھے لگے ہیں۔ جنہیں آج وہ اچھے لگیں گے انھیں قیامت کے دن اُن کے ساتھ باندھ دیا جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔

(مشکوٰۃ شریف کتاب اللباس الفصل الثانی ص:۳۷۵ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

آج جو کسی قوم سے مشابہت بنائے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا۔

آج تو کچھ معاذ اللہ سائن کر دیتے ہیں اور صرف ویزے لینے کیلئے اپنا دین بیچ ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں (معاذ اللہ) میں یہودی ہوں یا عیسائی ہوں۔

میرے بھائیو! اگر یہ نہ بھی کیا جائے صرف عادات کو بھی اللہ تعالیٰ شمار کر رہا ہے۔ کون کون ہے جس نے یہودیوں کے ساتھ اپنی مشابہت بنائی اور انکے ساتھ اپنے آپ کو ملایا اور کون کون ہے جس نے ہندوں کیساتھ اپنے آپ کو ملایا۔

یہ کسی کی غلط فہمی ہے کہ جو کہے کہ میں کلمہ اپنا پڑھوں گا کہ میں بھی مسلمان ہوں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھتا ہوں مگر میرا پیار یہودیوں سے ہے وہ میرے دوست ہیں میں اس واسطے مجبور ہوں اس لئے میں ویسے کرتا ہوں۔

تو یہ اسلام کسی کے ایسے ایمان کا محتاج نہیں ہے اسلام کامل دین ہے کامل ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ مکمل طور پر دل میں اسلام ہونا چاہیے ظاہر پر بھی اسلام ہونا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی فرق کیا۔

آپ نے فرمایا کہ یہ میرا ہے اور یہ بیگانہ ہے۔

آج ہم بڑی بڑی باتیں چھوڑ جائیں پھر یہ بھی کہتے رہیں کہ ہمارا دین و ایمان بالکل ٹھیک ہے یہ کیسے ہوگا۔ان باتوں کو اس نورانی ماحول میں مغفرت کے عشرے میں سن کے ان عمل کرو جب کہ دل نرم ہو چکے ہیں۔

رب کعبہ کی قسم ہے دلوں کے بٹن کھول دو اور ایک مرتبہ ابر کرم کو برس جانے دو امید ہے بنجر کھیتیاں بھی آباد ہو جائیں گی۔

غلامان مصطفیٰ ﷺ کا ہم پلہ کوئی نہیں

سرکار ﷺ کا فرمان کتنا خوبصورت ہے۔

آپ فرمانے لگے۔

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ (مشکوۃ شریف ص:۱۱۹)

میرے غلامو! ہم بعد میں آ کے آگے گذرنے والے ہیں۔

السَّابِقُوْنَ

لیکن دوڑ میں سب سے آگے نکل گئے ہیں۔

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

ہم جنت میں پہلے جائیں گے دنیا میں بعد میں آئیں ہیں۔ہم آخر بھی ہیں سابق بھی ہیں آخر ہیں دنیا میں آنے کے لحاظ سے اور سابق ہیں جنت میں جانے کے لحاظ سے۔

یہاں پر انسانوں کی تین قسمیں بیان کی گئیں۔

ایک جہنمی ہیں دوسرے جنتی ہیں ان کی پھر دو قسمیں ہیں ایک ہیں پہلے نمبر پر جنت میں داخل ہونے والے اور دوسرے ہیں بعد میں داخل ہونے والے۔

جنہوں نے رب کو نہیں مانا تو جہنمی ہو گئے اور جنہوں نے رب کو بھی مانا اور اپنے اپنے رسول ﷺ کو بھی مانا وہ سچے مومن بنے۔

آپ نے فرمایا میرے غلاموں تمہارے ہم پلہ وہ بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ ابھی سارے جنت سے باہر ہونگے۔ جب تم سارے جنت میں داخل ہو چکے ہو گے۔

نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

ہم آئے بعد میں ہیں جنت میں ہم پہلے جائیں گے۔

یہ کہنے کے بعد آپ نے فرمایا

بَیْدَ اَنَّھُمْ اُوْتُوْا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا

ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی۔ تورات پہلے آ گئی زبور پہلے آ گئی انجیل پہلے سارے صحائف پہلے آ گئے۔

وَاُوْتِیْنَاہُ مِنْ بَعْدِھِمْ

اور ہمیں کتاب بعد میں دی گئی۔

کتاب بعد میں لیکر ہم نے عمل ایسا کیا کہ گھنٹوں میں صدیوں کا سفر طے کر گئے۔

یہ آپ کی تقریر جمعہ کے خطبہ کی ہے۔

آپ کے صحابہ کرام کی ہم پر شفقت کتنی ہے کہ آپ کی ہر ایک تقریر کو ہم تک پہنچا دیا ہے۔

جمعہ کا دن اس امت کی سرداری کی علامت

محبوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ:

ثُمَّ ھٰذَا یَوْمُھُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَیْھِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاخْتَلَفُوْا فِیْہِ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصلوۃ باب الجمعہ الفصل الاول ص 119 سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

پھر یہ وہ دن ہے جو ان کو دیا گیا تھا یعنی جمعہ کا دن، مگر وہ اس دن کو پہچان نہ سکے اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ سے باری باری کہا کہ تم ایک دن منتخب کر لو جس میں میری بندگی زیادہ کرنی ہے اپنے اجتہاد سے وہ جو دن منتخب کرتے رہے وہ جمعہ کے علاوہ رہا۔

لیکن رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ

جو دن کسی اُمت کو چننے کی توفیق نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ نے وہ دن ہمیں چننے کی توفیق دے دی ہے۔

جمعہ کے دن کو پسند کرنے کی ہمیں اللہ نے طاقت دی۔ باقی لوگ اور دن ڈھونڈ بیٹھے اور ان کی دلیلیں تھیں۔

جس وقت یہودیوں سے کہا گیا کہ تم کسی دن کا انتخاب کرو جس دن تم نے میری بندگی زیادہ کرنی ہے۔ تو انہوں نے سوچ کر کہا کہ ہفتہ کے دن زیادہ عبادت کریں گے۔

دلیل کیا ہے کہ یہ دن فراغت کا دن ہے یعنی اس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو مکمل فرمایا تھا۔ اسی دن پھر اللہ کی بندگی کرنی چاہیے یہ ان کا اجتہاد تھا لہٰذا ہفتہ کے دن کو انہوں نے پسند کر لیا۔

نصاریٰ کو جس وقت اللہ نے کہا کہ تم کوئی دن تلاش کرو جس دن تم میری بندگی کیا کرو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اتوار کے دن اللہ کی بندگی کریں گے۔

اسکی دلیل کیا ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق اس دن شروع کی تھی یہ افتتاح کا دن ہے۔ اس واسطے ہم اس دن اللہ کی زیادہ بندگی کریں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

سارے ہی جمعہ کو نہ پاسکے لیکن ادھر اس امت نے کیا کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

(پارہ ۲۷ سورۃ الذاریات آیت ۵۶)

اور میں نے جن اور آدمی اپنے ہی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں

اور انسان کو پیدا کس دن کیا؟ تو انسان کو پیدا جمعہ کے دن کیا تو اس امت نے کہا

کہ جس دن رب نے انسان کو بندگی کیلئے پیدا کیا پھر وہ دن ہی بندگی والا بڑا دن ہے۔
جس دن انسان کو پیدا ہی بندگی کیلئے کیا تو یہ اشارہ ہے کہ زیادہ بندگی پھر اس دن ہونی چاہیے۔

﴿سردار امت﴾

سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ دن دیا کہ جس دن سے ہماری لیڈر شپ برقرار کردی۔
آپ فرمانے لگے۔
وَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ
(مشکوۃ المصابیح کتاب الصلوۃ باب الجمعہ الفصل الاول ص ۱۱۹ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)
ساری دنیا کی انسانیت اس میں ہمارے تابع ہے۔
اس امت کی پاور اور شان دیکھو یہ آئے بعد میں ہیں لیکن ہیں یہ متبوع کیوں کہ سارے لوگ ہمارے تابع ہیں ہم آگے ہیں وہ ہمارے پیچھے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ جمعہ کے ایک دن بعد ہفتہ ہے اور دو دن بعد اتوار ہے۔ کوئی ایک دن بعد ہے تو کوئی دو دن بعد ہے۔ اس لئے اگر دن دیکھنے ہیں تو دنوں کے لحاظ سے بھی کسی اور کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے تمہیں یہ دن دے کے بتا دیا ہے کہ تم کائنات میں اصل ہو جس نے چلنا ہے تمہارے پیچھے چلنا ہے۔

﴿ایک جداگانہ تشخص ہماری کتاب کی مثال نہیں﴾

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس کی وضاحت فرمانے لگے۔
يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ
اے مسلمانوں کی جماعت

جب صحابہ کرام کا دور گزرتا جا رہا تھا تو مادہ پرستی آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

تو اب خطرہ تھا کہ مسلمانوں کو سنبھالا دیا جائے۔ انہیں بتایا جائے کہ تم ہو کیا۔

کائنات میں تمہاری حقیقت کیا ہے کسی کی طرف تم نے للچائی آنکھ سے نہیں دیکھنا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے۔

كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ

کیسے تم اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں پوچھتے ہو؟

اس بندے کو شرم نہیں آئی جو یہودیوں سے جا کر اپنا مسئلہ پوچھتا ہے۔

اہل کتاب سے اپنے مسئلے کا جا کر حل پوچھتا ہے۔ تم نے کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو یہودیوں کے پاس کیوں جاتے ہو۔

وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللَّهِ

حالانکہ تمہاری وہ کتاب جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کی اللہ کا تازہ کلام ہے۔

حالانکہ کلام اللہ کی صفت قدم ہے احدث کا مطلب یہ ہے جو آخر میں اب نازل ہوا اگر تمہارے پاس کچھ نہ ہوتا تو پھر تم تورات والوں سے پوچھتے ہو جس کے گھر قرآن ہو وہ کسی کی دوکان پہ نہیں جائے گا۔ جس کے گھر قرآن ہو وہ کسی کی فکر کی خوشہ چینی نہیں کرے گا۔ جس کے گھر قرآن ہو وہ کسی کے گھاٹ پہ پینے نہیں جائے گا۔

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ

قیامت تک آنے والے مسلمانو! جب تک قرآن تمہارے پاس رہے گا تو تمہیں

غیروں سے جا کر بھیک نہیں مانگنی تم نے قرآن پڑھ کر دنیا بھی حاصل کرنی ہے، دین بھی حاصل کرنا ہے یعنی دنیا کے ذرائع کی رہنمائی حاصل کرنی ہے۔

اللہ تمہارے لئے رحمتوں کے دروازے کھول دے گا۔

آج مسلمان حکمران دیکھیں ورلڈ بینک کی طرف اور آج ہر پالیسی ان کی طرف دیکھ کے بنائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ تو بڑا ہے اور ان لوگوں سے خطاب تھا۔

کہ اے مسلمانو! یادرکھو جو دین منسوخ ہو گئے ان سے بھیک جا کر مانگتے ہو۔ ان کی تو مدت ہی ختم ہو چکی ہے۔ تمہارے پاس وہ ہے جس کی کبھی مدت ختم نہیں ہو گی۔ ساری کتابیں منسوخ ہو گئیں لیکن تمہارے قرآن کو کوئی چیز منسوخ نہیں کر سکے گی یہ قرآن تمہارے پاس ہے اور اس میں سب کچھ ہے۔

اگر سائنس کی بھیک تورات سے مانگنا پڑتی۔ ٹیکنالوجی کی بھیک انجیل سے مانگنا پڑتی تو قرآن کبھی جامع اور آخری کتاب قرار نہ دیا جاتا۔

اسی واسطے کہا گیا جو چیز تمہیں چاہیے ہر چیز قرآن کے اندر موجود ہے۔

وَقَدْ حَدَّثَكُمُ اللَّهُ

حالانکہ رب نے تمہیں بتا بھی دیا ہے کہ

أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ بَدَّلُوا مِنْ كُتُبِ اللَّهِ وَغَيَّرُوا فَكَتَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكُتُبَ

ان کو اللہ نے جو کتاب دی تھی وہ بدل بھی دی ہے اور پھر وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے

قَالُوا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

(صحیح بخاری کتاب الشہادات باب لا یسأل اہل الکتاب عن الشہادۃ ج ا ص ۳۶۹ قدیمی کتب خانہ کراچی)

پھر وہ کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

ایک تو انکی کتاب بدلی جا چکی ہے۔تمہارا قرآن بدلا نہیں جا سکے گا۔

دوسری یہ ہے کہ وہ پرانی ہے تمہارا قرآن نیا ہے۔تو یہ قیامت تک نیا رہے گا۔

اس واسطے فرمایا کہ تم جداگانہ تشخص والے ہو تمہارے پاس جو گائیڈ بک ہے اس کی بھی کوئی مثال نہیں اور تمہارے پاس جو دن ہے اس کی بھی کوئی مثال نہیں اور تمہارے پاس جو مہینہ رمضان ہے اس کی بھی کوئی مثال نہیں اور سب سے بڑھ کر تمہارے دکھ بانٹنے والے اور تمہارے درد مٹانے والے اور تمہاری آہوں پر ابر کرم بن کے برس جانے والے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جیسا کسی کے پاس آقا بھی کوئی نہیں آیا ہے۔

جس وقت یہ صورتحال ہے تو پھر کسی اور کے در پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

تم اپنی جگہ قائم ہو کر رہو تمہارا تشخص جداگانہ تشخص ہے۔اس سے تم اپنی پہچان رکھو کیونکہ حشر میں بھی اس تشخص سے پہچانے جاؤ گے۔

میت کو دفن کرنے میں ہمارا جداگانہ تشخص

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اتَّبَعَ الْجَنَازَةَ لَمْ يَقْعُدْ حَتّٰى تُوْضَعَ فِي اللَّحْدِ

رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی جنازہ پڑھ لیا جاتا تھا تو اس وقت تک نبی علیہ السلام نیچے نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ اس کو دفن نہ کر دیا جائے۔

ایسا ایک جنازہ تھا سرکار مدینہ ﷺ کھڑے تھے۔

فَعَرَضَ لَهُ حَبْرٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ

جیسے لوگوں کی مشابہت بنانے کی ایک عادت ہوتی ہے کہ اچھا کام دیکھا تو کہا یہ ہمارا بھی ہے اپنی یگانگت خواہ مخواہ ظاہر کرتے رہتے ہیں۔

اس پادری نے کہا

هٰكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

جب تک میت لحد میں نہ رکھ دی جائے تو ہم بھی نیچے نہیں بیٹھتے۔

اب یہ بظاہر تو بڑی پیار کی بات تھی۔ آپ فرماتے کہ پھر تو تم بڑے اچھے ہو ہم اور تم ایک ہیں فرمایا نہیں۔

قربان جاؤں میں اپنے آقا علیہ السلام پہ آپ نے کیا کیا۔

قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ خَالِفُوْهُمْ

(سنن الترمذی کتاب الجنائز عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ما جاء فی الجلوس قبل ان توضع)

(مشکوۃ المصابیح کتاب الجنائز باب المشی بالجنازۃ الفصل الثالث ص ۱۴۷ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت اس پادری نے کہا کہ ہم میت کو لحد میں جب تک نہ اتاریں اس وقت تک ہم نہیں بیٹھتے تو سرکار مدینہ ﷺ اسی وقت فوراً بیٹھ گئے۔ ابھی میت لحد میں رکھنی تھی اور پہلے طریقہ بھی یہ تھا کہ جب تک میت لحد میں نہ رکھی جاتی۔ محبوب نیچے نہیں بیٹھتے تھے۔ مگر جس وقت یہودی نے کہا۔ ہمارا بھی یہی طریقہ ہے تو سرکار ﷺ نے فرمایا اگر یہ تمہارا طریقہ ہے تو پھر یہ ہمارا طریقہ نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ فوراً بیٹھ گئے اور اپنے صحابہ کرام سے فرمایا۔

خَالِفُوْهُمْ

اے میرے صحابہ تم نے ہر کام میں انکی مخالفت کرنی ہے۔

یہ ہے دین اور یہ ہے ایمان، ہم مستقل ہیں اور ہماری اپنی ایک حیثیت ہے اور آقا علیہ السلام ہمیں یہ انداز دے کے گئے ہیں چونکہ آپ بیٹھے ہیں اب یہ نہیں کہ اللہ نے فرمایا ہو آپ بیٹھے کیوں ہیں آپ نے بھی کھڑا رہنا تھا چونکہ یہ جس وقت بیٹھیں گے تو عرش جھوم اٹھے گا۔

اب اللہ فرمائے گا محبوب ﷺ مجھے بھی یہی پسند ہے جو تم نے کیا ہے چونکہ تم نے مخالفت کی ہے یہود کی تو اس وقت وہ پہلا دین تھا۔ اس وقت جنازے سے پہلے بیٹھنا پسند نہیں تھا۔ لیکن اے محبوب تم فرق کرنے کیلئے بیٹھے ہو تو مجھے اب بیٹھنا پسند ہے۔

ایسی باتوں پر کوئی آکر کہے کہ یہ بھی کوئی دین ہے یہ بھی کوئی ضروری ہے۔ بیٹھنے اٹھنے میں فرق کیا پڑتا ہے۔ ایسے بھی مفکرین کا ہمیں سامنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان باتوں میں کوئی دین چھپا ہوا ہے۔ تو محبوب ﷺ نے فرمایا کہ ان باتوں میں دین چھپا ہوا ہے۔

حالانکہ وہ مسئلہ تو صرف بیٹھنے کا تھا کوئی بہت بڑا اجہاد تو نہیں تھا۔

جب سنا کہ یہودی کہتا ہے کہ یہ بھی ہمارا طریقہ ہے اور مماثلت پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ صحابہ کے اندر کوئی نرمی پیدا ہو جائے کہ یہود اور اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پادری کہنے لگا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں تو سرکار ﷺ فوراً بیٹھ گئے اگر تم ایسا کرتے ہو تو پھر ہم ایسا نہیں کرتے اور اور اگر تم کھڑے رہو گے تو ہم بیٹھ جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے (خَالِفُوْهُمْ) مطلقاً فرمادیا کہ جو میرا ماننے والا ہے اس نے اپنی پہچان میرے اوپر بنائی ہے۔ اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کر کے اس نے بتانا ہے کہ

کسی کے پیروکار بن کے نہیں آئے ہم تو قوموں کے لیڈر بن کے آئے ہیں۔

روزہ افطار کرنے میں جداگانہ تشخص

سید عالم ﷺ سے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لَا يَزَالُ الدِّينُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ

میرا دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک لوگ روزہ دیر سے افطار نہیں کریں گے وقت آنے پر روزہ کھول دیں گے۔

اس کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ وقت آنے سے پہلے کھول دے۔ یہ جلدی مقصود نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے ٹائم ہو جانے کے بعد روزہ کھولنے میں تاخیر نہ کی جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا میرا دین اس وقت تک غالب رہے گا۔ جب تک میری امت کے لوگ ٹائم ہو جانے کے بعد افطار میں جلدی کریں گے۔

جلدی روزہ کھولنے کے ساتھ غلبہ اسلام کا تعلق کیا ہے۔ اگر روزہ دس پندرہ منٹ بعد کھولیں تو اس سے اسلام کے مغلوب ہونے کا کیوں خطرہ ہے۔

سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ

لِاَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ

(سنن ابی داود کتاب الصوم باب مَا يُسْتَحَبُّ مِنْ تَعْجِيلِ الْفِطْرِ)

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصوم باب الفصل الثالث ص ۱۷۵ اسعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

اے میرے غلامو! چونکہ یہود و نصاریٰ دیر سے کھولتے ہیں لیکن تم نے جلدی کھولنا ہے۔ یہ سبب ہے کہ جس سے دین کو اٹھان ملے گی۔ ان باتوں سے بھی غلبہ ملے گا۔ ان باتوں سے بھی تمہارا رعب بنے گا۔

جب تم میرے کہنے پر وقت کے آ جانے کے بعد روزہ افطار کرنے میں جلدی کرو گے تو لوگوں کو پتہ چلے گا کہ یہ کوئی بھیڑ بکری امت نہیں بلکہ یہ اپنے نبی کے حکم کی پابند امت ہے۔

اس واسطے آپ نے فرمایا یہود و نصاریٰ چونکہ موخر کرتے ہیں اور تم نے ان کی مخالفت کرنی ہے اور جیسے وہ کریں ویسے تم نے نہیں کرنا۔ تم نے فرق ظاہر کرنا ہے کہ ہم اپنے گھر آپ ہیں ہم کسی کے پیچھے کیوں چلیں۔ یہود و نصاریٰ موخر کرتے ہیں تم نے اس کو جلدی افطار کر کے ان کی مخالفت کرنی ہے۔

قبر کے لحاظ سے ہمارا جداگانہ تشخص

اسی طرح ایک دن رسول اکرم ﷺ قبر کے کنارے بیٹھے تھے۔

قبر کھودی جا رہی تھیں۔

قبر کی دو قسمیں ہیں ایک قبر کو شق کہتے ہیں اور دوسری کو لحد کہتے ہیں

شق: سیدھی قبر کو کہتے ہیں۔

لحد: جس کو قبلہ کی طرف کھود کے بنایا جائے اس کو لحد کہتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَیْرِنَا

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم باب دفن المیت الفصل الثانی ص ۱۴۸، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

اور تو اور رہا ہم قبروں کا بھی فرق کریں گے۔

میرے امت کیلئے لحد ہے اور یہود و نصاریٰ کیلئے شق ہے۔

جب بندے کی روح نکل گئی تو

خاک ہو کے عشق میں آرام سے سونا ملا

جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

کہ قبر میں لیٹا ہوا مردہ بھی یہ واضح کرتا ہے کہ میں محبوب کے طریقے پہ جا رہا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک واضح فرق اپنی امت کو عطا فرمایا ہے۔

اس کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ

آج ہمارے اندر جو تبدیلیاں آ رہی ہیں یعنی تصور کرلو کہ آج ایک صدی پہلے مسلمانوں کا مجمع یوں بیٹھا ہوتا تو کتنے لوگ تمہیں ننگے سر نظر آتے کتنے لوگ تمہیں داڑھی کے بغیر نظر آتے، بہت تھوڑے

آج سے پانچ صدی پہلے کا اجتماع ہوتا تو پھر روحانیت کا کیسا رنگ ہوتا اور کیسا دین کا رنگ ہوتا اور اب کتنی تبدیلی آ گئی اور افسوس یہ ہے کہ دنیا کی روشن خیالی تو آئی تھی اب معاذ اللہ دین میں کچھ روشن خیال پیدا ہو گئے جن کے نزدیک ننگے سر رہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور نماز بھی ننگے سر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں جنکے نزدیک اس آوارہ گردی پر کوئی گرفت نہیں ہے دن بدن مسلمانوں کی گرفت دین کے لحاظ سے ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے اس واسطے اپنے جداگانہ تشخص کو بحال کرنے کی ضرورت ہے۔

بالخصوص خواتین سے میری گذارش ہے کہ تمہاری گود کے آنگن کے اندر جو پیدا ہوتے ہیں وہی مجاہد، وہی نمازی، وہی محدث، وہی مفسر، وہی مفتی، وہی ولی، وہی صالک، وہی صوفی، وہی شہید اور وہی صدیق بنتے ہیں۔

اگر تم اپنی فصل کی دیکھ بھال اچھی طرح کرو گی تو پھر اسکا نتیجہ بھی بہت اچھا نکلے گا۔ اگر تم ان کی رکھوالی نہیں کرو گی تو کوئی ایکٹر ہو گا اور کوئی ڈانسر ہو گا، کوئی کنجر ہو گا،

اور باپ کی ہیبت اسطرح ضروری ہے جسطرح کسی کیلئے کبھی نرمی کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی گرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی ضرب لگانے کی ضرورت ہوتی ہے کبھی تھامنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو یہ ساری چیزیں ملتی ہیں تو پھر جا کر کوئی چیز تیار ہوتی ہے اسواسطے باپ والی ایک سائیڈ جس میں اللہ تعالیٰ نے کئی حکمتیں پوشیدہ رکھی ہیں۔

ماں اور باپ دونوں کا پیار جس وقت انسان کو میسر آتا ہے۔ دونوں کی طرف سے رہنمائی ہوتی جاتی ہے اور پھر بالخصوص کچھ لمحے جس میں ماں بالخصوص سختی نہیں کرسکتی یا مواخذہ نہیں کرسکتی لیکن باپ پھر بھی کر لیتا ہے تو وہ بھی بیٹے کیلئے ضروری ہے اس لئے کہ اس میں بھی اسکی بھلائی ہے کیونکہ جب قحط پڑا ہو تو بارش سے جسطرح فائدہ ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ باپ کی جھڑکیوں سے حاصل ہوتا ہے۔

والد کی رضا میں رب کی رضا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ باپ کی شان کیا ہے۔

تو رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے۔

رِضَى الرَّبِّ فِيْ رِضَى الْوَالِدِ وَ سَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ

(جامع ترمذی الحدیث نمبر ۱۸۹۹ ابواب البر والصلۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء من الفضل فی رضا الوالدین ج ۲ ص ۱۲ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔

جو والد اپنے بچوں کو صحیح راستہ پہ چلاتا ہے ایسے باپ کو شان دی گئی میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں چھپی ہوتی ہے۔

اے والدین کے بیٹو! باپ کو معمولی نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی رضا تمہارے باپ کی رضا میں

ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تمہارے باپ کی ناراضگی میں ہے۔

اتنا بڑا معیار ایک باپ کو بنا دیا گیا اتنا بڑا مرتبہ باپ کو دے دیا گیا۔

کہاں رب کی رضا اور کہاں ایک باپ ہے۔ باپ ایک غریب نادار ہو سکتا ہے۔ کوئی مزدور ہو سکتا ہے لیکن اُس کو شان کیا دی گئی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

مطلب کیا بنا کہ رب کو راضی کرنا ہو تو باپ کو راضی کر لو اور اگر رب کو ناراض کرنا ہے تو باپ کو ناراض کر لو۔

جبکہ ہر بندہ چاہتا ہے کہ میرا رب مجھ سے راضی رہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں پھر باپ کو بھی راضی رکھو۔

رب کی رضا والے باپ کا ہر لمحے امتحان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مقدس فرمان میں کتنی آگہی ہے۔

اور آپ نے انسان کے باپ کو کتنا بڑا مقام دے دیا اور یہاں سے امتحان کی بھی نشان دہی ہو رہی ہے۔ کہ جس کی رضا میں رب کی رضا ہو وہ رضا پھر کیسی ہونی چاہیے اُس بندے کی پسند پھر کیسی ہونی چاہیے۔ جس کی پسند میں رب کی پسند آجائے اُس کو پھر خواہش کا مریض نہیں ہونا چاہیے۔ اُسے پھر بدی کا پلندہ نہیں ہونا چاہیے اور اپنی شہوتوں کا مریض نہیں ہونا چاہیے، اُس کا کردار شستہ ہونا چاہیے۔ اُسکی گفتار شستہ ہونی چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے ایک عہدہ جو رب کی طرف سے بندے کو مل سکتا ہے اُس کا اعلان کر دیا اب باپ بن جانے کے بعد اُس پر یہ ضروری ہے کہ اللہ نے جب سیٹ

باپ کیلئے رکھی ہے تو یہ ملنی اُس کو ہے جو شریعت کا پابند ہو جائے گا۔

چونکہ ایسا بندہ جو اپنی اولاد کو بُرائی کے مشورے سے اور اپنی اولاد کی تربیت صحیح نہ کرے اور اپنی اولاد کو گناہوں کی طرف مائل کرے۔ اُس کی رضا میں رب کی رضا کیسے ہو سکتی ہے۔

تو رسول اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ سیٹ تمہیں مل جائے گی مگر کوشش تمہیں کرنا پڑے گی کہ جو بھی کسی بیٹے یا بیٹی کا باپ بن گیا ہے وہ اس لائق ہو گیا ہے کہ اب اسکی رضا میں رب کی رضا آجائے۔ مگر اس کو اب سوچنا ہے کہ میں کیا بنوں کہ اللہ کی رضا میری رضا میں ہو۔ یعنی میری رضا میں رب کی رضا شامل ہو۔

اسے احساس لاحق ہو جانا چاہیے اور باپ کو ہر وقت احتیاط کرنی چاہیے کہ میں عام نہیں رہا۔ رب نے مجھے بڑا خاص بنا دیا ہے۔

اب دیکھو کہ ایک چھوٹا سا منصب ہو اور یہ کہا جائے کہ اس بندے کی رضا میں دس بندوں کی رضا ہے تو یہ بہت بڑا مقام ہے کہ فلاں نے اپنی رضا میری رضا میں ڈال دی ہے۔ ایک عام انسان کا معاملہ جس سے بڑھ جاتا ہے اور کہاں یہ بندہ اور کہاں سارے بندوں کا خالق ربّ ذوالجلال۔

رسول اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ بندہ باپ بن کے بہت کچھ بن سکتا ہے باپ بن کے بہت بڑی شان والا ہو سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سامنے رکھے اس کی چاہت اللہ تعالیٰ کی چاہت کے مطابق ہونی چاہیے۔

اور پھر اس میں بیٹا چاہتا ہے کہ میرا رب بھی ساتھ خوش ہوتا رہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے باپ کو خوش رکھو میں خوش ہو جاؤں گا تو جس رب نے باپ کو اتنی بڑی شان

دی ہے۔ تو اُس باپ کو بھی سوچنا چاہیے کہ میں اپنے رب کو ناراض نہ ہونے دوں۔

میں رب کو راضی رکھوں اور اُسکی رضا کو تلاش کروں اور میں رب کی جستجو میں رہوں، اُس رب نے رب ہو کر تجھے آگے کر دیا اور فرمایا کہ اپنے والدین کے بیٹے اپنے باپ کو خوش کریں۔ اپنے باپ سے پوچھ کے کام کریں اور اُسکی مرضی کے مطابق کام کریں یعنی جہاں پر شریعت مطہرہ کا کوئی حکم نہ تھا اور بظاہر کوئی نص موجود نہ تھی اُس کا کرنا بھی جائز ہو سکتا ہے اور نہ کرنا بھی جائز ہو سکتا ہے کہ اس وقت فلاں جگہ جاؤ یہ شریعت میں جائز ہے کہ کوئی چلا جائے یا نہ جائے لیکن جب باپ کی رضا اُس میں شامل ہو جائے گی کہ باپ یہ کہے میرے بیٹے اس وقت فلاں جگہ پہ تم چلے جاؤ۔ تو اب جانے کا انداز بدل جائے گا اب اس کے نمبر بڑھ جائیں گے اب جس وقت وہ جائے گا تو باپ بھی راضی ہو جائے گا اور رب بھی راضی ہو جائے گا۔

اسواسطے باپ کا جو مقام ہے۔ اس مقام کے لحاظ سے باپ کا امتحان بھی ہے۔ جس وقت ایک شخص کسی عام آدمی کا وکیل ہو اور اُس سے کہا جائے کہ چلے جاؤ بازار میں جو تمہیں چاہیے وہ خرید کے لے آؤ ایک عام انسان بھی کہتا ہے کہ مجھ پر فلاں نے اعتماد کیا ہے میں اُس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ میں اُس کو ملحوظ نظر رکھ کے کام کروں گا۔ یہ نہیں کہ میں جو چاہوں کروں اُس نے کہہ دیا ہے اور میں اُس کا خیال نہ کروں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے باپ کو یہ حیثیت دے دی ہے اور اُسے اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو جو اچھائی ذہن میں آتی ہے کہہ دے اور اللہ تعالیٰ نے ایک باپ سے کہہ دیا اب تیری پسند میری پسند ہوگی تو اس باپ کو سوچنا چاہیے کہ میرے رب نے مجھ پہ کرم کر دیا ہے۔ میری پسند کو اتنی ترجیح دی تو میری پسند وہ ہوئی

چاہیے جو رب کی پسند سے ٹکرانے والی نہ ہو۔ بلکہ وہ رب کی پسند کا جھنڈا لہرانے والی ہو۔

والد کے ادب واحترام کا اہتمام بھی ضروری

اس لحاظ سے والد کا سوسائٹی میں مقام ومرتبہ کتنا بڑا ہے۔

عمومی طور پر ہم اپنے اساتذہ کا ادب کرتے ہیں اور اپنے پیر ومرشد کا ادب کرتے ہیں، مرشد کا ادب، استاذ کا ادب یہ سارے آداب ضروری ہیں۔ استاذ کا بھی ادب ہو اور مرشد کا بھی ادب ہو مگر یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے کہ جن کا حق بعض وجوہ سے فائق ہے وہ والد گرامی ہیں ان کے احترام کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

اتنی احادیث مبارکہ جن کے بارے میں موجود ہیں تو اُس باپ کا کوئی خیال نہ کرنا، گھر کے اندر ادب واحترام نہ کرنا، اُس والد کی طرف پیٹھ کر لینا اور اُنکی باتوں کو پس پشت ڈالنا شریعت مطہرہ میں یہ عمل ہرگز پسندیدہ نہیں ہے۔

شرعی معاملات میں اگر استاذ نے اسکا حکم دیا اور والد اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو شریعت کی وجہ سے شرعی حکم کی ترجیح ہوگی۔ ایک مرشد نے حکم دیا وہ شریعت کے مطابق ہے جبکہ والد اُس سے روکتے ہیں تو پھر شریعت کی وجہ سے شرعی حکم کو ترجیح ہوگی۔

لیکن ایسے معاملات جہاں شریعت کا کوئی مطالبہ نہیں ہے عمومی باتیں ہیں تو وہاں پر اپنے والد کی سوچ کا احترام ہونا چاہیے۔ والد کے آرڈر کو آرڈر سمجھنا چاہیے اور والد کے مرتبے کو ایک پیر کے مرتبے کی طرح تو ضرور سمجھنا چاہیے۔

اگر والد اپنے بیٹے کو شریعت کی حدود میں اور اُسکے خطوط پر چلاتا ہے تو وہ ایک والد بھی ہے اور ایک لحاظ سے مرشد بھی ہے، وہ بندے کا شیخ بھی ہے اور وہ استاذ بھی ہے۔

اس لحاظ سے ان ساری چیزوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

بعض جگہ والد محض والد ہے اور بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ مربی ہے اور ساتھ رہنمائی کرنے والا بھی ہے لیکن ہمارے اسلاف کہتے رہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ استاذ کا مرتبہ اس لحاظ سے بڑا ہے۔

کہنے لگے باپ وہ ہے جو تجھے آسمان سے زمین پہ لایا اور استاذ وہ ہے کہ جس نے زمین سے آسمان تک پہنچایا ان حیثیات کا ضرور اعتبار ہے لیکن بعض مقامات پر جو والد کے ساتھ بالکل بے رخی دیکھی جاتی ہے اور اُن کو کوئی حیثیت ہی نہیں دی جاتی۔ کوئی بات کرنے میں اور کوئی فیصلہ کرنے میں اُن کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تو ان باتوں کو ان کے لحاظ سے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ والد کی رضا میں رب کی رضا ہے والد کو رسول اکرم ﷺ نے جب سنٹرل گیٹ قرار دیا اور والد کے بارے میں یہ فرما دیا کہ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

والد سے بے رخی آخر کیوں؟

یہ جملہ والد کے لحاظ سے ہے اسواسطے کسی کا والد خواہ پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ ہو خواہ وہ چھوٹے خاندان کا ہو یا بڑے خاندان کا ہو خواہ اُس کے پاس روپے تھوڑے ہوں یا زیادہ ہوں تو وہ اولاد کیلئے عزت ہی عزت کا مستحق ہے۔

وہ رحمت کا سائبان ہے اور آدمی نسب تبدیل کر سکتا ہے اور نہ ہی ولدیت کینسل کر سکتا ہے جب ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جسطرح بھی والد کی حیثیت ہے اُس میں ادب ضرور ہونا چاہیے اگر کوئی پڑھ گیا ہے تو اپنے والد کو ان پڑھ سمجھ کے پس پشت

نہ کرے اگر کسی کے پاس روپیہ پیسہ زیادہ آ گیا ہے تو اپنے والد کو نادار سمجھ کے حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ اگر کسی کی عزت معاشرے میں بن گئی ہے تو وہ کسی لحاظ سے اپنے والد کو ثانوی حیثیت کی طرف مائل نہ کرے۔

کوئی جتنا بھی بڑا ہو گا وہ اُس وقت بڑا ہو گا جب وہ اپنے والدین کی عزت کرتا جائے گا۔ اپنے والدین کا احترام کرتا جائے گا۔ انسان بڑی سے بڑی کرسی پر بیٹھ کر بھی چھوٹے سے چھوٹا ہے جب تک وہ والدین کی خدمت نہیں کرتا اور اپنے والد کے قدموں میں بیٹھ کر زمین پر بھی اُسے بڑی کرسی کا اعزاز حاصل ہے اس واسطے کہ وہ وہاں بیٹھا ہے جہاں بیٹھنے سے رب بندے کو عزتیں عطا فرماتا ہے۔

والد کے احسانات کا بدلہ

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ

(الصحیح لمسلم الحدیث ۱۵۱۰ کتاب العتق باب حق الولد ج ۱ ص ۴۹۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

کوئی بیٹا اپنے باپ کو جزاء نہیں دے سکتا مگر یہ کہ وہ اپنے والد کو غلام پائے اور وہ اسے خرید کر آزاد کر دے۔

بندہ اپنے والد کو کیا جزاء دے سکتا ہے ہاں یہ ہے کہ کسی بندے کا والد کسی کا غلام ہو تو حق تب ادا ہو گا جب وہ اپنے باپ کو خرید کے آزاد کر دے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے حسن سلوک کا ایک انداز بیان فرمایا ہے کتنی سعادت اُن

لوگوں کیلئے ہے جن کے والدین زندہ ہیں یا والدین میں سے ایک زندہ ہے تو اس سے ایک نیکیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

﴿ہر نگاہ کے بدلے غلام آزاد کرنے کا ثواب﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا نَظَرَ الْوَالِدُ اِلٰی وَلَدِہٖ فَسَرَّہٗ کَانَ لِلْوَلَدِ عِتْقُ نَسَمَۃٍ

(المعجم الکبیر الحدیث ۱۱۶۰۸ ج ۱۱ ص ۱۹۱ دار الاحیاء بیروت)

جس وقت باپ اپنے بچے کو دیکھے اور بچہ اُسکو خوش کرے تو ہر نگاہ کے بدلے میں بیٹے کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

یعنی باپ کا بچے کو دیکھ کر خوش ہونے کی بھی کچھ وجوہات ہوتی ہیں۔

بچپن میں باپ بچے کو دیکھتا رہا اور خوش ہوتا رہا، لیکن یہ معاملہ بالغ ہونے کے بعد کا ہے جب باپ بچے کو پھر بھی دیکھے اور بچے کے کرتوت ایسے نہ ہوں کہ باپ کو دیکھتے ہی آگ لگ جائے۔ بچے نے باپ کی ایسی نافرمانیاں نہ کی ہوں اور اپنے باپ کے فیصلوں کی خلاف ورزی نہ کی ہو اور اپنے باپ کے بنائے ہوئے خطوط مٹائے نہ ہوں اور بچے نے اپنے باپ کے ساتھ عداوتیں نہ کی ہوں۔ بالغ ہونے کے بعد جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے اُس کا امتحان شروع ہوتا ہے کہ بچے کو باپ دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ نہیں۔

جس وقت بچہ پنگھوڑے میں تھا تو اُس وقت باپ خوش ہو ہی رہا تھا پھر بچے کا کمال کیا تھا۔ جب بچہ بڑا ہو گیا عملی زندگی میں آگیا اب باپ کو مدد کی ضرورت تھی کہ

جاؤ فلاں کام کرو لیکن اس کو کھیلنے کی ضرورت ہے یہ کھیلنے چلا جاتا ہے۔ اب باپ جس وقت شام کو دیکھے گا تو کہے گا کہ میں نے کہا تھا کہ تم نے فلاں کام کرنا ہے اور تم کھیلنے چلے گئے ہو تو کیا اُس وقت باپ خوش ہو گا نہیں تو باپ کو خوش کرنے کیلئے کہ وہ جس وقت دیکھے تو خوش ہو سکے لئے بھی بندے کو کچھ اہتمام کرنا پڑتا ہے اور بندوبست کرنا پڑتا ہے کتنا خوش قسمت ہے وہ بیٹا جو بالغ ہو کے بھی ایسا رہا کہ جب بھی باپ نے دیکھا تو باپ کا دل باغ باغ ہو گیا۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ چونکہ باپ کی رضا میں رب کی رضا تھی اور اسے دیکھ کے باپ خوش ہوا ہے تو اس ایک نگاہ کے بدلے میں ہم نے اسکے بیٹے کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب دے دیا ہے۔ اسلام میں کتنے وارے نیارے ہیں کہ گھر میں بیٹھے سارے نظارے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو بندہ اپنے والد کی طرف دیکھے تو بچے کو حج کا ثواب ملتا ہے۔ اُدھر سے بھی نگاہ ہے ادھر سے بھی نگاہ ہے اور یہ بھلا ہی بھلا ہے کس انداز میں رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں اور پھر دونوں صورتوں میں بھلا بچے کا ہو رہا ہے۔ اگر بچے نے باپ کی طرف پیار سے دیکھا اور والدہ کی طرف پیار سے دیکھا تو حج مبرور یعنی مقبول حج کا ثواب مل گیا۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر وہ سو بار دیکھے تو آپ نے فرمایا اُسکو سو حج کا ثواب ملے گا اللہ کے ہاں کمی کیا ہے گھر بیٹھے بغیر احرام باندھے بغیر طواف کیے اور بغیر سعی کیے اسکو حج کا ثواب مل جائے گا۔ یہ عظمت اسلام ہے کہ جو

بندہ اللہ تعالیٰ کا بن جاتا ہے اُسی کو گھر بیٹھے سب کچھ مل جاتا ہے۔

اب کافر بھی باپ بیٹا ہو سکتے ہیں دونوں گھر میں بیٹھے ہیں تو نحوست کے مارے ہیں نہ باپ کو کچھ مل رہا ہے اور نہ بیٹے کو کچھ مل رہا ہے۔ اے امت مسلمہ کے فرزند! تیرے کتنے بخت اللہ تعالیٰ نے جگا دیئے ہیں۔ گھر کا دروازہ کھلا اور باپ نے تجھے نگاہ شفقت سے دیکھا پھر بھی جنت کا دروازہ کھلا۔ حالانکہ ایک انسانی رشتہ بھی ہے۔

جی چاہتا ہے کہ میں اپنے باپ کو دیکھوں، میں اپنی امّی جی کو دیکھوں، والد محترم کو دیکھوں، باپ کا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کو دیکھوں یہ ایک انسانی خواہش بھی ہو سکتی ہے لیکن اس خواہش کو اللہ نے پاکیزہ کتنا بنا دیا ہے جس وقت انسان کا پاک رشتہ بن گیا تو نیکیوں کی ایک کمپنی بن گئی ہے ایک نیکیوں کا سلسلہ بن گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے کہ جس وقت ایک باپ نے بیٹے کو دیکھا اور بیٹا اُسے اچھا لگا اور دیکھ کر باپ کا دل مسرور ہوا کہ میرا بیٹا اچھا بڑا ہے اور مطیع بڑا ہے، فرمانبردار ہے، کردار اس کا ستھرا ہے جو کہتا ہوں وہ کرتا ہے تو اس سے باپ کا جب دل کھلا تو جنت کا دروازہ بھی کھل گیا۔ باپ کے دل کی کلی کھلی تو جنت کا دروازہ کھل گیا اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا مرتبہ دیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ جب یہ بیان کر رہے تھے تو ایک صحابی بڑا عجیب سوال کرنے لگے۔

وَاِنْ نَظَرَ ثَلَاثَ مِاَۃٍ وَّسِتِّیْنَ نَظْرَۃً

(المعجم الکبیر الحدیث ۱۱۶۰۸ ج ۱۱ ص ۱۹۱ دار الاحیاء بیروت)

یارسول اللہ ﷺ، اگر وہ ایک دن میں تین سو ساٹھ مرتبہ دیکھے تو پھر کیا ہوگا۔

قَالَ اَللّٰہُ اَکْثَرُ

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس سے بھی کہیں زیادہ دینے والا ہے۔

ایک بار دیکھنے پر ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب اور دو بار دیکھنے پر دو غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرماتا ہے تو جس وقت تین سو ساٹھ مرتبہ والد اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوش ہوگا تو اللہ تعالیٰ تین سو ساٹھ غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب بھی اُس بیٹے کو عطا فرمادے گا۔

یہ عظمت ہے اور اتنا بڑا مرتبہ ایک والد کا ہے اور پھر تعلق خوش گوار ہو تو پھر کتنا فائدہ حاصل ہوگا۔اللہ تعالیٰ بندے کے تعلقات کو خوشگوار رکھے چونکہ اگر اس رشتے میں کمی آ گئی

تین بد بخت انسان

تو رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ وہ بندہ ذلیل ورسوا ہو، وہ ذلیل ورسوا ہو، وہ ذلیل ورسوا ہو پوچھا گیا کہ کون تو آپ نے فرمایا کہ ایک تو وہ آدمی جس کے پاس میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے دوسرا وہ جو اپنے والدین کو پالے اُن کی خدمت کر کے جنت نہ لے سکے۔ تیسرا وہ آدمی کہ رمضان آئے لیکن بخشش نہ کروا سکے

تو پتہ چلا کہ والدین کا گھر میں ہونا دائمی رمضان کا ہونا ہے والدین کا گھر میں ہونا یوں ہے کہ جیسے رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ ہو رہا ہے تو اس انداز میں رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔انسان اپنے والدین کی طرف دیکھتا ہے اور والدین اپنے بچے کی طرف دیکھتے ہیں دونوں کا آپس میں خونی رشتہ ہے ایک دنیا کے لحاظ سے بھی تعلق ہے مگر یہ وہ دین ہے کہ جس نے ہماری دنیا کو بھی دین کا رنگ عطا فرمادیا ہے۔

سب سے بڑی صلہ رحمی کون سی؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ

(جامع ترمذی ابواب البر و الصلة عن رسول الله ﷺ باب ما جاء فی اکرام الوالد ج ۲ ص ۱۲ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

(صحیح مسلم کتاب البر و الصلة باب فَضْلِ صِلَةِ اَصْدِقَاءِ الْاَبِ وَالْاُمِّ وَنَحْوِهِمَا ج ۲ ص ۳۱۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

سب سے بڑی صلہ رحمی یہ ہے کہ جس وقت کسی کا باپ دنیا سے چلا جائے اُن کے جانے کے بعد بھی باپ کے رشتہ دار اور دوستوں کے ساتھ اچھا تعلق رکھے یہ شریعت میں سب سے بڑی صلہ رحمی ہے کہ اُس تعلق کو برقرار رکھا جائے۔

﴿والدین کے وصال کے بعد ان کے حقوق﴾

رسول اکرم ﷺ سے حضرت اُسید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے ایک بنی سلمہ کا آدمی آ گیا اُس نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ

هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ اَبَوَيَّ شَيْءٌ اَبَرُّهُمَا بِهِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا قَالَ نَعَمْ

(مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب باب البر و الصلة الفصل الثانی ص: ۴۲۰ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

کیا والدین کے ساتھ حسن سلوک میں سے کوئی شئی باقی رہ گئی ہے جو میں ان کے وصال کے بعد ان کے ساتھ کرتا رہوں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں یعنی کیا والد کے ساتھ حسن سلوک اُن کے چلے جانے کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے جب تک والدین زندہ ہوں اُس وقت تک اُن کے ساتھ حسن سلوک ہوتا ہے یا بعد از وصال بھی والدین کے کچھ حق ہوتے ہیں۔ اگر وہ حقوق ادا کریں تو پھر بھی والدین کے ساتھ بچے کا حسن سلوک شمار ہوتا ہے اور بچے کو نیکیاں ملتی ہیں۔

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں والدین کے دنیا سے چلے جانے کے بعد

بھی کچھ حق باقی رہتے ہیں بچہ وہ کام کرے جس سے باپ کو فائدہ ہوتا ہو تو اس کی وجہ سے بچے کو نیکیاں ملتی رہتی ہیں۔

﴿پہلا حق﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو بیان فرمادیا۔

اَلصَّلٰوۃُ عَلَیۡھَا

پہلا حق والدین کا اُن کے وصال کے بعد یہ ہے کہ تم اُن کا جنازہ پڑھو۔

﴿دوسرا حق﴾

وَالۡاِسۡتِغۡفَارُ لَھُمَا

دوسرا حق یہ ہے کہ تم اُن کیلئے مغفرت کی دعائیں مانگو۔

جنازہ پڑھ لینے کے بعد بائیکاٹ نہ کرو کہ جنازہ پڑھ لیا ہے۔ اب فاتحہ کی ضرورت کیا ہے، دعاؤں کی ضرورت کیا ہے؟ دونوں کا سرکار مدینہ ﷺ نے جدا جدا ذکر کیا۔

اَلصَّلٰوۃُ عَلَیۡھِمَا وَالۡاِسۡتِغۡفَارُ لَھُمَا

اُن کا جنازہ پڑھنا اور پھر اُن کیلئے مغفرت مانگتے رہنا۔

خواہ وہ ختم قل شریف ہے، خواہ وہ نماز کے اندر کی دعا ہے یا نماز کے بعد کی دعا ہے والدین کے چلے جانے کے بعد استغفار کرتے رہنا والدین کا حق ہے۔ اولاد کو کبھی بھی اس حق سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

﴿ختم قل شریف دعا کا ایک ذریعہ﴾

یہی وجہ ہے کہ ہم اہلسنت و جماعت اپنے خویش واقارب کیلئے ایصال ثواب کا

اہتمام کرتے ہیں کہ یہ دعا کا ایک ذریعہ ہے اور اجتماعی دعا کے فوائد زیادہ ہوتے ہیں اس واسطے دوستوں رشتہ داروں کو اکٹھا کرلیا جاتا ہے پھر اجتماعی دعا کی جاتی ہے اور پھر یہ بھی خیال رکھا کریں کہ اسے کوئی رسم قل نہ کہے، رسم چہلم نہ کہے کیونکہ رسم وہ ہوتی ہے جو اپنی بنائی ہوئی ہو بلکہ یہ تو ختم قل شریف ہے جس پر امت مسلمہ کا ہر دور میں اجماع رہا ہے۔

﴿ہر دور میں اجتماعی دعا کا بندوبست﴾

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالی نے ہر دور کے لحاظ سے اسکو لکھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لیکر آج تک امت میں ہے کہ خویش اقرباء جو دنیا سے چلے جائیں اجتماعی دعا کا بندوبست کیا جائے اور اُن کے گناہوں کی معافی کی بھیک اللہ کے دربار سے مانگی جائے۔

﴿تیسرا حق﴾

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تیسرا حق یہ ہے

اِنْفَاذُ عَهْدِ هِمَا

والدین نے کسی سے جو عہد کیا ہو اُسے پورا کرنا یہ اُن کے بعد بھی اولاد پہ ضروری ہے۔

﴿چوتھا حق﴾

صِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصِلُ اِلَّا بِهِمَا

وہ صلہ رحمی جو والدین کی وجہ سے ہے اُس کو برقرار رکھنا اور پھر والد اور والدہ کے رشتہ داروں کو ناراض نہ کرنا، اُن سے تعلقات برقرار رکھنا۔

﴿پانچواں حق﴾

وَاِکْرَامُ صِدِیْقِهِمَا

(مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب باب البر والصلۃ الفصل الثانی ص:۴۲۰ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

والد کے دوست اور والدہ کی جو سہیلیاں ہیں اُن کی عزت کرتے رہنا یہ وہ حقوق ہیں جو بعد میں بھی برقرار رہتے ہیں۔

﴿دعاؤں کی وجہ سے بندے کا جنت میں درجہ بلند﴾

بالخصوص دعا کا جو سلسلہ ہے اس بارے میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَیَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ

قیامت کے دن جب ایک انسان کا مرتبہ بلند ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ سے پوچھے گا۔

یَا رَبِّ اَنّٰی لِی هٰذِهٖ

یا اللہ اتنا اونچا درجہ مجھے کیسے مل گیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ

(سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب البر الوالدین ص ۲۶۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ اونچا درجہ تیرے کام کی وجہ سے نہیں، تیری اولاد کی دعاؤں کی وجہ سے مل گیا ہے

﴿والدین رحمت ونور کا سائبان﴾

یہ رحمت ونور کا سلسلہ ہے جو ایک انسان کو اللہ تعالیٰ نے والدین کی شکل میں عطا کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ

مَامِنْ مُسْلِمٍ لَهٗ وَالِدَانِ مُسْلِمَانِ یُصْبِحُ اِلَیْهِمَا مُحْتَسِبًا اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ لَهٗ بَابَیْنِ

(الادب المفرد للبخاری باب بر والدیہ وان ظلما ص:۴)

جس مسلم کے والدین مسلمان ہوں وہ ان کے پاس طلب ثواب کے لئے صبح کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

جس بندے کے گھر میں اُس کے والدین ہوں اُس کے گھر میں کیا ہوتا ہے۔

آج بعض لوگ والدین کو بوجھ سمجھتے ہیں اور پھر یورپ والوں کا طریقہ یہ ہے کہ بوڑھوں کو اولڈ ہاؤس میں داخل کروا دیا جائے حالانکہ وہ بوڑھا ہے اب اُسے اپنے بچوں کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ اب تو وہ ثواب ہی ثواب بن گئے ہیں۔

بوڑھے مسلمان کی عزت حقیقت میں رب کی عزت

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامَ ذِیْ الشَّيْبَةِ الْمُسْلِم

(سنن ابوداود کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلھم ج ۲ ص ۳۲۲ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

بے شک اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے بوڑھے مسلمان کا اکرام کرنا ہے

اگر کوئی انسان مل جائے وہ والد نہ بھی ہو اُس کی عزت کرنا اللہ تعالیٰ کی عزت کرنا ہے اتنا بڑا مرتبہ دے دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کسی بندے کے والدین مسلمان ہوں اور اُس کے گھر میں ہوں اور صبح طلوع ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کیلئے جنت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

والد ہر حال میں بندے کیلئے جنت

جس کو گھر میں والدین میسر ہیں یہ زندگی وہ سہانی گھڑی ہے اور روحانی لمحے ہیں

کہ والدین ابھی زندہ ہیں تو یہ دن اُس کے کتنے گولڈن دن ہیں کہ صبح کے طلوع ہوتے وقت ہی اسکے لئے جنت کے دروازے کھل گئے ہیں۔

اور پھر فرمایا

وَاِنْ کَانَ وَاحِدٌ فَوَاحِدٌ

اور اگر ایک زندہ ہو تو پھر ایک دروازہ کھل جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا۔

وَاِنْ اَغْضَبَ اَحَدَھُمَا

اگر بچے نے والدین میں کسی ایک کو ناراض کیا تو ایک دروازہ بند ہو جائے گا دونوں کو ناراض کیا تو دونوں دروازے بند ہو جائیں گے۔

یعنی یہ والدین گھر میں جنت کا دروازہ ہیں اگر والدین کو ناراض کیا تو جنت کے دو دروازے بند ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے عمل مقبول ہی نہیں ہونگے بندہ جنت کیسے جا سکے۔

قِیْلَ وَاِنْ ظَلَمَا

اے ابن عباس اگر چہ والدین ظالم بھی ہوں تو پھر بھی وہ جنت کا دروازہ ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

وَاِنْ ظَلَمَا

(الادب المفرد للبخاری باب بر والدیہ وان ظلما ص:۴) (نظرۃ النعیم باب فی بر الوالدین ج ۳ ص ۸۷۷ دار الوسیلۃ بیروت)

اگر چہ وہ ظالم بھی ہوں تب بھی وہ بندے کی جنت ہیں۔

اگر گھر میں والدین ہیں تو وہ جنت ضروری ہیں، جنت کا وہ دروازہ ہیں، تو آج کے ماحول میں جس وقت اولادیں جوان ہو جاتی ہیں اور پھر والدین سے نگاہیں پھیرنا

شروع کر دیتے ہیں اور پھر طرح طرح کے بہانے، شکوے اور شکائتیں شروع کر دیتے ہیں یہ دروازے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بند کر دیے ہیں کہ وہ والدین جو بھی کریں تمہارا حق نہیں بنتا کہ تم آگے سے اکڑ جاؤ اور تم ہاتھ اٹھاؤ اور تم باتیں کرو اور تم اُن کی غیبت کرو اور تم اُنکی گستاخیاں کرو۔ اگر تم نے جنت لینی ہے تو تم چپ کر کے رہو اگر چہ وہ تمہیں جوتے بھی مارتے رہیں تم خاموش رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں پھر بھی تمہارے لئے جنت بنایا ہے۔

والد کے دوستوں کا اکرام اور ان سے حسن سلوک

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ شریف کے راستے میں چل رہے تھے کہ ایک دیہاتی مل گیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو انھیں سلام کیا پھر اُن کو اپنے ساتھ بٹھالیا پھر اپنی پگڑی اتار کے اُن کے سر پر رکھی۔

چونکہ سر ڈھانپ کے رہنا مومن کا شعار ہے ٹوپی بھی جائز ہے لیکن زیادہ فضیلت عمامے میں ہے۔ مگر ننگے سر رہنا انگریزوں کا طریقہ ہے اور اُنکی ایجاد ہے مومن خوا نماز میں ہو یا نماز سے باہر ہو وہ سر ڈھانپنے کا اہتمام کرتا ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَعْرَابِ لَقِيَهُ بِطَرِيقِ مَكَّةَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی مکہ کے راستے میں انھیں ملا

فَسَلَّمَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَحَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں سلام کیا اور ان کو گدھے پر سوار کیا

وَأَعْطَاهُ عِمَامَةً كَانَتْ عَلَى رَأْسِهِ

تو آپ نے اپنا عمامہ شریف اتار کر اس بندے کے سر پر رکھا۔

فَقَالَ ابْنُ دِينَارٍ فَقُلْنَا لَهُ أَصْلَحَكَ اللّٰهُ إِنَّهُمُ الْأَعْرَابُ وَإِنَّهُمْ يَرْضَوْنَ بِالْيَسِيرِ

حضرت ابن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح کرے یہ تو دیہاتی ہیں

إِنَّهُمْ يَرْضَوْنَ بِالْيَسِيرِ

اور یہ تھوڑی سی چیز سے خوش ہو جاتے ہیں تم نے تو آج حد ہی کر دی ہے اسکو سلام ہی کافی تھا لیکن اے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم نے اسے سلام بھی کہا اور اٹھا کر سواری پر بھی بٹھایا اور پھر اپنا عمامہ بھی اس کے سر پر رکھا اتنے اعزاز کی ضرورت کیا تھی۔

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا

إِنَّ أَبَا هٰذَا كَانَ وُدًّا لِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس کے ابا جی میرے ابا جی کے دوست تھے۔

جس کو میں نے سواری پہ بٹھایا ہے اس کے ابا جی کی وجہ سے میں نے انکی عزت کی ہے کہ ان کے ابا جی میرے ابا جی کے دوست تھے۔ میرے والد اور ان کے والد کے ساتھ تعلقات اچھے تھے میں نے اُس دوستی کے سر پہ پگڑا رکھا ہے۔ میں نے اُس دوستی کی عزت کی ہے۔ میں نے والد کے اس تعلق کی بنا پر اس کو یہ اعزاز دیا ہے۔

وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

اسواسطے کہ میں نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الْوَلَدِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ

(صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب فَضْلِ صِلَةِ أَصْدِقَاءِ الْأَبِ وَالْأُمِّ وَنَحْوِهِمَا ج ۲ ص ۳۱۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بے شک تمام نیکیوں میں سے بڑی نیکی اپنے باپ کے دوستوں سے صلہ رحمی کرنا ہے۔

سب سے بڑی نیکی اور صلہ رحمی یہ ہے کہ بندہ اپنے والد کے دوستوں کا ادب کرے اور اُن کا احترام کرے چونکہ ان کے ابا جی میرے ابا جی کے دوست تھے۔ اسواسطے میں نے اسکو سواری پہ بھی بٹھایا ہے اور اپنا پگڑا بھی اس کے سر پہ رکھا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے والد کے دوست سے حسن سلوک

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مدینہ شریف آیا۔

اَتَانِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ

مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملنے آ گئے۔

فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ ھَلْ تَدْرِیْ لِمَا اَتَیْتُکَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آ کر کہا کہ تمہیں پتہ ہے کہ میں تمہیں ملنے کیوں آیا ہوں۔

قُلْتُ لَا

میں نے کہا نہیں میں نہیں جانتا۔

قَالَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

کہنے لگے میں اس لئے ملنے آیا ہوں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ بات سنی تھی۔

مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّصِلَ اَبَاہُ فِیْ قَبْرِہٖ فَلْیَصِلْ اِخْوَانَ اَبِیْہِ بَعْدَہٗ۔

جو بندہ یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ قبر میں بھی اچھا سلوک کرے اُسے چاہیے کہ اپنے باپ کے وصال کے بعد باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک کرے۔

چونکہ میں نے یہ حدیث سنی ہوئی تھی۔

كَانَ بَيْنَ ابْنِ عُمَرَ وَبَيْنَ اَبِيْكَ اِخَاءٌ

میرے ابا جی اور تمہارے ابا جی کے درمیان بھائی چارہ بڑا تھا۔

میرے والد اور تمہارے والد کے درمیان آپس میں دوستی تھی اُسکی وجہ سے میں آج تمہیں ملنے آیا۔

اَحْبَبْتُ اَنْ اَصِلَ ذَالِكَ

(مکاشفۃ القلوب الباب الرابع والعشرون فی برالوالدین ص:۱۱۴ مکتبہ وطنیہ بغداد)

دل نے چاہا ہے کہ اپنے باپ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر میں تحفہ بھیجوں تو انھیں تحفہ بھیجنے کیلئے تمہیں ملنے آ گیا ہوں چونکہ رسول اکرم ﷺ سے میں نے سنا ہوا تھا۔اُس کی وجہ سے آج میں تجھے ملنے آیا ہوں۔

باپ کے امتحان میں یہ ہے کہ جب باپ کو اتنا مقام دیا گیا تو انھیں اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھنا چاہیے اگر اولاد معاشرے میں ڈاکو بن جائے۔تو کل باپ سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیسا کھیت تیار کیا اور تم نے کانٹے بنائے۔

اگر بندے کے بیٹے ماحول کیلئے ابر کرم اور ٹھنڈی ہوا بن جائیں اور امن کا پیغام بن جائیں اور امن کا اجالہ بن جائیں تو یقیناً جس وقت اُسکی روح نکلے گی تو فرشتے چومیں گے کہ یہ وہ باپ ہے کہ جس کا بیٹا محدث ہے،جس کا بیٹا مفسر ہے ،جس کا بیٹا مجاہد اور ولی ہے،جس کے بیٹے کا بہت اچھا کردار ہے۔اسواسطے ایک باپ کو اپنی اولاد کی خوب تربیت کرنی چاہیے اس سلسلہ میں یقیناً سختی بھی کرنی پڑتی ہے اور سختی معیوب نہیں ہے۔

بلا تمثیل

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

اگر کانٹا ریشم ہو جائے تو پھول کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کچھ سختی بھی کرنی پڑتی ہے اور وہ سختی والدین کو ضرور کرنی چاہیے۔

﴿والد کی ایک جھڑکی نے امام مالک .....کو زمانے کا امام بنا دیا﴾

جہاں دیکھیں کہ نرمی کی وجہ سے کام بگڑتا جا رہا ہے جھڑکی سے قسمت سنور جاتی ہے اس سلسلہ میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالی کا کردار اتنا اونچا ہے کہ ان کو باپ کی ایک جھڑکی نے پڑھنے لگایا تھا اور وہ زمانے کے امام بن گئے تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ میرے بڑے بھائی جو ابن شہاب زہری کی عمر کے تھے۔ میرا اور میرے بڑے بھائی کا میرے والد صاحب نے امتحان لیا دونوں سے ایک سوال پوچھا۔ میرے بھائی صاحب کو وہ آ گیا لیکن مجھے نہ آیا تو میرے والد نے مجھے جھڑکی دی اور کہا۔ اے نکمے کبوتروں کے پیچھے دوڑتا رہتا ہے اور کبھی تو نے پڑھا ہی نہیں ہے۔ جس وقت میرے والد نے مجھے جھڑکی دی اتنے ہی لفظ بولے کہ تجھے کبوتروں نے جاہل بنا دیا ہے۔

تو مجھے اُس وقت غصہ بڑا آیا اس بات پر کہ میں کتنا نکمہ ہوں کہ والد صاحب مجھ پر ناراض ہو گئے کہنے لگے کہ اب میں واپس تب آؤں گا جب میں پڑھ لوں گا امام مالک رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں میں گھر چھوڑ کے نکل گیا اور ابن ھرمز کے پاس چلا

گیا۔ اکثر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

سات سال تک میں نے علم پڑھا اور مجھے کوئی چیز سوجھی ہی نہیں نہ کھیلنا، نہ رشتہ داروں کے پاس جانا اور نہ دوستوں کے ساتھ گپیں لگانا۔ باپ کے ایک جملے نے مجھے علم کا قیدی بنا دیا آٹھ سال تک میں اساتذہ کے پاس پڑھتا رہا یہاں تک میرے پڑھنے کا انداز یہ تھا کہ میں روزانہ اپنے استاد ابن ھرمز کی اولاد کو کھجوریں دیتا تھا کہ جو دروازے پر آ کر ابن ھرمز کا پوچھے تو اُنھیں کہو کہ ابن ھرمز اس وقت مشغول ہیں۔ اگر لوگ ملیں گے تو میرے سبق میں فرق آئے گا۔

میں نے پڑھ کے گھر جانا ہے اور میں نے اپنے ابا جی کو بتانا ہے کہ میں کبوتر باز نہیں ہوں میں طالب علم بن چکا ہوں اس انداز میں آپ نے طلب علم کا آغاز کیا کہ انکے والد کی ایک کڑوی بات کا کتنا میٹھا اثر ہوا کہ آج پوری دنیا میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کے ڈنکے بج رہے ہیں۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے تھے۔

یا بُنَیَّ زَاحِمِ الْعُلَمَاءَ بِرُکْبَتَیْكَ

اے میرے بیٹے علماء کو کبھی نہ چھوڑنا، علماء کی مجلس میں ضرور بیٹھنا۔

اُن کے سامنے گھٹنے بچھانا۔

وَاَنْصِتْ اِلَیْهِمْ بِاُذُنَیْكَ

(العقد الفرید مواعظ الاباء للابناء ج ۳ ص ۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور اپنے کان اُن کی باتوں کی طرف لگانا اور اپنے دونوں کان اُنکی طرف متوجہ رکھنا۔

اِنَّ الْقَلْبَ یَحْیٰی بِنُوْرِ الْعُلَمَآءِ کَمَا تَحْیَی الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ بِمَطَرِ السَّمَآءِ

. بے شک علماء کے نور سے دل اس طرح زندہ ہوتا ہے جس طرح مردہ زمین بارش سے زندہ ہوتی ہے۔

جس طرح بنجر زمین پر بارش ہو تو وہ ہری بھری ہو جاتی ہے ایسے ہی مردہ دل علماء کے پاس بیٹھنے سے زندہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے۔ آج اس میں کمی آتی جا رہی ہے۔ وہ مشائخ جو عالم ہیں اُن کے پاس جانا کتنی بڑی سعادت ہے۔

علم اور حکمت و دانائی ہو تو وہ ایک مرشد ہے حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اپنے بیٹے کو کہ اگر تم نے اپنا دل زندہ کرنا ہے تو پھر ان لوگوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے ادب سے بیٹھو اور کان اُنکی طرف متوجہ کرو۔

جس وقت اُنکی گفتگو ہو رہی ہو اُس کو یوں سمجھو جیسے بارش برس رہی ہے ہم اُن علماء کے علمبردار ہیں او اس لحاظ سے دنیا کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ یہ فہم دین اور ادارہ صراط مستقیم انہی علماء کا ورثہ ہے اور یہ ایک سوغات ہے اور ہماری حیثیت ایک چھوٹے سے وکیل کی ہے۔ اُس پس منظر کو پیش رکھنا چاہیے کہ اس فہم دین میں قرآن وسنت کی وہ بارش ہے کہ جس سے دلوں کو زندگی ملتی ہے۔

حضرت لقمان حکیم کہتے ہیں جسطرح انسان زمین کو دیکھتا ہے کہ وہ بنجر ہوتی ہے جب بارش برستی ہے تو وہ ہری بھری ہو جاتی ہے، اُس میں ہریالی آجاتی ہے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی کامل شخص ہے تو اُس کی بات سننے سے اللہ تعالیٰ دلوں کی زمین آباد فرماتا ہے اور دلوں کو سرور عطا فرماتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے بیٹے کو خط

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ شریف سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اپنے

بیٹے کو خط لکھا۔ آج باپ کا یہ سلیبس ہے کہ اُس نے بیٹے کو کہنا کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو خط لکھا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد۔

اِنَّ مَنِ اتَّقَی اللّٰہ وَقَاہُ

جو رب سے ڈرے اللہ اُس کو بچاتا ہے۔

وَمَنْ اتَّکَلَ عَلَیْہِ کَفَاہُ

جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اللہ اُس کی پشت ننگی نہیں ہونے دیتا۔

اللہ تعالیٰ اُس کے معاملات پورے کرتا ہے، کافی ہوتا۔

وَمَنْ شَکَرَلَہٗ زَادَہٗ

جو بندہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اللہ اُس سے نعمت چھینتا نہیں بلکہ اور نعمت عطا فرماتا ہے۔

وَمَنِ اقْتَرَضَہٗ جَزَاہٗ

اور جو اللہ تعالیٰ کو قرضہ دے اللہ اُس کو بہترین اجر عطا فرماتا ہے۔

فَاجْعَلِ التَّقْوٰی عِمَارَۃَ قَلْبِکَ

اے میرے بیٹے تقوی کو اپنے دل کی دستار بنا لے۔

تقوی کو دل کا عمامہ بنا اور تقوی سے دل کو تعمیر کر۔ اگر تقوی نہیں تو دل ویران ہے، بنجر ہے، اپنے دل کو تقوی سے تعمیر کر۔

وَجَلَاءَ بَصَرِکَ

اور تقوی کو اپنی آنکھوں کا نور بنا لے۔

تقوی کے بغیر بندہ اندھا ہے تقوی ہے تو اُس کو حقیقت میں نظر آتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے بیٹے تقوی کو دل کی تعمیر بنا اور تقوی کو آنکھوں کا نور بنا۔

فَاِنَّہٗ لَا عَمَلَ لِمَنْ لَانِیَّۃَ لَہٗ

جس کی نیت کوئی نہیں اُس کا عمل کوئی نہیں ہے۔

وَلَا خَیْرَ لِمَنْ لَا خَشِیَّۃَ لَہٗ

جسے رب کا ڈر نہیں اُس کے پاس خیر نہیں۔

لَا جَدِیْدَ لِمَنْ لَاخَلَقَ لَہٗ

جس کے پاس پرانی چیز نہیں نئی چیز کہاں سے آسکتی ہے۔

یہ بڑا روشن جملہ ہے۔آج لوگ جدت کی طرف مائل ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پہلے اصل ہے تو پھر جدت کا فائدہ ہے۔حق کو چھوڑ کے اصل کو چھوڑ کے ماڈرن بننا یہ دین سے دوری ہے۔

لَا جَدِیْدَ لِمَنْ لَاخَلَقَ لَہٗ

(العقد الفرید مواعظ الاباء للابناء من عمر الی ابن عبداللہ ج ۳ ص ۱۰۰ دارالکتب العلمیہ بیروت)

جس کے لئے پرانا نہ ہو اس کے لئے جدید نہیں ہے

اصل جو کچھ اندر ہے اُس پر اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔اصل نہ ہو اور پُرانے اسلاف کا جو ذخیرہ ہے وہ نہ آتا ہو، وہ علم نہ پڑھا ہوا ہو، اُس کو چھوڑ کے اور پڑھا جائے تو یہ جدید نہیں ہے اگر قدیم نہیں ہے۔

اقبال نے کہا تھا۔

نئی بجلیاں کہاں اُن بادلوں کے جیب و دامن میں
پُرانی بجلیوں سے ہے جن کی آستین خالی

جس کی آستین میں پُرانی بجلی نہیں ہوگی نئی کہاں سے آئے گی تو نئی تب آسکتی ہے جب پُرانی سے سینہ معمور ہوگا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

وَوَجَدْتُكَ يَابُنَيَّ بَعْضِيْ بَلْ وَجَدْتُكَ كُلِّيْ

اے میرے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تمہیں اپنا ٹکڑا سمجھتا ہوں ٹکڑا ہی نہیں بلکہ میں اپنا کل سمجھتا ہوں۔

لَوْ اَصَابَكَ شَيْءٌ لَاَصَابَنِيْ

اگر تجھے کچھ ہوگا تو مجھے ہوگا۔

حَتّٰى كَاَنَّ الْمَوْتَ لَوْ اَتَاكَ اَتَانِيْ

حتیٰ کہ اگر تجھ پر موت آئے گی تو سمجھو کہ میں مر گیا ہوں۔

اتنا مضبوط تعلق بیان کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ لکھا۔

اِلَيْكَ كِتَابِيْ هٰذَا يَا بُنَيَّ

میرے بچے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ میرا خط تمہاری طرف ہے۔

میں اس سے یہ بات ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔

اِنْ اَنَا بَقِيْتُ لَكَ اَوْ فَنِيْتُ

خواہ میں زندہ رہوں یا فوت ہو جاؤں میرا تجھ سے ایک ہی مطالبہ ہے۔

اِنِّيْ مُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ

میں تجھے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔

وہ کہاں کا فقر اور کہاں کی درویشی ہے جس میں لوگوں کو عمل سے بے بہرہ کیا جائے اور لوگوں کو بے لگام بنایا جائے۔ وہاں پر نہ فقر، نہ درویشی، نہ تصوف ہوتا ہے اور نہ ہی معرفت وہاں ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تجھے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔

عَمَارَةِ قَلْبِكَ

گھر نہ بھی بنے دل ضرور بنا چاہیے۔ دل بنجر نہ ہونے دینا، دل کو تعمیر کرو، دل بنا کے رکھنا۔

بِذِكْرِهٖ

اللہ کی یاد کرکے۔

وَالْاِعْتِصَامِ بِحَبْلِهٖ

(العقد الفرید مواعظ الآباء للابناء من علی الی ابنہ حسن ج ۳ ص ۱۰۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہمیشہ اللہ کی رسی کو تھامے رکھنا۔

یہ خطوط عظیم والدین کے ہیں۔ میں نے ان کو اس لئے بیان کیا کہ جب ایک باپ کی شان ہے تو پھر اُس کا امتحان یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اولاد کو تقویٰ کی طرف متوجہ کرے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام حضرات کے والدین کو صحت و عافیت کے ساتھ طویل زندگی عطا فرمائے۔

وآخر دعوندان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر
7

دین میں رائے اور تقلید کی گنجائش

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے اکیسویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

''دین میں رائے اور تقلید کی گنجائش''

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اسکے ابلاغ و تبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ فقیر کے اندازِ تفہیم کو تاثیر عطا فرمائے محض اظہار حق کی خاطر روحانی، ایمانی ماحول میں چند باتیں، چند حقائق پیش کرنے جا رہا ہوں۔ رب ذوالجلال دونوں جہاں میں اسے ہماری کامیابیوں کا سبب بنائے۔

فہم دین کورس کا کارواں چلتے چلتے اپنی منزل کا نصف سفر طے کر چکا ہے۔ میں تمام حضرات وخواتین کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ کہ آپ نے جس جذبے سے اس میں شرکت کی اللہ تعالیٰ آپکے جذبوں کو اور آپکے ایمان کو سلامت رکھے۔

انتخاب موضوع کی وجہ

''دین میں رائے اور تقلید کی گنجائش'' موضوع کا انتخاب کیا تا کہ یہ واضح کریں کہ کیا دین میں رائے کی کوئی حیثیت ہے؟ اور رائے کا کوئی اعتبار ہے یا نہیں ہے اور اگر رائے کا اعتبار ہے تو پھر کیا اسے ماننا اوروں کیلئے لازم ہے یہ ہماری گفتگو کا مرکزی کردار ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ

تو عبرت لو اب نگاہ والو!

ہمارے اس موضوع میں دو لفظ بنیادی طور پر سمجھنے چاہیے۔

ایک لفظ ہے ''رائے'' اور دوسرا لفظ ہے ''تقلید''

رائے کیا ہے

یہ (رَای یَرَای رَأْیاً) سے ماخوذ ہے جسکا لغوی معنیٰ دیکھنا ہے۔ جسطرح رویت کا لفظ آپ استعمال کرتے ہیں ''رویت ہلال'' چاند دیکھنا پھر رؤیا خواب کے بارے میں استعمال ہوتا ہے پھر آپ لفظ رائے مشورہ کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں۔

رائے کا لغوی معنیٰ دیکھنا ہے لیکن پھر اسکا اطلاق مرئی پر کیا گیا۔

یعنی جس چیز کو دیکھا جا رہا ہو اسکو رائے کہہ دیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مسئلہ میں مشورہ ہو رہا تھا۔ ایک آپ کا موقف تھا اور ایک دوسرے کا موقف تھا۔ تو آپ نے اپنے موقف کے متعلق کہا کہ یہ میری رائے ہے۔

حالانکہ رائے تو تھا دیکھنا اور پھر جس کو دیکھا اسکو رائے کہا گیا کہ میں یہ چاہتا ہوں یہ کام یوں ہو یعنی اس کام پر رائے کا اطلاق کر دیا گیا۔

اصل میں اسکا معنیٰ دیکھنا ہے۔ پھر جس چیز کو دیکھا جا رہا ہو اس پر رائے کا لفظ بول دیا جاتا ہے۔

تقلید کیا ہے

لغوی معنیٰ: اسکا لغوی معنیٰ ہے ہار ڈالنا۔

شرعی معنی: اخذ قول الامام بلا مطالبة الدلیل

دلیل کے مطالبہ کے بغیر امام کے قول کو مان لینا اسے تقلید کہا جاتا ہے۔

یعنی امام کا قول جو کہ دلیل پر مبنی ہے۔ اس سے دلیل پوچھے بغیر اسکو تسلیم کر لینا، چونکہ عمل کرنے والے کو حکم کا پتہ ہونا چاہیے۔ کہ یہ کام کرنا کیسے ہے اُس کیلئے اس کی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں۔ دلیل جاننا امام کا اور پھر علماء کا کام ہے۔

مقلد جس وقت تقلید کرتا ہے تو عمل کرتے وقت اسکی دلیل نہیں ڈھونڈتا بلکہ امام کا قول دیکھتا ہے اور عمل کرنا شروع کر دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے متعدد موضوعات ہو چکے ہیں۔ گذشتہ سال ''تقلید سے متعلق شبہات کا ازالہ'' میں غیر مقلدین کے سوالات کے جواب دیئے آج تک ہمارے ان جوابات کے جوابات نہیں دیئے جا سکے۔

آج اسی سلسلہ کا ایک موضوع ہے ''دین میں رائے اور تقلید کی گنجائش'' یعنی رائے کی کونسی قسم جائز ہے اور کونسی ناجائز ہے نیز تقلید کیا ہے کن امور میں جائز اور کن میں ناجائز ہے؟

قرآن وحدیث میں سب کچھ ہونے کا مطلب

آپ نے یہ ذہن میں رکھ کر سننا ہے کہ سب کچھ قرآن مجید میں موجود ہے مگر سب کچھ کو قرآن مجید سے سمجھ لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

حدیث شریف میں سب کچھ ہے۔ مگر پھر بھی حدیث کو سمجھنے کیلئے اور امور کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بڑا خوبصورت قول ہے۔

ذُکِرَ أَنَّ الشَّافِعِيَّ رَحِمَهُ اللّٰهُ كَانَ جَالِساً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن آپ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کا دریائے علم جوش پر تھا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَا تَسْأَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ إِلَّا أَجَبْتُكُمْ فِیْهِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی

آج جو تم مجھ سے پوچھو اسکا میں قرآن مجید سے جواب دوں گا۔

آپ نے جس وقت یہ دعویٰ کیا تو مجمع میں سے ایک شخص نے پوچھ لیا۔ اس نے کہا۔

مَا تَقُوْلُ فِي الْمُحْرِمِ إِذَا قَتَلَ الزَّنْبُوْرَ؟

حالت احرام میں اگر کوئی بندہ بھڑ کو مار دے تو پھر اسکا حکم کیا ہے؟ اس محرم پر کچھ لازم آئے گا یا کچھ لازم نہیں آئے گا۔

اس نے کہا کہ آپ نے قرآن سے اسکا جواب دینا ہے۔

اتنے بڑے امام اپنی بات سے پھر تو نہیں سکتے تھے آپ نے فرمایا ہاں میں قرآن سے اسکا جواب دیتا ہوں۔

آپ نے جواب دینا شروع کیا فرمانے لگے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(پارہ ۲۸ سورۃ الحشر آیت نمبر ۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو میرے رسول علیہ السلام تمہیں دیں وہ پکڑ لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔

یہ قرآن مجید میں ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ دیں وہ قرآن نے دلوایا ہے اسکو ہم لیں گے تو قرآن نے ہمیں دیا کہ تم وہ لے لو اور وہ قرآن ہی کا حصہ ہوگا۔ یہ آیت پڑھنے کے بعد فرمانے لگے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم اِقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدا کرو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں کیا دیا ہے۔ جس کے بارے میں قرآن نے کہا تھا کہ جو یہ دیں وہ پکڑ لو۔ تو کہتے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ کا فرمان ہے میرے بعد تم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی اقتداء کرنی ہے اور میرے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی اقتداء کرنی ہے۔

آیت پڑھی آیت کے تقاضے کے مطابق پھر حدیث پڑھ دی۔ حدیث شریف پڑھنے کے بعد فرمانے لگے۔

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِھَابٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ اَمَرَ بِقَتْلِ الْمُحْرِمِ الزَّنْبُوْرَ

(تفسیر کبیر ج۶ ص ۲۲۷ بیروت)

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میں نے کہتے ہوئے سنا انہوں نے محرم کو بھڑ مارنے کا حکم دیا تھا۔

کہ حالت احرام میں ایسا نہیں ہے کہ وہ تمہیں کاٹتے رہیں اور تم احرام کا خیال رکھو اور انھیں نہ روکو میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محرم کو سمجھایا کہ یہ چیز تمہیں کاٹنے آجائے تو اسکو مار دینا۔

قرآن سے مسائل کے استخراج کا طریقہ

تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے لو میں نے تمہارا مسئلہ قرآن سے دکھا دیا ہے۔ یہ دین کو سمجھنے کا انداز ہے۔ اب قیامت تک کس آیت سے کوئی یہ مسئلہ دکھائے گا وہ نہیں دکھا سکے گا۔ مگر یہ طریقہ ہے کہ آیت نے حدیث کیطرف متوجہ کیا اور حدیث نے صحابی کا قول دکھا دیا۔

یعنی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شارع نہیں کیونکہ شارع تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہمارے آقا ﷺ کی ذات ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر نبی ہیں مگر قرآن نے بتا دیا کہ اُن کی بات تک پہنچو گے تو یہ قرآن کا حصہ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میں نے وعدہ کیا تھا۔ وہ میں نے پورا کیا۔ میں نے کہا تھا قرآن سے بتاؤں گا تو میں نے قرآن مجید سے یہ مسئلہ بتایا ہے۔

تو جس طریقے سے قرآن مجید سے ایسے مسائل نکالے جائیں اسکو قیاس اور رائے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رائے سے مراد کسی اُجڈ کی رائے نہیں، رائے سے مراد کسی خواہش پرست کی رائے نہیں، رائے سے مراد کسی ضدی جاہل اور ہٹ دھرم کی رائے نہیں، رائے سے مراد اُس شخص کی رائے ہے جسکی رگوں میں اتنی تیزی سے خون کا دوران نہیں ہوتا جتنی تیزی سے ذہن میں کسی مسئلہ کے متعلق قرآن وسنت کی نصوص آتی جاتی ہیں۔ جسکو پورے دین پر مہارت حاصل ہے اُسکی رائے کو عام لوگوں جیسا نہیں سمجھا جائے گا۔

اور پھر بالخصوص جس وقت شرائط کی روشنی میں وہ اپنی رائے پیش کرتا ہے۔ جہاں

پر واضح آیت بھی نہیں ، واضح حدیث بھی نہیں ۔ اُس وقت جب وہ رائے پیش کرتا ہے تو رائے دین کے مخالف نہیں ہوتی بلکہ دین کی شارح بن جاتی ہے ۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف پروپیگنڈا

اس بات کو سمجھنے کیلئے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا تاریخی جملہ اور تاریخی اقتباس پیش کرتا ہوں ۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف اُس وقت کچھ شدید لوگوں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ یہ اپنی رائے سے دین بدلنا چاہتے ہیں ۔

وقت کے حکمران ابو جعفر منصور نے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کو بلایا اور کہا کہ سنا ہے تم رائے سے دین بدلنا چاہتے ہو تو فرمایا کسی نے تمہارے سامنے جھوٹ بولا ہے سنو! میں قرآن وسنت سے مسائل لوگوں کیلئے نکال رہا ہوں اور امت کیلئے ایک سوغات پکا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے امام نے جو سوغات تیار کی تھی قیامت تک لوگ وہ کھاتے رہیں گے ۔ اس کے بغیر کسی کا بھی گذارہ نہیں خواہ کوئی مانے خواہ کوئی نہ مانے ۔

آگے چل کے میں حوالے پیش کروں گا کہ نہ ماننے والے بھی چھپ چھپ کر آپکی پکی ہوئی روٹی پر گذارہ کرتے ہیں ۔

مسائل کے استنباط میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی پالیسی

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن لو میری پالیسی کیا ہے ؟ میں دین بدلنے والا نہیں بلکہ دین کی حفاظت کرنے والا ہوں ۔ ایسے ہی حضرت امام باقر رحمہ

اللہ تعالیٰ کے پاس کسی نے شکایت کی اور وہ امام صاحب کے پاس آئے تھے تو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے تشریح کی کہ میں کیسے مسائل بیان کر رہا ہوں۔

اتنے زبردست قیاس والے تھے۔ تین مسائل پیش کر کے فرمایا آج تک میں نے اس قیاس کی بات نہیں کی چونکہ تمہارے نانا جی ﷺ کا فرمان میرے سامنے ہے اور قرآن میرے سامنے ہے۔ اسواسطے قیاس کو میں نے دبا کے رکھا ہوا ہے۔ اسے وہاں اجازت دیتا ہوں جہاں ضرورت ہوتی ہے۔ تو حضرت امام باقر رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ماتھا چوم کے کہا تم دین بدل نہیں رہے ہو بلکہ تم تو دین کی حفاظت کر رہے ہو۔

ابو جعفر منصور کو فرمانے لگے

اِنَّمَا اَعْمَلُ اَوَّلاً بِکِتَابِ اللّٰهِ

میری پالیسی یہ ہے کہ جب بھی میں کوئی مسئلہ حل کرنا چاہتا ہوں تو میں سب سے پہلے کتاب اللہ پہ عمل کرتا ہوں۔

ثُمَّ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه و آله وسلم

پھر اگر کتاب اللہ میں سے واضح مسئلہ کا حل نہ پاسکوں تو میں سنت رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ ڈھونڈتا ہوں۔

ثُمَّ بِاَقْضِيَةِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِیٍّ رضی الله عنهم

(المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵)

پھر اگر سنت سے بھی اس مسئلہ کا حل نہ ملے تو پھر بھی میں اپنی رائے کو نہیں آنے دیتا اتنا میں نے رائے کو روکا ہوا ہے۔ پھر کیا کرتا ہوں؟

رسول اکرم ﷺ کے چاروں صحابہ کرام یعنی خلفاء اربعہ کے فیصلے پڑھتا ہوں ان

کے ہاں اگر یہ مسئلہ پیش ہوا تو جو انہوں نے جواب دیا ہو میں اس جواب کو لے لوں اپنی رائے کو میں پھر بھی اجازت نہیں دیتا۔

امام صاحب نے جو یہاں لفظ بولے ہیں یہ وہی ترتیب ہے جو حق چار یار میں ہم نے بیان کی تھی۔ فرمایا:

بِاَقْضِيَةِ اَبِىْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِيٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

انکی اسی ترتیب کے مطابق میں انکے فتاویٰ پڑھتا ہوں۔ اور اُن سے مسئلہ کا حل پیش کرتا ہوں۔

پھر فرمانے لگے کہ اگر مجھے ان کے فتاویٰ سے بھی مسئلہ کا حل نہ مل سکے تو پھر کیا کرتا ہوں؟

ثُمَّ بِاَقْضِيَةِ بَقِيَّةِ الصَّحَابَةِ

(المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵)

پھر خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد جو باقی صحابہ کرام ہیں انکے فیصلے ڈھونڈتا ہوں۔

پھر فرماتے ہیں جب ان کے فتاویٰ سے بھی مجھے مسئلہ کا حل نہ ملے تو

ثُمَّ اَقِيْسُ

پھر پانچویں مرحلے میں جا کے جب ان تمام مقامات سے مسئلہ حل نہ ہو تو پھر قرآن وسنت کے سائبان کے نیچے بیٹھ کر اپنی رائے سے مسئلہ بیان کر دیتا ہوں۔

قرآن وسنت کے زیر سایہ رائے کی اہمیت

آپ نے رائے کو استعمال کرنے کے کتنے پہرے لگائے۔ اب رائے رائے میں فرق ہے ایک وہ خواہش پرست جو اپنی رائے دین میں مسلط کرنا چاہتا ہو۔ صبح اُٹھے اور کہنا

شروع کردے کہ نہیں جانتا میں قرآن کیا ہوتا ہے سنت کیا ہوتی ہے میں یہ کہتا ہوں۔

تو یہ بندہ موذی ہے اور گمراہ ہے اسکی رائے مذموم رائے ہے۔ اسکو دیوار پہ مارا جائے گا۔ اسکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مگر تقوے کے گلشن میں جو رائے کا پھول نکلے جہاں پر خشیت ایزدی بھی ہو۔ جہاں پر خوف خدا بھی ہو، جہاں پر عشق رسول ﷺ بھی ہو، جہاں نور ولایت بھی ہو اور جہاں پر عدالت بھی ہو اور جہاں پر خواہشات کا نام و نشان نظر نہ آتا ہو۔ جس وقت وہ شخص ان مراحل کو سامنے رکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے تو شریعت مطہرہ میں وہ رائے محض رائے نہیں ہوتی دین کا حصہ بن جاتی ہے۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کے مقابلے میں رائے نہیں۔ سنت کے مقابلے میں رائے نہیں، خلفاء راشدین کے مقابلے میں بھی رائے نہیں اور دیگر صحابہ کرام کے مقابلے میں بھی رائے نہیں۔ وہاں انھیں تقدیم دی جائے گی۔ اگر ان تمام مراحل سے گذرتے ہوئے بھی مسئلہ کا حل نہ ملے گا تو پھر ہم قیاس کریں گے اور پھر اسکی شرطیں ہیں۔ اسکے مطابق لوگوں کو مسئلہ حل کرکے دکھادیں گے۔

﴿قیاس کو سمجھنے کے لئے ایک مثال﴾

اسکی مثال آسان سی سمجھ لو مہینوں اور گھنٹوں کی بحث ایک جملے میں بیان کرتا ہوں۔ کہ قیاس سے کیسے ہزاروں مسائل بیان ہوتے ہیں۔ مثلاً گیارہ کمرے ہیں۔ گیارہویں کمرے میں بلب جل رہا ہے۔ اور دس میں اندھیرا ہے۔ برقی رو کی تار دس کمروں سے گذر کے آرہی ہے۔

ایک شخص جو الیکٹریشن تھا اُسکو پتہ تھا کہ یہ وہی بجلی ہے جو دس سے گذر کے آرہی

ہے صرف ہولڈر اور بلب نہیں لگا ہوا۔ اگر ہولڈر لگ جائے اور پھر اُس میں بلب لگ جائے تو جتنی روشنی گیارہویں کمرے میں ہے اتنی روشنی دس کمروں میں بھی ہو سکتی ہے۔

وہ آگے بڑھا اُس نے ہولڈر لگایا پھر بلب لگا دیئے۔ تو جس طرح اُس بجلی سے گیارہواں کمرا روشن تھا۔ ایسے ہی پہلے دس کمرے بھی روشن ہو جائیں گئے۔

آیات قرآن نے حکم واضح کیئے۔ ان احکام کی کچھ نہ کچھ علتیں ہیں یہ مجتھد کو پتہ ہے کہ یہ حکم کیوں لگایا گیا ہے اسکی علت کیا ہے مجتہد اور مقامات پر بھی وہ علت تلاش کرتا ہے جہاں علت ملتی جاتی ہے وہاں وہ حکم لگاتا جاتا ہے آیت کا نزول ایک مسئلہ میں ہوتا ہے مگر اس سے ثابت کئی مسائل ہو سکتے ہیں یہ مجتہد کا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نور سے ہولڈر لگا کر بلب لگاتا ہے۔ جیسے اُس سے ایک مسئلہ حل ہو رہا تھا ایسے ہی ہزاروں مسائل اُسی سے حل ہو جاتے ہیں۔

اسکو پھر فقہ کہا جاتا ہے۔ اس مجموعہ کو کہ جہاں جہاں وہ ہولڈر لگا کے بلب لگالیں اوروں کو کوئی محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کا کام اُس روشنی کو حاصل کرنا ہے۔ لیکن یہ اُن کا کمال ہے۔ جسے پتہ تھا کہ یہاں پر بجلی ہے اور ہولڈر لگانے کا پتہ تھا۔ ہر ایک تو ہولڈر نہیں لگا سکتا۔ کوئی اناڑی لگائے گا تو پھر لٹک جائے گا اور پھر جو اُس کو پکڑے گا وہ بھی لٹک جائے گا یہ غیر مقلدیت ہے۔ اس طرح لٹکتے جانا اور عملی طور پر مرتے جانا اور علمی طور پر اجڑ جانا۔ لیکن ادھر وہ تقلید ہے کہ لگانے والے نے لگایا ہے دوسرے قیامت تک روشنی پاتے رہیں گے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ اور رائے

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک فیصلہ کن جواب تھا۔ جسے ابو جعفر منصور بھی

سن کے بڑا مطمئن ہوا۔ حضرت امام باقر رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بڑے مطمئن ہوئے۔ میں نے اس جواب کا پس منظر ڈھونڈا تا کہ معلوم ہو سکے امام صاحب کے اس جواب کے پیچھے طاقت کیا ہے۔ کیا صحابہ کرام میں سے کسی اور نے ایسے جواب دیا یا تابعین میں کسی نے ایسا جواب دیا ہو۔

تو ڈھونڈتے ڈھونڈتے متعدد ایسی گواہیاں مل گئی۔ کہ جو کچھ میرے امام نے اپنے دور میں کہا تھا۔ وہی بات صحابہ کرام نے اپنے دور میں کی ہے۔ چند گواہیاں حاضر ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق استدلال

كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنه اِذَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ كَانَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ بِهٖ

جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جاتا کسی شی کے بارے میں اگر وہ شی قرآن میں ہوتی تو اسکا قول کر دیتے

میرے بھائیو! توجہ کرو یہ کہہ دینا آسان ہے کہ ہم کسی کی رائے کو نہیں جانتے۔ ہم کسی کو نہیں مانتے۔ مگر دین سمجھنا بڑا مشکل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو صحابہ کرام کے مفتی تھے۔ یعنی جن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے لوگ فتویٰ لیتے تھے۔ اُن کا فتویٰ دینے کا طریقہ کیا تھا۔ وہ مسئلہ کیسے حل کرتے تھے۔

جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا جاتا کسی شی کے بارے میں

فَكَانَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ بِهٖ

اگر وہ شی قرآن میں ہوتی تو اسکا قول کر دیتے، یعنی جو مسئلہ تم نے پوچھا اس کا حکم قرآن مجید میں یہ ہے بات ختم ہو جاتی۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ

اور اگر قرآن مجید میں واضح نہ ہو۔ ایسے تو ہر چیز قرآن میں ہے۔ لیکن اگر قرآن میں اسکے بارے میں کوئی واضح آیت نہیں ہے۔

وَكَانَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مِنْهُ شَیْءٌ قَالَ بِهٖ

اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اسکا حل موجود ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا وہ حدیث پڑھ کے مسئلہ بتا دیتے۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مِنْهُ شَیْءٌ

اگر مسئلہ اتنا نیا ہو کہ نہ اُس کا واضح حل قرآن میں ہے نہ سنت میں ہے اور وہ مسئلہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا سے پوچھا جاتا تو پھر کیا کرتے؟

ایک ہے آج کا نعرہ کہ قرآن و سنت کے بعد کچھ نہیں تو یہ بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ کو بھی آنی چاہیے تھی۔ کہ جب قرآن میں نہ بلا سنت میں نہ ملا۔ پوچھنے والے کو کہتے کہ اب تو بھی معذور ہے میں بھی معذور ہوں آگے تو ہے ہی کچھ نہیں میں ایسا کیوں کروں؟ وہ ایسا نہ کرتے بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بولتے تھے

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مِنْهُ شَیْءٌ

اگر سنت میں بھی اس مسئلہ کا واضح حل نہ ہوتا تو پھر فرماتے تھے

قَالَ بِمَا قَالَ بِهٖ أَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لِأَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ فِيْهِ

شَیْءٌ قَالَ بِرَأْيِهٖ　هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ

(مستدرک للحاکم ۱/۱۲۴)

اگر قرآن میں نہ ملے اور سنت میں نہ ملے تو پھر اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے پر عمل کرتے، اگر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مسئلہ کا حل نہ ملتا تو اپنی رائے سے مسئلہ بیان کرتے۔

جو انہوں نے کہا وہ بھی ہمارا دین ہے۔ جسکو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا اگر یہ ہوتا کہ کتاب وسنت کے بعد کچھ بھی نہیں ہر لحاظ سے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش رہتے لیکن آپ بولے ہیں اور پھر کیوں بولے ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلوایا ہے۔

لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي

(سنن ابی داود کتاب الاقضیۃ باب اجْتِهَادِ الرَّأْيِ فِي الْقَضَاءِ)

جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا تھا تو اُن سے پوچھا کہ فیصلے کیسے کرو گے تو انہوں نے دو مقام بیان کرنے کے بعد کہا یا رسول اللہ ﷺ

أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي

اگر قرآن وسنت میں نہ ملا تو میں خود اجتہاد کرلوں گا۔

تو اس سے انھیں معلوم تھا کہ اس سے آگے بھی کچھ ہے۔ فرمانے لگے۔

اگر قرآن میں نہ ہو اور سنت میں بھی نہ ہو تو پھر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے پڑھوں گا۔

اب دیکھنا جو ترتیب بعد میں میرے امام نے بیان کی یہ آپ نے گھڑی نہیں ہے

بلکہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چل کے آئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ تابعی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کا ایک درجہ سٹیٹس زیادہ ہے اسواسطے درمیان میں باقی صحابہ کرام والی بات نہیں آئے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کہنے لگے۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لِأَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ فِيهِ شَيْءٌ قَالَ بِرَأْيِهِ

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين

اگر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انہیں مسئلہ کا حل نہ ملتا تو پھر اپنی رائے سے مسئلہ بیان کرتے۔

قَالَ بِرَأْيِهِ

آپ نے لفظ رائے بولا۔

لوگ پوچھتے ہیں دین کا مسئلہ میں بتاتا ہوں اپنی رائے سے جب وہ قرآن میں نہ تھا سنت میں نہ تھا جس وقت مجھے اپنے مفتیوں سے نہ ملا یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقتداء ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اگر ان سے نہ ملا تو فرمایا۔

قَالَ بِرَأْيِهِ

توانہوں نے اپنی رائے سے مسئلہ بیان کیا۔

اگر رائے مطلق مذموم ہوتی۔ اگر رائے باعث نفرت ہوتی تو ابن عباس اپنی رائے کا تذکرہ نہ کرتے اور فتویٰ پوچھنے والے کہتے اے ابن عباس رضی اللہ عنہ ہم نے خدا اور رسول ﷺ کی بات پوچھی ہے۔ تیری بات تو نہیں پوچھی لیکن سارے مانتے

ہیں۔ جس وقت مجتہد اور فقیہ عدالت کے ساتھ دین کا مسئلہ بیان کرتا ہے۔ تو وہ شریعت مطہرہ کا حصہ بن جاتا ہے۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریق دیکھیں تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی پالیسی بیان کرتے ہوئے یوں ہی نظر آئے۔ اگر کوئی شخص میرے امام پر رائے کا الزام لگاتا ہے۔ تو اُسے پھر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے سوچنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایسا قول کر کے یہ واضح کر رہے تھے۔ ایسی باتیں ضرور آئیں گی جو واضح قرآن میں بھی نہیں ہونگی اور واضح سنت میں بھی نہیں ہونگی اور واضح صحابہ کرام کے پاس بھی نہیں ہونگی اُن میں رائے سے کام ضرور لینا پڑے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاضی شریح کے نام خط

اعلام الموقعین میں ایک خط کا ذکر ہے،

قاضی شریح بڑے مشہور قاضی ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی شریح کو ایک خط لکھا کہ تم نے فیصلے کیسے کرنے ہیں۔

فرمانے لگے:

اَنِ اقْضِ بِمَا اسْتَبَانَ لَکَ مِنْ قَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ فیصلہ کرو جو تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں سے ظاہر ہو۔

فیصلہ کرتے وقت سب سے پہلے ویسے کرنا ہے جیسے نبی علیہ السلام نے کیا ہے۔

فَاِنْ لَمْ تَعْلَمْ کُلَّ اَقْضِیَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

اگر تجھے رسول پاک ﷺ کے سارے فیصلے نہ آتے ہوں یعنی نہ پاسکو کبھی کوئی

فیصلہ ہوا تھا تمہیں وہ روایت نہیں پہنچی۔ پھر تم نے کیا کرنا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

فَاقْضِ بِمَا اسْتَبَانَ لَكَ مِنْ اَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ

اگر نبی علیہ السلام کا فیصلہ تجھے نہ ملے تو پھر آئمہ مجتہدین کا فیصلہ تم نے لینا ہے۔

آئمہ مجتہدین کے فیصلوں کو سامنے رکھیں اور ائمہ مجتہدین جنکو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں اور وہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں یعنی اس پائے کے جو لوگ ہیں انکے فیصلوں کو سامنے رکھنا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں قیاس کی اہمیت

آپ نے فرمایا کہ اے شریح تم نے پہلے قرآن کا فیصلہ پھر سنت کا فیصلہ لینا اس کے بعد تم نے مجتہدین کے فیصلے کو لینا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمْ كُلَّ مَا قَضَتْ بِهٖ آئِمَّةُ الْمُجْتَهِدِيْنَ

اگر سارے ائمہ مجتہدین کے فیصلے بھی تمہیں معلوم نہ ہوں اور وہاں سے بھی مسئلہ حل نہ ہو سکے تو

فَاجْتَهِدْ بِرَاْيِكَ

پھر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو

وہی لفظ رائے آپ نے استعمال فرمائے۔

وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عادل ہیں اور امیر المومنین ہیں۔ اپنے قاضی کو اس بات کا پابند کر رہے ہیں کہ جس وقت صحابہ کرام جو مجتہد ائمہ ہیں ان سے بھی مسئلہ کا حل نہ مل سکے تو۔

فَاجْتَهِدْ بِرَأْيِكَ

پھر تم نے اپنی رائے سے اجتہاد کرنا ہے۔

عدالت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے اور پھر مسئلہ رائے سے بیان کیا جا رہا ہے۔ اسی سے پتہ چلا کہ دین میں اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رائے کو جائز قرار دے رہے ہیں تو پھر اس کو کون ناجائز قرار دے گا۔

مگر شرط یہ ہے کہ رائے محمود ہو رائے مذموم نہ ہو۔ رائے خواہش پر نہ ہو رائے دنیا کے لالچ کی نہ ہو۔ رائے پاک معطر اور منور ہو تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے۔ میرے قاضی پھر تم نے رائے سے مسئلہ بتانا ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

وَاسْتَشِرْ اَهْلَ الْعِلْمِ وَالصَّلَاحِ

(اعلام الموقعین ۱/۹۰)

پھر تم اہل علم اور صوفیوں سے مشورہ کرو

رائے کیساتھ ساتھ تم نے مشورہ بھی کرنا ہے اور وہ مشورہ کس سے کرنا ہے۔ تو فرمانے لگے وہ مشورہ تم نے عالموں سے بھی کرنا ہے اور صوفیوں سے بھی کرنا ہے۔

مطلقاً کہہ دینا کہ کتاب وسنت کے بعد کچھ نہیں تو پھر یہ سارے حضرات کہاں ہیں۔ جنہوں نے واضح کیا کہ یہ مقام آئے گا، جہاں واضح طور پر کتاب کی آیت بھی نہیں ہوگی۔ سنت کی حدیث بھی نہیں ہوگی اور قاضی کو مسئلہ بیان کرنا پڑے گا۔ مفتی خاموش نہیں بیٹھے گا اسکو بیان کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اسواسطے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی شریح کو فرمایا کہ اپنی رائے بھی ساتھ رکھو کسی مجتہد کی تقلید بھی کرتے رہو۔

وَاسْتَشِرْ اَهْلَ الْعِلْمِ وَالصَّلَاحِ

اهل علم سے بھی مشورہ کرو اور صوفیوں سے بھی مشورہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ صوفی بھی ہمارے پاس ہے۔ عالم بھی یعنی فقیہ بھی ہمارے پاس ہے۔ فقیہ کے پاس جانا ہے۔ صوفی کے پاس جا کر تم نے مشورہ بھی کرنا ہے۔

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے رائے سے بیان کر رہے ہیں۔ اگر ان کے بیان کیے ہوئے کو کسی نے ماننا نہیں تھا تو پھر یہ بے فائدہ بات تھی۔ اسکا مطلب کیا تھا کہ یہ رائے سے بیان کریں گے۔ امت مانے گی اور تقلید کرتی چلی جائے گی۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی پالیسی دیکھو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہے۔ یعنی وہاں سے یہ پالیسی چل کے آئی ہے۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ امام صاحب کی پالیسی انہوں نے اختیار کی یہ کہہ سکتے ہیں جو ان کی پالیسی تھی یعنی خلفاء راشدین کی، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہی پالیسی ہمارے امام صاحب نے پسند فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ عظیم صحابی ہیں جنکے بارے میں ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک چھوٹا سا انسان نہ سمجھو بلکہ فرمایا:۔

کُنَیفٌ مُلِءَ عِلْمًا.

(المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۹۶۱۹)

یہ علم سے بھرا ہوا گھر ہے۔

اُن کی رائے مسئلہ حل کرنے کے بارے میں کیا ہے۔ کیا صرف کتاب وسنت یا کتاب و سنت کے بعد بھی کچھ ہے اور جو بعد میں ہے وہ حقیقت میں کتاب وسنت کا ہی ہے۔

ہم بھی کہتے ہیں کتاب وسنت، کتاب وسنت مطلب ہمارا یہ ہے کہ کتاب وسنت

سے ہی سب کچھ نکلا ہے۔ جیسے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نکال کے دکھایا تھا۔

تو کتاب وسنت کا یوں نام لیکر یوں ماننا جیسے امام اعظم اور امام شافعی علیہما الرحمۃ مان رہے ہیں۔ تو پھر یہ نعرہ ٹھیک ہے۔ اگر بعد والے درجات کا کوئی انکار کر رہا ہے۔ تو پھر یہ نعرہ غلط ہے۔ اسواسطے صحابہ کرام سے بڑھ کر قرآن وسنت کا علمبردار کون ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظریہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اگر کوئی مسئلہ آجاتا تو فیصلہ میں اُن کا طریقہ یہ تھا۔

راوی کہتے ہیں۔

فَإِنْ جَاءَ أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ

اگر کوئی ایسا مسئلہ آجاتا جو کتاب اللہ میں نہیں۔

وَلَا قَضَى بِهِ نَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

نہ وہ مسئلہ قرآن میں ہے نہ ہی سنت میں ہے۔

فَلْيَقْضِ بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ

(سنن النسائی کتاب آداب القضاۃ باب الْحُكْمُ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ ج ۲ ص ۳۰۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر کسی مفتی کے پاس کوئی مسئلہ آجائے قرآن وسنت سے اُس کا حل نہ ملے تو زمانے کے پرہیزگاروں کی جو رائے ہو وہ بتادی جائے۔

ہم اس رائے کے علمبردار ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

فَلْيَقْضِ بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ

جو علماء حق، مجتہد اور صوفی جو عالم بھی ہیں اور ولی بھی ہیں جو انہوں نے فیصلہ کیا ہے۔ اسکا فیصلہ مفتی کو کرنا چاہیے۔ قرآن سے نہ ملا سنت سے نہ ملا تو صالحین میں صحابہ کرام بھی ہیں اور بعد والے بھی ہیں۔ تو سارے کے سارے شامل ہو گئے اور کہنے لگے۔

فَإِنْ جَاءَ أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا قَضَى بِهِ نَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ فَلْيَجْتَهِدْ رَأْيَهُ

اگر مسئلہ ایسا آ گیا نہ کتاب میں تھا نہ سنت میں تھا اور نہ ہی صحابہ وتابعین میں سے کسی نے وہ مسئلہ بیان کیا۔ تو اب پھر کیسے گذارہ ہوگا فرمانے لگے۔ اگر صلاحیت ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کر کے مسئلہ بیان کر دے۔

یہ کون فرما رہے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ہم نے ان کے لفظ رائے کو بیان کرنا ہے۔ کہ یہ رائے محمود ہو شیطانی رائے نہ ہو اسکا پرچار صحابہ کرام نے کیا۔ وہ دین کے غدار نہیں تھے۔ (معاذ اللہ) بلکہ وہ دین کے شارح ہیں اور دین کے علمبردار ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بول رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں خدا کی قسم جو پالیسی میرے امام نے دی تھی۔ (المیزان الکبری) میں اور (تاریخ بغداد) میں اور دیگر مقامات میں ہم نے دیکھا کہ امام صاحب نے وہ گھڑی نہیں تھی بلکہ صحابہ کرام سے پڑھی ہوئی تھی۔

آج لوگ جس کو اندر بیٹھ کے کھاتے ہیں۔ باہر بیٹھ کے غراتے ہیں یہ دیکھو رائے والے ہیں یہ قیاس والے ہیں۔ ہم کتاب وسنت والے ہیں تو میں سینہ تان کے کہہ رہا ہوں ہم ہی کتاب وسنت والے ہیں۔ اسواسطے قرآن وسنت کا جو مزاج صحابہ کرام نے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے وہ مزاج ہمیں عطا فرمادیا ہے۔

جب رائے محمود جائز ہے تو رائے محمود پر عمل بھی جائز ہے۔

مذموم رائے کون سی ہے؟

آج ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو میڈیا میڈ لوگ ٹی وی پر بیٹھ کر اوٹ پٹانگ اور بونگی رائے پیش کرنے والے ہیں قرآن وسنت کے مقابلے میں اسطرح کے نانجار لوگ بک بک کرتے ہیں۔ میں نے ان میں سے بعض کے سامنے منہ پر کہہ دیا تھا

ہر سینہ نشیمن نہیں جبریل امین کا
ہر فکر نہیں طائر فردوس کی صیاد

وہ فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

لہٰذا ایسی آزادی افکار کے ہم قائل نہیں۔ ہم تو اسکی جڑیں کاٹنے والے ہیں۔ جو ابلیسی اور شیطانی رائے ہے۔ وہ کونسی ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں پیش کرے۔ اُس ابلیس نے یہ نہ دیکھا کہ رب حکم دے رہا ہے اسکو مان جاؤں وہ قیاس پیش کرنے لگا۔

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (پارہ ۲۳ سورۃ ص آیت ۷۶)

مجھے تو نے آگ سے بنایا اُسے تو نے مٹی سے بنایا۔

میں سجدہ کیوں کروں۔ افضل غیر افضل کو سجدہ نہیں کرتا۔ آگ افضل ہے مٹی ادنی ہے۔ آگ اوپر جاتی ہے مٹی نیچے جاتی ہے۔ تو یہ قیاس بھی تو ایک رائے تھی۔ اسکے ہم مخالف ہیں۔ اسکی ہم جڑیں کاٹنے والے ہیں۔ ہم اس رائے کے علمبردار ہیں۔ جو رائے نبی ﷺ نے خود اپنی امت کو عطا فرمائی ہے۔

رائے اور پھر اس رائے کے مطابق عمل کرنے کی کتنی خوبصورت تشریحات ہیں۔ جو صحابہ کرام کے پاس موجود ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ اور قیاس

صحابہ کرام کا زمانہ ہے ایک مسئلہ پیش آیا کہ اگر کوئی شخص وتروں کے بعد دو نفل پڑھ لے تو کچھ لوگ کہنے لگے کہ وتر باطل ہو جاتے ہیں۔ تین وتروں کے بعد اگر کوئی دو نفل پڑھ لے تو وتر باطل ہو جاتے ہیں۔

با قاعدہ ان لوگوں نے حدیث سے استدلال بھی کیا۔ وتر وتر تب رہیں گے جب بعد میں جفت نہ ہو۔ تین وتر پڑھنے کے بعد جب دو پڑھو گے تو وتر نہیں رہیں گے۔

قربان جاؤں جب حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ وہ ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حدیث میں ایک انچ بھی کسی کو آگے پیچھے نہیں جانے دیتے۔ جب آپ کے سامنے مسئلہ آیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک رائے پیش کر دی۔

حالانکہ ہمیشہ رائے سے دور رہے۔ حدیث ہی کی طرف متوجہ رہے۔ مگر رائے ایک یاور ہے۔ بالآخر رائے سینے میں جوش مار گئی۔ مسئلہ پیش کرنے والا حدیث پیش کر

رہا تھا تو حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے سنو میری بات کیسی باتیں کرتا ہے۔کوئی عقل بھی سیکھ۔حدیث سمجھنے کا کوئی سلیقہ بھی ہوتا ہے۔

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثال بیان کر کے کمال کر دیا۔

آپ نے فرمایا:

لَوْ جِئْتُ بِثَلَاثَةِ اَبْعِرَةٍ فَاَنَخْتُهَا ثُمَّ جِئْتُ بِبَعِيْرَيْنِ فَاَنَخْتُهَا اَلَيْسَ كَانَ يَكُوْنَ ذَالِكَ وِتْرًا؟

(شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۳۸)

یہ بتاؤ اگر میں تین اونٹ لے آؤں اور وہ تین بٹھاؤں ان کو بٹھانے کے بعد دو اور لے آؤں اور وہ بھی ساتھ بٹھاؤں تو مجھے بتاؤ یہ مجموعی تعداد وتر ہے یا جفت ہے۔

یعنی تین اونٹ پہلے بٹھاؤں اور دو اونٹ اور لا کر بٹھاؤں تو مجھے بتاؤ یہ سارے جفت ہیں یا وتر ہیں۔تو کہنے لگا وتر ہیں۔تو آپ نے فرمایا اسی طرح اگر تین پہلے پڑھے دو بعد میں پڑھے تو یہ وتر کیسے غائب ہو جائیں گے۔

سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام مجتہد صحابہ کرام میں نہیں ہے پھر بھی انہوں نے رائے کا استعمال کیا کیونکہ رائے ایک پاور ہے۔آپ نے فرمایا کہ حدیث اگر سمجھنی ہے تو مجھ سے سمجھو۔

جبکہ حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کے معاملے میں اتنے سخت تھے کہ اگر کسی کی رائے تھوڑی سی کمزور سمجھتے تھے تو برس پڑتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مکالمہ

ایک دن حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کر دی

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تَوَضَّأُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو چیز آگ پہ پکی ہوئی ہو اگر وہ کھاؤ تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ چنانچہ وضو کرو۔

اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حدیث سمجھنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں کہ ترجمہ آجائے تو حدیث آجائے۔

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث پیش کر رہے ہیں

تَوَضَّأُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

اُس سے وضو کرو اس چیز کے کھانے کی وجہ سے جس کو آگ نے چھوا ہے اس حدیث کو سننے والی کوئی عام سی شخصیت نہیں تھی بلکہ وہ عظیم شخصیت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔

رسول اکرم ﷺ کے کزن ہیں۔ حدیث کا ادب بھی بہت زیادہ ہے۔ مگر وہ حدیث میں گہرائی میں جاتے ہیں۔ وہ صرف لفظوں تک نہیں بلکہ معنوں تک پہنچتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ حدیث سنی تو فرمانے لگے۔

یَا اَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاِنَّا نَدَّهِنُ بِالدُّهْنِ وَقَدْ سُخِّنَ بِالنَّارِ وَنَتَوَضَّأُ بِالْمَاءِ وَقَدْ سُخِّنَ بِالنَّارِ

اے ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ایک مسئلہ تو بتاؤ ہم کئی مرتبہ وضو کر کے تیل لگاتے ہیں۔ اُس زمانے کا تیل چربی کا ہوا کرتا تھا وہ گرم کر کے لگایا جاتا تھا۔ آپ

نے پوچھا کہ اگر وضو کر کے گرم تیل جسم پر لگا ئیں تو پھر وضو کا کیا بنے گا۔

اور پھر کہا کہ اگر موسم سردی کا ہو تو جس پانی سے وضو کریں وہ ہی گرم ہو تو پھر وضو کا کیا بنے گا۔ اُس وقت بھی پانی سردیوں میں بعض دفعہ گرم کر لیتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اگر گرم چیز سے جو وضو ہو چکا ہو وہ ٹوٹ جاتا ہے تو گرم چیز سے پھر ہونا ہی نہیں چاہیے۔ تو پانی جب گرم ہو اور وہ منہ کو لگ جائے تو وضو ٹوٹ جائے تو پھر اُس گرم پانی سے وضو سرے سے ہونا ہی نہیں چاہیے۔

اے ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ مجھے بتاؤ اگر گرم پانی سے وضو کریں تو اُس پانی سے وضو ہو گا یا نہیں ہو گا۔ یہاں پر دونوں صحابی ہیں۔ مگر ایک ہیں حِبرُ الامۃ اور ترجمان ملّت جنکو گھٹی میرے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دی اور دوسرے وہ ہیں جنکو حافظے کی گٹھری پکڑا دی تھی لیکن دونوں میں فرق تو ہے۔ ایک امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ ہزاروں حدیثیں سینوں میں ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو حدیث کے سمندر میں غوطے بھی لگاتے ہیں۔

شرح معانی الاثار میں درجنوں حدیثیں پیش کی گئیں کہ فلاں موقع پر رسول اللہ ﷺ نے پکا ہوا گوشت کھایا۔ اُسکے بعد وضو کیے بغیر صرف کلی کر کے آپ نے نماز پڑھی۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قیاس کے پیچھے پاور ہے۔ لیکن جو سٹینڈ لیا تو قیاس اور رائے سے لیا۔ آپ نے کہا ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے اسکا جواب دو۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ جواب نہ دے سکے۔ اُس دن ایک جملہ بولا تھا بعد میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا انداز اسکے خلاف جا نکلا۔ جس وقت پوری طرح

دین کی تشریحات راسخ ہو گئیں۔

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بات سن کر کہنے لگے۔

یَا ابْنَ اَخِیْ

اے میرے بھتیجے ذرا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ٹھنڈا کیا اور کہا

اِذَا سَمِعْتَ الْحَدِیْثَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فَلَا تَضْرِبْ لَہٗ الْاَمْثَالَ

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۱)

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سن لو تو پھر مثالیں نہ دیا کرو میں نے حدیث بیان کر دی ہے۔ تم آگے مجھے مثالیں سناتے ہو میں کچھ نہیں کہتا۔ یہ اس لئے کہا کہ آپ مجتہد نہیں تھے یعنی صحابہ کرام کے لحاظ سے اگر چہ بعد والوں کے لحاظ سے انکا کروڑ درجہ اونچا مقام ہے۔ لیکن سامنے ابن عباس رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں۔ کوئی ایرہ غیرہ تو نہیں بیٹھا۔ جواب دیکر کہیں اور نکل جائیں۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نفیس قیاس

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بس یہی ہے جو میں نے کہہ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں حدیث بیان کردوں تو پھر کوئی مثالیں بیان نہ کیا کرو مطلب یہ تھا کہ تم رائے پیش کر رہے ہوں میں حدیث پیش کر رہا ہوں وہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تو یہ کہہ رہے تھے کہ میں

حدیث پیش کر رہا ہوں تم رائے پیش کر رہے ہوں لیکن یہ بھی اس درجہ پر پہنچ گئے تو وتروں کے بعد نفل پڑھنے والے نے جب حدیث پیش کی تو آپ نے فرمایا میں تجھ سے پوچھتا ہوں تین اونٹ بیٹھے ہوں ان کے ساتھ دو اور بٹھا دیئے جائیں تو پھر وتر رہتے ہیں یا نہیں رہتے تو اس نے کہا رہتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر حدیث سمجھنے کیلئے مجھ سے اپریشن کرواؤ، حدیث تب سمجھ آئے گی جب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی رائے بھی ساتھ ہوگی۔

اس کے بارے میں ذخیرہ احادیث سے گواہیاں موجود ہیں۔

ہم آج صرف رمضان کی برکت کی وجہ سے بیج بور ہے ہیں کہ برکت والے وقت میں تھوڑے بیج کی پیداوار زیادہ ہو جاتی ہے۔

﴿رائے کی حیثیت سے دین کی وضاحت﴾

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے ہم درخواست کریں گے ایک مسئلہ خود بتاؤ تاکہ پتہ چلے کہ کس انداز میں جو آپ کے پاس ہزار ہا احادیث ہیں انکے ہوتے ہوئے بھی تم نے ایک رائے کی حیثیت سے دین کو واضح کیا تو کیسے کیا ؟

اَبُوْ مُرَّةَ مَوْلٰی عَقِیْلِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّہٗ سَاَلَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے غلام ابومرہ نے پوچھا

کَیْفَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یُوْتِرُ

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۳۸)

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے غلام ابومرّہ نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ وتر کیسے پڑھتے تھے؟

مجھے اس کا طریقہ بتاؤ۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

فَقَالَ اِنْ شِئْتَ اَخْبَرْتُكَ كَيْفَ اَصْنَعُ اَنَا

تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ میں کیسے وتر پڑھتا ہوں۔

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کو جرأت کیسے ہوئی کہ پوچھنے والا یہ پوچھے کہ بتاؤ ہمارے نبی علیہ السلام وتر کیسے پڑھتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ میں وتر کیسے پڑھتا ہوں۔

تو وہ کون ہوسکتا ہے کہ جس سے پوچھا جائے نبی علیہ السلام کا طریقہ لیکن وہ یہ کہے کہ میں اپنا بتاتا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ کی جگہ یہ اپنے آپ کو کون رکھ سکتا ہے۔

حدیث کا اتنا ادب کرنے والے حضرت سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ اس سائل کو کہتے ہیں تجھے میں یہ نہ بتاؤں کہ میں وتر کیسے پڑھتا ہوں۔

اس جواب کا مطلب کیا تھا کہ محض حدیث دیکھو گے تو منزل تک نہیں پہنچ سکو گے۔ کہیں کچھ مل جائے گا کہیں کچھ مل جائے گا۔ اُن کے متعدد اسباب ہیں کسی نے دور سے دیکھا کسی نے نزدیک سے دیکھا کسی نے پہلا عمل دیکھا کسی نے پچھلا عمل دیکھا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ حتمی، اٹھنک اور پکی بات ملے اور اگر سرکار کی سنت دیکھنی ہو تو ابوھریرۃ کی سنت کو دیکھ لیا کرو۔

ورنہ کون ہوسکتا ہے جس سے پوچھا جائے کہ سرکار علیہ السلام کی بات کرو وہ کہے کہ

میں اپنی بات کرتا ہوں۔ صحابی بھی ہوں مخلص بھی ہوں اور محب بھی ہوں۔ سنت کے علمبردار بھی ہوں اور رسول پاک ﷺ کی شریعت کے شارح بھی ہوں۔ پھر جب اُن سے پوچھا کہ محبوب علیہ السلام کے وتر کیسے ہیں وہ کہے میں تمہیں اپنے وتروں کے بارے مین بتاتا ہوں۔

تو آپ نے کہا قیامت تک کیلئے دین اگر سیکھنا ہے تو اس طرح نہیں آتا کہ لفظ پڑھو بخاری کے اور اسی وقت منزل تک پہنچ جاؤ۔

کتنی پلکوں سے نمی مانگ کے لائی ہوگی
پیاس تب پھول کی شبنم نے بجھائی ہوگی

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ واضح کر رہے تھے۔ میرے طالب علم تو آج آیا ہے ہماری زندگی گذر گئی ہے۔ ہم نے ایک حدیث سامنے رکھ کے پھر جا کر فیصلہ کیا۔ اگر ساری بتاؤں گا تو بات لمبی ہو جائے گی اور تو پوچھ رہا ہے مختصر بات تو پھر جو رسول پاک ﷺ کے طریقہ کا آئینہ ہے میں تمہیں وہ دکھا دیتا ہوں تا کہ تمہیں میرے طریقے میں وہ طریقہ نظر آ جائے۔ جو نبی علیہ السلام کا کامل اور سچا طریقہ ہے۔

لہٰذا ایک منٹ رک کے ان لوگوں کے جھوٹے پروپیگنڈا کا تعاقب کیجئے جو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نبی علیہ السلام کے طریقے سے ہٹا کر اپنے پیچھے لگا لیا اور پھر لوگ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کو چھوڑ کے امام کے پیچھے چلتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کو چھوڑ کے ایک عام بندے امتی کے پیچھے چل پڑے ہیں۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے

(دربار رسالت تک رسائی)

تو میں پوچھتا ہوں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نے انکو اپنے پیچھے کیوں چلایا تھا۔ حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ طریقہ نبوی بیان کرو تو وہ کہتے ہیں یہ میرا طریقہ ہے اسکو اپناؤ۔ وہ شرع کے خلاف تو نہیں ہے وہ لوگوں کو نبی علیہ السلام کے دربار میں لانے والے ہیں، ہٹانے والے نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے طریقے کی طرف متوجہ کر کے یہ واضح کیا کہ نبی علیہ السلام کے دربار کی طرف جانا ہی مقصود ہے۔ مگر درمیان میں کوئی ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ بھی ہونا چاہیے۔ تب جا کر وہاں پہنچو گے ورنہ بھٹک جاؤ گے، گمراہ ہو جاؤ گے۔

فقہ حنفی بالیقین قرآن کی تفسیر ہے

ایسے ہی بلا شبہ آج کا سنی حنفی یہ دربار رسالت میں جا رہا ہے۔ مگر وہاں اتنے قریب ہوتے ہوئے اگر ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضرورت پڑ گئی ہے تو صدیوں کے گذر جانے کے بعد ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ضرورت ضرور پڑ جائے گی۔

ان لوگوں کے کتنے غلط پروپیگنڈے ہیں لوگوں کے ذہنوں میں زہر بھرا جا رہا ہے اور بظاہر کتنا فریفتہ کرنے والا نعرہ ہے۔ کہ دیکھو یہ نبی علیہ السلام کی بات کو چھوڑ کر امام کی بات مانتے ہیں۔ ایک امام کے پیچھے چل پڑے ایک امام والے ہیں، یہ کوفے والے ہیں۔

تو میں بتاتا ہوں کہ کوفے والے ہی اصل میں مدینے والے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو فقہ کی سوغات کھلا کے لوگوں کو وہ (taste) ٹیسٹ دیا ہے جو صفہ والوں کو نبی علیہ السلام نے عطا فرمایا تھا اور وہاں سے امام صاحب کو ملا تھا۔

حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ کے اس ایک جملے نے کتنی مشکلیں حل کر دیں جب پوچھا گیا کہ سرکار علیہ السلام کے وتروں کا طریقہ کیا ہے تو فرمانے لگے میں اپنا طریقہ بیان کرتا ہوں یہ سمجھنا تمہارے لئے آسان ہے۔

وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ مخاطب کا بھی دھیان اور لحاظ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک حدیث بیان کروں گا تو ساری بیان کرنا پڑیں گی موافق بھی مخالف بھی پھر جا کر حق نکلے گا جبکہ ٹائم تھوڑا ہے میں تمہیں جلدی منزل پہ پہنچا دیتا ہوں۔

اسواسطے ہزاروں حدیث مبارکہ ہیں کوئی متروک ہے کوئی مجروح ہے کوئی پہلے کی ہے اور کوئی بعد کی ہے کوئی لوگوں کیلئے اور کوئی نبی علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ اُس میں جا کر اپنے مقصد کو ڈھونڈنا بڑا مشکل ہے۔

فقہ پکی پکائی روٹی ہے۔ فوراً آؤ ، فوراً پاؤ اور فوراً منزل پہ پہنچ جاؤ۔

حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر طریقہ کون سا بیان کیا فرمانے لگے

إِذَا صَلَّيْتُ الْعِشَاءَ

جب میں عشا کے فرض پڑھ لیتا ہوں۔ تو پھر اسکے بعد کیا کرتا ہوں؟ رب کا شکر ہے جو طریقہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ہے آج ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے وہی طریقہ عطا فرمایا ہے۔

إِذَا صَلَّيْتُ الْعِشَاءَ صَلَّيْتُ بَعْدَهَا خَمْسَ رَكْعَاتٍ

جب میں عشاء کی نماز پڑھ لیتا ہوں تو عشاء کے بعد (نوافل کے سوا) پانچ

رکعتیں پڑھتا ہوں۔ وہ کیا ہیں؟ یعنی تین وتر اور دو سنتیں پھر فرمایا

ثُمَّ اَنَامُ

پھر اسکے بعد میں سو جاتا ہوں۔

فَاِنْ قُمْتُ بِاللَّیْلِ فَصَلَّیْتُ مَثْنٰی مَثْنٰی

اگر مجھے رات کو جاگ آجائے تو پھر دو دو رکعتیں پڑھ لیتا ہوں۔ یعنی تہجد کی سی حالت اختیار کر جاتے ہیں۔

فَاِنْ اَصْبَحْتُ اَصْبَحْتُ عَلٰی وِتْرٍ

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۳۸)

اور اگر جاگ نہ آئے اور فجر طلوع ہو جائے تو پھر بھی نماز قضا تو نہیں ہوتی وتر تو میں پہلے پڑھ چکا ہوتا ہوں۔ یہ اپنا طریقہ بیان کر دیا اور تین وتروں کا انداز بھی بیان کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انداز محبت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انداز کیا تھا

یَضْرِبُ الرَّجُلَ اِذَا رَاٰہُ یُصَلِّیْ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ مِنْ صَلٰوتِہٖ

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱۲)

جب کسی کو عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھتا دیکھتے تھے تو اُسے مارتے یہاں تک کہ وہ نماز سے باہر نہ آجاتا۔

اسواسطے وہ کہتے کہ جس وقت رسول اکرم ﷺ نے نفل نہیں پڑھے تو میں نہیں پڑھنے دوں گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے روکتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی پسند و ناپسند

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا انداز بھی دیکھئے فرمانے لگے

اَكْرَهُ مَا كَرِهَ عُمَرُ رضی الله عنه

جو چیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناپسند کریں وہ میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ جو عمر رضی اللہ عنہ پسند کریں وہ میں بھی پسند کرتا ہوں۔ جو آپ ناپسند کریں وہ میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی شارع تو نہیں نہ رب ہیں نہ رسول علیہ السلام ہیں۔ وہ تو بعد کی ہستی ہیں مگر پھر بھی جاننے والوں میں ایسا جذبہ آجاتا ہے۔ کہ جس میں کہا جاتا ہے کہ جن سے ہم نے دین سیکھا اور جس سے ہم نے دین لیا۔ تو جوان کی پسند ہے وہ ہماری پسند ہے اور جو انکی ناپسند ہے وہ ہماری ناپسند ہے۔ اُن پہ الزام نہیں دیا جاسکتا کہ تم رسول علیہ السلام کو چھوڑ کے غیر رسول کے پیچھے لگ گئے ہو۔

نہیں نہیں ایسے مستند مقامات جو ہوتے ہیں۔ انکی رضا کے اندر سے ہی رضا الوہیت اور رضاء رسالت میسر آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بڑی لازمی اور ضروری ہے۔

رائے کی دو قسمیں

ابن قیم نے اعلام الموقعین میں رائے کے بارے میں فیصلہ کر دیا کہنے لگے کہ رائے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہوتی ہے رائے محمود اور دوسری ہوتی ہے رائے مذموم۔ جو رائے شیطان نے پیش کی تھی وہ مذموم تھی اور ایک رائے محمود ہے جسکی میں نے قرآن مجید سے لیکر اب تک دلیلیں پیش کی ہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ (پارہ ۲۸ سورۃ الحشر آیت ۲)

اس میں رائے محمود کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایک حکم تمہیں مل جائے تو اس سے دوسرا حکم سیکھ لیا کرو۔ خود اخذ کرلیا کرو۔ اگر صلاحیت موجود ہو۔ صلاحیت کی بات اسلئے کررہا ہوں کہ آج یہ بھی ایک مرض ہے۔ ہر ایرہ غیرہ مجتہد بننے کے چکر میں بھی ہے۔ جو میں کہہ دوں اسکو مان لیا جائے۔ مجتہد کی جو شرائط ہیں ان کے مطابق جو شخص پورا اترے گا اجتہادی مسائل میں اسکی رائے کا احترام ہوگا۔ اُس کی رائے کی وجہ سے پھر دین کے مسائل حل ہونگے ورنہ وہ رائے بگاڑ کا سبب بن جائے گی اور اس سے دین کے مسائل حل نہیں ہونگے۔

رائے کے بارے ابن قیم کا حتمی فیصلہ

اس سلسلہ میں حتمی فیصلہ ابن قیم کا تمہارے سامنے پیش کرتا ہوا اپنی گفتگو کو سمیٹتا ہوں۔ ابن قیم کہنے لگا

وَالْمَقْصُوْدُ اَنَّ السَّلَفَ جَمِيْعَهُمْ عَلٰى ذَمِّ الرَّأْيِ وَالْقِيَاسِ الْمُخَالِفِ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

(اعلام الموقعین ج ۱ص ۸۵)

خلاصہ گفتگو یہ کہ تمام اسلاف اس رائے اور قیاس کی مذمت بیان کرتے ہیں جو قرآن وسنت کے مخالف ہو

یعنی جہاں بھی تمہیں تابعی کا یا تبع تابعی یا کسی اور کا قول ملے کہ رائے درست نہیں ہے۔ تو یہ اس رائے کی بات ہوتی ہے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو اور جو کتاب وسنت کے خلاف رائے نہ ہو وہ دیوار پر مارنے والی نہیں ہوتی وہ دل میں رکھنے والی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم اس رائے کے حامی ہیں۔

مخالفین کے گھر کی گواہی

ابھی میں اسکی گواہیاں پیش کرتا ہوں جو دن رات سر پہ ہاتھ رکھ کے واویلا کر رہے ہیں۔ کہ رائے نہیں قیاس نہیں، فقہ نہیں۔ خدا کی قسم انکے فتاوی میں دیکھو گے تو ہر طرف سے امام صاحب کی رائے سر نکالتی نظر آئے گی۔

جو اچھی رائے ہے اُسکے بغیر گذارہ کسی کا نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سعادت ہے ہم جس چیز کو مانتے ہیں۔ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں اور جس پر عمل کرتے ہیں اسکو واضح بھی کرتے ہیں۔ کچھ اندر بیٹھ کے کھا جاتے ہیں۔ باہر آ کر اسی کے بارے میں پروپیگنڈا بھی کرتے ہیں۔

اس موضوع کو سمجھنے کیلئے ایک مسئلہ پیش کرتا ہوں۔

فتاوی نذیریہ میں ایک مسئلہ ہے جو ساری گفتگو کو سمجھنے کیلئے کافی ہے۔

یہ اُن لوگوں کا فتاویٰ ہے جو قرآن وسنت کے دعوے دار ہیں۔ کہ صرف کتاب و سنت اور کچھ نہیں۔ پھر پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ رائے والے ہیں۔ ان کی اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ ہم کتاب وسنت والے ہیں۔ یہ انکے کسی عام بندے کا یہ فتاویٰ نہیں بلکہ انکا سب سے بڑا ستون ہے۔ جسکا لقب یہ لکھا ہے۔ شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلوی یہ ان کا مصدقہ فتاویٰ ہے۔

میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں پچاس فیصد انکے فتاویٰ سے وہ مسئلے دکھا سکتا ہوں جو فقہ سے لیے گئے ہیں۔ یعنی کتاب وسنت کا نام لینا آسان ہے لیکن جب کوئی مسئلہ پوچھنے آ جائے کہ اس کا کتاب وسنت سے جواب دو تو پھر کہتے ہیں ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ یعنی

پھر امام صاحب کا نام اور آپکے شاگردوں کا نام، پھر قاضی خاں کا نام، پھر ہدایہ کا نام، پھر عالمگیری کا نام، اسکے سوا ان کا گزارہ نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر ان کا اسکے بغیر گزارہ ہو تو پھر یہ کہیں کہ بخاری میں یہ لکھا ہے اور قرآن میں یہ آیا ہے۔ تو جنکے بغیر گزارہ نہ ہو انکو لیڈر بھی ضرور ماننا چاہیے۔

تعلیم دین کی اجرت کے بارے سوال

فتاویٰ نذیریہ میں ایک مسئلہ پوچھا گیا وہ کیا مسئلہ ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں؟ علماء دین و مفتیان شرع متین بیج اس مسئلہ کے کہ پڑھائی قرآن شریف یا حدیث شریف یا فقہ یا نکاح یا کسی اور نیک کام کی جو کہ عبادات میں داخل ہیں۔ جیسے امامت، موذنی، وعظ، نصیحت یا شروع کرائی قرآن شریف کی یا سپارہ یا رکوع یا سورت یا کسی اور دین کی کتاب جیسے تفسیر یا حدیث یا فقہ آیا ان کی اجرت مقرر کرے یا بے مقرر کے لینے دینے کا حکم قرآن وسنت میں ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اسکی وضاحت کردیجئے۔

یعنی اس میں یہ پوچھا گیا کہ ایک بندہ جو مدرسہ میں قرآن پڑھاتا ہے۔ کیا وہ تنخواہ لے سکتا ہے؟ کہیں خطابت کرتا ہے تو کیا وہ تنخواہ لے سکتا ہے۔؟ کہیں درس دیتا ہے تو کیا وہ تنخواہ لے سکتا ہے؟ یہ شیخ الکل سے مسئلہ پوچھا گیا اور کہا قرآن وسنت کی روشنی میں اسکی وضاحت کردو تاکہ یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ یہ مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ تو ہر شخص کے ساتھ پیش آتا ہے۔ جو بھی اس فیلڈ میں ہے یا نہیں کوئی دینے میں ہے تو کوئی لینے میں ہے۔ بڑا ضروری مسئلہ تھا۔ جس وقت یہ مسئلہ پوچھا گیا تو شیخ الکل نے جواب دیا۔

جواب فقہ حنفی سے دیا

آپ کو انتظار ہوگا شاید کوئی آیت پڑھیں گے آپ کو انتظار ہوگا شاید بخاری کی حدیث پڑھیں گے۔ لیکن اُن کا جواب یہ ہے۔

''لینا اجرت کا اوپر عبادات کے مثل اذان و اقامت و تعلیم قرآن جائز نہیں نزدیک امام اعظم کے''۔ (فتاویٰ نذیریہ ۲/۳۱۰)

یہ جن کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہیں سترہ حدیثیں بھی نہیں آتی تھیں لیکن جس وقت مسئلہ پوچھا گیا کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اسکا حل کیا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے یہ کہا۔

ویسے ان کا نعرہ یہ ہے کہ امام اعظم، امام دین، رحمۃ العالمین لیکن وہ نعرہ یہاں اس مسئلہ میں کیوں بھول گیا اور امام اعظم ابوحنیفہ کو امام اعظم کیوں کہا؟ اس لیے کہ اب ان سے خیرات لینی ہے۔ تو پھر ذکر بھی ادب سے ہورہا ہے۔ پھر یہ جواب دیا کہ

''نزدیک متاخرین حنفیہ کے جائز ہے اور یہی مذہب ہے''

یعنی امام صاحب کا مذہب یہ تھا کہ اجرت لینا ناجائز ہے۔ لیکن متاخرین حنفیہ نے اسکو جائز قرار دیا۔ جو امام صاحب کے پیروکار مقلد متاخرین نے کہا ہے وہ ہمیں بھی منظور ہے۔ چونکہ بات ہے تنخواہ کی اور بات ہے وظیفہ کی اسلیئے اب یہ نہیں دیکھنا کہ امام صاحب بڑے ہیں یا بعد والے بڑے ہیں۔ لیکن اس وقت کہا گیا کہ

''نزدیک متاخرین حنفیہ کے جائز ہے اور یہی مذہب ہے اور اماموں کا'' یعنی امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک بھی جائز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

''اس پر فتویٰ ہے''

اور پھر اس کا کتب دینیہ میں تذکرہ ہے۔

''قال في الهداية''

یعنی ہدایہ کے مصنف نے کہا۔

مجھے انتظار تھا کہ چار لائنیں گذر گئی ہیں شاید اب کوئی آیت پڑھیں گے۔ یا پھر بخاری کا نام لیں گے۔ لیکن جب زباں پہ نام آیا تو ہدایہ کا نام آیا۔

وہ صاحب ہدایہ جس کے بارے میں چھوٹے چھوٹے ہینڈ بل انہوں نے بنائے ہوئے ہیں کہ یہ دیکھو ہدایہ میں یہ لکھا ہے۔ یہ اس میں غلطی ہے میں کہتا ہوں شرم کرو جہاں کھاتے ہو وہاں پیشاب کرنے کی کوشش بھی کرتے ہو۔ ہدایہ کے بغیر جب تمہارے دین کا پہلا مسئلہ حل نہ ہوا۔

تمہاری مسجد کا امام اور تمہاری مسجد کا خطیب اور تمہارے مدرسہ کا مدرس اور تمہاری لائبریریوں کے منشی اور تمہارے سارے فنڈ اور چندے انکے پیچھے بنیاد تو ہدایہ نے فراہم کی ہے کہ ہدایہ میں یہ لکھا ہے۔

اسی ایک سوال کا تمہارے سامنے سرسری اور تنقیدی جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہزاروں مسائل کی روشنی سامنے آجائے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ جب آیا تھا تو اسکا ذکر حدیث میں ہے۔ تو حدیث پہلے نمبر پر پیش کرنی چاہیے تھی۔ جواز کا ذکر حدیث میں ہے اور وہ حدیث بھی بخاری میں ہے۔

تعلیم دین پہ اجرت لینے کا جواز

یعنی خطابت پہ تنخواہ، امامت پہ تنخواہ، موذنی پہ تنخواہ اس طرح کے نیک کاموں پہ تنخواہ لینا اسکا جواز حدیث میں ہے اور پھر وہ صحیح بخاری میں ہے۔

بندہ علمبردار بھی صحیح بخاری کا ہو وقت آنے پر بھول جائے اور اُسکو امام صاحب یاد آجائیں تو ماننا پڑے گا کہ امام صاحب کا کمال ضرور ہے۔ اسکی حدیث بخاری میں ہے۔ وہ حدیث شریف کیا ہے۔

سورۃ فاتحہ سے دم کرنے کا جواز

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِمَاءٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ایک چشمے کے پاس سے گزرے۔

فِيهِمْ لَدِيغٌ

اور چشمے کے قریب جو قبیلہ آباد تھا اسکے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا۔

جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ نیک چہرے آگئے ہیں تو ان کا ایک اپنا آئیڈیا تھا چشمے والے مسلمان نہیں تھے انہوں نے پوچھا کہ

هَلْ فِيكُمْ مِنْ رَاقٍ

تم میں کوئی دم کرنے والا ہے۔

صحابہ کرام کا وفد ہے چشمے کے قریب پہنچے تو وہاں چند لوگ آگئے جو وہاں آباد

تھے۔ وہ کہنے لگے کیا تم میں کوئی دم کر سکتا ہے۔ صحابہ کرام نے کہا کہ ہمیں اچھا سمجھ کے آئے ہیں۔ اگرچہ آج تک نبی علیہ السلام سے دم والا سبق پڑھا تو نہیں ہے لیکن آخر دم کر کے دیکھتے ہیں۔ یہ بھی ایک دین ہے کہ نبی علیہ السلام کی دی ہوئی روشنی ہے پوچھے بغیر مجبوراً انہوں نے ایک فیصلہ کر لیا۔ چلو جا کر دم کر لیتے ہیں پھر پوچھ لیں گے۔ مگر یہاں کچھ کرتے ضرور ہیں۔

صحابہ کرام سے جب یہ کہا گیا تو

فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ

ایک بندے نے کہا کہ میں دم کرتا ہوں۔ حالانکہ انہوں نے کبھی دم کیا ہی نہیں تھا۔ وہ چلے گئے۔

فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

وہاں جا کر انہوں نے فاتحہ شریف پڑھی۔

اور ساتھ یہ بھی کہا کہ فاتحہ تو پڑھوں گا لیکن بکریاں ضرور لوں گا۔

عَلٰى شَاءٍ

یعنی فاتحہ پڑھنے پر بکریاں لوں گا۔ انہوں نے دم کر دیا۔

فَبَرَأَ

تو وہ سردار فوراً ٹھیک ہو گیا۔

فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلٰى أَصْحَابِهٖ

وہ اپنے اصحاب کے پاس بکریاں لے کر آ گئے

صحابہ کرام جو وہاں چشمے کے پاس بیٹھے تھے کہنے لگے کہ اس قبیلہ کے سردار کو دم کر

آیا ہوں اور میں ان سے بکریاں لے آیا ہوں۔ انہوں نے نہ یہ دم کرنے کی اجازت لی تھی اور نہ ہی بکریاں لینے کی اجازت لی تھی۔ بکریاں لیکر آ گئے۔

فَكَرِهُوا ذَٰلِكَ

باقی صحابہ کرام نے اسکو ناپسند کیا کہ تم نے یہ کیا کیا کہ قرآن پر اجرت لے آئے ہو۔ تم نے فاتحہ پڑھی پھر اس پہ بکریاں لے آئے ہو۔ یہ تم نے درست نہیں کیا۔ انہوں نے کہا

أَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا

تم نے قرآن پر اجرت لی یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔

لیکن ادھر یہ بولتے رہے کہ میں نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔ دوسرے کہتے تھے کہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔

حَتَّى قَدِمُوا الْمَدِينَةَ

چلتے چلتے مدینہ شریف آ گئے۔

رسول اکرم ﷺ کے دربار میں مسئلہ پیش ہو گیا۔

فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا

انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو کتاب اللہ پر اجرت لے آیا ہے۔

اس نے فلاں سردار کو دم کیا پھر ان سے بکریاں لے آیا۔

ایک روایت میں اُس ایک دم پر تیس بکریوں کا ذکر بھی ہے۔

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ

(صحیح بخاری کتاب الطب باب الشرط فی الرقیۃ بقطیع من الغنم ج ۲ ص ۸۵۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے قرآن پر اجرت نہیں لینی تو کس چیز پہ لینی ہے۔ سب سے زیادہ جس پہ اجرت لینے کا حق بنتا ہے وہ تو قرآن ہے۔ لہٰذا اس صحابی پہ تنقید نہ کرو اس نے بالکل صحیح کیا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ جب ایک بار فاتحہ پڑھنے پر بکریاں لینا جائز ہو گیا جو روزانہ پنجگانہ نماز میں کئی بار پڑھے اگر وہ تنخواہ لے گا تو کیوں ناجائز ہوگا۔ ایک بار فاتحہ پر بکری لینے کا جواز بخاری میں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ

سب سے زیادہ جس کام میں حق بنتا ہے وہ کتاب اللہ ہے۔

ہاتھ کے کام میں اتنا حق نہیں بنتا، دوسری مزدوری میں اتنا حق نہیں بنتا، آپ نے فر[مایا] سب سے افضل چیز پہ افضل اجر ہوتا ہے۔ تو سب سے زیادہ حق اس میں بنتا ہے [لہٰذا] اس نے بالکل صحیح کیا ہے۔

اس صحابی نے دم کیا ہے اور بکریاں لی ہیں یہ کام انہوں نے بالکل صحیح کیا ہے [د]وسرے مقام پر ہے کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے صحابہ تم بھی اس سے کھاؤ [او]ر میرا حصہ بھی اس سے رکھو یہ اس لیے کہا کہ رسول اکرم ﷺ اسکے طیب ہونے کو واضح کرنا چاہتے تھے کہ جب میں استعمال کروں گا تب جا کر ان کا شک نکلے گا ورنہ آپ کی اس میں کوئی خواہش نہ تھی۔ سرکار علیہ السلام کا یہ بھی احسان تھا۔ سرکار ﷺ [فر]مایا کہ جب میرے ہاتھ میں دیکھیں گے تو اس سے انکے سارے شک نکل [جائ]یں گے۔

حدیث کے ہوتے ہوئے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی ضرورت کیوں؟

ایسی واضح حدیث کے ہوتے ہوئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یاد کیوں آئے یہ میرا موضوع ہے۔ بخاری بھی ہو اس میں یہ حدیث بھی ہو۔ لیکن سب سے پہلے اسکولا نے کی جرأت نہ ہو جبکہ انھیں چاہیے تھا کہ وہ بتاتے کہ یہ ہے وہ حدیث جس میں اجرت لینا جائز ہے۔ تو وہ یہ حدیث کیوں نہ پیش کر سکے۔ اس لیے کہ اس کے بارے میں ایک اور حدیث بھی ہے اسی میں جو بالکل اسکے خلاف ہے۔ جس میں اجرت کو ناجائز اور حرام قرار دے دیا گیا، ابو داؤد شریف میں ہے۔

اب تم دیکھنا کہ دین کی سمجھ کس کو کہتے ہیں۔ صرف بغل میں بخاری لیکر کہنا کہ بخاری ہے بخاری ہے۔ اسمیں ہو سکتا ہے۔ بخاری کی بجائے بیماری آجائے۔ یہ بخاری تب جا کر پھولوں کی کیاری بنے گی جب دل پر عشق کی پھوار پڑے گی۔

تعلیم دین پہ اجرت کے منع والی حدیث

دوسری حدیث شریف جو ابو داؤد شریف میں ہے جو اسکے بالکل خلاف ہے۔ دو حدیثیں آپس میں متعارض آ گئیں۔ اب یہ ایک قانون دینا چاہتے ہیں۔ کہ لوگو! امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی ضرورت وہاں پڑتی ہے۔ جہاں حدیثیں آپس میں متعارض آجائیں تو وہاں رستہ امام اعظم علیہ الرحمۃ بتاتے ہیں۔ یا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے شاگرد بتاتے ہیں۔ یا فقہ حنفی بتاتی ہے۔ یا ھدایہ بتاتا ہے یہ بیان کرنا مقصود ہے۔ ورنہ حدیث کا دعویٰ بھی ہو اور حدیث موجود بھی ہو لیکن وہ حدیث کوئی پیش نہ کر سکے۔ اس سے جواب کوئی نہ دے سکے۔ اسکا مطلب کیا تھا؟

ابوداؤد شریف میں ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَجُلٌ أَهْدَى إِلَيَّ قَوْسًا مِمَّنْ كُنْتُ أُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْقُرْآنَ

میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جنہیں میں قرآن پڑھایا کرتا تھا ان میں سے ایک شخص نے مجھے کمان کا تحفہ دیا ہے۔ میں اپنے ایک شاگرد کو قرآن پڑھاتا تھا۔ تو میرے اُس قرآن پڑھانے کے عوض میں اس نے مجھے ایک کمان کا تحفہ دیا۔

یعنی جس شاگرد کو میں قرآن پڑھاتا تھا اس نے مجھے کمان کا تحفہ دیا کوئی پیسے نہیں دیئے۔ وہ کہنے لگے

وَلَيْسَتْ بِمَالٍ

یا رسول اللہ ﷺ یہ کوئی مال تو نہیں ہے، بلکہ یہ کمان ہے۔

میں اسکو بیچ کے پیسے بھی نہیں لوں گا۔

وَأَرْمِي عَنْهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اس کمان سے تیر ماروں گا۔

تو کیا میرے لئے یہ لینا جائز ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنْ كُنْتَ تُحِبُّ أَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِنْ نَارٍ فَاقْبَلْهَا

(سنن ابو داؤد کتاب الاجارۃ باب فِي كَسْبِ الْمُعَلِّمِ ج ۲ ص ۱۲۹ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اگر تو یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن تیرے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے تو پھر قبول کرلے اور اگر یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن تیرے گلے میں آگ کا طوق نہ

ڈالا جائے تو پھر اپنے شاگرد سے یہ کمان قبول نہ کر۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے، لیکن وہاں فاتحہ پڑھنے پہ کئی بکریاں اور یہاں کمان کے بارے میں اتنا سخت جملہ بول دیا کہ اگر تجھے پسند ہے کہ قیامت کے دن آگ کا طوق تیرے گلے میں ہو تو پھر ٹھیک ہے لے لے۔ اگر تو آگ سے بچنا چاہتا ہے تو میں تمہیں اجازت نہیں دیتا۔ یعنی جسکو تم نے پڑھایا ہے اُس سے اتنا عوض بھی نہیں لے سکتے۔

دو متعارض احادیث میں تطبیق

یہ دونوں حدیثیں ہیں اور یہ دونوں آپس میں متعارض آگئیں۔ جو یہ بتائے کہ مقابل نہیں بات ایک ہے۔ وہ فقیہ ہوتا ہے۔

دونوں حدیثیں موجود ہیں ہم جواز کا قول کرنا چاہیں یا عدم جواز کا تو وہ حدیث سے کریں۔ جائز ہونا بھی حدیث میں ہے ناجائز ہونا بھی حدیث میں ہے۔ تو پھر وہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے دروازے پر کیوں گئے؟

انہوں نے اپنے گھر بیٹھ کر یہ ثابت کیا کہ جس وقت حدیثیں آجاتی ہیں۔ تو ہر حدیث کی تہہ تک پہنچنا ہر مفتی کا کام نہیں ہے۔ جو تہہ تک جا کے مسئلہ بتا چکے ہوں اور فتویٰ دے چکے ہوں اور فقہ کی روٹی پکا چکے ہوں۔ بعد والوں کا یہ کام ہے کہ چپ کر کے وہ کھاتے جائیں اور گذارہ کرتے جائیں۔

آج بھی فقہ حنفی پہ غیروں کا گزارہ ہے

اسکے سوا اور کیا ہے۔ اگر یہ فتویٰ نہ ہوتا تو پھر بخاری بھی پاس ہے۔ ابوداؤد بھی

پاس ہے۔ پھر ہدایہ کی ضرورت کیا تھی اور پھر ہدایہ تو ہدایہ رہ گیا انہوں نے ''مالا بدمنہ'' کا ذکر کیا۔ یہ فقہ حنفی کی چھوٹی سی کتاب ہے۔ جس میں یہ لکھا ہے

در ''مالا بدمنه'' نوشته اجرت گرفتن براذان وامامت و تعلیم قرآن و فقه وغیره جائز نیست نزد امام اعظم رحمة الله علیه و نزد دیگر آئمه جائز است و دریں زمانه فتوی برآں ست کر بر تعلیم قرآن و مانندآن اجرت گرفتن جائز است　(فتاویٰ نذیریہ ۲/۲۱۰)

مالا بدمنہ میں لکھا ہوا ہے کہ اذان واقامت اور تعلیم قرآن وفقہ پر اجرت پکڑنا جائز نہیں ہے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور دیگر ائمہ کے نزدیک جائز ہے ہمارے اس زمانہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ تعلیم قرآن اور اسکی مثل پر اجرت پکڑنا جائز ہے۔

آپ دیکھیں اور انصاف کریں کہ اس وقت انھیں نہ بخاری یاد، نہ مسلم یاد، نہ ابن ماجہ، نہ ابوداؤد، نہ نسائی یاد رہی لیکن اگر یاد رہی تو کہیں عالمگیری، کہیں مالا بد، کہیں ہدایہ تو اُس امام کی شان کو سلام کرو جس نے ایسے پھول تیار کیے۔ جنکی خوشبو پہ آج بھی گزارا ہو رہا ہے۔

ان لوگوں سے پوچھنا تو چاہیے کہ اگر فقہ ماننا جرم ہے تو پھر اس پر عمل کرنا کیوں جائز ہے؟ فقہ کا عقیدہ رکھنا ناجائز ہے تو پھر کتابوں میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ لکھنا کیوں جائز ہے؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی امامت طے شدہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اتنی قبولیت دی ہے کہ دشمنوں کے گھر بھی داخل ہوگئی ہے وہاں بھی یہ فقہ بولتی ہے۔

انکے پاس حدیثیں دونوں تھیں مگر جواب کس سے دیا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسکو نا جائز کہتے تھے بعد والے حنفی جائز کہتے ہیں بعد والے حنفیوں اور دیگر اماموں کی روشنی میں ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی ان چیزوں پر اجرت لیتا ہے تو اجرت لینا جائز ہے اسکی دلیل ہدایۃ ہے۔

اس ایک فتوے کا انداز غیر جانب دار ہو کر سامنے رکھیں گے تو انھیں ماننا پڑے گا کہ جو حنفی کا طریقہ دین ہے۔ غیر مقلد بھی چھپ کے وہی کام کر رہا ہے۔

غیر مقلدوں کو ہر دس سال بعد دین بدلنا پڑے گا

یہ میرا دعویٰ ہے کہ ہر دس سال بعد انکو اپنا دین بدلنا پڑے گا۔ اب وہ اسکا کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اور قیامت تک نہیں دے سکیں گے۔ یہ کہیں گے کہ عالم کی بات تھی اُس نے لکھ دیا ہم کیا کریں۔ تو میں کہتا ہوں ہر دس سال بعد والے پہلوں کو کہیں گے کہ وہ ایک عالم کی بات تھی اُس نے غلط لکھا تو پھر تم صحیح دین پہ کب عمل کرو گے۔ ہر دس سال بعد دین بدلتا رہا بعد والے کہتے رہے کہ پہلے غلط لکھ گئے ہیں۔ وہ عالم تھا لکھ کر کہتا ہے حالانکہ یہ انکے گھر میں شیخ الکل فی الکل ہے۔ جب پکڑے جائیں تو کہتے ہیں کہ وہ ایک عالم ہیں ہم کیا کہیں۔ تو اگر یوں ہی بدلتے رہو گے ہر دس سال بعد پہلوں کو بعد والے بدلیں گے تو وہ دس سال کب آئیں گے۔ جب دین تمہارا صحیح ہوگا اور پھر عمل کر سکو گے۔

لہٰذا غیر مقلدیت نا قابل عمل ہے اور اگر عمل ہو سکتا ہے تو اُس رستے پہ جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر فقہاء نے عطا فرمایا ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے رستہ کیسے نکلا۔

وہ بھی ہمارے اسلاف نے بتایا۔ اسکا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اصل میں مسئلہ یوں ہے کہ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ والا معاملہ مختلف ہے۔

وَفِیْ حَاشِیَۃِ الْمِشْکٰوۃِ اَوَّلُوْا ھٰذَا الْحَدِیْثُ بِاَنَّ عُبَادَۃَ کَانَ مُتَبَرِّعاً بِالتَّعْلِیْمِ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الاجارۃ الفصل الثالث ص ۲۵۸ حاشیہ نمبر۱۱ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

(مشکوۃ کے حاشیہ میں ہے) فقہاء نے اس حدیث کی تاویل یہ بیان کی کہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے پہلے طے کیا تھا کہ میں فی سبیل اللہ پڑھاؤں گا۔ اب جس وقت وہ تحفہ لیتے تو انکی اپنی بات میں فرق آتا جو کہا تھا اس میں فرق آتا۔ اس واسطے انکے لئے تو ناجائز کا لفظ سرکار علیہ السلام نے بول دیا ورنہ گلے میں آگ کا طوق ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو روایت پیش کرتے ہیں کہ ایک صحابی نے فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا تو انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں فی سبیل اللہ کروں گا۔ اسواسطے وہاں یہ اجرت جائز ہوگی۔

لہٰذا حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث کو اس پس منظر کے اندر دیکھنا چاہیے۔ اس وجہ سے اُن کا حکم امت سے جدا ہوگیا اور اگر دوسرے انداز میں ایک طے شدہ بات ہے۔ یا جانبین کے ذہن میں بات ہے تو اُن میں اگر اجرت دی جائے گی یا لی جائے گی تو بخاری کی روایت اسکی بنیاد اور بیس ہے۔

امام صاحب کے اقوال اور اُنکے شاگردوں کے اقوال اور فقہ حنفی کے علاوہ تینوں فقہیں جو کہ اہلسنت وجماعت کی ہیں۔ کسی غیر مقلد کی کوئی فقہ نہیں ہے۔ تو ان سے یہ پتہ چلا کہ حدیث پڑھنا اور بات ہے۔ حدیث سمجھنا اور بات ہے دین کا فتویٰ پڑھنے

سے نہیں سمجھنے سے دیا جاسکتا ہے۔

متقدمین احناف کے نزدیک عدم جواز کی وجہ

اس طرح حضرت ابو بکر بن محمد بن فضل کی طرف سے یہ تاویل کی گئی کہ متقدمین احناف نے جو کہا کہ وہ اجرت جائز نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہ

كَانَ لِلْمُعَلِّمِيْنَ عَطِيَّاتٌ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ

اُس وقت مدرسین کو بیت المال سے تنخواہیں ملتی تھیں۔

اب ایسا بندہ کون ہوسکتا ہے جو دن رات دین کا کام بھی کرے اور ساتھ اپنی دنیا بھی کمائے۔ اُس وقت بیت المال سے تنخواہیں ملتی تھیں۔

وَكَانَ لَهُمْ زِيَادَةُ رَغْبَةٍ فِي الدِّيْنِ

اور پھر اس لحاظ سے انکی دین میں رغبت زیادہ تھی۔

ان کو دیکھنے والے دین کی طرف آتے تھے۔ کہ دین والے کوئی مرے ہوئے نہیں ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ ہم بھی دین پڑھیں۔ اُس وقت اُن میں رغبت تھی۔

متاخرین احناف کے نزدیک جواز کی وجہ

فِيْ زَمَانِنَا اِنْقَطَعَ عَطِيَّاتُهُمْ

متاخرین نے کہا ہمارے زمانے میں ان کے عطیات منقطع ہو گئے ہیں۔

متاخرین کا زمانہ آیا تو لوگوں نے دین کو سیاست سے جدا کر دیا۔

یعنی حکومت اور لوگوں کی، مُصَلّٰی اور لوگوں کا۔ جس وقت بیت المال سے تنخواہیں بند ہو گئیں تو اہل دین کے معیار کو دیکھ کر لوگوں کو دین سے ہچکچاہٹ ہونے لگی۔ یہ خود

بھوکے ہیں ہمیں کیا ملے گا۔ تو پھر متاخرین نے کہا۔ اگر ایسا سلسلہ رہا تو قرآن کون پڑھے گا قرآن کون پڑھائے گا۔ دین کا کام کون کرے گا۔ لہٰذا جائز کا قول کرنا چاہیے۔ کہ ایسے کاموں پہ تنخواہ لینا جائز ہے ورنہ باقی سارے شعبے آباد ہو جائیں گے اور دین کا شعبہ ویران ہو جائے گا۔

لہٰذا یہ اس میں حکمت تھی جس سے پتہ چلا کہ مرور زمانہ کے ساتھ ایسی گنجائش پیدا ہو سکتی ہیں لیکن وہ بھی شرائط کے مطابق لہٰذا یہ فقاہت ہے جس نے دونوں حدیثوں کو صحیح مان کے امت کو بیچ سے صحیح رستہ عطا فرمایا ہے۔

یہ بطور مثال صرف ایک مسئلہ بیان کیا ہے ورنہ ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ جہاں ایک ہی مسئلہ میں دو حدیثیں متعارض آ گئیں۔ اب محض اردو ترجمہ سے ہدایت کیسے ملے گی۔ جب رسول پاک ﷺ کے فرمان آپس میں متعارض ہوں اسکی پیچھے وجوہات ہیں لیکن حقیقت میں انکے درمیان کوئی تعارض نہیں۔

حدیث کو سمجھنے کے لئے فقہ کی ضرورت

پیچھے اسباب جدا جدا ہوتے ہیں۔ پھر بعد والوں کو پتہ نہیں چلتا۔ فقیہ و مجتہد کا کمال ہے کہ پیچھے جا کر حکمتیں دیکھتا ہے اور پھر اسکی عظمتیں بیان کر دیتا ہے۔

جیسے بخاری شریف میں ہے کہ

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا

صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب قِبْلَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم قضائے حاجت کرنے لگو تو اپنا منہ اور پیٹھ قبلہ کی طرف نہ کرو بلکہ مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف کرو

یعنی جب تم پیشاب کرنے لگو تو نہ تمہارا منہ شمال کی طرف ہو نہ جنوب کی طرف نہ ہو بلکہ اپنا منہ مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف کرو۔

اور پھر رسول پاک ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ بھی ہے کہ تعظیم قبلہ کرو۔ اور پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ پیٹھ کرو اور نہ اسکی طرف منہ کرو۔

دوسری حدیث میں ہے کہ منہ مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف کرو۔ جبکہ مغرب میں تو قبلہ ہے۔ تو یہاں بظاہر دونوں حکم متضاد آگئے۔ لیکن مجتہد فقیہ کہے گا یہ اپوزٹ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ بھی تو دیکھو کہ (شرقوا او غرّبوا) سرکار ﷺ نے کہا کن کو تھا؟

رسول اکرم ﷺ اُس وقت مدینہ شریف میں بیٹھے تھے۔ سائل اسکے بارے میں پوچھ رہا تھا تو سرکار علیہ السلام نے فرمایا نہ شمال کی طرف کرو نہ جنوب کی طرف کرو بلکہ اپنا منہ یا تو مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف کرو کیوں؟ اس لیے کہ نہ مشرق میں قبلہ ہے۔ نہ مغرب میں قبلہ ہے اسکی عظمت مجتہد بتائے گا کہ لفظ نہ دیکھو بلکہ اصل میں علت دیکھو اس میں علت ہے تعظیم قبلہ تو وہ مدینہ شریف میں تب ہوگی جب مغرب میں منہ کروگے۔ اور پاکستان میں تب ہوگی جب تم مغرب میں منہ نہیں کروگے۔

تو اس سے پتہ چلا کہ اس انداز میں احادیث کو سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر جا کر دین کی صبح کی روشنی نصیب ہوتی ہے۔

ننگے سر رہنا غیر مقلدین کا شعار

آج آپ دیکھتے ہیں کہ یہ نام نہاد روشن خیالی ہے۔ کہ ننگے سر رہنا اور پھر اسکی

عادتیں ان لوگوں نے ڈالی ہیں۔ ہمارے اسلاف تو پگڑیوں کا اور ٹوپیوں کا اہتمام کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے نماز کے اندر بھی اتروادیں۔ تو لوگوں نے کہا کہ جب نماز میں ضروری نہیں تو باہر کیسے ضروری ہوگا۔ آسانی کا کوئی بندہ بھی چہرہ دکھا دے تو دوسرے بندے اس پر عمل کرنے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ آسانی تو خود ایک مذہب ہے۔ اسمیں کسی کا کوئی کمال نہیں ہے وہ یہ کہے کہ میں نے فتویٰ دیا تھا کہ داڑھیاں منڈا دو تو لوگوں نے منڈادی ہیں۔ وہ تو پہلے ہی منڈاتے ہیں۔ کوئی کہے کہ یہ میری کیسٹ ہے کہ داڑھی ایک مشت نہیں اتنی ہونی چاہیے تو لوگوں نے رکھ لی ہے۔ وہ تو لوگ پہلے ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ لوگ آسانی تلاش کرتے ہیں۔

وہابی اپنے امام کے فتویٰ کی زد میں

فتاویٰ ثنائیہ میں ان کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری نے لکھا ہے۔ یہ بعض کا جو شیوہ ہے۔ کہ گھر سے ٹوپی یا پگڑی سر پر رکھ کر آئے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی قصداً اتار کے ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اسکو سنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ ۵۲۲/۱)

یعنی سر سے کپڑا اتار کے رکھنا اور اٹنشن ہو کر اکڑ کے نماز ادا کرنا بالکل غلط ہے۔ پھر آگے یہ کہا۔ "ایسے ہی برہنہ سر کو بلا وجہ شعار بنانا بھی خلاف سنت ہے" تو خلاف سنت بے وقوفی ہی ہوتی ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ میں یہ فتوی ثابت کر رہا ہے جو عام گلیوں بازاروں میں ننگے سر پھرنا بھی صحیح نہیں۔ نماز میں تو بہت زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔

عوام بیچارے تو مجبور ہیں پس انھیں چاہیے تھا کہ ان کو مزید پابند کیا جاتا غیر

مقلدیت نے اتنی فکری آوارہ گردی پیدا کر دی۔ آج لوگ نہ نماز کی پابندی سمجھتے ہیں۔ چھلانگ لگا کر یہاں اور چھلانگ لگا کر وہاں کبھی دائیں جمپ اور کبھی بائیں جمپ۔ کبھی نیچے خارش اور کبھی اوپر خارش۔

وہ نماز جس میں نماز پڑھتے ہوئے لگتا تھا کہ کوئی ستون کھڑا ہے۔ اب ستون نہیں بلکہ ہر وقت حرکت کرنے والا لگتا ہے کہ کبھی ادھر جا رہا ہے اور کبھی ادھر جا رہا ہے۔ یہ دین میں سوچیں کس نے پیدا کی ہیں۔ یہ غیر مقلدیت کا فتنہ ہے۔ انکے گھر میں بھی کل تک یہ بات تھی۔ اب اگر نہیں مانیں گے تو اسکو بھی نہیں مانیں گے۔ وہ کہیں گے کہ یہ ایک مولوی نے کہا ہے یہ کوئی حدیث تو نہیں ہے۔ حالانکہ وہ حدیث کی بات کر رہا ہے۔ اسواسطے کہ ان کا دین دس سال کے بعد بدل جاتا ہے نئے آجاتے ہیں پہلوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

مبارک ہو حق پرستو! تمہیں آج بھی امام اعظم علیہ الرحمۃ کا نام آجائے سر تسلیم خم کر لیتے ہو یہ ہے حق اور حقانیت۔ اسواسطے تجھے عافیت ہے اور سلامتی ہے روز روز دین بدلنا نہیں پڑے گا۔ روز روز نئے ڈیڑھ اینٹ امام کے پیچھے چلنا نہیں پڑے گا۔ اُس امام کے پیچھے چلے ہو حضرت داتا علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی جس کے پیچھے چلتے ہیں۔ حضرت خواجہ اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی جسکے پیچھے چلتے ہیں جنکی دربار رسالت سے قبولیت ہے۔ کبھی بھی اس ریل کو اپنے کانٹے بدلنے نہیں پڑیں گے۔

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

غیر مقلدین کا تقلید کے بغیر گزارہ نہیں

آخری بات یہ ہے کہ تقلید اور رائے کے بغیر ان لوگوں کا گذارہ نہیں۔

فتاویٰ ثنائیہ میں ثناءاللہ امرتسری سے ایک سوال پوچھا گیا

السوال: جو لوگ تعویذ وغیرہ لکھ کر باندھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟

اسکا جواب وہی لکھا گیا جو ہمارا مذہب ہے۔ آج کے غیر مقلدین اس کو تسلیم نہیں کرتے وہ تو لکھنے کو شرک اور حرام کہتے ہیں۔ مگر یہ بدلنے والے لوگوں کی باتیں ہیں۔ ہماری باتیں بدلتی نہیں ہیں۔ شریعت کے تقاضوں کے مطابق جو صورتحال ہو وہی رہتی ہے۔

الجواب: "تعویذ کا مضمون اگر قرآن وحدیث کے مطابق ہو یعنی مشرکیہ نہ ہو تو بعض صلحاء بچوں کے گلے میں ڈالنا جائز کہتے ہیں"۔ (فتاویٰ ثنائیہ ۶۸/۲)

میرے موضوع کی بات یہ ہے۔ کہ یہ تعویذ گلے میں ڈالنا کیوں جائز ہے اس فتویٰ کے مفتی نے کیوں جائز کہا۔ اس پر کوئی آیت لکھی یا کوئی حدیث پیش کی اس پر کیا دلیل دی؟ دلیل یہ ہے جو ہمارے گھر کی ہے۔ جو ہماری فقہ کی ہے جو ہمارے عقیدے کی ہے۔

وہ جو میں نے صالحین کے اقوال پیش کئے دلیل وہ ہے۔ پوچھا کیوں جائز ہے؟ تو جواب دیا کہ بعض صلحاء نے جائز کہا ہے۔ آیت پڑھو صلحاء کا نام کیوں لیتے ہو۔ حدیث پیش کرو فقہاء کا نام کیون لیتے ہو۔ تمہارا تو دعویٰ ہے کہ کتاب وسنت، اب وہ دعویٰ کہاں گیا۔ اس سے پتہ چلا اس فکر کے بغیر گزارہ کسی کا بھی نہیں۔

مبارک ہو تم کو تم جو مانتے ہو اندر رکھتے ہو وہی ظاہر کرتے ہو وہی بتاتے ہو۔ کسی کے اندر کچھ باہر کچھ، ظاہر کچھ، باطن کچھ، فتویٰ کچھ عمل کچھ، لیکن اہل حق تم سب کچھ۔

اللہ تعالیٰ نے یہ شان اہلسنت وجماعت کو دی ہے۔

ادارہ صراط مستقیم کا مشن

ہمارا مقصد اندھیروں میں روشنی کرنا ہے۔ ہمارا کسی سے مربع پلاٹ کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ یہ کوئی ذہن سے بات نکال دے ہمارے سینے میں صرف یہ ہے کہ چاند کی طرف منہ کر کے لوگ تھوکتے کیوں ہیں۔ ہمارے سینے میں یہ ہے کہ اندھیروں والے اس اندھیرے میں رہتے کیوں ہیں۔ اُن کے پاس روشنی ہونی چاہیے۔

ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ جہاں جہاں خزائیں ہیں وہاں خزائیں کیوں ہیں وہاں پر بھی بہار آنی چاہیے اسی تحریک کو ادارہ صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر

8

ختم نبوت اور قادیانی کفر

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَا مُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ کی حمد وثنا اور حضور سرور کائنات، مفخر موجودات، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار عالیشان میں ھدیہ درود و سلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب نہایت ہی معزز و محتشم حضرات وخواتین

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے سولہویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

"ختم نبوت اور قادیانی کفر"

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور اس کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام کے اساسی عقائد اور بنیادی معتقدات میں یہ بات شامل ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا ہے اور کسی لحاظ سے نبی کی کوئی قسم روا نہیں ہے۔ نہ ظلی، نہ بروزی، نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی کسی معنی میں بھی نبی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کو زمانے کے لحاظ سے آخری نبی بنایا ہے اور آپ پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ آپ کے بعد جو شخص اعلان نبوت کرے گا وہ کذاب ہوگا اور جو اس کو مانے گا وہ بھی کذاب ہوگا، وہ مرتدین ہونگے ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

ختم نبوت کا بیان قرآن سے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی وصف کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرماتا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

(پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

حضرت محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

ختم نبوت میں دین کی بقا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت آپ ﷺ کی منفرد شان و عظمت ہے اور ختم نبوت پر ہی ہمارے دین کی بقا کا مدار ہے۔ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو پھر روزانہ یہ احتمال ہوتا کہ اگر کوئی نبی آ جائے تو ہمارا دین منسوخ ہو جائے۔ ہماری کتاب منسوخ ہو جائے اور جو کچھ ہم کرتے ہیں یہ کالعدم ہو جائے اور جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے شاید اس کو تبدیل کر دیا جائے لیکن ختم نبوت نے ہمارے لئے اس بات کو ہمیشہ کیلئے پکا کر دیا کہ جو کچھ مل چکا ہے اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کیلئے یقین ہمیشہ کیلئے پختہ ہو گیا۔ اور دین ہمیشہ کیلئے مستحکم ہو گیا اور انسانیت پر بہت بڑا احسان قرار پایا۔ کہ اب انسانوں کا وہ امتحان نہیں ہو گا جو پہلے ہوتا رہا۔ یعنی ایک نبی کے چلے جانے اور دوسرے کے آ

جانے سے لوگوں کا امتحان ہوتا کہ اب ان کو اپنا نبی تسلیم کرو۔ تو جو انکو اپنا نبی مان لیتا تھا وہ کامیاب ہو جاتا اور جو انکار کر دیتا تھا اور پہلے ہی دین پر رہنے کی کوشش کرتا تھا تو وہ ناکام ہو جاتا تھا اور اس کو کذاب قرار دے دیا جاتا تھا۔

مگر یہ ہمارے آقا علیہ السلام کی ختم نبوت کا ہم پر کرم ہے کہ جب سے سرکار ﷺ تشریف لائے ہیں۔ نہ کوئی اور کلمہ آ سکتا ہے نہ ہی کسی اور کلمے کا کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ہمیشہ کیلئے آ گیا ہے۔ لہٰذا انسانیت کو ایک بڑے امتحان سے نجات مل گئی ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت ایک مہربانی ہے۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے انسانیت کو عطا فرما دی ہے۔ اسی واسطے ہم الوہیت و رسالت کا اقرار کلمے کی صورت میں کرتے ہیں۔ "لا اله الا الله محمد رسول الله" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

آئین میں مسلمان کی تعریف

مسلمان کی تعریف آئین میں یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آئین پاکستان میں قادیانیت کی نفی کرنے کیلئے اس قید کا اضافہ ضروری سمجھا گیا۔ کہ یقین کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا جائے کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض نبی یا رسول نہیں سمجھتے بلکہ آپ کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں۔ آپ کو آخری رسول مانتے ہے۔

آئین پاکستان میں جو مسلمان کی تعریف لکھی گئی تھی یہ سب کچھ قائد اہلسنت کی کوششوں سے ہوا ہے اس میں قائد اہلسنت امام شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھرپور کردار تھا۔

اس قادیانیت کے فتنے کے برپا ہو جانے کے بعد اس حقیقت کا اظہار ضروری تھا۔
اور پھر آئین میں یہ بھی لکھا گیا کہ پاکستان کے نہایت اہم مناصب پر ایسے عقیدہ والا انسان نہیں آسکے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ مانتا ہو اور ختم نبوت پر اسکا یقین نہ ہو۔ اس سلسلے میں ختم نبوت کا کسی سے حلف لیا جائے یا ایمان کا اظہار کروایا جائے تو اس میں ختم نبوت کا تذکرہ موجود ہو اسی کا ذکر حدیث شریف میں بھی موجود ہے۔ مسلمان کی تعریف حقیقت میں حدیث شریف سے ماخوذ ہے۔

مسلمان کی تعریف اور حدیث رسول ﷺ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حارثہ اور انکے خاندان کے کچھ لوگ مکہ شریف میں کعبۃ اللہ کے پاس آئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ کعبۃ اللہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد اور اپنے خاندان کے لوگوں کو پہچان لیا۔ لیکن ان کو اٹھ کر نہ ملے

فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ

رسول اکرم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔

مَنْ هٰؤُلَآءِ یَا زَیْدُ

اے زید یہ کون لوگ ہیں۔

فَقَالَ زَیْدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ هٰذَا اَبِیْ وَ هٰذَا عَمِّیْ وَ هٰذَا اَخِیْ وَهٰؤُلَآءِ عَشِیْرَتِیْ

تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک میرے ابا جی ہیں اور ایک میرے چچا جی ہیں اور ایک میرا بھائی ہے اور باقی میرے خاندان کے لوگ ہیں۔

اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کلمہ پڑھ چکے تھے اور آپکے خاندان والے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈ رہے تھے جو کہ انہیں مل گئے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کو اٹھ کر نہیں ملے۔

اِجْلَالًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجلال کی وجہ سے

کہ سرکار ﷺ کے پاس جب میں بیٹھا ہوں تو پھر باقی لوگوں کو ملنے کی ضرورت کیا تھی۔

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

قُمْ فَسَلِّمْ عَلَیْهِمْ یَا زَیْدُ

اے زید اٹھو اور انہیں سلام کہو۔

یہ احکام ابتدائی زمانے کے تھے لیکن بعد میں غیر مسلم کو سلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔

جب رسول اکرم ﷺ نے اجازت دی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے گئے اور وہ اپنے باپ چچا، بھائی اور رشتہ داروں سے ملے۔ جس وقت ملاقات ہو گئی تو

انہوں نے کہا کہ اے زید ہم تمہیں ڈھونڈ رہے تھے اور ہم تمہیں واپس لے جانے کیلئے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔

اِمْضِ مَعَنَا یَا زَیْدُ

اے زید اب ہمارے ساتھ چلو۔

﴿حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کا انداز﴾

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا۔

مَا اُرِیْدُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَدْلاً وَ لَا غَیْرَہ‘

میں اپنے آقا علیہ السلام کو چھوڑ کے تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔

مَا اُرِیْدُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَدْلاً

مجھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ کسی اور کی شفقت کی ضرورت نہیں ہے۔

جو پیار میرے ساتھ میرے محبوب علیہ السلام کرتے ہیں ایسا پیار میرے ساتھ کوئی نہیں کر سکتا۔ میں اس کے بدلے میں اور کوئی پیار لینا بھی نہیں چاہتا اور مجھے محبوب علیہ السلام کا فراق، جدائی اور دوری برداشت نہیں ہے۔ گھر جا کر مجھے وہ چین و سکون میسر نہیں ہو سکتا جو چین و سکون مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں حاصل ہے۔ اس لئے کہ

تم مل گئے تو دولت کونین مل گئی
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دہلیز پر نہایت ہی امن و سکون کے ساتھ

زندگی بسر کر رہے تھے۔ لہٰذا اپنے والد، چچا، بھائی سے کہہ دیا کہ میں کبھی بھی سرکار علیہ السلام کو چھوڑ کے واپس نہیں جاؤں گا۔ اب وہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔

کہنے لگے۔

یَا مُحَمَّدُ اِنَّ مُعْطُوْكَ بِهٰذَا الْغُلَامِ دِيَّاتٌ

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بچے کے بدلے میں جتنے پیسے مانگو ہم سے مانگو ہم تمہیں دیں گے آپ اس کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیں۔

کلمہ اسلام ہر شیء سے زیادہ قیمتی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم زید رضی اللہ عنہ کے پیسے نہیں لیں گے۔ ہم صرف ایک تقاضا کرتے ہیں۔

اَنْ تَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ خَاتَمُ اَنْبِيَائِهٖ وَرُسُلِهٖ

(المستدرک للحاکم باب ذکر مناقب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ج ۳ ص ۲۲۵)

تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کے انبیاء و رسل کا خاتم ہوں میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پیسے نہیں لینا چاہتا میں صرف تم سے یہ کہتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اور میں اس کا آخری نبی ہوں۔

مومن کے لیے ایمان کا ماڈل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں پیدا ہونے والے حالات کے مطابق اپنی طرف سے جو ایمان کا ماڈل دیا کہ تم کب مومن بنو گے۔ جب تم اللہ کو

وحدہ لاشریک مانو اور مجھے اللہ تعالیٰ کا آخری نبی مانو۔اور بعد میں جو جھوٹے مدعیانِ نبوت آنے والے تھے اس کے لحاظ سے جو ضرورت تھی اس کے لحاظ سے یہ وضاحت کردی کہ میں اللہ کا آخری نبی ہوں۔

جس وقت کوئی فتنہ نہ ہو تو پھر بندہ کلمہ شریف پڑھتا ہے لیکن جس وقت فتنہ پیدا ہو چکا ہو تو پھر اس کے اظہار کی ضرورت پڑتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا رسول اور آخری نبی ماننے والے ہیں۔تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نگاہ نبوت سے جو فتنے دیکھے تھے اس کے پیش نظر خود اپنی طرف سے اس موقع پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ورثاء سے بات کرتے ہوئے فرمایا۔

کہ تم گواہی دو کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور میں اسکا آخری نبی ہوں۔

وَاِنِّیْ خَاتَمُ اَنْبِیَاءِہٖ وَرُسُلِہٖ

اور میں اللہ کے نبیوں کا بھی خاتم ہوں اور اس کے رسولوں کا بھی خاتم ہوں۔

یعنی (وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ) جو قرآن مجید میں آیا ہے اس کی مکمل وضاحت کردی کیونکہ رسول تب بنتا ہے جب پہلے نبی ہو تو آپ ﷺ کے فرمان کا مطلب ہے کہ جس وقت آخری نبی میں ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تو پھر رسول کیسے آ سکتا ہے۔اس واسطے آپ نے فرمایا کہ تم گواہی دو کہ میں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی اور آخری رسول ہوں میرے بعد نہ کوئی نبی آ سکتا ہے اور نہ کوئی رسول آ سکتا ہے۔

اکابرین اہلسنت کا روشن کردار

(قادیانی غیر مسلم)

ہمارے اکابر نے پاکستان میں تحریک چلائی تو 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ میں قادیانیت کے خلاف قرارداد پیش ہوئی اور دنیا کی یہ واحد پارلیمنٹ تھی کہ جس نے ختم نبوت کے مسئلہ پر اتنا بڑا اقدام کیا۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیتے ہوئے پاکستان کی پارلیمنٹ کو تاریخ میں وہ اعزاز ملا جو صرف ایک پارلیمنٹ کا حصہ ہے۔

اس کی اصل یہ حدیث شریف ہے اور مسلمان کی تعریف میں جو اضافہ کیا گیا کہ میں اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول اور آخری نبی ماننے والا ہوں۔

خاندان زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمتیں

جس وقت رسول اکرم ﷺ نے زید کے والد کو دعوت اسلام دی تو زید رضی اللہ عنہ کے اباجی حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھ لیا۔

وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لینے آئے تھے خود بھی در رسول ﷺ کے اسیر بن گئے اور پھر یہ وہ خاندان ہے کہ بعد میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ سے اتنا پیار تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کپڑے سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا منہ صاف کرتے دیکھا۔ یعنی لوگ

غلاموں کے بیٹوں سے پیار نہیں کرتے وہ زید رضی اللہ عنہ جو رسول اکرم ﷺ کی غلامی میں آ گئے ہیں ان کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو چھوٹی عمر میں لشکر کا قائد بھی بنا دیا اور پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا ذکر جس وقت صحابہ کرام کرتے تھے تو کہتے تھے۔

اُسَامَةُ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

(صحیح مسلم کتاب الحدود باب قَطْعِ السَّارِقِ الشَّرِيفِ وَغَيْرِهِ وَالنَّهْيِ عَنِ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُوْدِ ج ۲ ص ۶۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب اسامہ رضی اللہ عنہ

تو یہ عظمتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در سے ان کو ملی ہیں۔

﴿کفر قادیانیت﴾

قادیانیت کے کفر وارتداد پر قرآن مجید و احادیث سینکڑوں نصوص ولیل ہیں۔ چونکہ ان لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک جھوٹے انسان کی تصدیق کی اور اس کو بحیثیت نبی تسلیم کیا۔ جس کی وجہ سے اگر وہ پہلے ایماندار تھے تو پھر وہ مرتدین میں شمار ہو گئے اور اگر وہ مومن نہیں تھے یہودی یا عیسائی سے قادیانی بنے تو پھر بھی وہ کفر میں رہے۔

قرآن مجید کی اتنی آیات کا حکم بالکل اٹل حقیقت ہے لہٰذا آج کوئی شخص قادیانیوں کے کفر میں شک کرے گا وہ خود کافر ہو جائے گا۔ جس کو شک ہو کہ ہو سکتا ہے وہ بھی مومن ہوں تو وہ خود اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ایک مومن تب مومن رہ سکتا ہے کہ کافروں کو کافر سمجھے اور مومنوں کو مومن مانے اور قادیانیوں کو اسلام سے خارج ماننا اسلام کی شرط ہے۔ یہ شرط جہاں پائی جائے گی وہاں پر دین موجود رہے گا۔

اس مقام پر کچھ لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ قادیانی نے تو مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تھا نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا، کوئی کہتے ہیں اس نے مصلح ہونے کا دعویٰ کیا تھا، کوئی کہتے ہیں اس نے ملہم ہونے کا دعویٰ کیا تھا، کوئی کہتے ہیں کہ اس نے ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، یہ سارے خرافات ہیں ان کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔

قادیانی نے بتدریج دعویٰ کیا۔

یعنی بتدریج اس نے اپنے آپ کو مصلح، ملہم، مجدد کا دعویٰ کیا اور پھر آخر میں اس نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ لہٰذا اس کے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے۔ اس کیلئے اس نے ایک پوری ٹیم رکھی ہوئی تھی اور دین میں تحریف کر کے پلاننگ اور سازش سے نبوت کا جھوٹا راستہ گھڑنے کی کوشش کی اور ختم نبوت کے معنی میں تبدیلی کی کوشش کرتا رہا اور اسے کچھ حواریوں کی حمایت حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے اس نے اپنے اوپر برطانیہ کی وحی نازل کراونے کی کوشش کی اور ایک جھوٹے نبی کے انداز میں سامنے آیا۔

قادیانیوں کی شرارتوں سے پردہ اٹھتا ہے

اس کی کتب سے چند حوالہ جات پیش کرتے ہوئے قادیانیت کی شرارتوں کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔

(حقیقت الوحی) یہ مرزا قادیانی کی کتاب ہے۔

اس کی صفحہ نمبر ۲۷، ۲۸ پر اور ۹۶، ۹۷ پر لکھا ہے۔

اور احمدی کتاب جس کا نام ازالہ اوہام ہے اس کے علاوہ اخبار الفضل اور دیگر کتب میں لکھا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ ''وہ خاتم الانبیاء ہے''

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہتا ہے کہ ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں۔ مگر اس کا معنی کیا ہے۔

قادیانی کے نزدیک ختم نبوت کا من گھڑت معنی

قادیانی کہتا ہے کہ ''وہ خاتم الانبیاء ہے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا اور اس کی امت کیلئے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے''

(حقیقۃ الوحی ص ۲۷، ۲۸ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

یعنی اللہ سے کلام اور اللہ سے گفتگو کا دروازہ قیامت تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں بند نہیں ہوگا اور خاتم النبیین کا مطلب قادیانی کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ میں فیض کی مہر ہے۔ آپ کی طرف سے قیامت تک لوگوں کو فیض ملے گا اور فیض سے مراد کیا ہے؟ نبوت کا فیض،

قادیانی کہتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مہر نبوت ہے جس کو لگادیں وہ ہی نبی بن جاتا ہے۔ یہ سرکار علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے کا معنی ہے۔

قادیانی کہنے لگا بجز اس کے کوئی نبی صاحب ختم نہیں ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت مل سکتی ہے۔

امت مسلمہ کا عقیدہ

ہمارا مذہب یہ ہے کہ سرکار ﷺ کی مہربانی ہو جائے تو سرکار ﷺ کی غلامی بہت بڑا منصب ہے۔ سرکار ﷺ کی غلامی کی سند مل جائے اور سرکار ﷺ غلامی پر مہر لگا دیں کہ تم میرے غلام ہو تو یہ ایک امتی کی شان ہے۔

قادیانی کہتا ہے کہ وہ مہر والے نبی ہیں اور جس کو لگا دیں تو اس کو بھی نبی بنا دیتے ہیں۔

اس کے بعد لکھتا ہے۔

"ہاں اپنی ختم رسالت کا نشان قائم رکھنے کیلئے یہ چاہا کہ فیض وحی آپ کی پیروی سے ملے"

رسول اللہ ﷺ کا متبع رب کا محبوب

ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا پیروکار بنتا ہے آپ کا پکا امتی ہوتا ہے اور اللہ کا سچا بندہ ہوتا ہے یعنی آپ کی پیروی سے بڑا مرتبہ ملتا ہے کون سا؟

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(پارہ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۳۱)

اے محبوب آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو تم میری پیروی کرو رب تمہیں محبوب بنا لے گا۔

یہ قرآن میں پیروی کرنے کا صلہ ہے کہ جس وقت پیروی کریں گے تو پھر ملے گا کیا؟ کہ اللہ تعالیٰ اسکو اپنا محبوب بنا لے گا۔

قادیانی کا گمراہ کن عقیدہ

جبکہ یہ قادیانی کہتا تھا کہ جو ان کی پیروی کرے گا تو وہ ان کی پیروی کی وجہ سے

نبی بن جائیگا۔یعنی اس نے آپ کی پیروی کو نبوت کا ذریعہ بنالیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں ایک شخص کیلئے ممکن ہے کہ وہ نبی بن جائے۔

پھر قادیانی کہتا ہے کہ

جو امتی نہ ہو اس پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔یعنی جو سرکار علیہ السلام کا امتی نہیں ہے اس پر تو وحی نہیں آئے گی اور جو امتی ہے اس پر معاذ اللہ وحی آئے گی تو اس نے ہر امتی ہونے کو نبی ہونا قرار دیا۔ ہر امتی جو پیروکار ہوگا اس پر وحی کا دروازہ کھلے گا۔تو معاذ اللہ اس نے اپنے نبی ہونے کا ہی اعلان نہیں کیا بلکہ اس نے تو کروڑوں لوگوں کے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔

یعنی خاتم الانبیاء کا معنی آخری نبی ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے مہر والا نبی۔تو جس وقت آپکی مہر لگتی ہے تو پھر بندے پہ وحی آجاتی ہے اور نبوت مل جاتی ہے۔

یہ جھوٹا انسان قرآن مجید سے اپنا جھوٹ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس نے خاتم الانبیاء کا مطلب بیان کیا۔

قادیانی کہتا ہے''لہٰذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا امتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپکی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پاسکتا ہے اور نہ کامل ملہم ہوسکتا ہے''

تو یہ بگڑا ہوا عقیدہ تھا جو اس نے بیان کیا۔

﴿قادیانی کی دین سے غداری﴾

تو یہ اس شخص کی مکاری اور دین کے ساتھ غداری تھی۔اس نے یہ ظاہر کر کے میں ختم نبوت کا خود حامی ہوں یہ کہہ کر اس نے (معاذ اللہ) ختم نبوت کے کارواں کو لوٹنا چاہا۔

قادیانی کہتا ہے کہ

نبوت آنحضرت پر ختم ہوگئی مگر ظلی نبوت (جس کے معنی ہیں محض فیض محمدی سے وحی پانا ہے) قیامت تک باقی ہے۔ معاذ اللہ

قادیانی کہتا ہے

قرآن مجید میں جو خاتم النبیین آیا ہے یہ مستقل نبوت کا اختتام تھا۔ مستقل نبوت ختم ہوگئی مگر ظلی نبوت باقی ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سہارے نبی بنانا یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔ یعنی قادیانی جھوٹا اپنے لئے تو جھوٹی نبوت ثابت کر ہی رہا تھا اور ساتھ قیامت تک کیلئے نبوت کا دروازہ بھی کھول رہا تھا۔

تو قادیانی نے نبوت کی دو قسمیں بنا دیں ایک مستقل نبوت اور دوسری ظلی نبوت اس کے بقول قرآن میں جس نبوت کا ذکر ہے وہ مستقل نبوت کا ذکر ہے۔ مگر ظل یعنی آپ کا سایہ آپ کے ذریعے سے وحی پانے والا اور فیض محمدی سے وحی پانا قیامت تک باقی رہے گا۔

قادیانی اور تحذیر الناس

میں نے قادیانی کی کتاب حقیقت الوحی سے ایک اقتباس پیش کیا کہ اس نے کس طرح خاتم النبیین کے معنی میں خیانت کی۔

مگر سوچنے کی بات ہے کہ اس خیانت کا دروازہ کس نے کھولا؟

قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس میں ہے۔

سو (۲) عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا

زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر (۳) اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

(تحذیر الناس ص ۳ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سہانپور)

حاشیہ میں کہتا ہے کہ

(۲) یعنی عوام کا خیال تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فقط اس معنی خاتم النبیین ہیں کہ آپ سب سے آخری ہیں یعنی یہ عوام کا خیال ہے جس میں حضور ﷺ کی فضیلت کما حقہ کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔

(۳) عوام کے اس خیال کے مطابق یعنی محض تقدم وتاخر زمانی سے آنحضرت ﷺ کیلئے بالذات کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے حالانکہ منطوق قرآن بیان فضیلت کامل کے لیے ہے۔ لہذا خاتم النبیین کے ایسے معنی لینے چاہییں کہ جس سے پوری طور پر کامل ومکمل فضیلت محمدی ﷺ ثابت ہو۔

(حاشیہ تحذیر الناس ص ۳ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سہارنپور)

پھر کہتا ہے کہ

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس ص ۲۵ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سہارنپور)

یعنی اگر کوئی شخص آج یہ اعلان کردے کہ میں نبی ہوں مگر میں اصلی نبی نہیں ہوں تو پھر خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور کہا خاتم بمعنی آخری نبی نہیں ہے بلکہ خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصف نبوت۔

یہ بات کرکے اور قسمیں بنا کے قادیانیت کیلئے دروازہ کھولا گیا۔

تو پھر قادیانی نے یہی کیا اور اس نے ختم نبوت کی یہی قسمیں بتائیں کہ جو مستقل نبوت تھی وہ ختم ہوگئی اور میری نبوت ذاتی نہیں ہے بلکہ ظلی ہے۔

میری نبوت ان کے تابع ہے

میری نبوت ان کے سہارے ہے

میری نبوت انکی پیروی سے ہے

اور ان کے فیض سے مجھ پر وحی آتی ہے

لہذا نبوت کا دروازہ کھولنے والے بھی مجرم ہیں اور جو اس دروازے کے اندر آ گیا وہ بھی مجرم ہے اور پھر ان دونوں عبارتوں کو ملا کے دیکھنا چاہیے کہ تحذیر الناس اور حقیقت الوحی کی آپس میں متابقت کتنی ہے۔

تو سب سے پہلے جس نے بگاڑ پیدا کیا وہ قاسم نانوتوی ہے۔ جس خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہونے کو عوام کا خیال کہا۔

حالانکہ اس امت کا اتفاق ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لیکر آج کے مومن تک کہ رسول اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اور جو یہ کہے کہ زمانے کے لحاظ سے آخری نبی ہونا کوئی فضلیت نہیں اسے اپنی عقل کا علاج کرانا چاہیے۔ آخری نبی ہونا ہی تو بہت بڑی فضلیت ہے۔

آخری نبی ہونا کتنی بڑی شان

اس واسطے کہ انبیاء علیہم السلام آتے رہے مگر نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنے حصے کا پڑھایا اور وہ چلے گئے پھر نئے آ گئے۔ انہوں نے اپنے حصے کا پڑھایا

وہ چلے گئے جو بھی نبی آیا وہ یہ اعلان نہ کر سکا کہ انسانیت کو جو چاہیے میں دے کے جا رہا ہوں۔ بلکہ وہ تو اعلان کرتے رہے۔

وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ

(پارہ ۲۸ سورۃ الصف آیت ۶)

اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے

تو اس انداز میں پہلے جتنے بھی آئے عظیم تھے اپنا کام انہوں نے پورا کیا۔ مگر یہ اعلان نہ کر سکے کہ جو کچھ قیامت تک چاہیے میں وہ دے کے جا رہا ہوں۔ یہ فضیلت آخری نبی کے حصے میں آئی۔ ختم نبوت اتنی بڑی شان ہے کہ جس پھول کے بعد اور کسی پھول کی گنجائش ہی باقی نہ رہے جس آفتاب کے بعد کسی آفتاب کی گنجائش ہی باقی نہ رہے جس چاند کے چمک جانے کے بعد پھر کسی دیئے کی ضرورت ہی نہ پڑے اس واسطے بریلی کے تاجدار امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالی نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا۔

نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

پہلے صحن چمن میں پھول کھلنے کی جگہ بچی ہوئی تھی۔ کیونکہ کوئی ایسا پھول نہیں تھا جس نے سارا صحن بھر دیا ہو۔ اپنی اپنی جگہ کھلتے رہے خوشبو دیتے رہے۔ مگر صحن چمن میں جگہ بچی رہی اور بارہ ربیع الاول کی فجر کو آخری پھول کھلا تو ہمیشہ کیلئے جگہ پر ہو گئی۔ کسی کے کھلنے کی جگہ باقی نہ رہی۔ اب اگر کوئی آئے گا تو وہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کا کانٹا تو ہو سکتا ہے لیکن گلشن نبوت کا گلاب نہیں ہو سکتا۔

نبی آخرالزماں ﷺ کا ہر شیءکو انتظار

تو یہ شان آخری نبی ہونے کی ہے، آخری نبی وہ ہیں

کہ جن کے بعد نہ کسی کی ضرورت ہے نہ کسی کی حاجت ہے

نہ کسی کو کوئی تکتا ہے نہ کسی کا کوئی انتظار کرتا ہے

یہ وہ ذات تھی

جس کا انتظار رات نے بھی کیا، دن نے بھی کیا،

جس کا انتظار زمین نے بھی کیا، آسمان نے بھی کیا،

جس کا انتظار حور نے بھی کیا، غلمان نے بھی کیا،

جس کا انتظار شمس وقمر نے بھی کیا، شام وسحر نے بھی کیا،

جس کا انتظار برگ وشجر نے بھی کیا، فضا کے جگنو نے بھی کیا،

سمندر کی مچھلی نے بھی کیا، صحرا کے مور نے بھی کیا،

عرش کے میناروں نے بھی کیا، دنیا کی بہاروں نے بھی کیا،

لہٰذا یہ ذات تھی جن کا انتظار ہو رہا تھا۔ بارہویں کی شب نے اس ذات کے سارے انتظار ختم کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی بنایا۔ آخری کا معنیٰ زمانے کے لحاظ سے آخری ہے یعنی جب آپ آ گئے تو اب نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

کسی کو اب نبی نہیں بنایا جا سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ کر آپ ﷺ کے ہی دین کو آگے بڑھائیں گے۔ وہ

بحثیت نبی نہیں آئیں گے، تو ہمیشہ کیلئے رب ذوالجلال نے رسول اکرم ﷺ کو بھیج کر نبوت کا دروازہ بند فرما دیا۔

ہمارے اسلاف نے ختم نبوت کا کتنا خوبصورت معنی کیا۔

لیکن قادیانی کہتا تھا کہ ختم نبوت کا معنی ہے (مہر والے نبی) یعنی جس پہ نبوت کی مہر لگائیں وہ نبی بن جائے یہ دین کے اندر غلو ہے۔

لیکن حق پرستو تمہیں مبارک ہو۔ ہم نے غلو کا مقابلہ کیا اور ہم نے تنقیص کا بھی مقابلہ کیا۔ جس نے نقص اور عیب کی بات کی اس کا بھی منہ بند کیا اور جس نے غلو کیا اس کا بھی منہ بند کیا

ہم نے کہا جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں وہ بہت افضل ہیں، بہت اعلیٰ ہیں، بہت بڑی شان کے مالک ہیں۔ ہم قیامت تک سوچیں پھر بھی طائر فکر ان کی بلندی تک نہیں پہنچ سکے گا۔ قیامت تک لکھیں پھر بھی شان کا حق ادا نہیں ہوگا۔ قیامت تک لکھتے جائیں سمندروں کی سیاہیاں ختم ہو جائیں۔ ان کی فضیلتوں کے باب ختم نہیں ہوں گے مگر وہ ایسے نہیں ہیں کہ مہر لگائیں اور نبی بنا دیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی خلاف ورزی کرنیوالے نہیں ہیں وہ ایسے محبوب ﷺ ہیں جن کو رب نے آخری نبی بنا دیا ہے۔

اکابرین اہلسنت کے نزدیک ختم نبوت کا معنی

ہمارے اسلاف نے اس کا معنی کتنا خوبصورت کیا۔

خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہے یہ اتفاقی معنی ہے، اجماعی معنی ہے اور ساری امت کے نزدیک یہی معنی ہے اس معنی کے اندر آخری دور میں یہاں تحذیر الناس

میں تبدیلی کی گئی اور پھر یہ حقیقت الوحی اور اس کی عبارات کے اندر یہ تبدیلی کی گئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عشق اور ختم نبوت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (اشعة اللمعات) میں ارشاد فرماتے ہیں۔

خاتم کا معنی ہے (مَا يُخْتَمُ بِهٖ) جس کے ساتھ مہر لگائی جاتی ہے۔اس کا معنی کیا بنے گا۔

گفته اندو معنی خاتم النبین آنست که رب العزت نبوت همه انبیاء را جمع کرد دردل مصطفی صلی الله علیه وآله وسلم را معدن او کرد تا هیچ دشمن بموضع نبوت رانیافت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت میرے نبی علیہ السلام کے سینے میں رکھ کر اوپر سے مہر لگادی۔

رب العزت نبوت همه انبیاء را جمع کرد دردل مصطفی صلی الله علیه وآله وسلم رامعدن او کرد

سب کی نبوت کیلئے سرکار ﷺ کے دل کو معدن بنایا۔تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت تو سرکار ﷺ کے سینے میں رکھ کر اوپر سے مہر لگادی۔

مہر کا ایک معنی سیل بند کرنا۔تو یہ وہ مہر ہے جو سیل بند کرنے والی ہے۔جس وقت سرکار ﷺ کی مہر لگ گئی تو نبوت سیل بند ہوگئی۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں اور یہ سب کا اجماعی عقیدہ ہے۔کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو سرکار علیہ السلام کے دل میں رکھ کر اوپر سے رب نے سیل کردیا ہے۔

اس کی وجہ کیا تھی۔

تاهیچ دشمن بموضع نبوت را نیافت

تا کہ نبوت کے خزانے کو کوئی لوٹ نہ سکے۔کوئی چوری نہ کر سکے۔

نبوت کو کوئی لوٹ نہ سکے ''نہ ہوائے نفس اور نہ وسوسہ شیطان'' نہ تو وہاں پر نفس کی خواہش پہنچے اور نہ وہاں تک شیطان کا وسوسہ پہنچے۔

نبوت وہاں رکھو جہاں شیطان کا بس نہیں چلتا۔نبوت وہاں رکھو جہاں وسوسہ نہیں چلتا۔تو وہ میرے محبوب علیہ السلام کا دل ہے۔جو سب سے محفوظ مقام ہے۔نہ شیطان کی رسائی ہے۔ نہ وسوسہ کی رسائی ہے۔تو رب ذوالجلال نے ساری نبوتیں وہاں اکٹھی کر کے اوپر سے مہر لگا کے سیل بند کر دیا

اور فرمایا کہ ہم نے نبوت کو محبوب کے سینے میں محفوظ کر دیا ہے

قادیانی کے شر کا جو سلسلہ ہے اس کا دوسرا بیان اسی کتاب اور اس کے حاشیہ میں اس طرح لکھا ہے۔

خدا کی فیلنگ اور خدا کی مہربانی نے کتنا بڑا کام کیا۔اس کا معنی یہ ہے کہ خدا نے اس زمانہ میں محسوس کیا کہ یہ ایسا فاسد زمانہ آ گیا کہ جس میں ایک عظیم الشان مصلح کی ضرورت ہے۔اور خدا کی مُہر نے یہ کام کیا کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے والا اس درجہ کو پہنچا۔کہ ایک پہلو سے وہ امتی ہے اور ایک پہلو سے وہ نبی ہے۔معاذ اللہ

(حقیقۃ الوحی ص ۹۶ طبع احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

﴿قادیانی کی گمراہی میں تدریجاً ترقی﴾

یہ ہے وہ ترقی کہ مجدد کا لفظ بھی اپنے بارے میں استعمال کیا ملہم کا لفظ بھی استعمال کیا پھر ظلی کا لفظ بھی استعمال کیا اب چلتے چلتے نبی کا لفظ بھی استعمال کر دیا۔

حقیقت الوحی میں لکھتا ہے کہ

آپ کے امتی میں دو شانیں ہیں۔ معاذ اللہ وہ ایک لحاظ سے امتی ہے اور دوسرے لحاظ سے وہ نبی ہے۔

اس طرح کا مخنث جس کو قادیانی نے خود نامزد کر دیا کہتا ہے کہ ایک لحاظ سے امتی ہوں اور ایک لحاظ سے نبی ہوں۔

یہ راہیں اس قادیانی نے اختراع کیں کہ لوگ کچھ برداشت کرتے جائیں کبھی کہوں گا مجدد ہوں تو برداشت کر لیں گے اور مصلح کہوں گا تو برداشت کر لیں گے۔ پھر جا کر کہہ دوں گا کہ میں نبی ہوں۔ پھر اس نے بالآخر اپنے آپ کو نبی کہہ بھی دیا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی نسبت اس انداز میں اٹیچ کر رہا ہے اور جواز یہ پیش کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فیلنگ ہے۔ اب اس وقت زمانہ بڑا فاسد ہو چکا ہے تو ایک مصلح کی ضرورت ہے تو وہ مصلح میں ہوں۔

من وجہ امتی ہوں اور من وجہ "معاذ اللہ" نبی بن کے آ گیا ہوں۔

لہٰذا کوئی شخص اس پروپیگنڈہ کا شکار نہ ہو۔ اگر قادیانی کہیں کہ ہمارے نے تو نبوت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا وہ تو مجدد اور مصلح تھا۔ تم نے نبوت کا دعویٰ خواہ مخواہ اس کے گلے میں ڈال دیا۔ تو یہ حقیقت الوحی اس کی کتاب ہے جس سے یہ عبارت میں پیش کر رہا ہوں۔

اس نے باقاعدہ نبوت کا لفظ نبی بول کر یہ اعلان کر دیا کہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا تو میں امتی ہوں۔ مگر بعد والوں کیلئے مجھے نبی بنا دیا گیا ہے۔ میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔ "معاذ اللہ"

''احمد کتاب'' جس کا مرتب میاں محمد سعید ہے۔ اس نے اس کتاب میں یہ لکھا کہ مجدد دین صرف تجدید دین کا کام کرتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے علاوہ تجدید دین کے تکمیل دین بھی کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام سے بھی بڑھا کے نبی بنا دیا۔ کہ پہلے تو مجدد بنایا اور پھر یہ کہا کہ ہمارا مرزا صرف مجدد نہیں ہے۔

مجدد کا معنی و مفہوم

مجدد کا معنی یہ ہے کہ جو دین کی تجدید کرے۔ تجدید کا مطلب یہ نہیں کہ وہ نیا دین بنائیں جبکہ تجدید کا معنی یہ ہے کہ دین سے وہ باتیں جنکی ملاوٹ کی گئی ہے ان کو دور کر کے اصلی دین پیش کیا جائے یہ مجدد ہوتا ہے۔

لیکن قادیانی کا حواری کہتا ہے کہ ہم نے قادیانی کو محض مجدد نہیں مانا۔ مرزا قادیانی نے صرف تجدید دین نہیں کی بلکہ تکمیل دین بھی کی ہے۔ استغفر اللہ۔

میرے محبوب علیہ السلام تو دین مکمل کر کے گئے تھے یہ پیچھے سے کون مکمل کرنے آیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (پارہ ۶ سورۃ المائدۃ آیت ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا

یہ ہمارے آقا علیہ السلام کا امتیاز ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کسی نبی پر یہ آیت نہیں اتری اور انہیں یہ نہیں کہا گیا کہ تم کہہ دو کہ آج ہم نے دین کو مکمل کر دیا۔ اور آج ہم نے نعمت کی انتہا کر دی۔

بڑا نبی ہونے کا دعویٰ

سرکار ﷺ کہیں اور قرآن کہے کہ ہم نے دین کو مکمل کر دیا۔

یہ کہیں کہ قادیانی مکمل کرنے آیا ہے۔ تو معاذ اللہ اس قادیانی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اس کا اقرار کر لیا۔

جبکہ مطلقاً نبوت کا اعلان جس کیلئے پہلے جواز ثابت کیا پھر آہستہ آہستہ الہام، ظل، تجدید، اصلاح اور پھر من وجہ نبی بننے کا دعویٰ کر دیا اور پھر معاذ اللہ نبیوں کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا مرتبہ لینے کی کوشش کی گئی۔ تو یہ سارا سلسلہ گمراہی کا سلسلہ ہے، کفر کا سلسلہ ہے۔

یہ تمام کا تمام A تو Z قادیانیت کا انداز ہے۔ سب کا سب ناری اور جہنمی انداز ہے۔ میرے محبوب علیہ السلام کے ہوتے ہوئے نہ تو کوئی تشریعی نبی ہے، نہ غیر تشریعی ہے، نہ کوئی ظلی ہے، نہ کوئی اصلی ہے، نہ کوئی حقیقی ہے اور نہ کوئی غیر حقیقی ہے۔ کسی لحاظ سے کوئی نبی نبوت کا اعلان نہیں کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آخری نبوت رسول اکرم ﷺ کو عطا فرما دی۔ جس کے ساتھ ہی ہمیشہ کیلئے نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

مسیح موعود کا لقب چھیننے کی کوشش

اخبار فضل قادیان جلد نمبر ۲۹، ص: ۱۲۲، (۳۰) تیس مئی ۱۹۴۱ء میں جو

خرافات ہیں وہ یہ ہیں کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قادیان کے مقام کو جو عزت ورفعت بخشی ہے۔ وہ کسی توضیح وتشریح کی محتاج نہیں ہے۔ یعنی مسیح موعود کی وجہ سے قادیان کی زمین کو عزت بخشی ہے (معاذ اللہ)

اس لعین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لقب ''مسیح موعود'' کو چھیننے کی کوشش کی اور اس نے باقاعدہ اپنی نظموں میں یہ شعر لکھے اپنی کتاب ''درثمین'' میں وہ لکھتا ہے۔

باغ احمد سے ہم نے پھل کھایا ہے
میرا بستان کلام احمد ہے
ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(درثمین ص:۵۲)

قادیانی کی کتابیں کفریات کا مجموعہ

اس نے جو اپنی کتابوں میں کفریات ذکر کی ہیں ان سب کا ذکر مقصود نہیں ہے جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں اور انبیاء ورسل کو گالیاں دیں۔

صدیق وشہید کو گالیاں دیں، ہر امت کو گالیاں دیں ہیں۔ اس کی ساری کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

ہماری بحث اس میں ختم نبوت کے لحاظ سے ہے۔ اس کی تحقیق کے لحاظ سے ہے جو اس نے خرابیاں کی ہیں۔ وہ تمہارے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ان اشعار میں اس نے واضح کر دیا کہ

مسیح موعود کا لفظ ہر جگہ پر اپنے بارے میں بولتا ہے۔ تو پھر اس واسطے قادیانی

اخبار نے لکھا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قادیان کے مقام کو جو عزت و رفعت بخشی ہے۔ وہ کسی توضیح و تشریح کی محتاج نہیں ہے۔ وہ مبارک اور مقدس بستی ہے۔ خدا تعالیٰ نے برکت دی ہے اور اسے اس زمانے کے رسول کا تخت گاہ قرار دیا ہے۔

قادیانی کے بارے میں (الفضل) نے یہ لکھا ہے۔

''اس زمانے کی نبوت کا تخت قادیان میں ہے'' (معاذ اللہ)

یہ وہ لفظ ہیں جس سے رسول اکرم ﷺ کے امتی کا سینہ چھلنی ہوتا ہے۔ مدینہ شریف کے ہوتے ہوئے اور کہاں نبوت کا تخت ہو سکتا ہے۔

سید عالم ﷺ جو مدینہ شریف میں جلوہ گر ہیں اور جس جگہ پر موجود ہیں اور جو آپ کی قبر مبارک کی خاک ہے۔ جس کے بارے میں امت کا اتفاق ہے کہ وہ مٹی جو بدن پاک کو لگی عرش سے بھی افضل ہو گئی۔ اس مدینہ کی عظمت کے ہوتے ہوئے کسی قادیان کا یوں ذکر کرنا اور یہ کہنا کہ اب وہ نبوت کے تخت کی جگہ ہے یہ ساری رسول اکرم ﷺ کی گستاخیاں ہیں۔ اور ایک امتی کیسے یہ برداشت کر سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے آپکی حیثیت کے خلاف باتیں کی جائیں۔

دور حاضر میں ایمان کا تقاضا

یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ ایسے گستاخوں اور ایسے خنزیروں سے اپنے آپ کو بچا کے رکھیں۔ نہ ان کیساتھ مشترکہ کاروبار ہو اور نہ ان کے ساتھ لین دین ہو نہ ان کے ساتھ کوئی دعا وسلام ہو اور نہ رشتہ داری ہو۔ نہ ان کے ساتھ کھانا پینا ہو۔ اس واسطے کہ جس وقت تم قادیانی سے ملو گے تو رسول اکرم ﷺ کو روضہ پاک میں تکلیف ہو گی۔

کہ میری نبوت کے خلاف سازشیں کرنے والے اور میری نبوت کے خلاف جن لوگوں نے محاذ آرائی کی ہے اور جھوٹے دعوے کیے ہیں۔ میرا امتی ان سے جا کر ملتا ہے۔ میرا امتی ان سے باتیں کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو ایک بار بھی جس نے دکھ پہنچایا تو اس پر عرش والے کا غضب آ سکتا ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اذیت قرار دیا ہے۔ حالانکہ رب کو تو کوئی تکلیف دے ہی نہیں سکتا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا

بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تو اذیت کے یہ طریقے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کو مومن سمجھنا یا ان کے بارے میں نرم رویہ رکھنا۔ یا وہ جو ختم نبوت کے منکرین ہیں۔ ان کے ساتھ مل بیٹھ کر محبتوں کا اظہار کرنا یا کسی ملک کا ویزہ لینے کیلئے اپنے آپ کو قادیانی شو کرنا یہ ساری چیزیں بندے کو سرکار ﷺ کی امت سے خارج کر دیتی ہیں اس واسطے بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔

یہ قادیانی اور ختم نبوت کے منکر ہیں، دین کے بھی دشمن ہیں اور پاکستان کے بھی دشمن ہیں اور جنہوں نے باقاعدہ نقشے منظور کروا رکھے ہیں کہ یہ شکر گڑھ اور انڈیا کا علاقہ ملا کر اسرائیل جیسی ریاست بنائیں گے۔

یہ نہ تو ملک کے مخلص، نہ ملت کے مخلص ہیں، نہ دین کے مخلص اور نہ دنیا کے مخلص ہیں یہ قادیانی ناسور ایک ایسا فتنہ ہے کہ جس کیلئے ہمیں ہر وقت بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔

ان دھماکوں کے پیچھے ان کا ہاتھ ہونا بعید نہیں اور یہ مختلف طریقوں سے امت میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو لڑانے کے کئی ضوابط ان لوگوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔

اس واسطے ہمیں اپنا فرض ادا کرتے وقت قادیانیت کے خلاف ہر محاذ پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

﴿مسیلمہ کذاب کی سرکوبی﴾

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ کی تو وہ جنگ ختم نبوت کا پہلا محاذ تھا۔ اور اسی جنگ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب کے خلاف ہوئی اس کے شہداء اگر جمع کیے جائیں تو رسول اکرم ﷺ کے غزوات کی مجموعی تعداد سے زیادہ تعداد بنتی ہے۔ بدر، احد، خندق، حنین سارے غزوات کے شہداء اکٹھے کر لو سب میں اتنے صحابہ کرام شہید نہیں ہوئے جتنے جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ہیں۔

تو جنگ یمامہ ختم نبوت والی جنگ تھی۔ چالیس ہزار مسیلمہ کذاب کے حواری تھے۔ اور ادھر رسول اکرم ﷺ کے غلام تھے اور انہوں نے جنگ لڑی ہے اور اس انداز میں کہ بالآخر اس جھوٹے کا سر اتارا ہے اور اس کے حواریوں کے سر اتارے ہیں۔ اور پھر یہ بتایا ہے کہ کل ہی نہیں آج بھی سینوں میں عشق مصطفی ﷺ موجود ہے۔

﴿ ردقادنیت اور اہلسنت ﴾

اس کے بعد کچھ لوگوں نے ختم نبوت کے دو معنی کر کے اصلی اور غیر اصلی سے دروازے کھولے اور دوسری طرف ہمارے اسلاف تھے۔

﴿ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالی ﴾

ان میں سب سے پہلے نمبر پر حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالی جنہوں نے متعدد کتابیں اس وقت مرزا کے رد میں لکھیں۔

﴿ حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالی ﴾

اور حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالی گولڑہ شریف والے جنہوں نے مسلسل تصانیف لکھیں اور مرزے کا بھرپور انداز میں مقابلہ کیا اور اس کو میدان مناظرہ اور اس کے علاوہ ہر لحاظ سے شکست فاش سے دوچار کیا۔

﴿ مولانا عبدالستار خان نیازی رحمہ اللہ تعالی ﴾

اور پھر جس وقت تحریک ختم نبوت کا سلسلہ چلتا رہا تو جس شخص نے موت کے پھندے کو چوما اور اپنا کردار پھر بھی ادا کیا وہ مولانا عبدالستار خان نیازی رحمہ اللہ تعالی ہیں جو تحریک ختم نبوت میں ان کو سزائے موت ہوئی اور پھر اللہ تعالی نے ان کو بچالیا۔

﴿ علامہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالی ﴾

اور پھر اس پوری تحریک میں ایک نمایاں کردار علامہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالی کا بھی ہے۔ جنہوں نے ہزار ہا میل کا پارلیمنٹ کے باہر سفر کیا اور پھر پارلیمنٹ کے اندر ان لوگوں سے یہ کام کروایا جن کا بظاہر دین سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ ایک لبرل سوچ رکھنے والے وزیر اعظم سے کام وہ کروایا جو مفتیوں کی شوری کا ہوتا

ہے۔ پارلیمنٹ سے فتوٰی والا کام لے لیا۔

جس وقت بھٹو صاحب نے کہا تھا کہ "نورانی" کسی کو کافر کہنا یا مومن کہنا یہ مدرسے کی بات ہے مسجد کی بات ہے جبکہ یہ تو پارلیمنٹ ہے یہ بین الاقوامی ادارہ ہے۔ اس پر پھر بحث ہوگی کہ ایک ملک کی پارلیمنٹ دین کے بارے میں ایسا کام کر رہی ہے۔

تو امام شاہ احمد نورانی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ بھٹو یہ ٹھیک ہے اور یہ تم سمجھتے ہو کہ کام دین کا ہے اور تم عیسائیوں کے ووٹ لے کر بھی وزیر اعظم بنے ہو اور تم مرزائیوں کے ووٹ لے کر بھی آئے ہو مگر تم مجھے ایک بات کا جواب دو۔

اگر آج کوئی شخص یہ کہے کہ اس ملک کا وزیر اعظم میں ہوں تو تم اس کو کیا کہو گے۔ میں تم سے حدیث یا آیت کے متعلق نہیں پوچھتا مجھے تم اس بات کا جواب دو۔

اگر کوئی شخص تمہاری کرسی وزارت پہ بیٹھے ہوئے یہ کہتا ہو کہ پاکستان کا وزیر اعظم میں ہوں تو تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہوگی تو ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ میری رائے صرف یہ ہوگی کہ میں کہوں گا دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ بندہ پاگل ہے یا وہ میرا غدار ہے اور باغی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

میری وزارت کے ہوتے ہوئے اپنی وزارت عظمٰی کا اعلان کرے یا تو وہ پاگل ہے یا وہ باغی ہے تو مولانا نورانی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ اے بھٹو تیری کرسی چھوٹی سی ہے اور میرے محبوب کی کرسی مقام محمود والی ہے۔

اگر تیری چھوٹی سی کرسی کے مقابلے میں کوئی کرسی رکھ لے اور کہے کہ میں وزیر اعظم ہوں تو اس وقت تو یہ فتوٰی دیتا ہے کہ وہ پاگل ہے یا باغی ہے۔

تو میرے رب نے جو کرسی میرے نبی علیہ السلام کو دی ہے اس کے مقابلے میں قادیانی کرسی رکھے تو میں کہوں گا بھٹو بول یہ باغی ہے یا پاگل ہے۔

اس طرح عقلی طور پر ایسے شخص کو قائل کر لیا اور اس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ ٹھیک ہے جب میں اپنے بارے میں یہ کہتا ہوں تو میں اس قادیانی کے بارے میں کہوں گا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا باغی ہے۔

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا تاریخ ساز دن

تو حضرت امام شاہ احمد نورانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی تو ہم نے تم سے کہلوانا تھا اور یہی فتویٰ ہے۔ اس پر دستخط کرتے ہیں۔ اور پھر وہ سردار بلوچ جو کہتے تھے کہ دین ہم نے سونگھا ہوا ہے ویسے ہمیں پتہ کوئی نہیں۔

حضرت امام شاہ احمد نورانی علیہ الرحمتہ نے ان سے بھی فتویٰ لیا انہیں بھی قائل کیا۔

ساری رات یحییٰ بختیار جیسے لوگوں کو قائل کر کے بالآخر سات ستمبر 1974ء کا وہ دن آیا جب پاکستان کی پارلیمنٹ نے تاریخی فیصلہ صادر کر کے پوری دنیا پر پاکستان کا نام روشن کر دیا۔

لیکن اس کے باوجود بھی ان لوگوں کی سازشیں بدستور جاری ہیں ہر جگہ گھس کر شرارتیں کر رہے ہیں اس واسطے ہمیں حساس رہنے کی ضرورت ہے ایک یہ دین ہمارا ہے، شعبہ ہمارا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کی وجہ سے ہم پر قرض ہے۔ اور پھر ہمارے اسلاف کی اتنی کاوشیں ہیں تو اس میں ہمیں بھرپور کردار ادا کرتے رہنے کی ضرورت ہے تاکہ کوئی غدار یا باغی ہمارے محبوب علیہ السلام کی گستاخی نہ کر پائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا جھنڈا گھر گھر میں ہر طرف لہرا دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ختم نبوت کا مبلغ بنائے آمین

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
9

شہداء زندہ ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَفْضَلِ الْاَنْبِيَاءِ

وَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِه وَ صَحْبِه اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ

بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَ عَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَــوْلَاىَ صَــلِّ وَسَــلِّــمْ دَائِــمًــا اَبَــدًا

عَــلٰــى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب ارباب فکر ودانش

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین

رب ذوالجلال کے فضل اور اس کی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہم دین کورس میں آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے

"شہداء زندہ ہیں"

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے۔ اس کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے قرب کے جو مقامات عطا کیے ہیں۔ ان مقامات میں سے ایک بہت بڑا مقام (مقام شہادت) ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ مقام اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ اس سے بڑا مقام شہادت کا مرتبہ کیا ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ

مجھے اس ذات کی قسم ہے۔ جس کے قبضہ میں میری جان ہے

لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

مجھے یہ بات بڑی پسند ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جاؤں۔

ثُمَّ اُحْیَا

پھر مجھے دنیاوی زندگی دے دی جائے۔

ثُمَّ أُقْتَل

پھر مجھے شہید کر دیا جائے۔

ثُمَّ أُحْيَا

پھر مجھے زندہ کیا جائے۔

ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ

(صحیح بخاری کتاب الجهاد و السير باب تمنى الشهادة)

پھر مجھے شہید کر دیا جائے پھر مجھے دنیاوی زندگی دی جائے اور پھر راہ حق میں مجھے شہید کر دیا جائے۔

چار مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے راہ حق میں شہادت کی تمنا فرما کے قیامت تک کیلئے اپنے عاشقوں کو شہادت کا گرویدہ بنا دیا۔

شہداء کی زندگی شعور سے بالاتر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ

جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید کئے جائیں انکو تم مردہ نہ کہو۔

بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

(پارہ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۴)

بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں ہے۔

یعنی ان کی زندگی تمہارے شعور میں نہیں آسکتی ہے۔تمہارے شعور سے بلند و بالا ہے۔ایک ہوتا ہے علم اور ایک ہوتا ہے شعور۔علم انسان میں ہوتا ہے اور شعور حیوانوں میں بھی ہوتا ہے یعنی شعور کا مطلب ہے محسوس کرنا۔بھینس میں علم تو نہیں آتا لیکن شعور اس میں بھی آتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ شہداء کی زندگی کا علم آنا تو بڑی دور کی بات ہے۔ تمہیں اس کا شعور تک بھی نہیں ہوسکتا۔اور تمہارے شعور کے ترازو پہ اس کو تولا نہیں جا سکتا۔لیکن جس کی سمجھ تمہیں نہ آئے اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

بلکہ اسے ماننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام پر مرنے والوں کو ہمیشہ کی زندگی عطا فرمائی ہے۔یہاں پر تو شہداء کے مردہ ہونے کے بارے میں قول کرنے سے منع کیا گیا۔

شہداء کو مردہ گمان بھی نہ کرو

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

(پارہ ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹)

وہ لوگ جن کو اللہ کے راستے میں شہید کیا گیا ان کو مردہ خیال بھی نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی ان آیات میں شہداء کی عظمت کو اجاگر کیا گیا اور بعد از شہادت ان کی زندگی کا تذکرہ فرمایا۔ایک انسان جس کے پاس جان کی دولت تھی راہ حق میں دین کی سربلندی کیلئے اس نے وہ تحفہ رب کے دربار میں پیش کیا اور کوئی احسان کرتے ہوئے نہیں بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ

تجھے وہ شاخ سے توڑیں زہے نصیب تیرے
کہ تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب تیرے

کہ رب نے میری جان کو قبول کیا ہے۔ مجھے پسند کر لیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو نوازتا ہے۔

﴿شہید کہنے کی وجوہات﴾

ویسے تو قرآن مجید میں (قُتِلُوْا) کے الفاظ ہیں کہ جن کو اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ جس کو شہید کیا جائے۔ اس واسطے کہ جس کو اللہ کے راستے میں قتل کیا جاتا ہے۔ اسے گواہی کا منصب ملتا ہے۔ شہادت کہتے ہیں گواہی دینے کو۔ ایک ہے کہ ہم صبح و شام کہتے ہیں

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

یہ ہماری گواہی ہے اور اس میں بڑا اجر و ثواب ہے۔

﴿پہلی وجہ﴾

پہلی وجہ ہے کہ شہید کی گردن پر جب دشمن کا وار ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں میں رب کا دیدار ہوتا ہے۔ تو وہ رب کو دیکھ کر کہہ رہا ہوتا ہے وہ گواہ بن چکا ہے۔ اس کی اس گواہی کی وجہ سے پھر اس کو شہید کہا جاتا ہے کہ وہ گواہی دینے والا ہے۔

﴿دوسری وجہ﴾

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ شہید ہوتا ہے تو اسے اپنا ثواب نظر آ رہا ہوتا ہے اور وہ اس کا بھی گواہ ہوتا ہے اس واسطے اس کو شہید کہا جاتا ہے

تیسری وجہ

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ شہید ہوتا ہے تو جو جنت میں اسے مقام ملنا ہوتا ہے وہ اس کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے اور اس کا بھی گواہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو شہید کہتے ہیں

چوتھی وجہ

چوتھی وجہ یہ ہے کہ شہید ہوتے وقت اس کے بدن پر جو خون ہوتا ہے، وہ اس پر گواہ ہوتا ہے کہ اس کو رب ذوالجلال کے دربار میں قبول کر لیا گیا ہے۔ اس واسطے اس کو شہید کہتے ہیں۔

ان وجوہات کی وجہ سے اللہ کے راستے میں قتل کیے جانے والے افراد کو شہید کہا جاتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے منصب شہادت عطا فرمایا ہے۔

ہمارا آج کا موضوع صرف شہداء کی زندگی کے لحاظ سے ہے ان کے فضائل کا صرف ایک پہلو موضوع سخن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو حیات دے دیتا ہے۔

اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

بَلْ اَحْیَاءٌ

بلکہ وہ زندہ ہیں

اس سے مراد روحانی زندگی نہیں ہے۔ اگر محض روحانی زندگی ہوتی تو وہ ہر بندے کی روح زندہ ہے۔ یہاں تک کہ کفار کی روح کا بھی بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے تبھی تو عذاب کا انہیں احساس ہوتا ہے۔ ورنہ قبر میں عذاب کس چیز کو دیا جاتا ہے۔ تو اس واسطے بعد از وصال روح تو سب کی زندہ ہے۔

شہداء کو (بَلْ اَحْیَاءٌ) کہہ کر اللہ تعالیٰ نے ایسی زندگی کا اعلان کیا کہ جس روح کا تعلق بدن سے برقرار ہوتا ہے اور پھر کیسے کہ روح اللہ کے دربار میں بھی ہو اور قبر میں بدن کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

یہ ہے کہ جس کا تمہیں شعور نہیں ہے۔ تم عقل کے ترازو پہ اس کو تول نہیں سکتے۔

چونکہ ارواح شہداء کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

شہداء کی روحوں کے رکوع وسجدے

بعض یہ کہتے ہیں

لِاَنَّ اَرْوَاحَهُمْ تَرْكَعُ وَ تَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ

شہدوں کی روحیں عرش کے نیچے رکوع اور سجدے کرتی ہیں

شہداء کی روحیں پرندوں کے جوف میں

بعض نے کہا ہے کہ

اِنَّ اَرْوَاحَهُمْ فِیْ جَوْفِ طَیْرٍ

شہیدوں کی ارواح کو سبز پرندوں کے جوف میں ڈال دیا جاتا ہے۔

وہ جنت میں پرندے اڑتے پھرتے ہیں۔ یا عرش کے نیچے ان کو لٹکا دیا جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ روح کو ایسی حیثیت دے دیتا ہے۔ روح ادھر اللہ کے دربار میں حاضر بھی ہے اور ادھر شہید کے بدن کے ساتھ بعد از وصال قبر میں ایک تعلق ہے۔ جس کی وجہ سے اپنے اپنے درجے کے مطابق اللہ

تعالیٰ ان کے اجسام کو قوتیں عطا فرماتا ہے اور اجساد بھی قبروں میں محفوظ رہتے ہیں۔
جسم تو جسم رہے ان کے کفن بھی میلے نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ ان کو حیات کی ایسی تابندگی دیتا ہے کہ جس کو عقل کی ترازو پہ تولا نہیں جا سکتا۔

شہداء زندہ ہیں چند حوالہ جات

لہذا اس کے بارے میں چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں کہ شہداء کی وہ زندگی جس کا تعلق ان کے بدن کے ساتھ ہے اور دوسرے لوگوں سے امتیاز کرتے ہوئے ان لوگوں کو مزید برزخی شانیں عطا فرمائی ہیں

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعد از وصال زندگی

اس سلسلہ میں بخاری شریف میں حدیث شریف موجود ہے۔
جنگ احد سے ایک رات قبل حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں
میرے ابا جان حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اُحد والی رات مجھے اپنے پاس بلا لیا۔

لَمَّا حَضَرَ أُحُدٌ دَعَانِي أَبِي مِنَ اللَّيْلِ

میدان احد میں صبح لڑائی ہونی تھی تو رات کو میرے ابا جی نے مجھے بلا لیا۔

فَقَالَ مَا أُرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا فِي أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مجھے یہ یقین ہو چکا ہے کہ کل میں نے شہید ہو جانا ہے اور وہ شہادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سب سے پہلے مجھے ملے گی۔
لوگ ہمارے محبوب علیہ السلام کے علم کے بارے میں شک کرتے رہے اور اب بھی شک کرتے ہیں کہ کل کا پتہ کسی کو نہیں چلتا۔

جب کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کل کی خبر دے رہے ہیں اور ڈبل خبر دے رہے ہیں کہ کل مجھے شہادت ملے گی اور وہ بھی دوسرے یا چوتھے نمبر پر نہیں بلکہ سب سے پہلے مجھے شہادت ملے گی۔ کل جس وقت احد میں شہادتوں کا گلشن سجے گا تو پہلی شہادت میری ہوگی۔

یہ رات کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے سے بات کر رہے ہیں۔ کہنے لگے میرے بیٹے سن لو

وَإِنِّي لَا أَتْرُكُ بَعْدِي أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

میرے نزدیک میرے بعد محبوب علیہ السلام کے علاوہ سب سے پیارے اور سب سے زیادہ عزیز تم ہو۔

یعنی اس اہم وقت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم رکھا کہ اے میرے بیٹے تم مجھے بڑے پیارے ہو مگر تجھ سے زیادہ پیار مجھے میرے محبوب علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ جن کیلئے کل جان دوں گا۔ تو میں تجھے پیچھے چھوڑ کے جا رہا ہوں۔

فَإِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ

مجھ پر قرض ہے وہ تم نے اتارنا ہے

وَاسْتَوْصِ بِأَخَوَاتِكَ خَيْرًا

اور میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی بہنوں سے اچھا سلوک کرنا

یہ صحابہ کرام کی سنت ہے کہ آخری وقت بالخصوص بیٹوں کو بیٹیوں کے بارے میں وصیت کی جائے۔ چونکہ ان کی کافی بہنیں تھیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے

کو یہ وصیت کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت جنگ شروع ہوئی۔

فَأَصْبَحْنَا فَكَانَ أَوَّلَ قَتِيلٍ

پھر جس وقت ہم نے صبح کی تو سب سے پہلے جس نے شہادت کا پیالہ پیا وہ میرے ابا جی تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پڑھنے والوں کا علم دیکھو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو روایت کر رہے ہیں کہ جس وقت جنگ شروع ہوئی تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے ابا جی کو مقام شہادت عطا فرما دیا۔

یہ چیز بھی سچی ثابت ہوئی کہ مجھے شہادت ملے گی اور دوسری یہ کہ مجھے شہادت سب سے پہلے ملے گی۔ بات کسی شعر یا دیوان کی نہیں ہے۔ بات کتاب اللہ کے بعد سب سے اہم کتاب بخاری شریف کی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

وَدُفِنَ مَعَهُ آخَرُ فِي قَبْرٍ

میرے ابا جی کے ساتھ ایک اور صحابی کو بھی دفن کر دیا گیا

ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِي

روزانہ مجھے خیال آتا تھا کہ میرے ابا جی کی قبر جدا ہونی چاہیے۔ لہذا میرا دل خوش نہیں تھا

أَنْ أَتْرُكَهُ مَعَ الْآخَرِ

کہ میں قبر میں اپنے والد صاحب کو کسی اور کے ساتھ چھوڑوں۔

میں چاہتا تھا کہ ان کو جدا دفن کیا جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پہلے مجھے خیال آتا رہا اور میں اپنے خیال کو روکتا رہا بالآخر جب چھ مہینے گزر گئے تو میں نے ارادہ کیا کہ اپنے اباجی کی قبر کھودوں گا اورانہیں باہر نکال کے علیحدہ دفن کروں گا۔

فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ

چھ مہینے کے بعد میں نے جس وقت قبر کھولی اور اپنے اباجی کو نکالا

فَإِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ هُنَيَّةً

بالکل ویسے ہی تھے جیسے میں نے دفن کیا تھا۔

جس دن میں نے ان کو سپرد خاک کیا تھا اسی دن کی طرح مجھے وہ نظر آئے۔

غَيْرَ أُذُنِهِ

بس ان کے کان میں ایک چھوٹا سا نشان موجود تھا۔

باقی یوں تھے کہ ابھی دفن کیا ہے۔ یہ صحابی کی صحابی کے بارے میں گواہی ہے۔ایک بیٹے کی باپ کے بارے میں گواہی ہے۔ جب انہوں نے چھ مہینے کے بعد اپنے والد کی قبر کو کھولا۔ تو ایسے لگتا تھا جیسے ابھی دفن کیا تھا اور ابھی قبر کھول لی ہے۔تو یہ وہ تازگی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نام پہ شہید ہونے والوں کو بعد از شہادت بھی عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(کی زندگیاں)

ایسے ہی حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (موطا امام مالک) کے کتاب الجہاد میں ذکر کرتے ہیں کہ۔

حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما یہ دونوں انصاری صحابہ تھے یہ دونوں ہی احد کے شہدا میں سے تھے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔

وَكَانَ قَبْرُهُمَا مِمَّا يَلِي السَّيْلَ

جہاں ان کی قبر تھی سیلاب کا پانی وہاں سے گزرتا تھا۔

یعنی جب بارشیں ہوتیں تو وہ پانی کی گزرگاہ تھی۔ ان دونوں حضرات کی مشترکہ قبر کے پاس سے پانی گزرتا تھا۔ تو سیلاب کی وجہ سے ان حضرات کی قبریں خراب ہو گئیں۔ تو ان کی قبر کو کھودا گیا۔ تاکہ ان کی جگہ تبدیل کی جائے۔

﴿چھیالیس سال بعد بھی جسم سلامت﴾

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَكَانَ بَيْنَ أُحُدٍ وَبَيْنَ يَوْمَ حُفِرَ عَنْهُمَا سِتٌّ وَأَرْبَعُونَ سَنَةً

قبر میں دفن ہوئے ان کو چھیالیس سال گزر چکے تھے۔

یعنی چھیالیس سال کے بعد ان دونوں صحابہ کرام کی قبر کو کھولا گیا تو

فَوُجِدَا لَمْ يَتَغَيَّرَا

اس وقت دونوں کے بدن صحیح سلامت تھے

كَأَنَّهُمَا مَاتَا بِالْأَمْسِ

ایسے لگا کہ یہ حضرات کل فوت ہوئے ہیں۔

وَكَانَ أَحَدُهُمَا قَدْ جُرِحَ

ان میں سے ایک کو جنگ میں جو زخم لگے تھے۔

فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى جُرْحِهِ

توانہوں نے اپنا ہاتھ زخم پہ رکھا تھا تو اسی طریقے سے ان کو دفن کر دیا گیا۔

دیکھنے والے کہتے ہیں کہ جہاں ان کا زخم تھا وہاں ان کا ہاتھ بھی رکھا ہوا تھا۔

فَدُفِنَ وَهُوَ كَذٰلِكَ فَأُمِيطَتْ يَدُهُ عَنْ جُرْحِهِ

دفن کے وقت ہاتھ زخم پر تھا چھیالیس سال کے بعد جب نکالا تو ہاتھ وہیں تھا

فَأُمِيطَتْ يَدُهُ عَنْ جُرْحِهِ

پھر اس کے ہاتھ کو اس کے زخم سے ہٹایا گیا

ثُمَّ أُرْسِلَتْ فَرَجَعَتْ كَمَا كَانَتْ

(موطا امام مالک کتاب الجهاد بابباب الدَّفْنِ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ مِنْ ضَرُورَةٍ)

پھر جب چھوڑا گیا تو ہاتھ اس زخم پر لوٹ گیا جس طرح کہ پہلے تھا

یعنی جیسے پہلے رکھا ہوا تھا چھیالیس سال کے بعد قبریں تبدیل کرنے کی خاطر ان کو نکالا گیا اور ایک صحابی زخم نے ہاتھ پیچھے ہٹا کر چھوڑا تو انہوں نے پھر اپنا ہاتھ اس جگہ پر رکھ لیا۔

تو یہ وہ شہداء ہیں جن کی شہادت کا تعلق ابدان کے ساتھ بھی ہے۔

بدن ویسے تو ایک ہفتہ بھی نہیں نکالتے بلکہ اس سے پہلے اس تبدیلی آ جاتی ہے۔ لیکن یہ ان پاک لوگوں کی پاک قبریں ہیں کہ جن کے اندر اس انداز کا احساس ہے۔ ہاتھ اگر پیچھے ہٹایا گیا تو پھر ہاتھ اس جگہ پر پہنچ گیا۔

﴿قبر میں بھی جسمانی زندگی﴾

پھر اسی کو ابن مبارک نے اپنی کتاب (کتاب الجہاد) میں اور امام عبدالرزاق نے (مصنف عبدالرزاق) میں بھی ذکر کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ان کو جب قبر سے نکالا جا رہا تھا۔

فَأَصَابَتِ الْمِسْحَاةُ رِجْلَ رَجُلٍ مِّنْهُمْ

تو اتفاقاً ان دونوں میں سے ایک کے قدم کو بیلچہ لگ گیا۔

فَانْفَطَرَتْ دَماً

(مصنف عبد الرزاق کتاب الجهاد باب الصلوة على الشهيد ج ۵ ص ۲۷۷)

تو وہاں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔

یعنی خون شہید کے قدم سے بہنا شروع ہو گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمین بند ہے اور کئی سال گزر گئے ہیں لیکن پھر بھی حیات موجود ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان کے بارے ارشاد فرماتا ہے

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

اور لیکن تم شعور نہیں رکھتے

یعنی تمہیں ایسی حیات کا کیسے شعور ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نام پہ شہید ہونے والوں کو عطا فرماتا ہے۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پُر بہار زندگی

حضرت عبد الصمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

اَتَيْتُ قَبْرَ عَمِّيْ حَمْزَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

میں اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پہ آیا

وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو سید الشہداء ہیں، احد کے شہداء میں سے ہیں ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ شہادت کے وقت انہیں کے تہبند کا کفن دیا گیا۔ وہ تہبند اتنا چھوٹا

تھا کہ سر پہ ڈالتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور قدموں پر ڈالتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے چچا کا سر ڈھانپ دو، قدموں پہ اِذْخِر گھاس ڈال دو۔ اب بھی وہ اِذْخِر گھاس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس فروخت ہوتی ہے اس سے دل کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ حضرت عبدالصمد کہتے ہیں کہ میں اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پہ پہنچا

وَقَدْ كَادَ السَّيْلُ يَكْشِفُهُ

کئی سال گزر چکے تھے قریب تھا کہ سیلاب آپ کی قبر کو ننگا کر دے۔

یعنی آپ کا بدن ظاہر ہو جائے۔ جب میں نے دیکھا تو میں نے خیال کیا کہ اگر یہیں قبر تیار کروں گا تو پھر دوبارہ سیلاب آ جائے گا۔

جس وقت میرے سامنے یہ صورتحال آئی تو میں نے کیا کیا۔

فَاسْتَخْرَجْتُهُ مِنْ قَبْرِهِ

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میں نے قبر سے باہر نکالا

وَعَلَيْهِ النَّمِرَةُ الَّتِي كَفَّنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا

آپ پر وہ چادر موجود تھی جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے کفن دیا تھا

یعنی چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا بدن تو بدن رہا وہ چادر بھی سلامت تھی جو انہوں نے وقت شہادت باندھی تھی۔

وَالْإِذْخِرِ عَلٰى قَدَمَيْهِ

اور ابھی قدموں پر رکھی گئی گھاس بھی بالکل سلامت تھی۔

وہ چیزیں جو تباہ اور فنا ہو جاتی ہیں۔ شہیدوں کی قدموں کی برکت سے انہیں بھی

بقا ملتی ہے۔ گھاس بھی سلامت ہے اور چادر بھی سلامت ہے،

راوی کہتے ہیں کہ جس وقت چچا جی کو میں نے اٹھایا

فَوَضَعْتُ رَاْسَه، فِيْ حُجْرِيْ

میں نے اپنی گود میں ان کا سر رکھا

فَاَمَرْتُ بِالْقَبْرِ

میں نے قبر کے بارے میں حکم دیا اس کا فیصلہ یہ کیا کہ پہلے وہ قبر اتنی گہری نہیں تھی اسی کو زیادہ گہرا کیا جائے تا کہ بعد میں سیلاب والی کوئی صورتحال ہو تو قبر مضبوط رہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اس قبر کو گہرا کیا گیا۔ پھر میں نے اور کفن بھی ساتھ پہنا دیئے اور قبر کھودنے کے بعد دوبارہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا۔

جب میں نے اپنے چچا کا سر اپنی گود میں رکھا تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی زندہ انسان کا سر ہے یعنی جو ایک طبعی حرارات بندے میں موجود ہوتی ہے۔ وہ مجھے گود میں محسوس ہونے لگی۔

یہ اللہ تعالیٰ کے نام پہ شہید ہونے والے لوگ ہیں۔ اور یہ ان کی زندگی کا ایک انداز ہے سالہا سال گزر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر بھی ان کو اس طرح کی صفات عطا فرماتا ہے۔

حضرت جابر اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زندگیاں

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے عہد میں شہید ہوئے تو ان کو اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکٹھا دفن کیا گیا۔

اس وقت مدائن میں ان کے مزارات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزار

کے ساتھ ہیں اور وہاں پر قریب ہی جامع مسجد ہے اور بہت بڑا جامعہ موجود ہے۔

مجھے بھی ان کے مزارات پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

عراق میں پچھلی صدی میں جب فیصل ثانی کا دور گزر رہا تھا تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاکم وقت کو خواب میں ملے اور کہا کہ ہماری قبروں تک دریا کا پانی پہنچ گیا ہے لہذا ہماری قبروں کو وہاں سے منتقل کیا جائے۔ حاکم وقت نے سمجھا کہ یہ خواب ہے اور خیال ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہذا وہ دوسرے دن خواب میں ملے اور پھر تیسرے دن بھی خواب میں ملے تو بالآخر بادشاہ نے سوچا کہ دیکھنا تو چاہیے اس کا سبب کیا ہے ؟

اس وقت چونکہ جدید زمانہ تھا۔ زمین کے تحقیقاتی آلے موجود تھے جس سے پانی چیک کیا جاتا ہے کہ نمی کہاں تک ہے۔ تو جس وقت وہ آلات نصب کر کے چیک کیا گیا تو واقعی کفن تک پانی پہنچ چکا تھا لہذا انہیں پتہ چل گیا کہ خواب میں جو روزانہ آکر ملتے ہیں تو صحیح ملتے ہیں۔

اس حاکم وقت کے حکم پر ان دونوں کی قبروں کو کھولا گیا اور بڑی بڑی سکرینیں نصب کی گئیں۔

پھر سکرینوں سے وہ منظر دکھایا گیا۔ جب ان دو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں کھولیں گئیں تو اس وقت ان کے بدن بالکل صحیح سلامت تھے۔

یعنی عراق میں وہ لوگ جو اس وقت موجود تھے وہ آج بھی گواہی دینے کو تیار ہیں۔ کہ اسی انداز میں ان دو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چہرے روشن تھے، جب ان کو قبروں سے نکالا گیا تو ان کے اجساد بالکل صحیح سلامت تھے۔ کہا جاتا ہے پھر ان کی باقاعدہ فلم بندی بھی کی گئی پھر اس کے بعد ان کے مزارات کو منتقل کیا گیا۔

اب عراق سے سو کلومیٹر کے فاصلہ پر مدائن شہر میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان صحابہ کرام کے مزارات ہیں۔ ان کے اجساد کا اتنی صدیوں کے بعد چمکنا قرآن مجید کی آیت کی تفسیر کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کو زندگی عطا فرمائی ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نرالی زندگی

حضرت طلحہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر والوں نے خواب دیکھا اور خواب میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور کہا۔

اَنَّکُمْ قَدْ دَفَنْتُمُوْنِیْ فِیْ مَکَانٍ قَدْ آذَانِیْ فِیْهِ الْمَاءُ

تم نے مجھے وہاں دفن کیا ہے جہاں پانی مجھے اذیت اور تکلیف دے رہا ہے۔

یعنی حضرت طلحہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو ملے اور کہا کہ تم نے مجھے وہاں دفن کیا ہے جہاں پانی آ کر تنگ کرتا ہے۔

حَوِّلُوْنِیْ مِنْهُ

مجھے کسی اور جگہ پہ دفن کرو۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ سارے حوالہ جات جتنے میں نے پیش کیے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں صرف زندگی ہی نہیں بلکہ ان کو ادراک بھی ہوتا ہے اور احساس بھی ہوتا ہے اور ان کو پتہ بھی ہوتا ہے کہ ہم نے بات کرنی کس سے ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے قبر کو جا کر کھول لیا۔

حَوَّلُوْهُ

جب انہوں نے قبر منتقل کرنے کیلئے قبر کو کھولا۔

فَاَخْرَجُوْہ‘

تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے باہر نکالا تو کیا تھا۔

کَاَنَّہ‘ سُلْفَۃٌ لَمْ یَتَغَیَّرْ مِنْہ‘ شَیْءٌ اِلَّا شَعَرَاتٌ مِّنْ لِحْیَتِہٖ

ان کا جسم بالکل تروتازہ تھا جسم میں کوئی تبدیلی نہیں تھی بس داڑھی کے چند بالوں پر کوئی چیز لگی ہوئی تھی باقی پورا بدن تروتازہ تھا۔

تو یہ ہیں وہ شہید جن کو اللہ تعالیٰ قبر میں بھی زندگی عطا فرماتا ہے۔

شہداء کی برزخی زندگی کے بارے میں صحابہ کرام کی گواہیاں اور صحابہ کے فیصلے موجود ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس دین میں جان دینے والوں کیلئے جو انعامات ہیں ان کی وضاحت سالہا سال گزر جانے کے باوجود ان کی روشن قبروں سے ہو رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعد از وصال بھی تابندگی عطا فرمائی گئی تھی۔

اسد الغابہ میں ہے کہ

ایک شخص نے حضرت طلحہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ مجھے قبر سے منتقل کرو اس موقع پر گھر والوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فتوی پوچھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ خواب میں آ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ میری جگہ بدلو تو کیا اب قبر اکھاڑی جا سکتی ہے، ان کو باہر نکالا جا سکتا ہے۔

تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ذات اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مقام، اُس کے لحاظ سے اس جواب کو خاص سمجھنا چاہیے۔ یعنی آج کسی کے لئے مناسب نہیں کہ کوئی بندہ کسی کو خواب میں ملے اور کہے کہ میں قبر میں زندہ ہوں آ کر میری قبر اکھاڑو اور دوسری جگہ منتقل کر دو۔ لہذا آج کسی کے خواب میں ملنے کے بعد قبر کو اکھاڑنا جائز نہیں ہے۔

یہ خاص لوگوں کے خاص احوال کے پیش نظر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے اجازت دے دی کہ ٹھیک ہے تم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی قبر کو اکھاڑو اور انہیں دوسری جگہ منتقل کر دو۔

تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی قبر کو اکھاڑا گیا۔

وَنَظَرُوْا فَاِذَاً شِقُّهٗ الَّذِیْ یَلِی الْاَرْضَ قَدِ اخْضَرَّ مِنْ نَزِّ الْمَاءِ

جس وقت لوگوں نے دیکھا تو وہ حصہ جو زمین کے ساتھ لگا ہوا تھا اس تک پانی کا اثر پہنچ چکا تھا اور پانی کے اثرات بدن کے اس حصے پر نظر آرہے تھے۔

لہٰذا وہاں سے جس وقت آپ کو باہر نکالا۔

فَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی الْکَافُوْرِ فِیْ عَیْنَیْهِ

آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا نظر آرہا تھا، آنکھوں میں کافور گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔

لَمْ یَتَغَیَّرْ عَقِیْصَتُهٗ فَاِنَّهَا مَالَتْ عَنْ مَوْضِعِهَا

صرف سر کی چوٹی کے چند بال پراگندہ تھے۔ باقی پورا بدن صحیح سلامت تھا۔

ان کیلئے باقاعدہ ایک حویلی خریدی گئی اور پھر نئے سرے سے ان کی قبر وہاں بنائی گئی۔ یہ شہداء کی عظیم زندگی ہے کہ بعد از وصال ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی حیثیت دی جاتی ہے کہ جس کی بنیاد پر قبر میں تابندگی ہے، قبر میں زندگی ہے۔

سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے کہا تھا

میں قربان انھاں تھیں باہو
قبر جنھاں دی جیوے ہو

یہ قبروں کی زندگی کا عالم ہے۔ یہ کوئی قصہ نہیں، کہانی نہیں صحیح اسناد کے ساتھ پہنچنے والا وہ مضمون ہے جس میں اسلام کی شان و شوکت کو دوبالا کیا جا رہا تھا۔

جس وقت حضرت ولید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ مدینہ شریف کے گورنر تھے۔ اور ولید بن عبدالملک اس وقت کا حاکم تھا۔

ایسے زمانہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور کی دیوار گر گئی۔

اَخَذُوْا فِیْ بِنَاءِ ہٖ

تو اس دیوار کو دوبارہ بنانا شروع کیا گیا۔

دیوار کی بنیاد مضبوط کرنے کیلئے اس دیوار کو کھودا گیا تا کہ نیچے سے دیوار کو مضبوط بنا کر اوپر اٹھایا جائے۔ جس وقت دیوار کھودی گئی۔

بَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ

تو ایک قدم ننگا ہو گیا۔

روضہ پاک میں تین عظیم شخصیات کی ترتیب

حجرہ مبارک میں تین عظیم شخصیات موجود ہیں، ان کی ترتیب اس طرح ہے کہ قبلہ والی جانب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے جلوہ گر ہیں پھر جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک ہے وہاں آپکی پشت کے پیچھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا چہرہ مبارک ہے۔ پھر جہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ مبارک ہے وہاں تیسرے نمبر پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ہے۔ یعنی اس طرح حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں یہ شخصیات موجود ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خواب آیا تھا کہ میرے گھر میں تین چاند اترے ہیں تو اس کی تعبیر یہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دونوں یار یہ تین چاند وہاں پر موجود ہیں۔

جس وقت روضہ شریف کی دیوار گری اور پھر جس وقت اس کی تعمیر کرنے کیلئے کچھ مٹی ہٹائی گئی۔ تو ایک قدم صحیح سلامت ظاہر ہو گیا۔

فَفَزِعُوْا

لوگ گھبرا گئے۔

وَظَنُّوْا قَدَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

سب نے یہ گمان کیا کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم مبارک ہوگا۔

اور لوگ گھبرا گئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام میں خلل آ گیا ایسی صورتحال میں صحابہ کرام کو گھبراہٹ تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاکیزہ زندگی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیٹے حضرت سالم رضی اللہ عنہ آئے اور قدم کی زیارت کی اور کہا کہ

اِنَّهَا قَدَمُ جَدِّهٖ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم نہیں ہے یہ میرے دادا جان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قدم کی شناخت ان کے پوتے حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے کی اور کہا کہ یہ تو میرے دادا جی کا قدم ہے۔

حَتّٰى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ

یہاں تک کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ گئے اور انہوں نے آ کر دیکھا تو کہنے لگے

لَا وَاللّٰہِ مَا ھِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ ﷺ مَا ھِیَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ ج ۱ ص ۱۸۶ القدیمی کتب خانہ کراچی)

نہیں خدا کی قسم یہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم نہیں ہے۔ بلکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا قدم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے قدم کی گواہی حضرت عروہ رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے بھی دی گئی۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ یار ہیں جن کے قدم اور بدن آپکی برکت سے سلامت ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تو شہید ہوئے تھے اور ان کا قدم بھی بالکل سلامت تھا۔

دربار مصطفی ﷺ ایک بہت بڑا سہارا

اصل میں بخاری کے اس مقام کو سامنے رکھ کر آج اس فیصلے کی ضرورت ہے کہ ہم جس وقت در رسول علیہ السلام پر حاضری کیلئے جاتے ہیں تو وہ لوگ کتنے عجیب ہیں جو کہتے ہیں کہ ادھر کیوں دیکھتے ہو اس میں کیا ہے ؟ کیوں روتے ہو ؟ کیوں چیختے ہو ؟ یہ تو خالی جگہ ہے۔ وہاں پر مبلغ کھڑے ہوتے ہیں جو یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں یہاں کچھ نہیں معاذ اللہ حالانکہ جس جگہ میں سالہا سال کے بعد محبوب ﷺ کے غلاموں کا بدن سلامت ہو تو خود سید المرسلین ﷺ کے بدن مبارک کی کیا شان ہوگی۔

بخاری شریف کی اس حدیث کے مطابق کسی مومن کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہاں پر درود و سلام پڑھنے والوں کو منع کرے اور دعا مانگنے والوں کے ہاتھ پیچھے ہٹائے۔

انہیں پتہ نہیں کہ کعبہ کا کعبہ تو یہی ہے۔

حاضری کے وقت چہرہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

اس واسطے کہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے ابو جعفر منصور کی طرف سے پوچھا گیا کہ۔اے امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ میں نبی علیہ السلام کے دربار پہ حاضری دوں تو چہرہ قبلہ شریف کی طرف کروں یا نبی علیہ السلام کی طرف کروں تو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ان کی طرف منہ کرو جو تمہارے ابا جی حضرت آدم علیہ السلام کا بھی قبلہ ہیں۔

سامعین جن سے سفارش کروانی ہو ان کی طرف پیٹھ نہیں کرنی اس واسطے کہ یہ ہمارے شفیع ہیں ان کی طرف منہ کرو۔اگر چہ قبلہ حسی تو وہ ہے لیکن کعبہ کا کعبہ تو یہ ہیں۔ ادھر تم نے منہ کرنا ہے اور اس کی طرف منہ کر کے دعا مانگنی ہے۔اللہ تعالیٰ وہاں پہ مسلط طبقے کو ہدایت دے جو عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقیدتوں کو چھلنی کر رہے ہیں۔اور ایسے جملے بولتے ہیں اور پھر جان بوجھ کے اس طرف پشت کر کے کھڑے ہوتے ہیں جدھر کائنات کی ہر چیز چہرہ کرنے والی ہے۔

تو وہاں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم مبارک ننگا ہوا تو وہ معاذ اللہ کپڑوں سے کھایا ہوا نہیں تھا بلکہ وہ زندہ انسان کا قدم نظر آ رہا تھا۔اور اس لائق تھا کہ پوتا پہچان سکے کہ وہ دادے کا قدم ہے۔جو جل جائے، راکھ ہو جائے، مٹی بن جائے، اس کی شناخت کیسے ہوگی تو اس سے پتہ چلا کہ میرے محبوب کا دربار خاص نور کی کہکشاں ہے۔

محبوب رب پاک ہیں اس قبہ میں
پہلو میں جلوہ گر جگہ عتیق و عمر کی ہے

وہ دونوں اصحاب حضرت صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپکے پہلو میں موجود ہیں اور قیامت تک اعلان ہو رہا ہے کہ یہ وہ حضرات ہیں جن کو امت میں سب سے بڑا مقام دیا گیا ہے۔

حضرت امام العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک شیخین کا مرتبہ

حضرت امام العابدین رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مرتبہ تمہارے نزدیک کیا ہے ؟ تو فرمانے لگے مجھ سے کیا پوچھتے ہو ان کی قبریں جا کر دیکھ لو وہ قبریں بتا رہی ہیں کہ مرتبہ کیا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو جس انداز میں دین کی عظمتیں عطا فرمائیں اور جس انداز میں آگے وہ دین پھیلا اور وہ نور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جلوہ گر ہوا وہاں سے لے کر آج کے شہیدوں تک یہ سلسلہ نکہت و نور کا جاری ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ادب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

جس وقت جنگ یمامہ میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تھے یہ وہ صحابی ہیں جن کی آواز فطری طور پر بلند تھی۔

جب یہ آیت اتری

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ

(پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات آیت ۲)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو

تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر بیٹھ گئے اور رونا شروع کر دیا۔ کئی دن تک دربار رسالت میں حاضری نہ ہو سکی۔ آخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا ثابت بن قیس نظر نہیں آرہا تو پڑوسی نے کہا کہ جب سے یہ آیت اتری ہے تو وہ گھر میں بیٹھ کر روتے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ آواز بلند ہو گئی تو زندگی ساری خراب ہو جائے گی اس سے اچھا ہے کہ گھر میں بیٹھا رہوں لیکن ادھر گھر رہ کر فراق برداشت نہیں ہوتا وہ رو رہے ہیں۔

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے ثابت کو بلا کے لے آؤ۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ تو انہوں نے عرض کر دیا کہ مجھے خطرہ ہے میں اونچا بول بیٹھوں گا کیونکہ فطری طور پر میری آواز بلند ہے لہٰذا بلند آواز ہونے کی وجہ میرے عمل رائیگاں ہو جائیں گے۔

﴿ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تین بشارتیں﴾

میرے آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

أَمَا تَرْضَى أَنْ تَعِيشَ حَمِيدًا، وَتُقْتَلَ شَهِيدًا، وَتَدْخُلَ الْجَنَّةَ؟

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۲۲ مکتبہ حقانیہ پشاور)

کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تم جب تک زندہ رہو گے تو خوش رہو گے اور وقت آئے گا موت کا تو شہادت پاؤ گے اور پھر سیدھے جنت میں چلے جاؤ گے۔

تمہیں کیا خطرہ ہے میں جو تمہیں بتا رہا ہوں۔ تجھ پر وہ لمحہ نہیں آئے گا کہ عمل رائیگاں ہو جائیں، وہ کوئی اور ہو سکتا ہے۔ تم خوش رہو، آزاد رہو، تم آیا کرو اور میرے پاس بیٹھا کرو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم حمید زندہ رہو یعنی کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوگا کہ تم اللہ کے دربار کے مغضوب ہو جاؤ، نہیں تمہیں میں گارنٹی دیتا ہوں کہ تم حمید رہو گے تمہیں خراج تحسین پیش کیا جائے گا۔

وَتُقْتَلَ شَهِيدًا

مرنا تو سب نے ہے لیکن تمہیں شہادت کی موت ملے گی۔

وَتَدْخُلَ الْجَنَّةَ

اور تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

کیا علم ہے ہمارے رسول علیہ السلام کا کہ آپ نے ساری خبریں دے دیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ کل کا پتہ نہیں تھا، پرسوں کا نہیں تھا لیکن میرے محبوب علیہ السلام نے پوری زندگی کی ان کو گارنٹی دی کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ لہذا تم آیا کرو تمہارا ایک اپنا انداز ہے اگر آواز اونچی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت نہیں کرے گا۔

میں نے کہہ جو دیا ہے۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں شہادت بھی ملے گی یہ بھی غیب کی خبر تھی اور پھر فرمایا کہ تم جنت میں بھی جاؤ گے۔

ان لوگوں کو اپنی فکر کا علاج کروانا چاہیے جو یہ کہیں کہ (معاذ اللہ) ہمارے نبی

علیہ السلام کو پتہ نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔ وہ تو صبح وشام جنتیں بانٹ رہے تھے۔

فرمایا اے ثابت تم خوش رہو تم ایسی زندگی بسر کرو گے کہ تمہاری تعریف کی جائے گی لیکن جس وقت موت آئے گی تو شہادت کی صورت میں چلے جاؤ گے۔

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ جنگ یمامہ یعنی ختم نبوت کی جنگ جو مسیلمہ کذاب کے خلاف شروع ہوئی تھی۔ مسیلمہ کذاب کا لشکر 40 ہزار پر مشتمل تھا اور پھر یہ جنگ بڑی سخت تھی جو کئی ہفتوں تک جاری رہی۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی دین کے ساتھ وفا شعاری

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود ہیں اور دونوں ہی اپنی بہادری کے ساتھ جنگ میں حاضری لگوا رہے ہیں۔ ایسے میں جب ایک دو مرتبہ غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیسی کے تحت پیچھے ہٹنا پڑا اور پھر حملہ کیا۔

تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

مَا هٰكَذَا كُنَّا نُقَاتِلُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صدارت میں ایسی جنگیں تو نہیں لڑتے تھے۔ اب جو کچھ ہو جائے ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام چند ہزار تھے۔ بالآخر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے زمین میں گڑھا کھود لیا اور فرمایا کہ یہاں اپنے آپ کو گاڑھیں گے اور تیر ماریں گے جو کچھ ہو جائے گا قدم تو پیچھے نہیں ہٹے گا۔

یہ اسلام میں وفا شعاری کا تصور ہے، خودکشی کا نہیں ہے کہ اس انداز میں اپنے آپ کو لڑنے کیلئے پیش کر دینا کہ بھاگنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

مگر لڑنا ہے اور پھر لڑ کے ہم نے شہادت بھی پانی ہے لہذا اپنے آپ کو گاڑھا ہوا ہے کہ ہم بھاگیں گے نہیں یہ دونوں اس انداز میں لڑ رہے ہیں اور ساتھ یہ دونوں ہم جماعت بھی ہیں۔ یہ دونوں حضرات لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اسی جگہ یہ شہادت عطا فرما دی۔

جب ان کو شہادت مل گئی تو حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ شہید ہونے والے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ ایک شخص کو خواب میں ملے اور کہنے لگے۔

فَقَالَ لَهٗ اُوْصِيْكَ بِوَصِيَّةٍ

میں تمہیں ایک وصیت کرنے آیا ہوں

فَإِيَّاكَ أَنْ تَقُوْلَ هٰذَا حُلُمٌ فَتُضِيْعَهٗ

اس کو خواب سمجھ کے ضائع نہ کر دینا۔ یعنی انہیں معلوم ہے کہ میں خواب میں مل رہا ہوں اور لوگ خواب کو خواب کہہ دیتے ہیں۔ فرمانے لگے میں تمہیں ملنے آیا ہوں اور ایک وصیت کر رہا ہوں اس کو تم خواب نہ سمجھنا میرا پیغام آگے جا کر ضرور دینا فرمانے لگے۔

اِنِّیْ لَمَّا قُتِلْتُ اَمْسِ

کل جس وقت مجھے شہید کیا گیا

مَرَّ بِیْ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ

ایک مسلمان میرے پاس سے گزرا

اب شہید کو پتہ ہے کہ گزرنے والے کے دل میں کفر ہے یا ایمان ہے۔

میرے پاس سے ایک مسلمان جب گزرا

فَأَخَذَ دِرْعِي

اس نے میری زرہ اتار لی ہے

میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتا ہے

وَمَنْزِلُهُ فِي أَقْصَى النَّاسِ

یمامہ کی چھاؤنی میں اس کا گھر سب سے آخر میں ہے۔

وَعِنْدَ خِبَاءِهِ فَرَسٌ

خیمے کے پاس گھوڑا باندھا ہوا ہے۔

خیمے کے اندر ایک کونے میں میری زرہ رکھی ہے

وَقَدْ كَفَأَ عَلَى الدِّرْعِ بُرْمَهُ وَفَوْقَ الْبُرْمَةِ رَحْلٌ

(المعجم الکبیر ج ۲ ص ۷۰ دار الاحیاء والتراث)

اور اس نے زرہ کے اوپر دیگچہ رکھا ہے اور پھر اس دیگچہ کے اوپر کجاوا رکھا ہوا ہے۔
سب سے نیچے زرہ ہے اس کے اوپر دیگچا ہے پھر اس کے اوپر اونٹ کا کجاوا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کسی کو پتہ نہیں ہوتا ہاں انہیں پتہ نہیں ہوتا جو دنیا میں ہی مرا ہوا ہو۔ لیکن جو دنیا میں جیتے ہیں ان کی زندگی قبر میں بھی موجود رہتی ہے۔

علامہ محمد اقبال کا سُنی عقیدہ

اقبال کہا کرتے تھے۔

تخم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے

سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کے اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قباء زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں یہ اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے

یہ برصغیر کے شاعر کا مزاج ہے کیونکہ برصغیر کا مزاج ہی سنی ہے۔اس لئے جو بڑے سے بڑا شاعر ہوتا ہے اس نے حقیقت میں سُنّی ہی ہونا ہے۔

علامہ اقبال نے اسی کی وضاحت کر دی جو قرآن وسنت میں آیا ہے۔

پھر اس ماحول میں ایک پورا طبقہ ہے جو قبروں کی دشمنی میں مشہور ہے۔زندہ جو کچھ کرتے رہیں کچھ نہیں بولیں گے۔لیکن قبروں کے ساتھ دشمنی پوری کریں گے۔

لیکن ادھر دیکھیں کہ ایک صحابی شہید ہو گئے ہیں۔

ان کو اپنی قبر میں پتہ ہے کہ ایک مسلمان میرے پاس آیا تھا اس کے دل میں کیا تھا جب وہ گزرا ہے تو کیا کر کے گزرا ہے اور وہ گیا۔ہے تو کہاں گیا ہے۔اور پھر میری زرہ رکھی ہے تو کہاں رکھی ہے، فاصلہ بھی ہے، پھر ڈبے کا پردہ بھی ہے، پھر کجاوے کا پردہ ہے اور پھر دیگچے کا پردہ ہے پھر اس کے نیچے زرہ ہے۔مگر وہ سب کچھ قبر والے کی آنکھ کے سامنے ہے۔

غلامانِ مصطفیٰ ﷺ ہر وقت نگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں

تو جس محبوب کے غلام کی نگاہ بعد از وصال اتنی تیز ہو تو اس کے آقا علیہ السلام کی نگاہ کا عالم کیا ہوگا۔ اس واسطے رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں جو روضہ پہ آیا ہے اس کے دل میں کیا ہے۔ سلام کہہ کے گیا ہے تو کدھر گیا ہے اور پھر رہتا کہاں ہے، کرتا کیا ہے۔

ادھر یہ انداز حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جیسے جن محبوب علیہ السلام کے غلام ہوں۔ ان محبوب ﷺ کے اپنے علم کا عالم کیا ہوگا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورا سروے کر کے بتا دیا کہ یہ میرا خواب ہے یہ نشانیاں ہیں لیکن اب تم نے کیا کرنا ہے۔

اِئْتِ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ

اس وقت ہمارے کمانڈر حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہیں۔ لہذا تم صبح اُٹھ کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے جانا۔

فَمُرْہُ،

اور انہیں حکم دو

أَنْ يَّبْعَثَ إِلٰى دِرْعِيْ

کوئی بندہ بھیج کر میری زرہ منگوا لیں۔

فَيَأْخُذَهَا

اور پھر اس کو پکڑ لیں۔

زرہ کیوں لینا ضروری ہے۔ فرمانے لگے اصل میں بات یہ ہے کہ میں نے

لوگوں کا قرضہ دینا ہے۔ اور یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ زرہ چور لے جائے اور قرض خواہ دیکھتے رہیں پھر میرا دوسرا پیغام یہ ہے۔

وَإِذَا قَدِمْتَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

اور جب تم مدینہ شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ کے پاس جاؤ

فَقُلْ لَهٗ إِنَّ عَلَيَّ مِنَ الدَّيْنِ كَذَا وَكَذَا

تو پھر تم ان سے کہو کہ مجھ پر اتنا قرضہ ہے۔

دوسرے مقام پر ہے کہ میں نے فلاں سے اتنے لینے ہیں،

تو امیر المومنین سے جا کر کہو جن سے میں نے قرضہ لینا ہے ان سے جا کر قرضہ لیں اور جن کو میں قرض دینا ہے میری زرہ بیچ کر میرا قرضہ اتار دیں۔

صبح کے وقت جب وہ صحابی اٹھے اور انہیں یقین تھا کہ میں نے خواب کو خواب نہیں سمجھنا بلکہ رڈر سمجھنا ہے۔

فَأَتَى الرَّجُلُ خَالِدًا فَأَخْبَرَهٗ

وہ صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور انہیں جا کر اس کی خبر دی

فَبَعَثَ إِلَى الدِّرْعِ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک صحابی کو زرہ لینے کے لئے بھیجا تو وہ صحابی نشانیوں کے مطابق چلتے گئے تو چھاؤنی کے آخر میں ایک خیمہ دیکھا اس کے باہر گھوڑا باندھا ہوا تھا اس خیمے کے اندر گئے تو دیکھا ایک کونے میں کجاوا پڑا۔ جب وہ کجاوا اٹھایا تو اس کے نیچے دیگچہ تھا پھر اس کے نیچے دیکھا تو زرہ موجود تھی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک آنکھ ہے۔ شہید کا ادراک اتنا تیز ہے۔

وَأَتَى بِهَا

لہٰذا وہ صحابی زرہ لے کر آ گئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ لے لی۔

پھر جب وہ قافلہ فتح کے بعد مدینہ شریف پہنچا تو اس صحابی نے جسے خواب میں حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے تھے

وَحَدَّثَ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِرُؤْيَاهُ

انھوں نے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا کر سارا خواب کا واقعہ سنا دیا کہ انھوں نے فلاں فلاں سے قرض لینا ہے اور فلاں فلاں کو دینا ہے۔

صحابہ کرام کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو یہ نہیں کہا کہ وصیتیں تو مرنے سے پہلے ہوتی ہیں۔ مرنے کے بعد کی وصیت اسلام میں نافذ نہیں ہوتی وصیت وہ موثر ہے جو مرنے سے پہلے کوئی کر کے گیا ہو۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کہتے ہیں۔ ہم قربان جائیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر کہ دوسرے لوگوں کی وصیتیں بعد از وصال غیر نافذ ہوتی ہیں مگر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کو نافذ کیا جائے گا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس وصیت کو نافذ کر دیا، جن سے قرض لینا تھا ان سے قرض لیا اور جن کو قرض دینا تھا ان کو قرض واپس کر دیا تو بحیثیت امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ نے صرف وصیت ہی نافذ نہیں کی بلکہ سنی عقیدہ بھی نافذ کر دیا۔

اس فیصلے میں تصدیق اس انداز کی بھی آ گئی کہ قبر والے کی حیات کا اعتبار کرنا یہ کوئی پندرھویں صدی میں جا کر عقیدہ نہیں بنا بلکہ یہ تو صُفّہ والوں کا بنایا ہوا ہے۔ وہاں

سے چل کے آیا ہے انداز ہر ایک کا اپنا ہے کہ اس کا درجہ اور گریڈ کیا ہو گا۔

اس میں جو سنٹرل روح ہے وہ یہ ہے کہ قبر میں جانے کے بعد اگر کوئی جان لے تو شرک نہیں ہے، بدعت نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسا نور عطا فرما دیتا ہے۔

﴿ایک شہید کی دنیا میں والدین سے ملاقات﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا اس زمانہ پاک میں ایک شخص شام میں کھیتی باڑی کرتا تھا۔ ایک دن وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ اپنے خرمن میں موجود تھا۔

وَكَانَ لَهٗ اِبْنٌ اُسْتُشْهِدَ قَبْلَ ذَالِكَ

کئی سال قبل اس کا ایک بیٹا شہید ہو چکا تھا

اِذْ رَاٰى الرَّجُلَ

انہوں نے دور سے ایک انسان کو ڈیرے کی طرف آتے ہوئے دیکھا جو گھوڑے پہ سوار ہو کر آ رہا تھا۔

قَدْ اَقْبَلَ يَافُلَانَةَ اِبْنِىْ وَابْنُكِ

(مشارع الاشواق الی مصارع العشاق ص ۷۰۸ دارالبشائر الاسلامیہ)

وہ قریب آ گیا اور کہا کہ خدا کی بندی تیرا اور میرا بیٹا آ گیا ہے جو کئی سال پہلے شہید ہو چکا تھا۔

قَالَتْ لَهٗ

اس کی زوجہ نے کہا کہ نہیں تجھے شیطانی خیال ہے۔

اِبْنُكَ قَدِ اسْتُشْهِدَ

کئی سال پہلے تو تیرا بیٹا شہید ہو گیا تھا اب وہ کیسے آ سکتا ہے۔

وَاَنْتَ مَفْتُوْنٌ

تو فتنے میں پڑ گیا ہے وہ ہمارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔

اتنے میں وہ سوار مزید قریب آ گیا جب وہ مزید قریب آیا اور باپ نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہنے لگا۔

اِبْنُكِ وَابْنِیْ

یہ تو واقعی تیرا اور میرا بیٹا ہے

وَاللّٰهِ یَا فُلَانَةَ

خدا کی قسم یہ تو ہمارا بیٹا ہے جو سوار بن کے آ گیا ہے

وَنَظَرَتْ فَقَالَتْ

اس کی زوجہ نے بھی دیکھا اور کہنے لگی۔

هُوَ وَاللّٰهِ

خدا کی قسم وہی ہے وہی ہے۔

یہ تو ہمارا بیٹا آ گیا اتنے سال پہلے شہید ہوا تھا۔

اتنے میں وہ قریب آ گیا۔

فَوَقَفَ عَلَیْهَا

وہ آ کر کھڑا ہو گیا

اس کے ابا جی نے کہا۔

اَلَیْسَ قَدِ اسْتُشْهِدْتَ یَا بُنَیَّ

اے میرے پیارے بیٹے تم تو شہید ہو گئے تھے۔ تو پھر آج کیسے یہ سواریاں کرتے پھر رہے ہو؟

قَالَ بَلٰی

تو اس نے کہا ہاں اس میں کوئی شک نہیں میں شہید ہوا تھا۔

﴿شہیدوں کی شرکت جنازے میں﴾

لیکن آج ایک خصوصی دن ہے۔

لٰكِنْ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ رضی اللہ تعالی عنہ تُوُفِّيَ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ

آج اس گھڑی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ فوت ہوئے ہیں،

جن کو عدل کی وجہ سے پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے۔ نیک سیرت انسان کا وصال ہو گیا ہے۔

اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ مدینہ شریف کے گورنر تھے۔ لیکن یہ بات شام کی ہے ادھر وہ مدینہ شریف میں فوت ہوئے ہیں اور ابھی تک شام کے لوگوں کو کوئی خبر نہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ابھی زندہ ہیں۔ مگر ایک منٹ میں ان کی وفات کے فوراً بعد یہ نوجوان اپنے والدین کے پاس پہنچا ہے تو اس نے یہ خبر دی۔

کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ آج اس وقت فوت ہوئے ہیں۔

جس وقت ان کا وصال ہوا ہے تو

وَاسْتَاذَنَ الشُّهَدَاءُ رَبَّهُمْ فِيْ شُهُوْدِهٖ

شہیدوں نے رب کے سامنے اپنی عرضی پیش کی ہے کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھنا ہے۔ شہیدوں نے اللہ تعالیٰ سے اذن مانگا کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ کا جنازہ پڑھنا ہے

فَکُنْتُ فِیهِمْ

میں اذن مانگنے والوں میں تھا کہ میں نے بھی جانا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی۔ لہٰذا ہم نے اصل تو جنازہ میں جانا ہے لیکن میں نے رب سے ایک اور بھی اجازت مانگ لی تھی۔

فَاسْتَاذَنْتُ

میں نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی کہ میں نے آج اپنے ابو اور امی کو سلام بھی کرنا ہے۔ میں نے کہا یا اللہ مجھے کئی سال شہید ہوئے گذر گئے۔ میرے ابا جی اور امی جی میرے فراق میں ہر وقت روتے رہے اور پھر تیرا شکر کیا کہ تو نے مجھے شہادت دی ہے۔

کئی سال گزر گئے ہیں میں انہیں سلام کرنا چاہتا ہوں۔

اب سلام کرنے والے کو پتہ ہے کہ اب میرے والدین ڈیرے پہ آئے ہوئے ہیں اور اس وقت وہ اپنے خرمن میں ہیں لہذا سلام کرنے کیلئے پہنچے ہیں تو اپنے ابا جی سے کہنے لگے ٹھیک ہے مجھے یاد ہے کہ میں شہید ہوں اور میری امی مجھے پتہ ہے کہ میں شہید ہوں۔ مگر میرا رب تو لکڑیوں میں بھی جان ڈال دیتا ہے میں اس کی اجازت سے یہاں آیا ہوں تاکہ جا کر سلام کہہ آؤں۔

ثُمَّ دَعَا لَهُمَا فَانْصَرَفَ

پھر اپنے والدین کیلئے دعا مانگی اور واپس چلے گئے۔

یہ مقام شہید ہے اور ان کی زندگی کہ اللہ تعالیٰ جن سے اپنے بندوں کو سرفراز فرماتا ہے۔

وہ شہدا جو تلوار سے شہید نہ بھی ہوئے مگر انہوں نے نفس کشی کی اور شیطان کے

خلاف جہاد کیا اور پھر جہاد اکبر میں مصروف رہے یہ اللہ کے ولی، اگر کوئی واقعی ولی ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے قبر میں اس کی حیثیت کے مطابق زندگی عطا فرما دیتا ہے۔

تو پھر کیا بعید ہے اگر حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کو پتہ ہو کہ زرہ کون اتار رہا ہے تو کیا بعید ہے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چل جائے کہ فاتحہ کون پڑھ رہا ہے یہ کمال تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہے اور یہ عطا تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔

پہرہ اور پابندی کون لگا سکتا ہے اگر یہ شرک ہے تو پھر حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کیلئے بھی ہونا چاہیے اگر وہاں توحید ہے تو پھر یہاں بھی توحید ہے۔

مزارات پہ غیر شرعی حرکات ایک سازش

ہاں مزارات پہ کوئی خرافات نہیں ہونی چاہیں جو ملنگوں، بدھوؤں اور جاہلوں نے بنالی ہیں ہم اپنے مسلک سے اپنے لوگوں کی اصلاح کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

جو کہ اصل میں کہیں اور سے آکر جڑی بوٹیاں بن گئے ہیں۔

ہمارے ماحول میں اصل جن کا چہرہ کوئی اور ہے تشیع کی گود میں پل کے وہ ملنگ ہمارے مزارات پر آکر بھنگیں پینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے خلاف بھی جہاد کی ضرورت ہے۔ مگر ایسے لوگوں کو تو سمجھانے کی ضرورت ہے جو چڑھے چاند کا انکار کریں۔ یا چمکنے والے چاند کی طرف تھوکنے کی کوشش کریں یا نصف النہار کے وقت آنکھیں بند کر کے روشنی سے مکر جائیں۔

جبکہ ولایت ایسی چیز نہیں کہ جس کیلئے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جیسے آج کچھ نام نہاد مبلغین نے گھڑ لیے۔

کہتے ہیں جو تمہارے سامنے اکڑ گیا، سکڑ گیا، آنکھیں پتھرا گئیں، زمین پر گر گیا وہ قبر میں جا کر زندہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسے بے لگام مبلغ حجاز میں مسلط کر دیئے گئے ہیں جبکہ ادھر یہ صحابہ کے وقائع ہیں جو بخاری سے پیش کر رہا ہوں۔

کیا ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جان نہیں نکلی تھی، تلواریں نہیں چلیں تھیں۔ ان کا خون بہہ گیا تھا مگر قبروں میں جا کر جو کچھ ہے وہ بتا رہے تھے اور یہ اعلان کر رہے تھے کہ مرنے والے اور ہوتے ہیں، مر کے جینے والے اور ہوتے ہیں۔

نجدیوں کی ہرزہ سرائی

گذشتہ حج کے موقع پر جب مدینہ شریف حاضری دینے کیلئے گئے تو دو تین "شُطرِ ے" کھڑے تھے اور لوگوں کو درس دے رہے تھے۔ ارے تم تو اردو بولتے ہو یہ تو عربی والے ہیں تو تمہاری اردو کا ان کو پتہ کیسے چلے گا۔ ان کا بہانہ دیکھو۔ اردو کا انہیں پتہ کیسے چلے گا تو پھر تمہارے مذہب کے مطابق عربی والے کو تو اپنی حاجت پیش کر لینی چاہیے عربی تو کم از کم وہ جانتے ہی ہیں۔

افسوس ہے ایسی فکر اور ایسی سوچ پر کہ شہید تو ہزاروں بولیاں جانتا ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے علاوہ ایک بولی بھی نہ جانتے ہوں حالانکہ وہاں عربی، اردو، انگلش کی حیثیت کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جن میں جان رکھتا ہے کیا ان میں زمان کا علم نہیں رکھتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔

اور پھر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی خیرات کے صدقے یہ ساری چیزیں ان کے سامنے ہوتی ہیں اور وہ ان کو جاننے والے ہوتے ہیں۔

تفسیر مظہری کا ایک حوالہ بطور خاص پیش اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بزرگ تو ہمارے ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی ہیں جنہوں نے عربی میں بہت بڑی تفسیر لکھی ہے لیکن ان پر کچھ لوگوں نے قبضہ کرنے کیلئے اپنے علماء میں ان کا نام لکھا۔

تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں اپنی علمی شان بڑھانے کیلئے جن کو تم اپنا کہتے ہو ان کا عقیدہ بھی مان لو۔

''ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات'' کے نام کی ایک کتاب میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو اپنا عالم شمار کیا اور کہا کہ یہ ہمارا عالم تھا جنہوں نے اتنی بڑی تفسیر لکھی۔ چلو اپنا کہہ کے پھر مزہ بھی چکھو۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر لکھی۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

(پارہ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۴)

اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں

شہداء کی حیات کا معنیٰ ومفہوم

اس کے تحت لکھتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِىْ لِاَرْوَاحِهِمْ قُوَّةَ الْاَجْسَادِ فَيَذْهَبُوْنَ مِنَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَالْجَنَّةِ حَيْثُ يَشَاؤُوْنَ وَيَنْصُرُوْنَ اَوْلِيَائَهُمْ وَيُدَمِّرُوْنَ اَعْدَاءَهُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمِنْ اَجَلِ ذٰلِكَ الْحَيٰوةِ لَا تَاْكُلُ الْاَرْضُ اَجْسَادَهُمْ وَلَا اَكْفَانَهُمْ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵۲)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا (بـل احیـاء) اس کا مطلب کیا ہے۔ فرماتے ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسموں والی طاقت دے دیتا ہے۔ پھر ان کی روحیں ساری زمین پر جاتی ہیں اور آسمانوں پر اور جنت میں بھی کس کس جگہ۔

حَيْثُ يَشَاؤُوْنَ

جہاں جانا چاہیں وہاں چلی جاتی ہیں۔

زمین و آسمان اور جنت میں جہاں جائیں وہاں روح جسم بن کے چلی جاتی ہے

﴿بعد از وصال مشکل کشائی﴾

پھر وہ کرتے کیا ہیں۔

وَيَنْصُرُوْنَ اَوْلِيَائَهُمْ

اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں۔

وَيُدَمِّرُوْنَ اَعْدَائَهُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رہ کے کرتے ہیں۔

اگر رب چاہے تو یہ شہید دشمنوں کیلئے ایٹم بم ہیں۔

ان شہداء کو یہ شان حاصل ہے۔

وَمِنْ اَجَلِ ذٰلِكَ الْحَيٰوةِ

اس زندگی کی وجہ سے جو ان کو حاصل ہے کیا ہوتا ہے

لَا تَاكُلُ الْاَرْضُ اَجْسَادَهُمْ

زمین ان کے جسم نہیں کھاتی

وَلَا اَكْفَانَهُمْ

اور ان کے کفن بھی نہیں کھاتی۔

یعنی جسم تو جسم رہا کفن بھی نہیں کھاتی۔

انبیاء کی برزخی زندگی سب سے قوی تر

اس مقام پر پہنچ کر قاضی صاحب کا قلم تڑپا اور فرمانے لگے۔

بَلْ حَيَاةُ الْاَنْبِيَاءِ اَقْوٰى مِنْهُمْ

بلکہ انبیاء کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں زیادہ قوی ہے

یہ تو شہیدوں کی حیاۃ تھی جن کا کلمہ پڑھ کر شہید ہوئے ان کی اپنی زندگی کیسی ہو گی اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی زندگی انوکھی ہے شہیدوں کی زندگی سے اور پھر ان انبیاء کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں زیادہ قوی ہے کیونکہ شہید جب دنیا سے چلا جائے تو اس کا ترکہ بٹ جاتا ہے۔ اور اس کی بیوہ سے شادی جائز ہے۔

انبیاء کی زندگی کے اقوی ہونے کی وجوہات

اللہ تعالیٰ کے انبیاء جب دنیا سے چلے جاتے ہیں تو ان کا ترکہ نہیں بٹتا کیونکہ جو زندہ ہو اس کا ترکہ بٹے کیسے ؟ ان کا ترکہ اور ورثہ تو ان کا علم ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوہ کیساتھ کسی کی شادی جائز نہیں تھی۔ کیوں کہ جن کے شوہر زندہ ہوں ان سے شادی کیسے جائز ہو؟ مگر شہید کے زندہ ہونے کے باوجود شہید کا ترکہ بھی بٹ گیا شہید کی بیوی سے آگے شادی بھی ہو گئی۔

تو اس سے پتہ یہ چلا کہ اللہ کے پیغمبروں کی زندگی ان کی زندگی سے کتنی زیادہ اونچی ہے۔

اس واسطے یہ دین متین کا مزاج اور اس کا درس ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو اس امت میں ایسی گواہیاں ملیں گیں۔

محمد شریف کوٹلوی رحمہ اللہ تعالی کا ساٹھ سال بعد بدن سلامت

جس وقت ہمارے مرشد گرامی پیر جلال الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی بریلی شریف میں پڑھنے گئے تھے۔ دورہ حدیث شریف پڑھ رہے تھے ان دنوں میں بطور مقرر مولانا بشیر احمد کوٹلی رحمہ اللہ تعالی بریلی شریف میں خطاب کرنے گئے تھے۔ حضرت بشیر احمد کوٹلی رحمہ اللہ تعالی نے زندگی بھر عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درس دیا۔ ان کی تدفین کے وقت جو مناظر تھے، نور کی برسات تھی وہ بھی لوگوں نے دیکھی۔ لیکن جس وقت ان کو اپنے اباجی حضرت مولانا محمد شریف محدث کوٹلوی رحمہ اللہ تعالی کے پہلو میں دفن کرنے کیلئے جب قبر کھودی گئی تو ساٹھ سال کے بعد بھی ان کا بدن بالکل صحیح سلامت نظر آیا۔

یہ مسلک اہلسنت وجماعت کی حقانیت ہے کہ اللہ تعالی ایسی آیات کو ظاہر فرماتا ہے۔

اللہ تعالی مسلک کی خوشبو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 10

اعتکاف یادِ الٰہی میں انہماک

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا٥

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَعَلٰی آلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاسَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

رب ذوالجلال کے فضل اور اسکی توفیق سے ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام فہم دین کورس کے چودھویں سبق میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

''اعتکاف یادالٰہی میں انہماک''

میری دعا ہے رب ذوالجلال ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور اسکے ابلاغ و تبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ماہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو مختلف انواع کی عبادات کا سرور عطا فرمایا ہے۔ ان عبادات میں سے ایک نہایت ہی منفرد اور لذیذ عبادت رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔

☆ اعتکاف مخلوق سے رابطہ منقطع کر کے خالق کی طرف بھرپور انداز میں متوجہ ہونے کا نام ہے۔

☆ اعتکاف خلوت میں رب ذوالجلال کی یاد سے مانوس ہونے کا نام ہے

☆ اعتکاف اپنے عادی اور مالوف ماحول سے نکل کر اور وہ چیزیں جو عادی طور پر انسان کا دل معاشرے میں لگاتی ہیں ان سے قطع تعلق ہو کر محض رب کی محبت میں مسرور ہونے کا نام ہے۔

☆ اعتکاف ماحول کی آلودگی سے یکسر محفوظ ہو کر رحمت حق کے شبنم کے حصول کا نام ہے۔

☆ اعتکاف اپنے معاشرے اور سوسائٹی میں موجود کجروی اور اپنے ماحول کی گندگی سے بچ کر رب ذوالجلال کی اطاعت اور اسکی بندگی کے گلشن میں ڈیرہ لگانے کا نام ہے۔

☆ اعتکاف دل کے تمام محلوں کو ذکر الٰہی سے آباد کرنے کا نام ہے۔

☆ اعتکاف اپنی سوچ کو بحر ریاضت میں غسل دینے کا نام ہے۔

☆ اعتکاف اپنے کردار کو سنت نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کا نام ہے۔

☆ اعتکاف دنیا کی لذتوں سے منہ موڑ کر آخرت کی چاشنی محسوس کرنے کا نام ہے۔

☆ اعتکاف لذت ہے۔

☆ اعتکاف چاہت ہے

☆ اعتکاف الفت ہے۔

☆ اعتکاف زندگی ہے بلکہ اعتکاف بندگی اور تابندگی ہے۔

☆ اعتکاف سے ظاہر بھی منور ہوتا ہے باطن بھی منور ہوتا ہے۔

☆ اعتکاف سے دربار رسالت کے ذریعے سے دربار الٰہی میں انسان کو رسائی کا شرف ملتا ہے۔

آیئے اس عظیم عبادت کے خدوخال کو سمجھنے کیلئے قرآن وسنت کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے اسکی چاشنی اسکی عظمت اسکی فضیلت اور اسکے احکام کو سمجھیں۔

قرآن مجید میں سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ

(پارہ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۷)

اور تم اپنی بیویوں کو ہاتھ نہ لگاؤ اس حال میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کر رہے ہو۔

﴿اعتکاف کا معنی و مفہوم﴾

اعتکاف کا لفظ عکوف سے مشتق ہے۔ عکوف کہتے ہیں۔

اَلْاِقْبَالُ عَلَى الشَّيْءِ

کسی کی طرف متوجہ ہونا اور اپنے آپ کو کسی چیز کے ساتھ منسلک کر کے پابند کر دینا اور روک لینا یہ لفظِ اعتکاف کا لغوی معنیٰ ہے۔

ع، ک، ف جہاں اکٹھے اس ترتیب سے آئیں گے وہاں حبس، منع اور روکنے والا معنیٰ ضرور پایا جائے گا۔

﴿لغوی معنیٰ کے لحاظ سے قرآن مجید میں اعتکاف کا استعمال﴾

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر لفظ عکوف کو استعمال کیا گیا ہے۔

﴿پہلا مقام﴾

اللہ تعالیٰ نے سورۃ حج میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (پارہ ۱۷ سورۃ الحج آیت ۲۵)

بیشک وہ جنہوں نے کفر کیا اور روکتے ہیں اللہ کی راہ اور اس ادب والی مسجد سے جسے ہم نے سب لوگوں کے لئے مقرر کیا کہ اس میں ایک سا حق ہے وہاں کے رہنے والے اور پردیسی کا اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے

مسجد حرام کونسی مسجد ہے؟

الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ

جسے ہم نے سب لوگوں کے لئے مقرر کیا کہ اس میں ایک سا حق ہے وہاں کے

رہنے والے اور پردیسی کا۔ یعنی جتنا حق وہاں کے مقیم لوگوں کا ہے۔ اتنا ہی حق باہر سے دوسرے ممالک سے جانے والے لوگوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اس کو ان لوگوں کیلئے معین نہیں کیا بلکہ عاکف یعنی مقیم اور باد یعنی باہر سے آنے والے (Out Sider) دونوں برابر ہیں تو اس میں عکوف والا معنی موجود ہے کہ جو مسجد حرام کے قرب و جوار میں رہنے والے ہیں۔ مکہ شریف کے لوگ اور باہر سے جانے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول میں اور بندگی میں برابر ہیں۔

دوسرا مقام

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْىَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ (پارہ ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲۵)

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا تم کو مسجد حرام سے اور ھدی کو

یعنی قربانی کے جانور کو اور جس وقت صحابہ کرام کو روکا گیا تو ساتھ ہی جانوروں کو بھی وہاں روک دیا گیا اسکی حالت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ

وہ ھدی جس کو روک لیا گیا کہ وہ اپنی جگہ کو پہنچے۔

عکوف والا لفظ یہاں پر بھی موجود ہے۔ یعنی روکنے والا اور منع والا معنی موجود ہے۔

تیسرا مقام

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور آزر سے یہ کہا تھا جو بتوں کی

پرستش میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ

(پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء آیت ۵۲)

یہ کیا مورتیاں ہیں کہ جنکے اردگرد تم نے اپنے آپ کو روک کے بٹھایا ہوا ہے۔

تو وہ بتوں کے پجاری، بتوں کی پرستش کرنے والے بتوں کے پاس اپنے آپ کو بٹھائے رکھتے تھے۔

تو یہاں پر بھی عکوف والا معنیٰ موجود ہے۔ اگرچہ شرعی طور پر اُن کا عمل ناپسندیدہ تھا اور شرک تھا۔

ان آیات کے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ اعتکاف قرآن مجید میں اپنے اصل لغوی معنیٰ کے لحاظ سے متعدد مقامات پر موجود ہے جسکا معنیٰ ہے روکنا، بند کرنا، پابند کرنا کسی کو کسی جگہ کے ساتھ لازم کر دینا۔

﴿امام راغب اصفہانی کے نزدیک اعتکاف کا معنیٰ﴾

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب (مفردات الفاظ القرآن) میں اعتکاف کا لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں

﴿لغوی معنیٰ﴾:

اَلْاِقْبَالُ عَلَى الشَّيْءِ وَمُلَازَمَتُهٗ عَلٰى سَبِيْلِ التَّعْظِيْمِ

عکوف یہ ہے کہ تعظیم کے طریقہ پر کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا اور کسی چیز کے ساتھ ہمیشگی اختیار کرنا۔

شرعی معنٰی

هُوَ الْإِحْتِبَاسُ فِي الْمَسْجِدِ عَلٰى سَبِيْلِ الْقُرْبَةِ

(مفردات الفاظ القرآن فی غریب القرآن ص ۳۴۳)

اعتکاف یہ ہے کہ اپنے آپ کو مسجد میں بندگی کی خاطر روک لینا

مطلب یہ بنا کہ مطلقاً کسی جگہ پہ اپنے آپ کو روک لینا شریعت میں اسکو اعتکاف نہیں کہا جائے گا۔ شریعت میں مشروط طریقے سے اور مکمل ارکان کی روشنی میں اپنے آپ کو مسجد میں وقت معین سے لیکر وقت معین تک روکے رکھنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔

غنیۃ الطالبین اور اعتکاف کا مفہوم

غنیۃ الطالبین جو حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے اس میں اعتکاف کی تعریف یوں کی گئی۔

اَلْإِعْتِكَافُ هُوَ حَبْسُ النَّفْسِ فِيْ مَكَانٍ مَّخْصُوْصٍ وَلُزُوْمُ الشَّيْءِ وَالْمُدَاوَمَةُ عَلَيْهِ

(غنیۃ الطالبین ص ۲۷)

اعتکاف یہ ہے کہ مخصوص جگہ میں اپنے آپ کو روک کے رکھنا۔

(مخصوص جگہ سے مراد مسجد ہے) اور کسی شی کے ساتھ لازم ہو جانا (یعنی مسجد میں اپنے آپ کو رکھنے کا پابند کرنا) اور اس پر دس دنوں تک مداومت اور ہمیشگی اختیار کرنا۔

ابن رجب حنبلی کے نزدیک اعتکاف کی تعریف

ابن رجب حنبلی نے اعتکاف کی بڑی جامع اور منفرد تعریف یوں کی۔

قَطْعُ الْعَلَائِقِ عَنِ الْخَلَائِقِ

اعتکاف یہ ہے کہ مخلوقات سے اپنے تعلقات منقطع کر لینا۔

علائق کا معنیٰ ہے تعلقات اور خلائق کا معنی ہے مخلوقات

لِلْاِتِّصَالِ بِخِدْمَةِ الْخَالِقِ

خدمتِ خالق کیساتھ ملنے کیلئے

یعنی مخلوق سے اپنے نظریں پھیر لینا اور اپنے رابطے منقطع کر لینا، مخلوق سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر کے جدا کر کے توجہ الی الخالق کا پابند بنا کے بٹھا دینا۔

کہ اب تم نے نہ کہیں اور جانا ہے اور نہ کچھ اور سوچنا ہے۔

وَكُلَّمَا قَوِيَتِ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰهِ وَالْمُحَبَّةُ لَه' وَالْاُنْسُ بِهٖ اَوْرَثَتْ صَاحِبَهَا الْاِنْقِطَاعَ اِلَى اللّٰهِ

''جوں جوں بندے کی معرفت قوی ہوتی ہے اور اسکی اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھتی جاتی ہے اس سے انس زیادہ ہو جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے،،

جس وقت وہ بندہ اعتکاف سے باہر تھا تو اس کا دل تب لگتا تھا۔ جب لوگوں کی باتیں سنے یا اپنے اہل و عیال سے ملاقات کرے۔ یا جب دوستوں سے گپیں لگائے۔

لیکن اعتکاف میں ایسے بندے کو چین تب ملتا ہے جب وہ زیادہ سے زیادہ بندگی کرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ متوجہ ہو جائے اور جو فطرت میں عادی انس کی چیزیں تھیں یعنی دوستوں رشتہ داروں سے ملاقات جس سے انس محسوس ہوتا تھا ملاقات نہ ہونے کی صورت میں وحشت محسوس ہوتی تھی۔

اب تنہا اس خیمہ میں رہنے کے ساتھ اعتکاف نے اس میں یہ انقلاب برپا

کردیا۔ کہ اب عادت کی مصروف چیزیں طبیعت سے نکل گئی ہیں اس وقت اسکو انس تب محسوس ہوتا ہے۔ جب رب کو زیادہ یاد کرتا ہے۔ تو یہ اعتکاف میں بندے کو حیثیت ملتی ہے اور پھر جب وہ متعدد بار اعتکاف کے مرحلے سے گذرتا ہے۔ تو پھر گھر میں بیٹھے ہوئے بھی آگے پیچھے اس کی ظاہری دل لگانے کی چیزوں کی بانسبت اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل زیادہ متلذذ ہوتا ہے۔ اسکا دل اللہ تعالیٰ کی یاد کی وجہ سے وحشت سے نکل کرانس کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

تنہائی بھی کبھی ہم نے تنہا نہ گذاری

کسی نے اللہ تعالیٰ کے ایک ولی سے پوچھا تھا کہ تم گھر میں تنہا بیٹھتے ہو۔ نہ دوستوں کی مجلس میں آتے ہو اور نہ ہی تم اتنی زیادہ انجمن آرائی کرتے ہو، نماز پڑھتے ہی گھر میں تنہائی کے ساتھ بیٹھے رہتے ہو، تمہارا دل علیحدہ کمرے مین کیسے لگتا ہے۔ جبکہ انسان کو تمدن پسند ہے۔ ماحول، رونق کی وجہ سے دل کو سرور ملتا ہے اور تم تنہائی پسند ہو تمہارا دل کیسے لگتا ہے۔

اَمَا تَسْتَوْحِشُ

کیا تمہیں وحشت محسوس نہیں ہوتی تو وہ کہنے لگے۔

كَيْفَ اَسْتَوْحِشُ

مجھے وحشت تنہائی میں کیسے محسوس ہو۔

وَهُوَ يَقُوْلُ اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ

(لطائف المعارف ص ۱۹۱)

حالانکہ میرا رب فرماتا ہے جو مجھے یاد کرے میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں۔

جلیس کا لغوی معنی ہے (بیٹھنے والا) مطلب یہ ہے کہ جو مجھے یاد کرے وہ تنہا نہیں ہوتا میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں۔ کسی نے سچ کہا کہ،

تنہائی بھی کبھی ہم نے تنہا نہ گزاری

اس انداز سے ان لوگوں کا مقام اعتکاف کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ اعتکاف کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف اتنا متوجہ ہوتے ہیں۔ پہلے کی عادتیں ہی بدل جاتی ہیں پہلے جن ذریعوں سے انس ملتا تھا اب اس کا انداز بدل گیا ہے اب تنہائی میں بھی اسکو اللہ تعالیٰ کی یاد سے لذت آتی ہے۔

تو وہ شخص کہنے لگا کہ مجھے تنہائی میں وحشت کس طرح ہو سکتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِىْ

جو میرا ذکر کرے میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِىْ بِىْ

صحیح بخاری کتاب التوحید باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى (وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ حدیث نمبر ۷۴۰۵)

میں اپنے بارے میں بندے کے گمان کے مطابق ہوں

میرا بندہ مجھے اپنے جتنا قریب سمجھے میں اتنا ہی قریب ہوں تو جس وقت ایک انسان کا تصور پختہ ہو جاتا ہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر رچ بس جاتا ہے اسکے بعد دل میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے یہ انقلاب برپا کرنا بھی اعتکاف کا حقیقی مقصد ہے۔

اعتکاف کی حقیقی لذت اور چاشنی

اعتکاف میں بندہ کو اس نیت سے زیادہ لطف میسر آتا ہے کہ جب وہ یہ نیت کرتا ہے کہ میرے محبوب علیہ السلام فرضیت رمضان سے لیکر ظاہری حیات کے انقطاع ہونے تک ہر سال رمضان میں اعتکاف کا عمل دھراتے رہے۔ ایک سال رمضان میں چند وجوہات کی بنا پر اعتکاف نہ ہوسکا تو پھر آپ نے اسکی قضا کی یعنی یہ اتنی بڑی سنت موکدہ ہے۔ جسکو رسول اللہ ﷺ نے اتنا موکد بنادیا۔

تو امت کیلئے چاشنی کا منبع یہ ہے کہ میں وہ کام کر رہا ہوں جو میں نے ریا کیلئے نہیں، کسی ساتھی کے ساتھ رفاقت کیلئے نہیں کر رہا، میں اعتکاف صرف اس لیے کر رہا ہوں کہ یہ کام ہمارے محبوب علیہ السلام نے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو بڑا پسند فرمایا اور محبوب علیہ السلام کی سنت سے ہمارے لئے ثابت ہوگیا۔

اس نیت سے جو بندہ اعتکاف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی عظمتوں کو دوبالا فرمادیتا ہے۔

آخری عشرہ کا اعتکاف سنت حبیب کبریا ﷺ

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کا آخری عشرہ اعتکاف فرماتے تھے۔

حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ

یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنے ہاں بلالیا۔

ثُمَّ اعْتَکَفَ اَزْوَاجُہٗ مِنْ بَعْدِہٖ

(صحیح بخاری کتاب الاعتکاف باب اِلاعْتِکَافِ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالاعْتِکَافِ فِی الْمَسَاجِدِ کُلِّھَا حدیث نمبر ۲۰۲۶)

پھر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج بھی اعتکاف فرماتی رہیں۔

﴿رمضان میں قرآن کا دور﴾

ایسے ہی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔

كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنُ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً

(صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن باب كَانَ جِبْرِيلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ج ۲ ص ۷۴۸ قدیمی کتب خانہ کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر سال ایک بار قرآن پیش کیا جاتا تھا

یعنی حضرت جبریل علیہ السلام آتے تھے قرآن مجید کا دور کرنے کیلئے آتے تھے،

یہ دور ہر رمضان میں رات کے وقت ہوتا تھا۔

﴿رسول اکرم ﷺ کے وصال با کمال کے قرائن﴾

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں

فَعُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ

جس سال آپ ﷺ کا وصال ہونا تھا اس سال رمضان میں دو مرتبہ آپ پر قرآن پیش کیا گیا۔

وَكَانَ يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرًا

رسول اکرم ﷺ ہر سال رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف فرماتے تھے۔

فَاعْتَكَفَ عِشْرِينَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ

(صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن باب كَانَ جِبْرِيلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ج ۲ ص ۷۴۸ قدیمی کتب خانہ کراچی)

جس سال آپ علیہ السلام کا وصال ہونا تھا اس سال رمضان میں آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

یہ دنیا سے تشریف لے جانے کے قرائن تھے۔ اسکے لحاظ سے عمل میں اضافہ تھا۔ اس سے مزید اپنی امت کو بندگی کی طرف مائل کرنا اور انکو اخلاص اور تقوی کے میدان میں آگے بڑھانے کیلئے ایک جذبہ پیدا کرنا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ

(سنن الترمذی کتاب الصوم بَاب مَا جَاءَ فِي الِاعْتِكَافِ إِذَا خَرَجَ منه ج۱ص ۲۸۶ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

رسول اکرم ﷺ ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے ایک سال آپ نے اعتکاف نہ کیا تو اگلے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

اس طرح ان احادیث کو بیان کرنے کا مقصد اس بنیاد کو واضح کرنا ہے کہ یہ رسول اکرم ﷺ کی نہایت ہی موکد سنت ہے۔ پھر محلے والوں کیلئے سنت موکدہ علی الکفایۃ ہے۔ اگر محلے کی مسجد میں کوئی شخص بھی اعتکاف کیلئے نہیں بیٹھے گا تو تمام محلے والوں کا سنت موکدہ کے فوت ہونے کی وجہ سے مواخذہ ہوسکتا ہے۔ اگر ایک شخص بھی اعتکاف کرے گا تو محلے والوں کی طرف سنت علی الکفایہ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ وہ شخص جس نے اعتکاف کیا اسکو اللہ تعالیٰ اجر عظیم سے مالا مال فرمائے گا۔

رمضان میں اعتکاف کرنے پہ دو حج اور دو عمرے کا ثواب

اعتکاف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اس کے راوی حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ

ہمارے آقا علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔

مَنِ اعْتَكَفَ عَشْرًا فِيْ رَمْضَانَ كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۳۹)

جس شخص نے رمضان المبارک میں دس دن کا اعتکاف کیا اسکو دو حج اور دو عمرے ادا کرنے کا ثواب مل جائے گا۔

یعنی اسلام میں انسان کو بندگی کے لحاظ سے آگے پہنچانے کیلئے جو سہارا دیا گیا کہیں نادار یہ نہ سمجھیں کہ امراء تو جا کر حج بھی کر آتے ہیں، عمرہ بھی کر آتے ہیں ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں ہم اس لحاظ سے پیچھے رہ جائیں گے۔ تو اسلام نے بتایا جو محلے کے اندر مسجد میں دس دنوں کا اعتکاف کرنے بیٹھ جاتا ہے اسکو دو حج اور دو عمرے کا ثواب مل جائے گا۔

اگر اس نے تقاضے پورے کیے، آداب پورے کیے۔ اعتکاف کو شریعت کے مطابق پورا کیا۔ اسکو اتنا بڑا ثواب ملتا ہے۔

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ مفت میں دو حج اور مفت میں دو عمرے کا ثواب نہ سفر نہ خرچ اور نہ ہی تھکاوٹ اپنے ماحول میں اپنے محلے میں رہ کر اپنے گھر کے پاس اپنی مسجد میں جب یہ کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو دو حجوں اور دو عمروں کا ثواب عطا فرما دیتا ہے۔

اسکے ساتھ ساتھ کچھ پابندیاں ایسی ہیں جن سے آج صرف نظر کیا جا رہا ہے

• (معاذ اللہ) اعتکاف کو ایک رواج اور فارمیلٹی کے طور پر اپنایا جانے لگا ہے جو عبادت بیک وقت دس دنوں میں دو حج اور دو عمرے ادا کرنیکا ثواب دے آخر اسکے کچھ تقاضے

بھی ہونگے، اسکی کچھ شرائط بھی ہونگی اور اس کو مکمل کرنے کیلئے شریعت نے کچھ ضابطے بھی رکھے ہونگے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے نانا جی سے سنا ہے کہ میرے محبوب علیہ السلام فرمارہے تھے کہ جس نے رمضان المبارک کے آخری دنوں کا اعتکاف کیا اللہ تعالیٰ اسکو دو حج اور دو عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

پھر ایک مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مَنِ اعْتَكَفَ مَابَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ اِلَّا بِصَلٰوةٍ وَقُرْآنٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّبْنِيَ لَهٗ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۳۸)

جس نے مغرب سے عشاء کے درمیان مسجد جماعت میں اعتکاف کیا سوائے نماز اور قرآن کے اس نے کوئی گفتگو نہیں کی اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں محل بنائے۔

اعتکاف کی متعدد صورتیں

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اعتکاف کی کئی صورتیں ہیں ایک ہے اعتکاف دس دن کا اور ایک ہے اعتکاف ایک دن کا اور ایک ہے اعتکاف گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کا لیکن اصل موکد اعتکاف دس دنوں کا ہے۔ اسکے علاوہ نفلی اعتکاف شمار ہوگا۔ مگر کوئی جتنا بھی اعتکاف کرے گا اسکو محرومی نہیں ہوگی کچھ نہ کچھ اسکو اجر مل جائے گا۔ بلکہ بہت کچھ اسکو مل جائے گا۔

ایک دن کے اعتکاف کا ثواب

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنِ اعْتَكَفَ يَوْماً

جس نے ایک دن اعتکاف کیا

اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے

جَعَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ كُلُّ خَنْدَقٍ اَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنَ

(المعجم الکبیر ج۳ ص ۱۳۸)

تو اللہ تعالیٰ اسکے اور جہنم کے درمیان تین خندقوں کا فاصلہ بنا دے گا۔

ایک خندق اتنی چوڑی ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے۔

تو جس نے ایک دن اعتکاف کیا وہ جہنم سے تین بار اتنا دور ہو جائے گا۔ جتنا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔

مطلب یہ بنا کہ وہ جنتی بن جائے گا جہنم اور اسکی حرارت سے محفوظ ہو جائیگا اس عمل کی وجہ سے اسکو جہنم سے اتنا دور کر دیا گیا لیکن اس میں روح یہ ہے۔

اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ

وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے اور اس رضا کے حصول کیلئے اس نے اعتکاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو اتنا عظیم اجر دینے کا وعدہ کیا۔ جسکا اعلان ہمارے آقا ﷺ نے خود فرما دیا ہے۔

اسکے علاوہ مختصر وقت کا اعتکاف بھی ہے۔

﴿مغرب سے عشاء تک اعتکاف کرنے کا ثواب﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنِ اعْتَكَفَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

جس نے صرف مغرب اور عشاء کے درمیان اعتکاف کیا

فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ

جماعت والی مسجد میں

یعنی اس چھوٹے سے اعتکاف میں بھی شرط یہ ہے کہ وہ مسجدِ جماعت میں بیٹھے مغرب بھی جماعت کے ساتھ ہو اور عشاء بھی جماعت کے ساتھ ہو۔ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت مسجد میں بیٹھا رہا

لَمْ يَتَكَلَّمْ اِلَّا بِصَلٰوةٍ وَقُرْآنٍ

مغرب اور عشاء کے درمیان اس نے کوئی کلام نہیں کیا اس نے نفل ادا کیے اور قرآن پڑھتا رہا اسکا یہ معمول رہا

كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّبْنِيَ لَهٗ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ

(المعجم الكبير ج ٣ ص ١٣٨)

یہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت میں محل تعمیر کروائے گا۔

اتنے چھوٹے اور مختصر سے اعتکاف پر اسکو اجر ملے گا۔ وہ محروم نہیں رہے گا۔

یہ ہمارے محبوبؐ علیہ السلام نے بار بار امت کو بتایا کہ ایک شخص جس وقت ایک نماز پڑھ لیتا ہے۔

اِنْتِظَارُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ

ایک نماز کے ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کا انتظار مسجد کے باہر دوکان میں جا کر بھی کیا اور دل مسجد کی طرف متوجہ رہا تو وہ وقت بھی بندگی میں شمار ہوگا۔

(السنن الکبری للبیھقی)

اگر مسجد میں بیٹھ کر وہ انتظار صلوۃ کر رہا ہے ظہر کے بعد عصر کی نماز کے انتظار میں عصر کے بعد مغرب کے انتظار میں بیٹھ گیا تو اس انتظار کو بھی اعتکاف کا رنگ دے دیا جائیگا۔

رسول اکرم ﷺ نے اعتکاف کی جن عظمتوں کو بیان کیا اس اعتکاف کی اصل روح کو پہچاننے کیلئے ہمیں چند باتیں پیش نظر رکھنی چاہیں۔

☆ اعتکاف کی بنیادی طور پر تین قسمیں ہیں ☆

(۱) ﴿واجب اعتکاف﴾

کسی نے نذر مانی جب نذر پوری ہوگئی تو وہ اعتکاف اس پر واجب ہوگیا۔

(۲) ﴿سنت اعتکاف﴾

یہ وہ ہے جو رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں کیا جاتا ہے۔

(۳) ﴿نفلی اعتکاف﴾

یہ وہ ہے جو دس دن کے علاوہ کیا جائے۔

﴿اعتکاف کا حکم﴾

اسکا حکم یہ ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے وہ سنت موکدہ کہ جس پر رسول اکرم ﷺ نے اپنی ظاہری زندگی میں مکمل ہمیشگی اور مداومت فرمائی

☆اعتکاف کی شرائط☆

اعتکاف کی چار شرطیں ہیں

﴿پہلی شرط﴾ اسکی پہلی شرط اسلام ہے۔اعتکاف کرنے والا مسلمان ہو، اگر مسلمان نہیں تو اُسکا اعتکاف نہیں۔

﴿دوسری شرط﴾ تمیز وہ اعتکاف کرنے والا بالغ ہو یا قریب البلوغ ہو۔ وہ چھوٹا بچہ جسکو کوئی امتیاز حاصل نہیں، احکام شریعت کو نہیں جانتا وہ بیٹھ جائے تو اسکو اعتکاف نہیں کہا جائے گا۔

﴿تیسری شرط﴾ اسکے لئے تیسری شرط حدث اکبر سے طہارت ہے۔

یعنی جنابت، حیض اور نفاس سے انسان کو طہارت حاصل ہوگی تو پھر وہ مرد و زن اعتکاف کرسکتے ہیں۔ورنہ اعتکاف نہیں ہوگا۔

اگر عورت حالت حیض میں یا حالت نفاس میں ہوگی تو اعتکاف نہیں ہوگا۔

ایسے ہی مرد و زن پر جنابت کی حالت ہو تو پھر بھی اعتکاف نہیں ہوسکتا۔اعتکاف بیٹھنے سے پہلے حدث اکبر سے نکلنا ضروری ہے۔

﴿چوتھی شرط﴾ اسکی چوتھی شرط مسجد کا ہونا ہے۔

اگر مسجد نہیں تو پھر اعتکاف نہیں، یعنی اعتکاف کی جو سب سے اہم شرط ہے وہ مسجد ہے۔پھر مسجد کے انتخاب میں کئی حکمتیں ہیں۔

﴿مسجد پسندیدہ جگہ ہونے کے ساتھ ایک روحانی قلعہ بھی﴾

رسول اکرم ﷺ کا فرمان صحیح مسلم شریف میں ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا

(صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ باب فَضْلِ الْجُلُوسِ فِي مُصَلَّاهُ بَعْدَ الصُّبْحِ وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ ج ا ص ۲۳۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کو سب جگہوں میں سے جو جگہ زیادہ پسند ہے وہ مسجد ہے۔ اور رب کی ناپسندیدہ جگہ شہر کے بازار ہیں۔

یعنی ہر شہر کی مسجد پسندیدہ جگہ ہے اور پھر معتکف چاہتا ہے کہ رب مجھے پسند کرے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر وہاں جا کر بیٹھ جا جو جگہ رب کو پسند آتی ہے۔

یہ مسجد میں اعتکاف کرنے کی حکمت ہے کہ مسجد ایک روحانی قلعہ ہے۔ اگر کہیں بیٹھ جائے تو اسے وہ قلعہ میسر نہیں آئے گا۔ مسجد اسکے گرد شیطان کو روکنے کا ایک حصار ہے۔ شیطان کی ایک پوری فوج مسجد مین داخل ہونے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہے۔ انھیں گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ تو ایسے شیطانوں سے بچنے کا ایک بہت بڑا سہارا ہے۔ اگرچہ جو زیادہ باغی سرکش ہیں وہ مسجد کے اندر بھی وسوسے ڈالتے ہیں مگر ایسے شیطانوں سے جو اس سے نچلید رجے کے ہیں۔ اس سے انسان کو بچاؤ ملتا ہے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کی وہ پسندیدہ جگہ ہے اسواسطے اعتکاف نبوی ﷺ میں مسجد کو شرط قرار دیا گیا۔ لہٰذا مسجد میں اعتکاف ہوسکتا ہے مسجد سے باہر نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص مسجد کے باہر صرف دس نہیں پورا مہینہ گھر ارہے اسکو شرعی اعتکاف نہیں کہا جائے

گا۔اعتکاف کی بنیادی شرط مسجد ہے اور اتنی پکی شرط ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام خلفاء راشدین، تابعین تبع تابعین اور پوری امت آج تک متفق رہی ہے کہ اعتکاف مسجد کے سوانہیں ہے۔

مسجد کے گرد جو باغیچہ ہو، لان ہو، باغات ہوں جو مسجد کے دروازے کے ساتھ متصل جگہ ہے وہ مسجد نہیں، مسجد وہ ہے جہاں پر سے جوتے اتار کر داخل ہوتے ہوں اسکو فقہی مسجد کہا جاتا ہے اور جس مسجد پہ شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں وہ مسجد اس میں شرط ہے۔اس میں انسان دس دن مسلسل موجود رہے۔

اگر چند لمحے کے لیے بھی بغیر شرعی اجازت کے نکل گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔اتنی پکی شرط ہے کہ پورے دس دنوں میں کسی وقت اگر وہ مسجد سے نکل گیا اذن شریعت کے بغیر تو سارا اعتکاف ختم ہو جائیگا۔

مسجد میں اعتکاف لازم ہے لیکن جو آدمی بیٹھا ہی مسجد کے باہر رہے پھر اسے اعتکاف بھی کہے تو یہ اسکی خود فریبی ہو گی لیکن اعتکاف نہیں ہو سکتا کیونکہ اعتکاف کیلئے مسجد کا ہونا ضروری ہے۔

پھر اس مسجد کی بھی شرائط ہیں کہ وہ کونسی مسجد ہو وہ ایسی مسجد نہ ہو کہ جس میں جماعت ہی نہ ہوتی ہو، وہ ایسی مسجد ہو جس میں امام ہو جو جماعت کراتا ہو اور موذن ہو جو اذان پڑھنے والا ہو، تو پھر اس جگہ پر اعتکاف کی اجازت ہو گی۔اعتکاف والی مسجد میں جمعہ شرط نہیں ہے۔

اگر اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف کا یہ شرعی عذر ہے کہ وہ دوسری جگہ جا کر جمعہ پڑھے لیکن وہ اپنی مسجد میں سنتیں پڑھ کر جائے خطبہ کے وقت پہنچے خطبہ سن کر فرض نماز ادا

کر کے بقیہ نماز اپنی مسجد میں آ کر پڑھے پھر راستے میں کسی سے باتیں نہ کرے۔ کسی کے پاس کھڑا نہ ہو۔ ان شرائط کے ساتھ اسکے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ دوسری جگہ میں جا کر جمعہ ادا کرسکتا ہے۔ مگر اس اعتکاف والی مسجد میں جماعت ضروری ہے۔

پھر مسجد کے لحاظ جو حکمتیں تھیں وہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کیلئے بیان فرمادی ہیں۔

اعتکاف اور تعمیر سیرت

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا یارسول اللہ ﷺ

ائْذَنْ لَنَا فِیْ الاخْتِصَاءِ

صحابہ کرام جس وقت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے ہوتے تو تقویٰ، پرہیزگاری، خوف خدا اور دنیا کے سارے خیالات نکل جاتے تھے۔ دنیا کی کوئی لذت نہ رہتی تھی۔ انوار نبوت کا اتنا اثر دماغوں پر پڑتا تھا کہ ہر چیز ڈھل جاتی تھی۔

اسی شوق میں آ کر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آقا علیہ السلام سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ائْذَنْ لَنَا فِیْ الاخْتِصَاءِ

آپ ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم اپنی مردانہ قوت ختم کردیں۔

اختصاء یعنی خصی ہونیکی اجازت دے دو۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پوچھا تو میرے محبوب علیہ السلام نے فرمایا

لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصٰی وَلَا اخْتَصٰی

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

جس نے اس طرح اپنی مردانہ قوت کو ختم کردیا وہ میرا نہیں ہے۔

میں کیسے تم کو اجازت دوں۔ مزہ تو تب ہے کہ مردانہ قوت انسان میں ہو اور پھر وہ فرشتہ بن جائے۔ میں اپنی امت کو یوں نہیں کرنے دوں گا۔ میری امت اس طرح اپنے آپ کو خصی بنالے اور پھر وہ پرہیز گار ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے پر انسان کو شان دی ہے تو اس لئے دی ہے کہ اسے عقل بھی دی ہے اور شہوت بھی دی ہے۔ جو عقل کو شہوت پر غالب کرے وہ فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے۔

یہ تو انسان کے اندر ایک پاور ہے اصل مقصد اسکو کنٹرول کرنے کا ہے اور اسکو یوں خصی ہو کر ختم کرنا یہ اسلام کو پسند نہیں ہے پھر تو کوئی مقابلہ نہیں رہے گا پھر کامیابی کیسے ملے گی۔ مقابلے میں اپوزیشن ہو اور پھر کامیابی مل جائے تو اسکو کامیابی کہا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت تک کیلئے شیطان کو تمہاری اپوزیشن بنایا گیا اور تم نے اسکا مقابلہ کرنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا میرے فرشتو دیکھو تمہارے اندر ایسی قوت نہیں تھی۔ میرے بندے کے اندر ایسی قوت تھی۔ مگر پھر بھی اس نے اس شہوت پہ کنٹرول کر کے زندگی تمہارے جیسی گذاری ہے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب سنا تو سرکار علیہ السلام کے الفاظ یہ تھے کہ۔

لَیْسَ مِنَّا

وہ ہمارا نہیں وہ میرا امتی نہیں جو یہ کام کرے گا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عثمان اس کام کی ضرورت کیا ہے جو تم

نے سوچا ہے۔ میری شریعت میں اسکا علاج ہے۔ سرکار علیہ السلام نے فرمایا۔

اِنَّ خِصَاءَ اُمَّتِیْ الصِّیَامُ

روزہ میری امت کی شہوت کو توڑنے والا ہے۔

اور اگر فرضی روزے مکمل ہو گئے تو سارا سال نفلی روزوں کیلئے پڑا ہے۔

وہ روزے رکھتے جاؤ، نور پاتے جاؤ، شہوت ختم ہوتی جائے گی خصی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں روزہ کس لئے ہے۔ روزہ تمہارے پاس موجود ہے۔ جس سے شہوتیں ختم ہونگی اللہ تعالیٰ کا قرب ملتا چلا جائے گا۔

امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے

حضرت عثمان کا ذہن ادھر سے بدل گیا دوسرا سوال کر دیا۔ عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اِئْذَنْ لَنَافِیْ السِّیَاحَةِ

پھر آپ ہمیں سیاحت کی اجازت دے دیں۔

اپنے ماحول سے نکلنا چاہتے ہیں، یعنی اپنے دوستوں کے ماحول کے لحاظ سے ہمیں سیاحت کی اجازت دے دو۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے۔

اوروں کی سیاحتیں اور ہیں اوروں کی تفریحات اور ہیں اوروں کے فنکشن اور ہیں اور اوروں کے ٹوور اور ہے۔ آپ نے فرمایا۔

میری امت کو بھی اللہ نے ایک سیاحت دی ہے۔

اَلسِّیَاحَۃُ اُمَّتِیْ اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

جب تم راہ حق میں نکلتے ہو تو یہی سیاحت ہے۔

اور جس وقت تم تبوک کی راہوں میں نکلتے ہو اور بدر کی راہوں میں نکلتے ہو اور نکلتے ہو حنین کی راہوں میں تو یہ تمہاری سیاحت ہے۔

اسکے سوا کوئی سیاحت نہیں ہے۔ لہٰذا سیاحت کرنی ہے تو یہ پہلے ہی موجود ہے اور کسی سیاحت کی میں اجازت نہیں دوں گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر مطمئن ہوئے جا رہے تھے۔

مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار امت کا ترھب

پھر تیسرا سوال کر دیا یا رسول اللہ ﷺ

- اِئْذَنْ لَنَا فِی التَّرَھُّبِ

اگر ہمیں ماحول سے نکل کر سیاحت کرنے کی اجازت نہیں ہے تو پھر ہمیں چلے میں پڑ جانے دو، ہمیں رہبان بن جانے دو، ہمیں رہبانیت کی اجازت دے دو۔

اپنی بیوی بچوں سے اپنے ماحول سے جدا ہو جائیں اور پھر ترھب کی وجہ سے رہبان بن جائیں۔ معاشرے اور سوسائٹی سے کٹ جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے جب یہ سنا تو آپ نے فرمایا کہ یہ بھی میری امت کے مزاج کا حصہ نہیں ہے۔ تم مجھ سے اور کیا چاہتے ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ تَرَھُّبَ اُمَّتِیْ اَلْجُلُوْسُ فِی الْمَسَاجِدِ اِنْتِظَارَ الصَّلٰوۃِ

(مشکوۃ المصابیح ص ۶۹ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

میری امت کا چلّہ یہ ہے کہ ایک نماز پڑھ کے دوسرے نماز کا انتظار کرنے کیلئے مسجد میں بیٹھ جائے۔

یہ چلّہ ہے، یہ درویشی ہے، یہ میری امت کا ترہب ہے۔ نہ جنگل میں جانا پڑے گا، نہ کسی ندی کے کنارے ڈیرہ لگانا پڑے گا، نہ کسی میلے میں جانا پڑے گا، نہ کسی پہاڑ میں بیٹھنا پڑے گا۔

یہ میری امت کا ترہب ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امت سوسائٹی میں کتنی مضبوط جڑیں رکھتی ہے اور اسکا سوسائٹی کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے اور سویلائزیشن (Civilization) اسکا مین (Main) ہدف ہے اور کمیونٹی (Community) کے مسائل سے واقف رہنا اور انھیں حل کرنا اسکے بنیادی فرائض میں سے ہے۔

مطلب یہ تھا اگر میں تمہیں چلّوں کی اجازت دے دوں تو پھر (State) سٹیٹ کا کام کون کرے گا۔ اور یہ دین اس کائنات میں دنیا کو دین کا رنگ دینے آیا ہے اور دنیا کو بتانے آیا ہے کہ دنیا دین کیسے بنتی ہے اگر تم چلّوں میں چلے جاؤ گے تو قاضی کون ہونگے، جج کون ہونگے، سماجی کارکن کون ہونگے۔ لوگوں کے دکھ سکھ میں شریک کون ہونگے۔

مراد یہ تھی ہم نے سارا اہتمام کر دیا ہے محلے میں مسجد بھی ہوگی۔ اس میں بیٹھ جاؤ گے تو تمہیں ترہب مل جائے گا۔ باہر نکلو گے بیمار کا حال پوچھ لو گے۔ ہم نے اس انداز میں معاشرے کو خدوخال دیئے ہیں۔ ہم سوسائٹی میں تمہیں رکھ کر سوسائٹی کا نور بنانا چاہتے ہیں تمہارے اندر اتنا حوصلہ ہو بدی کا مقابلہ کرنے کیلئے کہ انسان چھپ کے کہیں بیٹھ جائے اسکے مقابلے میں وہ دلیر ہے۔ جو گندگی کے ماحول میں گندگی دور کرنے میں لگا ہوا ہے۔

مفہوم یہ ہے اگر آج میرے عثمان میں نے تمہیں اجازت دے دی تو کل میرے دین کے وفا شعاروں پر کیا بیتے گی اور کل اصلاح کا کام سوسائٹی میں کون کرے گا، جسکے دل میں نیکی ہوگی وہ یقیناً بدی سے متنفر ہوگا۔ اگر بدی سے نفرت یوں کرے کہ گھر چھوڑ کے نکل جائے محلہ، چھوڑ کے نکل جائے، شہر چھوڑ کے نکل جائے اور ملک چھوڑ کے نکل جائے۔ وہ چھپ جائے جنگلوں میں اور چھپ جائے دریاؤں کے کناروں میں، پھر میری امت کی اصلاح کا کام کون کرے گا۔ اگر انسان کو تنہائی چاہیے تو مسجد میں بیٹھنے کی صورت میں تمہیں ترھب دے دیا ہے تاکہ محلے کی مسجد میں ترھب والا رنگ بھی پورا ہو جائے گا۔ باہر نکلو گے تو معاشرے کی اصلاح کا کام بھی پورا ہو جائے گا۔

اعتکاف میں مسجد کی شرط کیوں لگائی گئی کہ اعتکاف مسجد میں ہو۔ مسجد کی ایک خاص عظمت ہے۔ ایک مسجد کا اپنا سرور ہے اور پھر رمضان کا سرور اور پھر نیت اعتکاف کا سرور اور اسکے ساتھ تنہائی یہ ساری اسی سے میسر آتی ہے اس کو اعتکاف میں بنیادی طور پر پیش نظر رکھا گیا کہ کوئی کسی گراؤنڈ میں نہ بیٹھے کوئی کسی پلاٹ میں نہ بیٹھے کوئی کسی گلی میں نہ بیٹھے کوئی اپنے گھر میں نہ بیٹھے۔

بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے جس وقت اس بات کو بیان کیا اسکی وضاحت فرمائی کہ جو شخص مسجد کے سوا اعتکاف کرے گا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکو بدعت قرار دیا اور فرمایا کہ اسکا اعتکاف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

کون سا اعتکاف بدعت؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمانے لگے

مِنَ الْبِدَعِ الاِعْتِکَافُ فِی الْمَسَاجِدِ الَّتِیْ فِی الدُّوْرِ

گھریلو مساجد میں اعتکاف بدعت ہے۔

(کشف الغمۃ: ج ۱ ص ۲۵۶)

جو لوگوں نے پرسنل چھوٹی چھوٹی مسجدیں گھروں میں بنائی ہوتی ہیں۔ ڈیروں پر بنائی ہوتی ہیں اور عام لوگوں کو جہاں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص ان مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے گا تو یہ بدعت ہے۔

اس نے سنت ادا نہیں کی اس نے بدعت کا ارتکاب کیا اس حدیث میں جس اعتکاف کو بدعت کہا گیا وہ اعتکاف والی جگہ پلاٹ نہیں، گراونڈ نہیں بلکہ یہ مسجد ہے۔ مگر یہ گھر کی مسجد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے۔ اگر اس مقام پر کسی نے اعتکاف کیا تو وہ اعتکاف نہیں ہے۔

یہ جو وجود کے اعتبار سے اعتکاف کیلئے ابتدائی شرط ہے کہ مسجد ہوگی تو پھر خیمہ ہوگا پھر تنہائی اور باتوں سے اجتناب اور پھر مسجد میں رہنے کی پابندیاں اور اگر مسجد ہی نہیں تو پھر اعتکاف کا آغاز ہی نہیں ہوگا اور پھر نہ اس پر ثمرہ مرتب ہوگا۔ اسکو صرف ٹریننگ سنٹر ہی کہا جا سکتا ہے اسے اعتکاف نہیں کہا جائیگا۔

اسکو تبلیغی کورس کہا جائے اور تبلیغی کیمپ کہا جائے۔

لفظ اعتکاف کا جو تقدس ہے اور اسکی شرائط آج تک امت میں بالاجماع موجود رہیں۔ اُن کو پورا کرنا معتکف کیلئے ضروری ہے۔

﴿معتکف کے لئے حالت اعتکاف میں شرطیں﴾

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا

معتکف پر سنت یہ ہے کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے۔

وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً

جامع اور جنازہ پڑھنے بھی نہ جائے۔

وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً

اور وہ عورت کو بھی نہ چھوئے۔

وَلَا يُبَاشِرَهَا

اور اُس سے مباشرت بھی نہ کرے۔

وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ

کسی حاجت کیلئے باہر نہ نکلے سوائے ایسی حاجت کے جس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الاعتکاف الفصل الثانی ص ۱۸۳ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

صرف اُس کام کیلئے مسجد سے باہر نکل سکتا جو مسجد میں نہیں کرسکتا۔

جیسے قضائے حاجت اور بول و براز۔

وہ حاجت طبعی ہو جیسے پیشاب پاخانہ کرنا۔ یا وہ حاجت شرعی ہو جیسے جنبی ہوجائے تو غسل کرنا۔ معتکف صرف اسکے لئے نکل سکتا ہے۔ اگر اس مسجد میں جمعہ نہیں پڑھا جاتا تو دوسری مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنا ہے تو یہ ایک شرعی حاجت ہے۔

صرف تازگی کے حصول کیلئے غسل کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسے غسل کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ ایسے ہی گرمی کو دور کرنے کیلئے غسل کرنا نہ حاجت طبعی ہے اور نہ ہی حاجت شرعی ہے۔

حاجت طبعی وہ ہے کہ جس کے بغیر اسکا گذارہ نہیں ہوسکتا۔ جیسے پیشاب پاخانہ کے بغیر اسکا گذارہ نہیں ہے۔

حاجت شرعی یہ ہے کہ جمعہ پڑھنے کیلئے دوسری مسجد میں جانا ہو تو پھر اس مسجد سے نکل سکتا ہے اور غسل فرض ہو جائے تو پھر وہ غسل کرسکتا ہے۔

لہٰذا اب سوچنے کی باتیں ہیں کہ اس پر دو حج اور دو عمرے کا ثواب ایسے تو نہیں ملے گا۔ جس میں نہ احرام نہ سعی اور نہ طواف نہ سفر نہ تھکن لیکن جو یہاں کی حالت ہے اُسے تو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ہر چیز میں تبدیلی آگئی اور ہر چیز میں روشن خیالی آگئی اور ہر چیز میں انقلاب آتا جارہا ہے۔ پہلے پورے اسلامی لٹریچر میں دیکھو تو تمہیں لفظ ملیں گے مسجدِ اعتکاف لیکن اب ہے شہرِ اعتکاف۔

اعتکاف کیلئے مسجد شرط ہے اسکے علاوہ اعتکاف نہیں ہوگا ہاں کورس ہوسکتا ہے۔

اس کو بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمانے لگیں کہ وہ معتکف مسجد سے نہیں نکل سکتا کوئی مرجائے تو جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ بیمار کی عیادت نہیں کرسکتا کیونکہ اعتکاف مسجد میں ہے۔ گرمی زائل کرنے کیلئے غسل نہیں کرسکتا کیونکہ اعتکاف مسجد میں ہے۔

بخاری شریف میں ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر دھلوانا تھا۔ خود مسجد میں بیٹھے اپنا سر مبارک مسجد کی کھڑکی سے گھر کی طرف کیا تو میں نے گھر میں بیٹھ کے سر دھویا کیونکہ سر دھونے کیلئے مسجد سے نکلنا جائز نہ تھا۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنکی ایک ایک سانس سے شریعت بنتی ہے۔ آپکا اختصاص بھی ہو سکتا تھا کہ محبوب تم جہاں چلے جاؤ اعتکاف اعتکاف رہے گا۔ اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ مگر امت کیلئے سنت نہ بنتی۔

محبوب علیہ السلام نے مسجد میں بیٹھ کر اپنا سر انور باہر جھکایا ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کنگھی کی ایک روایت یہ ہے میں نے سر پہ پانی ڈالا۔ میرے محبوب علیہ السلام اتنی مشکل برداشت کی کہ بندہ بیٹھا اندر ہو سر باہر نکالے اور کافی دیر جھکا رہے۔ آخر اس میں مشکل تو ہے۔ لیکن آقا علیہ السلام نے شریعت واضح کرنا تھی کہ اعتکاف کو کوئی مذاق نہ سمجھے کہ وہ جب چاہے باہر نکل جائے اور کوئی سگریٹ پی رہا ہو کوئی کچھ کر رہا ہو۔ یہ ساری چیزیں اعتکاف کو توڑ دیتی ہیں۔ مسجد میں سگریٹ پینا ویسے ناجائز ہے۔ کوئی مسجد سے باہر سگریٹ نوشی کیلئے نکلے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

ٹوٹیوں والی جگہ اور جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں انکے بارے میں وہ یہ نہ سمجھے کہ مسجد کی دیوار کے اندر جو کچھ ہے وہ ساری مسجد ہی ہے۔ لیٹرینوں کی جگہ ٹوٹیوں کی جگہ اور جوتوں کی جگہ فقہی مسجد سے خارج ہے۔ اگر کسی نے وہاں بیٹھ کر بھی سگریٹ نوشی کی تو انکا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

مسجدِ جماعت اور روزے کے بغیر اعتکاف جائز نہیں

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ

روزے کے بغیر اعتکاف نہیں۔

وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ

مسجد جامع کے علاوہ کسی مسجد میں اعتکاف جائز نہیں۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصوم باب الْمُعْتَكِفِ يَعُوْدُ الْمَرِيضَ ج ۱ ص ۳۵۷ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

جامع میں جماعت کے معنیٰ ہے۔

یعنی مسجد بھی ہو اور پھر مسجد میں جماعت بھی ہو پھر اس میں اعتکاف جائز ہے۔

یہ فتویٰ حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے اعتکاف کا ڈھانچہ یعنی ایک ہے اعتکاف کی بلڈنگ کو رنگ و روغن کرنا، بناؤ سنگھار آرائش و زیبائش وہ تب ہوگی جب کوئی دیوار ہوگی۔ جسکا گھر کوئی نہ ہو وہ چونا کیا کرے۔ اور جسکا کاشانہ کوئی نہ ہو تو وہ رنگ کس چیز کو کرے۔

تو ڈھانچہ اعتکاف کا تب ہوگا۔ جب مسجد میں بیٹھے گا اور پھر اس میں رنگ بھرے گا اور پھر اسکو خوبصورت بنائے گا اور پھر اسکے سارے فوائد میسر آئیں گے جب تک مسجد میں نیت اعتکاف کے ساتھ بیسویں روزے کو عصر کے بعد مغرب سے پہلے داخل نہ ہو جائے اس وقت تک اعتکاف شروع نہیں ہوگا اور پھر اس وقت سے لیکر عید الفطر کا چاند طلوع ہونے تک مسلسل مسجد میں رہنا ضروری ہے۔ ایسا عمل اگر ہوگا تو وہ سنت موکدہ بھی ہوگا اور اسکو مسنون اعتکاف بھی کہا جائے گا۔

یہ وہ حقائق ہیں جنکو واضح کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔

ہمارا مقصد حق کا اظہار ہے اسکی ریج میں کوئی اپنا آئے یا کوئی غیر آئے۔ جب ہر وقت پوری امت کا اس پر اتفاق رہا۔ کہ اعتکاف کیلئے مسجد ضروری ہے اور مسجد بھی وہ جو ٹوٹیوں کی جگہ کے علاوہ ہے اُس جگہ پر بیٹھے گا تو رحمت کا حصار ملے گا۔ تو پھر اس کی خلاف ورزی کیوں ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو ارشاد فرمایا تھا۔

سَبعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ

سات قسم کے انسان وہ ہیں جنکو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ اُن میں ایک آدمی یہ ہے۔

وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ وفضل المساجد ج ۱ ص ۹۱ قدیمی کتب خانہ کراچی)

وہ بندہ جسکا دل مساجد میں لٹکا رہتا ہے۔

مطلب یہ تھا کہ وہ دنیا کے کام کاج کرتا ہے، دکان پہ جاتا ہے، کھیت میں جاتا ہے، گھر میں جاتا ہے، لیکن دل مسجد میں رہتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معتکف کا نصاب

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول اتنا سخت ہے آپ فرمانے لگے کہ میرے نزدیک سوائے ذکر خداوندی اور تلاوت قرآن مجید کے اگر کوئی شخص کسی کو قرآن پڑھانا چاہے وہ بھی جائز نہیں جبکہ دیگر اسلاف کے ہاں پڑھانے کی اجازت ہے۔

اعتکاف یادِ الٰہی میں مستغرق رہنے کا نام

اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں بند کرنا ہے۔ دنیا سے رابطے توڑنے ہیں مخلوق سے اپنے آپ کو جدا کرنا ہے۔ خیمہ میں بیٹھنا ہے۔ نبی علیہ السلام نے اپنا خیمہ بنایا ہے اور خیمہ میں بیٹھے ہیں۔

اسکا سرکار علیہ السلام نے حکم دیا کیوں؟ اس لیے کہ جب تم اس خیمہ والے گھر میں آکر بیٹھو گے تو پھر اگلے گھر کی یاد آئے گی۔

ماحول سے کٹ کے، جدا ہو کے جس وقت دن رات کی پہلی باتیں چھوڑو گے تنہائی آئے گی تو پھر تمہیں سوچ آئے گی پھر اندر سے تقوی ابھرے گا اور پھر جا کر تم پہ ابر کرم برسے گا لہٰذا یہ بھی اہتمام کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔

آج نوجوان مسجدوں میں اعتکاف کیلئے آتو جاتے ہیں انھیں روکنا نہیں چاہیے، لیکن انھیں خیال کرنا چاہیے کہ اعتکاف کوئی میلہ نہیں۔ اعتکاف کوئی گپ شپ لگانے کا ماحول نہیں۔ اعتکاف کوئی دس دن مسجد میں بیٹھ کر انجمن آرائی کرنے والا منظر نہیں۔ اعتکاف تو سب کچھ بھول کر رب کو یاد کرنے کا نام ہے۔

اعتکاف کی حالت میں موبائل فون کا ناجائز استعمال

پھر مسجد میں بیٹھنا موبائل جیب میں رکھنا اور پھر کچھ حضرات اتنا تکلف کرتے ہیں کہ وہ خبریں وغیرہ بھی سن لیتے ہیں۔ ریڈیو مسجد میں اور پھر گھنٹیاں بج رہی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اونٹ میرے کارواں سے نکل جائے جس کے گلے میں گھنٹی باندھی ہوئی ہے۔ میرے قافلے میں وہ چلے جو گھنٹی اتار

کے چلے لیکن ادھر صورتحال یہ ہے کہ مسجد میں ٹیون اور پھر مسجد میں گانے جیسی ٹیون، جبکہ اعتکاف تو تھا دنیا سے رابطے ختم کرنے کیلئے کہ کسی سے رابطہ نہیں۔ اب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے اللہ کی طرف رابطہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

اسواسطے ایسی صورتحال دیکھ کر رونا آتا ہے۔

دن بدن دین میں یہ چیزیں داخل ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ وہ نام نہاد روشن خیالی ہے جو دین میں آ رہی ہے ایک تو دنیا میں ہے اُس نام نہاد روشن خیالی کے کچھ لوگ علمبر دار ہیں۔ لیکن یہ روشن خیالی ہے دین میں سہولت والی کہ دین میں آسانی ڈھونڈو اور کچھ علماء چاہتے ہیں کہ لوگ آسانی پسند ہیں تو ہم آسانی کا رستہ دکھائیں۔ تا کہ ہماری پاپولیرٹی (Popularity) میں اضافہ ہو جائے۔

جبکہ یہ شریعت ہے کسی کے گھر کا گھڑا ہوا کھلونا نہیں ہے۔

عالِم دینِ اللہ تعالیٰ کے دین کا ترجمان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک بندہ مسئلہ پوچھنے آ گیا۔ ابن عباس رستہ نکالو رستہ نکالو میں تین طلاقیں دے بیٹھا ہوں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جواب دیا گیا ابن عباس نے رستے گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ ابن عباس اللہ تعالیٰ کے دین کا وکیل ہے۔ جو رب کے نبی علیہ السلام اجازت دیں گے وہ ابن عباس بول سکتا ہے۔ اپنی طرف سے راہیں نہیں نکال سکتا۔ تو جس وقت تین طلاقیں دے رہا تھا اس وقت تو نے نہیں سوچا کہ تو رب کی

حدوں کو پھلانگ رہا ہے۔ اب پوچھتا ہے تیرے لئے ابن عباس کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ اسواسطے تیرے رب نے تیرے راستے بند کردیئے ہیں۔

﴿علماء کی ذمہ داریاں﴾

یہ عالم دین کی صورتحال ہونی چاہیے کہ وہ مسئلہ بتاتے وقت یہ نہ دیکھے کہ اس مسئلہ سے راضی کون کون ہوگا، فلاں بندہ بھی راضی ہو جائے گا، فلاں بھی راضی ہوگا، وہ بولتے وقت یہ نہ دیکھے بلکہ وہ یہ دیکھے کہ میرا رب راضی ہونا چاہیے۔ ماحول ناراض ہو جائے تو کیا بات ہے یہ ناراضگی معمولی ناراضگی ہے۔ رب کی ناراضگی بڑی ناراضگی ہے اگر بندوں کی چاہت، بندوں کی پسند اور بندوں کے دل کی باتیں اور بے عملی کی باتیں کر کے لوگوں سے داد وصول کی جائے اس سے بڑا اور کوئی جرم کیا ہو سکتا ہے۔ اسواسطے یہ خطرناک مقام ہے۔ یہ دنیا میں پل صراط ہے۔ تلوار سے تیز اور بال سے باریک منبر پہ بیٹھنا، فتویٰ دینا، اور اسلام کی ترجمانی کرنا بال سے باریک ہے اور تلوار سے تیز ہے۔ اگر تھوڑی سی بے احتیاطی ہو جائیگی تو مفتی کٹ جائے گا مٹ جائے گا۔ لٹ جائے گا۔

اسواسطے ایک شخص جو حلال وحرام بیان کرنے والا ہو، اسکے لئے احتیاط ہے کہ وہ اپنا میٹر لوگوں کی چاہت نہ بنائے وہ یہ کہے۔

اثر ہو نہ ہو سن لو میری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد

کوئی واہ واہ کہے یا ہائے ہائے کہے اسکے نزدیک برابر ہو، اسکی سوچ کی سوئی اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے۔

اس مقصد کے پیش نظر تمہارے سامنے اعتکاف کے ان چند مسائل کو رکھا ہے۔

اور پھر اس میں جو میلے کا انداز ہے وہ بھی افسوسناک ہے حالانکہ اعتکاف کی وضع تھی تنہائی کیلیے، اعتکاف کی وضع تھی خوف خدا کے حصول کیلیے، بندہ مجلس میں بیٹھا ہوتو ایسا ماحول نہیں بنتا بلکہ خیال دوسروں کی طرف رہتا ہے۔

سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ مسجد میں پردہ لگالو تا کہ مسجد میں رہتے ہوئے بھی نظر نہ آؤ اس پردے میں، خیمے میں بیٹھ جاؤ تا کہ وہاں دل بیدار ہو اور اسکی ساری توجہ رب کی طرف ہو اور رب سے باتیں ہوں۔

اعتکاف کا حقیقی مقصد

یہ اعتکاف کا اصل مقصد تھا کہ انسان چلتے چلتے عادی بن جائے۔ خاص طور پر آخری راتوں میں اسلیے تھا کہ قدر کی رات تلاش کرنی ہے۔ باہر انسان کو اسکی تلاش مشکل ہے لہٰذا اعتکاف بیٹھ جاؤ تا کہ وہ قدر کی رات کو تلاش کرتا رہے۔ اس قدر کی تلاش میں ہر رات بندگی میں گذر جائے۔ پھر اپنے گناہوں کی معافی کا اہتمام کرے۔

عورتوں کے اعتکاف کا شرعی طریقہ

ایک خصوصی مسئلہ عورتوں کیلیے بھی ہے

عورتوں کیلیے مسجد میں اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے عورتوں کیلیے اعتکاف گھر کی مسجد میں ہے۔ یعنی گھر میں جو جگہ معین کرلی جائے۔ مسجد میں عورتوں کے اعتکاف کا رواج نکلا ہے اور اب اس رواج کو بڑھایا جارہا ہے۔

جس اسلام کو دس منٹ کیلیے عورت کا مسجد میں آنا اتنا پسند نہیں جتنا گھر کے اگلے

اندر نماز پڑھنا پسند ہے۔وہ اسلام دس دن جوان عورت کو مسجد میں کیسے بیٹھنے دے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ

عورت کی افضل نماز حجرے میں پھر اگلے اندر ہے۔

رسول اکرمصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہو اور اس وقت کی بات جب خیر القرون کا زمانہ ہو، نبی علیہ السلام خود مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوں اس سے بھی کوئی زیادہ اچھا موسم ہو سکتا ہے۔لیکن رسول اکرمصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قیامت کے حالات تھے۔

ازواج مطہرات کا مسجد میں اعتکاف ناراضگی کا سبب

اسواسطے عورت کیلئے جو اعتکاف ہے اسکی فضیلت ہے مگر اس کیلئے مسجد نہیں بلکہ گھر کا مقام ہے۔گھر کے ایک کونے کو معین کر لے اس میں بیٹھ کر اعتکاف کرے۔

اَللُّبَابُ فِیْ الْجَمْعِ بَیْنَ السُّنَّةِ وَالْکِتَابِ

یہ علی بن محمد زکریا کی کتاب ہے۔ ۶۸۶ ھ میں انکا وصال ہوا صفحہ ۱/۴۴۳

اس میں عورت کے اعتکاف کے بارے ایک مفصل باب باندھا۔

بَابُ الْمَرْأَةِ تَعْتَکِفُ فِیْ بَیْتِھَا

عورت کے بارے میں باب کہ عورت اعتکاف اپنے گھر میں کرے۔

بخاری و مسلم کی حدیث نقل کی کہنے لگے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ یَّعْتَکِفَ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا۔

فَلَمَّا انْصَرَفَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس جگہ پہ آئے جہاں اعتکاف کرنا تھا۔

یعنی خیمہ پہلے لگ چکا تھا اب اعتکاف کی نیت سے وہاں آئے

إِذَا أَخْبِيَةٌ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا اور بھی وہاں خیمے لگے ہوئے ہیں۔

تو وہ سرکار علیہ السلام کے خیمہ کے ساتھ کونسے خیمے تھے۔

خِبَاءُ عَائِشَةَ

ایک خیمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔

وَخِبَاءُ حَفْصَةَ

دوسرا خیمہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔

وَخِبَاءُ زَيْنَبَ

تیسرا خیمہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خیمہ کیساتھ مسجد میں اپنی ہی ازواج کے خیمے دیکھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ آ گیا۔

آلْبِرَّ تَقُولُونَ بِهِنَّ؟

یہ کوئی تم نے نیکی کا ارادہ کیا؟ یہ کوئی نیکی ہے؟

اس سے خود اندازہ کریں کہ مسجد نبوی شریف ہے۔ میرے آقا علیہ السلام کی اپنی ازواج ہیں مسجد میں اعتکاف کرنا چاہتی ہیں جب انکے خیمے دیکھے تو غصے میں آ گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنا غصہ کیا۔

ثُمَّ انْصَرَفَ

پھر آپ باہر تشریف لے گئے۔

فَلَمْ يَعْتَكِفْ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اعتکاف نہ کیا۔

اس غصے میں کہ تم نے خیمے کیوں لگا لیے۔

حَتّٰى اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ

(صحیح بخاری کتاب الصوم بَاب الْأَخْبِيَةِ فِي الْمَسْجِدِ ج ۱ ص ۲۷۲ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوال میں جا کر دس دنوں کا اعتکاف کیا۔

یہ حدیث پیش کرتے ہوئے اس امام نے یہ واضح کیا کہ بخاری کی حدیث کا یہ مطلب ہے اور سارا سیاق وسباق اسکو واضح کر رہا ہے۔

اسواسطے خواتین اسلام کو مسجد بیت یعنی گھر میں جگہ معین کر کے اعتکاف کرنا چاہیے۔ بالخصوص ایسے نازیبا واقعات ہر سال مساجد میں ہو جاتے ہیں جو جوان عورتوں کو اتنے دنوں کیلئے مسجد میں لے آتے ہیں۔ فتنہ وفساد اور موجودہ بھڑکتا ہوا شہوتوں کا ماحول ہے اس سے عقلاً بھی کوئی جواز محسوس نہیں ہوتا۔

﴿سنت اعتکاف کا اجر وثواب﴾

میں اپنی بات اعتکاف کے اجر پر ختم کرتا ہوں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے راوی ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي

اَلْمُعْتَكِفُ هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ وَيُجْرَى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (ابن ماجہ شریف کتاب الصوم باب فِي ثَوَابِ الْاِعْتِكَافِ ص ۱۲۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

معتکف کے کتنے وارے نیارے ہیں شرائط بھی بیان کیں اور شان بھی بیان کی معتکف سوچے اسے ملے گا کیا اور اس ملنے کیلئے وہ رہے گا کیسے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ

مسجد میں اپنے آپ کو بند کر کے مسجد کے باہر کے سارے گناہوں سے بچ گیا ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ وہ مسجد میں رہے گا باہر نہیں نکلے گا اور باہر جو عریانی فحاشی ہے اور باہر کے جو گناہ ہیں اُن سب سے بچ جائے گا۔

پھر سوال پیدا ہوتا تھا کہ باہر نیکی بھی تو کر سکتا ہے۔ باہر عبادت کرے۔ جنازہ پڑھے سماجی خدمت کرے۔ غریبوں میں کپڑے بانٹے، باہر سارے اچھے کام کرے۔ مظلوم کی مدد کرے یہ سارے کام مسجد میں بند رہنے کی وجہ سے نہیں کر سکے گا۔

محبوب علیہ السلام یہ مسجد کی شرط لگا دی کہ مسجد کے اندر رہے اب باہر والے گناہوں سے تو بچ گیا مگر جو نیکیاں کرتا تھا اسکی تو اجازت ہونی چاہیے کہ وہ باہر نکل کے کرلے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ رہے گا مسجد میں۔

وَيُجْرَى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا

جتنی نیکیاں پہلے کرتا تھا اسے کیے بغیر ان کا ثواب مل جائے گا۔

ہمیں یہ پسند نہیں کہ اعتکاف مسجد میں کرے اور پھر مسجد سے باہر پھرے اور تو اور

رہا وہ نیکی کرنے کیلئے بھی باہر نہ نکلے اس نیکی سے مراد جو نفلی نیکی ہے جمعہ والی فرضیت کی بات نہیں۔ اس صورتحال میں وہ باہر نہیں نکلے گا لیکن اعتکاف سے قبل جو اس کا معمول تھا جتنی نیکیاں کرتا تھا خواہ وہ معاشرے کے فرائض میں داخل تھیں یا جس طرح کی بھی صورتحال تھی میرے محبوب علیہ السلام فرماتے ہیں ہر ہر نیکی کیے بغیر دس دن اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائے گی۔

اسواسطے میرے بھائیو!

وہ محبوب علیہ السلام ہمارے لئے ضامن ہیں اور مسجد میں اعتکاف کرنے کی حکمت اس طرح بیان کی کہ باہر والے گناہوں سے بچے گا پہلے والی نیکیاں پھر بھی مل جائیں گی۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں یہ عظمتیں حاصل کرنی کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعوانا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن۔

فہم دین

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

کا اہم اور اچھوتے
موضوعات پر لٹریچر

جلد اوّل

1 فہم دین اور ہماری ذمہ داریاں
2 محبت الٰہی اور اس کی چاشنی
3 منصب نبوت اور عقیدہ مومن
4 محاسبہ نفس اور اس کا طریق کار
5 فہم زکوٰۃ
6 رسول اللہ ﷺ کی نماز
7 گھر کا اسلامی ماحول
8 آداب زبان
9 تعارف آئمہ اربعہ
10 قادیانیت کا محاسبہ
11 صراط مستقیم کی روشنی
12 نظام مصطفےٰ ﷺ کی بالادستی
13 حل مشکلات اور عقیدہ صحابہؓ

جلد دوم

1 اسلام میں دوستی کا معیار اور طریق کار
2 سود اور اسکی اقسام
3 ہم اور ہمارے عقائد
4 اسوہ حسنہ اور فیشن پرستی
5 مسئلہ حیات النبی ﷺ
6 ترک تقلید کی تباہ کاریاں
7 مومن کا مقصد حیات
8 جہاد اور دہشت گردی میں فرق
9 تصوف اور اسلام
10 حواس نبوی ﷺ
11 اوقات اور مصروفیات کا شرعی توازن
12 جنتی آنکھ
13 اسلام کو درپیش چیلنجز کا ادراک
اور ان کا حل

جلد سوئم

1 مفاہیم اسم اللہ تعالیٰ
2 مفاہیم اسم محمد ﷺ
3 روزہ کے اسرار و رموز
4 امتیازات نماز
5 شان رسالت ﷺ سمجھنے کا
ایمانی طریق
6 زندگی اور اس کی اقسام
7 خلفائے راشدین سے
حضرت علیؓ کی عقیدت
8 ماں کی شان اور امتحان
9 بدعت کا معنی و مفہوم

جلد چہارم

1 احادیث ختم نبوت ﷺ
2 سماجی خدمت کا اسلامی فلسفہ
3 ہاں ہم سنی ہیں
4 ورع و پرہیز گاری کے ماڈل
5 طلاق ثلاثہ کا شرعی حکم
6 نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے
تم کہتے ہو ساون ہے
7 دختران اسلام کیلئے آئیڈیل کردار
8 عہد شباب کا اسلامی نصاب
9 کاروباری شراکت کے
اسلامی اصول
10 تحفظ ناموس رسالت ﷺ
ایک فرض اور قرض

جلد پنجم

1 تربیت اولاد
2 تقلید سے متعلق شبہات کا ازالہ
3 اسلام بمقابلہ یہودیت و عیسائیت
4 اور دل نور ایمان سے جگمگا اٹھا
5 جنہیں دیکھ کر رب مسکرائے
6 قرآن اور تفکر کائنات
7 تصوف عقیدہ توحید کی معرفت
8 رنج و الم سے نجات کا راستہ
9 مسئلہ حاضر و ناظر
10 اے غریب الوطن اسلام
کے ہم وطنو!

جلد ششم

1 میرے رب سے مجھے محبت ہے
2 رسول اللہ ﷺ کی جسمانی
نفاست
3 شان رسالت ﷺ کی یکتائی
4 زکوٰۃ کے اسرار و رموز
5 پردہ دختران اسلام کا وقار
6 عزت اور اسکے حصول کا طریقہ
7 قیمتی اوقات اور زرخیز لمحے
8 میوزک خرمن ایمان کے
لئے چنگاری
9 حق چار یار
10 جب سچائی خود بولے

جلد ہفتم

1 پاکستان اور اہلسنت
کا باہمی رشتہ
2 مائیں جب فرمائیں
3 یہود و نصاریٰ اور ہمارا
جداگانہ تشخص
4 باپ کی شان اور امتحان
5 دین میں رائے اور تقلید
کی گنجائش
6 ختم نبوت اور قادیانی کفر
7 شہداء زندہ ہیں
8 اعتکاف یاد الٰہی میں انہماک
9 ناموس رسالت ﷺ کے
پہرے دار و جاگتے رہو
10 آئمہ محدثین اور اہل
قبور سے استمداد

جلد ہشتم

1 خانقاہیں اور لذت اسرار
2 میرے لئے اللہ کافی ہے
3 آرڈر پر اشیاء تیار کروانے
کے شرعی احکام
4 رگ ملت اور نشتر تعلیم جدید
5 جب رسالت خود خروزن ہو
6 حرمت شراب
7 انسانی حواس کا صحیح استعمال
8 نظام مصطفےٰ ﷺ ایک
مثالی انداز حکمرانی
9 اسلام ہم تیرے ہیں

جلد نہم

1 وصیت کے شرعی احکام
2 والدین مصطفےٰ کی دنیا میں رحمت
3 ناموس رسالت ﷺ کے
نگہبان وطلے
4 رسول اللہ ﷺ کی شجاعت
5 اسلام کی اپنی بیٹیوں سے گفتگو
6 رہن گروی کے مسائل
7 ایک عدوتی زندگی
8 حج کے اسرار و رموز
9 معرفت الٰہی اسباب و علامات
10 قرآن میں ہو غوطہ زن
اے مرد مسلمان!
11 تبلیغ دین کے فوائد
12 یہ شان رسالت ﷺ ہے
ذرا ہوش سے بول!

جلد دہم

1 تحفظ ختم نبوت ﷺ میں
علماء اہلسنت کا کردار
2 یہ ایک سجدہ ہے جسے تو
گراں سمجھتا ہے
3 دو قومی نظریہ ملکی سالمیت کا راز
4 جادو کی مذمت
5 روح کی طہارت
6 عظمت اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم
7 ایاک نعبد و ایاک نستعین
کی تفسیر
8 تصوف ایک خاموش
ایمانی تحریک
9 وسیلہ قرآن و سنت کی روشنی میں

صراط مستقیم پبلیکیشنز
5,6- مرکز الاولیس داتا دربار مارکیٹ، شیخ ہندی سٹریٹ، لاہور
042-37115771-2, 0321/0315-9407699

فہم دین

جلد نہم



مفتی مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز

5,6- مرکز الاولیس داتا دربار مارکیٹ، شیخ ہندی سٹریٹ، لاہور

042-37115771, 0321-9407699,0315-9407699

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (سورۃ التوبہ:۱۲۲)

اسلام کی آفاقی تعلیمات سے عوام کو روشناس کروانے کے لیے

فہمِ دین

جلد نہم

مولانا مفتی ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

صراط مستقیم پبلیکیشنز، کیسٹ اینڈ سی ڈی سنٹر
5-6 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
042-37115771 0321-9407699

نام کتاب ——— فہم دین (جلد نہم)

ازقلم ——— ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی

مرتب ——— مولانا محمد عبدالکریم جلالی (فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور)

مولانا سید عاصم علی شاہ صاحب (راولپنڈی)

باہتمام ——— شیخ محمد سرور اویسی، محمد آصف علی جلالی

تعداد ——— 1100

صفحات ——— 416

ہدیہ ——— 350

ملنے کے پتے

- صراط مستقیم پبلی کیشنز ○ کتب خانہ امام احمد رضا
- کرمانوالہ بک شاپ ○ قادری رضوی کتب خانہ لاہور
- مکتبہ بہار شریعت قادریہ دربار مارکیٹ لاہور
- نظامیہ کتاب گھر اردو بازار لاہور ○ مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور
- مکتبہ اھلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
- مکتبہ غوثیہ کراچی ○ مکتبہ برکاتہ المدینہ (کراچی)
- مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ ○ احمد بک کارپوریشن راولپنڈی
- مکتبہ ضیاء السنہ ملتان ○ فیضان سنت بوہڑ گیٹ ملتان
- جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ (بھکھی شریف منڈی بہاؤالدین)
- جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور ○ زاویہ پبلی کیشنز، لاہور
- جلالیہ صراط مستقیم گجرات ○ رضا بک شاپ گجرات
- اسلامک بک کارپوریشن کمال چوک ○ نوریہ رضویہ فیصل آباد
- اویسی بک سٹال 0333-6173630

فہرست

(باب نمبر2)

(باب نمبر3)

(باب نمبر4)

(باب نمبر5)

(باب نمبر6)

(باب نمبر7)

(باب نمبر8)

(باب نمبر10)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ

وعلیٰ آلك واصحابك یا حبیب اللہ

انتساب

جنیدِ زمان، حافظ الحدیث، امام العصر

حضرت پیر محمد جلال الدین شاہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کی فضاءِ معارف میں

قلب ونظر کو بالیدگی

اور عقل وخرد کو آسودگی

ملی

محمد اشرف آصف جلالی

تقریظ

تلمیذ حافظ الحدیث، شیخ الحدیث

حضرت علامہ حافظ محمد نذیر احمد گوندل

سابق شیخ الجامعہ مرکزی جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ و آلہ و اصحابہ اجمعین

فہم دین اور قرآن وسنت کی تعلیمات رضاء الٰہی کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہیں ان پر عمل پیرا ہونے سے بندے کو رب ذوالجلال کا قرب اور دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت میسر تی ہے۔

آج جب کہ نت نئی الحادی تحریکیں اٹھ رہی ہیں جگہ جگہ عریانی فحاشی کے اڈے قائم ہیں۔ نام نہاد روشن خیالی کا سیلاب طغیانیوں ہے، فسق وفجور کا آتش فشاں پھٹ رہا ہے بد عقیدگی اور بد عملی کے مداری کھلے عام لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں منافقت کے سودے سرعام ہو رہے ہیں، حقیقت شناس لوگ کم ہو رہے ہیں کیونکہ رہزنوں نے رہبروں کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ سادہ لوح مسلمان دین کے معاملات مین دھوکا کھا رہے ہیں ایسے حالات مین اہل حق کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں یہ ذمہ داریاں وہ علماء ہی ادا کر سکتے ہیں جو ایک طرف قرآن وسنت، فقہ وعقائد کا گہرا شعور اور ادراک رکھتے ہوں دوسری جانب عصری تعلیمات سے بھی آراستہ ہوں جو کسی بھی پلیٹ فارم پر جدت پسندوں کی آنکھوں کی میں آنکھیں ڈال کر پورے اعتماد کے ساتھ بات کریں۔

الحمدللہ "مولانا محمد اشرف آصف جلالی دامت برکاتہم العالیہ" اس معیار پر پورا اترتے ہیں انہوں نے علوم دینیہ اپنے دور کے عظیم علماء "حضرت علامہ قبلہ پیر سید جلال الملۃ والدین محمد جلال الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی اور مولانا محمد نواز صاحب نقشبندی رحمہ اللہ تعالی سے حاصل کیے اور چند اسباق خادم سے بھی پڑھے ہیں عالم باعمل ہیں، ماشاء اللہ تعالی مدرس بھی ہیں، بے مثل خطیب بھی ہیں، ادیب اور شیخ الحدیث بھی ہیں ،مناظر بھی ہیں، علمی اعتبار سے قد آور شخصیت ہیں اللہ تعالی ان جیسے علماء اہل سنت میں کثرت پیدا فرمائے ڈاکٹر صاحب کے والد صاحب ماسٹر صوفی غلام سرور صاحب سے بندہ کی قدیم زمانہ سے دوستی ہے۔لہذا میں ڈاکٹر صاحب کو بچپن سے جانتا ہوں جب یہ درس نظامی پڑھتے تھے تو طلباء کی خدمت کرتے تھے، عام طلباء ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔اس وقت سے جناب کے چہرے سے آثار تواضع نظر آتے تھے جو ماشاء اللہ اب تک زیادہ سے زیادہ ہی ہو رہے ہیں جتنی علمی ترقی زیادہ ہے اتنی ہی انکساری آج بھی زیادہ ہے جو علماء کی زینت ہے۔

فہم دین کورس پورا پورا مجھے عنایت کرتے ہیں اور میں تمام کا آہستہ آہستہ مطالعہ کرتا ہوں تو ماشاء اللہ دلائل مضبوط ہوتے ہیں عام فہم عبارت سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ قدوس ان کی عمر دراز فرمائے اور اپنی حفاظت خصوصی میں رکھے اور تندرستی سے رکھے اور ان کی اس سعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور ملت و امت کیلئے شافع ہو۔

15-02-2014

☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
1

وصیت کے شرعی احکام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا نِ الْوَصِیَّۃُ
لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ
(پارہ نمبر:2، سورۃ البقرۃ، سورہ نمبر:2، آیت نمبر:180)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَعَلٰی آلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاسَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ''ادارہ صراط مستقیم پاکستان'' کے زیر اہتمام بھٹی میرج ہال میں ہم سب کو پندرہویں سالانہ ''فہم دین کورس'' میں شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

﴿وصیت کے شرعی احکام﴾

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس میں انسان کی زندگی کے تمام احوال سے متعلق احکامات موجود ہیں، اور اتنی جامعیت کے ساتھ ان احکامات کو بیان کیا گیا ہے کہ کسی دوسرے ضابطے اور لائف کوڈ میں ہمیں ایسی مثال نہیں ملتی، جو جامعیت ہمیں قرآن وسنت کے احکام اور دین متین کی تشریحات میں ملتی ہے۔ وصیت کا انسانی زندگی کے احوال میں سے ایک نہایت حالؔ کے ساتھ تعلق ہے، اس بنیاد پر شریعت مطہرہ نے اس کی تفصیلات امت تک پہنچائیں، اور قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین میں

اس کی جا بجا وضاحتیں موجود ہیں۔

وصیت کا معنی

''وصیت'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے:

☆...... کسی بندے کو کسی کام کے لحاظ سے عہد منتقل کرنا۔

☆...... اپنے مال کا مخصوص حصہ کسی کی طرف منتقل کرنا۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الباب الرابع: الوصايا، الفصل الأول: الوصية، المبحث الأول: معنى الوصية، ج10، ص159)

شریعت مطہرہ میں، قرآن مجید کے اندر متعدد آیات میں وصیت کا ذکر اور اس کے احکام موجود ہیں۔

قرآن مجید میں وصیت کا بیان

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْف حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ

تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کیلئے موافق دستور یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر

لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ...... اپنے والدین اور اپنے رشتہ داروں کے لیے وصیت کرو،

بِالْمَعْرُوْفِ ...... معروف طریقے سے، پہچانے ہوئے دستور کے مطابق،

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ...... یہ متقی لوگوں پر حق ہے۔

(القرآن الكريم، سورة البقرة، رقم السورة:2، رقم الآية:180)

اس آیت میں وصیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب موت کا وقت آجائے اور تمہارا مال موجود ہو، تو اس کے بارے میں تم وصیت کرو اور یہ متقی لوگوں پر حق ہے۔

ایسے ہی دوسرے مقام پر جہاں اللہ تعالیٰ نے احکام میراث کو بیان کیا:

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ...... جو وصیت وہ کر گئیں اور دین نکال کر یعنی تقسیم کو وصیت کے بعد نافذ کرو، جو کی گئی ہے۔

(القرآن الكريم، سورة النساء، رقم السورة:4، رقم الآية:11)

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ...... جو وصیت تم کر جاؤ اور دین نکال کر وصیت جو تم کرنے والے ہو، اس وصیت کے پورا کر دینے کے بعد باقی ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔(القرآن الكريم، سورة النساء، رقم السورة:4، رقم الآية 12)

تو اس طرح ان آیات قرآنیہ کے اندر وصیت کا ذکر موجود ہے، اور وصیت کے احکام کو بیان کیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد فرامین وصیت کے بارے میں موجود ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وصیت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "حجة الوداع" کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، "جو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کرنے کے لیے گئے تھے اور وہاں شدید بیمار ہو گئے تھے، یہاں تک

کہ انہوں نے محسوس کر لیا کہ میں اب واپس مدینے شریف نہیں جا سکتا، یہیں مکہ شریف میں میرا وصال ہوگا"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لیے گئے، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ رو رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ: میں اس لیے روتا ہوں کہ مکہ شریف میں میری موت آجائے گی، جب کہ مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ شریف کو ہم نے اختیار کیا تھا، تو مدینہ شریف میں فوت ہونے کا جو ثواب ہے، وہ ضائع ہو جائے گا، اس واسطے میں موت کے آنے پر نہیں روتا بلکہ مدینہ شریف میں موت نہ آنے پر رو رہا ہوں کہ میری موت مکہ شریف میں آجائے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ:

اس بیماری سے تمہیں موت نہیں آئے گی، اللہ تمہیں زندہ رکھے گا، اور تمہاری وجہ سے کئی قوموں کو فائدہ پہنچے گا، اور اسلام دشمن متعدد قوموں کو تیری وجہ سے نقصان پہنچے گا۔

اس موقع پر جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے ذہن میں یہ بات پکی کر چکے تھے کہ میں دنیا سے جا رہا ہوں، تو انہوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کا ایک مسئلہ پوچھا، اس وقت ان کی ایک بیٹی تھی، لیکن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غیب کی خبر دی تو پھر وہ چوّن (54) ہجری تک زندہ رہے، اور ان کی نرینہ اولاد بھی ہوئی، اس وقت ایک بیٹی تھی، اس لحاظ سے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ پوچھا کہ کیا میں اپنی بیٹی کے لیے سارے مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ یا دو تہائی مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟

اس طرح نے انہوں نے بتدریج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کے بارے میں سوال کیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی وصیت سے منع فرمایا، لیکن جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ثلث مال کی وصیت کے بارے میں پوچھا کہ اپنے پورے مال میں سے تیسرے حصے کی وصیت کرسکتا ہوں؟

تو چونکہ احکام شرعیہ کا اظہار کرنا ان کا مقصد تھا اگرچہ ان کا وصال اس وقت نہیں ہونا تھا ، لیکن اس بات کا اظہار دوسروں کے لیے ضروری تھا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث پر جا کر فرمایا کہ:

اَلثُّلُثُ وَ الثُّلُثُ كَثِيْرٌ ...... کہ مجموعی مال کا تیسرا حصہ اپنی بیٹی کے لیے تم وصیت کرنا چاہتے ہو، تو پھر تم کرسکتے ہو۔

اس میں ایک تو وصیت کا ذکر آ گیا اور دوسرا یہ ضابطہ بیان کر دیا کہ کوئی بندہ اپنے مال سے وصیت کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے شریعت میں یہ اجازت نہیں کہ سارے مال کی وصیت کر جائے، کہ میرا یہ مال اتنا فلاں کو دے دیا جائے اور اتنا فلاں کو دے دیا جائے۔

وصیت کا دائرہ کار یہ ہے کہ وصیت وارث کے علاوہ کے لیے کی جاسکتی ہے، وارث کے لیے جائز نہیں ہے، جس کو شریعت نے وارث بنا دیا ہے تو پھر شریعت نے ان کو حق بھی دے دیا ہے، ان کے بارے میں وصیت نہیں کی جاسکتی، اگر کسی نے وارث کے لیے وصیت کی تو دوسرے وارث اس کے لیے اجازت دیں گے تو پھر وصیت نافذ ہوگی ورنہ وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

وصیت جو غیر وارث کے لیے ہے، اس میں یہ ہے کہ کوئی شخص جاتے وقت وصیت کر رہا ہے، تو اس کی وصیت پورے مال کے تیسرے حصے میں نافذ ہوگی، اگر اس کا پورا

مال مثال کے طور تیس ہزار (30,000) ہے، تو دس ہزار (10,000) تک وصیت نافذ ہوسکتی ہے۔

لیکن اگر وہ بیس ہزار (20,000) یا تیس ہزار (30,000) کی وصیت کر گیا، تو شریعت مطہرہ نے دس سے زائد وصیت کو لغو قرار دیا ہے، وہ وصیت نافذ نہیں ہوگی، ثلث سے زائد مال کا حق دار ہی نہیں رہا وہ مال ورثاء کا ہے، اس میں اس کی وصیت نافذ نہیں ہوگی، لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح کیا کہ وصیت ثلث مال کی ٹھیک ہے اور یہ مال خیر ہے اور اچھا ہے اور بہت بڑا مال ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ایک ایسا جملہ بولا جو کہ امت کے لیے مینارہ نور ہے، بہت سے لوگ دنیا سے جاتے وقت اپنی موت خراب کر لیتے ہیں کہ کچھ رشتہ داروں سے بغض پیدا ہو جاتا ہے اور کچھ لوگوں سے حسد پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنا مال خود ہی کسی طرف کر کے جاؤں، میرے بعد میرے ورثاء کو نہ ملے، یا وہ ورثاء کو محروم کرنا چاہتے ہیں، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِيْ أَيْدِيهِمْ

اگر تم اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ کے جاؤ کہ تمہارا ترکہ ان کو مل جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

(صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: أن يترك ورثته أغنياء خير من أن يتكففوا الناس، ج:3، ص:1006، رقم الحديث:2591)

اپنے ورثاء کو اس حالت میں نہ چھوڑو کہ وہ تمہارے پیچھے بھوکے ہوں اور تم اپنا سارا

مال آگے پیچھے دے کے چلے جاؤ، اور اپنے ورثاء کو محروم کر کے چلے جاؤ، اگر تم اپنے ورثاء کو اس حال میں چھوڑو گے کہ وہ تمہارے بعد مال دار ہوں، غنی ہوں، تو یہ تمہاری نیک نامی ہے، اس میں تمہارا فائدہ ہے، اس میں تمہیں صدقے کا ثواب ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کے احکام کو بیان کرتے ہوئے، تفصیل سے اس کو ذکر بھی فرمایا اور اس کی مختلف صورتوں کو اجاگر بھی کیا۔

وصیت کی اہمیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

مَا حَقُّ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُرِيْدُ أَنْ يُوْصِيَ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَ وَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ

جس مسلمان کے پاس کچھ بھی مال ہے اور وہ اس کی وصیت کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ وصیت لکھے بغیر دو راتیں بھی سو جائے۔

(صحیح مسلم، کتاب الوصية، باب: حدثنا أبو خيثمة، ج:5، ص:70، رقم الحديث: 4291)

یعنی اسے فوراً ہی اپنی وصیت لکھ لینی چاہیے، یہ ضروری نہیں کہ وہ بیمار ہو تو پھر لکھے، بلکہ ضروری یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے مال کی وصیت کسی کے لیے کرنا چاہتا ہے تو اس کی دو راتیں یوں نہ گزریں مگر یہ کہ وصیت اس کے سرہانے کے نیچے پڑی ہو، جس چیز کی وہ وصیت لکھنا چاہتا ہے وہ جلد لکھ لے اور وہ وصیت اس کے پاس موجود ہو، تاکہ اگر اس کی موت واقع ہو جائے تو جو ارادہ اس کا پہلے تھا، اس کو پہلے ہی لکھ چکا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو بندہ وصیت کر کے فوت ہوا:

مَاتَ عَلٰی سَبِیْلٍ وَّ سُنَّۃٍ ...... وہ بندہ سنت طریقے پر فوت ہوا اور اس کا دنیا سے جانا سنت طریقے پر ہوگا،

وَ مَاتَ عَلٰی تُقًی ...... اور اس کا جانا پرہیز گاری پر ہوگا،

وَ مَاتَ مَغْفُوْرًا ...... وہ اس حالت میں دنیا سے جائے گا کہ اس کی بخشش ہو چکی ہوگی۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب: الحث علی الوصیة، ج2، ص:901، رقم الحدیث: 2701)

ان احادیث کے اندر وصیت کا تذکرہ موجود ہے، آیت قرآنی میں ''کتب'' کے الفاظ موجود ہیں اور حدیث شریف میں وصیت کی فضیلت موجود ہے، اور پھر یہ کہ دو راتیں بھی ایسی نہ گذریں کہ جن میں وصیت لکھی ہوئی نہ ہو اور بندہ دنیا سے چلا جائے۔

''کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ'' میں وصیت کا اولین حکم تھا، بعد میں جب میراث والی آیت نازل ہوئی تو ''کُتِبَ عَلَیْکُمْ'' منسوخ ہوگئی۔

(الناسخ و المنسوخ فی القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، ص:19)

آیت میراث میں ہر حقدار کا حصہ بیان کر دیا گیا کہ فلاں رشتہ دار کا اتنا حصہ ہے، تو جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف حصے بیان کر دیے تو اب بندے کے پاس اختیار ہی نہیں رہا کہ وہ اپنی طرف سے حصے بنائے، اور اس کی ضرورت نہیں رہی، اس واسطے کہ اس پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ ''کُتِبَ عَلَیْکُمْ'' والی آیت ''لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ'' والی آیت سے منسوخ ہوگئی، لہٰذا وصیت کی فرضیت کا حکم باقی نہ رہا، اب شریعت میں وصیت کی حیثیت استحباب والی باقی رہ گئی ہے، ایک شخص کے لیے مستحب ہے کہ اگر وہ وصیت لکھنا چاہے تو وہ وصیت لکھے۔

اب ہم جس وقت وصیت پر بحث کریں گے تو نسخ کے بعد والے حکم کو دین متین کا حصہ سمجھا جائے گا۔

وصیت کی اقسام:

☆...... وصیت واجب:

اگر کسی شخص پر کسی کا قرض تھا اور اس نے وہ قرض دینا ہے تو جس وقت موت کی علامات ظاہر ہو گئیں تو اس پر واجب ہے کہ یہ ورثاء کو بتائے کہ میں نے فلاں بندے کا اتنا قرض دینا ہے، اب یہ "وصیت واجب" ہے، جو اس پر کسی کا حق ہے، اس حق کو یہ واضح کرے اور اس کے بارے میں مطلع کرے۔

ایسے ہی اسے پتہ ہے کہ میں نے دو سال کی زکوۃ نہیں دی یا کئی سالوں کی زکوۃ رہتی ہے، تو اس پر واجب ہے کہ وصیت لکھ کر اپنے ورثاء کے سپرد کر دے، کہ یہ میرے اوپر حق لازم ہے اور میں نے ابھی تک یہ حق ادا نہیں کیا، یہ حق تم نے میری طرف سے ادا کرنا ہے۔

یا اس پر حج فرض ہو چکا تھا مگر حج اس نے نہیں کیا تو اب اس پر وصیت کرنا واجب ہے کہ وہ ورثاء کو وصیت کرے کہ تم نے میری طرف سے حج ادا کرنا ہے تا کہ میرا واجب ادا ہو جائے۔

یا اس کے ذمہ کوئی کفارہ تھا کہ معاذ اللہ اس نے کوئی جھوٹی قسم اٹھائی تھی تو اب ورثاء کو وصیت کرنا لازم ہے کہ وہ انہیں بتائے کہ میرے ذمہ اتنے کفارے باقی ہیں۔

یا روزے کا فدیہ باقی تھا تو اب یہ ورثاء کو مطلع کرے کہ میرے ذمہ روزہ کا فدیہ لازم ہے، اس قسم کی وصیت واجب ہے لیکن جو اپنے ورثاء کو مال دینا تھا، وہ وصیت واجب

نہیں رہی، وہ مسئلہ آیت میراث نے پورا کر دیا ہے، اس میں ہر ایک حصہ کو کھول کر بیان کر دیا ہے، ہر ایک کے حصے کی تفصیل قرآن مجید نے مکمل بیان فرما دی ہے، لہذا وصیت کا وجوب ختم ہو گیا لیکن اس طرح کی وصیت واجب ہے کہ بندہ دیکھ لے کہ اس پر کون سا حق باقی ہے، اور کون سا کفارہ اس پر لازم ہے، اس کفارہ کے لحاظ سے انسان پر وصیت کرنا لازم ہے، تا کہ بعد از وصال آسانیاں پیدا ہوں، اس کی طرف سے اس کے ورثاء اس کو پورا کر دیں۔

☆...... وصیت مستحبہ:

یہ وہ وصیت ہے جو ایسے رشتہ داروں کے لیے کی جاتی ہے جن کو شریعت نے ترکہ کا حق دار نہیں بتایا، چونکہ بہت سے رشتہ دار ایسے ہیں جن کا دور کا تعلق بنتا ہے تو ان کا شریعت نے حق نہیں رکھا، تو ان رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا جو شرعی طور پر بندے کے ترکہ میں وارث قرار نہیں پاتے، اس وصیت کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

☆...... وصیت مباح:

وصیت مباح و مستحب میں فرق یہ ہے کہ مستحب ان رشتہ داروں کے لیے جو شریعت کی طرف سے وراثت کے حقدار نہیں، مگر وہ رشتہ دار ہیں، اور پھر وہ فقیر محتاج ہیں۔

مباح ان رشتہ داروں کے لیے جو شریعت کی طرف سے وارث نہیں ہیں لیکن وہ غنی ہیں ، ان کے لیے اپنے مال سے وصیت کرنا مباح ہے، کوئی اتنا کار ثواب نہیں ہے یعنی محض جائز ہے۔

ان رشتہ داروں کے لیے جو غنی ہیں لیکن ورثاء میں شامل نہیں، ان کے لیے وصیت مباح و جائز ہے۔

☆...... **وصیت مکروہ تحریمی:**

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وضاحت کی ہے کہ یہ وہ وصیت ہے جو نہ واجب ہے، نہ مستحب ہے، اور نہ مباح ہے، لیکن یہ ایسی وصیت ہے کہ جو شریعت میں مکروہ تحریمی ہے، یعنی حرام کے قریب ہے۔

مثال

کوئی بندہ مر رہا تھا تو اس نے کسی ڈاکو کے لیے وصیت کر دی، یا کسی چور، یا بدمعاش کے لیے وصیت کر دی کہ میری دکان کا اتنا حصہ فلاں کو دے دیا جائے، میرے مال کا اتنا حصہ فلاں کو دے دیا جائے، تو جس نے اہل معصیت یا اہل فسق میں سے کسی کے لیے وصیت کر دی، جو کہ گناہوں کے دھندے کرتا ہے، تو اس بنیاد پر اس کی وصیت مکروہ تحریمی ہوگی یعنی حرام کے قریب ہوگی، اس وصیت کو وصیت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

☆...... **وصیت مُحَرّمہ:**

ایک شخص دنیا سے جا رہا تھا، کہہ رہا تھا کہ میرا ایک پلاٹ سینما کے لیے دے دو تا کہ اس میں سینما بنایا دیا جائے، دوسرا پلاٹ شراب خانے کے لیے دے دو تا کہ اس میں شراب خانہ بنایا دیا جائے (معاذ اللہ)، تو یہ وصیت جو حرام کام کے لیے کر رہا ہے، گناہ کے لیے کر رہا ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور یہ وصیت شریعت میں غیر نافذ ہوگی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہمارا باپ، دادا جاتے ہوئے یہ کہہ گیا تھا تو اب ہم پر کرنا لازم ہو گیا ہے، شریعت مطہرہ نے ایسی وصیت کو حرام قرار دے دیا ہے، اور اس پر کوئی عمل درآمد نہیں ہونا چاہیے۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الباب الرابع: الوصایا، الفصل الأول: الوصیة، المبحث الأول: معنی الوصیة، ج 10، ص 164)

میت کا ترکہ

بندے کے ترکہ میں ایک خاص ترکیب ہے اس کو ذہن میں رکھنا لازم ہے، انسان کا ترکہ ہر وہ مال ہے جو دنیا میں چھوڑ کے جا رہا ہے، یا تو وہ مال ہو، یا مال کی منفعت ہو، یعنی کسی چیز کی پروڈکشن یا اس کا جو فائدہ ہے، وہ بھی ورثہ میں منتقل ہو جاتا ہے، تو جو چیز ورثہ میں منتقل ہوتی ہے، اس چیز میں وصیت کا اثر تیسرے حصے میں ہوتا ہے، اور اس کو نافذ کیا جاتا ہے۔

(الفقه الأسلامي و ادلته، الباب الرابع: الوصايا، الفصل الأول: الوصية، المبحث الأول: معنى الوصية، ج10، ص160)

تجہیز و تکفین

جس وقت ایک انسان فوت ہو گیا، تو فوت ہونے کے بعد مال میں سے جو پہلا حق ہے وہ اس کی تجہیز و تکفین کا ہے، اس کے لیے کفن خریدنے کے لیے، اس کی قبر کی تیاری کے لیے جو خرچہ ہو گا، وہ اس کے متروکہ مال میں سے پہلا خرچہ ہے۔

قرض

دوسرے نمبر پر اس کا جو قرض ہے وہ ادا کیا جائے گا، قرض سے پہلے وصیت نافذ نہیں ہو گی، اگر کسی شخص نے چالیس ہزار (40,000) قرض دینا ہے اور کل مال بھی چالیس ہزار ہے اور وہ وصیت کر گیا ہے کہ اس میں سے دس ہزار مسجد کو دے دو تو شریعت میں پہلا حق قرض خواہ کا ہے، وہ چالیس کا چالیس ہزار قرض خواہ کو دیا جائے گا، اور وصیت اس میں نافذ نہیں ہو گی کیونکہ قرض کا حق وصیت پر مقدم ہے، پہلے قرض ادا کیا جائے گا، اگر اتنا ہی مال تھا جو قرض خواہ کو دے دیا گیا تو نہ وارث کو ملے گا اور نہ ہی کوئی وصیت اس میں

نافذ ہوگی، اگر اس کی خلاف ورزی کی گئی تو وارث گناہ گار ہوں گے۔

قرض، ایک رکاوٹ

ایک شخص فوت ہو گیا اور اس کی چھوٹی چھوٹی اولاد باقی رہ گئی، اس کا بھائی اس کی اولاد کا نگران بن گیا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھنے لگا کہ:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بھائی نے ترکہ تو چھوڑا ہے، اس کے قرض خواہ بھی ہیں، مگر اس کی اولاد چھوٹی چھوٹی ہے، تو اگر میں یہ پیسے اس کے قرض خواہوں کو دے دوں گا تو اولاد کا کیا بنے گا؟

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اس کو قرض کی وجہ سے جنت سے روک دیا گیا ہے، اور تم اس کی اولاد کا سوچتے پھرتے ہو؟، پہلے اس کا وہ حق دو جس کی وجہ سے وہ جنت سے محروم ہو رہا ہے، اس کے بعد قرضے پورے کرو اور اس کے بعد اس کی اولاد کے سہارے بھی بن جائیں گے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الأحكام، باب: أداء الدين عن الميت،

ج 2، ص 813، رقم الحديث 2433)

یعنی اس حد تک کہ اولاد کے ہوتے ہوئے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلے تم وہ قرض ادا کرو، جو قرض اس پر لازم ہے اور وہ قرض اس نے ادا نہیں کیا، تاکہ جو چیز جنت میں جانے کے لیے رکاوٹ بن گئی ہے، وہ ختم ہو جائے۔

تو ایسی صورتحال میں ورثاء کو سوچنا چاہیے کہ جس وقت ان کا کوئی عزیز جس کے وہ وارث بن گئے ہیں، وہ مقروض دنیا سے گیا ہے، تو شریعت نے جو پہلا حق لازم کیا ہے

وہ تو تجہیز و تکفین ہے، پھر اس کے باقی ترکہ سے قرض ادا کیا جائے، اگر اسی قرض میں سب کچھ ختم ہو گیا تو اس میں وصیت ہے اور نہ وارث کو کچھ ملے گا۔

وصیت تیسرے نمبر پر اور تیسرے حصے میں

وصیت تیسرے نمبر پر ہے، تجہیز و تکفین اور قرض کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال کے تیسرے حصے سے وصیت کو پورا کیا جائے گا، اور پھر باقی ماندہ مال ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

ہمارے دین میں کتنی حسین تفصیلات ہیں، بتاؤ! دنیا کا ایسا کون سا ضابطہ ہے، جس میں ایک ایک چیز کو کھول کے بیان کر دیا گیا ہو، بڑے بڑے آئینوں کے دعوے داروں کے پاس ایک بات کے بعد دوسری بات نہیں ملتی، اور آگے مسئلہ ختم ہو جاتا ہے، یہ شریعت مطہرہ اور دین متین کی شان ہے کہ بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، اس وقت سے لے کر قبر تک جانے کے اور اس کے بعد کے مراحل کو کھول کے بیان کر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ترتیب پر بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، جس وقت ''مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ......'' پڑھی گئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دوستوں سے کہا کہ: سنو! میں تمہیں اس کی ترتیب بتاتا ہوں:

لٰكِنَّ الدَّيْنَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْوَصِيَّةِ ...... قرض وصیت پر مقدم ہے،

کیونکہ قرآن مجید میں جو آیت موجود ہے: ''مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ......''، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ:

قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّ الدَّيْنَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ ......

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کر کے گئے ہیں کہ دین (قرض) وصیت سے پہلے ادا کیا جائے گا۔

(المعجم الأوسط، باب الميم، من اسمه محمد، ج5، ص:226، رقم الحديث: 5156)

چونکہ آیت میں دونوں کا اکٹھا ذکر ہے، آیت میں وصیت کے پہلے آجانے سے مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا مقام بھی پہلے ہے، فرمانے لگے کہ:

ایسا نہیں ہے، اس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے کہ پہلے قرض اتارا جائے گا، اس کے بعد وصیت کو نافذ کیا جائے گا۔

تو اس واسطے یہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اسی ترتیب کے مطابق ترکہ تقسیم ہوگا۔

مُوصِی کے لیے شرائط

1 ...... اہل تبرع،

موصی اہل تبرع ہو، وہ اس حیثیت کا مالک ہو کہ کسی کے ساتھ نیکی کر سکتا ہو، اگر وہ اہل تبرع سے نہیں ہے تو اس کی وصیت باطل ہوگی۔

وضاحت اس کی یہ ہے کہ وصیت کرنے والا عاقل، بالغ ہو، اگر چھوٹے سے بچے کو کسی نے ورغلا کر کہا کہ تم وصیت کرو کہ میرے فلاں رشتہ دار کو اتنا مال دیا جائے، تو اب وہ اہل وصیت میں سے ہی نہیں، اس کے اندر وصیت کی شرط ہی نہیں ہے، وہ موصی بن ہی نہیں سکتا، اس میں اہلیت مفقود ہے، کیونکہ وصیت کرنے والا کے لیے ضروری ہے کہ شرعی طور پر مکلف ہو اور عاقل، بالغ ہو۔

ایسے ہی وہ بالغ تو ہے لیکن وہ پاگل ہے، یعنی مجنون ہے، اس کو اپنے نفع ونقصان کا کوئی

پتہ ہی نہیں ہے، اب اس کی وصیت کو وصیت ہی نہیں کہا جائے گا، وصیت تب معتبر ہے کہ جب وصیت کرنے والا عاقل بھی ہو، اور بالغ بھی ہو۔

2...... رضاء واختیار:

وصیت کرنے والا وصیت کرتے وقت راضی بھی ہو، اور مختار بھی ہو، اگر گن پوائنٹ پر کسی سے وصیت کروائی جائے، تو شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس کی وصیت کو باطل قرار دیا جائے گا، موصی خود راضی ہو اور اپنے اختیار سے وصیت کر رہا ہو، تو پھر اس وصیت کو ''وصیت'' کہا جائے گا۔

3...... مقروض نہ ہو:

وصیت کرنے والا اتنا مقروض نہ ہو کہ پورا مال اس کے قرضے میں چلا جائے، یا اگر اس کا سب کچھ بیچا جائے تو پھر بھی اس کا قرضہ پورا نہ ہوتا ہو، تو شریعت مطہرہ میں اس کی وصیت نافذ نہیں ہوگی، یہ اس کا اہل ہی نہیں کہ اس کی وصیت نافذ کی جا سکے۔

(الفقه الأسلامی و ادلته، الباب الرابع: الوصايا، الفصل الأول: الوصية، المبحث الثاني: شروط الوصية، المطلب الأول: شروط الموصي، ج 10، ص: 178 - 176)

مُوصٰی لہ میں شرائط

یعنی جس کے لیے وصیت کی جا رہی ہے، اس میں اگر شرائط پائی جائیں تو وصیت نافذ ہوگی، ورنہ نافذ نہیں ہوگی۔

1...... مُوصٰی لہ موجود ہو:

موصی لہ دنیا میں موجود ہو، فوت نہ ہو گیا ہو، یہ ضروری نہیں کہ موصی جس کے لیے وصیت کر رہا ہے اس مجلس میں بیٹھا ہو، اگرچہ وہ غائب ہو لیکن وہ زندہ ہو، تو پھر اس

کے لیے وصیت جائز ہوگی۔

وصیت کے وقت جس کا انتقال ہو چکا تھا، دنیا سے جا چکا تھا اور ادھر اس کے حق میں وصیت کی جارہی ہے، اگر چہ وصیت کرنے والا مُصر ہے کہ میں اس کے نام وصیت کرنا چاہتا ہوں تو شریعت روک دے گی، کیونکہ وصیت کسی کو مالک بنانا ہے، مالک بننا زندہ کا کام ہے، مردہ کا کام نہیں ہے، تو جو دنیا سے جا چکا ہے اس میں مالک بننے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی، اس واسطے اس کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

2...... مُوصٰی لہ معلوم ہو، مجہول نہ ہو:

مُوصِی یہ کہے کہ میں ایک بندے کے لیے وصیت کرنا چاہتا ہوں، تو اب بندہ کوئی بھی ہوسکتا ہے، یہ مجہول ہے، جبکہ موصی کو متعین کرنا پڑے گا کہ وہ فلاں بندے کے لیے وصیت کرنا چاہتا ہے، تو اب ایسے الفاظ بولنے سے کہ جن سے تعیین نہ ہو، وصیت ختم ہو جائے گی کیونکہ مُوصٰی لہ کو متعین نہیں کیا گیا ہے۔

3...... مُوصٰی لہ اہل تملک ہو:

جو بندہ مال کا مالک نہیں بن سکتا، اس کے لیے وصیت نہیں کی جاسکتی، اس بنیاد پر کہ جب وہ تملک کی اہلیت نہ رکھتا ہے تو پھر اس کے لیے وصیت جائز نہیں۔

حمل کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔

مثال

کسی شخص نے کہا کہ فلاں عورت کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا، اس کے لیے میں اپنی اتنی جائیداد دے رہا ہوں، چھ مہینے میں اگر اس بچہ کی ولادت ہوگئی تو یہ وصیت نافذ ہوگی

اور اس بچے کو یہ حصہ ملے گا، کیونکہ حمل کے لیے وراثت جائز ہے۔

مثلاً ایک شخص فوت ہو گیا ہے، اس کے دو بیٹے ہیں لیکن تیسرے بیٹے کی امید ہے، چھ مہینے بعد اس کے گھر میں بچے یا بچی کی ولادت ہو گئی تو چھ مہینے تک ورثہ تقسیم نہیں ہو گا، انتظار کیا جائے گا کہ اس کے گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے، یا بچی پیدا ہوتی ہے، جس وقت ولادت ہو گی تو اس وقت ورثہ تقسیم ہو گا۔

یہ اسلام کی عدالت ہے کہ اس بچے کا بھی حق رکھا گیا جو ابھی تک دنیا میں آیا ہی نہیں، ابھی تک وہ حالتِ حمل میں ہے۔

وہ لوگ بتائیں جو انسانی حقوق کی آواز اسلام کے علاوہ بلند کرنے کے دعوے کرتے ہیں، کسی کو اس حق کی خبر نہ تھی، یعنی پچھلی دہائی تک تصور بھی نہ تھا، لیکن چودہ صدیاں پہلے اسلام نے اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ جو شکمِ مادر میں ہے، اس کا بھی پورا حق ہے، اور جب تک وہ دنیا میں نہیں آئے گا، باقی کو روک کے رکھا جائے گا، کیونکہ اگر ورثہ بٹ گیا تو پھر اس کو کوئی بھی واپس نہیں کرے گا، جب یہ پیدا ہو جائے گا تو دیکھا جائے گا کہ بچہ ہے، یا بچی ہے، پھر اس کا کتنا حق بنتا ہے، پھر اس کے بعد اس کے حق کے لحاظ سے ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔

تو جہاں وراثت نافذ ہو جاتی ہے، وہاں حمل کے لیے وصیت بھی نافذ ہوتی ہے، تو جس بندے نے اس کے لیے وصیت کر دی جو شرعی وارث نہیں بن سکتا، تو شریعت نے گنجائش رکھی ہے کہ جب ولادت ہو جائے گی تو یہ وصیت نافذ کر دی جائے گی۔

(الفقه الأسلامي وادلته، الباب الرابع: الوصايا، الفصل الأول: الوصية، المبحث الثاني: شروط الوصية، المطلب الثاني: شروط الموصى له، ج 10، ص: 180-179)

مُوصٰی بہ میں شرائط

1...... مال:

جس چیز کی وصیت کی جارہی ہے، وہ مال ہو، کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مومن کا مال ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مومن کا مال نہیں ہیں، جیسے شراب، مومن کا مال نہیں ہے، خنزیر، مومن کا مال نہیں ہے، مردار، مومن کا مال نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے مال کو عزت بخشی ہے، جبکہ ان چیزوں کو شریعت نے ذلیل قرار دیا ہے، تو اگر خنزیر کو مومن کا مال کہہ دیا جائے تو خنزیر کو عزت مل جائے گی تو مومن کا مال کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

(القرآن الكريم، سورة التوبة، رقم السورة 9، رقم الآية: 111)

مومن کا مال تو وہ ہوتا ہے، جو مومن رب کو دیتا ہو اور سودا کرتا ہے کہ مال دے دیتا ہے اور جنت خرید لیتا ہے۔

یہ مال کی تعریف ہے کہ مومن کا مال کتنا اہم ہوتا ہے، اس کی شان کیا ہوتی ہے، ہر چیز مومن کا مال نہیں بن سکتی، اس واسطے نہ شراب مومن کا مال، نہ خنزیر مومن کا مال، نہ مردار مومن کا مال اور نہ گندی یعنی حرام چیزیں مومن کا مال ہو سکتی ہیں، تو پھر وصیت اس کی کی جائے جس کو شرعی طور پر مال کہا جاتا ہے۔

2...... مال متقوم:

جس کی وصیت کی جا رہی ہے، وہ مال متقوم ہو، اس مال کی قیمت ہو، اور وہ قابل تملیک ہو، اور وہ معصیت کے لحاظ سے وصیت نہ کی جا رہی ہو۔

(الفقه الأسلامي و ادلته، الباب الرابع: الوصايا، الفصل الأول: الوصية، المبحث الثاني: شروط الوصية، المطلب الثالث: شروط الموصى به، ج:10، ص:196-195)

اگر کوئی پیسوں کی وصیت کرتا ہے لیکن وصیت اس لیے کرتا ہے کہ اس سے سینما بنا دیا جائے، تو اب یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی، شریعت کے لحاظ سے وہ چیز وصیت میں آ ہی نہیں سکتی، تو اس بنیاد پر اس کو وصیت نہیں کہا جائے گا۔

اب آپ کہیں گے کہ وصیت ایک لفظ ہے، لیکن اس میں مسائل کتنے زیادہ ہیں، یہ ہمارے آئمہ کا کمال ہے کہ انہوں نے اس کی ہر لحاظ سے وضاحت کی ہے، اب ہمارے لیے وہ پکی پکائی کھیر کھانا بھی مشکل ہو گیا ہے، ایسے موضوع پہ کچھ لوگوں نے فہم دین کورس میں نشانی لگائی ہوئی ہوگی کہ یہ خشک موضوع ہے، اس میں نہیں جانا ہے کیونکہ اس میں بھی کیا کوئی ایسی چیز ہے جو سننے والی ہے؟

جب کہ قرآن مجید کی آیات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں، یہ تو بندہ مومن کا نصاب ہیں، اسی وجہ سے مؤمنوں اور کافروں کے درمیان فرق ہے کہ کافر کے لیے یہ نصاب نہیں ہے، اللہ نے بندہ مومن کو یہ نصاب عطا فرمایا ہے، دینی احکام اور فقہی احکام کے لحاظ سے ہر بندہ مومن میں کشش ہونی چاہیے کہ یہ ہمارا دین ہے، اور دین کا مطلب یہ ہے کہ جس کے مطابق زندگی بسر کی جائے، اور اگر پتہ نہیں ہوگا تو زندگی کیسے بسر کی جائے گی؟ ہر بندے کا ایک نصاب وصیت ہے، یا کوئی بندہ وصیت

کرنا چاہتا ہے، یا اس کے لیے کوئی وصیت کرنا چاہتا ہے، تو حق لینے کے لیے کل عدالت میں جلد جائے گا، لیکن اس کو پتہ ہی نہیں کہ وہ اس وصیت کا اہل ہوا یا نہیں، تو یہ المیہ ہے کہ اب بندہ انگریز کی عدالت پہ جا کے دستک دیتا پھرتا ہے، جن کے پاس کچھ ہے ہی نہیں، جبکہ شریعت نے ہر مسئلہ کھول کے بیان کر دیا ہے۔

وصیت کے ختم ہو جانے کے اسباب

وصیت ثابت ہو جانے کے بعد کینسل (Cancel) بھی ہو سکتی ہے، اس کے مختلف طریقے اور اسباب ہیں:

1...... موصی کی اہلیت ختم ہو جائے تو وصیت بھی ختم ہو جاتی ہے، وصیت کرنے والے نے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو یہ مال فلاں کو دے دینا۔

اور یہ بھی سن لو کہ وصیت مرنے سے پہلے نافذ نہیں ہوگی، یہ بھی لوگوں کی غلط فہمی ہے کہ میرے لیے فلاں نے وصیت کر دی ہے، مجھے ابھی یہ چیز دے دو، جو مرنے سے پہلے ہو اس کو تحفہ کہا جا سکتا ہے، اس کو عطیہ کہا جا سکتا ہے، لیکن اس کو وصیت نہیں کہا جا سکتا۔

اس سلسلے میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب ایک باپ نے اپنے ایک بیٹے کے لیے مال کا اعلان کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم سب بیٹوں کو اتنا اتنا دے رہے ہو، تو کہنے لگا کہ نہیں، میں سب کو تو نہیں دے رہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنی عاقبت خراب مت کرو، یا تو سب کو دو یا پھر اس کو بھی نہ دو۔

یعنی دنیا میں زندہ ہوتے ہوئے جو کچھ دیا جا رہا ہے، اس کی اور حیثیت ہے، اور فوت

ہونے کے بعد جو کچھ دیا جاتا ہے، اس کی اور حیثیت ہے، لیکن وہ وصیت موت سے پہلے کی ہو، وہ وصیت بیس سال پہلے کردی گئی ہو، یا دس سال پہلے کردی گئی ہو، یا پانچ منٹ پہلے کردی گئی ہو، تو وہ نافذ مرنے کے بعد ہوگی۔

جب ایک شخص نے وصیت کردی، بیس سال بعد اس کا وصال ہوا، اس وصیت کے بعد اگر وہ شخص مجنون ہوگیا، پاگل ہوگیا، تو اب وصیت ختم ہوجائے گی، وصیت کے لیے ضروری ہے کہ جو اس کی شرائط ہیں، وہ آخر تک باقی رہیں۔

یہ ضروری ہے کہ وصیت کرنے والا وصیت کرنے کے بعد مرنے تک اپنی اسی حالت میں موجود رہے کہ اس کی عقل سلامت رہے، تو پھر اس کی وصیت برقرار رہے گی، ورنہ اس کی وصیت ختم ہوجائے گی۔

اگر جنون عارضی تھا، کچھ وقت کے لیے آیا پھر صحیح ہوگیا، تو وصیت بھی برقرار رہے گی۔ لیکن جس جنون کا وصیت کے بطلان میں اعتبار کیا جاتا ہے وہ اس جنون کی بات ہے کہ جو جنون آیا ہے لیکن مرنے تک پھر وہ گیا نہیں ہے، وہ ہمیشہ مجنون ہی رہا، تو اس کی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

2...... وصیت کرنے والا مرتد ہوجائے تو پھر بھی اس کی وصیت ختم ہوجاتی ہے، اب وہ وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

3...... جس نے مشروط وصیت کی تھی، لیکن وہ شرط نہیں پائی گئی تو پھر بھی وصیت ختم ہوجائے گی۔

مثلاً: اگر مجھے فلاں دکان مل گئی تو میں وصیت کرتا ہو کہ فلاں بندے کو ایک لاکھ روپیہ دے دیا جائے، لیکن اس کو وہ دکان نہیں ملی، تو اب اس کے ترکہ میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

4...... اگر کوئی بندہ وصیت کر کے رجوع کرنا چاہتا ہو تو اس کو اختیار ہے، وہ رجوع کر سکتا ہے۔

ایسی بات نہیں کہ جب وصیت کر دی تو ''نقش فی الحجر'' ہو گیا، کہ تم نے خود کہا تھا کہ میرا اتنا حصہ دے دینا، اب تم یہ لفظ واپس نہیں لے سکتے، شریعت مطہرہ میں گنجائش موجود ہے، اگر کوئی بندہ وصیت کر کے رجوع کرنا چاہتا ہے تو وہ رجوع کر سکتا ہے، اس سلسلے میں رجوع صریح ہونا ضروری ہے، جس طرح وصیت کے اثبات کے لیے گواہوں کی ضرورت ہے، تو رجوع کے لیے بھی گواہوں کی ضرورت ہے۔

خلاصہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق وصیت کی جو اقسام ہیں، ان میں اگر غور کریں تو ہمارے لیے یہ بات واضح ہو گی کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی دو قسمیں بنائی ہیں:

1...... وصیت مطلقہ

2...... وصیت مقیدہ

احادیث کو سامنے رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وصیت کی دو قسمیں ہیں، ورنہ حدیث میں ان کے نام نہیں لکھے گئے، یہ صرف احادیث کا خلاصہ بنتا ہے۔

1...... وصیت مطلقہ:

أَوْصَيْتُ لِفُلَانٍ بِكَذَا ...... فلاں بندے کے لیے میں نے ایک لاکھ کی وصیت کر دی۔

2...... وصیت مقیدہ:

اِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِی ھٰذَا فَلِفُلَانٍ کَذَا ...... اگر اس مرض سے میں مرجاؤں تو فلاں بندے کو ایک لاکھ روپے دے دیا جائے، اگر میں اس بیماری میں مر گیا تو فلاں بندے کو لاکھ روپے دے دینا، یہ وصیت مقیدہ ہے۔

اگر وہ صحیح ہو گیا تو اس کے یہ لفظ ختم ہو گئے، اس کے لیے دوبارہ وصیت کرے گا تو وصیت مانی جائے گی، پہلی وصیت اس بیماری کے ساتھ مقید تھی، تو صحت کے بعد وہ ختم ہو گئی۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الباب الرابع: الوصايا، الفصل الأول: الوصية، المبحث الأول: معنى الوصية، ج:10، ص:160)

یہ مختصر سا خلاصہ تھا جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا، ورنہ اس پر کئی دنوں تک بحث کی جا سکتی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت کے دائرے میں رہ کر زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
2

والدین، بندے کی دنیا میں جنت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَنِ اشْكُرْ لِىْ وَ لِوَالِدَيْكَ اِلَىَّ الْمَصِيْرُ
(القرآن الكريم، سورة لقمان، رقم السورة:31، رقم الآية:14)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل وتوفیق سے ''ادارہ صراط مستقیم'' پاکستان کے زیر اہتمام پندرھویں سالانہ ''فہم دین کورس'' میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

والدین، بندے کی دنیا میں جنت

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن و سنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن حقوق العباد کی رہنمائی فرمائی ہے، ان اہم حقوق میں سے چند حقوق اس پر والدین کے ہیں۔

شریعت مطہرہ کا انسان پہ کرم ہے کہ وہ تقاضے جو ایک سلیم العقل انسان کے تقاضے ہیں، کہ وہ جن کا فرزند ہے، اور جن کا لخت جگر ہے، ان کی عزت اور ان کا احترام کرے، یہ طبیعت سلیمہ کا تقاضا بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے حکم دیکر اس کو شریعت کے احکام اور مامور بھا میں شامل کر دیا تاکہ بندہ مومن کو صرف مقتضائے طبیعت ہونے کے لحاظ سے محض ایک حیثیت میں اس کا بدل نہ ملے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا

حکم ہونے کی بنیاد پر اور شریعت کا تقاضا ہونے کی وجہ سے انسان کو آخرت میں اس کا بہترین اجر بھی عطا کیا جائے۔

والدین انسان کے لیے دنیا میں ہی جنت کا مقام رکھتے ہیں۔ بندے کو والدین کا اپنی حیات میں میسر رہنا اور اپنے والدین کی زندگی میں اپنے شب و روز گزارنا، اگر انسان اس کی حلاوتوں کو پوری طرح محسوس کرے تو یہ ایک جنت کا منظر ہوتا ہے، اور اتنے قیمتی لمحات ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے ایک مومن ہونے کی بنیاد پر اسے اپنے گھر میں ہی دنیا کے اندر ہی ایک طرح کی جنت عطا فرما دی ہے۔

جنت کا مطلب

اس سلسلہ میں شاید کسی کو تعجب بھی ہو کہ دنیا میں جنت کا مطلب کیا ہے؟ اور والدین کو جنت کہنا اس میں کوئی مبالغہ تو نہیں؟ تو میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ شریعت مطہرہ میں مختلف چیزوں کو دنیا میں ہی جنت قرار دے دیا گیا ہے۔

مثلاً: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا ...... جب تم جنت کے باغات کے پاس سے گزرو تو کچھ کھا پی لیا کرو،

تو پوچھا گیا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ ...... جنت کے باغات کونسی چیزیں ہیں؟

یعنی جو ظاہر ہے وہ تو یہ ہے کہ جنت آسمانوں پہ ہے، اور ہم زمین پہ ہیں اور جو زمین والا ہے اس کا گزر اتنی بلند جنت کے پاس سے کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جب گزر نہیں ہو

سکتا تو پھر وہ آسودگی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَسَاجِدُ ...... مسجدیں جنت کے باغات ہیں۔

(جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب :ما جاء فی عقد التسبیح بالید،

ج:5، ص:532، رقم الحدیث:3509)

مسجد میں سجدہ کرنا جنت کا پھل کھانا ہے، تو اس سے پتہ چلا کہ مسجد بندے کے جنت میں جانے کا سبب بن جاتی ہے، اور مسجد میں جانے کی وجہ سے جنت کی راہیں کھل جاتی ہیں، اور مسجد کے ساتھ اس کا جو ربط و تعلق ہے، وہ اس کے جنتی ہونے کی ضمانت بن جاتا ہے۔

تو اس بنیاد پر کسی چیز کا جو سبب ہوتا ہے، اس سبب کو اس چیز کا نام دے دیا جاتا ہے، تو چونکہ مسجد جنت میں جانے کا سبب تھی تو اس وجہ سے آپ ﷺ نے مسجد کو جنت کا نام دے دیا۔

محلے کی مسجد تمہاری جنت ہے، تمہاری جنت بالکل تمہارے قریب واقع ہے، تمہارے گھر کے ساتھ تمہاری جنت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ایک مقام پہ ارشاد فرمایا کہ:

جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھل دیے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب الصوم، ج:1، ص:582، رقم الحديث:1532)

تو اب ایک انسان جو زمین پر ہے، اور جنت آسمانوں پہ ہے، تو وہاں دروازے کھل

جائیں اس انسان کے لیے، ان کا فائدہ کیا ہے؟، جو زمین پر ہے اور جنت سے بہت دور ہے، جب کہ جنت کے دروازے کھلنے کا فائدہ تو اس کو ہوگا، جو دروازے تک پہنچ سکتا ہے، پھر کھلے ہوئے دروازے کا فائدہ ہوگا کہ وہ اندر داخل ہو جائے گا، جب کہ جنت ہم سے اتنی دور ہے۔

رمضان المبارک کی مہربانیوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جنت کے دروازے کھل گئے ہیں، تمہارے لیے بڑا سنہری موقع ہے۔ تو یہ سنہری موقع کس لحاظ سے بنے گا؟

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ایسا موسم آگیا ہے کہ جس میں جنت جانے کے اسباب بہت سے ہیں اور ان میں سے کچھ بھی کرو گے تو جنت تک چلے جاؤ گے یعنی تم جنت کے مستحق بن جاؤ گے۔

رمضان المبارک جو نیکیوں کا سیزن (season) ہے، یہ بندے کے جنت میں جانے کا سبب بن سکتا ہے اور واضح راستہ بن سکتا ہے، اس بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، یعنی وہ کام کرنے آسان ہو جاتے ہیں، جو کام بندے کے لیے جنت جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

تو اسی بنیاد پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت پوچھا گیا کہ والدین کے اولاد پر حقوق کیا ہیں اور والدین کی خدمت کے تقاضے کیا ہیں؟ تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جامع اور مختصر سا جملہ ارشاد فرمایا، جس پہ گھنٹوں نہیں، مہینوں بحث ہو سکتی ہے۔

والدین: بندے کی جنت بھی اور جہنم بھی

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ والدین کے بارے میں پوچھتے ہو

هُمَا جَنَّتُكَ وَ نَارُكَ

اے پوچھنے والے! تیرے والدین تیری جنت بھی ہیں اور تیری دوزخ بھی ہیں۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب: بر الوالدين، ج2، ص: 1208، رقم الحديث: 3662)

هُمَا جَنَّتُكَ ...... وہ دونوں تیری جنت ہیں یعنی والدین پر جنت کا لفظ بول دیا۔

وہ دونوں تیری جنت ہیں اگر تو ان کی خدمت کرے گا، گستاخی نہیں کرے گا، ان کا تمہاری زندگی میں میسر آنا اور ان کی خدمت کا چانس (chance) مل جانا، یہ بہت بڑی سعادت ہے اور تو اپنی زندگی میں اپنے والدین کو زندہ پالے تو اس وقت کی قدر و قیمت کتنی ہے، فرمایا:

هُمَا جَنَّتُكَ ...... وہ دونوں تیری جنت ہیں۔

مطلب کیا ہے کہ جنت میں جانے کا سبب ہیں، اور جنت کی طرف جانے کا دروازہ ہیں، جنت کی طرف جانے کا وہ راستہ ہیں، اور جنت کی طرف جانے کا وہ ذریعہ ہیں۔

اس بنیاد پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ ''جنت'' والدین پر بولا، تو اسی کے پیش نظر ہم کہہ رہے ہیں کہ والدین بندے کی دنیا میں جنت ہیں، اگر وہ انہیں جنت سمجھتا ہے، اور اگر اس نے ان کے حقوق پورے نہیں کیے، تو پھر وہی اس کے جہنم میں جانے کا سبب بن جائیں گے۔

بندے کو سوچنا چاہیے کہ اس کو جس جنت کی تلاش ہے اس کے بارے میں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس جنت کو ڈھونڈنے کے لیے تمہیں دور نہیں جانا پڑے گا، وہ جنت تو بالکل تمہارے قریب آباد ہے، ایک طرف تو وہ محلے کی مسجد ہے، وہ تو پھر بھی دور ہے، لیکن گھر کے اندر والدین، یہ بندے کی جنت ہیں، اگر تم ان کی طرف متوجہ ہوتے ہو اور ان کی خدمت کرتے ہو اور ان کی خدمت کے تقاضے پورے کرتے ہو، تو اللہ جل جلالہ نے بہت قریب تمہارے لیے جنت کو آباد کر رکھا ہے، اس بارے میں اللہ جل جلالہ نے احکام دیے ہیں، جیسا کہ اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے کہ:

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ...... یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

(القرآن الكريم، سورة لقمان، رقم السورة:31، رقم الآية:14)

یعنی اللہ جل جلالہ نے کتنی اہمیت دی ہے والدین کو، میرا شکر ادا کرنے کے بعد والدین کا شکر ادا کرو۔

دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا کہ:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(القرآن الكريم، سورة الاسراء، رقم السورة:17، رقم الآية:23)

یہاں اللہ جل جلالہ نے اپنی عبادت کے فوراً بعد حکم دیا کہ اپنے والدین کے ساتھ تم اچھا سلوک کرو، جب اس مقام پہ ارشاد فرمایا کہ:

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ...... یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

اللہ جل جلالہ کے بندے پر کتنے احسانات ہیں، اس کے کرم کی کتنی برکات ہم پہ برستی ہیں،

اور ہر وقت اس کے فضل کی برسات بندے کو سیراب کرتی ہے، اس کے بعد شریعت نے بندے کے والدین کو کتنا بڑا مقام دیا ہے، اگرچہ والدین کسی کے بالکل نادار ہوں، اور ان کے پاس سرمایہ نہ ہو، لیکن پھر بھی اولاد پر ان کے احسانات کتنے زیادہ ہیں۔

اللہ جل جلالہ نے مالدار والدین کے بیٹے کو یہ نہیں کہا کہ تیرے والدین چونکہ بڑے پیسے والے ہیں، تو میرا شکر ادا کر اور ان کا شکر ادا کر، بلکہ اللہ جل جلالہ نے بنی نوع انسان میں سے ہر ایک کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے والدین کا شکر ادا کرو، اگرچہ ان کے پاس پیسے نہ ہوں، وہ تمہیں اچھے کپڑے نہ پہنا سکتے ہوں، ان کے پاس تمہیں اچھا کھانا کھلانے کی گنجائش نہ ہو، اس کے باوجود ان کے والد اور والدہ ہونے کا جو مقام ہے، اور والدین ہونے کا جو اعزاز ہے، اس کی بنیاد پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ تم میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔

اِلَیَّ الْمَصِیْرُ...... آخر مجھی تک آنا ہے۔

اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ جہاں میرا شکر تم پہ لازم ہے، وہاں والدین کا شکر بھی تم پہ لازم ہے، اگر تم خلاف ورزی کرو گے تو کل تم سے مؤاخذہ ہوگا، کل تم سے پوچھا جائے گا، تمہارا احساب ہوگا، ایک ایک سیکنڈ تجھ پر اتنے کرم کیے تھے، اور تم سے شکر بھی میرا ادا نہ ہو سکا، ایسے ہی اس بات پر بھی مواخذہ ہوگا کہ تمہارے والدین تمہارے لیے کس قدر رحمت کا سائبان تھے اور کتنی ان کی شفقتیں تھیں، اور کتنا ان کا پیار تھا، اور تم نے ان کا شکر ادا نہیں کیا۔

اس واسطے اللہ جل جلالہ نے آگے فرمایا:

<u>میری طرف تمہارا ٹھکانہ ہے، تم نے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا، تم نے لوٹ کے میری</u>

طرف آنا ہے، میں تم سے پوچھوں گا کہ تم نے میرا شکر کتنا ادا کیا اور اپنے والدین کا تم نے کتنا شکر ادا کیا۔

اللہ جل جلالہ نے بندہ مومن کو یہ باور کرا دیا کہ تمہاری طبیعت کے جو تقاضے ہیں ان کے ساتھ شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، جس وقت تم اپنے والدین کو پیار و محبت کی نگاہ سے دیکھو گے، ان کی اطاعت کرو گے اور ان کے آرام کا خیال رکھو گے اور ان کے احکام بجالاؤ گے، تو تمہارا سینہ بھی ٹھنڈا رہے گا اور روح بھی چین میں رہے گی اور اللہ کے ہاں ثواب میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔

اللہ جل جلالہ نے دوسرے مقام پہ سورہ لقمان میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ...... اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔

(القرآن الكريم، سورة لقمان، رقم السورة: 31، رقم الآية: 15)

ان کے ساتھ جو تمہاری زندگی کا وقت گزر رہا ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں آنی چاہیے، اور کوئی سخت رویہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ سورہ بنی اسرائیل میں اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرُ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا

اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔

یعنی اگر وہ دونوں یا ان میں سے ایک تمہارے ہوتے ہوئے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے سامنے اف بھی مت کہو، نہ تم اف کہو، اور نہ تم جھڑکی دو، اور ان سے بات کرم

والی ہو، ان سے پورا جملہ عزت والا ہو، اور تمہارے انداز سے عزت چھلک رہی ہو، اور ادب کی جھلک اس میں موجود ہو۔

(القرآن الكريم، سورة بنی اسرائیل، رقم السورة: 17، رقم الآية: 23)

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے قرآن مجید میں یہ بتا دیا کہ تیرا نصاب یہ بھی ہے کہ جہاں میں نے نماز لازم کر دی، روزہ فرض کر دیا، استطاعت پر حج کو لازم کیا، اور زکوۃ کو لازم کر دیا، یہ میری طرف سے تمہارا نصاب ہے، اور میری طرف سے تمہارے لیے والدین کا نصاب بھی ہے، تم نے ان کا خیال رکھنا ہے۔

ایک بندے کے لیے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے والدین کی موجودگی والے لمحات اتنے قیمتی بنائے ہیں کہ بہار کے موسم میں یا خشک سالی کے موسم میں بارش فصل کے لیے اتنی مفید نہیں ہوتی جتنا والدین کا سایہ انسانی کھیتی کے لیے مفید ہوتا ہے، کوئی بڑے سے بڑا سرمایہ انسان کو وہ چین نہیں دے سکتا جو والد کا سایہ اور والدہ کا دست شفقت انسان کو فراہم کر سکتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس حیثیت کو جنت سے تعبیر کیا ہے، اور بار بار بندے کو بتایا کہ تم جس جنت کے لیے تڑپتے ہو، جس کی طلب کرتے ہو، جستجو کرتے ہو، اور ڈھونڈنے کی کوششیں کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ جنت پاس رہے اور تم جنت کو دھکے دیتے رہو، اور تم جنت سے سرکشی کرتے رہو، اور تم جنت کو پیچھے ہٹا کر جہنم کی طرف بڑھتے رہو۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں اپنے والدین کی زندگی کا موسم میسر آ گیا ہے، اسے جنت سے کم مت سمجھو، اور اس کی قدر کرو، ہر لمحہ جس وقت تم ان کی عزت افزائی کے لیے بے چین ہو جاؤ گے، ان کی خدمت میں لگے رہو گے، ہر کام پہ تمہارے لیے جنت کا دروازہ کھلتا رہے گا۔

جنتی دروازہ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ

جنت کے دروازوں میں سے سنٹرل دروازہ والد ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب البر والصلة، باب: من الفضل فی رضا الوالدین،

ج:4، ص:311، رقم الحدیث:1900)

والد جنت کے دروازوں میں سے مرکزی دروازہ ہے یعنی باپ کی خدمت کرو گے اور باپ کا ادب واحترام کرو گے اور اس کے آرام کا خیال رکھو گے تو پھر ادھر جنت کے دروازوں میں فاصلہ بہت زیادہ ہے، ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک کا فاصلہ ہزاروں میل کا ہے، تو مین (main) اور مرکزی دروازے کی طرف تمہاری رہنمائی ہوگی کہ تمہارا راستہ آگے پیچھے نہیں ہوگا اور ڈائریکٹ اسی جہت پہ تمہاری زندگی گزرے گی، جو والد کی بہت زیادہ خدمت کرنے والا ہوگا، اس کو اللہ جل جلالہ جنت کے مرکزی دروازے سے داخل فرمائے گا، شریعت نے باپ کو جنت بھی کہا اور جنت کا مرکزی دروازہ بھی قرار دے دیا۔

ماں کے قدموں تلے جنت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف ماں کی حیثیت کو بھی بیان فرمایا۔

حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کی:

اَرَدْتُّ أَنْ اَغْزُوَ فَجِئْتُكَ أَسْتَشِيْرُكَ...... میں جہاد پہ جانا چاہتا ہوں اور میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنے آیا ہوں،

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟ ...... کیا تمہاری امی زندہ ہے؟

تو حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری امی زندہ ہیں۔

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَالْزَمْهَا ...... پھر تم اپنی والدہ کی خدمت کرو،

اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا

بے شک تمہاری جنت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(شعب الایمان، الخامس و الخمسون من شعب الایمان و هو باب فی بر الوالدین،
ج 6، ص: 178، رقم الحدیث: 7833)

کتنا بڑا موقع تھا جہاد کا، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بندے کا نصاب دیکھا ہوا ہے، اس کے مطابق اس کو دیکھتے ہیں کہ اس کا پس منظر کیا ہے، اس میں کمی کیا ہے، اس کے لیے جہاد سے زیادہ لازمی کیا چیز ہے؟

تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ادھر جانتے ہیں کہ اس کا نصاب کیا ہے، اس کی بوڑھی والدہ ہے، اگر یہ جہاد پہ چلا گیا تو اس کی والدہ کی خدمت کون کرے گا؟

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کی خدمت کرو، تمہاری جنت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

تو اس طرح انسان کی کیفیتیں جدا ہوتی ہیں۔

کہیں تو یہ فرمایا تھا کہ:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ ...... جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الجهاد و السیر، ج 3، ص: 1082، رقم الحدیث: 2804)

کہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ تم اپنی والدہ کی خدمت کرتے رہو، اللہ جل جلالہ نے تمہاری جنت تمہاری والدہ کے پاس رکھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اب تم اِس حدیث کو سننا، اور جس کے والدین زندہ ہیں وہ ابھی سے سوچے، اور جو وقت ضائع ہو چکا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور توبہ کرے، اس کے بعد جو وقت اسے میسر ہے کہ اس کے والدین گھر میں موجود ہیں، اور اسے والدین کی زیارت کرنے کا موقع ملا ہوا ہے، تو وہ یہ سمجھے کہ یہ وقت جنت جیسا قیمتی وقت ہے۔

آج اگر کسی کو جنت دے دی جائے تو ایک ایک منٹ کتنا قیمتی ہوگا، جب جنت میں ان شاء اللہ جائیں گے، تو جنت سے کوئی نکلنا نہیں چاہے گا، اور نہ ہی کسی کو نکالا جائے گا، کیونکہ جنت کا لمحہ جب مل جائے تو اس سے اور زیادہ کوئی چیز قیمتی ہے ہی نہیں۔

اتنا قیمتی ٹائم جو جنت کا ہے اُس کا اندازہ کوئی دنیا میں نہیں کر سکتا، تو یہ بھی ہمارے نبی علیہ السلام کا ہم پہ کرم ہے کہ جو چیزیں ہمیں آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتی تھیں، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیکھ کے قیامت تک کی امت کو وہ ساری چیزیں بتا دی ہیں۔

ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعزاز ہے کہ آپ کے کان دور سے بھی سنتے ہیں اور قریب سے بھی سنتے ہیں، یہ بھی امت پہ کرم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں نے ہر چیز کو دیکھا ہے تو یہ بھی امت پہ احسان ہے۔

یہ ایسے حقائق ہیں کہ ہم قیامت تک لیبارٹریوں میں ایسی چیزیں نہیں دیکھ سکتے تھے جو

نگاہ نبوت نے ایک لمحہ سے پہلے دیکھ لی ہیں، اور بیان بھی فرمادی ہیں۔

جنت کے دروازے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ لَهُ وَالِدَانِ مُسْلِمَانِ يُصْبِحُ اِلَيْهِمَا مُحْتَسِبًا اِلَّا فَتَحَ لَهُ اللّٰهُ بَابَيْنِ يَعْنِي مِنَ الْجَنَّةِ۔

جس بندے کے والدین زندہ ہوں اور انہیں اس کی خدمت کی ضرورت ہو، بالخصوص جب وہ بڑھاپے کو پہنچ گئے ہوں، قرآن مجید میں بطور خاص اس بات کا ذکر ہے کہ:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرُ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا...... اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔

(القرآن الكريم، سورة الاسراء، رقم السورة: 17، رقم الآية: 23)

لیکن جس اجر کا حدیث میں ذکر ہے اس میں بڑھاپا کی بھی شرط نہیں ہے، خواہ والدین ابھی بالکل نوجوان ہوں، اچھے صحت مند ہوں یا بوڑھے ہو چکے ہوں، اگر اس انسان نے یہ تمام شرائط پوری کردی ہیں تو اس کو اجر پورا ملے گا۔

مَا مِنْ مُسْلِمٍ...... جو مسلمان بھی ہے،

اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ ہو، وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، وہ عربی ہو یا عجمی ہو، جو بھی مسلمان ہے، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَهُ وَالِدَانِ مُسْلِمَانِ...... اس کے مسلمان والدین ہوں، کافر والدین نہ ہوں، اس کے والدین مسلمان ہوں،

يُصْبِحُ اِلَيْهِمَا ...... صبح ہوئی، صبح کو نور پھیلا تو وہ والدین کے پاس چلا گیا، اور یہ خوش قسمت ہے کہ اس کے والدین زندہ ہیں اور اس کو اپنے والدین کی زیارت کا موقع بھی میسر ہے۔

مُحْتَسِبًا ...... جب صبح ان کے پاس جاتا ہے تو انہیں طلبِ ثواب کے لیے دیکھتا ہے، جو بچہ یا بچی اپنے والدین کو طلبِ ثواب کے لیے دیکھے:

اِلَّا فَتَحَ لَهُ اللّٰهُ بَابَيْنِ ...... تو اللہ تعالیٰ ایک نگاہ پر اس بچے کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے۔

اب تم غور کرو کہ والدین کا مقام کیا ہے، اور باہمی فائدہ اسلام میں کتنا ہے، یہ اسلام کی برکتیں ہیں، مطلقاً والد ہونے کا شرف نہیں بلکہ ساتھ ایمان کا شرف بھی ہے، اگر یہی والدین کافر ہوتے تو یہ ہزار بار دیکھتا رہتا اور ان کی خدمت کرتا رہتا لیکن یہ مقام نہ ملتا۔

جبکہ یہ وارے نیارے ہیں مسلمانوں کے، باپ اپنے بچے کو دیکھ رہا ہے، بچہ اپنے باپ کو دیکھ رہا ہے، دونوں کا دل ٹھنڈا ہو رہا ہے، دونوں کی جنت فائنل ہو رہی ہے، اپنے گھر میں موجود ہیں، اپنی جنت کا سفر بھی موجود ہے، جنت کا سامان ہے، اپنی والدہ کا رخ پرنور ہے، اس کی طرف بچہ دیکھ رہا ہے، جنت پکی ہو رہی ہے، اپنے باپ کا چہرہ پر نور ہے، اس کی طرف بچہ دیکھ رہا ہے، اس کی جنت فائنل ہو رہی ہے۔

والدین اتنے بڑے عابد و زاہد نہیں بلکہ سادہ سے ہیں، نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں، اور اپنے کام کاج میں مصروف رہتے ہیں، بیٹا اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہے، صبح کو آنکھ کھلی تو بیٹے نے باپ کا چہرہ دیکھ لیا، اپنی والدہ کا چہرہ دیکھ لیا، صرف طلبِ ثواب کے لیے، پتہ چلا کہ یہ وہ چہرے ہیں جنہیں دیکھنے میں رب نے ثواب رکھا ہے، اس لیے ثواب کی نیت کا حکم دیا جا رہا ہے، فرمایا: ویسے نہیں دیکھنا، بلکہ پیار سے دیکھنا ہے اور

طلبِ ثواب کی نیت سے دیکھنا ہے، جس نے دونوں کو دیکھا تو اللہ نے جنت کے دروازے کھول دیے ہیں۔

یہ دنیا میں بندے کی جنت ہیں کہ ان کو دیکھنے سے جنت کے دروازے کھلتے ہیں!، گھر میں والدین کے ساتھ ایک طبعی پیار بھی ہے، ایک طبیعت کا تعلق بھی ہے، اس کی بنیاد پر بھی کوئی دیکھتا ہے، لیکن ہم جس اجر کی بات کر رہے ہیں یہ طبعی پیار نہیں بلکہ یہ شرعی پیار ہے، چونکہ تقاضا تو طبیعت کا بھی ہے، اگر طبیعت کے تقاضے پہ اجر ملتا ہوتا تو ایک کافر کو بھی اپنے والدین کی زیارت پہ اجر مل جاتا، کافر اپنے والدین کو ہزار بار دیکھے اسے کچھ نہیں ملتا اور مومن ایک بار دیکھے تو جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس واسطے وہ تقاضا طبیعت کا تھا کہ والدین کو دیکھوں، لیکن شریعت نے چونکہ حکم دے رکھا ہے، اور دل میں ایمان موجود ہے، اس ایمان نے کافر اور مومن میں کتنا فرق بتا دیا، مومن نے والدین کو دیکھا تو جنت کے دروازے کھل گئے۔

تو یہ حدیث کا مضمون واضح کر رہا ہے کہ مومن وہ ہے جس کو اللہ نے گھر میں جنت عطا فرما رکھی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَإِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدٌ ...... اگر دو میں سے ایک زندہ ہے، والد یا والدہ زندہ ہے، اس بچے نے ان میں سے ایک کو دیکھا اور طلبِ ثواب کے لیے دیکھا، تو کیا ہوگا، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اللہ کے فضل سے ایک دروازہ کھل جائے گا۔

ایک کو دیکھا تو ایک دروازہ کھلا، دو کو دیکھا تو دو دروازے کھلے، اب روزانہ اٹھتا ہے اور

روزانہ دیکھتا ہے تو روزانہ دروازے کھلتے ہیں۔

اب تم خود سوچو کہ والدین نیکی کمانے کا کتنا بڑا سہارا ہیں اور کتنا بڑا وسیلہ ہیں کہ بندے کے والدین زندہ ہوں تو مفت میں اور چند لمحوں میں اتنی بڑی نیکیاں، اتنا بڑا فائدہ مل جائے گا۔

ارے رمضان میں جنت کا دروازہ کھلتا ہے، لیکن رمضان تو سال کے بعد آتا ہے، پھر حکم ہوتا ہے کہ بندے غنیمت کا وقت آ گیا، نیکیاں کر لو، بڑا اچھا موسم آ گیا، اللہ نے جنت کا دروازہ کھول دیا ہے، جہنم کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

تصور کرو کہ والدین کی زندگی میں، یہ بندے کے لیے کتنا بڑا قیمتی موقع ہے، کہ ادھر رمضان جیسا موقع آئے تو پھر یہ کہا جائے کہ اب تمھارے لیے جنت کے دروازے کھل گئے ہیں، ادھر روزانہ صبح دیکھتا ہے تو دروازے کھل جاتے ہیں، لہٰذا والدین کی لمبی زندگی اور والدین کا سایہ ایک بندے کے لیے دنیا تو دنیا رہی، آخرت کے لحاظ سے کتنا مفید ہے کہ وہ مواقع جو کبھی کبھی بنتے ہیں، والدین کی وجہ سے بندے کے لیے یہ چانس ہے بلکہ اس کے لیے رب نے رُت ہی ایسی بنا رکھی ہے کہ اس نے ان کو نگاہ رحمت اور پیار سے دیکھا ہے، اللہ جل جلالہ نے اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے ہیں۔

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَإِنْ أَغْضَبَ أَحَدَهُمَا...... اگر اس نے ان دونوں میں سے ایک کو ناراض کر دیا، پہلے جب راضی تھے اور یہ ان کو دیکھ رہا تھا تو جنت کے دروازے کھل رہے تھے، اگر اس نے ان میں سے کسی کو ناراض کیا تو کیا حکم ہے، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَمْ يَرْضَ اللّٰهُ عَنْهُ حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهُ...... جب تک باپ بچے پہ راضی نہیں ہوگا تو رب بھی اس بچے سے راضی نہیں ہوگا، اور جب تک والدہ بچے پہ راضی نہیں ہوگی تو اس

وقت تک رب بھی بچے سے راضی نہیں ہوگا، ان دونوں میں سے ایک کے ناراض ہونے پر اللہ تعالیٰ رحمت کے دروازے بند کر دے گا، ان دونوں میں سے اس کو راضی کرو جس کو ناراض کر دیا ہے، تو پھر تمہارے لیے جنت کے دروازے کھولوں گا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ:

وَاِنْ ظَلَمَاهُ ...... یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر چہ وہ والدین بچے پہ ظلم کرتے ہوں، تو پھر بھی وہ اپنے والدین کو ناراض نہ ہونے دے۔

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَاِنْ ظَلَمَاهُ ...... اگر چہ بطور فرض وہ اس پر ظلم کر رہے ہوں تو پھر بھی اس کا فرض ہے کہ ان کے سامنے اف نہ کہے، ان کے ساتھ نرم بات کرے، ان کی طبیعت کے مطابق ان کے تقاضوں کو سمجھے۔

(الأدب المفرد، باب: بر والديه و ان ظلما، ص: 12، رقم الحديث: 7)

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کتنا سنہری موقع عطا فرمادیا ہے، اس موقع سے اسے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

وہ کتنا سست ہوگا کہ جس کے گھر میں جنت ہو اور پھر بھی وہ جنت کا مستحق نہ بن سکے، دور ہوتی تو پھر رستے میں رہ جاتا، رستے میں بھٹک جاتا تو پھر اور بات تھی، گھر میں جنت ہے اور پھر بھی جنت کا مستحق نہ بن سکے، اس پر کتنا افسوس ہوگا، اس واسطے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

- وہ شخص خائب و خاسر ہے جس نے رمضان تو پایا مگر گناہوں کو بخشوا نہ سکا اور وہ بھی خائب و خاسر ہے کہ جس نے والدین کو اپنی زندگی میں پالیا اور ان کی خدمت کر کے

جنت حاصل نہ کرسکا، اور وہ بندہ کامیاب ہے کہ جس کو یہ موقع ملا کہ اس کے والدین زندہ ہیں، وہ ان کی بھرپور خدمت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے لیے جنت کے دروازوں کا اہتمام کرواتا ہے۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب البر و الصلة، ج:4، ص:170، رقم الحديث:7256)

نیز فرمایا کہ وہ خائب وخاسر ہے جس کے پاس میرا نام لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا۔

حج مبرور کا ثواب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دروازوں کے کھلنے کے مختلف مناظر پیش کیے، بطور خاص حدیث صحیح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍ يَنْظُرُ اِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَ رَحْمَةٍ

جو بھی فرمانبردار بیٹا اپنے والدین کو نظر رحمت سے دیکھے، تو کیا ہوتا ہے؟

اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَّبْرُوْرَةً

اللہ جل جلالہ ہر نگاہ پر مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

اب تم خود ہی اندازہ لگالینا کہ کیسے دروازے کھلتے ہوں گے، حج کے بارے میں تم سن چکے اور پڑھ چکے کہ:

رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ...... جو حج کر کے واپس آیا تو وہ اس طرح واپس آیا جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے، اس طرح اس کی نیکیاں ثابت ہوئیں اور اس کے گناہ مٹ گئے۔

(صحيح البخاري، كتاب الحج، باب: فضل الحج المبرور، ج 2، ص: 553، رقم الحديث: 1449)

یہاں رسول اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت کی کہ پہلے تو جنت کا ماحول میسر آیا، والدین کو صبح کے وقت دیکھا تو جنت کے دو دروازے کھل گئے، لیکن اگر صبح نہ دیکھ سکا تو یہ نہ سمجھے کہ اب دروازے نہیں کھلیں گے، دیکھنے میں آج کچھ نہیں ملے گا، یا یہ ہے کہ روزانہ ایک بار دیکھوں گا تو دروازے کھلیں گے یا نہیں؟

میرے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نگاہ دیکھو گے اور جب بھی دیکھو گے، دن میں دیکھو گے یا رات میں دیکھو گے، تو اللہ جل جلالہ تمہیں کتنا زیادہ ثواب دے گا، کتنا بڑا اجر عطا فرمائے گا، اللہ جل جلالہ ہر بار دیکھنے پر حج مبرور کا ثواب عطا فرمائے گا۔

لیکن ایک شرط ہے کہ وہ والدین کا فرمانبردار ہو، ان کا کہا مانتا ہو تو پھر دیکھنے میں ثواب ہے، لیکن جو ضدی، ہٹ دھرم، نافرمان ہے، والدین کا باغی ہے، اور پھر کہے کہ میں باغی تو ہوں مگر پیار سے دیکھ لیتا ہوں، میرے لیے بھی کچھ ہو جائے گا، تو اس نے خود اپنے لیے سب کچھ ضائع کر دیا۔

میرے آقا ﷺ کے فرمان کا مطلب ہے کہ والدین اسے ضرور نوازیں گے، والدین کی نگاہ اسے ضرور نوازے گی، لیکن شرط تو پوری کرے کہ وہ والدین کا خدمت گار ہو، اور ان سے شفقت اور محبت سے پیش آئے، جب وہ فرمانبردار ہو گا تو اس وقت اس کی ایک نگاہ والدین کے چہرے پر پڑے گی، تو اس نگاہ سے حج مبرور کا ثواب ملے گا۔

یہاں سے ہر مکتبہ فکر کا بندہ سمجھے گا کہ اس میں اچھا مضمون بیان کر دیا گیا ہے، اور یہ یقیناً سچا فرمان ہے، اگر ایک عام سے انسان اور عام سے والدین کو دیکھنے کا اتنا بڑا مقام ہے کہ ہر نگاہ پر حج مبرور کا ثواب ملتا ہے، تو جن کو رب ذوالجلال نے صبح صادق کا مطلع حق بنایا ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جب کسی مومن کی نگاہ پڑتی تھی تو اس کو کتنا

بڑا اجر و ثواب ملے گا، اور کیا کچھ ملے گا، جب کہ یہ کہنا کہ کوئی کسی کو دے نہیں سکتا اور اللہ کے نبی کچھ کر نہیں سکتے اور اللہ کے ولیوں کی حیثیت نہیں ہے، یہ ہمارے دین کے ساتھ مذاق ہے۔

دین کی مجموعی تعلیمات کو جو انسان سامنے رکھتا ہے، اسے سوچنا ہوگا کہ جن کی اتنی حیثیت پر اتنے بڑے اجر و ثواب کا اعلان ہو رہا ہے، ایک ایک نگاہ پر حج مبرور کا ثواب ملتا ہے، تو جس کو رب ذوالجلال نے وہ انداز دیا ہے کہ جن کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے، یقیناً ان کے جلووں کا عالم بھی نرالا ہوگا۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہماری بہت سے مشکلیں حل کروائیں، اگر آج ہم اس کو بیان کریں، تو آپ کے ذہن میں سوال آئے گا اگر کوئی شخص سو مرتبہ دیکھے یا ہزار مرتبہ دیکھے تو پھر کیا ہوگا، ویسے تو سال میں ایک حج آتا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک دن میں اتنے حجوں کا ثواب مل جائے، آج تم پوچھتے تو یہ بات قیاس سے ہم بیان نہ کر سکتے لیکن ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے اور آپ کے صدقے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کرم ہے کہ انہوں نے پوچھا:

وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ ...... یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی بچہ دن میں سو مرتبہ اپنے والدین کو دیکھے تو پھر کتنا ثواب ملے گا، تو کیا کوئی سو بار دیکھے تو اسے سو حج کا ثواب ملے گا، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب سے پوچھا تو کیا ہوا؟

قَالَ نَعَمْ ...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہاں، اگر کوئی اپنے والدین کو ایک دن میں سو بار پیار کی نظر سے دیکھتا ہے، ساتھ ہی وہ فرمانبردار بھی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی کمی نہیں ہے، وہ سو نگاہ پر سو حج مبرور کا ثواب عطا فرما دے گا، اس کے ہاں

تو کوئی کمی نہیں ہے، کوئی ہزار بار دیکھے تو ہزار حج کا ثواب، اور کوئی لاکھ بار دیکھے تو لاکھ حج کا ثواب۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَ أَطْيَبُ ...... اللہ تعالیٰ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ پاک ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ تم پڑھتے نہیں ہو کہ "اَللّٰهُ أَكْبَرُ" تو جو اکبر ہے، اس کے ہاں تو کوئی کمی نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ سو کا ثواب دے گا تو اس کے خزانہ میں کمی آ جائے گی، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

(شعب الایمان، الخامس و الخمسون من شعب الایمان، ج6، ص:186، رقم الحدیث:7856)

جو فرمانبردار بیٹا شفقت و پیار سے والدین کو ہزار بار دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ثواب عطا فرمائے گا۔

انسان اگر اپنے ساتھ وفادار ہو جائے تو اس کو ترقی کتنی ملتی ہے، ویسے تو زندگی میں مشکل سے کوئی ایک حج کر سکے یا دو کر سکے، لیکن یہ روزانہ میں کوئی تین سو حج کر لے، اپنے گھر میں بیٹھا ہوا سفر کیے بغیر حج کرتا رہے، گھر بیٹھے مومن کو سب کچھ میسر ہے، گھر میں حج کا ثواب مل رہا ہے، گھر میں جنت ہے، اور گھر میں حج ہے، کیوں؟

اس لیے کہ گھر میں والدین ہیں، گھر میں والدین کا سایہ ہے اور ان کی صحبت ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس قدر ان کو عظمت دی ہے کہ ایک ایک نگاہ پر اللہ تعالیٰ ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ شان ایک مومن کو دی ہے، لیکن جو کافر ہے اس کو اس کا کفر پیچھے ہٹا رہا ہے، اس کی رفتار کو سست کر دیتا ہے، اُس انسان کو دھکے دے کر ذلت کے گڑھوں میں

لے جاتا ہے، اور ایمان میں بندہ ایڈوانس کتنا ہو جاتا ہے، زندگی تھوڑی سی ہوتی ہے، ہوسکتا ہے چودہ، پندرہ سال میں فوت ہو جائے مگر زندگی میں پانچ سو حج اس کے اکھٹے ہو چکے ہیں، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے یہ موقع رکھا ہے، وہاں شریعت نے یہ بات بھی بیان کر دی ہے کہ کیونکہ رب کے حکم پر کر رہا ہے، اور نبی ﷺ کے فرمان پر کر رہا ہے، تو اب صرف طبیعت ہی نہیں بلکہ ساتھ شریعت بھی ہے، تو گھر میں تمہاری اپنی چاہت تھی تو دیکھو اللہ تعالیٰ ہر نگاہ پر حج مبرور کا ثواب عطا فرما رہا ہے۔

مسکراہٹ نے کام بنا دیا

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا نَظَرَ الْوَالِدُ اِلٰی وَلَدِہٖ فَسَرَّہٗ ...... جب والد اپنے ولد کو دیکھے پس خوش ہو۔

یعنی جس وقت والد اپنے بیٹے کو پیار سے دیکھے، اس میں بچے کی فرمانبرداری کا دخل ہے کہ باپ اپنے بچے سے بہت خوش ہے، اور اس بچے کو شوق سے دیکھ رہا ہے، تو اس کے لیے کیا ہوگا، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

کَانَ لِلْوَلَدِ عِدْلُ عِتْقِ نَسْمَۃٍ ...... جب ایک بار باپ خوش ہو کر اپنے بچے کو دیکھے گا تو اس بچے کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب مل جائے گا۔

باپ نے جب خوش ہو کر بچے کو دیکھا اور ماں نے خوش ہو کر جب بچے کو دیکھا تو اس بنیاد پر بچے کے لیے یہ ثواب ہے، یہاں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھ لیا کہ:

یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

وَاِنْ نَظَرَ سِتِّیْنَ وَ ثَلَاثَ مِائَۃِ نَظْرَۃٍ ...... اگر باپ اپنے بیٹے کو تین سو ساٹھ مرتبہ دیکھے،

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے:
اَللّٰهُ أَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ ...... اللہ تعالیٰ کی شان تو اس بھی وراء ہے۔

(شعب الایمان، الخامس و الخمسون من شعب الایمان، ج6، ص:186، رقم الحدیث:7857)

تم تین سو ساٹھ پوچھتے ہو، تین ہزار ساٹھ پوچھو تو پھر بھی اللہ کے خزانے کھلے ہیں، جس وقت ایک والد اپنے بچے پہ خوش ہے ایک نیکی کی وجہ سے اور اس کو دیکھ رہا ہے، اس باپ کی نگاہ پر تین سو ساٹھ غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب مل جائے گا۔

اس واسطے کہا گیا ہے کہ والدین دنیا میں بندے کی جنت ہیں، ان کے ساتھ اگر اچھا تعلق ہو گا تو جنت پکی ہو جائے گی۔

بدبخت شخص

اگر کوئی شخص اپنے والدین کو دکھ دیتا ہے، اپنے والدین کا دل زخمی کرتا ہے، اپنے والدین کی روح کو مجروح کرتا ہے، ان کے منہ پہ گالیاں دیتا ہے، اور ان کی نافرمانی کرتا ہے، یا ان کے منہ پہ برا بولتا ہے، یا سخت رویہ اختیار کرتا ہے، اپنے والدین کو ہر وقت غصے میں رکھتا ہے، اس کی حیثیت کیا ہے؟

حضرت عوام بن حوشب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جگہ ٹھہرا تو وہاں ساتھ ہی ایک قبرستان موجود تھا، نماز عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ:

اِنْشَقَّ مِنْهَا الْقَبْرُ ...... ایک قبر پھٹی،

فَخَرَجَ رَجُلٌ ...... اس قبر سے ایک بندہ باہر نکلا،

رَأْسُهُ رَأْسُ حِمَارٍ وَ جَسَدُهُ جَسَدُ إِنْسَانٍ ...... اس کا سارا جسم انسانوں جیسا

تھا مگر اس کا سر گدھے جیسا تھا،

فَنَهَقَ ثَلَاثَ نَهْقَاتٍ ...... تین مرتبہ گدھے کی طرح ہنہنایا،

ثُمَّ انْطَبَقَ عَلَيْهِ الْقَبْرُ ...... اس کے بعد اس پر قبر بند ہوگئی اور وہ قبر میں چھپ گیا،

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت چرخہ کات رہی تھی، تو وہاں کے زندہ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ بوڑھی عورت کون ہے اور یہ گدھا کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ مجھے تو اس کا علم نہیں ہے کہ یہ کون ہے، اس کا پورا بدن انسانی ہے، سر گدھے جیسا ہے۔

تو کہا گیا کہ اس شخص نے دنیا میں اپنی والدہ کو ناراض کیا تھا اور بڑے گندے لفظ بولتا تھا، اور یہ شرابی تھا،

كَانَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ ...... وہ شراب پیتا تھا،

جس وقت وہ شراب پیتا تھا تو اس کی ماں کہتی تھی کہ:

يَا بُنَيَّ اِتَّقِ اللّٰهَ ...... اے میرے بیٹے! خدا سے ڈر،

ماں بڑے پیار سے کہتی تھی، میرے بچے خدا سے ڈر، شراب چھوڑ دے اور یہ بدی کا رستہ چھوڑ دے، جو کچھ تیرے کرتوت ہیں یہ ٹھیک نہیں ہیں، توبہ کر اور نیک بن جا، آگے سے وہ کہتا تھا کہ:

اِنَّمَا اَنْتِ تَنْهَقِيْنَ كَمَا يَنْهَقُ الْحِمَارُ

میری ماں! کیوں گدھے کی طرح ہنھنا رہی ہے،

اس کی ماں اس کو سمجھاتی تھی کہ بچے خدا سے ڈر، شراب چھوڑ دے، اپنا کردار صحیح کر، یہ کہتا تھا: امی ہنھناتی کیوں ہے؟ گدھے کی طرح تو ہنھنا رہی ہے، ہمیشہ یہ طریقہ رہا،

ماں سمجھاتی رہی کہ تو نیک بن جا، آگے سے وہ نہ بات مانتا تھا اور نہ ہی ادب کرتا تھا بلکہ وہ ''گدھی'' کا لفظ بولتا تھا۔

تو آج دیکھو قبر میں اس کا چہرہ گدھے جیسا بن چکا ہے اور دنیا کو عبرت کا سبق دینے کے لیے اس کی قبر روزانہ عصر کے بعد پھٹتی ہے، اور روزانہ یہ قبر سے باہر نکلتا ہے اور روزانہ تین بار ہنہناتا ہے، اس کے بعد اس کی قبر بند ہو جاتی ہے۔

اس کو بتایا گیا کہ تو عصر کے بعد اپنی ماں کو گدھی کے ہنہنانے جیسے الفاظ کے ساتھ تعبیر کرتا تھا، تجھے اس کی سزا قیامت تک بھگتنی پڑے گی۔

(الترغیب و الترھیب، کتاب البر و الصلة و غیرھا، ج 3، ص: 226، رقم الحدیث: 3789)

ایک وہ انداز ہے کہ بیٹے نے پیار سے دیکھا تو مقبول حج کا ثواب مل گیا، ایک غلام آزاد ہو گیا اور جنت کے دروازے کھل گئے، دوسری طرف یہ بچہ ہے جس نے گستاخی کی ہے اور صورتحال یہ ہے کہ وہ گدھا بن گیا ہے۔

تو آج لمحہ فکریہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس اپنے والدین کے لحاظ سے رویہ میں کجی ہے، کوئی کمی ہے، یا کوئی گستاخی ہے، کوئی بے ادبی ہے، کوئی اکڑ اور تکبر ہے، اس کے لیے حق ہے کہ وہ اپنے والدین سے معافی مانگے، اور پھر اللہ تعالیٰ کا اس توفیق پہ شکر ادا کرے کہ والدین کی زندگی کے ایام میسر ہیں اور بہار کا سایہ اس کو حاصل ہے، اور جنت کی تسنیم کی ہوائیں چل رہی ہیں۔

جس کے گھر والدہ بیٹھی ہے، جس کے گھر اس کا باپ موجود ہے، وہ گھر جاتا ہے تو جنت کی چاندنی ہوتی ہے، وہ گھر جاتا ہے تو خوشبو جنت کی ہوتی ہے، اس گھر میں چراغاں جنت کا ہوتا ہے، اس گھر کے اندر جو بہار ہے وہ جنت کی ہوتی ہے، اس واسطے کہ ایک

بوڑھا انسان جس گھر میں ہوتا ہے۔

اس بنیاد پر رسول اکرم ﷺ نے ایک طرف تو والدین کو جنت کہا اور پھر یہ بتایا کہ جنت قریب کتنی ہے، دروازے کیسے کھلتے ہیں، یہ نہ سمجھو کہ جنت بڑی دور ہے، مریں گے تو پھر جا کر کچھ ہوگا، ہم تمہیں آسان سا طریقہ بتاتے ہیں، اس پہ چلتے جاؤ گے تو زندگی بھی گزرتی جائے گی اور جنت کے دروازے بھی کھلتے جائیں گے۔

دیکھنے میں عبادت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ نگاہیں عبادت ہیں، ویسے تو یہ ہے کہ دیکھنا تیر ہے، لیکن کچھ مقامات ایسے ہیں کہ وہاں دیکھنا عبادت ہے، اس لیے کہ ان کے دیکھنے سے اللہ راضی ہوتا ہے، وہ کونسے مقامات ہیں؟

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَلنَّظَرُ اِلَی الْوَالِدِ عِبَادَۃٌ ...... والد کو دیکھنا عبادت ہے، یہ نہیں کہ جس کا والد محدث ہو اور پھر اس کو دیکھنا عبادت ہے، جس کا والد عالم ہو تو پھر اس کو دیکھنا عبادت ہے، جس کا والد ولی ہو تو پھر اس کو دیکھنا عبادت ہے، بلکہ فرمایا: نہیں،

اَلنَّظَرُ اِلَی الْوَالِدِ عِبَادَۃٌ ...... عام سادہ سا انسان ہے، لیکن وہ ہے تمہارا والد، اس کو دیکھنا شریعت نے عبادت قرار دیا ہے، والد کو دیکھنا عبادت ہے، جس کو دیکھنا شریعت نے عبادت بنایا ہے اسے پھر خود شرم آئے گی کہ میرا کام ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ جس سے میرے بچے پہ برے اثرات پڑیں، مجھے شریعت نے یہ مقام دیا ہے کہ میری زیارت عبادت بن گئی ہے۔

وَ النَّظُرُ اِلَی الْکَعْبَةِ عِبَادَةٌ...... کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے،

وَ النَّظُرُ فِی الْمُصْحَفِ عِبَادَةٌ...... قرآن مجید کو کھول کے دیکھنا عبادت ہے،

وَ النَّظُرُ اِلٰی أَخِیْکَ حُبًّا لَهٗ فِی اللّٰهِ عِبَادَةٌ ...... کسی مسلمان کو پیار سے اللہ کی رضا کے لیے دیکھنا، یہ بھی عبادت ہے۔

(شعب الایمان، الخامس و الخمسون من شعب الایمان و هو باب فی بر الوالدین، ج6، ص: 187، رقم الحدیث: 7860)

اس طرح ان چار نگاہوں کو شریعت مطہرہ نے اتنا بڑا مقام عطا فرمایا ہے۔ جس وقت یہ دروازے انسان کے لیے کھلے ہیں تو شریعت مطہرہ نے ان کے لیے پہرے لگائے، تا کہ انسان کا نقصان نہ ہو، انسان اپنے فائدے کی طرف متوجہ رہے، اور فائدے میں کبھی بھی اس کی کوتاہی نہ ہو۔

خدمت کا ایک انداز

اس سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو جو حیثیات دی ہیں، والدین کی زندگی سے لے کر ان کے وصال تک، حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ شریف آیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مجھے ملنے آگئے، حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مجھے ملنے آئے تو کہنے لگے:

أَتَدْرِیْ لِمَ أَتَیْتُکَ ...... تم جانتے ہو میں تمہارے پاس کیوں آیا ہوں؟ میرے آنے کی وجہ کیا ہے؟

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مجھے تو اس کا پتہ نہیں ہے کہ آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

میں نے اپنے آقا ﷺ سے یہ سنا ہے کہ

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّصِلَ أَبَاهُ فِي قَبْرِهِ فَلْيَصِلْ اِخْوَانَ أَبِيْهِ بَعْدَهُ

جو انسان یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے والدین کی ان کے چلے جانے کے بعد خدمت کروں تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

اس بندے کو چاہیے کہ اپنے باپ کے دوستوں کا ادب کرتا رہے، اپنے باپ کے دوستوں کی خدمت کرتا رہے، اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے، اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

(مسند أبي يعلى، تابع مسند عبد الله بن عمر رضي الله عنه، ج:10، ص:37، رقم الحديث:5669)

تو کہنے لگے: ابو بردہ تمہیں پتہ نہیں کہ تمہارے ابا جی میرے ابا جی کے دوست تھے، میں تمہیں اس لیے ملنے آتا ہوں کہ میں تمہیں ملوں گا تو میرے ابا جی قبر میں خوش ہو جائیں گے کہ میرے دوست کے بیٹے سے ملنے میرا بیٹا چلا گیا ہے، یہ آداب اور تقاضے شریعت نے بیان کر دیے کہ ظاہری حیات میں اس طرح فائدہ ہے کہ جنت کے دروازے کھلتے ہیں، لیکن والدین والا مقام بہت زیادہ حساس ہے، ایک ہی چیز کو کہا گیا کہ یہ جنت بھی ہے اور دوزخ بھی ہے:

هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ ..... تیرے والدین تیری جنت بھی ہیں اور تیرے والدین تیری دوزخ بھی ہیں۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب: بر الوالدين، ج:2، ص:1208، رقم الحديث:3662)

چاہے تو جنت بنا لے، چاہے تو دوزخ بنا لے، اگر ان کی فرمانبرداری کرے گا تو تیرے لیے جنت ہے، ان کی نافرمانی کرے گا تو یہی تیرے جہنم میں جانے کا سبب بن جائیں گے، چونکہ اب ان کی نافرمانی ہو گی ہے تو یہ ناراض ہوں گے، اور یہ ناراض ہوں گے تو رب ناراض ہوگا، پھر تو جہنمی بن جائے گا، اس واسطے کہ سادہ جنت ہوتی تو اس کا اور معاملہ تھا، جبکہ یہ اتنا بڑا معاملہ ہے کہ تھوڑا سا فرق آنے سے زمین و آسمان کا فرق آجائے گا، وہی مقام جو جنت ہے، وہی دوزخ جانے کا سبب بن جائے گا۔

اس واسطے فرمایا کہ ان کے آداب کو ہر وقت پیش نظر رکھو، کوئی کوتاہی نہ ہونے دو تا کہ جنت والا معاملہ جنت ہی کی طرح رہے۔

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ اس کی وضاحت میں یہ فرمانے لگے کہ ان کی ہر ضرورت کو پورا کرو جیسے چھوٹے بچوں سے پیار کیا جاتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

تَسْتَغْفِرُ لَهُمَا عَقِيْبَ صَلَوَاتِكَ ...... جب بھی نماز پڑھنے کے بعد دعا مانگو تو والدین کے لیے ضرور مانگو، یہ ان کا تم پر حق ہے۔

اب سالانہ دعا پر بھی لوگوں کا اعتراض ہے کہ یہ ختم کہاں سے، یہ درود کہاں سے، حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر نماز کے بعد والدین کے لیے استغفار کا اہتمام کرو۔

مِنْ أَصْوَاتِهِمَا ...... جب تک وہ زندہ ہیں، ان کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا مت کرو، اپنی آواز کو اپنے والدین کے سامنے پست رکھو، اور جب تک کہ وہ خلاف شرع حکم نہ دیں، ان کی کسی کام میں مخالفت نہ کرو، ان کا کہا مانو اس لیے کہ وہ نرم و نازک شیشہ ہیں، کہیں ٹوٹ نہ جائے، جو تھوڑی سی بھی بے احتیاطی کرے گا تو وہ ذلت میں گر جائے گا،

اور جو ہر لحہ محتاط ہے اس کے لیے ہر لمحہ نئی تجلی ہے، اس کے والدین اس کی ترقی کا اتنا بڑا کردار ہیں، والدہ کی دعائیں، والد کی دعائیں، وہ چند دن کی دعائیں بندے کو کئی صدیاں آگے لے جاتی ہیں، اور اتنا بڑا مقام انسان کو میسر آ جاتا ہے۔

یمنی عورت

حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہما یمن سے اسلام قبول کرنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ فلاں ایک عورت یمن میں تھی، بتاؤ: اس کا کیا بنا؟

انہوں نے عرض کی کہ:

تَرَکْنَاهَا فِیْ أَهْلِهَا ...... جس وقت ہم آئے تو وہ اپنے اہل میں زندہ تھی، اتنا ہم جانتے ہیں کہ ابھی وہ زندہ ہے، اپنے گھر میں موجود ہے، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

فَإِنَّهٗ قَدْ غُفِرَ لَهَا ...... وہ عورت جو یمن میں ہے، رب نے اسے بخشش دیا ہے،

یعنی اتنا گہرا مطالعہ ہے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ وہ خاتون یمن سے چل کر مدینے شریف پہنچی نہیں ہے، یمن والوں سے کہا کہ تم اسے عام سمجھتے ہو، اس کا ایک عمل اتنا قیمتی قرار پایا کہ اللہ نے اس کو اس کی وجہ سے بخش دیا ہے،

قَالُوْا بِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم؟ ...... ان یمنی صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو اس کا کوئی عمل ایسا نظر نہیں آتا کہ جس کی بنیاد پر اس عورت کو بخش دیا گیا ہو، تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

بِرُّهَا وَالِدَتِهَا...... اس عورت نے جتنی خدمت کی ہے اپنی والدہ کی، اس خدمت کی بنیاد پر رب نے اس کے سارے گناہ بخش دیے ہیں،

اس سے لگتا ہے کہ وہ اپنے ماحول کی کوئی بوڑھی خاتون تھی، اور مشہور تھی اور ان کے بارے میں یمن والے کہہ رہے تھے کہ وہ زندہ ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ صرف زندہ ہی نہیں بلکہ بخشی بھی جا چکی ہے،

پوچھا: کیسے بخشی جا چکی ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والدہ کی خدمت کی وجہ سے،

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس نے کیا خدمت کی تھی؟

تو سرکار مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

كَانَتْ لَهَا أُمٌّ عَجُوْزٌ كَبِيْرَةٌ ...... اس عورت کی والدہ اتنی بوڑھی تھی کہ چل نہیں سکتی تھی،

فَجَاءَ هُمُ النَّذِيْرُ ...... جس بستی میں یہ رہتے تھے، رات کے وقت ایک قاصد آ گیا، اس نے آکر بتایا کہ آج رات اس بستی پہ حملہ ہو جائے گا اور رات کو لوٹ مار ہو گی اور اس بستی میں جو بھی ہو گا اس کو پکڑ کر لے جائیں گے، میں تمہیں پہلے آکر بتا رہا ہوں، لہذا پہلے ہی اس بستی سے بھاگ جاؤ۔ یہ کسی نے بستی والوں پہ احسان کرتے ہوئے سچی خبر بتا دی تھی۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَلَمْ يَكُنْ مَعَهَا مَا تَحْتَمِلُ عَلَيْهِ ...... اس کے پاس اپنی والدہ کو لے جانے کیلئے کوئی سواری نہیں تھی۔

سارے صحت مند لوگ بستی سے بھاگ کر نکل گئے، پیچھے یہ عورت اور اس کی ماں رہ

گئی، ساری بستی خالی ہو گئی، سارے نکل گئے، یہ تنہا اپنی والدہ کے ساتھ تھی، اس نے اپنی والدہ کی کیسے خدمت کی؟

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فَعَمَدَتْ اِلٰی اُمِّهَا فَجَعَلَتْ تَحْمِلُهَا عَلٰی ظَهْرِهَا ...... اس عورت نے اپنی بوڑھی ماں کو اپنی پیٹھ پہ بٹھا لیا، رات کے اندھیرے میں اپنی ماں کو بچانے کی خاطر اپنے کندھے پہ بٹھا لیا، اس کے علاوہ اور کوئی مرد نہ تھا اور کوئی سہارا نہ تھا جو اس بوڑھی کو اٹھا کے لے جاتا، اس عورت نے اتنا بڑا کردار ادا کیا، اس نے یہ نہیں کیا کہ اپنی جان بچاؤ، ماں مرتی ہے تو مر جائے، بلکہ اپنی بوڑھی ماں کو کندھے پر بٹھایا، اپنی پشت پہ بیٹھا کر رینگتی ہوئی نکل گئی، بڑی مشکل سے اپنی ماں کو اٹھایا ہوا تھا، آگے چل رہی تھی، جس وقت کافی مشقت سے اپنی ماں کو بستی سے نکال لیا، ابھی آگے جانا مزید مشکل تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اس عورت نے اپنی ماں کے لیے اپنے بدن کو ڈھال بنا لیا، اپنا پورا بدن اپنی ماں کے ساتھ یوں لگایا کہ جو چیز لگے تو میرے بدن کو لگے، اور جو چیز کاٹے تو میرے بدن کو کاٹے، اور جو دکھ پہنچے تو میرے بدن کو پہنچے، تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: میرے رب نے عرش پہ اس کے عمل کو بڑا پسند کر لیا، اگرچہ اپنی ماں کی خدمت کر رہی تھی، اللہ نے پہلے سارے گناہوں کو بخش دیا اور پھر اس عورت کو جنتی خاتون قرار دے دیا۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الجامع، باب: بر الوالدین،
ج:11، ص:133، رقم الحدیث:20124)

والدین کے لیے ایصال ثواب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرامین میں ہر ایک چیز کو واضح بیان فرمادیا ہے، یہ مواقع روشن اور واضح کیے ہیں تاکہ کوئی شخص محروم نہ رہے، جس وقت اس کو یہ نعمت میسر ہے کہ اس کے والدین زندہ ہیں، ان والدین کی زندگی کی قدر و قیمت کرے اور ان کی فرمانبرداری کرے، جس وقت وہ دنیا سے چلے جائیں تو یہ ان کو بھول نہ جائے، یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِذَا أَرَادَ اَن یَّتَصَدَّقَ ...... جس وقت کوئی صدقہ کا ارادہ کرے تو وہ کہے کہ والدین کے ایصال ثواب کے لیے، اس کا اجر والدین کو دینا چاہتا ہوں، جو کر رہا ہوں اس کا اجر والدین کو پہنچے فرمایا:

أَن یَّجْعَلَهَا لِوَالِدَیْهِ ...... تمہیں کیا ہے کہ جب تم صدقہ کرنے لگتے ہو تو نیت والدین کی کرلیا کرو۔

اے میرے صحابہ! جب تم صدقہ کرنے لگتے ہو تو اس میں کیا حرج ہے کہ تم اس وقت نیت والدین کی کرو، تو کیا ہوگا؟

والدین کو پورا ملے گا اور تمہیں بھی پورا ملے گا، اے میرے صحابہ! ایسا کیا کرو کہ:

یَکُوْنُ لَهٗ مِثْلُ أُجُوْرِهِمَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمَا شَیْءٌ ...... اگر اس صدقہ کا اجر ایک ہزار تھا تو ان دونوں کو ایک ہزار پورا ملے گا، اس کو بھی ایک ہزار پورا مل جائے گا بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو، پورے کا پورا اسے بھی مل جائے گا۔

(جامع الاحادیث، حرف المیم، ج 19، ص: 55، رقم الحدیث: 20169)

یہ مزاج اہلسنت کا ہے، آج تک جو بات ہمارے دماغوں میں رچی بسی ہوئی ہے، صدقہ وخیرات کرتے وقت ایصال ثواب کا جو انداز اہلسنت میں رائج ہے، لوگ کہتے ہیں کہ عجیب انہوں نے بنایا ہوا ہے، ان کے پاس ایک ہی چیز ہے، اسے ہی سب میں بانٹ رہے ہیں کہ یہ فلاں کی روح کو بھی پہنچ جائے اور فلاں کی روح کو بھی پہنچ جائے، تو ہم کہتے ہیں جس رب سے ہم نے کہا ہے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے، وہ پڑھنے والے کو بھی پورا دیتا ہے، جس کا نام آجائے اس کو بھی پورا دیتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ تھوڑے کام بڑے فوائد حاصل کرلو، خود نیکی چاہتے ہو تو اپنے والدین کی نیکی کیوں ضائع کرنا چاہتے ہو، تم نام والدین کا لو، ان کے نام کرو کہ ان کو یہ دے رہے ہیں، اے اللہ! اس کو ثواب میرے والدین کو پہنچ جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ضامن ہوں، والدین کو بھی پورا دلواؤں گا اور تمہیں بھی پورا دلواؤں گا۔

یہ والدین بندے کی دنیا میں جنت ہیں۔

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال اس جنت کی نگہبانی کا ہمیں اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
3

ناموس رسالت کے نگہباں ولولے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ أَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْن ٥ اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ

(القرآن الكريم، سورة الحجر، رقم السورة 15، رقم الآية 95-94)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ
اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب دلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل وتوفیق سے ''ادارہ صراط مستقیم'' پاکستان کے زیر اہتمام پندرھویں سالانہ ''فہم دین کورس'' میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔
آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

ناموس رسالت کے نگہبان ولولے

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو ناموس رسالت کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

ناموس رسالت سے متعلق چند موضوعات آپ سماعت فرما چکے ہیں، بالخصوص ایسے حالات میں کہ جب باطل قوتوں کی طرف سے ناموس رسالت پر مختلف حملے کیے جا رہے ہیں، وہ خاکے جو پہلے ڈنمارک میں بنے اور پھر اس مذموم عمل کو دھرایا گیا اور اس کے بعد انڈیا میں بھی وہ خاکے شائع کیے گئے، اس کے ساتھ ساتھ اور بھی مختلف مواقع اور مقامات پر ناموس رسالت کے خلاف زہر اگلا گیا، ایسے حالات میں ہمارے لیے یہ لازم ہے کہ ہم اپنا یہ سبق قرآن وسنت سے حاصل کرتے رہیں، اور جس انداز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ناموس رسالت پہ پہرہ دیا تھا اور امت کے مختلف ادوار

میں یہ کام ہوتا رہا، ہم اپنے اسلاف کا وہ سبق یاد رکھیں اور بھرپور طریقے سے اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ اعلان فرمایا ہے کہ:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ

تو علانیہ کہہ دو، جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ

جو بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔

(القرآن الكريم، سورة الحجر، رقم السورة: 15، رقم الآيتين:95-94)

اللہ تعالیٰ نے ناموس رسالت کی حفاظت اپنے ذمہ لی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرما دیا کہ میری طرف سے جو احکام پہنچ رہے ہیں، آپ ان کو آگے پہنچاتے جائیں، خواہ وہ کسی کو سخت لگیں یا نرم، خواہ کسی کے مزاج کے موافق ہوں یا غیر موافق، آپ کو میری طرف سے جو احکام موصول ہو رہے ہیں ان احکامات کو انسانیت تک پہنچاتے جائیں اور اس سلسلہ میں جو لوگ آپ کا مذاق اڑائیں گے میرے محبوب آپ اپنی طبیعت پر کوئی بوجھ محسوس نہ کریں، ان کا محاسبہ کرنا مجھ پر ہے، میں آپ کے لیے کافی ہوں اور ان لوگوں سے حساب مکمل لیا جائے گا۔

خالق کائنات نے جس طرح یہ فرمایا ہے کہ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

بے شک ہم نے یہ اتارا ہے قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

(القرآن الكريم، سورة الحجر، رقم السورة: 15، رقم الآية:9)

اگر ایک شخص بھی حافظ قرآن نہ بنے تو پھر بھی قرآن محفوظ رہے گا، اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے، لیکن اس نے اِس کا طریقہ یہ بنایا ہے کہ لوگ قرآن مجید حفظ کرتے ہیں اور حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت اپنے بندوں سے کروا کر دنیا والوں کو بتاتا ہے کہ میرے بندے اتنے جلیل القدر بن جاتے ہیں کہ ان میں نیابت آجاتی ہے، اور میری قدرتوں کا مظہر بن کر میری طرف سے دی ہوئی ڈیوٹیوں کو اچھے طریقے سے نبھاتے ہیں۔

تو جیسے وہاں قرآن مجید کی حفاظت اپنے ذمہ لی مگر اپنے بندوں سے حفاظت کرواتا ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو صاحب قرآن ہیں، ان کی عزت کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لی اور فرمایا:

اِنَّا كَفَيْنَاكَ ...... بے شک ہم اے محبوب تجھے کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ وہ یہ حفاظت بھی اپنے بندوں سے کرواتا ہے، اور اگر ایک بھی انسان اس راستے میں نہ نکلتا تو پھر اللہ تعالیٰ اس عزت کی نگہبانی کرتا، اس ناموس پہ پہرہ دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ توفیق دی کہ اللہ تعالیٰ نے وہ کام اپنے ذمے لے کر اس کی ڈیوٹی اپنے بندوں کے سپرد کر دی، اور آج تک اللہ تعالیٰ کے بندے اس کام کو کرنے کی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں، اور اس بات کو ایک اعزاز سمجھتے ہوئے ہر دور کے مسلمانوں نے اپنی جان ناموس رسالت کے لیے پیش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ خاص جانوں کو اس دربار میں قبول کرتا ہے:

تجھے وہ شاخ سے توڑیں زہے نصیب تیرے
کہ تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب تیرے

ہر جان اتنی عظیم نہیں ہے کہ اسے اس راستے میں قبول کیا جائے، وہ خاص جانیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس خاص راستے میں قبول کرتا ہے، اور اس سلسلہ میں اس کی جان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، اور اس حفاظت کے لیے کسی کو اپنی نیابت عطا فرما دی ہے، اللہ تعالیٰ کا کسی کی طرف اپنی ذمہ داری کو منتقل کرنا اور اسے توفیق دے کر اس سے وہ کام کروانا، جو اپنے ذمہ لیا ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ انسان اللہ تعالیٰ کا بڑا پسندیدہ انسان ہے، اور بڑا برگزیدہ انسان ہے کہ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عظیم ذمہ داری کے لیے خود منتخب کیا اور اس کو ایسا عظیم کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا ولولہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ انسانوں کے لیے وہ قیمتی تحفہ ہے، جس کو قدرت الٰہی کا ایک منظر اور ایک جھلک کہا جا سکتا ہے، کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم اس کام کو لیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان ولولوں کی حمایت ہوئی اور ان ولولوں کو عظمت عطا کی گئی۔

شاتم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انجام

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے اس فرض کو کس انداز میں نبھایا اور کتنا اس کو مکمل کیا ہے، ابو اسحاق فزاری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا، اس میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، اور حضرت خالد بن زید رضی اللہ عنہ بھی اس میں موجود تھے، جس وقت ان

مجاہدین کا کافروں سے آمنا سامنا ہوا، ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی، کفار کی فوج سے ایک انسان نکل کے آیا اور دونوں فوجوں کے درمیان اکڑ کر چلتے ہوئے معاذ اللہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

جنگ کا مرحلہ ابھی اس کے بعد شروع ہونے والا تھا اور اعلان جنگ کا دونوں طرف سے انتظار کیا جا رہا تھا، لیکن یہ بد بخت انسان جس وقت درمیان میں آ گیا اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف اس طرح کی زبان کھولنے لگا تو مسلم امہ کی طرف سے ایک صحابی اس کے مقابلے میں نکلے، انہوں نے نکل کے یہ کہا:

أَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَ أَبِيْ فُلَانٌ

میرا نام یہ ہے اور میرے ابا جی کا نام یہ ہے،

یہ نام بتا کر صحابی کہنے لگے:

فَسُبَّنِيْ وَ سُبَّ أَبِيْ وَ سُبَّ أُمِّيْ

گالی دینی ہے تو مجھے دو، گالی دینی ہے تو میرے باپ کو دو اور گالی دینی ہے تو میری ماں کو دو،

وَ كُفَّ عَنْ سَبِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه سلم

ہمارے آقا ﷺ کو گالی مت دو،

تم بد بخت ہو اور تم نے اتنا مذموم عمل شروع کر دیا ہے، ہم اپنے آپ کو اس کے لیے پیش کرتے ہیں، ہمیں گالیاں دو لیکن ہمارے آقا ﷺ کو گالی مت دے۔ جس وقت صحابی نے یہ کہا تو اس کی بری حرکت میں مزید اضافہ ہوا اور اس نے دوبارہ رسول کریم ﷺ کو گالی دی، تو صحابی کہنے لگے:

وَ كُفَّ عَنْ سَبِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ سلم

ہمارے آقا ﷺ کی توہین سے باز آجا،

لَأُرَجِّلَنَّكَ بِسَيْفِي

اگر تو نے یہ کام نہ چھوڑا تو میں اپنی تلوار لے کر تجھ پہ چڑھ جاؤں گا۔

اس نے تیسری بار جس وقت گالی دی تو اب دو لشکروں میں سے ایک طرف گستاخ ہے جو توہین رسالت کر رہا ہے اور ادھر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا بیدار ولولہ ہے، اور سید عالم ﷺ کا عشق اور محبت سینے میں موجزن ہے، لہذا تلوار لے کر حملہ آور ہو گئے، جس وقت یہ اپنی فوج سے آگے نکلے تو اس بزدل نے اپنا چہرہ پھیرا اور دوڑ کے کافر فوج میں داخل ہو گیا۔

ادھر یہ صحابی رضی اللہ عنہ جو اپنی فوج سے جدا ہوئے ہیں اور اس گستاخ کو گستاخی کا مزہ چکھانا چاہتے ہیں، جب انہوں نے دیکھا کہ پوری فوج اعلان کی منتظر ہے، پتہ نہیں اس کا نتیجہ کیا بنتا ہے، جنگ شروع ہوتی ہے یا اس سے پہلے اس کا کوئی حل نکل آتا ہے۔

لیکن اس شخص نے جو گستاخی کی اور دوبارہ فوج میں داخل ہو گیا، تو صحابی واپس نہیں مڑے، ان کے پیچھے ڈورتے ہوئے، مشرکین کی صفوں کو چیرتے ہوئے اندر گھس گئے اور اپنی تلوار سے اس پہ حملہ کر دیا، ایسے میں ان ہزاروں کے اندر رسول اکرم ﷺ کا ایک عاشق، جو اس گستاخ کو مارنے کے لیے گیا، ہر طرف سے اس پہ حملہ ہو گیا، وہ صحابی اپنے بدن پر زخم برداشت کرتے رہے، تیروں کے، تلواروں کے اور نیزوں کے زخم اپنے بدن پہ برداشت کرتے رہے، اور مسلسل انہوں نے اپنا جہاد جاری رکھا، یہاں تک کہ وہ مقام شہادت پہ فائز ہو گئے۔

اب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت اس عظیم کرادر کا پتا چلا، فوج واپس پہنچی، جنگ کا اختتام ہو گیا اور جو بھی اس کے نتائج تھے، سامنے آ گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس پورے منظر کو رکھا، اور حضرت خالد بن زید اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما، جو اس وقت جنگ کی قیادت کرنے میں موجود تھے، انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کے افتتاح کا یہ منظر پیش کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ لفظ بولے تھے:

أَعَجِبْتُمْ مِنْ رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

کیا تم اس بندے پر تعجب کرتے ہو کہ جس بندے نے معمولی کردار ادا نہیں کیا، بلکہ اس نے اللہ کی بھی مدد کی ہے اور اللہ کے رسول کی بھی مدد کی ہے۔

(السیر لأبی اسحاق الفزاری، ما جاء فی البیعة ج:1، ص:214، رقم الحدیث: 331)

یہ پہلے دن سے اسلام کے شیدائیوں کا ولولہ ہے کہ جس وقت ناموس رسالت کا معاملہ ہے تو اس وقت اپنے بدن کی پرواہ نہیں ہے، اور اس انداز میں اپنی جان کو جھونک دیتے ہیں اور وہ عشق کا پیغام رقم کرتے ہیں کہ لوگ حیران ہیں، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ بول کر اِس عظمت کو اجاگر کیا کہ:

نَصَرَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ...... اس بندے نے اللہ کی بھی مدد کی ہے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی مدد کی ہے، حالانکہ اللہ تو سب کی مدد کرنے والا ہے، اس کی مدد کون کر سکتا ہے، تو یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری عزت پر پہرہ اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے، اور جو شخص یہ پہرہ دینے نکلتا ہے اس کو رب اپنی نیابت عطا فرما دیتا ہے۔ لہذا اس نے میری عزت پر پہرہ دے کر گویا اللہ تعالیٰ کی مدد کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے جو اعلان کر رکھا ہے کہ:

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ

بے شک اِن ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔

میرے نبی جو تمہیں گالیاں دے گا اس سے بدلہ میں لوں گا۔

اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ''کن'' کہہ کر سب کو راکھ کر دے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو طاقت دے کر گستاخوں سے انتقام لیتا ہے، تا کہ دنیا کو پتا چلے کہ جس رب کے بندوں کی اتنی طاقت ہے تو اس رب کی قدرتوں کا عالم کیا ہوگا۔

نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کی دلیری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعزازات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیان کیے ہیں، ان کو مختلف طرق سے حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک صحابی نابینا تھے، ان کی ایک لونڈی ام ولد تھی، یعنی وہ زرخرید لونڈی جس کے ہاں بچہ پیدا ہو چکا تھا، اس کی عظمت آزاد جیسی ہو جاتی ہے۔

اس صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اس خاتون سے میرے دو بیٹے ہیں:

لُؤلُؤتَیْنِ ..... دونوں بیٹے بڑے خوبصورت ہیں،

لیکن اس بدبخت خاتون نے ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، تو یہ شخص، جس کی وہ ام ولد تھی، یہ کہنے لگا کہ تو اس حرکت سے باز آ جا، ایسا لفظ اگر تیری زبان سے نکلا تو یہ میری برداشت سے باہر ہوگا، لیکن اس نے جس وقت دوبارہ یہ لفظ بولے، تو رات

کا وقت تھا صحابی نے تلوار پکڑی اور اپنی ام ولد کے سینے پر وہ تلوار رکھی اور اوپر سے اس کو دبایا اور اس عورت کے دو ٹکڑے کر دیئے، جب صبح ہوئی تو رسول اکرم ﷺ تک یہ بات پہنچی اور اب رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر لیا کہ ایک عورت کو رات قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ صحابی، جس کی وہ ام ولد تھی، انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے اپنا موقف پیش کیا، کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ!

أَنَا صَاحِبُهَا ...... وہ جو رات قتل ہوئی وہ کسی اور کی نہیں، وہ میری بیوی تھی، میں اس کا صاحب ہوں،

كَانَتْ تَشْتُمُكَ ...... اس کو میں نے قتل اس لیے کیا کہ اس نے آپ کو گالیاں دیں،

وَتَقَعُ فِيكَ ...... اس نے آپ کی عزت کے خلاف گندے لفظ بولے ہیں،

تو مجھ سے برداشت نہیں ہوسکا، میں نے اس کو روکا لیکن وہ رکی نہیں، اس کے بعد میں نے یہ نہیں دیکھا کہ بچوں کا کیا بنے گا، اور میرا کون آسرا ہوگا،

وَلِيْ مِنْهَا اِبْنَانِ ...... میرے اس سے دو بیٹے ہیں،

مِثْلُ اللُّؤْلُؤَتَيْنِ ...... جیسے ہیرے ہوتے ہیں،

وَكَانَتْ بِيْ رَفِيْقَةً ...... اور میرے ساتھ اس کا تعلق بڑا اچھا تھا اور وہ میری رفیقہ تھی اور وہ میری بڑی معاونہ تھی، میرے ساتھ اس کا رویہ بڑا اچھا تھا، مگر اس نے جس وقت آپ کو گالیاں دی ہیں تو میں برداشت نہ کرسکا۔

یارسول ﷺ آج رات کا یہ واقعہ ہے:

فَأَخَذْتُ الْمِغْوَلَ ...... میں نے چھوٹی سے تلوار پکڑی،

فَوَضَعْتُهُ فِيْ بَطْنِهَا ...... میں نے وہ تلوار اس کے پیٹ پہ رکھی،

وَ اتَّكَأْتُ عَلَيْهَا ...... اور میں اس کے اوپر بیٹھ گیا،

حَتّٰى قَتَلْتُهَا ...... یہاں تک کہ میں نے اس کو قتل کر دیا،

ایسا ہی ہے جو میں نے کیا، میں نے یہ سب کچھ اپنے لحاظ سے نہیں کیا، اگر اپنے آپ کو دیکھتا تو وہ میرا سہارا تھی، اور میرے بچوں کی ماں تھی، میری وہ رفیقہ تھی، میرا وہ قدم قدم پہ سہارا تھی، مگر جس وقت اس نے آپ کی گستاخی کی ہے، تو ہم نے چونکہ آپ کا کلمہ پڑھا ہے، اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ:

محمد ہیں متاع عالم ایجاد سے پیارے
پدر، مادر، برادر، جان و مال، آل اولاد سے پیارے

تو اس بنیاد پر مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا، اور میں نے خود اس کو قتل کر دیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا:

اَلَا اشْهَدُوْا اَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ ...... اس شخص نے کوئی ظلم نہیں کیا، اس نے کوئی جرم نہیں کیا، اس نے بے گناہ کو نہیں مارا، اس نے ایک گستاخ کو مارا ہے، اور میں اعلان کر رہا ہوں کہ اس کا خون ضائع ہو گیا، اس عورت کے قتل کی وجہ سے اِس (صحابی) سے کوئی مواخذہ ہو گا، اور نہ ہی قصاص لیا جائے گا، نہ دیت لی جائے گی، اور نہ اس کو کوڑے مارے جائیں گے، اس واسطے کہ جب اس نے میری گستاخی کی تو اس نے خود اپنے قتل کی اجازت دے دی، اس نے اپنے آپ کو خود غیر محفوظ بنا لیا، لہٰذا اس صحابیؓ نے جو کچھ کیا ہے، یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا، اس نے مجھ سے پوچھ کے نہیں کیا مگر میں تمہیں گواہ بنا رہا ہوں کہ میرے صحابی نے جو کردار ادا کیا ہے، وہ سچا کردار ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب: الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم،
ج:4 ص:226، رقم الحدیث: 4363)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ولولے اس انداز میں نظر آتے ہیں کہ بھرپور طریقے سے وہاں پر اس چیز کا اعلان کیا گیا اور ہر ہر صحابی وصحابیہ کی طرف سے ایسی صورتحال ہمیں سامنے نظر آتی ہے کہ انہوں نے توہین رسالت کے لحاظ سے کوئی نرم رویہ کسی کے ساتھ اختیار نہیں کیا، اور ان کے ذہنوں میں کوئی نرم گوشہ موجود نہیں تھا، بلکہ ہر جذبہ اور نظریہ بے غبار اور ستھرا نظر آتا ہے، اور وہی ولولہ نظر آتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی قدرت کا منظر بتا کر اس امت کو عطا فرمایا ہے۔

چھپکلی کو سزا

اس بار میں حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل، امت مسلمہ کے بیٹوں کے لیے درس ناموس رسالت ہے۔

حضرت سائبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ

دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ رَضِيَ اللہ عنہا...... میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی، تو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس نیزا پڑا ہے، جب میں نے وہ نیزا دیکھا تو میں نے کہا کہ:

يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ مَا تَصْنَعِيْنَ بِهٰذَا؟

اے ام المؤمنین! نیزے سے آپ کا کیا کام ہے؟

آپ گھر میں رہتی ہو اور خاتون خانہ ہو اور نیزا پاس کس لیے رکھا ہے، اس کی حکمت کیا ہے؟

تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ:

قَالَتْ: نَقْتُلُ بِهٖ هٰذِهِ الْاَوْزَاغَ ...... یہ نیزا میں نے اس لیے رکھا ہے کہ اس سے

چھپکلیاں مارتی ہوں،

حضرت سائبہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں:

اے ام المومنین! آپ کا چھپکلیوں سے کیا بیر ہے اور کیا دشمنی ہے؟

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک حدیث بیان کی، فرمانے لگیں کہ:

اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَخْبَرَنَا ...... ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے خبر دی کہ

أَنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَمَّا أُلْقِيَ فِي النَّارِ ...... جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا،

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت سائبہ رضی اللہ عنہا کو جواب دے رہی ہیں کہ میں نے نیزا کیوں رکھا، نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا:

لَمْ تَكُنْ فِي الْاَرْضِ دَابَّةٌ اِلَّا أَطْفَأَتِ النَّارَ ...... زمین کے ہر چوپائے نے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کی،

غَيْرُ الْوَزَغِ ...... سوائے چھپکلی کے،

اِنَّهَا كَانَتْ تَنْفُخُ عَلَيْهِ ...... یہ آگ میں پھونکیں مار رہی تھی، باقی ہر جانور آگ بجھانے کے درپے تھا اور یہ پھونکیں مار رہی تھی،

أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِقَتْلِهِ ...... اس امت کو نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ یہ چھپکلی گستاخ ہے اور اس نے اللہ کے نبی علیہ السلام کی توہین کی ہے، عداوت ظاہر کی ہے، اس نے اپنی دشمنی ظاہر کی ہے، یہ آگ جلانے کے لیے متحرک تھی، لہذا یہ جہاں تمہیں نظر آجائے اس کو تم نے چھوڑنا نہیں، اس کو قتل کر دینا ہے۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الصيد، باب: قتل الوزغ، ج:2، ص:1076، رقم الحديث: 3231)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ چونکہ ہم نبی ﷺ کے ہر فرمان کو ماننے والے ہیں اور ہر فرمان پہ عمل کرنے والے ہیں، اس واسطے میں نے یہ نیزا اپنے پاس رکھا ہے، یہ نیز اتحریک ناموس رسالت کی علامت ہے کہ اللہ کے ایک نبی کی پاسبانی کے پیش نظر ہم نے اپنے نبی ﷺ کا فرمان سن رکھا ہے۔

لہذا جب بھی وہ گستاخ چیز ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم اس نیزے سے اس پہ حملہ کر کے اس چیز کا ثبوت دیتے ہیں کہ ہم اس صف میں شامل ہیں جن کو تحفظ ناموس رسالت کا علمبردار بنایا گیا ہے۔

ایک سوال، اور اس کا جواب

یہاں چند قابل ذکر باتیں ہیں جو ناموس رسالت کے ولولے کی ہر ہر اکائی کو بیان کرتی ہیں، حدیث شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

لَمْ تَكُنْ فِي الْأَرْضِ دَابَّةٌ...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو زمین کے ہر جانور و چوپائے نے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کی، تو کیا ہر جانور وہاں پہنچا تھا جہاں آگ جل رہی تھی؟

وہ زمین عراق میں ''حلہ'' کے قریب ہے جہاں آگ کو جلایا گیا تھا، میں نے چخہ والی جگہ دیکھی ہے، ابھی بھی وہاں سبزہ نہیں اگتا۔ اس جگہ پر زمین کا ہر جانور نہیں پہنچا تھا مگر جو اللہ جل جلالہ کا عادی نظام ہے۔ ہر زمین کے جانور اپنی اپنی جگہ تھے اور سارے ہوتے تو اتنی جگہ بھی نہیں تھی کہ وہاں سب اکٹھے ہو سکتے اور پھر جا کر وہ بجھاتے، ایسا نہیں ہوا، نہ سارے جانور وہاں پہنچے ہیں اور نہ ہی سب نے آگ بجھائی ہے، مگر حدیث میں یہ آ گیا ہے کہ:

لَمْ تَکُنْ فِی الْاَرْضِ دَابَّۃٌ اِلَّا اَطْفَأَتِ النَّارَ

زمین کا کوئی چوپایہ بھی ایسا نہیں تھا جو آگ نہ بجھا رہا ہو۔

یہ لفظ نبی ﷺ نے کیوں بولے ہیں، محبوب ﷺ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ جب ناموس رسالت کا معاملہ آجائے تو جو شخص اپنی نیت صاف کرے اور اپنا کردار ادا کرنے کا ارادہ کرے، اگرچہ اس جگہ پہ نہ بھی پہنچ سکے اللہ جل جلالہ نیت پر بھی اس کو ثواب عطا فرمائے گا۔

وہاں سب جانور پہنچے نہیں ہیں مگر ہر جانور کو اللہ کی طرف پتہ چل گیا تھا کہ رب کے خلیل کے خلاف آگ جلائی جارہی ہے، ہر جانور کو افسوس ہوا کہ رب جل جلالہ کے خلیل کے لائق آگ تو نہیں، وہ تو اللہ کے خلیل ہیں ان کے لیے تو پھول ہونے چاہیں، اور یہ آگ تیار کی گئی ہے، ہر جانور تڑپ اٹھا، ہر جانور کو افسوس ہوا اور ہر چراگاہ میں موجود ہر جانور کو اس پر اضطراب ہوا، اس درد میں کراہنے لگا، ہر طرف جہاں جہاں بھی جانور موجود تھے، تڑپ میں تھے کہ کاش آج ہی ہم وہاں پہنچ جائیں اور وہاں جا کر اس آگ کو بجھا دیں۔

انہوں نے جس وقت اپنا جذبہ ظاہر کیا تو ان کے اس ولولے کو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا، اللہ تعالیٰ نے اس ولولے کو قبول کر کے نبی ﷺ سے یہ اعلان کروا دیا ہے کہ اگرچہ نہ کوئی جانور وہاں پہنچا ہے اور نہ ہی آگ بجھانے کا کردار ادا کیا ہے مگر وہ اللہ کے نبی علیہ السلام کے مخلص ہیں، اور وفادار ہیں، اور ان کی ناموس و عزت کا پہرہ دار بننا چاہتے ہیں تو اللہ نے ان کو ان کی نیت پر عمل کا ثواب عطا فرما دیا ہے۔

دوسری طرف چھپکلی کے جلانے سے آگ جلنی بھی نہیں تھی، اس کی پھونک سے کتنا

آگ نے بھڑکنا تھا لیکن اس سے اس کا برا ارادہ ظاہر ہو گیا، اس کے اندر کی گندگی ظاہر ہو گئی، اس کا ناموس رسالت کے خلاف بغض ظاہر ہو گیا، تو اس بغض کو شمار کر لیا گیا کہ اس نے آگ جلانے کی کوشش کی ہے تو اس واسطے یہ مبغوض مخلوق ہے۔

پھر مدینہ شریف کی چھپکلیاں تو عراق سے آئی ہی نہیں تھیں، جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چھپکلیاں ہیں یہ تو حجاز کی چھپکلیاں ہیں، اور درمیان میں کتنی صدیاں ہیں، اس زمانے میں جو پھونکیں مار رہی تھی، جو بالفعل وہاں پر موجود بھی تھی اگرچہ زمین کے ہر ہر چپے کی چھپکلی تو وہاں پر پہنچ نہیں سکی، جو موجود تھی وہ تو مر چکی ہو گی، لیکن اب جو موجود ہیں ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ان کو نہیں چھوڑنا، ان کو بھی مارنا ہے، تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمل اور امت کے ولولوں کا یہ درس اس بات کی وضاحت ہے کہ ایک قوم جس وقت گستاخ بن جاتی ہے، اس وقت ان کی نسلوں تک اس برائی کا اثر پہنچ جاتا ہے، جب تک وہ اس راستے سے ہٹ نہ جائیں وہ بڑوں کی گستاخیاں ان کے چھوٹوں میں شمار کی جاتی ہیں اور اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جس وقت درمیان میں صدیوں کا فاصلہ ہے مگر اس نسل کے اندر ہر ہر فرد جو پیدا ہونا والا ہے، اس کو اسی گستاخی کے ساتھ شمار کیا جائے گا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث شریف پیش کر کے اور اپنا عمل پیش کر کے اس بات کو واضح کیا کہ اگر ناموس رسالت کے خلاف کوئی بولتا ہے اور بکواس کرتا ہے، اس کی زبان سے توہین نکلتی ہے تو اتنا مذموم نشان اور زہریلا اس کا نسب ہے، اتنی زہریلی پشت ہے کہ اس حد تک اس کے زہریلے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

دوسری طرف ایک عاشق صادق ہے، اس کے اندر یہ جذبہ ہے کہ جان جاتی ہے تو چلی جائے مگر میں محبوب کی عزت پر پہرا دیتا رہوں، لیکن وہ یہ بات سوچتا ہے کہ وہ گستاخ مجھ سے دور ہے، وہ میری دسترس میں نہیں ہے اور میں جاؤں تو کیسے جاؤں تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان نے واضح کر دیا کہ اگر گھر بیٹھے کوشش میں رہے، نیت پختہ ہو، اگر زندگی میں اس کا ہاتھ اس گستاخ تک نہیں پہنچ سکا، اپنے گھر میں وہ اپنی موت مر گیا ہے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ اس بندے کو غازیوں والا ثواب عطا فرمائے گا۔

حسنِ نیت پہ ثواب

دوسرے مقام پر ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے لوٹے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ بِالْمَدِیْنَةِ اَقْوَامًا ...... مدینہ شریف میں کچھ قومیں ایسی ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ نہ سفر کیا، نہ بھوک برداشت کی، نہ زخم کھائے اور نہ کافروں کو مارا، لیکن اللہ تعالیٰ نے گھر بیٹھے اُن کو پورا ثواب عطا فرما دیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا کہ:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَھُمْ بِالْمَدِیْنَةِ

ان کو گھر بیٹھے کیسے ثواب مل گیا، حالانکہ وہ تو مدینے میں ہیں،

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ ...... ان کو عذر نے روک لیا ہے،

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب: نزول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحجر، ج4 ص:1610، رقم الحدیث: 4161)

شَرِكُوْنَا بِحُسْنِ النِّيَّةِ

(احیاء العلوم کتاب النیة والاخلاص الباب الاول فی بیان فضل النیة)

حسن نیت کی وجہ سے ہمارے ساتھ شریک ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کے سینوں کو جانتا ہوں، ایسا نہیں کہ کچھ نہ آنے کا ارادہ تھا اور کچھ عذر بن گیا، نہیں وہ سو فیصد آنے کو تیار تھے مگر وقت آیا تو وہ بیمار تھے، وہ معذور ہوگئے، آنہ سکے تو میرا رب نیت کو دیکھتا ہے اگرچہ وہ ہمارے ساتھ تلواریں مارنے میں شریک نہیں ہوئے لیکن نیت سو فیصد کافروں کو مارنے کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی نیت کو کاؤنٹ کر کے انہیں ہمارے جیسا ثواب عطا فرما دیا ہے۔

اس واسطے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ اُس حدیث میں جس ولولے کی ایک حیثیت موجود ہے اور امت کے لیے جو ایک سبق موجود ہے، وہ آج بھی ضروری ہے، انسان کے لیے یہ جینے کا آخری سہارا ہے، ورنہ گستاخوں کی گستاخیوں کے باوجود امت کا زندگی میں موجود ہونا، اور کل اس کا جواب دینا بڑا مشکل ہوگا۔

اور وہ سبق یہ ہے کہ بندہ سو فیصد پکی نیت کر لے کہ میں گستاخ تک پہنچوں گا اور گستاخ کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا، اگر گستاخ کو مارنے میں میرے ہزار ٹکڑے ہونے ہیں تو میں اپنے ہزار ٹکڑے کروالوں گا مگر اس کو زندہ نہیں رہنے دوں گا۔

جس نے ایسی نیت کے ساتھ زندگی گزاری ہے بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ اگرچہ وہ گستاخ تک نہیں پہنچ سکا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حدیث کے مطابق غازیوں جتنا ثواب عطا کر دیا جائے گا۔

جذبہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

یہاں پر ایک اور بات بڑی قابل غور ہے کہ ہر صحابی کا ولولہ بڑا عظیم ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سب سے زیادہ ایسا انداز ملتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کی کوئی معمولی سی بات بھی ہوگئی تو کہا کہ:

دَعْنِیْ أَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دو میں اس منافق کا سرا تار دوں۔

(صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب: سورۃ المنافقون، ج:4 ص:1861، رقم الحدیث: 4622)

اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں موجود ہیں تو اجازت طلب کی، اور اگر وہاں موجود نہیں ہیں، دور ہیں تو پھر اجازت تک کی نوبت نہیں پہنچی، پھر تو پہلے گردن اتاری، تب جا کر بتایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انوکھا فیصلہ

وہ جو ایک یہودی اور منافق کا قصہ تھا، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروا کے، پھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو (معاذ اللہ) مسترد کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا کہ یہ فیصلہ کریں۔

یہودی نے کہا: اے عمر! یہ سوچنا کہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ میرے حق میں کر چکے ہیں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اب جا کر یہ نہیں پوچھا کہ یارسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مسئلہ تو بتا دو کہ اگر کوئی شخص آپ سے فیصلہ کروائے اور پھر عمر سے جا کر فیصلہ کروائے، اس کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہیے، اسے چھوڑ دینا چاہیے یا مار دینا چاہیے؟

اب نہیں پوچھا، بلکہ فرمایا: تم ٹھہرو میں اندر سے ہو کر آتا ہوں پھر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں، تلوار اندر سے لی اور اس منافق کا سر اتار دیا اور فرمایا کہ جس کو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ پسند نہیں ہے اس کا فیصلہ پھر عمر کی تلوار ہی کر سکتی ہے۔

(الدر المنثور، سورۃ النساء رقم الآیۃ: 66 ج: 2، ص: 585)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جذبہ وفا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہیں تو کسی کا سر قلم کرنے کی اجازت مانگتے تھے مگر یہاں نہیں مانگی۔

ویسے حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی تھے، ایک عورت ان کی طرف سے رقعہ لے کر جا رہی تھی۔ بخاری شریف میں ہے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ ''روضہ خاخ'' میں عورت اونٹنی پہ پہنچ چکی ہے، اس سے وہ رقعہ لے کر واپس آؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں گئے اور اس عورت سے وہ رقعہ برآمد ہو گیا، جس میں چند باتیں لکھی ہوئی تھیں اور قریش مکہ کی طرف وہ خط تھا، اب جس وقت وہ خط پڑھا گیا تو وہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے تھا، دوسرے لفظوں میں جس کو جاسوسی کہا جا سکتا ہے، مسلمانوں کے راز کی باتیں لے کر جا رہی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت سنا تو کہا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دو میں اس منافق کا سر اتاروں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

نہیں، حاطب بن ابی بلتعہ کو تم نہیں جانتے، یہ بدری صحابی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اے بدری صحابہ! تم جو کچھ بھی کرو تم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

پھر ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ خط کیوں لکھا، تو انہوں نے کہا کہ میں نے اسلام سے غداری کرتے ہوئے خط نہیں لکھا، یا رسول اللہ ﷺ! یہاں پر مکہ سے جو مہاجر آئے ہوئے ہیں، ان سب کی برادری مکہ شریف میں ہے، اور میں آؤٹ سائڈر تھا، مکہ شریف میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ پھر کلمہ پڑھ کے ادھر آ گیا ہوں، اور مکہ شریف میں میرے اہل و عیال میرے پیچھے رہنے والوں کا کوئی سہارا نہیں ہے، تو میں نے ان سے تعاون کی غرض سے دوستی کا خط لکھا اور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ اور دین اسلام کے ساتھ مخلص ہوں۔

(اسد الغابۃ باب الحاء حاطب بن ابی بلتعۃ ج:1، ص:528)

یہ میرے نبی اکرم ﷺ کا غائبانہ مطالعہ ہے کہ سرکار کی نگاہ کے نیچے حضرت حاطب کا دل تھا، اگرچہ خط موصول ہو گیا، خط پکڑا گیا، مگر پھر بھی کہا کہ اے عمر: اسے کچھ نہ کہو، اللہ نے بدری صحابہ سے مؤاخذہ نہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔

ایسی متعدد احادیث موجود ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سامنے ہیں تو پوچھا ہے، اگر سامنے نہیں ہیں تو اگرچہ کوئی قرآن پڑھ رہا تھا، جب تھوڑی سی بھی گستاخی کی بدبو آگئی ہے تو اس کا سر اتار دیا۔

منافق کی سزا

ایک شخص اس زمانے میں جماعت کراتا تھا، تو وہ نماز میں ’’عبس و تولی‘‘ کی تلاوت کرتا تھا، چونکہ اس میں لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے ناراض ہوا

ہے، غصے کی بات کی ہے، اور وہ قاری منافق تھا، اسے اس میں لذت آتی تھی کہ میں وہ سورت نماز میں روزانہ پڑھوں گا جس سے یہ ظاہر کروں کہ اللہ اپنے نبی کو بڑی جھڑکیاں دیتا ہے، روزانہ وہ سورت پڑھنے کا اس نے معمول بنالیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت پہنچی کہ فلاں نابینا امام ہے، اور جب بھی سورت پڑھتا ہے تو ''عبس و تولی'' ہی پڑھتا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پتہ کروایا تو واقعی وہ ایسا ہی تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ بات اخذ کرلی کہ:

یہ اگرچہ قرآن پڑھتا ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے پیش نظر پڑھتا ہے، اس کا یہ نظریہ بنا ہوا ہے کہ لوگوں نے نبی کو بہت بڑا بنا رکھا ہے، اور نبی کو تو خدا نے بڑی جھڑکیاں دی ہیں، یہ بات بیان کرنے کے لیے جب پڑھتا ہے تو ''عبس و تولی'' پڑھتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار مار کر اس کا سر اتار دیا، اور واضح فرمادیا صلی اللہ علیہ وسلم جہاں مجھے گستاخی کی بدبو آئے گی، اگرچہ وہ مصلی کا امام ہوگا، اگرچہ وہ قرآن کا قاری ہوگا، عمر اس کو نہیں چھوڑے گا، اس واسطے کہ جس نے قرآن مجید توہین کے جذبے سے پڑھا اور قرآن اس ہدف کو سامنے رکھ کے پڑھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو ہلکا ظاہر کرنا چاہتا ہے، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو نارمل سا ظاہر کر کے بیان کرنا چاہتا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ولولہ یہ تھا کہ آپ نے اسے جماعت نہیں کرانے دی، فرمایا: اگر تمہیں یہ سورت ملتی ہے تو عمر کے نزدیک تمہاری یہی سزا ہے کہ تمہارا سر تن سے جدا کردیا جائے تاکہ قیامت تک لوگوں کو پتہ چلے کہ جس نے بھی قرآن مجید پڑھنا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دھیان میں پڑھنا ہے۔

(قوت القلوب، کتاب: ذکر مشاهدة اهل المراقبة ج:1، ص:166)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ عشق

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ولولے تاریخ میں درخشاں طور پر موجود ہیں، بالخصوص وہ منظر بڑا عجیب منظر ہے جب عمرہ قضاء کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں داخل ہورہے تھے، چونکہ جب حدیبیہ کی صلح ہوگئی تو وہاں یہ احرام کھول دیے گئے، اور یہ طے پایا تھا کہ اگلے سال آؤ اور عمرہ کرو، اور تلواریں نیاموں میں ہوں، یہ بظاہر ایک مشکل مسئلہ تھا مگر ان سے صلح کی گئی اور اسے فتح مبین کہا گیا، اب جس وقت عمرہ قضاء کے لیے مکہ شریف میں داخل ہونے لگے، یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس شہر میں پھر داخل ہورہے تھے کہ جس سے ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، قریش مکہ کا کوئی بس نہیں چل رہا، کیونکہ معاہدہ کر چکے ہیں ورنہ کبھی ان کو داخل نہ ہونے دیتے، ابھی فتح مکہ کا سال اس سے اگلا ہے، اس سے پہلے جب عمرہ قضاء کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہوئی ہے، اس وقت منظر یہ ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف فرما ہیں اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، جو قادر الکلام شاعر ہیں، اس سے اگلے سال 8 ہجری کو موتہ کے مقام پر شہید بھی ہوگئے تھے، وہ سواری کے آگے آگے جارہے ہیں۔

یوں انداز ہے کہ شہنشاہ عالم کی سواری آرہی ہے، آگے سے تمام رستے صاف کردو، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چل رہے ہیں اور یوں شعر پڑھ رہے ہیں گویا کہ وہ بجلی کی طرح کڑک رہے تھے، وہ سینوں میں اتر جانے والے تیر تھے۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری بڑی شان سے مکہ میں داخل ہو رہی ہے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آگے ہیں، کچھ صحابہ کرام دائیں ہیں، اور کچھ صحابہ کرام بائیں ہیں، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آگے ہیں اور بڑا عجیب نعرہ لگا رہے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ نعرہ اس موقع پر سنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت اس مقام پر نہ پہنچ سکے جہاں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پہنچ چکے تھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ

اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ

ضَرْبًا يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهٖ

وَيُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ

یہ اشعار زور زور سے پڑھتے جا رہے تھے، کہ:

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ...... اے کفار کے بیٹو! آج سامنے مت آنا، آج میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے پیچھے ہٹ جاؤ، کوئی سامنے نہ آئے، حرم پاک ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے کے آ رہے ہیں، داخل ہو رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آگے پورے مستانہ انداز میں یہ بآواز بلند کہہ رہے ہیں، کفار دائیں، بائیں کھڑے ہیں اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ...... اے کفار کے بیٹو! سارے پیچھے ہٹ جاؤ، کوئی بھی میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کھڑا نہ ہو،

اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ...... آج نزول قرآن کے فیصلے کے مطابق ہم تمہیں

ماریں گے۔دوسرا ترجمہ یوں ہو سکتا ہے آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے موقع پر ہم تمہیں ماریں گے۔

اگر تم آج سامنے آؤ گے تو ہم تلواریں پیچھے نہیں ہٹائیں گے، ہم تمہیں ماریں گے لہذا کوئی بھی راستے میں سامنے کھڑا نہ ہو،

ضَرْبًا یُزِیْلُ الْھَامَ عَنْ مَقِیْلِهٖ ...... وہ مار ماریں گے کہ جو مار کھوپڑی گردن کے ساتھ نہیں رہنے دے گی، آج ہم ایسی تلواریں چلائیں گے جو کھوپڑی اور گردن کا فاصلہ بنا دے گی،

وَیُذْھِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ ...... آج کی تلوار ایسی چلے گی جو پیاروں کا پیار بھلا دے گی۔ تجھے ایسی ضرب لگائیں گے کہ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑ جائے گی۔ گہرا دوست گہرے دوست کو بھول جائے گا۔

اس واسطے اے کافرو! ہم آگئے ہیں اور یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری آ رہی ہے، یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں داخل ہو رہے ہیں، مت کوئی سامنے آئے، مت کوئی راستہ روکے، اور مت کوئی اکڑ کر چلے، آج وہ پہلے والا مسئلہ نہیں رہا، اس وقت ہم حدیبیہ سے لوٹ کے چلے گئے تھے، مگر آج ہم جس انداز میں آگئے ہیں، اگر کسی نے کوئی گڑبڑ کی تو ہم نہیں چھوڑیں گے، آج وہ تلوار چلے گی جو سر کو گردن سے جدا کر دے گی اور جو پیاروں کا پیار بھلا دے گی، اس واسطے اے قریش مکہ! جو تم میں اپنی بیوی کو بیوہ کرنا چاہتا ہے، اپنے بچوں کو یتیم کرنا چاہتا ہے، وہ تو سواری کے سامنے آئے، کھڑا ہو کے راستہ روکنے کی کوشش کرے، اور وہ تو آگے اکڑ کے چلے اور جو بچنا چاہتا ہے وہ سائیڈ پہ ہو جائے، اس واسطے کہ عبداللہ بن رواحہ سے آج برداشت نہیں ہو گا، ہم حدیبیہ سے واپس چلے گئے تھے، مگر آج ہم اس انداز میں آگئے ہیں اور وہ تلواریں

چلائیں گے جو تلواریں چلانے کا رب نے ہمیں حکم دیا ہے۔

اب دیکھو کہ صلح یہ تھی کہ تلوار نیام میں رکھنی ہے مگر نعرہ بڑا گرم تھا، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آگے آگے یہ ترانہ پڑھتے جا رہے تھے کہ ہٹ جاؤ، کافرو ہٹ جاؤ، رستہ بنا دو، سارے ایک طرف ہو جاؤ،

خَلُّوْا بَنِی الْكُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ...... اے کفار کے بیٹو! پیچھے ہٹ جاؤ، میرے محبوب کے رستے کھلے کر دو،

بار بار جس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ:

یَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ فِیْ حَرَمِ اللّٰهِ تَقُوْلُ الشِّعْرَ ...... اے ابن رواحہ! کچھ ہوش بھی کر، کیا تو بول رہا ہے،

بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو کے،

وَ فِیْ حَرَمِ اللّٰهِ تَقُوْلُ الشِّعْرَ...... اور اللہ کے حرم میں تو شعر پڑھ رہا ہے۔

یہ نہ پڑھو، یہ پڑھنے کا موقع نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو روکنے لگے، ان کا خیال تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی کیفیت میں ہیں، ادھر آپ کی توجہ نہیں کہ عبداللہ بن رواحہ کیا کہہ رہے ہیں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی تجلیات میں مستغرق ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال بھی اپنے طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی میں تھا کہ کہیں عبداللہ بن رواحہ کے عمل سے نقصان نہ ہو۔ عبداللہ بن رواحہ سامنے آگ بھی بھڑکا رہے ہیں، کافروں کو چیلنج بھی کر رہے ہیں، اور پھر نعرے بھی لگا رہے ہیں، اور پھر آگے آگے بھی ہیں اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھ رہے ہیں، کہنے

لگے: عبداللہ بن رواحہ کچھ ہوش کرو، کیا کر رہے ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ رہے تھے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف توجہ نہیں فرما رہے ہیں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کی حمایت کر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے کہ:

خَلِّ عَنْهُ ...... عمر تو پیچھے ہٹ جا، عبداللہ بن رواحہ کو نہ روک، تو پیچھے ہٹ جا، وقت وقت کی بات ہوتی ہے، جو عبداللہ بن رواحہ کرتا ہے اسے کرنے دو، اس کو کہنے دو اور اس کو بولنے دو۔

فَهُوَ أَسْرَعُ مِنْ نَضْحِ النَّبَلِ

یقیناً یہ اشعار کفار کے سینوں میں تیروں سے تیز لگ رہے ہیں۔

(جامع الترمذی، کتاب الأدب، باب: انشاد الشعر، ج:5، ص: 139، رقم الحدیث: 2847)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کا انجام

مسیلمہ کذاب کے دو حواری ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے، ایک کا نام ابن نواحہ اور دوسرے کا نام ابن اثال تھا، یہ دونوں آگئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں جو نرمی تھی اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ جو بندہ بھی آئے وہ خالی نہ جائے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان لوگوں کو بھی میرا فیض پہنچ جائے، تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَتَشْهَدَانِ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ ...... کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

حالانکہ جن کی گواہی اللہ تعالیٰ دے رہا ہے، وہ اُن کی گواہی کے محتاج نہیں ہیں، لیکن

معاملہ یہ تھا کہ یہ جہنمی مسیلمہ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے دے، جب آپ نے ان سے پوچھا تو وہ دونوں بولے کہ:

نَشْهَدُ أَنَّ مُسَيْلَمَةَ رَسُولُ اللّٰهِ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے، (معاذ اللہ)

جس وقت ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ جملہ سنا تو فرمانے لگے کہ:

لَوْ كُنْتُ قَاتِلاً رَسُوْلاً لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا ...... اگر میرا یہ دستور ہوتا کہ کسی کے قاصد کو مار دیا جائے، اگر میری شریعت میں کسی قاصد کو مارنا جائز ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا لیکن میری شریعت یہ ہے کہ اسلام کا کتنا بڑا ہی دشمن کیوں نہ ہو، سفیر بن کے آئے اسے قتل نہیں کرنا، لہٰذا اس واسطے میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔

ادھر مسیلمہ نے صحابی کا ایک ایک انچ کاٹ کے اپنے سامنے سزا دلوائی، لیکن محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قاصدوں کو معاف کیا، فرمایا:

اس وقت تمہاری حیثیت قاصد کی ہے، تم سفیر بن کے آئے ہو تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں، لیکن اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں ضرور قتل کر دیتا۔

(مسند أحمد بن حنبل، مسند المكثرين من الصحابة مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، ج:1، ص: 390، رقم الحديث: 3708)

یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سن لی، انہوں نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ چلو اب تو یہ سفیر ہے، مگر کبھی تو یہ قابو آجائے گا پھر پوچھوں گا کہ مسیلمہ کیسا رسول ہے؟

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں جا رہا تھا تو مجھے وہ شخص (ابن نواحہ) مل گیا، تو میں نے کہا کہ تجھے وہ دن یاد ہے جب تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے گستاخی کی تھی اور تو میرے آقا ﷺ کے سامنے کہا تھا کہ مسیلمہ رسول ہے۔

آج قادیانیوں کے بارے میں لوگ نرم رویہ رکھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ شاید انہوں نے کوئی گستاخی نہیں کی، جب نبی کریم ﷺ کے ہوتے ہوئے رسول، مسیلمہ کو کہنے والا گستاخ قرار پاتا ہے، اور واجب القتل ہوتا ہے، تو محبوب ﷺ کی نبوت کے ہوتے ہوئے۔

جس نے مرزا کے نبی ہونے کا قول کیا اس نے رسول اللہ ﷺ کا کتنا دل دکھایا۔

اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پہلے یاد دلایا کہ تم میرے نبی ﷺ کے دربار میں گئے تھے، اور تم نے یہ لفظ بولا تھا، میرے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر تم قاصد نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا، کہنے لگے: یاد رکھ

اَلْیَوْمَ لَسْتَ بِرَسُوْلٍ ...... آج تو قاصد نہیں ہے، اس دن تو قاصد تھا، جب نبی کریم ﷺ نے تجھے چھوڑ دیا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرظہ بن کعب تلوار پکڑو اور اس کا سر اتارو۔

اس بازار کے اندر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سر اتار کے بازار میں منادی کروائی کہ وہ گستاخ جس نے ہمارے نبی کریم ﷺ کی گستاخی کی تھی اور اس وقت قاصد ہونے کی بنیاد پر چھوڑ دیا گیا تھا، آج جس نے اسے دیکھنا ہو تو وہ سر بازار مردار پڑا ہے۔

(سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب: في الرسل، ج:3، ص:38، رقم الحديث: 2764)

رسول اکرم ﷺ کے عشاق کا یہ انداز اور اس میں شریعت کے تقاضے بھی پورے ہیں، ان کے ساتھ ساتھ اپنے عشق کا ولولہ ناموس رسالت اور نگہبانی کا جذبہ بھی موجود ہے۔ یہ آج ہماری ذمہ داری ہے لیکن اگر امت کسی موقع پہ غافل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور انتقام لینے والا ہے۔

گستاخ پر قہر خداوندی

اس سلسلہ میں عمدۃ القاری کے اندر حدیث شریف موجود ہے کہ ایک شخص مدینہ شریف میں اتنا بد بخت تھا کہ جب اذان ہوتی تھی، مؤذن کہتا کہ:

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

عاشق سن کے گواہی دیتے ہیں کہ مؤذن تو گواہی دیتا ہے تو ہم بھی گواہی دیتے ہیں، انگوٹھے چوم کے آنکھوں پہ لگا کے "قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم" کی آواز دیتے ہیں، یہ اظہار محبت ہے۔

لیکن وہ شخص جب یہ سنتا تھا تو کہتا تھا کہ:

حُرِّقَ الْكَاذِبُ ...... جھوٹے کو جلا دیا جائے۔

یہ لفظ بولتا تھا کہ مؤذن (معاذ اللہ) جھوٹ بول رہا ہے، اس کو جلا دیا جائے۔

ایسا جب اس نے متعدد بار اپنی زبان سے کہا تو اللہ کی قدرت نے گرفت کی، ایک دن اپنے گھر میں سو رہا تھا، اس کی خادمہ داخل ہوئی، اس کے ہاتھ میں آگ تھی، آگ کی ایک چنگاری اس کے بستر پہ گر گئی، وہ سو رہا تھا اور اس کے اہل بھی سو رہے تھے، سارا گھر جل گیا اور وہ جو مؤذن کو سن کر کہتا تھا کہ اس کو جلا دیا جائے جو یہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، جب وہ مؤذن کے خلاف یہ بولتا تھا تو اللہ کی قدرت نے فیصلہ کر دیا، اس کے گھر والے اس کے ساتھ متفق تھے، سارا گھر جل گیا، اور وہ بھی جل گئے، اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے غلاموں سے بھی محبوب کی عزت پہ پہرے دلواتا ہے اور اپنی قدرت کو ایسے بھی متحرک فرما دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الأذان باب بدء الأذان ج: 5 ص: 150)

یہ ناموس رسالت کے نگہبان ولولے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انداز میں میں نے بیان کیے، ہر دور اس امت کا منفرد دور ہے، پہلی امتوں میں ایسا منظر نظر نہیں آتا۔

خدا کی قسم! درجنوں دلائل کی روشنی میں کہتا ہوں کہ ہر امت جو اپنے نبی کو مانے گی، وہ عظیم امت ہے، مگر کسی امت نے اپنے پیغمبر سے وہ عشق نہیں کیا جو اس امت نے اپنے محبوب ﷺ سے کر کے دکھایا ہے، اسی لیے تو اعلیحضرت بیان کرتے ہیں کہ:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

(حدائق بخشش، حصہ: اول، صفحہ نمبر: 30)

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن سامنے تھا تو کسی نے سر نہیں کٹوایا، ایک بار ایسا ہوا کہ حسن یوسف پہ انگلیاں کٹیں اور وہ بھی دیکھ کے، لیکن محبوب تجھے دیکھنا تو بڑی معراج ہے، نام سن کے لوگ بار بار سر کٹانے کو تیار ہیں۔

"سر کٹاتے ہیں" یہ مضارع ہے، صحابہ بھی سر کٹاتے ہیں، تابعین بھی، تبع تابعین بھی، غازی علم الدین بھی، غازی عامر بن عبدالرحمٰن بھی، کہاں تک وہ سلسلہ جاری ہے:

سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

ادھر تحفہ انگلیوں کا تھا اور ادھر جب بھی کوئی نذرانہ پیش کرتا تو تحفہ اور نذرانہ سر کا پیش کرتا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کے اس امتیاز کو ہمیں برقرار رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر

4

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(القرآن الكريم، سورة الفتح، رقم السورة 48، رقم الآية 29)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِيْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل وتوفیق سے ''ادارہ صراط مستقیم'' پاکستان کے زیر اہتمام پندرھویں سالانہ ''فہم دین کورس'' میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ہر باب بڑا روشن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائل اور کمالات کو جس جہت سے دیکھا جائے تو ایک نئی تجلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ میں نظر آتی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات کے کہکشاں نظر آتے ہیں۔ سیرت کے موضوعات میں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت ایک بڑا اچھوتا اور اہم موضوع ہے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت کے اس سبق کا صدقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کا دیدار کرائے اور سب کی روح کی تشنگی کو دور فرمائے۔

نبوت اور شجاعت

شجاعت کا وصف انبیاء کرام علیہم السلام کے اوصاف میں سے اہم ترین وصف گردانا گیا، جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں جلوہ گر ہوئے وہ سارے کے سارے اشجع تھے، کیونکہ ہر دور میں، ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے جن کو رسول اکرم ﷺ سے پہلے دنیا میں نبوت سے سرفراز کیا، انہیں بھی وصف شجاعت انتہائی درجہ کا عطا فرمایا، چونکہ نبی کا براہ راست رابطہ اور ان کا سامنا مخلوق سے ہوتا ہے، نبی کا کام یہ ہے کہ وہ مخلوق کو خالق کی طرف بلائے، خالق کا پیغام مکمل طور پر مخلوق کے سامنے پیش کرے، ماحول جیسا بھی ہو، حالات جیسے بھی ہوں، قوم جتنی بھی بگڑی ہوئی ہو، پیغمبر کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کا دیا ہوا پیغام ہو بہو بندوں کو سنائے، خواہ وہ بندے رب کا پیغام سن کا ناراض ہو جائیں، کتنے سیخ پا ہو جائیں، کتنی عداوت کی آگ بھڑک اٹھے، اللہ کا نبی اللہ کے پیغام کی طرف دیکھتا ہے، لوگوں کی مخالفت کی طرف نہیں دیکھتا، اور جن حالات کا بھی سامنا کرنا پڑے اللہ کا نبی ان حالات کا سامنا کر کے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے، یہی نبوت کا طریقہ کار ہر دور میں رہا ہے یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ کی جلوہ گری اس دنیا میں ہوئی۔

دوسرے لفظوں میں شجاعت کا وصف انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا محافظ وصف اور شجاعت کا وصف نبوت کا پاسبان ہے۔ اگر کسی میں حوصلہ نہیں تو وہ اللہ کا پیغام دینے میں صحیح ذمہ داری ادا نہیں کرے گا کہ وہ لوگوں سے ڈر کر کچھ حصہ چھوڑ دے گا تو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔

لوگوں کے سامنے ایک بات کرے تو لوگ ناراض ہو کر مقابلہ میں آ جائیں، تو پھر وہ کہے کہ نہیں مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، میں نے ایسا نہیں کہنا تھا، اللہ تعالیٰ کے نبی کی ایسی شان نہیں ہوتی، ہر دور میں جتنے انبیاء کرام علیہم السلام آئے ہیں وہ اپنے اپنے دور کے بہادر ترین انسان تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس انداز میں پہنچایا ہے کہ انہوں نے کسی کی مخالفت اور سرکشی کو پیش نظر نہیں رکھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھتے ہوئے پیغام دیا ہے، اور پھر اپنی بات پہ ڈٹ گئے ہیں، خواہ پورے جہاں نے ان کی مخالفت کی ہو، انہوں نے کسی کی دشمنی اور عداوت کی طرف دھیان نہیں کیا، جو کہنا تھا وہ کہہ دیا ہے، اس اپنے دیے ہوئے پیغام پر پوری زندگی پہرہ دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شجاعت نبوت کا لازمی وصف ہے، نبی کے لیے شجاع ہونا لازمی ہے، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ہر ہر نبی کو شجاعت عطا فرمائی، اور ہر نبی اپنے دور کا ''اشجع الناس'' قرار پایا، اپنے دور کے لوگوں میں سے وہ نبی شجاع ترین ہوتے تھے۔

یہ ہمارے محبوب ﷺ کی شان ہے کہ باقی انبیاء کرام علیہم السلام تو ''اشجع الناس'' ہیں، ہمارے آقا ﷺ صرف اشجع الناس ہی نہیں بلکہ ''اشجع الانبیاء'' بھی ہیں، باقی انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں میں سے سب سے زیادہ شجاع ہیں، ہمارے نبی ﷺ نبیوں میں سے بھی سب سے زیادہ شجاع ہیں۔ ہر نبی اپنے دور کا شجاع ترین انسان ہوتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسی علیہ السلام تک نبیوں میں شجاعت کے لحاظ سے جس کو پہلا مقام عطا ہوا، وہ ہمارے آقا ﷺ ہیں۔ غیر انبیاء میں سے انبیاء علیہم السلام شجاع ترین انسان ہیں، ان انبیاء علیہم السلام میں سے سب سے زیادہ شجاع رسول اکرم ﷺ کی ذات ہے۔

قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کی شجاعتوں کا ذکر ہے کہ کس طرح جانفشانی کے ساتھ، بلند حوصلوں کے ساتھ رب کا پیغام دیا، پوری پوری اقوام مقابلے میں آتی رہیں، بڑی سختیوں کا مقابلہ کرنا پڑا، مگر اللہ کے رسل نے اپنے اجسام پر تشدد تک کو برداشت کرلیا لیکن انہوں نے جو کلمہ حق بلند کیا، اس سے وہ کبھی، پیچھے نہیں ہٹے، آخری سانس تک حق کی حمایت میں انہوں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور شجاعت

قرآن مجید میں حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ موجود ہے، انہوں نے اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کی، حق کا پیغام دیا، وہ قوم بڑی بگڑی ہوئی تھی، اور شرک عام تھا، تو ساری قوم دھمکیاں دینے لگی، ایسے میں حضرت ہود علیہ السلام نے جو کہا تھا کہ:

اِنِّیْ اُشْهِدُ اللّٰهَ ...... میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں،

وَ اشْهَدُوْا ...... اور تم سب گواہ ہو جاؤ

اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ...... میں بیزار ہوں ان سب سے جنہیں تم اللہ کے سوا شریک ٹھہراتے ہو۔

میں اس شرک کو ختم کرنے کے لیے آیا ہوں، میں شرک کا مقابلہ کرنے کے لیے آیا ہوں، اللہ کو چھوڑ کر جو تم نے "الٰہ" بنا رکھے ہیں، میں ان سے روکنے آیا ہوں،

فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ تم سب مل کر میرا برا چاہو پھر مجھے مہلت نہ دو۔

(القرآن الكريم، سورة هود، رقم السورة: 11، رقم الآيتين: 55-54)

یہ وہ جملہ ہے جو شجاعت کے اعلیٰ تقاضے پورے کرتا ہے، حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا

کہ تم ایک نہیں سارے میرے مقابلے میں آجاؤ، اور جو کچھ تم نے کرنا ہے وہ کرلو۔

فَكِيْدُوْنِىْ جَمِيْعًا ...... تم سب مل کر میرا برا چاہو۔

میرے ساتھ تم نے لڑائی کرنی ہے یا مجھے تم شہید کرنا چاہتے ہو، جو کرنا چاہتے ہو کرو،

ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ ...... پھر مجھے مہلت نہ دو۔

- مجھے تم ایک منٹ کی بھی مہلت نہ دو، تم نے جو کچھ کرنا ہے وہ جلدی کرلو، میں اپنی کی ہوئی بات نہیں چھوڑوں گا، اور اپنا پیغام تم تک پہنچاتا رہوں گا، یہ بھرپور گرجدار لہجہ تھا، یعنی تبلیغ میں کوئی معذرت خواہانہ رویہ نہیں تھا، کوئی اپیل کی صورتحال نہیں تھی کہ جب نرمی کے سارے تقاضے پورے کردیئے، اور قوم پھر بھی شرک کی طرف جارہی ہے، تو

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

فَكِيْدُوْنِىْ جَمِيْعًا ...... تم سب مل کر میرا برا چاہو۔

تم سارے میرے مقابلے میں آجاؤ، اور جو کچھ تم نے کرنا ہے، اور جتنے ستم تم نے آزمانے ہیں، میرا بدن تمہارے سامنے تیار ہے،

ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ ...... پھر مجھے مہلت نہ دو۔

میں تم سے کوئی نرمی کا تقاضا نہیں کرتا، میں تم سے مہلت نہیں مانگتا، اور تم نے جو میرے ساتھ کرنا ہے وہ میرے ساتھ کرو، میں اپنی بات کو پیش کرتا رہوں گا کہ خدا ایک ہے، میں اس کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شجاعت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلوا کے لے جا

رہے تھے، اور فرعون نے پیچھے اپنی فوج چھوڑ دی، اور جس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا تو دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہو گیا، آگے سمندر تھا اور پیچھے فرعون کی فوج تھی، درمیان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور لاکھوں کی تعداد میں وہ لوگ تھے جن کو آپ علیہ السلام رہا کروا کے لے جا رہے تھے۔

جس وقت ایسی صورتحال ہوئی تو لوگ لاکھوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود ڈر گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے:

اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ...... بے شک ہم تو پکڑے گئے، ہم مارے جائیں گے، بچ نہیں سکیں گے، کیونکہ آگے سمندر ہے، اور پیچھے سے فرعون کی فوج آ گئی ہے، وہ ہمیں گرفتار کر لے گی، اور پھر ہمیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دے گی، اب ہم بچ نہیں سکتے، جس وقت سو فیصد چانسز ختم ہو چکے تھے اور پوری قوم نڈھال ہو چکی تھی، پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھبراہٹ کی بات نہیں کی بلکہ شجاعت کی بات کی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے:

كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ

یوں نہیں بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے اب راہ دیتا ہے۔

کوئی بات نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ضرور اس کا رستہ نکالے گا، ہم نکل جائیں گے اور ہم بچ جائیں گے، اور پھر ایسا ہی ہوا کہ ان کے لیے سمندر میں رستہ بن گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات عطا فرما دی۔

(القرآن الکریم، سورۃ الشعراء رقم السورۃ: 36، رقم الآیتین: 62-61)

تو یہ وہ انداز ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام شجاعت کے اعلیٰ مرتبے پہ فائز ہوتے ہیں، اور ان میں سے جو سب سے بڑی

شجاعت ہے وہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا دائرہ محدود تھا، انہیں مخصوص علاقے میں پیغام دینے کے لیے بھیجا جاتا تھا، انہیں مخصوص وقت کے لیے دعوت دینے کے لیے بھیجا جاتا تھا، ان کی ممکنہ عداوت کا علاقہ بھی محدود ہوتا تھا، جن کو بھیجا ہی ایک گاؤں کے لیے گیا تو ان کی مخالفت بھی ایک گاؤں میں ہوگی، جن کو بھیجا ہی ایک علاقے کے لیے گیا ہے، ان کی مخالفت بھی ایک علاقے میں ہوگی، اور وہ مقابلہ بھی ایک علاقے والوں کا کریں گے، اور ان کی طاقت ایک علاقے کے سرکشوں پہ حاوی و غالب ہوگی، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے پورے روئے زمین کے لیے بھیجا ہے، پھر ان کو طاقت بھی پورے روئے زمین کے سرکشوں کے مقابلے میں زیادہ عطا فرمائی ہے۔

اس واسطے یہ ماننا پڑے گا کہ تمام پیغمبر اپنی امت کے شجاع ترین انسان ہیں مگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی اگر شجاعت کے لحاظ سے پہلا نمبر دیکھنا ہے تو وہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، چونکہ باقی انبیاء کرام علیہم السلام آئے تو صرف ایک ایک قوم کے لیے آئے لیکن ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھوں کروڑوں قوموں کا رسول بنایا گیا ہے، تو جن کو ایک قوم کے لیے بھیجا ان کی شجاعت ایک قوم کے لحاظ سے ہے، اور جن کو کروڑوں اقوام کے لیے بھیجا ہے ان کو شجاعت بھی کروڑوں اقوام کے مقابلے کی عطا فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ہر رسول کو اس کی اپنی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا، یہ نہیں کہا کہ ہم نے رسل کو ان کی قوموں کی زبانیں دے کر بھیجا چونکہ ایک رسول ایک قوم کا رسول ہوتا تھا، اور وہ بولی اس کو دے دی جاتی تھی۔

(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، سورۃ ابراھیم، رقم السورۃ: 14، رقم الآیۃ: 4، ج: 1، ص: 210)

لیکن جب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی ہے تو قرآن مجید کہتا ہے کہ:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ......اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

(القرآن الكريم، سورة سبأ، رقم السورة: 34، رقم الآية: 28)

اس میں وہ لوگ بھی ہیں جو اس وقت پیدا ہو چکے تھے اور وہ جنہوں نے دوسری صدی میں پیدا ہونا تھا اور جنہوں نے قیامت تک پیدا ہونا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جہانگیر رسالت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حوصلہ بھی اتنا ہی دیا اور قوت برداشت اور شجاعت بھی عطا فرمائی۔

استقلالِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے سخت لوگوں اور ابو جہل جیسے لوگوں کہ جن کی پتھریلی طبیعتیں تھیں، ان کے سامنے جس وقت حق کی بات کی ہے، تو اتنے رعب سے بات کی ہے کہ وہ اپنی قوموں کے سردار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کانپتے نظر آتے تھے۔

اس وقت پوری روئے زمین کے لحاظ سے آپ کو حوصلہ و جرأت عطا کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بولتے وقت کوئی گھبراہٹ نہیں ہوئی کہ میں بول رہا ہوں، یہ جملہ عراقی سنے گا تو اس کا ردِ عمل کیا ہوگا، اگر اس جملے کو یمنی سنے گا تو اس کا ردِ عمل کیا ہوگا، اگر اس جملے کو شام کا کوئی بندہ سنے گا تو اس کا ردِ عمل کیا ہوگا، اس جملے کو اگر ہندوستان کا انسان سنے گا تو اس کا ردِ عمل کیا ہوگا، آخر جن کو یہ شوق ہے کہ میری بات دوسروں تک ضرور پہنچے اور پھر لوگ اس کو قبول بھی کریں، اور پھر میری بات کا انکار نہ ہو، اس سے سرکشی نہ

کی جائے، اب حکمت اور ساری صورتحال سامنے ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میرے جملے ہواؤں کی نظر ہو جائیں، اور کل ان کو کوئی قبول کرنے والا نہ ہو، اور سخت طبیعتیں ان جملوں کو مسترد کرتی رہیں، میرے نبی ﷺ کا حوصلہ کتنا عالی اور کتنا بلند تھا کہ ایک ایک خطبے میں پوری روئے زمین کو سامنے رکھا ہے، اور قیامت تک کے انسانوں کو سامنے رکھ کہ میرے محبوب ﷺ نے بغیر کسی جھجک کے، بغیر کسی خطرے کے، بغیر کسی خوف کے، اور بغیر کسی مخالفت کا لحاظ کیے ہوئے اس انداز میں دین کو پیش کیا کہ حجاز سے لے کر دنیا کے آخری کونے تک، اور اس وقت سے لے کر قیامت تک کے سارے انسانوں کو سامنے رکھ کر نبی اکرم ﷺ نے جو گفتگو کی ہے، تو پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی طبیعت ان لوگوں کے اثر سے آزاد ہے۔ جیسے بچوں کو سمجھاتے وقت انسان پہ بچوں کا کوئی رعب نہیں ہوتا کہ میں سمجھا رہا ہوں تو یہ آگے سے تبصرہ کیا کریں گے، کہیں یہ کوئی سخت اعتراض نہ کر دیں، ان کا میرے اوپر ردِ عمل کیا ہوگا، میرے آقا ﷺ نے پوری انسانیت کو، پوری روئے زمین کو، اور قیامت تک کے لوگوں کو ان کی نرم اور سخت طبیعتوں کو سامنے رکھ کر اس حوصلے سے گفتگو کی ہے کہ کہیں کوئی خوف کلام میں محسوس نہیں ہوتا کہ سرکار ﷺ کسی علاقے کے سرکشوں سے ڈر کر کوئی جملہ دب کے بول رہے ہوں کہ اس علاقے کے لوگ میرے خلاف کھڑے نہ ہو جائیں۔

تیرے آگے یوہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

اس انداز میں پیغام توحید دیا ہے، اور اس انداز میں حق کا اعلان کیا ہے، اور اس انداز میں عرش کے فیصلوں کو زمین تک پہنچایا ہے، ساری کائنات کے لوگوں کو سامنے رکھ کر

محبوب ﷺ نے پیغام دیتے وقت حق یہ ادا کیا ہے کہ ان کروڑوں، اربوں انسانوں میں سے کسی ایک کی سختی کو طبیعت میں ملحوظ خاطر یوں نہیں رکھا کہ اس سختی کی وجہ سے کوئی جملہ دب کے بول رہے ہوں، ان سب کو اپنی نگاہ کے نیچے رکھ کے اگر پھر بھی ہمارے آقا ﷺ نے دھیان رکھا ہے تو رب ذوالجلال کے دیئے ہوئے پیغام کا دھیان رکھا ہے۔

قوم جس وقت ٹکراتی ہے اور نظریات کا جب تصادم ہو جاتا ہے تو بڑے بڑے لوگوں کے جگر پگھل جاتے ہیں رسول اکرم ﷺ فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر دعوت حق دیتے ہیں تو مخالفت کا بازار گرم ہو جاتا ہے، راستے میں کانٹے بھی بچھائے جاتے ہیں، گلے میں کپڑا ڈال کے (معاذ اللہ) کھینچا بھی جاتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باندھ باندھ کر دشمنوں کی طرف سے تشدد بھی کیا جاتا ہے، پھر اللہ کے حکم پر اور حکمت کے پیش نظر وطن بھی چھوڑنا پڑتا ہے، پھر بدر کی دہلیز پر دستک بھی ہوتی ہے، پھر خندق کے معاملات بھی ہیں، حنین اور احد کے ہمہمے بھی ہیں، پھر غزوات سے مکمل بھری ہوئی سیرت بھی ہے، اول سے لے کر آخر تک ہمارے محبوب ﷺ کی سیرت کو اگر کوئی دیکھے گا تو ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوگا کہ جس میں جرأت واستقامت کے لحاظ سے کوئی کمی آتی ہو۔ ہمارے محبوب ﷺ کی پوری سیرت اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس محبوب کو ساری انسانیت سے شجاع ترین بنایا ہے۔

صفتِ مصطفیٰ اکریم صلی اللہ علیہ وسلم

سید عالم ﷺ کی جو جہانگیر بعثت ہے، اس وقت جو دعوت حجاز کے لیے تھی، وہی دعوت ہند کے لوگوں کے لیے بھی تھی، اور ساری انسانیت کے لیے وہ ہی دعوت تھی،

مزاج بڑے اکھڑ، طبیعتیں بڑی بڑی سخت تھیں، سب کچھ سامنے رکھا اور پھر جس وقت گفتگو کرتے تھے تو انداز کیا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری کچھ صفتیں ایسی ہیں جو میرے سوا کسی کو نہیں دی گئیں، ایک صفت یہ ہے کہ:

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ ...... مجھے میرے رب نے ایسی جرأت دی اور ایسا رعب دیا ہے کہ ایک مہینے کی مسافت سے دور بیٹھا ہوا شخص یوں سمجھتا ہے جیسے وہ میری تلوار کے نیچے ہو اور میرا رعب اس پہ طاری ہو چکا ہوتا ہے۔

(صحيح البخاري، أبواب المساجد، باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم: جعلت لي الأرض مسجدا و طهورا، ج:1، ص: 168، رقم الحديث: 427)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب، شجاعت، دلیری، قوت اور بہادری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اوصاف میں سے ہے۔

عظیم گواہ

اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہیاں بڑی عظیم گواہیاں ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے، وہ موجود تھے مدینہ شریف میں مسجد نبوی کے پر امن ماحول میں اور وہ موجود تھے برستے تیروں کے سائے میں وہ موجود تھے حضر میں، وہ موجود تھے سفر میں، اپنوں کے جھرمٹ میں سرکار کے ساتھ رہتے تھے، اور دشمنوں کے حملوں میں بھی سرکار کے ساتھ رہتے تھے، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کہ جن کی گواہیاں بڑی عظیم گواہیاں ہیں۔

انسان کی سیرت کے امتحانات میں ان چیزوں کا بڑا دخل ہے اور یہ کمال ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا، کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر صحت مند ہوں تو اچھے لگتے ہیں، بیمار

ہو جائیں تو اچھے نہیں لگتے، گھر میں ہوں تو اچھے لگتے ہیں، سفر میں صورت حال بدل جاتی ہے کچھ وہ لوگ ہیں جو دوستوں کی بزم میں ہوں تو اس میں بڑے بجچے ہوئے لگتے ہیں اور جب دشمنوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے ہوں تو پھر اچھے نہیں لگتے، یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ اگر بدن مبارک صحت مند ہے تو پھر بھی حسن کا کوئی جواب نہیں، اگر بیماری کا حملہ ہے تو پھر بھی چہرے کی تابانی کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، اگر گھر میں ہیں تو پھر بھی ابرِ کرم ہیں، اگر سفر میں ہیں تو پھر بھی رحمت ہی رحمت ہے، اگر امن کا ماحول ہے، دوستوں کی انجمن ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اردگرد ہالہ بنا ہوا ہے تو پھر بھی چہرے پہ اطمینان ہے، اور اگر تیر برس رہے ہیں، گھوڑے ڈور رہے ہیں، تلواریں چل رہی ہیں، دشمن ہزاروں کی تعداد میں سامنے آگئے ہیں یا پھر محاصرہ ہو گیا ہے، پھر بھی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ زرد نہیں ہوا، اطمینان پھر بھی باقی ہے، اس انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ، ہمت اور استقامت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم میں سے جو شجاع لوگ تھے، جب جنگ میں ہمیں پناہ لینا پڑ جاتی تھی کہ ہم کسی جگہ پناہ لے کر اپنا بچاؤ کریں، تو ہم سرکار کے پیچھے ہو کہ اپنے آپ کو بچاتے تھے، یعنی اس انداز کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت تھی۔

پہلی گواہ: حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجاعت میں اتنا بڑا کردار ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے شیر خدا، خود اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ جب جنگوں میں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے، تو کچھ مقام ایسے بھی آجاتے تھے کہ جب ہم سے بات بڑھ رہی ہوتی تھی، اگر ہمیں

سہارا ملتا تھا تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کا سہارا ملتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنَّا کُنَّا اِذَا اشْتَدَّ الْبَأْسُ وَ احْمَرَّتِ الْحَدَقُ ...... جس وقت جنگ تیز ہو جاتی اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور دشمنوں کے حملے بڑے تیز ہو جاتے، تو کیا ہوتا؟

اِتَّقَیْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ...... ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں ہو جاتے جب ہم دیکھتے کہ معاملہ بڑا سخت ہو گیا ہے، ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جاتے تو ہمیں پتہ چلتا کہ سامنے دشمن ہے، اور جہاں ہم لڑ رہے ہیں ہم سمجھتے تھے کہ ہم فرنٹ پہ ہیں، اور ہم شدید مقابلہ کر رہے ہیں، لیکن جب ہم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو سرکار ہم سے کہیں زیادہ آگے دشمن کے مقابلے میں نظر آتے، ہم اپنے آپ کو پیچھے پاتے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے پاتے، ہم جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو سرکار دشمن کے سر تک پہنچ چکے ہوتے تھے۔

(نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، شمائلہ علیہ السلام، ص:215)

اتنے اتنے شیر دل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گواہیاں دے رہے ہیں کہ جن کی بہادری کے ترانے دنیا گاتی ہے، ہم جن کی بہادری کو عظیم بہادری کہہ رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جس وقت ہم سمجھتے تھے کہ صورتحال بڑی گھمبیر ہو گئی ہے، اس وقت ہمیں اپنے آگے جو ذات حملہ کرتی دیکھائی دیتی تھی وہ ذات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہوتی تھی۔

دوسری گواہی: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

کُنَّا وَاللّٰہِ اِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ نَتَّقِیْ بِہٖ ...... جس وقت جنگ تیز ہو جاتی تھی تو ہم سرکار

کے ذریعے سے بچتے تھے۔

(صحیح مسلم، کتاب الجهاد و السیر، باب: فی غزوة حنین، ج:5، ص:168، رقم الحدیث: 4716)

لڑتے لڑتے جس وقت ہم سمجھتے کہ مسئلہ خطرناک ہو گیا ہے، ہم اپنی تلواروں کے بل بوتے پہ نہیں بچ سکتے ہیں، دائیں، بائیں، آگے، پیچھے سے حملہ ہو رہا ہے، جنگ میں چھوٹے چھوٹے سہارے کی بھی تلاش ہوتی ہے، آدمی لڑتے وقت یہ سوچتا ہے کہ میرا دایاں بازو بھی مضبوط ہو، اور بایاں بازو بھی مضبوط ہو، آگے اچھے اور مضبوط لوگ ہوں، اور پیچھے بھی مضبوط لوگ ہوں تا کہ میری حفاظت رہے، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کہتے ہیں کہ وفا شعاری تو ہمارے اندر کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے، مگر اسلام کی سر بلندی کے لیے اپنی حفاظت بھی ضروری ہے، اور پھر حملہ کرنا بھی ضروری ہے، جب حالات اتنے گھمبیر اور سخت ہو جاتے کہ ہمیں لگتا کہ ہم بچ نہیں سکتے، اس وقت ہم نبی اکرم ﷺ کے قریب چلے جاتے، سرکار ﷺ خود بھی بچتے اور ہمیں بھی تلواریں چلا کے بچا لیتے۔

یہ رسول اکرم ﷺ کی قیادت کا انداز نہیں کہ دوسروں کو بھیج دیں اور خود پیچھے بیٹھ جائیں، اور لوگ اپنا کردار ادا کریں، یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بارہا نبی اکرم ﷺ کا یہ انداز نظر آیا کہ سرکار ﷺ خود تلواروں کے ساتھ اپنا دفاع ہی نہیں کر رہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی دفاع کر رہے ہیں۔

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک انسان بہادری کا ایک حوالہ قرار پایا ہے، ہم لڑتے ہیں تو دشمنوں کے چھکے چھڑا دیتے ہیں، ہم میں سے ایک ایک نے دس، دس کا، بیس، بیس کا بلکہ بعض حضرات نے سینکڑوں کا مقابلہ کیا مگر ہمیں ہماری

شجاعت سے کہیں زیادہ جو شجاعت نظر آئی وہ رسول اکرم ﷺ کی شجاعت نظر آئی۔
اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو کس قدر شجاعت عطا فرمائی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی شجاعت کا اندازہ نہیں کر پا رہے ہیں۔

تیسری گواہی: حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی

جس وقت حنین کی جنگ تھی، یہ جنگ ہوازن سے تھی، جو کہ بڑے تیر انداز تھے، شدید ترین ان کی فورس تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ جب ہم نے ان مقابلہ کیا تو چند لمحوں میں اتنے تیر ہمیں لگے کہ بہت سے صحابی زخمی ہو گئے، بیس، بیس، تیس، تیس زخم لگ گئے، ایسے میں جب شدت سے ہوازن کی طرف تیر اندازی ہو رہی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جنگی پوزیشن متاثر ہو گی، رسول اکرم ﷺ میدان جنگ میں کھڑے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخمی ہو کر کوئی دائیں گر رہے ہیں، کوئی بائیں گر رہے ہیں، ادھر سے مسلسل تیر اندازی ہو رہی ہے۔ میرے آقا ﷺ اپنے خچر پہ تشریف فرما ہیں، اپنے خچر کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ میدان جہاد میں خادم کی حیثیت سے ساتھ کھڑے ہیں، سامنے سے تیر آ رہے ہیں، شدید ترین تیر اندازی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخمی ہو چکے ہیں، میرے محبوب ﷺ نے اپنی سواری کا رخ نہیں پھیرا کہ اب مقابلہ مشکل ہو گیا ہے، ساتھی نڈھال ہو گئے ہیں، ذرا پیچھے ہٹ جاؤں، دوبارہ پھر آ جائیں گے، میرے محبوب ﷺ نے اپنی سواری کو ایڑی لگائی، اور دشمن کی طرف بڑھایا، حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے سواری کی لگام کو پکڑا، کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! تھوڑا سا

ٹھہر جاؤ تاکہ ساتھی اکٹھے ہو جائیں، سامنے فوج کتنی ہے، آپ اکیلے کس طرح ان کی طرف سواری کو بڑھا رہے ہیں، خطرات بہت زیادہ ہیں، تیر کتنی تیزی سے آ رہے ہیں، میرے محبوب ﷺ کی جرأت کا جواب کیا تھا، فرمایا: پیچھے ہٹ جاؤ،

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ...... میں نبی ہوں، کوئی جھوٹا نہیں ہوں، اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، یعنی میں اکیلا جاؤں گا اور ان کافروں کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔

(صحیح مسلم، کتاب الجهاد و السیر، باب: فی غزوة حنین، ج:5، ص:168، رقم الحدیث: 4716)

سید عالم ﷺ کی پریکٹیکلی شجاعت ہے کہ جنگوں میں سرکار ﷺ اس انداز میں آگے بڑھتے ہیں کہ دشمن سرنگوں ہونے پہ مجبور ہو گیا، رسول اکرم ﷺ کا کردار شجاعت کا حوالہ ہے۔

چوتھی گواہی: خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کی

حضرت انس رضی اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر حسن دیکھنا ہے تو ہمارے محبوب ﷺ جیسا کوئی حسین نہیں۔

أَحْسَنَ النَّاس

سارے لوگوں میں جو سب سے زیادہ حسین ہیں تو وہ ہمارے محبوب ﷺ ہیں۔

پھر فرمانے لگے: اگر دیکھنا ہے کہ سب سے زیادہ کرم کس کا ہے، سب سے زیادہ لوگوں کی جھولیوں کو کون بھرتا ہے، سب سے زیادہ جود کس کا ہے، فیضان کس کا ہے، سب سے زیادہ عطا کون کرتا ہے، تو ہمارے آقا ﷺ ہیں کہ دنیا کے حاتم لوگوں کی ان کے

سامنے کوئی حیثیت نہیں، ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر جواد سے بڑا جواد بنایا ہے ہر عطا کرنے والے سے بڑا عطا کرنے والا بنایا ہے، پوری تاریخ انسانیت میں کوئی انسان اتنا بڑا سخی نہیں تھا جتنا بڑا سخاوت کا مقام اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ:

أَشْجَعَ النَّاسِ ...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ شجاع تھے۔

اتنا شجاع میں نے کسی کو نہیں دیکھا جتنی شجاعت اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کا وقت تھا کہ مدینہ شریف میں گھبراہٹ طاری ہوگئی، کچھ آوازیں ایسی آئیں جیسے دشمنوں نے حملہ کر دیا ہے، اب رات کا وقت تھا، سناٹا تھا، اندھیرا تھا، جب یہ محسوس ہو رہا تھا کہ دشمن کی فوج آگئی ہے، تو ہم اکٹھے ہوئے کہ کوئی دستہ تشکیل دیں جو جا کے پتہ کرے کہ معاملہ کیا ہے، وہ بڑا خطرناک مسئلہ تھا، رات کا وقت ہے، پہاڑوں کے پیچھے کتنی فوج قریش کی آگئی ہے، اور کون سے دشمن اکٹھے ہو گئے ہیں، ہم ابھی سوچ رہے تھے کہ جائیں اور جا کے پتہ کریں، کہتے ہیں کہ جب تیار ہو کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستہ نکلا، تو ہمیں رات کے اندھیرے میں آگے سے کوئی سوار آتا ہوا نظر آیا، ہم نے کہا کہ یہ کون آ رہا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ رہے تھے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ نبوت میں آرام فرما رہے ہیں، اور ہم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہیں ہونے دیں گے، خود جا کر پتہ کر کے آئیں گے کہ کون سی فوج آگئی ہے، جس نے رات کو چڑھائی کر دی ہے۔

تو کہنے لگے کہ: جس وقت ہم آگے بڑھے تو وہ عرش کے مہمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس خطرے کی طرف سے پتہ کر کے واپس آرہے تھے، سواری پہ زین بھی نہیں ڈالی ہوئی تھی، اور تلوار گلے میں لٹکی ہوئی تھی، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ارشاد فرمانے لگے کہ میرے صحابہ میں سارا کچھ دیکھ کے آ گیا ہوں، گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، تم سب آرام سے گھر میں جا کے سو جاؤ، کوئی خطرہ نہیں ہے، بالکل امن ہے۔

(الأدب المفرد، كتاب حسن الخلق، باب: طيب النفس، رقم الحديث:303)

جس وقت رات کے سناٹے میں اتنی کثیر فوج کے آنے کی گھنٹیاں بج رہی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے محتاط طریقے سے پتہ کرنا چاہتے ہیں، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوچ سے اگلا مقام ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر ابھی مدینہ شریف سے نکلنا چاہتا ہے، سرکار ﷺ کی شجاعت ادھر سے پتہ کر کے آرہی ہے۔ یہ جانا کہ امت کو جنگی حکمتیں سکھانے کے لیے تھا اور حوصلے بانٹنے کے لیے تھا ورنہ ہمارے آقا ﷺ تو اللہ کی عطا سے ایک مکان میں بیٹھ کر جہان کی خبر رکھنے والے ہیں۔

ایک انسان کا اندھیرے میں نکلنا، ہزاروں کے مقابلے کے لیے اکیلے جانا، اس سے پتہ چلا کہ اگر سرکار ﷺ کو کچھ بھی خوف ہوتا یا ڈر ہوتا تو کم از کم حضرت صدیق وعمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے لیتے، حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کو بلا لیتے، عشرہ مبشرہ میں سے کسی کو بلا لیتے، جو جرنیل صحابہ کرام ہیں ان میں سے نو، دس کو اکھٹا کر لیتے کہ مسئلہ ایسا ہو گیا تو میں بھی چلتا ہوں، تم بھی چلو، جا کے پتہ کرتے ہیں کہ کیا معاملہ ہے، مگر میرے محبوب ﷺ خود تنہا جا کر اور خطرات سے گزر کر قیامت تک کے لیے یہ پیغام دے رہے تھے کہ میری امت تم نے ڈرنا نہیں ہے، جن کے نبی اس انداز میں ننگے گھوڑے

پر، بغیر زین کے، تلوار گلے میں لٹکائے مدینہ شریف کے باہر میدانوں میں جا رہے ہیں، وہ امت کو جذبہ عشق اور شہادت کا شوق دے رہے ہیں کہ اللہ نے تمہیں وہ نبی عطا فرمائے ہیں کہ جنہوں نے تمہیں شہادت کے بھی کورس کروائے ہیں۔

حالانکہ اس میں کوئی مسئلہ نہیں تھا کہ محبوب ﷺ فرش پہ بیٹھ کے عرش کی خبریں دے سکتے ہیں تو کیا اگلے حالات کی خبریں نہیں دے سکتے کہ مدینہ شریف میں پانچ یا دس کلو میٹر پر یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے، اور آوازیں کیسی آ رہی ہیں، لیکن اس مقام پہ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ سرکار خبر دے دیتے، کوئی قباحت اور بُعد نہیں تھا، کوئی کمی نہیں تھی، لیکن سنت بھی تو بتانی تھی کہ کل قیامت تک میری امت میں قائدین بھی آئیں گے، امت کے لیڈر بھی ہوں گے، اور امت کے کارکن بھی ہوں گے، اور امت پہ ایسے حالات بھی آئیں گے، تو جو آج میں سنت بتاؤں گا وہ کل امت کا طریقہ بن جائے گی۔

امت کو میرے اسباق میں سے ایک سبق جب یہ ملے گا کہ اندھیرے میں گھر سے اٹھنا ہے، مصلے پہ جا کے تہجد پڑھنی ہے، وہاں میری امت کو یہ سنت بھی نظر آئے گی کہ اندھیری رات میں تلوار لے کر نکلنا ہے اور اسلام کی سلطنت پہ پہرہ دینا ہے، اور مسلم امہ کے وقار کے لیے جا کے کھڑے ہو جانا ہے، نبی کریم ﷺ نے سنت دینے کے لیے ایسا کام کیا۔

اس کی وضاحت میں اس لیے کر رہا ہوں کہ کمینی سوچ والے بھی ہمارے ماحول میں موجود ہیں، جو فوراً کہہ سکتے ہیں کہ تم تو کہتے ہو کہ انہیں ساری باتوں کا علم ہوتا ہے، تو پھر جا کر پتہ کرنے کی ضرورت کیا تھی، پتہ کرنے کا سبب سیرت نگار بیان کر رہے ہیں کہ امت کو سنت مل جائے کہ ہمارے محبوب ﷺ کی ورخشاں

سیرت میں یہ سنت بھی موجود ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی شجاعت کے لحاظ سے یہ بات بڑی اہم بات ہے کہ سید عالم ﷺ نے احد کے میدان میں جس انداز میں دشمن کا مقابلہ کیا اور جس انداز میں سرکار ﷺ کے قدم ثابت رہے، یہ تمام آپ ﷺ کی سیرت کا روشن باب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو بے پناہ جرأت عطا فرمائی ہے، جس وقت بدر کے لیے میٹنگ ہو رہی تھی اور محبوب ﷺ کو بطور فرض اگر وہ جواب ملتا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا کہ قوم نے کہا تھا کہ:

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ

تو آپ جائیے اور آپ کا رب، تم دونوں لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

(القرآن الكريم، سورة المائدة رقم السورة: 5، رقم الآية: 24)

بطور فرض اگر یہ جواب ملتا تو میرے محبوب ﷺ کا اکیلا بازو کفار کے لیے کافی تھا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی طرف سے یہ عشق پیش کر رہے تھے کہ محبوب تم حکم دو ہم گھوڑوں سمیت سمندروں میں چھلانگیں لگا جائیں گے۔

پانچویں گواہی: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہی

رسول اکرم ﷺ کی جسمانی طاقت اس انداز کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے کہ:

كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ ...... ہم جس وقت رسول اکرم ﷺ کے معاملات کو دیکھ کر باتیں کرتے تھے کہ ہم سب یہ کرتے ہیں اور سرکار اکیلے یہ کرتے ہیں، ہم اتنے مل کر یہ کام کرتے ہیں لیکن سرکار تنہا یہ کام کرتے ہیں، ہم آپس میں گفتگو

کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تیس (30) مردوں کی طاقت عطا فرمائی ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الغسل، باب: اذا جامع ثم عاد و من دار نسائہ فی غسل واحد، ج:1، ص: 104، رقم الحدیث: 265)

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک تبصرہ ہے۔

پھر دوسرے مقام پہ یہ بات موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی ہے:

كُلَّ رَجُلٍ مِّن رِّجَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ ...... دنیا کے تیس مرد نہیں بلکہ جنت کے تیس مردوں کی طاقت نبی اکرم ﷺ میں موجود ہے۔

دوسرے مقام پہ ہے کہ:

يُعْطٰى قُوَّةَ مِائَةِ رَجُلٍ ...... جنت کا ایک مرد اتنی طاقت رکھتا ہے کہ جتنی دنیا کے سو (100) مردوں میں طاقت موجود ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الغسل، باب: اذا جامع ثم عاد و من دار نسائہ فی غسل واحد، ج:5، ص:253)

ارشاد الساری میں ہے کہ

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ

قُوَّةَ اَرْبَعِيْنَ ...... چالیس مردوں کی قوت

اَلْحَاصِلُ مِنْ ضَرْبِهَا فِي الْاَرْبَعِيْنَ اَرْبَعَةَ آلَافٍ

پھر چالیس (40) کو سو (100) میں ضرب دیں تو چار ہزار

[ارشاد الساری شرح صحیح بخاری: ج 1 ص 324 دارالفکر بیروت]

تو اس بنیاد پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کی نعت پڑھ رہے ہیں اور

فضائل بیان کر رہے ہیں تو وہ بتا رہے ہیں کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی چار ہزار مردوں کی طاقت عطا فرمائی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی طاقت اس انداز کی ہے، اور اس لحاظ سے بھی کوئی تک نہیں بنتا کہ کوئی کہتا پھرے کہ وہ ہم جیسے ہیں، اور ہم ان جیسے ہیں، ایک، ایک ہوتا ہے، چار ہزار، چار ہزار ہوتے ہیں، تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت چار ہزار مردوں کے برابر ہے، اور اس جسم میں جو نبوت کا زور ہے اور جو نبوت کی پاور ہے اس لحاظ سے کروڑ بھی مقابلے میں ہوں پھر بھی ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

حسن مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے کہ کبھی کسی صفت کا اظہار ہوتا ہے اور کبھی کوئی صفت پردے میں محجوب ہوتی ہے، اگر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جلوہ ہی ظاہر کر دیں، تو پھر امام قرطبی کہتے ہیں کہ:

لَمْ يَظْهَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهِ صلى الله عليه وسلم لِأَنَّهُ لَوْ ظَهَرَ لَنَا تَمَامَ حُسْنِهِ لَمَا طَاقَتْ أَعْيُنُنَا رُؤْيَتَهُ صلى الله عليه وسلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تمام حسن ظاہر نہیں فرمایا، اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام حسن ظاہر فرما دیتے تو کوئی بندہ دیکھ بھی نہ سکتا یعنی جو دیکھنے آتا جل کے راکھ ہو جاتا۔

(سبل الهدى و الرشاد، جماع أبواب صفة جسده الشريف صلى الله عليه وسلم، الباب الأول: في حسنه صلى الله عليه وسلم، ج:2، ص:8)

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی حرارت اور اس کی تجلی اتنی تھی کہ کوئی سامنے آ کر پل بھر بھی دیکھنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا تھا، کھڑا کیسے ہو سکتا تھا، یہ تو حسن محجوب تھا، ایک پردہ اٹھا تھا جس میں

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تڑپتے ہیں، رومی (رحمۃ اللہ علیہ) بھی تڑپتے ہیں، جامی (رحمۃ اللہ علیہ) بھی تڑپتے ہیں، میرے آقا ﷺ کا رخ زیبا بے حجاب ہو جائے، ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے، چہرے کے جلوے کا مقابلہ بھی دنیا نہیں کر سکتی۔

چھٹی گواہی: مجتہدۂ امت رضی اللہ عنہا کی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ:

هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَخْتَصُّ مِنَ الْاَيَّامِ؟

کیا رسول اکرم ﷺ ایام میں سے بعض ایام کو عبادات کے لیے خاص کرتے تھے؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی انیسہ جان ہیں، رفیقہ حیات ہیں اور مجتہدۂ امت ہیں، نبی اکرم ﷺ کی سنت کو امت تک پہنچانے والی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے گھر میں کچھ وظیفے ہیں، ان میں کچھ عبادتیں ہیں، اور کچھ ریاضتیں ہیں، ہم باہر ہوتے ہیں، ہمیں ان کا پتہ نہیں تو ہم یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ روزانہ ایک ہی طرح کا معمول رکھتے ہیں یا کچھ دنوں کا فرق ہوتا ہے۔

مثلاً روزانہ کے نوافل ایک طرح کے ہوتے ہیں یا جمعرات کو نوافل زیادہ پڑھتے ہیں، یا بدھ کو نوافل زیادہ پڑھتے ہیں، روزانہ تہجد کا ایک انداز ہوتا ہے یا کسی دن نوافل زیادہ ہوتے ہیں، تلاوت قرآن مجید زیادہ ہوتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ جب ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ:

لَا كَانَ عَمَلُهٗ دِيْمَةً...... نبی اکرم ﷺ نے جو کیا وہ ہمیشہ کیا ہے، یہ نہیں ہے کہ ایک

دن تو سو رکعت پڑھ دیں اور دوسرے دن چھٹی کر لیں، بلکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے معمولات کو دوام دیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک جملہ بول کر قیامت تک کے غلاموں کو پیغام دیا ہے کہ تم وہ نہیں کر سکتے جو سرکار ﷺ کرتے ہیں:

وَأَيُّكُمْ يُطِيقُ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُطِيقُ

جو طاقت ہمارے نبی اکرم ﷺ کی ہے وہ طاقت تم میں سے کسی کی بھی نہیں ہے۔

سرکار ﷺ نبھا سکتے ہیں، سرکار ﷺ شروع کریں تو اس کو دوام دے سکتے ہیں، تم نہ پوچھو کیونکہ تم وہ نہ کر سکو گے جو نبی اکرم ﷺ کرتے ہیں، چونکہ ایک دن کی بات نہیں ہے، اس میں سردی ہے، گرمی ہے، سفر ہے، حضر ہے، بیماری ہے، صحت ہے، مختلف حالات ہیں، تم پورے نہیں اتر سکو گے، کیوں؟ اس لیے کہ تمہیں رب نے وہ طاقت نہیں عطا کی جو رب نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔

(صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب: هل يخص شيئا من الأيام،

ج: 2، ص: 701، رقم الحديث: 1886)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گواہی اور نبی اکرم ﷺ کے معمولات، عبادات اور ریاضات کے لحاظ سے دوسری احادیث کو سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

جہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی عبادات کے بارے پوچھا گیا تھا تو وہاں دوسری بات یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابھی آغاز کرنا چاہتے تھے، سرکار ﷺ نے وہ کام اپنے معمول میں جاری رکھے ہوئے تھے، لیکن جس نے ابھی شروع کرنے تھے اس کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ان کو نبھانا کتنا مشکل ہے، ان کو مکمل کرنا کتنا

مشکل ہے، تو یہاں پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ میرے محبوب ﷺ برابر کا عمل کرتے ہیں، اور دوام سے کرتے ہیں، اور تم اس لیول کا عمل نہیں کر سکتے جو سرکار ﷺ کرتے ہیں، اس لیے کہ جو طاقت رب تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے، وہ کسی اور کو عطا نہیں کی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتا رہی ہیں کہ کبھی بھی میرے محبوب ﷺ کے ساتھ برابری نہ کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کو طاقت میں بے مثال پیدا فرمایا ہے بلکہ رسول اکرم ﷺ کو ہر وصف میں کمال عطا فرمایا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو اتنا درد تھا کہ کوئی بندہ جہنم میں نہ جائے، کوئی کہتا کہ سرکار آپ یہ کریں، ہم کلمہ پڑھ لیتے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے، ایسا کر لیتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ وہ جو درخت کھڑا ہے، وہ اگر گواہی دے تو میں مان جاؤں گا، فرمایا: ٹھیک ہے، ہم اس کو بلا لیتے ہیں، وہ گواہی دے دے گا۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفي، فصل: في كلام الشجرة و شهادتها له بالنبوة و اجابتها دعوته ج:1، ص: 185)

کوئی کہتا ہے کہ میں نے گوہ کا شکار کیا ہے، اسے کہو کہ یہ آپ کی رسالت کی گواہی دے، فرمایا: ٹھیک ہے، ایسا کر لیتے ہیں۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی، فصل: في الآيات في ضروب الحيوانات ج:1، ص:191)

ساتویں گواہی حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی

اسی طرح ایک بہت بڑا پہلوان تھا، جس کا نام رکانہ رضی اللہ عنہ تھا،

كَانَ رُكَانَةُ أَشَدَّ أَهْلِ وَقْتِهِ ...... رکانہ اپنے زمانہ میں رستم سے بڑا پہلوان تھا، بہت

زیادہ اس کی پاور مانی جاتی تھی، اور وہ کشتی کا بڑا ماہر تھا، رسول اکرم ﷺ نے اسے دعوت اسلام دی:

كَانَ دَعَاهُ اِلَى الْاِسْلَامِ ...... رسول اکرم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی کہ رکانہ تم بھی کلمہ پڑھ لو، اتنا اچھا بدن جہنم میں نہیں جانا چاہیے، جنتی بن جاؤ۔

اب رکانہ اپنی دولت کے نشے میں ہے، اور اس کو اپنے ہنر پر بڑا فخر اور گھمنڈ ہے، کہنے لگا کہ اگر تم مجھے کلمہ پڑھانا چاہتے ہو تو میری شرط پوری کرو میں کلمہ پڑھ لوں گا، تو سید عالم ﷺ نے فرمایا: کیا شرط ہے؟، اس نے کہا کہ میرے ساتھ کشتی کرو اگر مجھے کشتی میں گرادو تو میں کلمہ پڑھ لوں گا، چونکہ نبی تو ہر وصف میں اعلیٰ ہوتا ہے، تو اس میں بھی آپ ﷺ کو اعلیٰ ہونا چاہیے، اس نے کہا کہ مجھے کشتی کا فن آتا ہے، میرے پاس طاقت تسلیم شدہ ہے، تو تم میرے سے کشتی کرو، اگر تم نے مجھے گرادیا تو میں تمہارا کلمہ پڑھ لوں گا۔

میرے محبوب ﷺ نے یہاں بھی رحمت کا اظہار کیا کہ میرے کشتی لڑنے سے یہ جنتی بن جاتا ہے تو مجھے ضرور اسے جنتی بنانا چاہیے، میرے نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم مجھ سے کس چیز کا تقاضا کررہے ہو، کہاں کشتیاں اور کہاں نبوت کے کام، یہ بات مجھ سے نہ کرو۔

سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے، اگر تم چاہتے ہو تو میں تیار ہوں، آؤ کشتی کرتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے کشتی کی تو آپ ﷺ نے پل بھر میں نیچے گرادیا، جس کو طاقت پہ ناز تھا کہ میرا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، آپ ﷺ نے اس پہلوان کو فوراً شکست دے دی۔

جب شکست ہوئی تو اس نے کہا کہ نہیں، نہیں، میں پوری طرح سنبھلا نہیں تھا، آپ

نے جلدی حملہ کردیا، میں اپنے فن کا اظہار نہیں کرسکا، آپ دوبار کشتی کریں۔

سرکار ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے دوبارہ کرتا ہوں، رسول اکرم ﷺ نے دوبارہ پل بھر میں اسے چت کردیا، الٹا کردیا، اور شکست دے دی۔

اس نے کہا کہ میں ابھی بھی اپنی طاقت نہیں آزماسکا، پھر بھی میری طاقت پیچھے رہ گئی ہے، تیسری بار بھی میرے ساتھ کشتی کرو۔

رسول اکرم ﷺ نے تیسری بار جب کشتی فرمائی تو پھر بھی اس کو چت کردیا۔

عرب کا بہت بڑا پہلوان ''رکانہ'' نبی اکرم ﷺ کی جسمانی طاقت کو آزمانا چاہتا تھا، میرے محبوب ﷺ نے تین بار اس کو بچھاڑ دیا، اور سید عالم ﷺ نے اس کو شکست دے دی۔

رسول اکرم ﷺ کے اس عمل کی وجہ سے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ پر اتنا اثر ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ والے دن ان کو دولت اسلام سے مالا مال فرمادیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ شان دی کہ وہ بھی جہنم سے نکل کے جنت میں داخل ہوگئے۔

(الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، الباب الثاني: في تكميل الله تعالى له المحاسن خلقا و خلقا و قرانه جميع الفضائل الدينية و الدنيوية فيه نسقا، فصل: و أما وفور عقله ج:1، ص:51)

یہ رسول اکرم ﷺ کی جسمانی پاور ہے کہ جس انداز سے بھی اس کو دیکھا جائے، اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو عظمتیں عطا فرمائی ہیں، یہ وہ صورتحال ہیں کہ جس میں ہم کہتے ہیں کہ سرکار کی مثل کوئی نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اگر چل رہے ہوتے ہیں تو دوسروں سے آپ کا قد مبارک اونچا نظر آتا ہے، اگر دس، دس فٹ کے لوگوں کے درمیان چل رہے ہیں تو پھر بھی آپ کا قد ان سے اونچا نظر آتا ہے، ویسے درمیانی

قامت تھی، لیکن جس طرح کی صورتحال ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ یہ سر دوسرے سروں سے اونچا نظر آئے تو وہ خود بخود اونچا ہوتا ہے۔

آٹھویں گواہی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَسْرَعُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ مَشْيِهٖ ...... میں نے چلنے میں بڑے بڑے تیز انسان دیکھے ہیں، مگر خدا کی قسم! میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز چلنے والا کوئی بندہ نہیں دیکھا، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم چلنے میں اتنی جسمانی طاقت رکھتے تھے کہ:

كَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰى لَهٗ ...... ایسے لگتا تھا کہ زمین آپ کے لیے سمیٹ دی جاتی ہے اللہ نیچے سے زمین کو سمیٹ دیتا ہے۔

(الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، الباب الثاني: في تكميل الله تعالي له المحاسن خلقا و خلقا و قرانه جميع الفضائل الدينية و الدنيوية فيه نسقاه فصل: و أما وفور عقله ج:1، ص:51)

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ایک قدم رکھ کے دوسرا رکھنا چاہتے ہیں تو زمین سمٹ جاتی ہے، تو ساری دنیا پیچھے رہ جاتی ہے اور وہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انداز ہے، ورنہ نبوت کی جو طاقت ہے کہ:

تیرے لیے دو چار قدم عرش بریں ہے

ثابت قدمی

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف قسم کی عظمتیں عطا فرمائی ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا واقعہ ذکر فرماتے ہیں، کیسا ماحول تھا اور کتنی دشمنی تھی،

عرب دشمنوں سے بھرا تھا، مکہ شریف میں آتش فشاں موجود تھے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے تھے کہ لوگو! خدا ایک ہے، میں اس کا رسول ہوں۔ اس بستی میں ہر گھر شرک سے بھرا ہوا تھا، وہاں پہ یہ بات کرنا اور پھر ڈٹ جانا اور پھر برقرار رہنا اور تیرہ (13) سال وہاں گزارنا اعلان نبوت کر کے بھی، کوئی معمولی سی بات نہیں ہے، اس ماحول میں آپ کی جرأت اور شجاعت کو سمجھنا ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: لَقَدْ أُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَ مَا يُؤْذٰى أَحَدٌ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جتنی مجھے اللہ کے راستے میں اذیت دی گئی ہے، اتنی دنیا میں کسی کو اذیت نہیں دی گئی۔

اب یہ دیکھو کہ یہ پیکر عرش سے بھی پیارا ہے، بتا اس لیے رہے ہیں کہ امت کل پھولوں کی سیج پہ سونے کی عادی نہ بن جائے، فرمایا: میں عرش سے مقدس جسم رکھنے والا ہوں، لیکن:

لَقَدْ أُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ ...... مجھے اللہ کے راستے میں اتنا ستایا گیا ہے، اتنی تکلیفیں دی گئی ہیں، اتنی اذیتیں دی گئی ہیں کہ پوری تاریخ انسانیت میں کسی کو اتنی اذیتیں نہیں دی گئی ہیں۔

لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَ مَا يَخَافُ أَحَدٌ ...... مجھے راہِ حق میں اتنا ڈرانے کی کوشش کی گئی ہے اور اتنا دبانے کی کوشش کی گئی ہے، اتنا کسی انسان کو ڈرانے کی کوشش نہیں کی گئی، ادھر سے کوششیں انتہائی درجے کی ہوتی رہیں کہ میں رک جاؤں اور میں تبلیغ چھوڑ دوں۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے میرے رب نے یہ کردار دیا ہے، سب سے سخت مقابلہ میرا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی کامیابی بھی مجھے عطا فرمائی ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب: صفة القيامة و الرقائق و الورع، جز:4، ص:645، رقم الحديث: 2472)

قریشِ کی وارننگ اور شجاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ انداز کتنا عجیب انداز تھا کہ جس وقت جناب ابو طالب کے پاس قریش مکہ کا دوسرا وفد آ گیا، پہلے وفد آیا، کہنے لگے: ابو طالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے بتوں کی بڑی بے عزتی کی ہے، اور ہمیں وہ گالیاں دیتے ہیں۔

اِنَّ ابْنَ اَخِیْکَ قَدْ سَبَّ اٰلِهَتَنَا...... آپ کے بھتیجے ہمارے بتوں کو گالیاں دیتے ہیں،

وَ عَابَ دِیْنَنَا ...... اور ہمارے دین کو برا بھلا کہتے ہیں،

وَ سَفَّهَ اَحْلَامَنَا ...... ہم عقلمند ہیں، وہ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں،

وَ ضَلَّلَ آبَائَنَا ...... اور ہمارے باپ، دادا کو گمراہ کہتے ہیں،

تو ابو طالب تم اپنے بھتیجے کو کچھ سمجھاؤ، ہم نہیں برداشت کریں گے، آخر ہمارے بھی خدا ہیں جبکہ یہ ان کو گالیاں دیتے ہیں اور ہمیں بے وقوف کہتے ہیں، ہمارے دین کو جھوٹا دین کہتے ہیں، کون ایسی باتوں کو برداشت کرے گا، ابو طالب! آپ کی وجہ سے ہم نے کوئی ایکشن نہیں لیا، لیکن اب یہ وارننگ ہے کہ ان کو روک لو یا درمیان سے ہٹ جاؤ، ہم خود روک کے دکھائیں گے، ہم ان کی تقریروں کو اور ان کی تبلیغوں کو بند کر دیں گے۔ معاذ اللہ!

ابو طالب نے ان کو واپس بھیج دیا اور کہا کہ میں دیکھوں گا، کوشش کروں گا، اس طرح کی باتوں سے ٹال کر بھیج دیا، رسول اکرم ﷺ اپنا مورل (morel) بلند رکھے ہوئے تھے، وہی جوشِ خطابت، وہی انداز بیان توحید اور بتوں کے انکار کی تقریریں، اور مذمت کی تقریریں جاری ہیں، کچھ دن گزرے تو قریش مکہ نے کہا کہ ہمارے

جانے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہوا، ہم تو دھمکی دے کر آئے تھے، وارننگ دے کر آئے تھے، ابوطالب نے کچھ بھی نہیں کیا، اور ان کا بھتیجا ہمارے خلاف تقریریں کر رہا ہے۔

اب سارے قبیلوں کے نمائندے اکٹھے ہو کے ابوطالب کے پاس چلے گئے۔

کہنے لگے: ابوطالب! یہ آخری بار ہے، اس کے بعد ہم نہیں آئیں گے، تمہارے بھتیجے نے اس حد تک ہمیں مجبور کر دیا ہے، اب یا وہ رہیں گے یا ہم رہیں گے، اگر چاہتے ہیں کہ وہ اس زمین پر رہیں تو پھر وہ چپ کر جائیں، آج کے بعد توحید کی تقریریں مت کریں، اور ہمارے بتوں کے خلاف مت بولیں، اور ہمارے دین کو مت جھٹلائیں، ورنہ اس زمین میں وہ نہیں رہ سکیں گے۔

جب تند و تیز جملے ابوطالب کے دوستوں نے آ کر کہہ دیئے کہ اس کے بعد ہم نہیں آئیں گے، پھر ہم خود انہیں روکیں گے، اس وقت ابوطالب نے بالآخر سوچا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا:

یَا ابْنَ اَخِیْ ...... اے میرے بھتیجے!

اِنَّ قَوْمَكَ قَدْ جَاؤُوْنِیْ ...... آپ کی قوم میرے پاس آئی تھی،

فَقَالُوْا كَذَا وَ كَذَا ...... انہوں نے یہ یہ کہا،

اَبْقِ عَلَیَّ وَ عَلٰی نَفْسِكَ ...... بھتیجے خود بھی زندہ رہو اور مجھے بھی زندہ رہنے دو، بھتیجے کوئی گزارہ کرو، ہم اب کیسے رہ سکیں گے، ہر قوم کا سردار دروازے پہ آ کے مجھے دھمکی دے کے چلا گیا ہے،

وَ لَا تُحَمِّلْنِیْ مِنَ الْاَمْرِ مَا لَا اُطِیْقُ ...... میرے بھتیجے مجھ پہ وہ بوجھ نہ ڈالو جو میں اُٹھا نہیں سکتا، مطلب یہ تھا تمہارے ابا جی تمہاری ولادت سے قبل چلے گئے اور میں تمہاری

خدمت میں لگا رہا، اب مجھ پہ جو تم بوجھ ڈال رہے ہو یہ مجھ سے اٹھایا نہیں جا سکتا، سارے اکٹھے ہو کر آ گئے تھے، اب تم نہیں رکو گے تو وہ چھوڑیں گے نہیں، اس زمین پہ زندہ نہیں رہنے دیں گے، کچھ تو نرمی کرو اور یہ باتیں چھوڑ دو، خود بھی زندہ رہو، مجھے بھی زندہ رہنے دو، تمہارا بوڑھا چچا ہوں، مجھ پہ وہ بوجھ مت ڈالو جو مجھ سے اٹھایا نہیں جا سکتا۔

جب رسول اکرم ﷺ کو بلا کر معذوری ظاہر کر دی کہ آج تک میں نے بڑا مقابلہ کیا اور میں نے قریب نہیں آنے دیا، مگر اب پانی سر سے گزرتا جا رہا ہے، اور میں آپ کو کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اب میرے بس میں نہیں رہا، میں اب کچھ نہیں کر سکوں گا، اس واسطے آپ اپنا طرز عمل تبدیل کر لیں۔

جس وقت یہ بات ابو طالب نے کی تو رسول اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک دن سوچتا ہوں، پھر بتاؤں گا، مجھے ایک گھنٹہ دے دو میں سوچ کے بتاتا ہوں کہ میں نے کیا کرنا ہے، ان کو چھوڑ دیں۔ میرے محبوب ﷺ کی شجاعت دیکھیں، کتنے پر عزم لہجے میں یہ جملہ بولا تھا کہ:

يَا عَمِّ! وَاللّٰهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِيْ يَمِيْنِيْ وَ الْقَمَرَ فِيْ يَسَارِيْ عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ أُهْلِكَ فِيْهِ مَا تَرَكْتُهُ

اے میرے چچا! اگر یہ لوگ جو تمہارے پاس آئے تھے، اتنی طاقت رکھیں کہ سورج کو اتار کے میرے دائیں ہاتھ پہ رکھیں اور چاند کو اتار کے میرے بائیں ہاتھ پہ رکھیں، اور کہیں کہ چپ کر دو ورنہ یہ بوجھ تمہیں اٹھانا پڑے گا، میرے چچا یاد رکھو کہ میں پھر بھی توحید کی بات کروں گا، میں پھر بھی دین پھیلاؤں گا، یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ دین کو غالب کر دے گا، یا پھر مجھے میرا رب

شہادت عطا فرمادے گا۔

(الاکتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله و الثلاثة الخلفاء ذكر المبعث، ج:1، ص:162)

یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی جرأت، استقامت اور ہمت ہے کہ پورا ماحول آتش فشاں تھا، اس ماحول میں تیرہ (13) سال تک اور مدنی زندگی میں دس (10) سال تک حق بات کا اعلان کرتے رہے، اور ہر طرف یہ فیضان چھوڑ رہے تھے کہ:

برہم ہوں بجلیاں، یا ہوائیں خلاف ہوں
کچھ بھی ہو اہتمام گلستاں کریں گے ہم

ابوجہل کی بزدلی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت بڑا تفصیلی مضمون ہے، اپنی بات سیرت ابن ہشام کی اس بات پر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ ابوجہل کی دشمنی طے شدہ تھی اور اس کی چودھراہٹ اور اس کا رعب بھی طے شدہ تھا۔

ایک اراشی آدمی مکہ شریف میں آیا، اس نے ابوجہل کے ہاتھ اونٹ بیچے، ابوجہل نے اونٹ تو خرید لیے مگر پیسے نہ دیے، اور وعدہ کیا کہ میں دوں گا، وہ پھر پیسے لینے آیا تو ابو جہل اکڑ گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں کعبہ شریف کے پاس بیٹھے تھے کہ اراشی خانہ کعبہ کے پاس چلا گیا، وہاں قریش کی بیٹھکیں تھیں، کہنے لگا کہ میں اجنبی بندہ ہوں، میرے ساتھ تعاون کرو، ابوجہل نے میرے پیسے دینے ہیں، اب وہ پیسے نہیں دے رہا۔

وہاں جتنے بھی چودھری تھے وہ سارے ابوجہل کے چیلے تھے، کوئی طاقت نہیں رکھتا تھا

کہ وہ ابوجہل سے کہے کہ فلاں بندے کے پیسے دو، تو انہوں نے مذاق سے کہا کہ وہ جو سامنے بیٹھا ہے اسے جا کے کہو، وہ تمہیں ابوجہل سے پیسے لے کر دے سکتا ہے۔

سامنے وہ بیٹھے تھے جو سارے رسولوں کے قائد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اراشی ایک اجنبی بندہ تھا، اسے پتہ نہیں تھا کہ یہ کون ہیں، اس نے سمجھا کہ جس پہ سارے متفق ہیں یہ واقعی مجھے پیسے دلوا دے گا۔

اراشی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا گیا، جا کر کہتا ہے کہ:

قَدْ سَأَلْتُ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ ...... میں نے ان لوگوں سے کہا کہ ایک بندہ مجھے تکلیف دیتا ہے، پیسے نہیں دیتا، اس سے پیسے لیکر دو،

فَأَشَارُوْا إِلَيْكَ ...... ان سب نے تمہاری طرف اشارہ کیا کہ ان کے پاس جاؤ، یہ تمہیں پیسے دلوا سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت بھی دیکھو اور حمایت خلق کا جذبہ بھی دیکھو، حق کی پاور جہاں استعمال ہونی چاہیے اس کا طریقہ بھی دیکھو، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرما سکتے تھے کہ میں تو کلمہ پڑھانے آیا ہوں، میں ابوجہل جیسے لوگوں سے قرض واپس کروانے تو نہیں آیا، یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے اور یہ تم نے خود بیچی ہے، یہ اس کی برادری بیٹھی ہے، جا کر لے لو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر چہ تجھے دشمنوں نے بھیجا ہے، مگر:

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

(حدائق بخشش، حصہ: اول، صفحہ نمبر: 135)

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں در بے بہا دیے ہیں
(حدائق بخشش، حصہ: اول، صفحہ نمبر: 59)

میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اراشی کہنے لگا کہ:

اِنْطَلِقْ اِلَیْہِ ...... آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں، ابو جہل سے کہیں تو سہی،

وَ قَامَ مَعَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں سوچا کہ وہ اکھڑ مزاج ہے، بڑی بکواس کرتا ہے، میں کیوں خواہ مخواہ اس سے جا کر جھگڑوں، وہ آگے پتہ نہیں کیا بولے گا، لیکن ایک اجنبی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، چلتے ہیں، ابو جہل سے پیسے مانگتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت چل پڑے تو حرم کے پاس بیٹھے ہوئے قریشیوں نے اپنا نمائندہ پیچھے بھیجا کہ جا کر دیکھو، بنتا کیا ہے؟ یہ جا کر ابو جہل کے سامنے بولیں گے یا نہیں؟ بولیں گے تو بڑا دھیما دھیما بولیں گے، آگے پتہ نہیں وہ کیا کہے گا؟ ان کا مذاق اڑائے گا۔ اپنا نمائندہ ساتھ بھیج دیا کہ جا کر دیکھو منظر کیا بنتا ہے۔

ایک اراشی ہے کہ جس نے اپنے پیسے لینے ہیں، اور دوسرے عرشوں کے مہمان اور نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور تیسرا ان کا نمائندہ جو پیچھے جا رہا ہے اس لیے کہ وہ دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔ چلتے چلتے ابو جہل کا گھر آ گیا، جب ابو جہل کا گھر آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز نہیں دی، بلکہ:

ضَرَبَ عَلَیْہِ بَابَہٗ ...... اس کے دروازے پہ زور سے دستک دی،

اب ایک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک ہے، اور دوسرا ابو جہل کے دروازے پر کسی نے

ایسی دستک دی ہی نہیں، وہاں تو لوگ بڑے ادب سے درخواست کرتے ہیں، لوگ تو اسے ”سید الوادی“ کہتے ہیں کہ یہ پوری وادی کا سردار ہے، بڑے ادب سے بولتے تھے، اور بڑی پابندیاں لگائی ہوئی تھیں کہ ابوجہل کے سامنے اونچی آواز سے بات نہیں کرنی، آہستہ بولنا ہے، ابوجہل کو یہ یقین تھا کہ جو دروازے پر آتا ہے سہما سہما آتا ہے۔

اب جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے دستک دی تو اس پہ گھبراہٹ طاری ہوگئی کہ پتہ نہیں کون آج میرے دروازے پہ دستک دے رہا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اس نے پوچھا کہ دروازے پہ کون ہے؟ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مُحَمَّدٌ فَاخْرُجْ إِلَيَّ ...... میں محمد ہوں، جلدی میرے پاس آؤ، باہر آؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام بولا اور فرمایا کہ نکل، میرے پاس جلدی پہنچ،

فَخَرَجَ إِلَيْهِ ...... ابوجہل فوراً باہر آیا،

اور چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا، اور چہرے میں خون نام کی کوئی چیز نظر ہی نہیں آتی تھی، رنگ فق ہو چکا تھا، اور سمجھ رہا تھا کہ آج پتہ نہیں میری کیا گرفت ہوگی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوجہل کی طرف دیکھا تو اس پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب طاری ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَعْطِ هٰذَا حَقَّهُ ...... اس بندے کے پیسے نکال، اس سے تو نے اونٹ خریدے، یہ بار بار چکر لگا رہا ہے، اس کے پیسے کیوں نہیں دیتا؟

أَعْطِ هٰذَا حَقَّهُ ...... اس کو اس کا حق دے دے،

ابوجہل کا تکبر والا انداز بالکل موم کی طرح بن چکا تھا اور کوئی بہانہ اس کو یاد نہ آیا کہ وہ کہتا

کہ میں کل دے دوں گا، پرسوں دے دوں گا، میں اقرار کرتا ہوں، مگر کہنے لگا کہ ایک منٹ ٹھہرو میں لا کر دیتا ہوں۔ ابوجہل فوراً گیا اور پیسے اٹھا کر لایا، اور اس حقدار کو دیئے۔

دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب ابوجہل جیسے لوگ سوسائٹی میں پیدا کیے ہیں تو جن کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے ان کو شجاعت بھی سب سے زیادہ عطا فرمائی ہے۔

جس وقت واپسی ہوئی تو وہ اراشی پیسے لے کر حرم کے پاس چلا گیا، اب قریش مکہ منتظر ہیں کہ بنتا کیا ہے؟ انہوں نے اراشی سے کہا کہ بتاؤ کیا ہوا؟ تو اراشی نے کہا کہ میں یہ پیسے لے آیا ہوں۔

وہ کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے، ابوجہل نے نہیں دیئے ہوں گے، کہیں اور سے لائے ہو، تمہیں انہوں نے اپنی طرف سے دے دیئے ہیں۔

اراشی نے کہا کہ نہیں ابوجہل سے سرکار نے لے کر دیئے ہیں، وہ تو ان کے سامنے کانپ رہا تھا، ان کے سامنے آنکھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔

عرب چودھریوں کو تشویش ہوئی کہ ہمارا لیڈر اتنا ڈرپوک نکلا کہ ان کے سامنے وہ کھڑا نہیں ہو سکا۔

کہنے لگے کہ اراشی تم جھوٹ بولتے ہو، ہم اپنے نمائندہ کا انتظار کرتے ہیں، وہ آئے تو پھر اس سے پوچھتے ہیں۔ اتنے میں وہ صحابی بھی آ گیا۔ انہوں نے پوچھا کہ بتا کیا ہوا؟ یہ پیسے کس نے دیئے؟ اس نے کہا کہ پیسے ابوجہل نے دیئے ہیں۔ قریش کہنے لگے کہ انہوں نے جا کر کیا کہا۔ اس نے کہا کہ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے اس نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں محمد ہوں، جلدی باہر نکل۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ابوجہل کی سانس بھی اکھڑ چکی تھی۔ اے عرب لیڈرو! تم نے

جس کو اپنا قائد بنایا ہوا ہے وہ تو بزدل ہے، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے نڈر، بہادر اور شجاع ہیں کہ ابو جہل کا تو ان کے سامنے رنگ ہی اڑ گیا تھا۔

(الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله و الثلاثة الخلفاء ذكر الحديث عن اسلام عمر بن الخطاب رضي الله عنه ج:1، ص:213)

یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا انداز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شجاعت میں پہلا نمبر عطا فرمایا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ پہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بجاه سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه و آله و اصحابه و ازواجه و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
5

اسلام کی اپنی بیٹیوں سے گفتگو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَ أَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(پارہ نمبر 28، سورة الممتحنة، سورت نمبر 60، آیت نمبر 12)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِيْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ''ادارہ صراط مستقیم پاکستان'' کے زیر اہتمام ''فہم دین کورس'' میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

اسلام کی اپنی بیٹیوں سے گفتگو

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید کا فہم عطا فرمائے، اور اس کے ابلاغ و تبلیغ اور اس پہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ آج کی ہماری حاضری کو ہمارے لاکھوں دکھوں کا مداوا بنائے اور ہمارے گناہوں کا کفارہ بنائے اور ہمارے جنت میں جانے کا سبب بنائے۔

اسلام نے پہلے دن سے ہی مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خواتینِ اسلام مختلف مسائل کے استفسار کے لیے پہنچتیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ابر کرم سے ان کی تشنگی کو بجھاتے اور ان کے قلب ونظر کو سیراب فرما دیتے تھے۔

دخترانِ اسلام کی تڑپ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

جَاءَتْ اِمْرَأَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه و سلم ...... ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پاس آئیں،

فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه و سلم ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِیْثِكَ ...... انہوں نے آکر کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! مرد حضرات کو یہ سنہری موقع میسر ہے کہ آپ کی باتیں سنتے ہیں، اور ان کو یاد کرتے ہیں، جبکہ ہمیں اتنا وقت نہیں ملتا، ان کو زیادہ وقت مل رہا ہے، اور وہ آپ کے فرامین کو زیادہ یاد کر رہے ہیں، تو میں عورتوں کی طرف سے نمائندہ بن کے آئی ہوں، ہمارا بھی حق ہے اور ہمارا ایک تقاضا ہے کہ:

فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ یَوْمًا ...... ایک دن ہمیں عطا فرما دیں، یعنی سات دنوں میں سے ایک دن ہمیں دے دیں،

نَأْتِیْكَ فِیْهِ ...... اس دن ہم آپ کے پاس حاضر رہیں،

تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ ...... جو رب نے آپ کو سکھایا ہے، آپ اس میں سے ہمیں بھی عنایت فرمائیں،

اس خاتون نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے اپنی ایک تڑپ کا اظہار کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت دخترانِ اسلام میں کس قدر دین کی تڑپ تھی۔

آج مغرب زدہ عورتیں جو حقوق مانگتی ہیں کہ مردوں کو یہ ملا ہے تو ہمیں بھی یہ ملے، اس میں وہ باتیں عجیب وغریب ہوتی ہیں جن کا وہ تقاضا کر رہی ہوتی ہیں، ان کے لیے

تھیٹر کھل گئے ہیں ہمارے لیے بھی ہونے چاہئیں، ان کے لیے یہ چیز بن گئی ہے ہمارے لیے بھی ہونے چاہیے، مگر اس وقت دختران اسلام سرکار مدینہ ﷺ کے دربار میں موجود ہیں اور کہتی ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ! مردوں کو یہ وقت میسر ہے کہ ان کی آنکھوں کے کٹورے تمہارے حسن کے سمندر سے لبریز ہیں، اور مردوں کے کان تمہارے قیمتی الفاظ کے پھولوں کو چننے میں مصروف رہتے ہیں، اور ان کے قلب ونظر پر تمہارے چہرے کی تجلی پڑتی ہے، اور تمہارے الفاظ یاد کر کے وہ اپنے سینوں کو منور کرتے ہیں، تو ایک دن ہمیں بھی عطا فرمادیں کہ جو صرف ہمارا دن ہو، اس دن ہماری کلاس لگے، آپ ارشاد فرمائیں اور ہم سنیں، ہم یاد کریں اور ہم آگے پہنچائیں۔

یہ ایک خاتونِ اسلام کی تڑپ تھی، رسول اکرم ﷺ نے ان کی اس درخواست پر توجہ کرتے ہوئے فوراً فیصلہ فرمادیا کہ:

اِجْتَمِعْنَ فِیْ یَوْمِ کَذَا وَ کَذَا فِیْ مَکَانِ کَذَا وَ کَذَا ...... تم فلاں دن اور فلاں جگہ جمع ہو جاؤ، مجھے میرے رب نے جو علم عطا فرمایا ہے اس سے تمہیں بھی حصہ عطا فرماؤں گا۔

(صحیح البخاری، کتاب: الاعتصام بالکتاب و السنۃ، باب: تعلیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ من الرجال و النساء مما علمہ اللہ لیس برای و لا تمثیل، ج 6، ص: 2666، رقم الحدیث: 6880)

رسول اکرم ﷺ نے انہیں باقاعدہ وقت دیا، باقاعدہ انہوں نے اپنا حصہ مانگا، اور پھر ان کو سکھایا، سید عالم ﷺ پہلے بھی ان پہ نگاہِ عنایت فرمارہے تھے، اب بطور خاص ان کے لیے دن معین ہو گیا، وقت کو معین کر دیا گیا کہ یہ دن تمہاری کلاس کا دن ہے، اس میں تم نے آنا ہے، اس میں تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم سے میں بیان

کروں گا، تم اسے یاد کر کے اپنی نسل تک اس چیز کو منتقل کرنا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے مختلف خطابات ہیں، جو سینکڑوں ہیں، جن میں دختران اسلام کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے ان کو مختلف احکام پر مطلع کیا، اور ان کی علمی حیثیت کی تعمیر کی، وہ خواتین جو پہلے ایک عام سا مبلغ علم رکھتی تھیں، ان میں سے کوئی مفسرہ بن گئی، کوئی محدثہ بن گئی اور کوئی فقیہہ بن گئی۔

یہ انداز ان خواتین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل جن کا نام سوائے جہالت و حقارت کے کچھ نہ تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقام بھی دیا اور اپنی طرف سے ان کو علوم کا ایک نصاب بھی عطا فرمایا۔

دختران اسلام کا نصاب زندگی

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی سورہ ممتحنہ میں ایک خاص عہد کا ذکر ہے، جو عورتوں سے لیا گیا کہ وہ اس پر بیعت کر لیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کریں کہ ساری زندگی اس پر عمل کرتی رہیں گی، اور اس کو اپنی زندگی کا مکمل نصاب بنائیں گی۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ

اے نبی جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں

يُبَايِعْنَكَ ...... اس پر بیعت کرنے کو

عَلَىٰ أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا ...... وہ اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی

وَلَا يَسْرِقْنَ ...... اور نہ چوری کریں گی،

وَ لَا یَزْنِیْنَ ...... اور نہ بدکاری،

وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ ...... اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی،

یہ مؤمنات عہد کریں کہ وہ نہ شرک کریں گی، نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری کریں گی، اور نہ ہی اپنی اولاد کو قتل کریں گی،

وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَ اَرْجُلِھِنَّ ...... اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت کوئی بانجھ عورت کسی کا بچہ اٹھا کر لے جاتی اور اپنے خاوند سے کہتی کہ یہ میرے ہاں پیدا ہوا ہے، یعنی جب خاوند سفر سے لوٹ کے آتا تو وہ کسی کے بچے کو یہ شو (show) کرواتی کہ میں نے اس کو جنم دیا ہے اور یہ تیرا بچہ ہے، اس طرح کی وارداتیں ہوتی تھیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے بیعت لو کہ ایسا فعل اسلام کی کوئی بیٹی نہ کرے،

وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ ...... اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی۔

اس میں ہر چیز داخل ہوگی کہ جو بھی اچھائی کا کام ہے یہ عورتیں جو شوق سے کلمہ پڑھ رہی ہیں ان سے کہو کہ تم معروف میں میری مخالفت نہیں کرو گی۔

''معروف'' میں شامل امور

اس سلسلہ میں محدثین کا قول ہے کہ معروف میں جو بیعت ہو رہی تھی تو وہ یہ تھی کہ:

ھُوَ اَنْ لَّا یَخْمِشْنَ وَجْھًا ...... مرگ کے وقت چہرہ نہیں نوچیں گی، ماتم نہیں کریں گی، بین اور ہائے ہائے نہیں کریں گی،

وَ لَا يَشْقُقْنَ جَيْبًا ...... اور گریبان نہیں پھاڑیں گی،

وَ لَا يَدْعُوْنَ وَيْلًا ...... اور وہ بین نہیں کریں گی، اور نہ ہی وہ چلائیں گی،

وَ لَا يَنْشُرْنَ شَعْرًا ...... ساری زندگی اپنے بالوں کو ننگا نہیں ہونے دیں گی، اور اپنے بال بکھرنے نہیں دیں گی، اور ان کے بال کسی کو نظر نہیں آئیں گے، اس پہ وہ بیعت کریں کہ ہمارے بال کسی کو نظر نہیں آئیں گے، اور کسی کی نظر ہمارے بالوں پہ نہیں پڑے گی،

وَ لَا يُحَدِّثْنَ الرِّجَالَ اِلَّا ذَا مَحْرَمٍ ...... اور وہ ساری زندگی کسی غیر محرم سے گفتگو نہیں کریں گی یعنی اس بات پہ بیعت کریں کہ وہ کسی نامحرم سے نہیں بولیں گی۔

(تفسیر القرطبي، تحت آية سورة الممتحنة، رقم السورة 60، رقم الآية: 12، ج 18، ص 72)

اگر یہ ایسی بات کرنے آجائیں،

فَبَايِعْهُنَّ ...... تو پھر ان کی بیعت وصول کرلو،

اگر یہ بیعت اس پر کرنا چاہتی ہیں ایمان کی خاطر تو پھر آپ ان کی بیعت وصول کرلو،

وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ...... اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہوں کی درخواست بھی کردو، جو خواتین اس پر بیعت کررہی ہیں، اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! تم مجھ سے کہو تو میں ان کو معاف کردوں گا یعنی جس نے معاف کرنا ہے وہ کہتا ہے کہ محبوب تم مجھ سے کہو

وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ...... اے محبوب! آپ ان کے لیے استغفار کی دعا اللہ تعالیٰ سے کریں، اور آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں، تو پھر کیا ہوگا؟

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ...... بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔

(القرآن الكريم، سورة الممتحنة، رقم السورة 60، رقم الآية 12)

عورت اچھائی یا برائی کے پیمانے میں

قرآن مجید ہمارے گھروں میں موجود ہے، جس وقت کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتا ہے تو وہ قرآن مجید کے سائے میں رخصت کرتا ہے، قرآن مجید جہیز میں دیا جاتا ہے، یہ ایک رسم ہے جوادا کی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جوقرآن مجید کہتا ہے اس کو سمجھا جائے، اس کے مطابق عمل کیا جائے، اس ایک آیت کا جو تقاضا ہے اس کو اگر کوئی اسلام کی بیٹی سامنے رکھے تو پوری زندگی اس کی نور سے بھر جائے گی، تھوڑی سی اس کو پابندی کرنا پڑے گی، تھوڑا سا اپنے آپ کو سنبھالنا پڑے گا، یعنی عورت اگر بگڑ گئی تو معاشرے کا سب سے بڑا فتنہ ہے، اور شیطان کا جال ہے، اور اس کو شیطان کا زہریلا کانٹا قرار دیا گیا، اور اس کو فتنوں کی ماں کہہ دیا گیا۔

یہی خاتون مؤمنہ بنی اور پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور قرآن مجید کے سائے میں رہی اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تعلیمات کا زیور پہنا، اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چادر کے سائے میں رہی، تو پھر اس کو صادقہ کہا گیا، اس کو قانتہ کہا گیا، اس کو صابرہ کہا گیا، اس کو صائمہ کہا گیا، اس کو ساجدہ کہا گیا، اس کو راکعہ کہا گیا، یہی نسلِ نو کا بہت بڑا مظہر قرار پائی، یہی انسانی نسل کے نکھار کا بہت بڑا منبع اور کھیت قرار پائی، اسی سے تقویٰ کے پھول کھلے، اسی سے پرہیزگاری کی بہار آئی، یہی صالحین کی ماں کہلائی، اسی کی گود کو جنت کے مناظر میں سے ایک منظر کہا گیا، اسی کی تربیت کو انسان کی بہت بڑی درسگاہ قرار دیا گیا، اور اس ایک عورت کے شستہ کردار کو ستر صدیقوں سے بڑا کردار قرار دیا گیا، کیونکہ اس نے قرآن مجید سیکھا ہے،

اور قرآن مجید کو سنا ہے، نبی اکرم ﷺ کے فرمان کو سن کے پوری زندگی اس کے زیر سایہ بسر کر ڈالی ہے۔

ایک طرف آج کا ماحول: موبائل کا استعمال، اس میں پیکجز اور گھنٹوں غیر محرموں سے باتیں، ادھر قرآن مجید کا فرمان ہے کہ:

وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ ...... میرے محبوب جس نے تیرا کلمہ پڑھنا ہے وہ زندگی بھر غیر محرم سے نہیں بولے گی، اس کی کسی نامحرم سے بات نہیں ہوگی، ان سے یہ بیعت وصول کرو اور یہ بیعت لازم ہے۔

ادھر ایک جملہ بھی غیر محرم سے بولنا حرام ہے، سوائے اس مریضہ کے جو اپنا مرض بتانا چاہتی ہے، یا کسی حاکم کے سامنے گواہی دینا چاہتی ہے، صرف ان چند صورتوں میں رخصت ہے۔

آج (معاذ اللہ) غیر محرم سے باتیں کرنے کو گناہ نہیں سمجھا جا رہا، اور پھر ٹائم کے ساتھ ساتھ اپنا ایمان ضائع کیا جا رہا ہے، ادھر کسی غیر محرم سے بولنا حرام کر دیا گیا، اور اپنی دلی رغبت کی بنیاد پر بولنا اور باتیں کرنا، اس کو ناجائز قرار دیا گیا اور سید عالم ﷺ نے ایک دخترِ اسلام کو بتایا کہ گھر میں کیسے رہنا ہے، اور باہر کیسے نکلنا ہے، اگر مرگ کا وقت ہو تو اس وقت کیسے رہنا ہے، اگر شادی کا موقع ہو تو پھر کیسے رہنا ہے۔

آج (معاذ اللہ) یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شادی کا موقع ہوتا ہے تو اس موقع پہ گویا ایک مؤمنہ مؤمنہ نہیں رہتی یعنی اس کو اس وقت چھٹی دے دی گئی ہے، پتہ نہیں چلتا ہے کہ عیسائن یا ڈائن ہے، یا کوئی مسلمان خاتون ہے، کوئی یہودیہ ہے، یا کوئی مؤمنہ ہے۔

شادی کی تقریبات کو اپنی زندگی سے یوں خارج قرار دیا جاتا ہے گویا کہ جو اسلام کے تقاضے تھے وہ باقی زندگی میں تھے، آج کا دن اس سے بری ہے، اس میں چھوٹے

بڑے سارے شریک ہوتے ہیں۔ شریعت کی خلاف ورزی کی لہر میں اکثر حاجی اور نمازی بھی بہہ جاتے ہیں اللہ بچائے۔

اور پھر جس وقت کوئی مرگ، افسوس وغیرہ کا موقع ہوتا ہے تو اس وقت جو بے صبری اور اسلامی احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے، وہ ایک مستقل المیہ ہے، آج اس وقت رمضان المبارک کے پرنور ماحول میں قرآن مجید ہمارے سامنے ہے، اور دھیان ہمارا اس کی طرف ہے، اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی بارش برس رہی ہے، اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ ناز گنبد خضراء سے اپنی امت کو دیکھ رہی ہے، ایسے میں دخترانِ اسلام نے عہد بھی کرنا ہے، اور ہم سب نے ان احکام کو سمجھنا بھی ہے لیکن صرف کانوں کی لذت کے لیے نہیں، بلکہ ایمان کے وقار کے لیے اور ایمان کی بہار کے لیے، کہ چلو جب تک پتہ نہ تھا کوئی اور معاملہ تھا، حالانکہ یہ لازم ہے کہ جس وقت کوئی بالغ ہو جائے، مرد ہو یا عورت، تو جیسے نماز فرض ہے، ایسے ہی زندگی گزارنے کا رستہ جاننا بھی فرض ہے، جو نہیں پوچھتی اور نہیں جانتی وہ مجرمہ ہوگی، اور جو مرد نہیں پوچھتا وہ بھی مجرم ہوگا۔

اب قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور جن ہستیوں کو آپ نے سکھایا ان کا کردار مختصر وقت میں پیش کر رہا ہوں تا کہ میرے لیے بھی ذریعہ نجات بن جائے، اور آپ سب کے لیے بھی ذریعہ نجات بن جائے۔

جنتی محل

سب سے مشکل وقت وہ ہوتا ہے جب کسی کا باپ فوت ہو گیا ہو، کسی کی ماں فوت ہو گئی ہو، کسی کا بیٹا فوت ہو گیا ہو، اس وقت کچھ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہ کہو جو کچھ ہم سے ہوتا ہے وہ ہم کرتے ہیں، جو کچھ زبان پہ آتا ہے وہ کہتے ہیں، شکوے اور گلے

رب سے کرتے ہیں، جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس نے رب کو مانا بھی ہے یا کہ نہیں مانا، اس نے جب بچہ دیا تھا تو اس نے کوئی قیمت وصول نہیں کی تھی، اب اگر اس کے دنیا سے چلے جانے پر اپنے رب سے جھگڑے اور شکوے ہوں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا، اور جہاں صبر کا منظر ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا کہ:

اِبْنُوْا لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ سَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ ...... جنہوں نے بچے کی میت پہ کھڑے ہو کر صبر کیا، فرشتو! ان کے لیے نیا محل جنت میں تیار کرو، اور اس کا نام بیت حمد رکھو اور کہو کہ یہ وہ گھر ہے جو باپ کو صبر کرنے پر مل جاتا ہے۔

(شعب الایمان، السبعون من شعب الایمان و هو باب فی الصبر علی المصائب، ج:7، ص:119، رقم الحدیث:9700)

درسِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا آ گئیں، وہ آپ کا یہ درس سن چکی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ

وہ عورت میری امت میں نہیں ہے، وہ ہماری نہیں، وہ ہم میں سے نہیں، وہ ہمارے طریقے پر نہیں، کون؟

مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ ...... جس نے مشکل گھڑی میں اپنے چہرے کو پیٹنا شروع کر دیا، اور اپنے رخساروں پہ مارنا شروع کر دیا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایسا کیا وہ امت سے خود نکل گئی۔

لَيْسَ مِنَّا ...... وہ ہم میں سے نہیں، وہ ہمارے طریقے سے خود نکل گئی،

شَقَّ الْجُيُوْبَ ...... اور جس نے گریبان پھاڑا،

یہ خواتین میں عادتیں ہیں کہ وہ بے صبری میں کپڑے پھاڑ دیتی ہیں، جس نے ایسے وقت میں بے صبری سے کام لے کر گریبان پھاڑا وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

یہ کتنا بڑا جملہ اور جھڑکی ہے، اور کتنا جھنجھوڑ رہے ہیں، جو محبوب ﷺ سارے جہانوں کے لیے رحمت بن کے آئے ہیں، اور جو ذرے ذرے پہ ابر کرم بن کے برسے ہیں اور جنہوں نے دیکھا کہ انسانیت جہنم میں جا رہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پتنگوں کی طرح چھلانگیں لگا کر جہنم میں جا رہے تھے تو:

وَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ ...... میں نے تمہیں کمر سے پکڑ لیا ہے اور تمہیں جہنم میں نہیں جانے دوں گا۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب: الانتهاء عن المعاصی،

ج 5، ص 2379، رقم الحدیث: 6118)

جس عورت نے کلمہ پڑھ لیا، اب وہ اس موقع پہ اپنا گریبان نہ پھاڑے، یہ دونوں کا نصاب ہے یعنی مرد اور عورت کا، مرد یہ نہ سمجھے کہ ہمارے لیے کھلی چھٹی ہے، لیکن چونکہ ایسے زیادہ واقعات عورتوں سے سرزد ہوتے ہیں اس لیے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

شَقَّ الْجُيُوْبَ ...... جس نے گریبان کو پھاڑا وہ ہم میں سے نہیں ہے،

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس نے قمیص کے سامنے گریبان بنوا لیا، جو بٹن کھلے رہنے کی صورت میں بے پردگی کا باعث ہے وہ اسلام کی بیٹی نہیں ہے۔

شَقَّ الْجُيُوْبَ ...... جس نے قمیص میں سر ڈالنے کے لیے گریبان سامنے بنایا، وہ اسلام کی بیٹی نہیں ہے،

دَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِيَّةِ ...... اپنے بھائی یا بیٹے کی وفات پر بین کرنا، اور کہنا کہ تو کتنا بڑا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تجھے دنیا سے اٹھا کر کتنا نقصان کیا، اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ تیری کتنی ضرورت تھی، اس طرح فوت شدہ کی تعریف کرنا جو اس میں موجود نہیں ہے، جو عورت اس انداز میں کسی کے مرجانے پر آہ و بکا، یا اس قسم کے الفاظ استعمال کرے گی اور اس عمل کو سرکار ﷺ نے ''دَعْوَی الْجَاهِلِيَّة'' کہا کہ یہ جاہلیت کی باتیں ہیں، جس نے ایسا کیا تو رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق میری امت سے نہیں ہے، میری امت میں تو وہ صابرہ، شاکرہ ہے کہ جس پر ایسا وقت آگیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب: لیس منا من شق الجیوب،
ج:1، ص435، رقم الحدیث:1232)

آنکھوں میں آنسو آنے پر شریعت میں پابندی نہیں ہے، حالت اضطراب میں جو آواز نکل جائے اس پر بھی پابندی نہیں ہے، لیکن بین، دیگر الفاظ اور جملے اور زور زور سے آوازیں بلند کرنا اس سے منع کیا جا رہا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو جو طعنے دیے جاتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ سے شکوے کیے جاتے ہیں، اس سے بطور خاص نبی اکرم ﷺ نے منع کیا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے ایسا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے، اس نے ہمارے طریقے کو چھوڑ کر جاہلیت کے طریقے کو اپنا لیا۔

بلند حوصلہ خاتون

رسول اکرم ﷺ کی اس تقریر کا اثر کتنا ہوا، مدینہ شریف میں رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک خاتون آ گئی، اس کا نام ''ام خلاد'' تھا، وہ اس موقع پر آئیں کہ ان کا بیٹا

جنگ میں شہید ہو گیا، نبی اکرم ﷺ واپس تشریف لے آئے تو یہ حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پاس آ گئیں، جس وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس وہ صحابیہ آئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑا تعجب ہوا، ماں ہو اور پھر اس کا بیٹا فوت ہو چکا ہو، نہ ہی اپنے بیٹے کا چہرہ دیکھا ہو، جس وقت حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے دربار میں پہنچی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ:

وَ هِيَ مُتَنَقِّبَةٌ ...... اس نے چہرے کا نقاب کیا ہوا تھا، چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔

تَسْأَلُ عَنِ ابْنٍ لَهَا وَ هُوَ مَقْتُوْلٌ

وہ اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھ رہی تھی، جو شہید ہو چکا تھا،

فَقَالَ لَهَا بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جِئْتِ تَسْأَلِيْنَ عَنِ ابْنِكِ وَ أَنْتِ مُتَنَقِّبَةٌ

بعض اصحاب نبی ﷺ کہنے لگے کہ اے ام خلاد! تم اپنے شہید بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو، اور تم نے اتنا نقاب کیا ہوا ہے،

صنف نازک کو جب ایسا تیر لگتا ہے تو ہوش اُڑ جاتے ہیں، یہ صدمے کا آغاز تازہ صدمہ ہے، اس وقت تمہیں خبر پہنچی ہے کہ بیٹا شہید ہو گیا ہے اور تم نقاب کر کے اتنے صبر سے آئی ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعجب سے دیکھ رہے تھے، اسلام کی ایک بیٹی صبر کا کتنا بڑا کوہِ ہمالیہ ہوتی ہے، اور جس نے نبی اکرم ﷺ سے سیرت کے سبق پڑھے ہیں اس کا کردار کتنا ستھرا کردار ہوتا ہے، اور اس حد تک ان کو رب ذوالجلال عظمتیں عطا فرماتا ہے کہ اس وقت انہوں نے ایسا جملہ بولا کہ قیامت تک کی بیٹیوں کو ایک نصاب عطا فرما دیا۔

حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا سے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوچھ رہے تھے کہ تیرا بیٹا شہید ہو گیا، اور چہرے کا اتنا پردہ اس وقت بھی کیا ہوا ہے، اور تم اتنے وقار کے ساتھ پردے کی حالت میں آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھ رہی ہو، تو حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ:

اِنْ أُرْزَأَ اِبْنِیْ فَلَنْ أُرْزَأَ حَیَائِیْ ...... میرے محبوب کے غلامو! میرا بیٹا شہید ہوا ہے، میری حیا تو شہید نہیں ہوئی، شہادت میرے بیٹے کی ہوئی ہے،

فَلَنْ أُرْزَأَ حَیَائِیْ ...... شہادت میری حیا کی تو نہیں ہوئی۔

(السنن الكبرى للبيهقي، كتاب السير، باب: ما جاء في فضل قتال الروم و قتال اليهود، ج 9، ص: 295، رقم الحديث: 18591)

میرے بیٹے کا جنازہ اُٹھا، میری حیا کا جنازہ تو نہیں نکلا، یہ ٹھیک ہے کہ میرے دل کا ٹکڑا مجھ سے جدا ہو گیا اور بیٹے کی شہادت کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہی ہوں، مگر ان کا جو دیا ہوا سبق ہے مجھے اس سے پتہ چل رہا ہے، محبوب کا کھلا چہرہ سامنے ہو تو بچے کی شہادت پہ میں بے صبری کیوں کروں۔

تمہارے دم سے ہے آباد میرا گلشن ہستی
جو تم ہو تو خزاؤں کا کوئی خطرہ نہیں مجھ کو

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے صدقے مجھے سب کچھ ملا، آپ کے زیر سایہ اس نے جامِ شہادت نوش کر لیا"، صحابیہ ہیں، صنف نازک ہیں اور جواب دے رہی ہیں، "ایسا موقع ہے تو میں اپنی حیا پر پانی نہیں پھیروں گی، اپنی حیا کو برقرار رکھوں گی، اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا طریقہ ہے اس طریقے کے مطابق رہوں گی"۔

جاہلیت کا زمانہ کیسا تھا، انقلاب کیسے آیا ہے، یہ بیعت کرنے والی عورتیں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی لاج کیسے رکھی ہے، ایسے گھمبیر حالات میں جہاں کلیجہ منہ کو آتا ہے اور انسان کا جگر پگھل جاتا ہے، یہ صنف نازک پھر بھی صبر کر کے قیامت تک کی بیٹیوں کو بتا رہی تھی کہ بعد میں آنے والیو! تم نے دیکھنا ہے کہ جنہوں نے براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا ان کا کردار کیا ہے، ہمارے کردار کو دیکھ کر تم نے اپنا کردار استوار کرنا ہے کہ جب مصیبت آجائے تو وہ مصیبت کسی اور چیز پر ہو، تمہاری حیا پر مصیبت نہ ہو، تمہارے شرم پر مصیبت نہ ہو، تمہارے پردے کا جنازہ نہ نکل جائے، بلکہ اس وقت بھی پردے میں رہ کر یہ ثابت کرو کہ ہم نے کسی اور کا کلمہ نہیں پڑھا بلکہ ہم نے گنبد خضراء کے مکین کا کلمہ پڑھا ہے۔

آج ہمیں ایسے نام نہاد مفکرین کا سامنا ہے جو کہتے ہیں کہ چہرے کا پردہ ہوتا ہی نہیں، باقی پردہ ہے، چہرے کا کوئی پردہ نہیں۔ این۔جی۔اوز میں موجود مغرب زدہ خواتین کہ جنہوں نے مختلف دفاتر بنا رکھے ہیں، اسلام کی بیٹیوں کو بے راہ روی کی طرف لگانا چاہتی ہیں، اور غیروں کی پالتو ایجنٹ عورتیں پاکستان میں ان کے مشن پر کام کر رہی ہیں۔

دوسری طرف ایسے نام نہاد مفکرین ہیں کہ معاشرہ پہلے ہی آتش فشاں ہے، پھر کہتے ہیں کہ چہرے کا کوئی پردہ ہی نہیں ہے، ان کے مذہبی جلسوں میں عورتیں بے حجاب ٹانگوں پہ ٹانگیں چڑھا کے بیٹھی ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ قرآن وسنت کی کتنی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں اور ادھر میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نگر مدینہ شریف ہے کہ حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا کا بیٹا بھی شہید ہو چکا ہے مگر پھر بھی چہرہ ڈھانپا ہوا ہے اور بتانا چاہتی ہیں کہ ہم نے جن سے پردے کے سبق سیکھے ہیں، انہوں نے ہمیں چہرے کا پردہ بھی بتایا ہے۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کا عمل مبارک

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، جو رسول اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، جب ان کو پیغام پہنچا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہا فوت ہو گئے ہیں، وفات کے بعد تیسرا دن جب گزر رہا تھا تو آپ نے زرد رنگ کی خوشبو منگوائی اور خوشبو اپنے چہرے پہ لگائی اور اپنی ہتھیلیوں پہ لگائی۔ جو عورتیں آپ کے پاس آئی ہوئیں تھیں، ان سے کہا کہ تم نے مجھے یہ کام کرتے ہوئے دیکھا ہے:

كُنْتُ عَنْ هَذَا لَغَنِيَّةً ...... مجھے اس چیز کی کوئی ضرورت نہ تھی، میں ان خوشبوؤں کو پسند نہیں کرتی تھی، مگر اس وقت میں نے یہ خوشبو کیوں لگائی، فرمانے لگیں کہ:

لَوْ لَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَ عَشْرًا

اگر میں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پہ ایمان رکھتی ہے اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دنوں سے زائد کسی پر سوگ منائے، سوائے زوج کے، اگر اس کا زوج فوت ہو جائے تو پھر وہ چار مہینے دس دن حالت سوگ میں رہے گی۔ تو کبھی خوشبو نہ لگاتی۔

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب: حد المرأۃ علی غیر زوجھا، ج:1، ص 430، رقم الحدیث: 1221)

اس کے سوا خواہ والد فوت ہو جائے، خواہ بیٹا فوت ہو جائے، خواہ بھائی فوت ہو جائے

اس عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ سوگ کی حالت میں رہے، کہنے لگیں کہ میرے ابا جی فوت ہوئے تھے، تین دن مکمل ہو گئے ہیں میں خوشبو لگا کے بتانا چاہتی ہوں کہ میرا آخرت پر بھی یقین ہے اور میرا اللہ تعالیٰ پر بھی یقین ہے، میرا رسول اکرم ﷺ پر بھی یقین ہے۔ میں نے صرف اس لیے خوشبو لگائی ہے تاکہ میری دختران اسلام کو پتہ چلے کہ ہماری امی ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا) کے ابا جی جب فوت ہوئے تھے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے فرمان کو پس پشت نہیں ڈالا بلکہ سرکار ﷺ کے فرمان کو سامنے رکھا، اور فرمایا کہ مجھے خوشبو لگانے کی کوئی حاجت نہ تھی لیکن خوشبو اس طرح لگانا سوگ کے ختم کرنے کا اعلان ہے، تو میں زرد رنگ کی خوشبو لگا کر بتا رہی ہوں کہ جو نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے اس پر عمل کر کے ہم یہ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ ہم نے جاہلیت کی ساری رسمیں مسترد کر دی ہیں اور ہم نے نبی اکرم ﷺ کی غلامی کا پٹہ گلے میں ڈال لیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ایسا نصاب عورتوں کو عطا کیا جو کہ پوری زندگی کے لیے کافی ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے ان کی راہنمائی فرمائی اور صحابیات نے عمل کر کے دکھایا، ان کے محبت کے نعرے کھوکھلے نہیں تھے، نبی اکرم ﷺ نے جہاں کھڑا کر دیا ہے اسلام کی بیٹی نے ساری زندگی وہیں گزار دی ہے، چونکہ یہاں سے آگے جانے کو سرکار ﷺ حرام کہتے ہیں تو میں سرکار ﷺ سے پیار کر کے آگے چلی جاؤں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ سنت مطہرہ کا جذبہ تھا کہ جس پر پوری ملت اسلامیہ میں اگر ہم نظر دوڑائیں تو ہمیں ایسی مائیں نظر آئیں گی کہ جنہوں نے اپنے صالح کردار کے ساتھ آج تک متاع گراں مایہ پر پہرہ دے کے دکھایا ہے۔

خاتون جنت سرکارِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت وصال

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، جو شہزادی سرکارِ کونین کی ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر کا ٹکڑا ہیں، حضرت سیدہ فاطمہ طیبہ، طاہرہ، صالحہ، عابدہ رضی اللہ عنہا کا وقت وصال قریب تھا تو انہوں نے کیا کیا؟

اِسْتَقْبَلَتِ الْقِبْلَةَ ...... اپنا منہ قبلہ شریف کی طرف پھیر لیا،

ثُمَّ تَوَسَّدَتْ يَمِينَهَا ...... پھر دایاں بازو نیچے رکھا، اس کے اوپر اپنا چہرہ رکھ کر قبلہ کی طرف کر دیا۔

قبلہ کی طرف اس لیے کیا کہ قیامت تک جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ ہوگی، یا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پیار کرنے والی ہوگی اس کو سبق مل جائے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دنیا سے جا رہی تھیں، روح نکل رہی تھی تو پھر بھی آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف تھا

(تلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، كتاب الجنائز، ج 2، ص 239)

وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اپنی محبت کا دعوی نہ کرے کہ جس کا سر سجدے میں جھکتا ہی نہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح نکل رہی ہے اور چہرہ قبلہ شریف کی طرف ہے، اور یہ اثر ہے کہ روح نکلتے وقت سر قبلہ کی طرف ہے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر سجدے میں ہے، ادھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود اپنا چہرہ قبلہ کی طرف کیا، اپنے چہرے کو دائیں ہاتھ پہ رکھا اور بتا دیا کہ جو ملت اسلامیہ کی بیٹیاں ہیں، اور مجھ سے جو پیار کرنے والی ہیں، اور جو قیامت تک میرا نام لیں گی میں ان کو اپنا پیغام دینا چاہتی ہوں کہ جب تک بدن میں جان ہو تو پھر قبلہ کی طرف حاضری ہو،

رب کے دربار میں سجدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کو بھول کر نماز کے وقت کو چھوڑ نہ دیا جائے، اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری برقرار رکھی جائے تا کہ روح جب نکل رہی ہو تو سر قبلہ کی طرف جھک رہا ہو۔

ایک سوال، ایک تڑپ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نبی اکرم ﷺ سے سوال اور ایک تڑپ، جس میں اسلام کی بیٹی کے لیے ہزاروں سبق موجود ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دوستوں کو یہ حدیث سنایا کرتے تھے اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

أَلَا أُحَدِّثُكَ عَنِّيْ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

میں تمہیں اپنا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، جو نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی ہیں، کا واقعہ نہ سناؤں، میں تمہیں اپنی آپ بیتی نہ سناؤں، ہمارا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آنے جانے کا معاملہ، اس کے بارے میں تمہیں نہ بتاؤں؟ اب لوگ شوق سے کہتے تھے کہ بتاؤ، وہ کون سی بات ہے کہ جس کو تم اس انداز میں بیان کرنا چاہتے ہو؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سنایا کرتے تھے کہ:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اتنی بڑی شخصیت اور ان کا اتنا بڑا مقام کہ جن کے گھر میں کبھی چکی فرشتے بھی آ کر چلاتے تھے اور آٹا پیستے تھے، لیکن ان کا خاتونِ خانہ ہونے کے لحاظ سے کردار کتنا تھا، اور وہ اپنے گھر کو کیسے چلاتی تھیں، اور گھر کے چلانے میں ان کا طریقہ کیا تھا؟ فرمانے لگے کہ:

إِنَّهَا جَرَّتْ بِالرَّحٰى حَتّٰى أَثَّرَ فِيْ يَدِهَا ...... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں آٹا پیسنے کے لیے اتنی چکی چلاتی تھیں کہ اس چکی کی دستی کے نشان حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں پڑ چکے تھے۔

آج یہ حدیث سنتے وقت دخترانِ اسلام کو سوچنا ہے کہ وہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جو جنتی عورتوں کی سردار ہیں، امورِ خانہ میں اگر ان کا تقاضا رسول اللہ ﷺ سے ہوتا تو سونے کا گھر بنا دیا جاتا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اتنی چکی چلائی کہ ہاتھوں میں نشان پڑ گئے، وَاسْتَقَتْ بِالْقِرْبَةِ حَتّٰى أَثَّرَ فِيْ نَحْرِهَا ...... انہوں نے کنوئیں سے مشکیزے اتنے بھرے کہ جب کندھے پہ رسا رکھ کر کھینچتی تھی تو چھاتی پہ نشان بن چکا تھا، اپنے بچوں کے لیے اور اپنے گھر کے لیے روزانہ پانی کے ڈول کنوئیں سے کھینچتی ہیں، ایک طرف ہاتھوں پہ نشان ہیں، اور دوسری طرف چھاتی پہ نشان ہیں، سینے کے اوپر والے حصے میں نشان پڑ چکے ہیں،

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ:

وَكَنَسَتِ الْبَيْتَ ...... اور گھر میں جھاڑو دیا،

حَتّٰى اغْبَرَّتْ ثِيَابُهَا ...... یہاں تک کہ آپ کے کپڑے گرد آلود ہو گئے،

آج کے دور میں گھر کی صفائی ایک عورت کے لیے عار اور شرم ہے، اور کہتی ہے کہ دس خادمائیں ہوں، وہ کام کریں، میں گھر کا کام کیوں کروں گی، میں تو اتنے بڑے باپ کی بیٹی ہوں۔ تو کون ہے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑے باپ کی بیٹی ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا امورِ خانہ میں کیسا کردار ادا کرتی ہیں،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں جھاڑو دیتی تھیں:

حَتّٰی اغْبَرَّتْ ثِیَابُهَا ...... یہاں تک کہ کپڑے گرد آلود ہو جاتے تھے،

جب اتنی مشقت کرتی تھیں تو اسی دوران ہمیں پتہ چلا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس کچھ غلام اور لونڈیاں آ گئی ہیں، آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں انہیں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

قُلْتُ لَوْ اَتَیْتِ اَبَاكَ ...... میں نے کہا کہ فاطمہ وقت اچھا ہے، چلو اپنے ابا جی کے پاس،

فَسَأَلْتِیْهِ خَادِمًا ...... تم نبی اکرم ﷺ کے پاس چلو اور ایک لونڈی مانگ کے لے آؤ، اور وہ تمہارے ساتھ گھر میں کام کرے، تمہارا کیا حال ہو گیا ہے گھر میں کام کرتے کرتے۔

لفظ ''خادم'' عربی زبان میں ''عورت اور مرد'' دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، تم اپنے ابا جی کے پاس جا کر کوئی خادمہ لے آؤ، لونڈیاں آ گئی ہیں، آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کریں گے تو ہمیں بھی ایک خادمہ مل جائے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر نامدار کی بات مان لی:

فَاَتَتْهُ فَوَجَدَتْ عِنْدَهٗ حُدَّاثًا ...... جب سرکار ﷺ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ تو پروانوں کے جھرمٹ میں ہیں، دائیں بائیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہیں، لوگ اپنی حاجات پیش کر رہے ہیں، رسول اکرم ﷺ سے سوال پوچھ رہے ہیں اور آپ ﷺ جواب دے رہے ہیں۔ اب دیکھو کے سرکار ﷺ نے دین کو کتنا تام دیا، وہ بیٹی جو جگر کا ٹکڑا ہے، ان کو یہ حوصلہ نہ ہو سکا کہ ابا جی میں آ گئی ہوں، میں بات کرنا چاہتی ہوں، ان خادموں کو اپنے پاس سے ہٹا دیں، یہ کہیں بیٹھ جائیں، انتظار کریں، پہلے میں ملاقات کر لوں۔ اس دین کو اتنا پیار دیا ہے محبوب ﷺ نے کہ پیاری فاطمہ یہ نہ کہہ سکیں کہ جو پاس بیٹھے ہیں ان کو اٹھا دو اور میں اپنی بات کر لوں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ جب میں نے لوگوں کو مسائل پوچھتے دیکھا تو میں خود سمجھ گئی اور میں واپس آ گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دوسرے دن میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے درِ پاک میں پہنچ گئیں، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وہاں پہنچیں تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہ! تم بتاؤ تو کیا حاجت ہے، کس کام کو آئی ہو:

مَا كَانَ حَاجَتُكِ ...... اے فاطمہ! تمہاری حاجت کیا تھی، کس کام کے لیے آئی ہو،

فَسَكَتَتْ ...... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں،

فَقُلْتُ ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا:

أَنَا أُحَدِّثُكَ ...... یا رسول اللہ ﷺ! یہ چپ کر گئی ہیں، میں بتاتا ہوں کہ یہ کیوں آئی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ!

جَرَّتْ بِالرَّحٰى ...... اے محبوب ﷺ! صاحبزادی آپ کی ہے اور چکی اتنا چلاتی ہیں کہ

حَتّٰى أَثَّرَتْ فِي يَدِهَا ...... ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے ہیں،

وَحَمَلَتْ بِالْقِرْبَةِ حَتّٰى أَثَّرَتْ فِي نَحْرِهَا ...... انہوں نے مشکیزے اتنے اٹھائے ہیں کہ چھاتی پر بھی نشان بن گئے ہیں،

فَلَمَّا جَاءَكَ الْخَدَمُ أَمَرْتُهَا أَنْ تَأْتِيَكَ ...... جب آپ کے پاس اتنے خادم آ گئے ہیں تو میں نے ان کو کہا کہ چلو ہم بھی چل کے مانگتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ خادمہ دے دیں تو کچھ کام گھر میں وہ کرے اور کچھ آپ کریں،

جس مشقت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پڑی ہوئی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ بڑی مشقت سے بچ جائیں۔

اب اس میں کئی پہلو قابل غور ہیں:

آج داماد کے بارے میں کوئی سسر ایسی باتیں سن لے تو وہ کہتا ہے کہ اس نے میری بیٹی کو تو کوئی سہولت ہی نہیں دے رکھی، میری بیٹی خود آٹا پیستی ہے، خود مشکیزے اٹھا رہی ہے، اور خود جھاڑو دے رہی ہے۔ اپنے داماد کو سسر جھڑکیاں دینا شروع کر دے کہ تم نے کیا کیا؟

مگر میرے محبوب ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک لفظ بھی ایسا ذکر نہیں کیا، اوران چیزوں پہ سکوت بتاتا ہے کہ یہ خاتونِ خانہ کے کام ہیں، اگر اس کو یہ کرنے پڑ گئے ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، یہ کام اس کو کرنے چاہیں، ہاں! اگر کسی خاوند کے پاس سہولت کے مواقع ہیں تو وہ فراہم کرے۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ چیزیں دیکھ لیں اور سرکار ﷺ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بے پناہ محبت تھی، طبعی طور پر بھی ایسا تقاضا ہو سکتا تھا کہ پتہ ہی نہیں چلا کہ اتنی مشقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کر رہی ہیں، آج کے بعد فاطمہ ایسا مت کرنا، میں ابھی سے بندوبست کرتا ہوں۔ وہ چاہیں تو جنت کی ہزاروں حوریں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دہلیز پر آ کر کھڑی ہو جائیں، مگر میرے محبوب ﷺ کا جملہ کیا تھا۔ سمجھتے تھے کہ آج میں اپنی بیٹی فاطمہ کے لیے ہزاروں حوریں تو کھڑی کر سکتا ہوں مگر کل امت کی بیٹیاں بھی تو ہوں گی، ایسا نصاب دوں کہ ان کو بھی نصاب مل جائے، ایسی چیزیں دوں کہ وہ صرف میرے جگر کے ٹکڑے کو ہی نہیں بلکہ میرے امتی کے جگر پاروں کو بھی نصاب مل جائے۔ میرے محبوب ﷺ کے ہاں کمی تو کوئی نہ تھی، جو فرماتے فوراً میسر ہو جاتا اور ہمیشہ کے لیے ایسا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کے لفظ کیا

ہیں، یہ سبق ہے اس باپ کے لیے جو اپنی بیٹی کو بیاہ کے بھیجتا ہے، جب وہ اپنے باپ کو کچھ آ کر کہے تو وہ آگے اس کو کیا کہے، باپ کیسے دلاسا دے اور باپ کیسے تربیت کرے، باپ کیسے اس خاندان کو آباد رکھنے کے لیے کردار ادا کرے۔ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

اِتَّقِی اللّٰهَ یَا فَاطِمَةُ ...... اے فاطمہ! خدا سے ڈرو، وہ جو پہلے ہی ڈرنے والی فاطمہ ہیں، رات مصلّے پہ گزر جاتی ہے اور دن روزے میں گزر جاتا ہے، مشقت بھی کرتی ہیں،

اِتَّقِی اللّٰهَ یَا فَاطِمَةُ ...... اے فاطمہ! خدا سے ڈرو،

وَ اَدِّیْ فَرِیْضَةَ رَبِّكِ ...... اپنے رب کا فریضہ ادا کرتی رہو،

وَ اعْمَلِیْ عَمَلَ اَهْلِكَ ...... اور گھر کا کام بدستور جاری رکھو، جو تمہارے اہل کا کام ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں کر رہی ہو، یہ کام کرتی رہو، اور ترتیب بیان کر دی کہ تقویٰ، پھر اپنے رب کا فریضہ اور پھر اپنے شوہر کی خدمت۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سرکار ﷺ نصاب دے رہے ہیں، اگر آپ اپنی بیٹی کے لیے جو چاہتے وہ ایک منٹ سے بھی پہلے میسر ہو جاتا، لیکن فرمایا کہ قیامت تک فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خادمائیں بھی آئیں گی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پیار کرنی والی بیبیاں پیدا ہوں گی تو سب کے لیے جامع نصاب ہو۔

اے فاطمہ! تم اپنے رب سے ڈرتی رہو، اور اپنے رب کا فریضہ ادا کرتی رہو، اور پھر اپنے اہل کا جو کام کرتی ہو وہ مسلسل کرتی رہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ جملہ والدین کے لیے درسِ حیات ہے کہ اپنی بیٹیوں کو ایسے معاملات میں جس وقت بریف کریں اور انہیں سمجھائیں تو یہ باتیں بتائیں کہ ایک ہے

رب کا فرض، پھر ہے اس گھر والے کا فرض اور اس کی خدمت۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ! تم آئی ہو تو تمہیں اس وقت خالی نہیں بھیجیں گے، تمہیں دوں گا تو ساتھ قیامت تک کی بیٹیوں کو بھی دوں گا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَاِذَا اَخَذْتِ مَضْجَعَكِ ...... جب کام کاج سے فارغ ہو کر، نماز پڑھ کر لیٹنے لگو تو ایک کام کرنا،

فَسَبِّحِیْ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِیْنَ ...... تم نے تینتیس (33) مرتبہ "سبحان اللہ" کہنا ہے،

وَ احْمَدِیْ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِیْنَ ...... اور تم نے تینتیس (33) مرتبہ "الحمد للہ" کہنا ہے،

وَ كَبِّرِیْ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِیْنَ ...... اور چونتیس (34) مرتبہ "اللہ اکبر" کہنا ہے،

فَتِلْكَ مِائَةٌ ...... میری بیٹی اس طرح یہ سو (100) بن جائے گا، تینتیس (33) بار "سبحان اللہ"، تینتیس (33) بار "الحمد للہ" اور چونتیس (34) بار "اللہ اکبر" کہو گی تو یہ سو (100) بن جائے گا، فَهِیَ خَیْرٌ لَّكَ مِنْ خَادِمٍ...... یہ وظیفہ تمہارے لیے خادمہ سے بہتر ہے وہ لونڈی تمہارے ساتھ اتنا تعاون نہیں کرے گی جتنا یہ تسبیح تمہارے ساتھ تعاون کرے گی۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس لیے گئی تھیں تا کہ بوجھ ختم ہو جائے، لیکن بظاہر تو بوجھ اور بڑھ گیا، حقیقت میں نہیں۔ آج جیسے لوگوں کا دماغ ہو تو وہ کہیں کہ گئے تھے نمازیں بخشوانے، روزے گلے پڑ گئے، ہم چھٹی لینے گئے تھے مفتی صاحب نے اور لازم کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا)! تم مجھ سے خادمہ مانگنے آئی ہو، خادمہ سے بڑی چیز دے رہا ہوں اور یہ تسبیح فاطمہ ہے، سوتے وقت یہ تسبیح پڑھ لیا کرو،

فَهِيَ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ خَادِمٍ ...... یہ تمہارے لیے خادمہ سے بہتر ہے،

یعنی خادمہ تمہارے ساتھ کام کر کے اتنا تعاون نہیں کرے گی، خادمہ کے کام کرنے سے اتنی ریلیف نہیں ملے گی، اتنا سکون نہیں ملے گا جتنا سو (100) بار کے اس ذکر سے تمہیں سکون ملے گا۔

عظیم باپ کی عظیم بیٹی کے لفظ سنو:

یہ نہیں کہا کہ ابا جی میں کام کر کر کے تھک جاتی ہوں، خادمہ لینے آئی تھی، آپ نے اور لازم کر دیا، کیا شان ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی، کہنے لگیں

قَالَتْ رَضِيتُ عَنِ اللّٰهِ عز و جل و عَنْ رَسُوْلِه صلى الله عليه وسلم

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں کہ محبوب تمہاری فاطمہ رب سے بھی راضی ہے اور رب کے نبی سے بھی راضی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قول کا مطلب یہ ہے میرے ابا جی! یہ ذہن میں خیال نہ لانا کہ بچی آئی تھی، اس نے مانگا تھا اور جو اس نے مانگا تھا میں نے وہ نہیں دیا، میرے ابا جی میں اپنی طرف سے اظہار کرتی ہوں کہ:

رَضِيتُ عَنِ اللّٰهِ عز و جل و عَنْ رَسُوْلِه صلى الله عليه وسلم ...... میں رب پہ بھی راضی ہوں اور رب کے نبی پہ بھی راضی ہوں، دونوں باتوں کا بطور خاص ذکر کر کے اس بات کو قیامت تک آنے والی بیٹیوں کو بتایا کہ اے دخترانِ اسلام! جہاں رب کا نام زبان پہ آنا چاہیے وہاں رب کے محبوب کا نام بھی زبان پہ ہونا چاہیے اور یہ کہو کہ میں رب سے بھی راضی ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی راضی ہوں۔

(كنز العمال في سنن الأقوال و الأفعال، حرف الميم، كتاب المعيشة من قسم الأفعال، باب آدب النوم و أذكارها، ج 15، ص 508، رقم الحديث: 41985)

ایسے مقام پر اللہ تعالیٰ یہ اعزاز عطا فرماتا ہے کہ جس وقت ایک انسان اا ایسے فیصلوں پہ راضی ہوتا ہے اور یہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے، آج اتنا وبال آ چکا ہے، اور اتنی نام نہاد روشن خیالی نے مرد و زن کے منہ کھول دیئے ہیں کہ جب کہا جائے کہ یہ شریعت ہے، اور یہ قرآن وسنت ہے، تو آگے سے جواب کئی قسم کے ملتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ: نہیں، ہمارا بھی حق ہے، انسانیت کا بھی کوئی حق ہے، آخر عقل کی بھی کوئی مانگ ہے، آخر زندگی بھی کچھ گزارنی ہے، آخر دنیا بھی کچھ کہتی ہے، اس طرح کی باتیں سامنے آتی ہیں، مگر ادھر قرآن مجید کہتا ہے کہ:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔

جب اللہ فیصلہ کر دے اور اللہ کے رسول فیصلہ کر دیں تو کسی مؤمن اور مؤمنہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ آگے اپنی زبان کھولے، بلکہ چپ ہو جائے، سر تسلیم خم کر دے کہ جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شریعت میں آ گیا، جو قرآن مجید نے کہہ دیا میں اس کی پابند ہوں، میں کسی فیشن پرست عورت کی بات نہیں سنوں گی، میں کسی مغرب زدہ خاتون کے جال میں نہیں آؤں گی، میں کسی دنیا کی لیڈی کے فیشن کی طرف نہیں دیکھوں گی، میرے سامنے میرے رب کا قرآن ہے، اور میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

(القرآن الكريم، سورة الأحزاب، رقم السورة: 33، رقم الآية: 36)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف اسباق دیئے ہیں ان میں سے ایک گھر کے اندر رہنا اور

زندگی کا سفر طے کرنا ہے، آج اللہ تعالیٰ ہر بندے کے گھر کو شریعت کا رنگ عطا فرمائے۔ لوگ آ کر ایسی ایسی داستانیں بیان کرتے ہیں کہ انسان سن کے حیران رہ جاتا ہے کہ کلمے کا اثر کتنا باقی ہے۔ ایسی ایسی خرافات عورتوں میں آ گئیں، ایسے ایسے فیشن، ایسی ایسی حماقتیں عورتوں میں آ گئیں کہ عقل سلیم بھی ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتی، چہ جائیکہ شریعت ان میں سے کسی چیز کی حمایت کرتی ہو اور سب کچھ چھوڑ کر اسلام کی وہ بیٹی یہ بھول چکی ہے کہ میں نے کلمہ کس کا پڑھا تھا، کلمہ پڑھتے وقت کہا کہ اب مرضی اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو گی، میری کوئی مرضی نہیں ہے، جو تم کہو وہ ہی میرا دین، جو تم کہو وہ ہی میری شریعت، اور جو تمہارا فیصلہ وہ ہی میرا لائف کوڈ اور میری زندگی کا نصاب مگر راہِ زندگی میں چلتے چلتے بھول گئی، کبھی کسی صنم خانے میں اور کبھی کسی فیشن کدے میں اور کبھی کسی بیوٹی پارلر میں اور کبھی کسی فیشن شو میں اور کبھی کسی میلے ٹھیلے میں، اسے یاد نہ رہا کہ میں نے کیا عہد کیا تھا اور کلمہ کیا پڑھا تھا؟

اور پھر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کچھ مذہبی لوگوں نے میلاد کے نام پر میلے، فیشن شو اور ثقافتی انداز میں شروع کر دیئے ہیں، بے پردہ، کھلے سر عورتیں وہاں جا کر سمجھتی ہیں کہ ہم دین کا کام کر رہی ہیں، جبکہ پہلی اکائی بھی دین کی پوری نہیں ہو رہی ہے۔

عورت اور لباس:

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

قَالَتْ اِسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ ..... حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں تھے، ایک رات بیدار ہوئے،

فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ ...... رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ''،

میرے نبی اکرم ﷺ کی نگاہ ہے، بیٹھے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے مگر اٹھتے ہی فرمایا: ''سبحان اللہ''،

''سبحان اللہ'' کہنے کا مطلب کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ وَ مَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ ...... آج کی رات کتنے خزانے کھل گئے، نبی اکرم ﷺ رات کو بیدار ہوکر ''سبحان اللہ'' خزانوں کے کھلنے پر کہہ رہے ہیں، فرمایا: کتنے خزانے میری امت کے لیے کھل گئے اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ:

مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ ...... کتنے فتنوں کے دروازے کھل گئے،

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

أَيْقِظُوْا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ ...... حجروں والیوں کو جگا دو،

اس کے بعد سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا اور قیامت تک کی دخترانِ اسلام کو سبق دیا کہ:

فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ ...... بہت سی عورتیں دنیا میں جو لباس پہننے والی ہیں، حشر میں ننگی ہوں گی۔

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب: العلم و العظة باللیل، ج:1، ص:54، رقم الحدیث: 115)

''کسوۃ'' کپڑے کو کہتے ہیں، یعنی کپڑے پہننے والی، ''رب'' متعدد،

فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا ...... بہت سی عورتیں جو دنیا میں کپڑے پہنے ہوئی ہیں وہ حشر میں ننگی ہوں گی۔

رسول اللہ اکرم ﷺ کے اس جملے کے تین مطلب ہیں:

1......: بہت سی عورتیں دنیا کے اندر محلوں میں رہ رہی ہیں، ان کے بیں، بیس،

چالیس، چالیس سوٹ ہیں، ہر فنکشن میں جانے کا علیحدہ سوٹ ہے، بڑے ناز اور بڑے نخرے ہیں، یہی عورتیں آج جن کو دوسرے فنکشن میں پہلا والا کپڑا پہن کر جانا پسند نہیں، قیامت کے دن بدن پر ایک انچ کپڑا بھی نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ ان کا کردار ایسا ہے کہ انہوں نے میری شریعت کو چھوڑ دیا، فیشن کو اپنا امام بنالیا، کلمہ رواج کا پڑھ لیا۔

فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا ...... بڑے بڑے نوابوں کی بیویاں، بڑے بڑے جاگیرداروں کی بیویاں، بڑے بڑے مالداروں کی بیویاں جن کے دنیا میں کپڑے سنبھالے نہیں جاتے، اتنے کثیر سوٹ ہیں مگر عمل سے اتنی کوری ہیں کہ کپڑا تو تقوی کا کپڑا ہے، کپڑا ہے تو پرہیز گاری کا، کپڑا ہے تو سنت نبوی کا، جو آج وہ کپڑا پہنے گی کل قیامت کے دن بھی پردے میں ہوگی اور آج جس نے وہ کپڑے چھوڑ دیئے، آج جس نے شریعت کی طرف پیٹھ کرلی، اور آج جس نے شریعت کی نماز کو چھوڑ کر اپنے فیشن کو پیش نظر رکھا، اور سمجھتی ہے کہ ہفتے میں دوسرا سوٹ نہیں ہوگا تو میری عزت نہیں ہوگی، یہ عزت کے بارے میں سوچتی ہے جبکہ حشر میں یہ ننگی ہو چکی ہوگی۔

فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ ...... دنیا میں بہت سے سوٹ پہننے والی آخرت میں ننگی ہو چکی ہوگی میری شریعت سے غداری کرنے کی وجہ سے، میری شریعت کو چھوڑنے کی وجہ سے انہیں یہ انجام دیکھنا پڑے گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کپڑے زیادہ پہننا جائز نہیں، اللہ کے دیئے ہوئے مال کو خرچ کرنا جائز ہے اور نعمت کا اظہار بھی جائز ہے مگر اس نعمت میں رب کو بھول جانا، اس نعمت کے نشے میں شریعت کی توہین کرنا اور شریعت کو پس پشت ڈال کر شیطان کا کھلونا

بن جانا، اس کی حدیث میں مذمت ہو رہی ہے اور اسراف کی مذمت ہو رہی ہے۔
بہت سی دنیا میں عورتیں ایسی ہیں جن کے سوٹ گنے نہیں جا سکتے مگر قیامت کے دن ایک انچ کپڑا میسر نہیں ہوگا، اور بالکل ننگی ہو چکی ہوں گی، ان کو سوچنا چاہیے کہ ایسی شرمندگی کا ان کو سامنا کیوں کرنا پڑ رہا ہے، لہذا آج کردار صحیح کریں تا کہ دنیا میں بھی پردے میں رہیں اور عقبیٰ میں بھی پردے میں رہیں۔

2......: دوسرا معنیٰ ہے کہ دنیا میں کپڑا لپیٹنے والی آخرت میں ننگی ہوگی، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دنیا میں کپڑے پہنتی ہے مگر بہت تنگ پہنتی ہے جن سے اعضاء پہچانے جاتے ہیں، اور جسم کے اعضاء کی شناخت ہو سکتی ہے، وہ یہ نہیں دیکھتیں کہ شریعت نے پردہ لازم کیا ہے، اور شریعت نے پردے کا حکم دیا ہے، وہ یہ کہتی ہیں کہ اب نیا فیشن آیا ہے۔ کپڑا سمٹ سمٹ کے، کم ہو ہو کے، انسانی بدن پر تنگ ہوتے ہوتے، بازو پیچھے ہٹتے ہٹتے، دامن سمٹتے سمٹتے یہ صورتحال بن گئی ہے کہ وہ کپڑے پہنے ہوئے بھی یوں ہی ہوں گی جیسے ننگی ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن بتا دیا جائے گا کہ انہوں نے کچھ نہیں پہنا، یہ بازاروں میں ننگیاں چلتی تھیں، یہ رشتہ داروں کے پاس دنیا میں ننگیاں آتی تھیں، کیونکہ ان کے لباس ٹائٹ تھے، کپڑے تنگ تھے، جن سے بدن کے مختلف اعضاء پہ کپڑا نہیں ہوتا تھا، وہ اعضاء ننگے ہوتے تھے، ان کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں کو ننگی عورتوں میں شمار کرے گا کہ یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے دنیا میں ہمارے حکم کی پابندی نہیں کی اور ان کا انجام ان عورتوں کے ساتھ ہوگا جو مغرب کے صحراؤں میں موجود کلبوں میں ہوتی ہیں، جہاں کوئی لباس نہیں پہنتا ان کے ساتھ ان کا حشر ہوگا، اس بنیاد پر کہ کپڑے نہ کھلے تھے، نہ پورے تھے بلکہ ادھورے اور ٹائٹ تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمادیا کہ ہم اس کو کپڑا شمار نہیں کریں گے، ہمارے نزدیک وہ عورت ننگی ہے، اگر وہ چاہتی ہے کہ کل اس کو وقار ملے تو پھر اس کو اپنے کپڑے کھلے رکھنے چاہیں اور پورے بدن کو ڈھانپنے والے کپڑے موجود ہونے چاہیں۔

3......: تیسرا معنی: محدثین کہتے ہیں کہ ''کاسیۃ'' کا معنی ''کپڑے پہننے والی'' اور ''عاریۃ'' کا معنی ''ننگا ہونا''، دوسری حدیث میں ہے کہ کچھ عورتیں کاسیہ عاریہ ہیں، آخرت سے پہلے ہی وہ عورتیں کپڑے پہن کے بھی ننگی ہیں۔

مطلب کیا ہے؟...... نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ اتنے باریک کپڑے پہنتی ہیں کہ جس سے بدن کا رنگ نظر آتا ہے۔

اب کون سا گھر بچا ہوگا؟، کہاں پابندی ہو رہی ہوگی؟ میرے نبی اکرم ﷺ کے اس جملے پہ کون پہرہ دے رہا ہوگا؟، کہاں اس بات کا اہتمام کیا جا رہا ہوگا؟ میرے محبوب ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے پتلا کپڑا پہنا کہ جس سے بدن کا رنگ نظر آرہا ہو، میں اس کو کپڑے والی نہیں کہتا، میں اس کو ننگی کہتا ہوں، سرکار ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ ننگی ہے، اس نے کپڑا نہیں پہنا، پتلا کپڑا خاتون کا لباس نہیں ہے، پتلا کپڑا شریعت میں لباس شمار نہیں ہورہا۔

اس سلسلہ میں ایک تجویز بھی ہے ٹیکسٹائل والوں کو کہ وہ جو روزانہ ایسی ورائٹی لا رہے ہیں جو باریک اور ہلکی ہے، ان کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کوئی کپڑا خریدے یا نہ خریدے، وہ ایسی چیزیں نہ بنائیں۔

پھر لینے والی دختران اسلام کو سوچنا چاہیے کہ جس رب نے ہمیں نماز کا حکم دیا ہے، اس رب نے کپڑے کا بھی حکم دیا ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے جیسے نماز کی رکعتیں بیان

فرمائی ہیں، ایسی ہی کپڑے کی قسمیں بھی بیان فرمائی ہیں، اور میرے محبوب ﷺ سے پیار کا تقاضا یہ ہے کہ ... اسلام کی بیٹی وہ کپڑے پہنے جو شریعت چاہتی ہے، یعنی جس سے بدن کی ... نہ ہو اور نہ ہی بدن کی شناخت ہو سکے اور نہ ہی پتلا کپڑا ہو۔ صحیح کپڑا پہن کر یہ ثابت کرے کہ میں شریعت مطہرہ کی پابند ہوں اور پورے پردے کے ساتھ جس وقت وہ اہتمام کرنے والی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ستر صدیقوں سے بڑے ثواب کا اعلان فرمایا ہے۔

اس سوسائٹی میں میں آپ کے ساتھ ہوں، یعنی کوئی اس بنیاد پر آپ سے نہیں بات کر رہا کہ میرا عمل تم سے کہیں آگے ہے اور اچھائی میں کہیں میں تم سے آگے ہوں، نہیں، میں بھی آپ ہی کی طرح ان احادیث کا طالب علم ہوں، مجھ سے مؤاخذہ ہوگا، اور میری کوشش ہے کہ مکمل طور پر اس پر عمل ہونا چاہیے، اور یہ ہی درد بانٹنا "ادارہ صراطِ مستقیم" کا منشور ہے کہ امت جس وقت بھولتی جا رہی ہے، حق کے راستے سے بکھرتی جا رہی ہے، اور بالخصوص وہ جو پاک مقامات ہیں، جہاں سے نسلیں آباد ہوتی ہیں اور جہاں سے تقوی کے پھولوں کی امید ہوتی ہے اگر وہاں پرہیز گاری نہیں ہوگی تو تقوی کی فصل کیسے پک سکے گی، اور اس پرہیز گاری کے ضابطے وہ ہیں جو ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان سے بیان فرمائے ہیں۔

جذبہ جہاد

اسلام کی بیٹی کے اندر جذبہ اس قدر کامل ہونا چاہیے کہ اس کے اندر جوشِ جہاد بھی ہو یعنی جس وقت نفس سے جہاد کر سکتی ہے تو پھر وہ دشمن سے بھی جہاد کر سکتی ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جنگ حنین میں تھے اور بڑی سخت تیر اندازی ہو رہی تھی، اور اس وقت مسلمانوں کو بڑی شہادتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس جنگ میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ''مالک'' کے ساتھ، ''مالک'' کی وفات کے بعد حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جنگ حنین میں بیس (20) کافروں کو مارا تھا اور جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ساتھ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تعارف کروانے لگے کہ:

هٰذِهِ اُمُّ سُلَيْمٍ رضی الله عنها ...... یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ام سلیم بھی آئی ہوئی ہیں،

مَعَهَا خَنْجَرٌ ...... انہوں نے خنجر پکڑا ہوا ہے،

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا، حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں ایک اور روایت کے مطابق، ام حرام رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضائی خالہ ہیں، اس واسطے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی حرمت والا رشتہ موجود ہے۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا خود بول پڑیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے جذبات بھی بڑے ہیں، خنجر لیکر میں بھی آئی ہوں، اس لیے کہ:

اِنْ دَنَا مِنِّیْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ بَقَرْتُ بِهٖ بَطْنَهٗ ...... میں اس لیے خنجر لیکر آئی ہوں کہ کوئی مشرک ملے گا تو اس کا پیٹ چیر دوں گی، میں مشرک کا پیٹ چیرنے کے لیے خنجر لیکر آئی ہوں۔

(صحیح مسلم، کتاب: الجهاد و السیر، باب: غزوة النساء مع الرجال،

ج 5، ص: 196، رقم الحدیث: 4783)

ایک طرف مصلے پہ بیٹھی ہیں تو ان کے تقوی کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا، دوسری طرف اس طرح نکلتی ہیں، ایسی شیر دل ہیں کہ کافروں کا پیٹ چیرنے کے لیے اپنا اسلوب رکھتی ہیں۔

اولاد کا پہلا سبق

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بایوگرافی کو بیان کیا جائے تو آج کی دختر اسلام حیران رہ جائے گی۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا نکاح ''مالک'' کے ساتھ ہوا تھا جو کہ ایک مشرک تھا، جب حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کلمہ پڑھا تو اس وقت ''مالک'' سفر پر تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ولادت ہو چکی تھی، ''مالک'' جب واپس آیا تو اسے پتہ چلا کہ میری بیوی نے کلمہ پڑھ لیا ہے، ''مالک'' نے اپنی بیوی سے کہا کہ:

اَصَبَوْتِ ...... کیا تو دین چھوڑ گئی ہے،

اس وقت یہ لفظ بولا جاتا تھا کہ تم نے دین چھوڑ دیا ہے، تم صابیہ بن گئی ہو یعنی پرانا باپ، دادا والا دین چھوڑ دیا، تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں صابیہ نہیں بنی بلکہ:

لٰکِنّی آمَنْتُ ...... میں تو ایمان لائی ہوں،

حضرت انس رضی اللہ عنہ جس وقت بڑے ہوئے اور بولنا شروع کیا تو سب سے پہلے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو کلمہ پڑھایا ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ''، جب حضرت انس رضی اللہ عنہ بولنے لگے تو:

تُلَقِّنُ ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کو تلقین کرتی ہیں،

قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ قُلْ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ...... کہہ تو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اب تصور کرو کہ گھرانہ مشرک کا، گھر والی کلمہ پڑھ گئی ہے، اور بیٹا دونوں کا مشترک ہے، مگر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ میرے بیٹے کہو: "لا اله الله محمد رسول الله"۔

حضرت انس کے والد مشرک تھے، اس نے آخر تنگ آ کر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ:

لَا تُفْسِدِیْ عَلَیَّ اِبْنِیْ ...... خود خراب ہوگئی ہو تو میرا بیٹا خراب مت کرو، میرے بیٹے کا ستیاناس کرنا چاہتی ہو، بتوں کا مذہب چھوڑ کر اس کو نئے دین میں داخل کرنا چاہتی ہو، خود تو کلمہ پڑھ گئی ہو لیکن اس سے ایسی باتیں مت کرو، اس سے وظیفہ کرواتی ہو کہ انس کہہ "لا اله الله محمد رسول الله"۔

مالک نے جس وقت جھگڑا کیا تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جسے تو فساد سمجھتا ہے یہ فساد نہیں ہے، یہ تو وہ دین ہے جو پوری دنیا پہ چھانے والا ہے، پھر مالک حالت شرک میں مر گیا۔

عجیب حق مہر

اب اس کے بعد حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا، وہ بھی ابھی مومن نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری مدینہ شریف میں بہت بڑے زمیندار تھے، مسجد نبوی شریف کے ساتھ جو پہلا باغ تھا وہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا ہی تھا، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیج دیا، اور وہ ابھی حالت کفر میں تھے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میری ایک شرط ہے اور میرا وہی حق مہر ہے، اس کے سوا نہ کوئی مانگوں گی اور نہ کوئی اور حق مہر ہے۔ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم کیا حق مہر چاہتی ہو، کتنے باغات، کتنا سونا

چاہیے؟ تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ: ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ'' یہ میرا حق مہر ہے، تم کلمہ پڑھ جاؤ تو میں تم سے شادی کرلوں گی۔

یعنی یہ معیار تھے ان خواتین کے، اور یہ انداز تھا اور اس انداز میں وہ آگے بڑھی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پہ ان کو عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے جب یہ جملہ سنا تو ایک منٹ بھی نہیں لگنے دیا، کہنے لگا جو تیرا رب ہے وہ ہی میرا رب ہے، جو تیرے نبی ہیں وہ ہی میرے نبی ہیں، میں کہتا ہوں:

أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(الطبقات الکبری، و من نساء بنی عدی بن النجار، ج 8، ص:425)

بین کی ممانعت

یہ مختصر سا انٹروڈیکشن (introduction) تھا، اسلام کی اپنی بیٹیوں سے گفتگو حالت مرگ میں ہو یا حالت خوشی میں، جیسے بھی حالات ہوں اس میں اسلام کے خاص نصاب ہیں، اگر اس پر دخترِ اسلام قائم نہیں رہتی تو اس کے لیے سخت وعید ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلنَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا

جو عورت بین کرتی ہو اور مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے،

عَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَ دِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ

اس کو تارکول کا لباس پہنا دیا جائے گا، اور خارش کی ذرع پہنا دی جائے گی۔

اس نے وقت مرگ شریعت مطہرہ کا خیال کیوں نہیں رکھا۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب: التشدید فی النیاحة، ج 2، ص 45، رقم الحدیث: 2203)

شادی کی تقریب اور دختران اسلام

شادی کی تقریب میں کسی خاتون کا پردے میں جا کر شریعت مطہرہ کے مطابق واپس آنا، اتنا بڑا عمل ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ عورتیں اور بچے شادی میں شرکت کر کے واپس آ رہے ہیں:

فَقَامَ مُمْتَنًّا ...... تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے کھڑے ہو گئے کہ یہ عورتیں اور بچے شادی سے شرکت کر کے واپس آ رہے ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ ...... پوری روئے زمین پر اس وقت جتنا مجھے تم سے پیار ہے اتنا مجھے اور کسی سے پیار نہیں ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب: ذهاب النساء و الصبیان الی العرس، ج5، ص 1985، رقم الحدیث: 4885)

آخر وہ کتنا بڑا عمل ہے کہ جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ بول دیئے ہیں کہ تم میرے نزدیک پسندیدہ ترین لوگوں میں سے ہو کہ تم شادی میں شرکت کر کے واپس آ رہی ہو اور تمہارے بچے بھی وہاں شرکت کر کے واپس آ رہے ہیں۔ اگر وہاں بھنگڑے ہوں، یا ڈانس ہو اور وہاں خرافات ہوں اور وہاں بے حیائی ہو، وہاں میوزک ہو اور اس طرح کے تماشے ہوں تو یہ سارے جہنم کے کام ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ:

أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ......

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح کر دیا کہ ایک اسلام کی بیٹی کو شادی میں جاتے وقت سوچنا چاہیے کہ وہ ثواب کمانے جا رہی ہے، گناہ لینے نہیں جا رہی ہے، پھر اس کو پتہ چلے گا کہ میں نے شادی کے فنکشن میں کیسے شرکت کرنی ہے اور شادی کے مراحل کو کس انداز میں طے کرنا ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شریعت مطہرہ پہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر

6

رہن کے مسائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ

وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَ اِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَۃٌ

(پارہ نمبر 3، سورۃ البقرۃ، سورت نمبر 2، آیت نمبر 283)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْنُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

وَعَلٰی آلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاسَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے **''ادارہ صراط مستقیم پاکستان''** کے زیر اہتمام **''فہم دین کورس''** میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

رہن کے مسائل

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید کا فہم عطا فرمائے، اور اس کے ابلاغ و تبلیغ اور اس پہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ آج کی ہماری حاضری کو ہمارے لاکھوں دکھوں کا مداوا بنائے، ہمارے گناہوں کا کفارہ بنائے اور ہمارے جنت میں جانے کا سبب بنائے۔

رب ذوالجلال نے قرآن مجید میں انسان کے تمام معاملات میں انسان کی راہنمائی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کو جہاں یہ پسند ہے کہ میرا بندہ مجھے سجدہ کرے اور میری عبادت میں مصروف رہے، وہاں اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند ہے کہ میرے بندے کے جو دیگر بندوں کے ساتھ معاملات ہیں وہ بھی میری رضا کے مطابق ہوں، اس واسطے قرآن مجید نے انسانی معاملات کو اپنا موضوع بنایا ہے اور جا بجا انسان کے معاملات پر بحث

کرتے ہوئے انسان کی راہنمائی کی ہے۔

آج جس ماحول میں ہم زندہ ہیں، ایک پوری لابی سازش کے تحت اس پروگرام میں سرگرم عمل ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے نماز پڑھ لیتا ہے، روزہ رکھ لیتا ہے، استطاعت پر حج کر لیتا ہے اور نصاب پر زکوۃ دے لیتا ہے تو یہ اس نے حق بندگی ادا کر دیا، اب اس کے آگے انسان کی اپنی مرضی ہے، وہ سودا کرنا چاہتا ہے تو جس طرح چاہے کرے اور کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے تو جس طرح مرضی ہے اسے خریدے، کسی کے پاس کوئی چیز گروی رکھنا چاہتا ہے، کسی سے کوئی قرض لینا چاہتا ہے تو اپنی مرضی کے مطابق لے، ان معاملات زندگی کو اس لحاظ سے اسلامی تعلیمات کا موضوع ہی نہیں سمجھا جاتا اور یہ فکر، سوچ لوگوں میں عام کی جا رہی ہے جبکہ قرآن مجید کی سینکڑوں آیات براہِ راست معاملات کے لحاظ سے ہیں، اللہ تعالیٰ کو جہاں یہ پسند ہے کہ میرے بندے میرے دربار میں جھکیں، سجدہ کریں، وہاں اسے یہ بھی پسند ہے کہ میرے بندے دوکان پر بیٹھ کر میری مرضی کے مطابق سودا بیچیں اور میری مرضی کے مطابق سودا خریدیں اور میری مرضی کے مطابق ان کے آپس میں بیع وشراء کے معاملات ہوں، لین دین کے معاملات ہوں، قرض لینے اور قرض واپس کرنے کے معاملات ہوں، گارنٹی اور ضمانت کے لحاظ سے معاملات ہوں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے بندے ہر معاملے میں میرے قرآن مجید سے پوچھیں اور اس سے پوچھ کر معاملہ کریں تاکہ ان کی دنیا جب قرآن مجید کے زیر سایہ گزرے تو دنیاوی معاملات پر بھی ان کو ثواب واجر عطا کر دیا جائے۔

اس لیے ہم فہم دین کورس میں اسلام کے کچھ معاملاتی موضوعات بھی رکھتے ہیں تا کہ وہ

سبق ملت کو یاد کرایا جائے کہ ہمارا اور کفار کا جو فرق ہے، ان میں سے ایک فرق یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاملات میں آزاد ہیں، ان کی جیسے مرضی ہو کرتے پھریں وہ کلمہ پڑھیں گے پھر ان کو نصاب زندگی ملے گا کہ وہ اس پر چل کر جنت پہنچیں جب وہ کلمہ نہ پڑھیں تو اسی بنیاد پر دائمی جہنمی انہیں جنتی نصاب عمل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جبکہ بحیثیت مؤمن ایک مسلمان کے لیے اس سلسلہ میں بھی شریعت نے پابندیاں لگا رکھی ہیں اور دائرہ کار وضع کیا ہے، اگر اس کو پیش نظر رکھ کے اپنے معاملات کو طے کرے گا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے اور اگر چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوگی اور مؤاخذہ ہوگا اور قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ میں نے تم کو نظام دیا تھا، تم نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے معاملات کو طے کرنے کا اپنا طریقہ کیوں وضع کیا؟

آج ہم رہن کے مسائل کو بیان کریں گے، عرف عام میں زندگی گزارتے وقت آپ حضرات کو روزانہ ایسی صورتوں کو سامنا ہے اور ہمارے عرف میں یہ معاملات پائے جاتے ہیں مگر شریعت مطہرہ کی روشنی میں طے نہیں کیے جاتے، غیروں کے بنائے ہوئے ضابطے اور قانون کے مطابق طے کیے جاتے ہیں اور ایک مؤمن جو کلمہ رب کا پڑھتا ہے مگر گروی کے مسائل کی جب باری آتی ہے تو ان دستاویزات کو سامنے رکھ لیتا ہے جو بندوں کے بنائے ہوئے ہیں، مارکیٹوں میں رائج ہیں اور لوگوں نے نافذ العمل کر رکھے ہیں، تو ایسے میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن وسنت کا یہ پیغام بھی سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس سلسلہ میں رضا کیا ہے، اور انسان کس طرح دنیا کے ساتھ ساتھ اپنے دین کو بھی راضی رکھ سکتا ہے، اور معاملات ادا کرتے ہوئے بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق

اپنے معاملات پر نوافل اور تہجد جیسے ثواب کا مستحق بن سکتا ہے۔

رہن کی وضاحت

لغوی معنی: ٹھہرا ہوا ہونا، یا ثابت ہونا،

یُقَالُ: مَاءٌ رَاهِنٌ ...... جو پانی چل نہ رہا ہو، اس کو راہن کہتے ہیں کہ پانی رکا ہوا ہے،

اس طرح اس کا معنی ہوا: بند کر دینا اور روک دینا،

(الفقه الاسلامی و أدلته، الفصل الثانی عشر :الرهن، المبحث الأول :تعريف الرهن، ج6، ص 60)

قرآن مجید میں ہے کہ:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ...... ہر جان اپنی کرنی میں گروی ہے۔

(القرآن الكريم، سورة المدثر، رقم السورة:74، رقم الآية:38)

ہر بندہ اپنے کام کا مرہون ہے، اس کو اپنے کام کے عوض میں گروی رکھ دیا گیا ہے، کام کے بدلے میں اس کو روک دیا گیا ہے، عمل اگر اچھا ہوگا تو بندہ جنت میں چلا جائے گا، اگر عمل اچھا نہیں ہوگا تو بندہ جہنم میں چلا جائے گا، تو ہر انسان کو اپنے اعمال کے بدلے میں گروی رکھ دیا گیا ہے۔

شرعی معنی:

حَبْسُ شَيْءٍ بِحَقٍّ يُمْكِنُ اِسْتِيْفَاءُهُ مِنْهُ ...... انسان کا کسی پر کوئی حق ہو، اس حق کی گارنٹی کے طور پر، جس پر حق ہے اس کی کوئی چیز اپنے پاس رکھ لے تا کہ کل اگر اس نے اپنا حق ادا نہ کیا تو اس چیز کو بیچ کے اپنے پیسے پورے کر لے، اس کو رہن کہتے ہیں۔

(الفقه الاسلامی و أدلته، الفصل الثانی عشر :الرهن، المبحث الأول :

تعريف الرهن، ج6، ص:61)

مثال

ایک شخص نے دوسرے سے قرض مانگا تو جو قرض دے رہا ہے، قرض لینے والے کو کہتا ہے کہ تم میرے پاس اپنی کوئی چیز رکھو کہ کل اگر تم قرض نہ دے پائے تو تمہاری چیز میرے پاس موجود ہوگی، میں اس کو بیچ کے اپنا قرض پورا کرلوں گا، کل قرض یا بعض قرض اس سے ادا ہوسکے تو اس کو گروی کہا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص نے قرض لیا اور اپنا مکان قرض دینے والے کو دے دیا کہ یہ تمہارے پاس گروی ہے جب میں قرض واپس کروں گا تو مکان لے لوں گا۔ قرض لیا اور کہا کہ یہ میری بھینس اپنے پاس رکھو، جب میں قرض واپس کروں گا تو واپس لے جاؤں گا۔ اب یہ بھینس اور مکان جو قرض کے عوض دی جاتی ہے اس کو شریعت میں "رہن" کہا جاتا ہے کہ اس کو روک دیا گیا ہے جب تک پیسے واپس نہیں آئیں گے اس وقت تک لینے والا مقروض کی چیز واپس نہیں کرے گا تو شریعت مطہرہ میں رہن رکھنا جائز ہے، رہن وصول کرنا بھی جائز ہے۔

قرآن مجید اور حکمِ رہن

قرآن مجید میں بھی اس کا حکم موجود ہے، رسول اکرم ﷺ نے بیسیوں فرامین میں اس رہن کے مسائل کو بیان کیا ہے، لہٰذا کسی چیز کو کسی کے پاس گروی رکھنا جائز ہے، اس کے احکام ہیں ان کی روشنی میں اگر گروی رکھا جائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر ان کو چھوڑ کر کوئی اپنا گروی رکھنے کا بنایا ہوا طریقہ اخذ کیا جائے گا تو اس میں مؤمن گنہگار ہوگا، چونکہ مؤمن نے کلمہ پڑھ کے یہ عہد کیا ہے کہ میں اپنا ہر کام ویسے کروں گا،

جیسے اس کام کے بارے میں میرے رب نے حکم فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ ...... اور اگر تم سفر میں ہو۔

صورتحال یہ ہے کہ تم کسی سے قرض لینا چاہتے ہو، حالت سفر میں مجبوری بن گئی ہے، قرض لینا پڑ گیا ہے،

وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا ...... اور لکھنے والا نہ پاؤ۔

اور وہاں کوئی ایسا کاتب نہیں ہے کہ جو لکھے کہ میں فلاں سے اتنا قرض وصول کر رہا ہوں تا کہ کل وہ دستاویز پیش کر سکے، جس نے قرض دینا ہے اس کے پاس کوئی ثبوت ہو کہ کل تم نے مجھ سے قرض لیا تھا اور یہ تم نے لکھ کے دیا تھا یا فلاں کاتب نے یہ لکھ کر دیا تھا۔ اگر ایسی صورتحال نہ ہو تو پھر ضمانت کا ایک اور طریقہ بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ...... تو گرہ ہو قبضہ میں دیا ہوا۔

تو ایسی صورتحال میں جو قرض لے رہا ہے وہ اپنی کوئی چیز قرض دینے والے کو دے دے اور قرض دینے والا اس پر قبضہ کر لے تو یہ رہن کا معاملہ ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

اس سے بات میں پختگی آ جائے گی اور کل جھگڑا نہیں ہوگا اور اس سلسلہ میں قرض دینے والے کو اطمینان آ جائے گا۔ اگر کوئی لکھنے والا نہیں تو رہن کی صورت اختیار کر لو، جو قرض وصول کر رہا ہے وہ قرض دینے والے کو اپنی طرف سے کوئی چیز دے دے اور اس میں تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ حکم صرف سفر کے ساتھ خاص نہیں ہے، اگرچہ لفظ یہ ہیں کہ:

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ ...... اگر تم سفر پر ہو، تو رہن کا حکم برابر ہے خواہ سفر میں کوئی رکھنا چاہے تب بھی رکھ سکتا ہے، حضر میں رہن رکھنا چاہے تب بھی رکھ سکتا ہے۔

(الفقه الاسلامي و أدلته، الفصل الثاني عشر: الرهن، المبحث الأول: تعريف الرهن، ج6، ص62)

رھن رکھ کر جو پیسے وصول کیے جاتے ہیں وہ آج بھی ہمارے زمانے میں رائج ہیں، تو یہ اسی آیت کریمہ کا حصہ ہے، لیکن اس کے کچھ احکام ہیں جن کو ابھی تفصیل سے بیان کریں گے۔ پھر اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے معاملات طے کرنے ہیں تا کہ فرق واضح رہے کہ کافر دین سے آزاد ہے اور وہ شریعت کا بھگوڑا ہے، وہ جس وقت دنیا میں مصروف ہوتا ہے تو وہ دنیا میں ہی مصروف ہوتا ہے مگر مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس نے کلمہ پڑھ کے اپنے آپ کو اپنے رب کے یوں سپرد کیا ہے کہ اللہ کی رضا کے مطابق دنیا کے کام بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دنیا پر بھی اس کو اجر دینے کا اعلان فرما رکھا ہے۔

حدیث نمبر: 1

قرآن مجید کے بعد حدیث مبارکہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ رہن رکھنا باقاعدہ سنت نبوی ﷺ ہے، اس سلسلہ میں بخاری شریف میں حدیث موجود ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِشْتَرٰى مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا اِلٰى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعًا لَهُ مِنْ حَدِيْدٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت تک طعام خریدا اور اس کے پاس اپنی زِرہ رہن میں رکھی۔

(صحيح البخاري، كتاب السلم، باب: الرهن في السلم، ج2، ص784، رقم الحديث 2134)

یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا تھا اور کہا تھا کہ اے محبوب! اگر تم چاہتے ہو تو احد پہاڑ کو سونے کا بناتا ہوں اور یہ تمہارے ساتھ موبائل رہے گا، جہاں تم جاؤ گے وہاں چل کے احد بھی جائے گا، اس کی موبائل سروس ہوگی، جہاں جتنی ضرورت ہوگی وہاں اتنا سونا اٹھا کے دے دینا، تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اے اللہ! مجھے احد پہاڑ کے سونے کی ضرورت نہیں ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں تو شکر کروں اور دوسرے دن نہ کھاؤں تو صبر کروں۔

(الشفا بتعريف حقوق المصطفى، الباب الثاني :في تكميل الله تعالى له المحاسن خلقا و خلقا ......، فصل :و أما زهده ....، ج :1، ص :93)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس چیز کا انتخاب اپنے لیے کر لیا، جب ایسی صورتحال تھی تو کوئی بعید نہ تھا کہ جب یہودی سے جو خریدنے پڑے ہیں اور ذرعہ رہن میں رکھی ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے تو اگر براہِ راست بنی اسرائیل کے لیے من و سلوی کا نزول ہو سکتا ہے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلکی سی تمنا ہوتی تو سارا گھر غلہ سے بھر جاتا، لیکن مطلب یہ تھا کہ امت کو سنت بھی عطا کرنی ہے اور امت کو طریقہ بھی عطا کرنا ہے۔ یہی سبب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشر میں دنیا میں جلوہ گر ہوئے، یہ جو بشری حاجات ہیں ان کے لحاظ سے لوگوں کی راہنمائی کرنی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر لباس بشر میں نہ ہوتے تو بشری حاجات سامنے نہ آتیں پھر لوگوں کی عملی طور پر رہنمائی نہ ہو سکتی تو یہ حکمتیں تھیں جن کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ بشر میں دنیا میں بھیجا گیا۔

ادھر رسول اکرم ﷺ کو جو کی ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا انتظام فرما سکتا ہے لیکن اس میں مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کے پاس زرہ رکھ کے جَو لیں گے تو کل قیامت تک کا کوئی محقق، کوئی عالم، کوئی مفتی، کوئی قاضی سوچنے لگے گا کہ رہن کا جواز ہے تو کیا اس کا ثبوت نبی اکرم ﷺ سے ملتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے سامنے یہ حدیث شریف آجائے گی تو اس وقت امت کا مسئلہ حل ہو جائے گا کہ یہ وہ عمل ہے جو خود سیرت سے ثابت ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت موجود نہیں ہے۔

اگر کوئی بندہ ان شرائط کے مطابق کرتا ہے جو رسول اکرم ﷺ نے عطا فرمائی ہیں، تو یہ سیرت نبوی ﷺ کا حصہ ہے، تو اس بنیاد پر اگرچہ دوسرے طریقوں سے سب کچھ پورا ہو سکتا تھا مگر نبی اکرم ﷺ کا پیکر یہ ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

تحقیق تمہارے لیے رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

(القرآن الكريم، سورة الأحزاب، رقم السورة:33، رقم الآية:21)

رسول اکرم ﷺ ذرعہ رکھ کے غلہ لے رہے ہیں، اس سے صرف ضرورت کو پورا کرنا مقصد نہیں تھا، براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کے نزول سے اس کا اہتمام ہو سکتا تھا مگر امت کو تشریع احکام اور تسنین اور سنت بنانے کے لیے ایسی چیزیں سامنے رکھی گئی ہیں، یہ میرے محبوب ﷺ کا پیکر ہے، اور اس پیکر کی ہر ہر حالت ہے، جس انداز میں گزر رہے ہیں، چل رہے ہیں، بیٹھے ہیں، یا کھڑے ہیں، کوئی دن گزر رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے ہی رسول اللہ ﷺ کی امت کے لیے مینارہ نور بنا دیا ہے۔

حدیث نمبر:2

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مقام پر رہن کے احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اَلظَّھْرُ یُرْکَبُ بِنَفَقَتِہٖ اِذَا کَانَ مَرْھُوْنًا ...... کوئی کسی سے قرض لیتے ہوئے اپنی گھوڑی رہن میں دے دیتا ہے، یا گدھا رہن میں دے دیتا ہے، یا اونٹی رہن میں دے دیتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس پر سواری کرے، اگر مقروض نے قرض دینے والے کو اجازت دی رکھی ہے تو پھر قرض دینے والے کے لیے اس مرہونہ چیز پر سواری کرنا جائز ہے، لیکن قرض دینے والے کو سواری کا خرچہ برداشت کرنا پڑے گا، جتنا چارہ ہے اس کا ذمہ دار وہ ہو گا جس کے پاس اب سواری ہے، گھوڑے یا گدھے یا اونٹ کے چارے کا اہتمام قرض دینے والا کرے اور ان کی حفاظت بھی کرے، وقت آنے پر ضرورت کے تحت اس پر سواری کر سکتا ہے،

پھر فرمایا:

لَبَنُ الدَّرِّ یُشْرَبُ بِنَفَقَتِہٖ اِذَا کَانَ مَرْھُوْنًا ...... کسی نے قرض دینے والے کو رہن میں بھینس دی ہوئی تھی یا دودھ دینے والا کوئی جانور تو بھینس کا چارہ قرض دینے والے کے ذمے ہے، چارہ وہ ڈالے گا اور دودھ بھی وہ ہی استعمال کرے گا۔

(صحیح البخاری، کتاب الرھن، باب: الرھن مرکوب و محلوب،

ج:2، ص:888، رقم الحدیث:2377)

حدیث نمبر:3

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِيْ رَهَنَهٗ لَهٗ غُنْمُهٗ وَ عَلَيْهِ غُرْمُهٗ ...... قرض لینے والے نے رہن کی چیز قرض دینے والے کے پاس رکھی تو قرض دینے والا مرہونہ چیز کو ہمیشہ کے لیے نہیں روک سکتا۔

(السنن الكبرى، كتاب الرهن، باب: ما جاء فی زيادات الرهن،
ج 6، ص 65، رقم الحديث: 11210)

یا ایسا ہو کہ قرض لینے والے نے کہا تھا کہ ایک مہینے میں پیسے واپس کردوں گا، ایک مہینے میں وہ واپس نہیں کر سکا تو قرض خواہ کہے کہ یہ چیز میری ہے، تو ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ یہ چیز اسی مالک کی ہے جس کی وہ چیز تھی اگرچہ وقت معین میں وہ چیز واپس نہیں کر سکا، اسے پھر بھی مہلت دی جائے گی، جب تک قرض واپس نہیں دے گا اس وقت تک بھینس قرض دینے والے کے پاس رہے گی، لیکن یہ اس کی اپنی نہیں ہوگی، مقروض ہی اس کا مالک ہے، جب بھی وہ پیسے ادا کرے گا تو یہ بھینس اس کو واپس کردی جائے گی۔

اور رسول اکرم ﷺ نے جامع جملہ ارشاد فرمایا کہ:

لَهٗ غُنْمُهٗ وَ عَلَيْهِ غُرْمُهٗ

یہ اسلام بڑا جامع دین ہے، اس نے صرف تسبیح پڑھنے کا نہیں، صرف سجدہ کرنے کا طریقہ نہیں، بلکہ اس نے تو نظام زندگی کو بھی واضح کر دیا، اور اس نے ہر شعبے میں انسان کی راہنمائی کی ہے، میرے محبوب ﷺ ضابطہ دے رہے ہیں کہ:

لَهٗ غُنْمُهٗ وَ عَلَيْهِ غُرْمُهٗ ...... مقروض نے بکری قرض خواہ کو رہن میں دی تھی، ابھی تک قرض واپس نہیں کیا، کئی سال گزر گئے اور بکری کے بچے پیدا ہوتے رہے، تو وہ بچے کس کے ہیں؟ اس طرح اونٹنی یا اونٹ جو رہن میں رکھا گیا تھا، قرض خواہ کے گھر

سے کھل گیا اس نے کسی کی بکری ماردی تو اب یہ تاوان کس کو دینا پڑے گا؟ یہ ساری صورتیں رسول اکرم ﷺ کے پیش نظر تھیں، اسی طرح زرخرید غلام بھی رہن میں رکھے جاسکتے ہیں، اگر کسی نے غلام رہن میں رکھا، قرض خواہ کے ہاں غلام نے کسی بندے کو جا کر قتل کر دیا، اب قتل خطا ہوگیا، اس کا تاوان کس پر پڑے گا؟ ان ساری چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَهُ غُنْمُهُ وَ عَلَيْهِ غُرْمُهُ ...... مقروض، جس نے قرض خواہ کے ہاں رہن رکھا تھا تو رہن کا سارا فائدہ اسی کے لیے ہے جو اصل میں بکری، یا اونٹ، یا بھینس کا مالک ہے، مرہونہ چیز میں جتنا اضافہ ہو وہ سارا اضافہ مالک کا ہوگا، وہ قرض دینے والے کا نہیں ہوگا، جس بکری نے کئی بچے دیئے وہ سارے کے سارے مالک کے ہوں گے، قرض خواہ پہ لازم ہے کہ وہ سارے مقروض کو واپس کرے، اگر مرہونہ چیز نے کسی کا نقصان کر دیا تو قرض خواہ سے تاوان نہیں لیا جائے گا، تاوان اس کے مالک مقروض سے لیا جائے گا۔

حقیقت میں یہ ساری چیزیں جس کی ہیں، وہ پیسے دے گا اور یہ چیزیں واپس لے لے گا یعنی شریعت نے کتنی باریکیاں بھی بیان کر دی ہیں۔

کوئی ایسا ضابطہ دنیا میں نہیں ملتا کہ جس نے ہر ہر جہت پر اتنی بحثیں کی ہوں اور اتنے قوانین وضع کیے ہوں اور اتنی ہدایات کی ہوں، یہ ساری چیزیں رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو دیں تو فرمایا کہ میں تمہیں ایسا دین دے کے جا رہا ہوں کہ:

لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا ...... اس کی رات بھی اتنی روشن کر دی ہے جتنا کہ دن روشن ہوتا ہے۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب العلم، ج:1، ص:175، رقم الحديث:331)

یعنی یہ نہیں کہ میرے ماننے والے یہ کہیں کہ ہمارے محبوب ﷺ حج کا طریقہ تو بتا گئے مگر یہ نہیں بتایا کہ رہن لینا کس طرح ہے اور رہن دینا کس طرح ہے، اس کی صورتیں کیا ہیں، ہمارے آقا ﷺ کی لاکھوں احادیث کا ذخیرہ امت کے پاس موجود ہے اور ہر ہر جہت کو بیان کرنے کا مطلب یہ تھا کہ جو میرے امتی ہیں، انہوں نے کسی اور سے بات نہیں پوچھنی، انہوں نے میرا فیصلہ پوچھنا ہے، میری سنت کو سامنے رکھنا ہے، دنیا کے معاملات میں سنت پہ چلیں گے تو اللہ تعالیٰ ڈھیروں اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

اس امت کو نظام زندگی میں وہ طریقہ دیا گیا جو طریقہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کا ہے تا کہ ان معاملات میں جب کوئی بندہ آگے بڑھ رہا ہو تو اس پر رسول اکرم ﷺ کی محبوبیت کا عکس پڑتا رہے۔

رہن کے ارکان وعناصر

ہر چیز کے ارکان ہوتے ہیں، جس طرح کہ نماز کے ارکان: قیام ایک رکن ہے، رکوع ایک رکن ہے، سجدہ ایک رکن ہے، ایسے ہی رہن کے بھی کچھ ارکان ہیں اور اس کے بھی کچھ عناصر ہیں۔

رہن کے چار (4) عناصر ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆......: راہن:

قرض لینے والا کوئی چیز اس (قرض) کے عوض میں رہن رکھے تو اس کو ''راہن'' کہتے ہیں۔

☆......: مرتہن:

جس کے پاس قرض کے بدلے میں کوئی چیز رہن رکھی گئی ہو تو اس کو ''مرتہن'' کہتے ہیں۔

☆......: مرہون:

وہ چیز جس کو مقروض نے قرض خواہ کے پاس رکھا ہو، اس کو ''مرہون'' کہتے ہیں۔

☆......: مرہون بہ:

وہ پیسے جن کے بدلے میں رہن رکھا جائے، ان کو ''مرہون بہ'' کہتے ہیں۔

رہن رکھنے والا راہن ہے اور رہن وصول کرنے والا مرتہن ہے اور جو چیز رہن رکھی جارہی ہے وہ مرہون ہے اور جن پیسوں کے بدلے میں رکھی جارہی ہے وہ مرہون بہ ہیں۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الفصل الثانی عشر، المبحث الأول: أحوال الرهن، ج 6، ص 64)

مثال:

زید نے عمرو سے دس ہزار روپے لیے اور اپنی ایک بکری اس کے پاس رہن رکھ دی، زید راہن ہے، عمرو مرتہن ہے، بکری مرہون ہے، اور دس ہزار روپے مرہون بہ ہیں۔

تو یہ رہن کے عناصر اربعہ ہیں، اس کی کوئی بھی صورتحال ہو سکتی ہے، پیسوں کا عوض کوئی چیز ہو سکتی ہے، کبھی کوئی مکان، دوکان، کپڑا اور کبھی کوئی دوسری چیز اس کے بدلے میں رہن رکھی جا سکتی ہے، لیکن ہر چیز کو رہن میں نہیں رکھا جا سکتا اس کے لیے کچھ شرائط ہیں جن کو شریعت میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

رہن کی شرائط

رہن کی متعدد شرائط ہیں، جن کو اب ہم وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں،

اول: شروط عاقدین

پہلی شرط: اہلیت:

عاقدین میں رہن کے لیے شرط اہلیت ہے یعنی راہن و مرتہن دونوں اس کے اہل ہوں، یعنی دونوں عاقل و سمجھ دار ہو، جو پاگل ہے وہ عقد نہیں کر سکتا، ایک نابالغ بچہ ہے تو اس

کے لیے بیع وشراء جائز نہیں ہے، اس کے لیے رہن کا عقد کرنا بھی جائز نہیں ہے، رہن کا عقد اس کے لیے جائز ہوگا جو قریب البلوغ ہے یا پھر بالغ ہے، جس کو امور کی سمجھ آچکی ہے، تو اہلیت شرعی جب اس میں موجود ہوگی تو پھر اس کو اجازت دی جائے گی کہ کسی کے ساتھ بھی عقد رہن کرسکتا ہے، ایسا معاملہ کرنا اس کے لیے جائز ہے۔

مرہون کی شرائط:

جس چیز کو رہن رکھنا ہے اس کی کڑی شرائط ہیں:

شرط اول:

☆ ......: أَنْ يَّكُوْنَ الْمَرْهُوْنُ قَابِلًا لِلْبَيْعِ ...... مرہون ایسی چیز ہو جو بیع کے قابل ہو یعنی وہ بیچی جاسکے۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الفصل الثانی عشر، المبحث الثانی: شروط الرهن، المطلب الرابع: شروط المال المرهون، ج:6، ص:83)

اگر کوئی ایسی چیز ہے جو بیچی نہیں جاسکتی تو اس کو کسی کے پاس رکھ کے قرض وصول نہیں کیا جاسکتا، اس کو مرہون نہیں بنایا جاسکتا۔

قابل بیع ہونے میں چند شرائط ہیں:

قابل بیع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وقت عقد وہ چیز بک سکتی ہو، جب معاملہ ہو رہا ہو اس وقت اگر وہ چیز فروخت ہوسکتی ہے تو پھر اس کو رہن رکھا جاسکتا ہے، ورنہ رہن میں نہیں رکھا جاسکتا۔

مثال:

قرض لینے والا یہ کہے کہ اس سال مالٹے کے باغ میں جو مالٹے لگیں گے وہ تیرے پاس

رہن رکھ رہا ہوں تو آپ مجھے ایک لاکھ روپے دے دیں تو اب شرعی طور پر یہ رہن رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کو رہن رکھا جارہا ہے وہ چیز بیچی نہیں جاسکتی کیونکہ وہ ابھی معدوم ہے، ابھی وہ موجود نہیں ہے، وہ موجود ہو تو پھر اس کی بیع ہو سکے گی، جو چیز موجود نہ ہو اس کی بیع نہیں ہو سکتی۔

آج ہمارے معاشرے میں یہ خرافات رائج ہیں اور حرام بیوع کی جاتی ہیں، جو چیز ابھی معرض وجود میں نہیں آئی اس کو شرعاً بیچنا ناجائز اور حرام ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ اس سال میری بکری جو بچہ دے گی وہ میں دو ہزار میں بیچ دیتا ہوں تو یہ بیع کرنا حرام ہے کیونکہ جس چیز کو ابھی وجود نہیں ملا اس کو بیچا نہیں جا سکتا۔

ایسے ہی ایک پرندہ ہوا میں اڑ رہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ پرندہ جو ہوا میں اڑ رہا ہے یہ میں تمہیں پکڑ دوں گا اور اس کے عوض تم مجھے دو ہزار روپے دے دو، یا سمندر میں مچھلیاں ہیں، میں سو (100) مچھلیاں تیرے پاس اتنے کی بیچ رہا ہوں، ابھی پکڑی نہیں ہیں تو یہ ساری بیوع حرام ہیں، اس واسطے کہ جس چیز کو بیچا جا رہا ہے وہ چیز اس وقت اگلے کے قبضے میں نہیں دی جاسکتی، یہ اس میں احتمالی صورتحال ہے، ابھی بعد میں پتہ چلے گا کہ وہ پکڑی بھی جاتی ہیں یا نہیں، وہ معرض وجود میں آتی ہے یا نہیں، فصل پکتی ہے یا نہیں، پھل لگتا ہے یا نہیں، وہ بکری صحیح بچہ جنم دیتی ہے یا نہیں، اس واسطے یہ ساری صورتیں جن میں بیع ناجائز ہے، ان چیزوں کو رہن میں رکھنا بھی ناجائز ہے۔

شرط ثانی:

☆......: أَنْ يَكُوْنَ مَالًا ...... وہ چیز مال بھی ہو۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الفصل الثانی عشر، المبحث الثانی: شروط الرهن، المطلب الرابع: شروط المال المرهون، ج 6، ص 84)

اب سوچ رہے ہوں گی کہ ایسے بھی دین کے موضوعات ہیں۔نصف حصہ دین کا معاملات سے تعلق رکھتا ہے، آج مسلمانوں میں جو انحطاط ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ وہ معاملات والا دین سرد خانے میں پڑا ہے، نماز اور روزے والا دین کچھ چل رہا ہے، باقی آدھا دین (معاذ اللہ) معطل کر کے رکھ دیا گیا ہے، نہ کوئی اس کے بارے میں پوچھتا ہے اور نہ اس کے بارے میں کوئی بتاتا ہے، وہ دین جو طائف کے بازار میں پتھر کھا کر سرکار ﷺ نے پیش کیا تھا، اگر ابو جہل جیسے لوگوں کو یہ سوجھی کہ وہ مکہ شریف سے چل کر بدر میں لڑے تو اس معاملاتی دین کی وجہ سے، نماز، روزے والا دین تو مکہ شریف میں مسلمانوں کا تھا اس وقت ان کو اتنا خطرہ محسوس نہیں ہوا لیکن جب مدینہ شریف میں سٹیٹ بن گئی اور معاملات والا دین بھی درمیان میں آ گیا، اور سلطنت کے احکام بنے تو اب ان کو پتہ چلا کہ جو فیصلے ہم کرتے تھے وہ فیصلے اسلام کر رہا ہے، ہماری چودھراہٹ داؤ پہ لگ گئی ہے، لہذا اس دین کو روکنا چاہیے، ورنہ کل یہ سارے معاملات اپنے کنٹرول میں کر لے گا۔

یعنی جس وقت سجدے خدا کو ہوتے تھے تو اس پر ابو جہل کو اتنا غصہ نہ آیا کہ ہمارے بتوں کو سجدے کیوں نہیں ہو رہے، ہم ان کو روکیں، مسلمان اُن کے گھروں کے پاس موجود تھے، اس وقت حملہ نہیں کیا لیکن وہاں بدر میں جب سفر کر کے پہنچا ہے تو ورد یہ ہو رہا تھا کہ یہ مسجد تک نہیں، یہ تو پوری دنیا میں اپنا نظام دینے والے لوگ آ گئے ہیں، مدینہ شریف میں سلطنت بنا دی ہے اور ہر چیز میں ان کے اپنے ضابطے ہیں، اب ہماری چودھراہٹ کو کون پوچھے گا؟ اب پنچایت ان کی ہوگی، فیصلے ان کے ہوں گے، نظام ان کا ہوگا، یہ اندرونی معاملہ ہے جو باطل قوتوں کو سب سے زیادہ چبھتا ہے یعنی آج

امریکہ جیسی جو سلطنتیں ہیں ان کو مسلمانوں کی نماز اور سجدے پہ اتنا افسوس نہیں ہے یا ان (نماز وسجدہ) کو دیکھ کر انہیں اتنا غصہ نہیں آتا جتنا وہ اسلام کے نظام سے الرجک ہیں۔

وہ نیو ورلڈ آرڈر پیش کرنے کی جسارت اس لیے کر رہے ہیں کہ یہ اسلام ایک آرڈر ہے، یہ محض ایک عقیدہ، یا مسجد کا دین نہیں ہے یہ دیگر معاملات کے نظام کو رائج کرنے والا دین ہے۔

اس واسطے آرڈر اور معاملہ دین کا بڑا اہم پہلو ہے، اور اس کو طاقِ نسیاں بنا کے رکھ دیا گیا ہے، جیسے (معاذ اللہ) کافر اپنا معاملہ کرتے ہیں، مؤمن کہتا ہے کہ میں بھی ویسا ہی کروں گا، اس کو پتہ ہی نہیں چل رہا کہ میں نے کلمہ پڑھ کے یہ عہد کر لیا ہے کہ جیسے اے اللہ! سجدے کر کے تجھے راضی کرنا ہے، ایسے ہی دوکان بھی تیری مرضی کے مطابق چلا کر تجھے راضی کرنا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واضح کر دیا ہے، یہ فقہاء کرام کا اس امت پہ احسان ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کی تفصیل کتنی کی ہے، ادھر شریعت میں اتنا آ گیا کہ تم کوئی چیز رہن میں رکھو اور پیسے لے لو، اب فقہاء کرام نے ایک حدیث سے شرطیں بیان کر دیں، سارے قرآن وسنت کے ضابطے سامنے رکھ کے امت کے لیے آسانی پیدا کر دی، اگر ہر بندہ جس نے کوئی چیز بطور رہن رکھنی تھی، وہ پڑھنے نکلتا، غور کرتا، مجتہد بنتا، بوڑھا ہو کے مر جاتا اور جو پڑھنا چاہتا تھا وہ معاملہ اس کو سمجھ نہ آتا، تو پھر معاملات کیسے چلتے؟، یہ ان فقہاء کرام کا احسان ہے، انہوں نے کتنی محنت کی، جگر پگھلایا:

کتنی پلکوں سے نمی مانگ کے لائی ہو گی
پیاس تب پھول کی شبنم نے بجھائی ہو گی

قرآن وسنت میں انہوں نے غوطے لگا کر دین کی تدوین کر کے ہر ہر مسئلہ ابواب کی شکل میں پیش کر دیا اور ساری دنیا اور وہ جو منکرینِ فقہ ہیں وہ بھی اس پکائی ہوئی کھیر کو کھاتے ہیں، اور گزارہ کرتے ہیں۔ ورنہ براہ راست ان سے پوچھا جائے کہ جو رہن جائز ہے، اس کی شرائط براہ راست بخاری سے دکھاؤ تو وہ شرائط دکھانے کی جسارت ہرگز نہیں کر سکیں گے کیونکہ وہ حدیث کا ٹیکسٹ پیش کر سکتے ہیں کہ یہ حدیث کا متن ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک چیز رہن میں رکھی ہے، آگے ان کی شرائط کیا ہوں گی؟ تو یہ ہزاروں احادیث کو سینے میں محفوظ کرنے والے فقہاء کا کام ہے، جنہوں نے قرآن وسنت کے زیر سایہ بیٹھ کر ہر ہر جزئی کو روشن کر کے بیان کر دیا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مرہون چیز اگر مال نہ ہو تو اس کو رہن نہیں رکھا جا سکتا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جو چیز بھی ہوتی ہے، وہ مال تو ہوتی ہی ہے، تو کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مال ہوتی ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مال نہیں ہوتی ہیں۔

مثال: مردار، یہ مؤمن کا مال نہیں ہے، وہ حرام ہے۔ وہی مردار جس پہ چمڑا بھی ہے، استعمال ہو سکتا ہے لیکن جب تک وہ زندہ تھا، اس کو ذبح نہیں کیا گیا تھا تو وہ ویسے ہی مر گیا ہے اب اس چمڑے کو ایسی حالت میں بیچنا حرام ہے کیونکہ وہ مال نہیں ہے، اس مرادر کو بیچنا اور اس کی ہڈیوں کو بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مال نہیں ہیں۔

اسی طرح شراب مؤمن کے لیے مال نہیں ہے، مؤمن نہ شراب رکھ سکتا ہے، نہ بیچ سکتا ہے، اور نہ ہی خرید سکتا ہے، شراب مؤمن کا مال ہی نہیں ہو سکتا، کافر کا مال ہو سکتا ہے۔

ایسے ہی حالت احرام میں حرم کا شکار کرنا ناجائز ہے تو وہ بھی کا مؤمن کا مال نہیں ہے، تو جو چیز رہن میں رکھی جائے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مال ہو، اگر وہ مال نہیں ہے تو

اس کو رہن میں رکھ کر قرض نہیں لیا جا سکتا ہے۔

شرط ثالث:

أَنْ يَكُوْنَ مُتَقَوَّمًا ...... وہ چیز مال متقوم ہے یعنی اس کی قیمت لگائی جا سکتی ہو۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الفصل الثانی عشر، المبحث الثانی: شروط الرهن، المطلب الرابع: شروط المال المرهون، ج 6، ص 85)

مثال: خنزیر، یہ مسلمانوں کے لیے مال متقوم نہیں ہے، اس کو رہن میں نہیں رکھا جا سکتا اور کوئی حلال چیز ہو تو اس کو رہن میں رکھا جا سکتا ہے۔

شرط رابع:

أَنْ يَكُوْنَ مَعْلُوْمًا ...... وہ چیز جس کو رہن میں رکھنا ہے، معلوم ہو۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الفصل الثانی عشر، المبحث الثانی: شروط الرهن، المطلب الرابع: شروط المال المرهون، ج 6، ص 85)

اگر وہ چیز معلوم نہیں ہے تو اس کو رہن نہیں رکھا جا سکتا۔

مثال:

قرض لینے والا کہے کہ میں تیرے پاس سونا رہن رکھتا ہوں تو مجھے دس ہزار روپے دے دے تو اب یہ معلوم نہیں ہے، مجہول ہے کیونکہ سونا رتی بھی ہو سکتا ہے، سونا تولہ بھی ہو سکتا ہے، سونا دس تولے بھی ہو سکتا ہے، تو کوئی چیز رہن رکھتے وقت بولنا لازم ہے کہ وہ کتنی چیز رہن رکھ رہا ہے، اگر پہلی والی جمیع شرائط اس میں موجود ہوں مگر مال معلوم نہ ہو تو پھر اسے رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ کوئی معاملہ ایسا نہ ہو کہ جس میں کل جھگڑا بن سکتا ہو، تو ساری

چیزیں پہلے طے ہونی چاہیں کہ کتنا سونا میں تیرے پاس رہن رکھوں گا اور کتنا قرض لوں گا، لہذا اگر وہ مرہونہ چیز معلوم نہیں ہے تو پھر بھی اس کو رہن میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

شرطِ خامس:

أَنْ يَكُوْنَ مَمْلُوْكًا لِلرَّاهِنِ ...... وہ چیز، جو راہن رہن کے طور رکھنا چاہتا ہے، وہ چیز راہن کے ملک میں ہو۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الفصل الثانی عشر، المبحث الثانی: شروط الرهن، المطلب الرابع: شروط المال المرهون، ج6، ص 86)

ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ چیز بھائی کی ہو اور وہ اٹھا کر دے آئے کہ یہ رہن میں رکھ لو، یہ چیز اس کے اپنے ملک میں نہیں تو اس کو رہن نہیں رکھا جا سکتا، باپ کی کوئی چیز اٹھا کے رہن رکھ آئے کہ تم یہ پاس رکھو اور اتنے پیسے مجھے دے دو، جب میں پیسے واپس کروں گا تو یہ چیز لے لوں گا تو شریعت کہتی ہے کہ ایسا کرنا ناجائز ہے کیونکہ رہن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی چیز ہو۔

اگر کسی کی چیز ادھاری لی ہوئی تھی وہ رہن میں رکھ آئے اور پیسے قرض میں لے لے تو یہ بھی جائز نہیں ہے، اس میں پانچویں شرط یہ ہے کہ جس چیز کو رہن میں رکھنا ہے وہ اس کے اپنے ملک میں ہو۔

شرط سادس:

أَنْ يَكُوْنَ مُفَرَّغًا ...... چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ چیز فارغ بھی ہو تو اس چیز کو رہن میں رکھا جا سکتا ہے۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الفصل الثانی عشر، المبحث الثانی: شروط الرهن، المطلب الرابع: شروط المال المرهون، ج6، ص:87)

مثال:

کھجور کا درخت کسی کے پاس رہن رکھنا چاہتا ہے اور اس پر کھجوریں اُس کی ہیں، کہتا یہ ہے کہ صرف درخت تمہارا ہے اور کھجوریں میری ہیں، اب چونکہ دونوں چیزیں آپس میں متصل ہیں۔

کھجوریں اور کھجور کا تنا آپس میں ملے ہوئے ہیں، کھجوریں کھجور سے چونکہ جدا نہیں تو اس درخت کو جدا کر کے رہن میں نہیں دے سکتا، اس واسطے فارغ چیز کو رہن میں رکھا جا سکتا ہے ورنہ ایسی چیز کو رہن میں نہیں رکھا جا سکتا۔

گندم خود کاشت کی ہوئی ہے، قرض لینے والا کہتا ہے کہ گندم میری ہے لیکن زمین تمہیں رہن میں دے رہا ہوں تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ وہ زمین فارغ نہیں ہے، گندم کاٹ لے یا گندم سمیت رہن میں رکھ لے تو اس صورت میں رہن رکھا جا سکے گا۔

شرط سابع:

أَنْ يَّكُوْنَ مُتَمَيِّزًا ...... ساتویں شرط یہ ہے کہ وہ چیز جس کو رہن رکھا جا رہا ہے وہ متمیز ہو اور اس میں امتیاز موجود ہو۔

(الفقه الاسلامي و ادلته، الفصل الثاني عشر، المبحث الثاني: شروط الرهن، المطلب الرابع: شروط المال المرهون، ج 6، ص :87)

اب آپ دیکھیں صرف ایک چھوٹا سا کام ہے، آج بندہ کہتا ہے کہ میں نے رہن چیز رکھنی ہے، میری مرضی ہے اور دوسرے بندے کی مرضی ہے، ادھر شریعت کی مرضی پوچھتے ہی نہیں کہ جس نے اتنے ضابطے معین کر رکھے ہیں، تو مرہونہ چیز متمیز ہو، اگر وہ متمیز نہ ہو تو اس کو رہن میں نہیں رکھا جا سکتا۔

مثال:

وہ کہے کہ میں آدھا گھر تجھے رہن میں دیتا ہوں لیکن اس کی وضاحت نہیں کرتا کہ کونسا حصہ رہن میں دے رہا ہے، تو وہ رہن میں نہیں رکھا جا سکتا، رہن تب ہو سکے گا کہ جس وقت آدھے کو ممتاز کر دے گا۔

شرط ثامن:

قَبْضُ الْمَرْهُوْنِ ...... جب کوئی رہن رکھنا چاہے تو یہ مکمل کیسے ہوگا، اس کی تکمیل ایجاب وقبول کے ساتھ اور قبضے کے ساتھ ہوگی۔

(الفقه الاسلامی و ادلته، الفصل الثانی عشر، المبحث الثانی: شروط الرهن، المطلب الرابع: شروط المال المرهون، ج 6، ص 88)

جس طرح کہ عقدِ نکاح ہوتا ہے، اس میں ایجاب وقبول ہوتا ہے، اسی طرح بیع وشراء میں ایجاب وقبول ہوتا ہے۔

جس وقت راہن کہے کہ مجھے اتنے پیسے دو، میں تمہارے ہاں فلاں چیز رہن رکھتا ہوں اور مرتہن کہے کہ ٹھیک ہے میں اس کو قبول کرتا ہوں، تو یہاں تک پہنچنے میں عقد پورا نہیں ہوا بلکہ ایک شرط اور بھی ہے اور وہ ہے قبضہ، وہ چیز جس کو رہن رکھ کے قرض لینا چاہتا ہے جب تک وہ قبضے میں نہیں آئے گی تو اس وقت تک رہن کا حکم لاگو نہیں ہوگا، جب وہ چیز مرتہن کے قبضے میں آجائے گی تو اب کہا جائے گا کہ رہن کا عمل شریعت کی روشنی میں مکمل ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو انسان کے لیے دنیا کی زندگی رکھی ہے اور اس کو آخرت کی کھیتی قرار دیا تو یہ بندے کا سارا امتحان ہے، ایک وہ بگھوڑا ہے جو کافر ہے، جس کا اسلام کے ساتھ

کوئی تعلق نہیں ہے، وہ اس کلاس کا سٹوڈنٹ ہی نہیں ہے، وہ جدھر بھاگتا ہے بھاگتا پھرے، اس سے تقاضا یہ ہے کہ وہ پہلے کلمہ پڑھے، جب کلمہ ہی نہیں تو وہ جہنمی ہے۔ مؤمن نے کلمہ پڑھ کر اس کلاس میں داخلہ لیا ہے، یہ اس کلاس کا سٹوڈنٹ ہے، یہ اپنے آپ کو اُس بھگوڑے کی طرح نہ سمجھے کہ وہ جو کچھ چاہتے ہیں کرتے پھرتے ہیں، انہیں جب کوئی پکڑ نہیں تو ہمیں کیوں پکڑ ہے؟، وہ تو جہنم کا ایندھن ہیں، اور تمہارے لیے رب نے جنت بنائی ہے، اس واسطے تمہیں یہ ضابطہ دیا ہے کہ جو کام کرنا ہے تم نے اپنی مرضی سے نہیں کرنا بلکہ اپنے خالق کی مرضی سے کرنا ہے، شریعت سے پوچھ کے جب دنیا بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو دین کا رنگ عطا فرما دے گا۔

مرہونہ چیز کے اخراجات کون برداشت کرے گا؟

مثال:

وہ بھینس جو دودھ نہیں دیتی، اگر دودھ دیتی ہوتی تو دودھ اور خرچے کا آپس میں موازنہ ہو جاتا، یا کوئی ایسی چیز ہے کہ جس کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے اور اس پر اخراجات بھی ہوتے ہیں، تو اس سلسلہ میں شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ اس چیز کے اخراجات دو طرح کے ہوں گے:

☆......اس کی دائمی بقا کے لیے،

☆......اس کی عارضی بقاء کے لیے،

عارضی بقاء یہ ہے کہ اس کو محفوظ جگہ پہ رکھنا، اس کو چور اٹھا کے نہ لے جائیں، اس کی رکھوالی کے لیے کوئی چیز رکھنا، کوئی نوکر رکھنا، تاکہ اس چیز کی حفاظت ہو سکے۔

دوسرا ہے اس کی دائمی بقاء کا بندوبست کرنا، مثلاً: جانور رہن رکھا گیا تو اس کے چارے کا

بندوبست کرنا، اس کے زندگی گزارنے کے جواخراجات ہیں وہ سارے پورے کرنا۔

تو شریعت میں اس کا فیصلہ یہ ہے کہ چونکہ وہ چیز اصل میں مالک کی ہے جس نے قرض لیا ہوا ہے تو اس کی حیات بچانے کے لیے جتنے بھی اخراجات ہیں وہ سارے مالک پر ہوں گے، وہ چیز مرتہن کے پاس رہے گی، اس کا حق ہے کہ یہ چیز واپس نہیں کرے گا جب تک کہ وہ قرض واپس نہیں کرتا، مقروض مرتہن کی منت کرتا رہے کہ میں نے جو ٹریکٹر تیرے پاس رکھا ہے ایک دن مجھے دیدے، میں اپنی زمین میں ہل چلالوں تو شریعت میں مرتہن کے لیے مالک کو ٹریکٹر دینا لازم نہیں ہے، مرضی ہے دے، مرضی ہے تو نہ دے، چونکہ رہن کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک اس (مرتہن) کو حق نہیں ملے گا وہ اس وقت تک چیز کو روک سکتا ہے، وہ مالک قرض دیئے بغیر اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔

مرتہن کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ راہن کی اجازت کے بغیر اس کو استعمال کرے، اسی طرح راہن کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہونہ چیز لے جائے۔

مرہونہ چیز مرتہن کے پاس رہے گی، اپنے طور پر اس چیز کو استعمال نہیں کرسکتا، اس کا حق صرف اس چیز کو روکنے کا ہے کہ وہ اس کو مالک کی طرف نہ جانے دے، جب تک کہ اپنا قرض واپس نہیں لے لیتا۔

ادھر مالک جو دستبردار ہوا ہے تو وہ اپنی چیز کے اس حق سے کہ میں یہ چیز تمہارے پاس رکھتا ہوں تم جب چھوڑو گے تو پھر میں لوں گا، ورنہ وہ ملک سے دستبردار نہیں ہوا، وہ چیز اس مالک کی ہے جس نے وہ چیز دے کے قرض لیا ہوا ہے، اگر وہ چیز زکوۃ کے زمرے میں آرہی ہے تو مالک کو زکوۃ کو دینا پڑے گی۔

دائمی حفاظت کے اخراجات مالک برداشت کرے گا اور جو عارضی حفاظت کے اخراجات ہیں وہ مرتہن برداشت کرے گا۔

مرہونہ چیز سے انتفاع

راہن نے جس چیز کو بطور رہن رکھا ہے اس سے انتفاع کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے، ہمارے عرف میں ایسے بہت سے دوکانوں اور مکانوں کے مسئلے ہیں جو شریعت مطہرہ سے سراسر سرکشی پہ مبنی ہیں۔

مثال:

عقد یہ ہوا تھا کہ میرا یہ مکان رہن میں لے لو اور اپنے پاس رکھو، سال کے بعد میں تمہیں پیسے دے دوں گا، مرتہن راہن سے پوچھے بغیر اس مکان میں رہائش نہیں رکھ سکتا اور نہ وہ کرایہ پہ دے سکتا ہے، شریعت نے اس کو حرام کر دیا ہے، صرف مرتہن اس کو روک کے رکھ سکتا ہے، اس کو تالہ لگا کے رکھ سکتا ہے تا کہ اس کو کوئی دوسرا استعمال نہ کرے، خود اس کو استعمال کرنا یا اس سے نفع اٹھانا مقروض کی مرضی کے مطابق ہوگا، یعنی اگر وہ اجازت دے دے تو پھر مرہونہ چیز سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے، اس کو استعمال کیا جا سکتا ہے، اور اگر راہن مرتہن کو اجازت نہ دے تو پھر اس بندے کے لیے جائز نہیں ہے کہ جس نے قرض دیا تھا، کیونکہ اس نے وہ قرض تو پورا واپس لینا ہے اور اگر اس کے ساتھ اس مکان کو بھی استعمال کر رہا ہے تو یہ ربا بن جائے گا، سودی کاروبار بن جائے گا اور یہ حرام کے زمرے میں آئے گا۔

ایسی بیسیوں صورتیں ہمارے ماحول میں دوکان، مکان کے لحاظ سے رائج ہو چکی ہیں۔

اس سلسلہ میں افسوس تو یہ ہے کہ کسی کو یہ سوچ نہیں ہے الا ماشاء اللہ کسی سے پوچھ لیں کہ ہم یہ حلال کر رہے ہیں یا حرام کر رہے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو شریعت نے ہماری مرضی پر چھوڑ دیا ہے کہ جیسے ہم آپس میں طے کر لیں، وہی ہوگا، حالانکہ شریعت

نے ہماری مرضی پہ نہیں چھوڑا، شریعت نے اپنی مرضی بتائی ہے کہ یہ یہ شرائط ہیں، ان شرائط کو پیش نظر رکھ کے جس وقت معاملہ طے کیا جائے گا تو اس میں انسان کی بہتری ہوگی اور انسان کو اس سے منافع ملیں گے۔

مرتہن راہن سے پوچھے بغیر مرہونہ چیز کو استعمال نہیں کرسکتا۔

مثال:

قیمتی چادر رہن میں رکھی گئی تھی، اوپر نہیں لے سکتا، کوئی اور چیز تھی اس کو بھی استعمال نہیں کرسکتا۔

ایسے ہی راہن اپنی چیز مرتہن کی اجازت کے بغیر اپنے پاس نہیں لے جاسکتا، اگرچہ مالک وہ ہی ہے لیکن مرتہن کی جب اجازت ہوگی تو پھر وہ اس کو لے جاسکتا ہے، شریعت میں یہ لازم نہیں کہ مرتہن راہن کو وہ چیز دے بلکہ اگر مرتہن اس کو روکنا چاہے تو روک لے، جب تک قرض واپس نہیں دیتا اس وقت تک یہ چیز اپنے پاس روک کے رکھے۔

اس سلسلہ میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ راہن نے مرتہن کے پاس کوئی چیز رکھی ہوئی تھی، اگر اس کی حفاظت میں مرتہن نے کوئی سستی کی اور وہ چیز چوری ہوگئی تو اب تاوان مرتہن پر ہوگا، اس قرض سے اس چیز کی قیمت منفی کردی جائے گی، اگر بھینس 20 ہزار کی تھی اور 20 ہزار قرض تھا، اس نے بھینس ایسی جگہ باندھی جہاں کوئی حفاظت نہ تھی، چور اس کو لے گئے، قرض دینے والا مقروض سے قرض نہیں مانگ سکتا کیونکہ اس نے اپنے عمل سے اس کی چیز کو ضائع کیا ہے۔

تو یہ ان مسائل کے مختلف پہلو ہیں اور بطور خاص رہن سے انتفاع کے لحاظ سے اور دیگر شرائط کے لحاظ سے ہیں، اپنے معمول کا ہر وقت جائزہ لیتے رہنا ہمارے لیے لازم ہے تا کہ ہمارا فرق برقرار رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عام کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں

دولت ایمان دی ہے، اس فرق کو عملی زندگی میں واضح کر دیں کہ ہمارے معاملات اور ہیں اور کافروں کے معمولات اور ہیں۔

اتباعِ حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ المیہ ہے کہ معاملات والا حصہ سرد خانے میں پڑا ہوا ہے، ادھر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صرف ایک مسئلہ کہا گیا تھا کہ ایک ہفتہ کے لیے لشکر اسامہ کو مؤخر کر دو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چند دن مجھے رہنے دو، ہو سکتا ہے کہ نئے قبیلے مرتد ہو جائیں اور مدینہ شریف پہ حملہ کر دیں تو ہم سارے شام میں ہوں گے تو مدینہ شریف غیروں کے قبضے میں چلا جائے گا، تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ:

میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے کر جائیں اور میں حکم کو چند دنوں کے لیے ملتوی کروں یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا،

وَاللّٰهِ أَنْ تَخْطِفَنِيَ الطَّيْرُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَبْدَأَ بِشَيْءٍ قَبْلَ أَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ...... اگر میں تنہا مدینہ شریف میں رہ جاؤں، اور مدینہ پر حملہ ہو جائے اور میں شہید ہو جاؤں، میرا بدن دفن کرنے کے لیے کوئی انسان باقی نہ بچے، میری ہڈیوں سے گوشت پرندے نوچ کے لے جائیں، مجھے یہ منظور ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے فرمان کو ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔

(الطبقات الكبرى، الطبقة الثانية من المهاجرين و الأنصار، ج:4، ص:67)

ایک فرمان معطل کرنا تو دور کی بات ہے، ملتوی کرنا صرف چند دنوں کے لیے بھی برداشت نہیں ہے، فرمایا: جان دے سکتا ہوں مگر یہ ملتوی نہیں ہو سکتا۔

اب آدھا دین جو ملتوی ہو گیا ہے اس کا کون ذمہ دار ہے؟ نظام مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو

صدیوں سے رائج ہے، قانون شریعت، نظام الٰہی صدیوں سے رائج نہیں اور مسلمان زندگی گزار رہے ہیں، آخر کل مؤاخذہ ہوگا کہ تم نے اس تھوڑے سے دین کو اپنا دین سمجھا اور دین کا بہت سا حصہ معطل کر دیا، انگریز کے نظام کو تم نے اپنی زندگی کا نظام بنائے رکھا، اس کے مطابق معاہدے اور فیصلے کیے، تھانے، کچہری کے معاملات ہوتے رہے، تو یہ ایک شدید مؤاخذہ ہے اس سے بچنے کے لیے ہمیں سوچنا چاہیے، جہاں تک انفرادی طور ان معاملات پر عمل ہوسکتا ہے وہ ضرور کریں اور اجتماعی عمل کی خاطر منصوبہ بندی کریں تاکہ ایسا طعنہ تاریخ امم میں نہ ہو اور کل ایسا مؤاخذہ نہ ہو کہ تمہارے کروڑوں کے ہوتے ہوئے میرا دین اجنبی بن گیا تھا، تم نے اس کے لیے کردار ادا کیوں نہ کیا، اس بات کا جواب بہت مشکل ہو جائے گا۔

اس واسطے ان معاملات کی سمجھ بھی ضروری ہے اور پھر ان پر عمل بھی لازمی ہے، وہ دوسری سکیمیں اور دوسرے منصوبوں سے ظاہری فائدہ ہوسکتا ہے مگر وہ فائدہ حقیقت میں نقصان ہے، نیکیوں کا بنک بیلنس اس سے ختم ہو جاتا ہے، کبھی کبھی بندے کا ایمان بھی لٹ جاتا ہے۔

اس واسطے ہمیں وہ سکیمیں عمل میں لانی چاہیں جو صاحب گنبد خضراء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان کی ہیں، اور ان کو اپنی امت کا نصاب زندگی قرار دیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس درس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمیں اپنے معاملات اچھے طریقے سے سمجھ کر ان کو بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر
7

ایک عدد نئی زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ

وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

فَانْظُرْ اِلٰى آثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

(سورة الروم، سورت نمبر 30، آیت نمبر 50)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ

آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِيْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ دعم نوالہ واعظم شانہ واتم برہانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر،

مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے ''ادارہ صراط مستقیم پاکستان'' کے زیر اہتمام ''فہم دین کورس'' میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

ایک عدد نئی زندگی

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے نئی زندگی عطا فرمائے اور ہمیں دونوں جہاں کی سعادتیں عطا فرمائے۔

آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ انسان کو ایک زندگی ملتی ہے اور جب سلسلہ تنفس ختم ہو جاتا ہے تو زندگی کا اختتام ہو جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک زندگی ہے جو ''بعث بعد الموت'' ہے، اور اس کے درمیان ''برزخ'' کا ایک سلسلہ ہے، تو دنیا میں ہوتے ہوئے کوئی نئی زندگی انسان کو کیسے میسر آسکتی ہے؟ آج یہی ہمارا موضوع ہے۔

قرآن مجید، برہان رشید کی متعدد نصوص اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجنوں فرامین اس سلسلہ میں موجود ہیں۔

جس وقت ایک انسان کفر سے اسلام کی طرف آتا ہے تو اس کی زندگی کو نئی زندگی قرار

دیا جاتا ہے اور پھر اسلام میں اس کی ترقی ہوتی ہے، اس میں عصیاں چھوڑتا ہے، یا گناہوں کی وجہ سے اس کی زندگی جو میلی کچیلی ہو چکی تھی، ان گناہوں کو چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نئی زندگی عطا کر دیتا ہے۔ تو تب بہت سے ایسے مراحل ہیں جہاں پر یہ لفظ استعمال کیا گیا کہ:

كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ...... تو وہ یوں ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

(صحیح البخاری، کتاب الحج باب: فضل الحج المبرور، ج:2، ص:553، رقم الحدیث: 1449)

اس لیے گناہوں سے چھٹکارا اور معصیت کے دھوئیں سے نجات اور غلطیوں کے غبار سے بچاؤ، یہ ایک نئی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بندہ مؤمن کو مختلف مراحل عطا فرمائے ہیں، اور رسول اکرم ﷺ نے ان کا متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا...... تو اللہ کی رحمت کے اثر دیکھو کیونکر زمیں کو جلاتا ہے اس کے مرے بیشک وہ مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے (القرآن الکریم، سورۃ الروم، رقم السورۃ: 30، رقم الآیۃ: 50)

تمہارے سامنے ایک زمین ویران اور کھنڈر کی شکل اختیار کر چکی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابر کرم برسا اور پھر وہ زمین ہری بھری ہو گئی، اس میں نکھار آ گیا، اس میں بہار کے جلوے آ گئے، اللہ تعالیٰ ایسی ظاہری مثالیں دے کر باطن کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ جیسے تم اس زمین کی زندگی، جو اس کی موت کے بعد ہے، اس کا مشاہدہ کر رہے ہو کہ اس کے ویران ہونے کے بعد پھر بہاروں کا سلسلہ آ گیا، ایسے ہی اللہ تعالیٰ دلوں کی زمینوں کو بھی زندگی عطا فرماتا ہے اور اس زندگی کے مختلف مراحل ہیں، کبھی کفر کے

بعد اسلام سے زندگی دیتا ہے، اور کبھی فسق و فجور سے رہائی کے بعد تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ اس انسان کو ایک نئی زندگی سے سرفراز فرماتا ہے۔

اسلام ایک نئی زندگی

اس سلسلہ میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا فرمان موجود ہے، جب وہ وقتِ وصال رو رہے تھے تو بیٹوں نے پوچھا کہ آپ کو اللہ کی دی ہوئی سعادتیں میسر ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بہت سی بشارتیں عطا فرمائی ہیں تو اس وقت کیوں رو رہے ہیں؟

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچا اور میں نے اپنی طرف سے رغبت کا اظہار کیا کہ میں کلمہ پڑھنا چاہتا ہوں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہاتھ آگے کیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرو! تم نے خود کہا کہ میں بیعت کرنا چاہتا ہوں، جب میں نے ہاتھ آگے کیا ہے تو تم نے ہاتھ پیچھے کیوں کرلیا ہے؟

تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا کہ:

أَرَدتُّ أَنْ أَشْتَرِطَ ...... میں مشروط طریقے سے اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں،

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

تَشْتَرِطُ بِمَا ذَا ...... تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں تب اسلام قبول کروں گا جب میرے پہلے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ:

أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ...... تمہیں پتہ نہیں کہ اسلام کہتے کسے ہیں؟ جب اسلام آتا ہے تو پہلے سارے داغ دھل جاتے ہیں، سارے دھبے صاف ہو جاتے ہیں، اور گناہوں کی ساری میل اور ساری سیاہی اتر جاتی ہے، اسلام سے بندے کو نئی زندگی مل جاتی ہے، لہذا اگر تم شرط نہ بھی لگاؤ تو یہ اسلام کا اپنا مقام ہے اور اس کی عظمت ہے کہ جس وقت بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سارے ماضی کے گناہوں سے بالکل پاک وصاف فرما دیتا ہے۔

ہجرت ایک نئی زندگی

ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا ...... ہجرت ایک ایسا عمل ہے کہ جس کی وجہ سے بندے کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں،

اس نے راہِ حق میں خدا کے لیے ہجرت کی تو اس سے پہلے جتنے گناہ تھے وہ سارے کے سارے ختم ہو گئے ہیں۔

حج ایک نئی زندگی

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ...... اور حج بھی ایسا عمل ہے کہ جس کی وجہ سے بندے کے پہلے سارے گناہ مٹ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو ایک نئی زندگی عطا فرما دیتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: کون الاسلام یھدم ما قبلہ و کذا الھجرۃ و الحج، ج:1، ص:78، رقم الحدیث: 336)

اس حدیث شریف میں جو پہلے نمبر پہ نئی زندگی بیان کی گئی، اس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں یہ سعادت حاصل ہے کہ ہم شروع سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے ماننے والے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پہ یقین رکھنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان ہماری ماؤں کے دودھ میں ہی عطا فرما دیا، اس لحاظ سے کوئی ایسا وقت ہم پہ نہیں گزرا جو حالت کفر میں ہو کہ کفر کو چھوڑ کر، اسلام لا کر نئی زندگی حاصل کی جائے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں شروع سے ہی ایمان والی زندگی عطا فرمائی ہے۔

اس کا اگلا مرحلہ یہ ہے کہ اسلام کے ہوتے ہوئے بندے سے گناہ ہو جاتے ہیں، فسق و فجور ہو جاتا ہے، غفلت ہو جاتی ہے، نمازیں رہ جاتیں ہیں، مختلف قسم کی آلودگیوں سے انسان کا آئینہ دل دھندلا ہو جاتا ہے تو جس وقت بندہ ان گناہوں کو چھوڑتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو انسان کا آئینہ دل صاف ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کو نئی زندگی عطا فرماتا ہے۔

پھر اس کے بعد ہجرت ہے، اس کا بھی موقع میسر نہ ہو، جس طرح کہ اب ہم جہاں رہتے ہیں، یہ دار الاسلام ہے، یہاں سے ہجرت کر کے کہیں جانے کا جواز ہی نہیں ہے کہ جس کو ہجرت فی سبیل اللہ کہا جائے۔

اس کے بعد وہ مرحلہ جس سے نئی زندگی ملتی ہے، وہ حج کا مرحلہ بیان کیا گیا ہے، حج ایسی مقدس ادا ہے اور اتنی بڑی عبادت ہے کہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج

نے ارشاد فرمایا کہ:

أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ...... تمہیں پتہ نہیں کہ اسلام کہتے کسے ہیں؟ جب اسلام آتا ہے تو پہلے سارے داغ دھل جاتے ہیں، سارے دھبے صاف ہو جاتے ہیں، اور گناہوں کی ساری میل اور ساری سیاہی اتر جاتی ہے، اسلام سے بندے کو نئی زندگی مل جاتی ہے، لہٰذا اگر تم شرط نہ بھی لگاؤ تو یہ اسلام کا اپنا مقام ہے اور اس کی عظمت ہے کہ جس وقت بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سارے ماضی کے گناہوں سے بالکل پاک وصاف فرما دیتا ہے۔

ہجرت ایک نئی زندگی

ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا ...... ہجرت ایک ایسا عمل ہے کہ جس کی وجہ سے بندے کے پہلے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں،

اس نے راہِ حق میں خدا کے لیے ہجرت کی تو اس سے پہلے جتنے گناہ تھے وہ سارے کے سارے ختم ہو گئے ہیں۔

حج ایک نئی زندگی

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ...... اور حج بھی ایسا عمل ہے کہ جس کی وجہ سے بندے کے پہلے سارے گناہ مٹ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو ایک نئی زندگی عطا فرما دیتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: کون الاسلام یھدم ما قبلہ و کذا الھجرۃ و الحج، ج:1، ص:78، رقم الحدیث: 336)

اس حدیث شریف میں جو پہلے نمبر پہ نئی زندگی بیان کی گئی، اس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمیں یہ سعادت حاصل ہے کہ ہم شروع سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے ماننے والے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پہ یقین رکھنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان ہماری ماؤں کے دودھ میں ہی عطا فرما دیا، اس لحاظ سے کوئی ایسا وقت ہم پہ نہیں گزرا جو حالت کفر میں ہو کہ کفر کو چھوڑ کر، اسلام لا کر نئی زندگی حاصل کی جائے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں شروع سے ہی ایمان والی زندگی عطا فرمائی ہے۔

اس کا اگلا مرحلہ یہ ہے کہ اسلام کے ہوتے ہوئے بندے سے گناہ ہو جاتے ہیں، فسق و فجور ہو جاتا ہے، غفلت ہو جاتی ہے، نمازیں رہ جاتیں ہیں، مختلف قسم کی آلودگیوں سے انسان کا آئینہ دل دھندلا ہو جاتا ہے تو جس وقت بندہ ان گناہوں کو چھوڑتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو انسان کا آئینہ دل صاف ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کو نئی زندگی عطا فرماتا ہے۔

پھر اس کے بعد ہجرت ہے، اس کا بھی موقع میسر نہ ہو، جس طرح کہ اب ہم جہاں رہتے ہیں، یہ دارالاسلام ہے، یہاں سے ہجرت کر کے کہیں جانے کا جواز ہی نہیں ہے کہ جس کو ہجرت فی سبیل اللہ کہا جائے۔

اس کے بعد وہ مرحلہ جس سے نئی زندگی ملتی ہے، وہ حج کا مرحلہ بیان کیا گیا ہے، حج ایسی مقدس ادا ہے اور اتنی بڑی عبادت ہے کہ حضرت سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج

کرنے گیا، حج کے دوران اس نے کوئی گناہ نہیں کیا، کوئی فسق نہیں کیا تو اس حال میں لوٹا کہ جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الحج باب: فضل الحج المبرور،

ج:2، ص:553، رقم الحدیث: 1449)

کیونکہ بندے کا جو یوم ولادت ہوتا ہے وہ اس کی اس دنیا پر حسی زندگی کا آغاز ہے، جیسے اس دن سے اس کی عمر شمار ہوتی ہے کہ یہ ایک دن کا ہو گیا ہے، ایک ہفتے کا ہو گیا، یا ایک مہینے کا ہو گیا یا ایک سال کا ہو گیا ہے، اس لحاظ سے تمہاری زندگی کب سے شروع تھی، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نئی زندگی عطا فرمائی ہے کہ تم جس وقت حج بیت اللہ کر کے واپس آرہے ہو تو یوں لوٹ رہے ہو جیسے آج ہی تمہیں تمہاری ماں نے جنم دیا ہے یعنی جس طرح اس دن تمہارے کندھوں پر کوئی عصیاں کا بوجھ نہیں تھا اور تمہارے نامہ اعمال میں کوئی سیاہی نہیں تھی اور تمہارے کردار پر کوئی داغ نہیں تھا، جس دن تمہاری ولادت ہوئی اس دن تمہارا کردار پھولوں کی طرح معطر تھا، اس وقت تمہارا نامہ اعمال بالکل ستھرا تھا، اس پر کسی طرح کا کوئی دھبہ موجود نہیں تھا، اب اسلام نے تمہیں گولڈن چانس دیا ہے کہ جس وقت تم حج کر کے واپس لوٹ رہے ہو تو یہ ایک نئی زندگی ہے۔

كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ...... تو وہ یوں ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

رسول اکرم ﷺ نے جہاں پورے حج کا اس طرح نئی زندگی کی شکل میں اجر و ثواب بیان کیا، وہاں رسول اکرم ﷺ نے طواف کی مقدار پر بھی نئی زندگی کے ملنے کا اعلان کیا ہے۔

یہ اس شریعت مطہرہ کے دروازوں کی بہار ہے کہ جابجا رسول اکرم ﷺ نے ایسے

مواقع کا ذکر کیا تا کہ کسی نہ کسی طرح انسان کو رغبت پیدا ہو اور وہ اپنی پرانی زندگی کو چھوڑے، غفلت، کوتاہی، گناہوں کی آلودگی کو چھوڑ کر نیکی والی نئی زندگی حاصل کرے، اور اس کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ نے اس کے ذرائع کو بھی بیان کیا۔

طواف ایک نئی زندگی

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ خَمْسِينَ مَرَّةً خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ...... جس نے خانہ کعبہ کا پچاس (50) مرتبہ طواف کیا یعنی حج کے سوا بھی اس نے بیت اللہ کا پچاس مرتبہ طواف کیا تو سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ ...... اس کے گناہ جھڑ گئے اور وہ گناہوں سے باہر نکل آیا، اس کے گناہ بالکل صاف ہو گئے،

كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ...... تو وہ یوں ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

(جامع الترمذی، کتاب الصوم، باب: فضل الطواف ج:3، ص:219، رقم الحدیث: 866)

یعنی ایک انسان نے بیت اللہ شریف کے گرد پچاس مرتبہ چکر لگائے ہیں تو اس کو بھی نئی زندگی کا پراسس قرار دیا گیا ہے کہ اس کو نئی زندگی مل گئی ہے، پورا حج تو اپنی جگہ رہا، عمرہ اپنی جگہ رہا، اس بیت اللہ کا اتنا مقام ہے کہ جس نے پچاس مرتبہ اس کے گرد چکر لگائے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو ایک نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔

بیت المقدس میں نماز ایک نئی زندگی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَمَّا بَنٰی بَیْتَ الْمُقَدَّسِ ...... جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کو تعمیر کیا،

سَأَلَ اللّٰہَ عزوجل خِلَالًا ثَلَاثًا ...... اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا کہ اے اللہ! میں نے مقدس مقام تعمیر کر دیا ہے، اور اب میں تجھ سے تین دعائیں مانگ رہا ہوں، مجھے وہ تین چیزیں عطا فرمادے،

سَأَلَ اللّٰہَ عزوجل حُکْمًا یُصَادِفُ حُکْمَہٗ فَأُوْتِیَہٗ ...... پہلی دعا یہ ہے کہ مجھے قوت فیصلہ عطا فرما، جو بھی میں فیصلہ کروں وہ تیری رضا کے مطابق ہو اور ایسا فیصلہ نہ کروں جس سے تو ناراض ہو جائے۔

یعنی مجھے اس انداز سے فیصلہ کرنے والا بنا کہ میری قوت فیصلہ بڑی منفرد قوت ہو، مجھے فیصلہ کرتے وقت کوئی غلطی نہ لگے اور میں ہو بہو وہی فیصلہ کروں جو تیرے نزدیک طے شدہ ہو، مجھے اس انداز کی قوت فیصلہ عطا کر دے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انداز کی قوت فیصلہ عطا کر دی،

وَسَأَلَ اللّٰہَ عزوجل مُلْکًا لَا یَنْبَغِیْ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ فَأُوْتِیَہٗ ...... دوسری دعا یہ ہے کہ میری ایسی حکومت ہو کہ میرے بعد ایسی حکومت کسی کی نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی حکومت بھی عطا فرمادی،

وَسَأَلَ اللّٰہَ عزوجل حِیْنَ فَرَغَ مِنْ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ ...... تیسری دعا اس وقت کی جب

بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہو چکے تھے تو بطور خاص مسجد کے لیے بھی ایک دعا مانگی۔

وہ مسجد اقصیٰ جو آج یہودیوں کے تسلط میں ہے اور مسلم امہ اس کو دیکھنے اور اس کی زیارت کے لیے ترستی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ وہ دن لائے کہ یہ مسجد مسلمانوں کے لیے کھول دی جائے اور امت کے بیٹے اس میں نماز بھی ادا کریں اور اس کی زیارت بھی کر سکیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی، وہ یہ تھی کہ:

أَن لَّا يَأْتِيَهُ أَحَدٌ لَّا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ فِيهِ أَنْ يُّخْرِجَهُ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّــهُ ...... جو بندہ بھی اس مسجد میں صرف ایک نماز پڑھنے کی غرض سے آئے، خواہ وہ دنیا کے کسی دور کے مقام سے آیا ہو یا قریب کی جگہ سے آیا ہو، کسی دور ملک سے چل کے آیا ہے یا کسی قریب والے ملک سے چل کے آیا ہے تو اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ جس وقت وہ اس مسجد سے نماز پڑھ کے باہر نکلے تو اس کی صورتحال یہ ہو کہ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ...... تو وہ یوں ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا

(سنن النسائي، كتاب المساجد، باب: فضل المسجد الأقصى و الصلاة فيه

ج:2، ص:34، رقم الحديث: 693)

یہ مسجد اقصیٰ کی فضیلت ہے جو اس کو عطا کر دی گئی اور یہ بھی نئی زندگی پانے کا ایک طریقہ ہے، حیات نو یہاں بھی موجود ہے کہ جس وقت ایک انسان مسجد اقصیٰ کے سفر میں گیا، نماز پڑھنے کی خاطر وہاں پہنچا، نماز پڑھ کے نکلا ہے تو اس مسجد کے اعزاز کے پیش نظر اس کو یہ مقام دے دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پہلے سارے گناہوں کو یوں معاف کیا کہ:

كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ...... تو وہ یوں ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

روزہ ایک نئی زندگی

رسول اکرم ﷺ انسان کو گھر بیٹھے ہی نئی زندگی پانے کے طریقے بتا رہے ہیں، ان میں سے ایک طریقے سے امت گزر رہی ہے (چونکہ فہم دین کورس رمضان المبارک کی پرکیف ساعتوں میں ہوتا ہے اس لیے یہ کہا گیا ہے کہ ''ان میں سے ایک طریقے سے امت گزر رہی ہے یعنی وہ طریقہ رمضان المبارک کا ہے)، وہ کیا ہے؟

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ ...... ایمان کی حالت میں طلب ثواب کے لیے جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے ہیں اس کے پہلے سارے گناہوں کو بخش دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب: صوم رمضان احتسابا من الایمان، ج:1، ص:22، رقم الحدیث: 38)

اگر یہ لفظ ڈھونڈنے ہوں کہ:

کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ ...... تو وہ یوں ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا، تو اس میں مزید تھوڑی سی کوشش کی ضرورت ہو گی، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالَ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ ...... جس بندے نے رمضان کے روزے رکھے اور رمضان کے بعد شوال کے بھی چھ روزے رکھے وہ گناہوں سے یوں نکل گیا جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔

(المعجم الأوسط، من اسمہ مسعود، ج:8، ص:275، رقم الحدیث: 8622)

یعنی نئی زندگی پانے کے کتنے چانسز ہیں، انسان روتا ہے کہ ایک ہی زندگی ہے اور وہ پرانی ہو چکی ہے اور وہ گناہوں میں دب چکی ہے لیکن اللہ کا فضل کتنا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کو وہ زندگی عطا فرماتا ہے جو پہلے دن تھی، جب تم ماں کی گود میں آنکھ کھول رہے تھے اور اس وقت تمہاری چادر گناہوں سے صاف تھی اور شفاف تھی، اب رمضان کے روزے رکھ کے شوال کے مہینے میں کوئی چھ روزے رکھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کو یہ مرتبہ عطا فرمائے گا کہ وہ گناہوں سے اس قدر پاک اور ستھرا ہو جائے گا کہ جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید اس کے آگے بندوں کے لیے آسانیاں پیدا کیں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا ابر کرم ہے جو برستا ہے تو برستا ہی چلا جاتا ہے۔ یعنی ایسا نہیں کہ کوئی یہ کہہ رہا تھا کہ پہلے کافر تھا، اب میں کلمہ پڑھتا ہوں، یہ رب کا فضل ہے کہ کفر پر وقت ہی نہیں گزرا، شروع سے ہی ایمان پہ گزرا ہے۔

کوئی سوچ رہا تھا کہ اب ہجرت کا تو زمانہ نہیں، ہجرت کر کے جاؤں تو کہاں سے، یہ تو دارالاسلام ہے، نئی زندگی مجھے کیسے ملے گی؟

کوئی سوچ رہا تھا کہ حج کے لیے تو پیسے نہیں ہیں، جاتا تو کرتا اور نئی زندگی مل جاتی، اب میرے پاس حج کے لیے زادراہ ہی نہیں ہے؟

کوئی کہتا میں پچاس طواف تو کر لیتا مگر جاؤں کیسے کہ جا کر میں طواف کروں اور گناہوں سے بری جاؤں اور نئی زندگی مل جائے؟

کوئی کہہ رہا تھا کہ بیت المقدس پر تو یہودیوں کا تسلط ہے وہاں پر کیسے جا سکتا ہوں، ہماری حکومت نے تو اسرائیلی حکومت کو تسلیم ہی نہیں کیا تو میں جاؤں تو وہاں کیسے جاؤں؟

میرے محبوب ﷺ نے گھر بیٹھے بندے کو رمضان کے روزے بتائے اور چھ روزے شوال کے بتائے، پھر فرمایا تمہیں اس کے سوا بھی گھر بیٹھے نئی زندگی مل سکتی ہے۔

کفارات میں ایک نئی زندگی

جب رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ:

فِيْمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَاءُ الْاَعْلٰى ...... اے محبوب ﷺ! تم یہ بتاؤ کہ ملاءِ اعلیٰ اس وقت کیا کر رہے ہیں،

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا ...... اے اللہ! میں نہیں جانتا،

تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا، تو میں نے اس کی ٹھنڈک سینے میں محسوس کی تو:

فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ...... جو کچھ زمین میں تھا اور جو کچھ آسمانوں میں تھا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا علم مجھے عطا فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے پھر پوچھا کہ اے محبوب ﷺ! وہ فرشتے اس وقت کیا کر رہے ہیں، اب سرکار ﷺ نے جواب دیا کہ

فِي الْكَفَّارَاتِ ...... وہ ان اعمال کے بارے میں بحث کر رہے ہیں جن سے بندے کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

یعنی گناہگار ہو چکا تھا اور گناہوں سے جھک رہا تھا، گٹھریاں بڑی بھاری تھیں، کندھے تھک چکے تھے، وہ کون سا عمل ہے جس سے بندہ ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے اور سبکدوش ہو

جاتا ہے اور گناہوں کی گٹھریاں نیچے گر جاتی ہیں، اس کا نامہ اعمال بالکل گناہوں سے صاف ہو جاتا ہے، فرشتے اس بارے میں سوچ و بچار کر رہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اجمالی جواب دیا، پھر وضاحت کے ساتھ جواب دیا اور ان کو بیان کیا کہ وہ کیا کیا چیزیں ہیں جن سے گناہ مٹ جاتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلْمُکْثُ فِی الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ ...... نماز پڑھ کے مسجد میں بیٹھے رہنا، یہ ایسا عمل ہے جس سے بندے کے گناہ جھڑ جاتے ہیں،

وَ الْمَشْیُ عَلَی الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَاتِ ...... قدموں پہ چل کے جماعت میں جا کر شریک ہو جانا، یہ ایسا عمل کہ جن سے گناہ جھڑ جاتے ہیں،

وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ فِی الْمَکَارِہِ ...... اچھی طرح پانی بہا کر وضو کرنا، ایسا عمل ہے کہ جس سے بندے کے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں،

پھر فرمایا کہ:

وَ مَنْ فَعَلَ ذَالِكَ ...... جو بندہ یہ کام کرے،

یعنی نماز پڑھے، اور پھر مسجد میں بیٹھا رہے، اور جو قدموں پہ چل کے جماعت میں شریک ہو جائے اور جو شدید ٹھنڈے موسم میں بھی اچھی طرح وضو کرے اور اس کام پر جو بندہ دوام اختیار کرے، ہمیشہ ایسا کرتا رہے، تو پھر کیا ہوگا؟

عَاشَ بِخَیْرٍ ...... زندہ رہے گا تو خیر سے زندہ رہے گا،

وَمَاتَ بِخَیْرٍ ...... فوت ہوگا تو خیر سے فوت ہوگا،

یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ روح بدبودار ہو چکی ہو، جس طرح بعض لوگوں کی روحیں ایسی ہو

جاتی ہیں کہ فرشتے قبض کرتے ہوئے بھی نفرت کرتے ہیں،

عَاشَ بِخَیْرٍ وَ مَاتَ بِخَیْرٍ ...... جس نے یہ کام کیے تو وہ خیر سے زندہ رہے گا اور خیر کے ساتھ فوت ہوگا۔

ان کے لیے بیت اللہ شریف میں جانا ضروری نہیں ہے اور ان کے لیے مسجد اقصی میں جانا ضروری نہیں ہے، اپنے محلے کی مسجد میں انسان گھر سے چلا ہے اور جا کر صحیح العقیدہ امام کے پیچھے نماز ادا کی ہے، پھر اس کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتا ہے، اور وضو اچھے طریقے سے کرتا ہے تو یہ بندہ زندہ رہے گا تو خیر کے ساتھ زندہ رہے گا، فوت ہوگا تو خیر کے ساتھ فوت ہو جائے گا،

وَ کَانَ مِنْ خَطِیْئَتِهٖ کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ...... اور اپنے گناہوں سے یوں باہر نکل آئے گا جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب: تفسیر القرآن باب: سورۃ ص، ج:5، ص:366، رقم الحدیث: 3233)

اس میں مکمل وظیفہ بتا دیا کہ جو قدموں پہ چل کے نماز میں شریک ہو، جو نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جائے، اور پھر وضو اچھے طریقے سے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔

دو رکعت نوافل میں نئی زندگی

ہمارے آقا ﷺ نے اس سے آگے مزید آسان نصاب بیان کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وضو کا طریقہ سکھایا تو ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ هٰذَا ...... جو وضو کرے اس وضو کی طرح،

یعنی میرے طریقے کے مطابق جس نے وضو کیا کیونکہ عام امتی کا وضو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے برابر نہیں ہوسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا مقام اور ہے، ہمارے وضو کا مقام اور ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو وضو کے اندر میں ترتیب دے رہا ہوں، جن اعضاء کو میں دھونے کا حکم دے رہا ہوں اور جن کے مسح کا حکم میں دے رہا ہوں، اس طرح میرے طریقے کے مطابق جو وضو کرے،

ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ...... پھر دو رکعتیں ادا کرے، مگر شرط یہ ہے کہ:

لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ ...... ان دو رکعتوں میں اپنے دل میں باتیں نہ کرے، یعنی دوران نماز اس کو کوئی خیال نہ آئے تو:

غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ...... اس سے پہلے اس کے جتنے گناہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے، بخش دیا ہے اور اس کے گناہوں کو مٹا دیا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب: الوضوء ثلاثا ثلاثا، ج:1، ص:71، رقم الحدیث: 158)

تو یہ ایک انداز ہے نئی زندگی کے معمول کا، ان اعمال سے بندے کو نئی زندگی ملتی ہے، بندے کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ کافر لوگ کفر میں ہی رہیں گے اور ان کی ایک ہی زندگی ہے، دوسری کوئی زندگی نہیں ہے، اسی میں رہیں گے اور اسی ایک ہی زندگی میں ہی چلے جائیں گے اور ان کو کسی نئی زندگی کا مزہ میسر نہیں آئے گا، لیکن یہ مؤمن کی شان ہے کہ جب وہ ایک کوشش کرے گا تو پہلے سارے گناہ مٹ جائیں گے اور نامہ اعمال دھل جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس بندے کو نئی زندگی عطا فرمائے گا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے سفر کے دوران ایک مقام پہ گفتگو فرما رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی گفتگو کو سن

رہے تھے، ایسے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ قَامَ اِذَا اسْتَقَلَّتِ الشَّمْسُ ...... جس وقت سورج باہر نکل آئے اور چمکنا شروع کردے، مکروہ وقت ختم ہوجائے تو ایسے میں جو بندہ وضو کرے،

فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ...... اور اس نے اچھے طریقے سے وضو کیا،

ثُمَّ قَامَ ...... پھر وہ کھڑا ہو گیا،

فَصَلّٰی رَكْعَتَيْنِ ...... اس نے دو رکعتیں ادا کیں،

غُفِرَ لَهٗ خَطَايَاهُ فَكَانَ كَمَا وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ...... اس کے گناہوں کو بخش دیا گیا اور وہ یوں ہے کہ جیسے ابھی اس کو اس کی ماں نے جنم دیا ہے۔

(مسند أبي يعلى الموصلي، مسند عمر بن خطاب رضي الله عنه ج:1، ص:213، رقم الحديث: 249)

نئی زندگی ملنے کے کتنے چانسز ہیں، روزانہ نئی زندگی مل سکتی ہے، ادھر نیا سورج طلوع ہوا ہے تو ادھر شریعت نے نئی زندگی کا طریقہ بھی عطا کر دیا ہے، ادھر سورج چمک رہا ہے تو ادھر بندہ مؤمن اٹھا اور وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان نوافل کی اس کو وہ برکت عطا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گناہ معاف کر کے ایسا بنا دیا ہے کہ گویا اس کو اس کی ماں نے ابھی جنم دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نئی زندگی پانے کا نسخہ کیمیا دیا، اس میں کچھ صورتیں ایسی ہیں جس میں صرف بندے کی نیت کا دخل ہے، اگر وہ نیت قائم رکھے تو اس کو نئی زندگی مل جاتی ہے۔

جسمانی بیماری نئی زندگی کا سبب

حضرت شداد رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ عزوجل يَقُوْلُ اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِيْ ...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا

ہے کہ میں جب کسی بندے کو کسی بیماری میں مبتلا کرتا ہوں،

مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنًا ...... اپنے بندوں میں سے کسی مؤمن کو بیمار کروں تو وہ بیمار ہو کے ہائے ہائے نہ کرے، شکایت نہ کرے، شکوے نہ کر،

فَحَمِدَنِيْ عَلٰى مَا ابْتَلَيْتُهٗ ...... میں نے بندے کو بیمار کیا تو اس نے میری حمد بیان کی کہ اللہ کی مرضی ہے، میں اس کی رضا پہ راضی ہوں،

فَإِنَّهٗ يَقُوْمُ مِنْ مَّضْجَعِهٖ ...... جب وہ صحت مند ہو کے اپنی چارپائی سے اٹھتا ہے،

كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ ...... تو وہ یوں ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

(المعجم الكبير، باب الشين، شداد بن أوس الأنصاري، ج:7، ص:279، رقم الحديث: 7152)

یہ بیماری اس کے لیے کتنی بڑی رحمت بن گئی، اس مؤمن نے بیمار ہونے کے بعد صبر کیا، رب سے شکوے اور شکایتیں نہیں کی ہیں بلکہ اللہ کی حمد بیان کی ہے، اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اس کے ہر دن کو، ہر رات کو، ہر گھنٹے کو، ہر منٹ کو اور ہر سیکنڈ کو کہ میں نے اس کو آزمائش میں ڈالا ہے، یہ میرا بندہ میرے شکوے اور شکایتیں نہیں کرتا، صبر کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی زندگی دی؟ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کو اللہ نے حسی زندگی دی ہے لیکن جب وہ بستر سے اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوسری زندگی بھی عطا فرما دیتا ہے:

كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ ...... تو وہ یوں ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا کہ اس کے کندھوں پر اس کا کوئی بوجھ نہیں ہے، زندگی کے پہلے سارے گناہ بیماری نے جھاڑ دیے ہیں اور ہم نے اس کو ایک نئی زندگی عطا فرما دی ہے۔

یہ ابتلاء و آزمائش ہو سکتا ہے کہ زیادہ لمبی ہو، بندے کو آزمائش اور بیماری مانگنی نہیں چاہیے، کیوں! اس لیے کہ ہماری وسعتیں تھوڑی ہیں، ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

ہمیں آزمائش میں نہ ڈالے، جس کو آزمائش میں ڈالا اور اس نے صبر کیا، ہفتے، مہینے لگ گئے لیکن شکایت نہیں کی، اٹھا ہے تو گناہوں سے بالکل صاف ہے۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ ...... جو بندہ صرف تین (3) دن بیمار ہوا،
تین دنوں میں اس نے اللہ تعالیٰ سے شکایتیں نہیں کیں اور لوگوں سے جھگڑے نہیں کرتا رہا، اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں کہتا رہا کہ تجھے کوئی اور بیمار کرنے کے لیے نہیں ملا، مجھے تو نے بیمار کر دیا (معاذ اللہ)، ایسے لغویات اس کی زبان سے نہیں نکلے بلکہ اس نے پھر بھی ''الحمد للہ'' کہا، تو میرے محبوب ﷺ فرماتے ہیں کہ تین دنوں کے بعد جب وہ صحت مند ہو رہا تھا تو وہ یوں اٹھ رہا تھا گویا کہ:

خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ ...... گناہوں سے ایسے نکلا جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے،

اس کے گناہ مٹ چکے ہیں، گناہ جھڑ چکے ہیں، ساری بدی مٹ چکی ہے، سارے داغ مٹ چکے ہیں۔

(المعجم الصغیر، حرف العین، باب العین من اسمه عمر، ج:1، ص:314، رقم الحدیث: 519)

یہ اس لیے ہے کہ مؤمن جس حال میں بھی ہو اس حال میں نوازا جاتا ہے، اگر مرض آ گیا تو اس کو کتنا نوازا جا رہا ہے، اگر وہ مرض کے دنوں میں صبر کرتا ہے، صحت والے دنوں کی نیکیاں بدستور لکھی جاتی ہیں اور اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

میرے آقا ﷺ فرمانے لگے کہ:

کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ ...... تو وہ یوں ہو گیا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

پھر معاملہ اس سے آگے کا ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ وَعَكَ لَيْلَةً ...... جس کو ایک دن بخار ہوا،

فَصَبَرَ ...... پھر اس نے صبر کیا،

وَرَضِيَ بِهَا عَنِ اللهِ عزوجل ...... وہ بندہ بخار میں بھی رب سے راضی رہا،

صرف ایک رات بخار ہوا اور وہ اس حالت میں بھی رب سے راضی رہا،

خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ...... اب بھی وہ گناہوں سے یوں نکل گیا ہے جیسے آج ہی اس کی ماں سے اس کو جنم دیا ہے۔

(شعب الایمان، السبعون من شعب الایمان و هو باب فی الصبر علی المصائب، فصل فی ذکر ما فی الأوجاع و الأمراض و المصیبات من الکفارات، ج:7، ص:150، رقم الحدیث: 9868)

نئی زندگی پانے کے کتنے مراحل احادیث مبارکہ میں موجود ہیں اور کیا شان ہے رسول اکرم ﷺ کے اقوال زریں کی اور کیا مقام ہے ان احادیث طیبہ کا اور یہ مرتبہ ہے ہمارے دین کا اور کتنے وارے نیارے ہیں اس امت کے، ایک رات کا بخار اتنا سوز مند ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں کو معاف کر کے ایسے بنا دیا جیسے اس کی ماں نے اسے ابھی جنم دیا ہے اور ایک رات کے بخار کے عوض میں نئی زندگی عطا فرمادی ہے۔

ان تمام احادیث کا تعلق انسان کی اپنی زندگی کے ساتھ تھا، کچھ زندگیاں اوروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ سے بھی مل جاتی ہیں، اسلام میں دوسرے کے ساتھ تعاون کی حیثیت کو بھی اجاگر کر دیا گیا ہے، بالخصوص جو انسان فوت ہو گیا ہے، اس دنیا سے چلا گیا ہے، اس کے ساتھ جو اچھا سلوک ہے اس پر کتنا بڑا اجر ملتا ہے۔ آج ایسا بھی

لوگوں میں تاثر پیدا کیا جاتا ہے کہ ساری دشمنی کرنی ہے تو قبر والوں کے ساتھ کرنی ہے، زندہ لوگوں کو چھوڑ کر اپنی دشمنی کا رخ قبر والوں کی طرف کیا جاتا ہے۔

فوت شدہ مسلمان کے اعزاز سے نئی زندگی

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت ایک مؤمن انسان کے جسم سے روح نکل گئی تو اب اس ڈیڈ باڈی (Dead Body) کی عزت کتنی ہے؟

آج میت کے غسل کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، بیٹا باپ کے جسد کو غسل دینے کے لیے تیار نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ایک خاص قسم کا بندہ ہو جس کو نظر حقارت سے دیکھا جاتا ہے، وہ آکر غسل دے، یہ اس کا کام ہے، لیکن ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل دینے والے کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا وَ كَفَّنَهٗ ...... جس نے میت کو غسل دیا اور اسے کفن پہنایا،

وَ حَنَّطَهٗ ...... اور اس کو خوشبو لگائی،

وَحَمَلَهٗ ...... اور پھر اس کے جنازہ کو کندھا دیا،

وَ صَلّٰى عَلَيْهِ ...... اور پھر اس نے نماز جنازہ جا کے پڑھی،

سارے مراحل پورے ہو گئے، غسل بھی دیا، کفن بھی دیا، خوشبو بھی لگائی اور کندھا بھی دیا، پھر جا کر نماز جنازہ بھی پڑھی، پھر چھٹا کام کیا کیا؟

وَ لَمْ يُفْشِ عَلَيْهِ مَا رَاٰى مِنْهُ ...... غسل دیتے وقت اگر بدن میں کوئی چیز دیکھی جو عیب والی ہے، اس نے اس پر پردہ ڈال دیا، لوگوں میں اس نے تشہیر نہیں کی بلکہ اس نے پردہ ڈال دیا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

خَرَجَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ مِثْلَ يَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ...... وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکلا جیسے

اس دن تھا جب ماں نے اس کو جنم دیا تھا وہ ایسا ہو گیا ہے جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔

(سنن ابن ماجه کتاب الجنائز، باب: ما جاء فی غسل المیت، ج:1، ص:469، رقم الحدیث: 1462)

اپنے گناہوں سے باہر نکل آیا ہے، اس کی غلطیاں معاف ہو گئی ہیں، فوت شدہ کے بدن کی عزت اتنی ہے کہ اس کی عزت کرتے کرتے اس (امور ستہ میں شرکت کرنے والے) کا کام ہو گیا، اس کو غسل دیا، شریعت نے انسان کو حکم دیا ہے کہ تم فوت شدہ انسان کے بدن کو پھینک نہ دو، یہ حضرت انسان کا اعزاز ہے، اس کا دنیا میں آنا بھی منفرد انداز کا ہے اور اس کا جانا بھی منفرد انداز کا ہے۔

غسل دے رہا ہے، کفن دے رہا ہے، خوشبو لگا رہا ہے، کندھا دے رہا ہے، اور پھر اس پر پردہ بھی ڈال رہا ہے، اس کو اس انداز میں دنیا سے رخصت کر رہا ہے تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے اتنا بڑا کام کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کو نئی زندگی عطا فرما دی ہے۔

اب سوچ لو، ایک عدد نئی زندگی بظاہر کتنی مشکل ہے اور شریعت میں آسان کتنی ہے، نئی زندگی کا حصول عموماً محالات میں ہو گا کہ نئی زندگی دنیا میں ہوتے ہوئے کیسے مل جائے، جس وقت ایک انسان اس راستے میں چلتا ہے تو اس شریعت نے تو آسانیاں پیدا کر رکھی ہیں اور اس انداز میں بندے کو نوازنے کے لیے چانسز رکھے ہوئے ہیں۔

ایک انسان فوت ہو گیا، دنیا سے جانے کا سفر جاری ہے، دوسرا اس کے ساتھ حسن سلوک کر رہا ہے، یہ صرف اس دنیا سے جانے والے کے ساتھ تعاون نہ بنا بلکہ اس کے ساتھ تعاون بھی ہے، اس کا اعزاز بھی ہے، اس کی تکریم بھی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ جو تعاون کرنے والا ہے وہ بھی محروم نہیں رہا، اس کو دفن کر

کے واپس آرہا تھا تو ایسے، جیسے ابھی گناہ معاف کروا کے آرہا ہے۔

اس شریعت میں وہ بھی نسخہ موجود ہے جس سے ایک سیکنڈ میں بھی نئی زندگی مل سکتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ:

جس شخص کی نظر بہکی اور کسی غیر محرم پہ جا پڑی، ابھی دیکھنا چاہتا ہی تھا کہ فوراً یاد آ گیا کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے، اور اس نے یہ دیکھنا مجھ پر حرام کیا ہے،

تو رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

جس نے فوراً نگاہ پھیر لی، اللہ نے اس کو نیا ایمان عطا فرما دیا، اس کو نئی زندگی ملی، نئی تازگی ملی۔ (صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب: نظر الفجاءۃ، ج:6، ص:181، رقم الحدیث:5770)

اب دیکھو، کہاں سے لے کر کہاں تک نصاب شریعت میں موجود ہے بلکہ ایک سیکنڈ تک کا بھی نصاب موجود ہے۔ یہ ہزار ہا احادیث کے کھلے دفتر اور جہان کے اندر سفر تھا۔ جس کی ایک جھلک ہم نے دیکھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس انداز میں یہ رحمتیں رکھی ہیں اور سید عالم ﷺ کا اس امت پر کتنا فضل ہے، کتنا کرم ہے، سرکار ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ میرے کسی امتی کی زندگی گناہوں والی نہ ہو، ہر ایک کی چمک والی زندگی ہو، درخشاں زندگی ہو، روشن زندگی ہو تاکہ اس کو اس کی زندگی میں لذت محسوس ہو، نکھار محسوس ہو اور ایسی تازہ زندگی ہو کہ جب روح نکلے تو فرشتے چومتے ہوئے اس کو اللہ کے دربار میں پہنچائیں اور روح رب کے عرش کے سامنے جا کے سجدہ ریز ہو جائے۔

"ایک عدد نئی زندگی" بڑا دلچسپ اور وسیع مضمون ہے،

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نئی روشن اور درخشاں زندگی عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر

8

حج کے اسرار و رموز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ
مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝

(سورۃ الحج، سورت نمبر 22، آیت نمبر 28-27)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْنُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَعَلٰی آلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاسَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے **"ادارہ صراط مستقیم پاکستان"** کے زیر اہتمام **"فہم دین کورس"** میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

حج کے اسرار ورموز

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور اس کے ابلاغ و تبلیغ اور اس پہ عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب حضرات و خواتین کو بار بار حج بیت اللہ شریف کی سعادت عطا فرمائے۔

خالق کائنات جل جلالہ نے انسان کو اپنا قرب عطا کرنے کے لیے جن عبادات کا حکم دیا ہے، حج ان عبادات میں سے ایک نہایت اہم اور منفرد عبادت ہے اور وہ ایسی عبادت ہے جو مخصوص اوقات میں، مخصوص مقامات پر، مخصوص افعال کی ادائیگی سے مکمل ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے فرامین میں جہاں حج

کے لزوم اور فرضیت کا بیان ہے، وہاں حج کی مختلف حکمتوں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن کے پیش نظر اسلام میں یہ لازم رکھا گیا ہے کہ جو بندہ صاحبِ استطاعت ہو، وہ ضرور یہاں پہنچے اور خالق کائنات کے حکم کے مطابق مناسک حج ادا کرے۔

فرضیت حج کی حکمت

سب سے پہلی حکمت اسلام کے ساتھ وابستگی کا اظہار ہے۔

رب ذوالجلال کو یہ ازل سے علم تھا کہ سب سے آخری دین ''دین اسلام'' ہوگا، جو کہ جامع دین ہوگا، اور پھر جس کے بعد کسی اور دین کی گنجائش نہیں رہے گی اور وہ پوری کائنات کا دین ہوگا، اس کے ماننے والے شرق وغرب، شمال وجنوب میں ہر طرف موجود ہوں گے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد بھی قیامت تک اسلام کے حاملین اور علمبردار موجود رہیں گے، اس لیے خالق کائنات جل جلالہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دین لینے والوں سے لے کر قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے یہ لازم کر دیا کہ ہر شخص اپنے عہد میں اپنے اسلام کے اظہار کا یہ طریقہ اختیار کرے کہ اگر اس کے پاس استطاعت ہے تو وہ ضرور وہاں پہنچے جہاں سے یہ اسلام کا سورج طلوع ہوا اور جہاں سے اس آفتاب نے دنیا کو تابناک کرنا شروع کیا۔

ہر شخص جس وقت اپنے دل کے ایمان اور یقین کو محسوس کرتا ہے تو اسے ہر لحہ یہ لذت محسوس ہوتی ہے کہ آج سے صدیوں پہلے جو چاند طلوع ہوا تھا، اس کی چاندنی آج بھی میرے دل میں موجود ہے، تو میں جا کر ان آفاق کی زیارت کروں جن آفاق سے یہ

چاند طلوع ہوا، میں اس خاک کی زیارت کروں جہاں سے کاروانِ اسلام نے اپنا نہایت ہی عظمتوں والا سفر شروع کیا تھا۔

اسلام کے ساتھ وابستگی کے اظہار کے لیے حج کا یہ عظیم سفر رکھا گیا ہے کیونکہ انسان جس گھاٹ سے پیتا ہے اس کی ہر ہر بوند کو سلام کرتا ہے، جو پانی کسی ندی سے ہوتا ہوا اس انسان کے کھیت کو سیراب کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک تجسس اور جستجو ہوتی ہے کہ یہ آتا کہاں سے ہے، اس کا منبع کیا ہے، اس کا Origin کہاں ہے، یہ کہاں سے پھوٹ رہا ہے اور میرے کھیت کو سیراب کر رہا ہے، وہ منبع دیکھنے کے لیے انسان کے دل میں ایک تڑپ ہوتی ہے، تو خالق کائنات جل جلالہ نے ہمیشہ کے لیے اسلام سے اور اسلام کے معارف سے اپنے دل کی کھیتیاں سیراب کرنے والوں کو ان مقامات کی زیارت کا حکم دیا ہے۔

اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس وابستگی کی لذت کے حصول کے لیے شریعت کی طرف سے ایک چانس (chance) رکھا گیا ہے کہ اگر انسان کے پاس استطاعت ہے تو وہ ضرور حج کرے تاکہ اس کو نئی زندگی بھی مل جائے اور اسلام کی نئی تابندگی بھی مل جائے، اس کا ذوق بھی بالکل بے غبار ہو جائے اور اس کو ایک نئی توانائی بھی حاصل ہو جائے، اس لیے خالق کائنات جل جلالہ نے اس امت کے لیے حج کو لازم فرما دیا، اس لحاظ سے یہ حکمت بہت بڑی حکمت ہے کہ کعبۃ اللہ کے ساتھ اس امت کا تعلق رہے اور یہ تعلق انفرادی ہے، کیونکہ یہود و نصاریٰ کا اس کعبۃ اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، یہ رشتہ صرف اور صرف ہمارا ہے، ہمارے خیالات کے کارواں اسی جانب جاتے ہیں اور ہمارے جذبوں کو حرارت بھی اسی گھر سے میسر آتی ہے۔

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے پہ وعید

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی عظمتوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:
مَن مَّلَكَ زَادًا وَّ رَاحِلَةً ...... جو شخص زاد راہ رکھتا ہے، سواری پاس موجود ہے کہ جس کی وجہ سے وہ وہاں پہنچ سکتا ہے، اور اس کے باوجود وہ نہیں جاتا،
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَلَا عَلَيْهِ أَن يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا

پھر کوئی نہیں اس پر خواہ وہ یہودی ہو کے مرجائے یا نصرانی ہو کے مرجائے۔

(جامع الترمذی، کتاب الصوم، باب: التغلیظ فی ترک الحج
ج:3، ص: 176، رقم الحدیث: 812)

دوسرے مقام پہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَلْيَمُتْ عَلٰى أَيِّ حَالٍ شَاءَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا

وہ مرجائے خواہ یہودیت کی حالت میں مرے یا پھر نصرانیت کی حالت میں مرے۔

(مصنف ابن أبی شیبة کتاب الحج باب: فی الرجل یموت و لم یحج و هو موسر،
ج: 3،ص: 305، رقم الحدیث: 14450)

تو بطور خاص یہودیت اور نصرانیت کی طرف اس کو منسوب کر دیا کہ جسکو استطاعت ملی ہے، جانے کے اخراجات بھی موجود ہیں، اس کے باوجود وہ نہیں جاتا تو پھر اس نے اپنے مرکز سے اپنی نسبت اور اپنی رغبت کو خود کمزور کیا اور اس نے اپنے آپ کو یہودیت کی طرف منسوب کر لیا اور عیسائیت کی طرف منسوب کر لیا۔
تو اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام کا جو رشتہ کعبۃ اللہ کے ساتھ ہے، یہ

رشتہ ہرگز یہودیت کو نہیں دیا گیا اور نہ ہی عیسائیت کو یہ تعلق دیا گیا۔

کعبۃ اللہ کے ساتھ اور حرم پاک کے ساتھ جو تعلق ہے وہ مضبوط ترین اور امتیازی تعلق صرف اسلام کا ہے، وہاں اس مقدس دیار کی حاضری اور وہاں جانا اور وہاں جا کر ان مناسک کو ادا کرنا، یہ اپنی طرف سے اِس خاص رشتے کا اظہار ہے کہ میں اس سرزمین پر کعبے کا وارث ہوں، کعبے کا حامی ہوں، کعبے کا نگہبان ہوں اور حرم سے میرا تعلق ہے، میرا رشتہ ہے اور پھر جس وقت کعبہ کے کعبہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلیز پہ جاتا ہے تو اپنے اِس خاص اعزاز کا اظہار کرتا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ نے مجھے ان مقامات کے ساتھ جو تعلق دیا ہے وہ کسی اور کو دنیا میں میسر نہیں ہے، کسی دوسرے دین کے حامی کو وہ رشتہ خالق کائنات جل جلالہ نے عطا نہیں کیا۔

لہٰذا حج کے اسرار و رموز میں یہ بات سرفہرست ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر نبوت کا دروازہ بند کر دیا اور قیامت تک کے لیے یہی دین، جو ہمیشہ کا دین قرار دیا، تو اس کے متوالوں کو جذبہ دینے کے لیے، ان کو ہر لمحہ نئی تابندگی عطا کرنے کے لیے اور ان کے دین اور ایمان کو ایک ثبات عطا کرنے کے لیے خالق کائنات جل جلالہ نے جہاں قرآن مجید کی شکل میں ایک بہت بڑا سہارا عطا فرمایا ہے، وہاں کعبۃ اللہ کی شکل میں اور وہاں کی حاضری کے ساتھ ربّ ذوالجلال نے ایک بہت بڑا مسلم امہ پر احسان کیا ہے۔

لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے بظاہر چلے جانے کے بعد بھی ابھی تک اور ہمیشہ کے لیے یہ جذبوں کا گلستان ہمارے سامنے موجود رہے گا۔

ایک انسان جس کے پاس استطاعت موجود نہیں وہ تڑپ رہا ہے اس بات کے لیے کہ

مجھے استطاعت مل جائے تو میں حاضر ہو جاؤں اور جس کے پاس استطاعت ہے اس کے لیے یوں ایمان کا معیار بنا دیا گیا کہ فرمایا:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ

اور جو منکر ہو تو اللہ تعالیٰ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔

جو بندہ استطاعت کے باوجود نہیں جاتا تو وہ منکر ہے خالق کائنات جل جلالہ اس سے بے نیاز ہے۔ (القرآن الكريم، سورة آل عمران، رقم السورة: 3، رقم الآية: 97)

لہٰذا ایمان کی حلاوت کو محسوس کرنے کے لیے اور اپنے ایمان کی عظمت کے اظہار کے لیے لازم کر دیا گیا کہ جس کے پاس استطاعت ہے وہ ضرور وہاں پہنچے تا کہ اس کی بیٹری بھی چارج ہو جائے، مناسک بھی ادا ہو جائیں اور دنیا کو یہ پتا چلتا رہے کہ مسلم امہ اپنے مرکز سے وابستہ ہے اور اس کا تعلق کمزور نہیں ہوا۔

یہ کعبے سے تعلق، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور قرآن مجید سے تعلق یہ وہ سہارے ہیں جو مسلم امہ کو ہر لحہ کامرانی کی طرف متوجہ کرنے والے ہیں اور جس وقت زوال اس امت کی طرف آنے لگتا ہے تو جو چیزیں اس امت کو عروج عطا کرتی ہیں وہ یہی سہارے ہیں جو رب ذوالجلال نے اس امت کو بطور خاص عطا فرمائے ہیں۔

مسلمانوں کی خصوصیت

رب ذوالجلال تمام مخلوق کا خالق ہے اور سب کا رب ہے، لیکن ان میں مولا صرف مسلمانوں کا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ

یہ اس لیے کہ مسلمانوں کا مولا اللہ ہے اور کافروں کا کوئی مولا نہیں۔

(القرآن الكريم، سورة محمد، رقم السورة: 47، رقم الآية: 11)

وہ رب تو پورے جہاں کا ہے، کھلاتا تو سب کو ہے، پلاتا تو سب کو ہے، دیتا تو سب کو ہے، پیدا بھی سب کو کرتا ہے اور سب کو پروان بھی چڑھاتا ہے، ہر لمحہ اسی کا کھا کر کافر بھی گزارہ کر رہے ہیں مگر اس نے اپنے آپ کو مولا کہا ہے تو صرف مومن کا کہا ہے، کافر کا مولا اپنے آپ کو نہیں کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت

خالق کائنات جل جلالہ نے جہاں مشرکین کو نجس قرار دیا ہے اور انہیں اپنے گھر سے دور رکھا ہے، وہاں ایمان والوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی ہے اور اپنے گھر کی طرف بلایا ہے اور ان کو یہ اعزاز دیا ہے کہ میں تمہارا مولا ہوں، میں تمہیں اپنے گھر کی دعوت دے رہا ہوں، میرے گھر میں آ جاؤ۔

لہٰذا حج کا یہ دوسرا پہلو ہے کہ یہ خالق کائنات جل جلالہ کی طرف سے ضیافت ہے اور خالق کائنات جل جلالہ نے لوگوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی ہے، لہٰذا جو حج کی ادائیگی کے لیے کعبہ کی طرف جائے تو وہ یہ محسوس کرے کہ اس کو خالق کائنات نے اپنے گھر کی ضیافت کے لیے چن لیا ہے۔

ایک عام انسان نے جب کسی کی دعوت کی ہو تو وہ مہمان کے لیے پورا پورا اہتمام کرتا ہے، اس کی حاجات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو خوش رکھتا ہے، تو خالق کائنات جل جلالہ جب لوگوں کو اپنے گھر کی دعوت دیتا ہے اور لوگ وہاں جاتے ہیں تو خالق کائنات جل جلالہ کی ضیافت سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اس ضیافت کی وجہ سے ان کے حسی معاملات میں بھی عظمتیں آ جاتیں ہیں اور معنوی طور بھی اللہ تعالیٰ ان کو مالا مال فرما دیتا ہے۔

حاجی کون کون ہے

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اس گھر کو پاک کر چکے تو خالق کائنات جل جلالہ نے فرمایا:

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ...... اورلوگوں میں حج کی عام ندا کردے،

یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ ...... وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر،

یَاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ...... کہ ہر دور کے راہ سے آتیں ہیں،

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ...... تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں، اپنے منافع پاسکیں، اپنے منافع حاصل کرسکیں۔ (القرآن الکریم، سورۃ الحج، رقم السورۃ: 22، رقم الآیۃ: 28-27)

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا کہ جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو جاؤ اور یہ اعلان کردو، جب انہوں نے اعلان کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

عَلَیْکَ الْاَذَانُ وَ عَلَیَّ الْبَلٰغُ ...... آواز دینا تمہارا کام ہے اور آواز پہنچانا میرا کام ہے۔ (التفسیر الکبیر، سورۃ الحج، رقم السورۃ: 22، رقم الآیۃ: 26، ج: 23، ص: 219)

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آواز دی اور ارواح نے سن لی، جنہوں نے لبیک کہا ہے وہ اس گھر کی حاضری کے لیے پہنچتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اعلان کروانے کے بعد ارشاد فرمایا: مقصد یہ ہے کہ تمہیں تمہارے منافع مل جائیں اور حج میں منافع دینی بھی ہیں، دنیاوی بھی ہیں، حسی بھی ہیں اور باطنی بھی ہیں۔

ایک چھوٹی سی ذات کسی کو بلائے تو اس کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ جو آیا ہے وہ اس کو خالی ہاتھ نہ بھیجے، اس کو کچھ نہ کچھ دیا جائے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اپنے گھر بلا رہا ہوں اور اس لیے بلا رہا ہوں تا کہ تمہیں تمہارے منافع میسر آ جائیں، میں تمہیں فائدے دینا چاہتا ہوں، تمہیں منافع سے مالا مال کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا مہمان اور اس کی عظمتیں

خالق کائنات جل جلالہ نے اپنے بندے کو اپنے گھر بلایا ہے، اپنے گھر کا مہمان بنا کر اس کی عظمت کو یوں بلند کر دیا جیسے کہ ذرے کو آفتاب کر دیا جائے۔

وہ شخص کہ جس کو شاید محلے میں کوئی مہمان بنانے کے لیے تیار نہ ہو، جب اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کا مہمان بنایا تو اس کے لیے خاص الفاظ استعمال فرمائے:

اَلْحَاجُّ وَفْدُ اللّٰهِ ...... حاجی اللہ کا وفد ہے، یہ اللہ کا مہمان ہے۔

(مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الحج، باب: ما قالوا في ثواب الحج، ج: 3 ص: 122، رقم الحديث: 12659)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے گھر کی طرف دعوت دے کر حج کے اس پہلو کو اجاگر کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس حج کو لوگوں کے لیے ایک وسیلہ بنایا ہے، ایک ربط کا ذریعہ بنایا ہے تا کہ مختلف مقامات کے انسان یکجا ہو جائیں۔

جس وقت ایک انسان چلتا ہے اور چلتے چلتے اس مقدس دیار میں پہنچتا ہے جہاں پہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کے لیے عظمتیں رکھی ہیں، جب اس انسان کو بیت اللہ کا قرب میسر آ جاتا ہے، تو اس وقت اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلْحُجَّاجُ وَ الْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ ...... حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں۔

(سنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب: فضل دعاء الحاج، ج:2، ص: 966، رقم الحديث: 2892)

اگر کوئی بندہ یہاں بیٹھ کے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما رکھا ہے کہ:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ...... اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ (القرآن الكريم، سورة غافر، رقم السورة: 40، رقم الآية: 60)

میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان بن جائیں تو:

اِنْ سَأَلُوْهُ أَعْطَاهُمْ ...... اگر وہ رب سے مانگیں تو اللہ تعالیٰ انہیں عطا کرتا ہے،

وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ ...... اور اگر اس معافی مانگیں تو وہ انہیں معاف کرتا ہے،

وَاِنْ دَعَوْا اُسْتُجِيْبَ لَهُمْ ...... اور اگر اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے،

خود تو ان کے وارے نیارے ہو گئے اور خود تو عظمتوں کی معراج کو پہنچ گئے، مگر:

وَاِنْ شَفَعُوْا شُفِّعُوْا ...... اگر وہ کسی کی سفارش کریں تو رب ان کی سفارش کو قبول فرماتا ہے۔

(احياء علوم الدين، كتاب: أسرار الحج، الفصل الأول: في فضائل الحج و فضيلة البيت و مكة و المدينة حرسهما الله ج: 1، ص: 240)

رب کا وفد ہونے کی وجہ سے، رب کے گھر کا مہمان ہونے کی وجہ سے اب ان کی حیثیت جدا ہے، ان کا ہر انداز جدا ہے، وہ جو دعا کرتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے، اور اللہ

تعالیٰ نے ان کو اس انداز کا شفیع بنا دیا ہے کہ اگر وہ کسی ... حق میں سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو مسترد نہیں کرتا۔

صرف وہاں ہی نہیں، یہاں تک کہ جب حاجی صاحب واپس آتے ہیں، گھر نہیں پہنچتے، راستے میں کوئی ان سے دعا کرواتا ہے تو اس حاجی کی دعا اس کے حق میں قبول ہو جاتی ہے۔ (الترغیب و الترهیب، کتاب الحج، ج: 2، ص: 108، رقم الحدیث: 1700)

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں گیا ہے، اس کی شان خاص ہو گئی ہے، اس کی نسبت بدل گئی ہے، اس کو خاص اعزاز مل گیا ہے۔

لہٰذا یہ دوسرا پہلو ہے حج کے اسرار و رموز میں کہ خالق کائنات جل جلالہ نے ایک انسان کو جو کہ اپنے آپ کو اپنے حواس کے لحاظ سے دور سمجھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر میں اس کے حواس کو ایسا سیراب کیا کہ اب اسے محسوس ہونے لگا ہے کہ میں دور نہیں ہوں، کیونکہ رب تو پہلے ہی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، لیکن اب بندے کو محسوس ہو جاتا ہے کہ میں دور نہیں ہوں بلکہ میں بھی اپنے رب کے قریب ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ لِلّٰهِ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَ لَیْلَةٍ عِشْرِیْنَ وَ مِائَةَ رَحْمَةٍ تَنْزِلُ عَلٰی هٰذَا الْبَیْتِ ......

اللہ تعالیٰ کعبۃ اللہ پر ایک سو بیس (120) رحمتیں نازل فرماتا ہے، ان کی تقسیم کیا ہے؟

سِتُّوْنَ لِلطَّائِفِیْنَ ...... ان میں سے ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لیے ہیں، جو اس گھر کے گرد چکر لگا رہے ہیں مخصوص انداز میں، ساٹھ رحمتیں ان کو دے دی جاتی ہیں۔

أَرْبَعُوْنَ لِلْمُصَلِّيْنَ ...... اور وہاں جو پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں چالیس (40) ان کو دے دی جاتی ہیں۔

عِشْرُوْنَ لِلنَّاظِرِيْنَ ...... اور وہ جو وہاں بیٹھے دیکھ رہے ہیں بیس (20) ان کو بھی عطا کر دی جاتی ہیں۔ (الدر المنثور، سورة البقرة تحت الآية رقمها: 128، ج: 1، ص: 328)

یہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں پہنچ جانے کے بعد اس گھر کا اعزاز ہے اور گھر والوں کے لیے اتنا بڑا حصہ ہے کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اللہ تعالیٰ کا وفد ہیں تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمتوں سے نواز دیا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ جو چکر لگا رہا ہے اس کے لیے اپنا کوٹہ ہے، جو صرف نماز پڑھ رہا ہے اس کے لیے اپنا کوٹہ ہے، اور جو نہ چکر لگا رہا ہے اور نہ ہی نماز پڑھ رہا ہے صرف بیٹھا ہوا رحمت خداوندی کا منظر دیکھ رہا ہے، دائیں، بائیں کعبہ میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کی نگاہیں کعبہ پہ لگی ہوئی ہیں، وہ دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس انسان کو بھی اپنی طرف بیس رحمتیں عطا فرماتا ہے۔

تو یہ پورا منظر وہاں پر خالق کائنات کے گھر کا ہے اور یہ خاص طور پر وہ عظیم پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان (حج اور عمرہ کرنے والے) بندوں کو چن لیا ہے، اپنے گھر کا دیدار بھی کرا دیا ہے اور دوسروں سے ان کی شان کو بڑھا دیا ہے اور اپنی رحمت کے خاص کوٹے بھی ان کو عطا فرما دیے ہیں۔

ابن جُبیر کے تاثرات

ابن جبیر جو ایک بہت بڑے سیاح تھے اور انہوں نے اس دنیا کے بہت سے شہروں کو دیکھا ہے، ملکوں کو دیکھا ہے، جب شرق و غرب کو دیکھنے کے بعد اس نے

Analysis مرتب کیا اور ''رحلة لابن جبیر'' کے اندر اپنے

comments لکھے تو مکہ شریف کے بارے میں کہنے لگے کہ:

اِنَّهَا تَتَّسِعُ لِوُفُوْدِهَا اِتِّسَاعَ الرَّحْمِ لِمَوْلُوْدِهَا.

ابن جبیر کا ایک جملہ درجنوں داستانوں سے بھاری ہے، کہنے لگے کہ سارے شہر اپنے مکینوں سے بڑا پیار کرتے ہیں مگر مکہ شریف کا ایک خاص انداز ہے، وہاں حج و عمرہ کے لیے جو لوگ جاتے ہیں ان کا مکہ اہتمام کیسے کرتا ہے، ان سے مکہ پیار کیسے کرتا ہے اور ان کو مکہ اپنی آغوش میں کیسے لیتا ہے؟

ہمارے عرف عام میں جب سب سے بڑا جملہ بولنا ہو تو یہ بولا جاتا ہے کہ یوں جیسے ماں بچے کو آغوش میں لے لے، اتنا پیار جتنا ماں بچے کو آغوش میں لے کے کرتی ہے تو وہ پیار کا منظر وہاں ہوتا ہے، یہ ہمارے پاس آخری جملہ ہے۔

ابن جبیر کا اس سے اگلا جملہ ہے، ابن جبیر کہنے لگے کہ:

اِنَّهَا تَتَّسِعُ لِوُفُوْدِهَا اِتِّسَاعَ الرَّحْمِ لِمَوْلُوْدِهَا ...... مکہ شریف حجاج اور معتمرین کے لیے یوں وسعت رکھتا ہے جیسے رحم اپنے بچے کے لیے اور حاجی کو ہر لحاظ سے اس قدر محفوظ کرتا ہے جیسے ماں کا رحم اپنے بچے کو محفوظ کرتا ہے۔

وہ خاص وقت جس میں بچہ ماں کے شکم میں ہوتا ہے اور وہ رحم اس کو غذا بھی دے رہا ہوتا ہے اور اس کی حفاظت بھی کر رہا ہوتا ہے اور وہ رحم اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوتا ہے اور اس نے اس کو ایک خاص ماحول میں رکھا ہوا ہوتا ہے، ایسے ہی مکہ شریف بھی حاجی کو رکھتا ہے۔

ابن جبیر اپنے سارے تاثرات کو اپنے اس جملے میں بند کر گئے کہ:

مکہ شریف اپنے حاجی کو یوں رکھتا ہے جیسے ماں کے رحم میں بچہ ہوتا ہے اور وہ رحم اس کے لیے حفاظت کا کردار بھی ادا کرتا ہے، غذائیت کا کردار بھی ادا کرتا ہے، ایسے ہی مکہ شریف اپنے حاجی کا خیال رکھنے والا ہے۔ (رحلة ابن جبير، شهر ذي الحجة رقم الصفحة: 148)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکمتیں بیان کی ہیں ان کے لحاظ سے امت میں ہمیشہ یہ تاثر ابھرا اور قافلے مکہ شریف کی طرف چلے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کے شوق میں لوگ بڑھتے رہے اور ایسا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

حاجی کا مقام

حضرت علی بن موفق نے ساٹھ حج کیے، جب ساٹھ مکمل کر چکے، حطیم میں کھڑے تھے، وہاں یہ خیال آیا کہ حج گنتی میں تو ساٹھ کیے، پتہ نہیں کہ میرا کوئی قبول ہوا ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ نے پتہ نہیں ان میں سے کوئی ایک بھی قبول فرمایا ہے یا نہیں، بڑے مضطرب ہو گئے، بے چین ہو گئے، ایسے عالم میں کھڑے تھے کہ ان کو آواز آئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام ملا کہ:

يَا ابْنَ الْمُوَفَّقْ! هَلْ تَدْعُوْ اِلٰى بَيْتِكَ اِلَّا مَنْ تُحِبُّ ...... ابن موفق اب بھی سوچتے ہو کہ کون سا قبول ہوا اور کون سا قبول نہیں ہوا اور یہ کہ کیا حج کر کے مجھے کچھ ملا یا کہ نہیں ملا، اے ابن موفق! کیا جو انسان تمہیں ناپسند ہو اسے تم اپنے گھر میں بلاتے ہو، نہیں، بلکہ تم اس کو ہی بلاتے ہو جو تمہیں پسند ہوتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ساٹھ بار اس لیے بلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے پیار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دلاسہ دیا، اللہ تعالیٰ کی رحمت نے آواز دی کہ تم اپنی حیثیت کو دیکھو کہ تم اپنے گھر میں من پسند کو بلاتے ہو اور اسے دعوت دیتے ہو، تو تمہیں جو اللہ تعالیٰ نے

ساٹھ بار اپنے گھر میں بلایا ہے تو تم خوش رہو، اس کی رحمت پہ یقین رکھو اور اس کی رحمت پہ بھروسہ رکھو کہ اس نے تمہارے ساتھ پیار کیا ہے تو اسی واسطے تمہیں اپنی طرف بلایا ہے۔ (تفسیر حقی، سورۃ آل عمران، جز: 2، ص: 55)

ایسے ہی حج کے اسرار و رموز کے لحاظ سے جس وقت ہم دیکھتے ہیں تو یہ حج ایک لذت توحید کا نصاب ہے، اس میں بیانِ توحید ہے، جس وقت ایک انسان دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحدت کا پرچار اپنے پیغمبروں سے کروایا اور لوگوں کو پتھروں سے پیچھے ہٹا دیا، بتوں سے پیچھے ہٹا دیا، ہر چیز سے پیچھے ہٹا کر اپنے دربار میں جھکایا، اب پھر جس وقت اسلام اور احکام اسلام نافذ ہیں، حج کی فرضیت آگئی ہے، تو پھر پتھر کے گرد چکر شروع ہو گئے ہیں، وہ بھی تو پتھر ہیں جو خانہ کعبہ کی تعمیر میں لگے ہوئے ہیں اور پھر وہ حجر اسود بھی تو ایک پتھر ہے کہ جس کو چوما جا رہا ہے، کچھ لوگ طعنے دے رہے تھے بلکہ مستشرقین نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ حج بھی ایک قسم کی بت پرستی ہے، معاذ اللہ پتھروں کے چکر کاٹے جا رہے ہیں، پتھروں کے گرد چکر لگانے سے کیا ملے گا، پتھروں کو چومنے سے کیا ملے گا، وہ مستشرق، وہ مغربی دماغ والے یہ سوچ رہے ہیں اور ادھر سے حج کی جو اسرار کی کھیتی ہے، اس میں یہ پھول خوشبو عطا کر رہے تھے کہ یہ بت پرستی نہیں ہے بلکہ یہ تو زورِ توحید ہے کہ یہ انسان یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں رب کو مانتا ہوں، جب اس نے روکا تو میں پتھروں سے پیچھے ہٹ گیا اور ہمیشہ کے لیے میں نے توبہ کر لی یعنی اس وقت جب اسلام آیا اور لوگ بت پرستی چھوڑ کر ایمان کی طرف آ گئے اور اب ایمان اتنا مضبوط ہو گیا ہے، اب پتھر کے گرد چکر لگاتا ہوں تو مجھے بت پرستی کا کوئی وہم نہیں پڑتا اس واسطے کہ رب نے اس قدر زورِ توحید دے دیا ہے کہ میں نے اپنے دل

کو پوری طرح مطمئن کر لیا ہے کہ ایمان اللہ کی مرضی کا نام ہے، اگر خالق کائنات نے پھر پتھروں کے گرد چکے لگانے کا حکم دے دیا ہے تو میں چکر لگا کر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایمان میری اپنی مرضی کا نام نہیں بلکہ ایمان میرے رب کی رضا کا نام ہے اور میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس کا عبد ہوں، اس کا رقیق ہوں، اور ''تَعَبُّدًا وَّ رِقًّا'' کے نعرے لگا کر کعبے کے گرد یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ اور ہیں جو پتھروں کی طرف دیکھتے ہیں تو پتھروں میں گم ہو جاتے ہیں، میں نے اس کام کو مسترد کر کے پھر رب کے کہنے پر پتھروں کے گرد چکر لگا کے دنیا کو بتایا ہے کہ رب کی رضا کے حصول کے لیے جب کسی راستے میں چلتا ہوں، تو اب کچا نہیں ہوں کہ یہ معمولی چیزیں میری توجہ کو پیچھے ہٹا لیں، ان پتھروں کے گرد چکر لگا کر پھر بھی میرا ذہن سو فیصد صاف ہے کہ ان پتھروں کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے، جو کچھ دیا ہوا ہے وہ میرے ہی رب کا عطا فرمایا ہوا ہے۔

یہ ایک خاص لذت توحید اور خاص انداز ہے کہ توحید میں پختگی آ گئی ہے، اب درمیان میں پتھر ہوں تو تب بھی ان کی طرف توجہ نہیں، نہ ان کی طرف تعبد اور عبادت کی کوئی نسبت ہے، چکر لگاتا ہوا کہتا ہوں:

''لَبَّیْکَ تَعَبُّدًا وَّ رِقًّا''...... میں چونکہ اس کا بندہ ہوں تو مولا جیسے کہے گا میں نے ویسا ہی کرنا ہے، میں غلام ہوں، میں رقیق ہوں، مرضی میرے مولا کی ہے، مرضی میری نہیں ہے، اس نے مجھے پتھروں کی بندگی سے پیچھے ہٹا دیا اور میں ہٹ گیا اور ہمیشہ کے دور ہو گیا، اب میں یہ نہیں کہوں گا کہ تو نے ان کی بندگی سے جو ہٹایا تھا تو اب ان کی طرف دیکھنے کا بھی حکم نہ دے، ان کی طرف متوجہ نہ کر، ان کی طرف مجھے جانے ہی نہ دے، بلکہ میں نے اپنا آپ اور اپنی چاہت رب کے سپرد کر دی ہے، اس نے کہا

کہ ان پتھروں کے گرد چکر لگاؤ، میں نے چکر لگانے شروع کر دیے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ ...... تو ایک پتھر ہے، نہ فائدہ دے سکتا ہے، نہ نقصان دے سکتا ہے،

لَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ ...... اگر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ وہ تجھے چوم رہے ہیں تو میں تجھے کبھی بھی نہ چومتا، میں اس لیے چوم رہا ہوں کہ تجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے چوما ہے۔

(سنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب: في تقبيل الحجر، ج:2، ص: 114، رقم الحديث: 1875)

اس کے بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا

بَلَى يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّهُ يَضُرُّ وَيَنْفَعُ

کیوں نہیں اے امیر المومنین یہ پتھر نقصان اور نفع دیتا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا وہ کیسے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا قرآن مجید میں ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا قرآن میں کہاں لکھا ہے۔ آپ نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

"وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى"

(سورۃ الاعراف رقم الآیۃ ۱۷۲)

''اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود اس پر گواہ کیا، کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بتایا کہ وہ ان کا رب ہے اور یہ سارے اللہ کے بندے ہیں۔ اور ان سے وعدے اور میثاق لئے اور عہد و اقرار کو ایک ورق میں لکھ دیا۔ اس حجر اسود کی دو آنکھیں اور ایک زبان تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ اپنا منہ کھول تو اس نے اپنا منہ کھولا اور پھر اس نے وہ ورق نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

اشْهَدْ لِمَنْ وَافَاكَ بِالْمُوافَاةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَإِنِّي أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم :يُؤْتَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ ، وَلَهُ لِسَانٌ ذَلْقٌ ، يَشْهَدُ لِمَنْ يَسْتَلِمُهُ بِالتَّوْحِيدِ فَهُوَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يَضُرُّ وَيَنْفَعُ

کل قیامت کے دن اس کی گواہی دینا جو تجھ سے وعدہ پورا کرے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حجر اسود کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اس کے لئے تیز اور فصیح و بلیغ زبان ہوگی وہ اس شخص کی گواہی دے گا جو توحید کے ساتھ اس کا استیلام کرے گا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اے امیر المومنین وہ یوں نقصان بھی دے گا اور فائدہ بھی

[شعب الایمان الخامس والعشرون من شعب الإیمان وهو باب المناسك یؤتی یوم القیامة بالحجر الأسود وله لسان ذلق یشهد لمن یستلمه بالتوحید، ج 3 ص، 451]

تو یہ ایک ایسا انداز ہے جس میں ایک مؤمن اپنے دین کا خلوص ظاہر کر رہا ہے کہ ہم نے اپنی عقل کو درمیان سے نکال دیا ہے، مالک کی مرضی ہے اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہے انہوں نے جس راستے پہ لگایا ہے ہم اسی پہ لگے رہے گے۔

اب یہی پتھر جن کو تعبد سے نکال دیا گیا مگر نسبت اللہ تعالیٰ کی میسر آ گئی، اب وہ کعبہ پتھر ہی ہے جہاں بیٹھ کر دیکھنے والوں کو بھی بیس رحمتیں میسر آتی ہیں، چونکہ ادھر رب نے لگایا ہے۔ محض پتھروں کی عبادت سے ذہن واش کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو متوجہ کر دیا گیا ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کے جلوے پتھروں پر آ جاتے ہیں، ان پتھروں پہ نظر پڑتی ہے تو بھی بندے کو ثواب ملتا ہے، پتھروں کے ساتھ تعلق اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی نسبت جن جن ذوات کو میسر آتی ہے ان کا احترام کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتا ہے۔

عبادات میں معقولیت

حج کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جتنی عبادات ہیں ان میں ایک معقولیت ہے یعنی عقل میں سمجھ آتی ہیں کہ واقعی یہ عبادت کرنی چاہیے، مثلاً: جب ہم نماز پڑھتے ہیں اور سر جھکاتے ہیں، تو سجدے میں تو ایک عاجزی کا انداز ہے، عقل اس کو تسلیم کرتی ہے کہ معبود سامنے ہے جھک جاؤ، سجدہ کرو، یہ عاجزی عقل کو سمجھ آتی ہے، واقعی نماز کا یہ طریقہ ہونا چاہیے کہ پہلے ہاتھ باندھ کر ادب کیا جائے، پھر جھک کر ادب کیا جائے اور پھر سجدے میں زمین پر سر رکھ کر ادب کیا جائے۔

روزے کی معقولیت بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ بندہ اگر سیر ہو تو اسے رب یاد نہیں آتا،

بندہ بھوکا ہو تو رب پھر یاد آتا ہے تو کسر شہوت کے لیے اور شہوت کو توڑنے کے لیے، اپنی مستی کو دور کرنے کے لیے اور اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے یہ بھوک، پیاس کا فلسفہ سمجھ آتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا دروازہ بھوک سے کھٹکھٹاؤ، بندہ جب بھوکا ہوتا ہے تو رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو روزے کی معقولیت بالکل واضح ہے۔

زکوٰۃ میں معقولیت یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی، ایک فقیر کو زکوٰۃ دے رہے ہیں تو عقل سمجھ رہی ہے کہ اس کی ضرورتیں ہیں، اس کی حاجات ہیں، اس کے بھی بچے ہیں، میں مال دوں گا تو میرا مال ستھرا ہو جائے گا اور اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔

ہر جگہ پر حکمتیں موجود ہیں لیکن حج میں ستونوں کو کنکریاں مارنے سے کیا ہوتا ہے، ایک بے جان چیز کو بے جان چیز مارنا اس میں معقولیت کیا ہے، حکمت کیا ہے، اس کا فلسفہ کیا ہے، یا تو کسی کو درد ہوتا ہے کہ دشمن ہے اس کو ماریں تو تکلیف پہنچے، لیکن وہ تو ایک پتھر کا ستون ہے، اس کو کنکریاں ماری جا رہی ہیں، ان کے اندر فلسفہ کیا ہے۔

وہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک چکر، مختلف مقامات میں وقوف اس کے اندر کیا چیز ہے، اس میں کیا چھپا ہوا ہے اور پھر رمی میں فقہاء و محدثین کی طرف سے باقاعدہ وضاحت ہے کہ کوئی نہ سمجھے کہ واقعی شیطان سامنے کھڑا ہے، وہ واقعی شیطان نہیں ہے، وہ تو پتھر ہے اور ایک علامت ہے، وہاں مارنے والا مار رہا ہے، تو پھر اس کے اندر حسن کیا ہے؟

اس میں حسن یہ ہے کہ:

عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جب کسی چیز کی سمجھ عقل کو آ رہی ہے تو پھر عقل نے رغبت پیدا کی کہ اسے مانو یہ اچھا کام ہے، دوسرا مقام اس سے بھی آگے ہے کہ جب عقل کو سمجھ نہ بھی آ رہی ہو تو کہا جائے کہ رب کا حکم ہے، ضرور کرنا ہے۔

اگرچہ اس میں معقولیت سمجھ آتی ہے یا نہیں آتی، اس کا کوئی فلسفہ ملتا ہے یا نہیں ملتا، تو حج کرتے وقت ہر موقع پر بندہ یہ ثابت کر رہا ہے کہ میں نام نہاد روشن خیالی کا داعی نہیں ہوں، اگر عقل کوتاہ رہ جائے تو حکم شرعی کا انکار کر دوں گا۔ میں اس بات کا قائل ہوں کہ رب کے حکم کی حکمت سمجھ آئے پھر بھی کرتا ہوں، حکمت سمجھ نہ آئے تو پھر بھی کرتا ہوں، حکمت سمجھ آ جائے تو ٹھیک لیکن جب حکمت سمجھ نہ آ رہی ہو تو پھر بھی دین کو دین سمجھوں گا، عقل کو شریعت کے تابع کروں گا، شریعت کو عقل کے تابع نہیں کروں گا۔ یہی عقل سلیم کا فیصلہ ہے۔

تو حج کے موقع پہ اظہار ہو رہا ہے کہ ہم نے محض عقل کا کلمہ نہیں پڑھا بلکہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے، لہٰذا اس طرح اپنی عقل کو شرع کے تابع کر کے اس زور ایمان اور توحید کا اظہار کیا جاتا ہے تو یہ وہ حج کا خاص موسم ہے جس کے اندر بار بار اللہ تعالیٰ نے ایسے کام کروائے ہیں۔

حج، زہد کا کورس ایک تبدیلی کا نام

زہد یہ ہے کہ اپنی رغبت کو دوسری چیزوں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر لینا، تو حج اس کا عملاً ایک بہت بڑا Sallaybas ہے، انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ جس ماحول کے ساتھ مانوس ہے اس میں رہے، اپنا گھر سے زیادہ پیار ہے محلے کے مقابلے میں،

اس کا گھر بدل جائے تو پہلے گھر کی محبت اسے آ کر ڈستی ہے، جس میں اس نے کئی سال گزارے ہیں، پھر اس محلے سے ہے پیار شہر کے مقابلے میں، اس کا محلہ بدل جائے تو پھر اس کو اپنا محلہ یاد آتا ہے، پھر اس کو اپنے شہر سے پیار ہے ملک کے مقابلے میں، اسی ملک کے دوسرے شہر میں چلا جائے تو اسے پہلا شہر یاد آتا ہے، پھر اس کا تعلق ایک ملک کے ساتھ ہے، اس کو اپنے ملک سے پیار ہوتا ہے دوسرے ملکوں کی نسبت، تو اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو اس انداز کا کورس کرایا ہے کہ انسان دنیا میں رہ کے بھی اپنی حقیقی محبت کا قبلہ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف کرے اور اللہ تعالیٰ کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرے، باقی ساری محبتوں کو ان کے سامنے قربان کرنے، دوسری محبتوں کو چھوڑ دے، ان سے بے رغبتی کرنے کا اللہ تعالیٰ نے جو جامع کورس کروایا ہے وہ حج کے اندر ہے۔

اس کے اندر حکم ہوا کہ چونکہ مکہ شریف کی طرف جتنے بھی آنے والے ہیں ان کے لیے سب سے جامع کام یہ ہے کہ اپنا گھر چھوڑیں جس گھر میں مانوس ہیں، اس گھر کو چھوڑ دیں، باہر نکلیں، پھر محلہ بھی چھوڑیں جس محلے سے انہیں پیار ہے، پھر جس جگہ میں بچپن گزارا ہے اس کو جگہ کو بھی چھوڑ دیں کیونکہ وہ جگہ حجاب بنی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے، پھر شہر بھی چھوڑ دیں، پھر ملک بھی چھوڑ دیں اور پھر اپنی عادت کا لباس بھی چھوڑ دیں۔

ہر وقت انسان ایک عادی لباس میں ہے، اس کی وجہ سے بھی اس کی ایک رغبت ہے تو اس کا عادی لباس بھی اتار دیا گیا۔

اب دیکھو فطرت کیسی ہے، فطرت یہ ہے کہ جو پہلے مالوف ہے اس کو چھوڑ دو، اب تمالذف کیا ہے؟

سر کا ڈھانپا ہوا ہونا اور بدن کا سلے ہوئے کپڑے میں ملبوس ہوا اور فرمایا کہ اب تم سر ننگا کرو اور سلے ہوئے کپڑے اتار دو تا کہ جو پہلے مالوف ہے اور جو پہلے عادت ہے وہ عادی نظام بدل جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ مؤمن کی شان ہے کہ عمومی حالت میں اس کا سر ڈھانپا ہوا ہونا چاہیے۔

اب حاجی کو یہ انداز دیا جا رہا ہے کہ اپنی مالوف چیزیں چھوڑنی ہیں، جن کی پہلے الفت تھی ان کی الفت چھوڑنی ہیں۔

بندے کا علیحدہ علیحدہ امتحان ہونا

علماء کرام کا امتحان یہ ہے کہ متشابہات میں توجہ نہ کریں، متشابہات میں سوچنے کا جی کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آگے اس میں سوچنے سے منع فرما دیا ہے۔

یہ امتحان عوام کا نہیں کیونکہ ان کو تو اس میں توجہ کرنے کی صلاحیت میسر ہی نہیں ہے، ان کا امتحان کیسے ہوگا؟، تو جن کی صلاحیت ہے اور جی کرتا ہے کہ آگے بڑھیں، اللہ تعالیٰ نے روک دیا کہ تمہارا امتحان ہے اس کے آگے مت جاؤ، تو جو کسی کی صلاحیت ہو اور جس سے امتحان ہو سکتا ہو، اسی سے آزمایا جاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے بندے سے ساری مالوف چیزیں چھڑوا دی ہیں کہ تم سر ننگا کر لو اور تم خاص لباس پہن لو، ان سلی احرام کی چادریں پہن لو، خاص چادروں کو زیب تن کرو اور پھر یہ ہی نہیں، بلکہ جو بھی مالوف عادتیں ہیں ان کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اب تم نے ناخن بھی نہیں اتارنے، اب بال بھی نہیں کاٹنے، اب تم حالت احرام میں ہو تو کتنا بڑا انقلاب آگیا، گھر سے لیکر احرام تک ہر ہر قدم پر اس نے محلہ چھوڑ دیا، گھر چھوڑ دیا، شہر

چھوڑ دیا، ملک چھوڑ دیا، پہلے والا لباس چھوڑ دیا اور پہلے والی عادات بھی رب نے چھڑوا دی ہیں کہ اب تم نے اس طرح رہنا ہے کہ سر کا دھیان رکھنا ہے، اس پر کپڑا نہ آ جائے، خوشبو نہیں لگائی جو تم پہلے لگاتے تھے، اب تم نے ناخن بھی نہیں کاٹنے۔

اللہ تعالیٰ نے حج کے تمام طریقے میں ایک تبدیلی لا کر اس کو زہد کی طرف متوجہ کر کے یہ خلاصہ بتایا کہ اے بندے! جیسے ہم نے تیرے ظاہر کو بدل دیا ہے، اب اپنے اندر کو بھی بدل ڈال، تو یہ بندے کے لیے ہمہ جہت سلیبس ہے، جو لوگ اس مرحلہ حج سے گزر چکے ہیں، ان کو اس کا مکمل احساس ہوگا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

حج حضوری کی تربیت

ایک یہ احساس ہے کہ میں اپنے رب کے سامنے بیٹھا ہوں اور رب کے سامنے موجود ہوں یہ احساس ہمہ وقت برقرار رکھنے کے لیے ایک بڑے مجاہدے کی ضرورت ہے تو اس کو خاص لباس پہنا دیا گیا، چلو جب بھی تو سفید چادر دیکھے گا تو تجھے خیال آئے گا کہ میں رب کے راستے میں نکلا ہوں، میں رب کا مہمان ہوں، جب اچانک سوچے گا کہ ننگے سر بیٹھا ہوں، میں تو کبھی ننگے سر بیٹھا نہیں تھا، تو خیال آئے گا کہ اب تیرے رب کو تیرا ننگا سر ہی پسند ہے، جس وقت وہ دیکھے گا کہ بدن پر میل کچیل ہے، ناخن بڑھ گئے ہیں، میں نے تو انہیں کاٹنا تھا، تو فوراً خیال آئے گا کہ تیرا یہ کورس ہو رہا ہے، یہ زہد کا کورس ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا جامع بنایا ہے، ہر ساعت اور ہر سیکنڈ میں اتنا نور بھر دیا ہے کہ انسان جدھر بھی دیکھے اور جہاں بھی سوچے اسے اللہ تعالیٰ کی محبت کے جلوے نظر آئیں گے۔ اس سے حضوری کی تربیت دی جا رہی ہے۔

پھر ایک تو ماحول ایسا ہے کہ سفر ہے اور وہاں پہنچ گیا ہے، وہاں مقدس دیار، وہاں کعبہ کی زیارت اور لبیک لبیک کی لوگوں کی صدائیں تو وہ سب کچھ بھی موجود ہے اور ساتھ بدن میں بھی ایک جہان موجود ہے، اس کی تبدیلی اور انقلاب کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو جو دنیا میں رچ بسا چکا تھا وہاں سے باہر نکال کر زہد کا تاج پہنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو حج کا رستہ دکھایا ہے۔

حج، تسکین محبت

انسان کا جس سے پیار ہوتا ہے اس کی چیزیں دیکھنے کو جی کرتا ہے، جس طرح کا پیار ہوتا ہے تو اسی طرح کی چاہت بھی ہوتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں، تو ان کی چاہت کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

أَرِنِىٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ ...... عرض کی اے رب میرے اپنا دیدار دیکھا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ (القرآن الكريم، سورة الأعراف، رقم السورة: 7، رقم الآية: 143)

چونکہ ان کا پیار رب کے ساتھ بڑے درجے کا ہے، تو انہوں نے خود اس کی دید کا تقاضا کر لیا کہ اے اللہ! اپنا آپ دکھا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، ہم جیسے لوگوں کا پیار اس درجے کا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلیم کا ہوتا ہے، آخر ہم نے کلمہ جس کا پڑھا ہے تو ہر بندے کا دل کرتا ہے میں اس کو دیکھوں حالانکہ وہ گھر سے پاک ہے، وہ مکان سے پاک ہے لیکن بندوں کو سہارا دینے کے لیے ایک مکان اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کو ایسا شرف دے دیا کہ تم جب یہاں آؤ گے تو میرے گھر میں آ جاؤ گے۔

تو یہ وہ خاص نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مکان سے ہی پاک ہے وہ تو ہر جگہ موجود ہے، تو وہ ایک گھر کے بارے میں کیوں کہتا ہے کہ یہ بیت اللہ ہے، یہ میرا گھر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف بندوں کو دلاسہ دینے کے لیے کہ تم رب کو ڈھونڈو گے، رب رب کرتے ہوئے زندگی گزرو گے تو اس رب کے گھر آ جاؤ، فرمایا کہ میں گھر میں رہنے سے پاک ہوں مگر تمہیں دلاسہ دینے کے لیے میں نے گھر بنا دیا ہے کہ اس پر میرے جلوے برستے ہیں، تم اس کے پاس آ کر بیٹھو گے، اس کے پاس آؤ گے، اپنی عبادت کرو گے تو تمہیں محسوس ہوگا کہ ہم اب رب کو سجدہ کرتے ہیں تو پہلے کے مقابلے میں زیادہ اس کے قریب ہو گئے ہیں، اگرچہ وہ تو پہلے بھی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے حج کا حکم لوگوں کی محبت کو سیراب کرنے کے لیے اور تسکین بخشنے کے لیے دیا ہے۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ:

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ ...... تو تو لوگوں کے کچھ دل ان کی طرف مائل کر دے۔ (القرآن الکریم، سورۃ ابراھیم، رقم السورۃ: 14، رقم الآیۃ: 37)

تو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی اس کا اثر موجود ہے اور انسان میں ایک تڑپ موجود ہے کہ وہ جا کر اس گھر کی زیارت کرے اور اس گھر کا دیدار کرے۔

اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنی طرف سے حکم دے دیا اور شریعت بھی چاہتی تھی اور طبیعت بھی چاہتی تھی تو یہاں شریعت و طبیعت کی یکجائی ہے، ویسے بھی اگر حکم نہ آتا تو اس انسان کا اپنا تقاضا ہوتا کہ کاش میں جا کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا گھر کیسا ہے اور وہ مقامات کیسے ہیں جہاں انبیاء کرام علیہم السلام حج کرتے رہے اور بالخصوص اس لحاظ سے کہ

یہاں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا ہے، یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہے، جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مولد ہے، پھر زیارت حرمین شریفین کا شوق اس انداز میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طبیعتوں کے اندر اس چیز کو رکھا ہے اور پھر حج کا حکم دیکر اپنے بندوں کو نوازنے کا ایک بہترین موقع عطا فرمایا ہے۔

حج، شیطان کی رسوائی کا سبب

شیطان بندے کو ہر وقت شکار کرنا چاہتا ہے اور جب بندہ بھٹکتا ہے تو شیطان ہنستا ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرا بندہ بھی شیطان سے بدلہ لے، میرا بندہ ہنس رہا ہو اور شیطان رو رہا ہو تو اس کے لیے حج خاص مقام ہے بالخصوص یوم عرفہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح باقی ساری کائنات کا مشاہدہ فرماتے ہیں ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کو دیکھتے ہیں، کب روتا ہے، کب اپنے آپ کو مایوس سمجھتا ہے اور شیطان کی کیا کیا کیفیات ہیں، وہ شیطان جو دنیا پر اپنا ایک تسلط جمانا چاہتا ہے، میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کے سامنے وہ ہیچ ہے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح اس کے بارے میں جانتے ہیں کہ اس کو کیسے مسترد کیا جا سکتا ہے اور دھتکارا جا سکتا ہے، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مَا رُوِیَ الشَّیْطَانُ یَوْمًا هُوَ فِیْهِ أَصْغَرُ وَ لَا أَدْحَرُ وَ لَا أَحْقَرُ وَ لَا أَغْیَظُ مِنْهُ فِیْ یَوْمِ عَرَفَةَ ...... کسی دن میں شیطان اتنا چھوٹا، ذلیل دھتکارا ہوا اور غصے میں نہیں دیکھا جاتا جتنا عرفہ کے دن دیکھا جاتا ہے۔ 9 ذوالحج کو شیطان جتنا روتا ہے اتنا اور کسی دن میں نہیں روتا اور شیطان کا ایک سائز ہے، اس میں گھٹنے اور بڑھنے کا سلسلہ ہوتا

ہے، کبھی چڑیا جتنا بن جاتا ہے، کبھی احد پہاڑ سے بھی بڑا بن جاتا ہے۔

یہ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے بڑھتا اور گھٹتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ لوگ تو میرا فٹ بال (Foot Ball) بھی بن گئے ہیں تو پھر خوشی سے پھولتا ہے اور وہ احد پہاڑ سے بھی بڑھ جاتا ہے، جب یہ سمجھے کہ لوگوں نے میری مخالفت شروع کر دی ہے اور انہوں نے میرے کیے پہ پانی پھیر دیا ہے، اتنے سجدے کرنا شروع ہو گئے ہیں، اتنا رو رہے ہیں، دعائیں مانگ رہے ہیں، نمازیں پڑھ رہے ہیں، توبہ و استغفار کر رہے ہیں تو اب شیطان کی ہوا نکل جاتی ہے، چڑیا سے بھی چھوٹا ہو جاتا ہے۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ شیطان کو رسوا کرنے کا سب سے سنہری چانس اور شیطان پر حملہ کرنے کا سب سے بڑا موقع، حج کا موقع ہے۔

پھر شیطان اتنا چھوٹا کسی دن میں دکھائی نہیں دیتا جتنا 9 ذوالحج کو چھوٹا دکھائی دیتا ہے اور اتنا کسی دن بھی افسردہ نظر نہیں آتا جتنا 9 ذوالحج کو افسردہ نظر آتا ہے، جب حاجی میدان عرفات میں پہنچ چکے ہوتے ہیں، اتنا کسی دن بھی شیطان غصے میں نظر نہیں آتا جتنا اس دن غصے میں نظر آتا ہے۔

شیطان دھتکارا ہوا ہے، غصے میں مارا ہوا ہے اور پریشان و افسردہ ہے اس لیے کہ:

اِلَّا لِمَا رَأٰی مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَ تَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ ...... یہ اس کی حالت اس لیے ہوتی ہے، کہ وہ رحمت کا برسنا دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دینا دیکھتا ہے۔ اس نے سارا سال لگایا تھا اور بندوں کو گناہوں میں پھنسایا تھا، اتنے بڑے بڑے گناہوں کے پہاڑ بن گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اتنی ہیں کہ وہ ساری پہاڑیاں رحمت کے پانی میں ڈوب گئی ہیں اور ہر

طرف رحمت ہی رحمت ہو گئی ہے، عرفات کے میدان میں جس وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے تو وہ شیطان روتا ہے کہ میری ساری کاروائیاں پانی میں مل گئی ہیں، تو یہ خاص دن ہے، اس دن کی حاضری میں خاص حکمت ہے کیونکہ شیطان ہمارا عدو مبین ہے، اس کو ذلیل و رسوا کرنا یہ شریعت کا ہم سے بہت بڑا تقاضا ہے۔

(الموطأ لامام مالك، كتاب الحج، باب: جامع الحج، رقم الصفحة: 457، رقم الحديث: 1597)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے واضح ہوا کہ یہ بہت عمدہ چانس ہے، یہاں جس وقت رحمتوں کے میلے ہوتے اور ہر طرف رحمتوں کی آوازیں ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بخشش کے نظارے ہوتے ہیں تو شیطان کی چیخیں نکل جاتی ہیں، حج کی حکمتوں میں یہ مقصد بھی ہے کہ بندے وہاں پہنچیں اور شیطان سے بدلہ لیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حصول سے اپنے آپ کو مالا مال کر لیں۔

حاجی کی عظمت، ایک مثال

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ جس وقت میدان عرفات میں تھے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ رو رہے ہیں، آنکھیں اشکبار ہیں، دلوں میں نرمی ہے اور لوگ قیام کر رہے ہیں اور دعائیں کر رہے ہیں، ہر چھوٹا بڑا اپنی اپنی فکر میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے، دور دور تک لوگوں کی چیخوں کی آواز آ رہی ہے، لوگ مغفرت کی بھیک مانگنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے دروازے پہ دستک دے رہے ہیں۔

ایسے میں جب حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اتنے لوگ عرفات میں موجود ہیں اور پورے عرفات میں آنسوؤں کی رم جھم ہے، لوگ بخشش کے متلاشی

ہیں، آپ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمانے لگے کہ:

أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ هٰؤُلَاءِ سَارُوْا إِلٰى رَجُلٍ فَسَأَلُوْا دَانِقًا أَ كَانَ يَرُدُّهُمْ؟ ...... ایک بندے سے حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ ارشاد فرمانے لگے کہ جتنا یہ بندے رو رہے ہیں، یہ ہزاروں لاکھوں انسان جو یہاں موجود ہیں اگر یہ سارے انسان کسی دنیا والے کے دروازے پہ چلے جائیں اور اس سے جا کر دانق کا سوال کریں یعنی درہم کے چھٹے حصے کا سوال کریں، تو وہ دنیادار ان کو خالی ہاتھ لوٹا دے گا۔

اس نے کہا کہ اگر اتنے مل کر کسی کے دروازے پر چلے جائیں تو وہ کہے گا کہ اتنے آ گئے ہیں اور مجھ سے ایک دانے کا سوال کر رہے ہیں تو اُس کے لیے ان کی حاجت کو پورا کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا تو حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ ارشاد فرمانے لگے کہ:

یہاں جیسے اس بندے کے لیے ان کو دانق دینا کوئی مسئلہ نہیں، وہ دنیادار کہے گا کہ اس سے کوئی کمی نہیں آئے گی، درہم کا چھٹا حصہ ہے، اگر دے دوں تو اس سے ہوتا کیا ہے اور وہ بلا جھجک دانق دے دے گا۔

تو حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ ارشاد فرمانے لگے کہ:

وَ اللّٰهِ لَلْمَغْفِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ أَهْوَنُ مِنْ إِجَابَةِ رَجُلٍ لَهُمْ بِدَانِقٍ ...... خدا کی قسم ان لاکھوں لوگوں کو بخش دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دینا دار کے دانق مانگنے والوں کو دانق دینے کے مقابلہ میں معمولی بات ہے میرے رب کے سامنے اتنے لاکھوں ہزاروں کو بخشنا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے، لہذا جیسے یہ سارے مل کے کسی دنیادار کے دروازے پہ جا بیٹھیں اور دانق مانگیں تو اس کے لیے دانق دینا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا وہ کہے گا کہ دانق تو کوئی چیز نہیں ہے، فرمانے لگے کہ جیسے اس کے لیے دانق دینا کوئی

مسئلہ نہیں تو میرے رب کے لیے اتنے لوگوں کو معاف کرنا بھی کوئی مسئلہ نہیں، لہٰذا جب یہ مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بخشش عطا فرما دیتا ہے اور اپنی طرف سے خاص مغفرت کے تاج بھی عطا فرماتا ہے۔

(لطائف المعارف وظائف شهر ذی الحجة المجلس الثانی: فی یوم عرفة مع عید النحر، ص: 287)

حاجی پوری کائنات کا ہمنوا

ویسے تو حج میں بے شمار حکمتیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حج کی وجہ سے حاجی کو پوری کائنات کا ہمنوا بنا دیا اور کائنات کو اس کا ہمنوا بنا دیا، کائنات کو اس کی رفاقت دے دی اور اس کو کائنات کی رفاقت عطا کر دی، کیونکہ جس وقت یہ تلبیہ پڑھتا ہے:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَکَ وَ الْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ

جس وقت یہ کلمات بندے کی زبان پر ہوتے ہیں اور یہ کلمات بندہ پڑھ رہا ہوتا ہے تو اس وقت پوری کائنات اس کی ہم زبان ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُلَبِّیْ ...... جس وقت کوئی بندہ ''لبیك اللھم لبیك'' کی صدائیں دیتا ہے کہ اے اللہ! میں حاضر ہوں، جس وقت یہ آواز نکالتا ہے۔

اب دیکھو وہ بندہ گھر سے چلتا ہے، احرام باندھتا ہے، پھر تلبیہ شروع ہو جاتا ہے تو وہ راستے میں پڑھتا جاتا ہے، وہاں مختلف مقامات پہ پڑھتا جاتا ہے، اس کی اس وقت حالت یہ ہوتی ہے کہ:

اِلَّا لَبّٰی مَنْ عَنْ یَمِیْنِہٖ ...... اس کے دائیں جانب سے لیکر زمین کے آخری کونے تک درمیان میں جو کچھ آ رہا ہے،

مِنْ حَجَرٍ اَوْ شَجَرٍ اَوْ مَدَرٍ ...... جتنے پتھر اور جتنے درخت اور جتنے مٹی کے ڈھیلے الغرض جو جو چیزیں درمیان میں آ رہی ہیں، وہ ساری چیزیں اس سے مل کر لبیک کہتی ہیں، ایسے ہی بائیں جانب سے لیکر زمین کے آخری کنارے تک۔

حَتّٰی تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ ھٰھُنَا وَ ھٰھُنَا ...... یہاں تک کہ دائیں طرف بھی زمین ختم ہو جاتی ہے اور بائیں طرف بھی زمین ختم ہو جاتی ہے، پوری کائنات اس کے ساتھ شریک ہو جاتی ہے، اس کی ہمنوا بن جاتی ہے، اس نے جب لبیک کہنا شروع کر دیا تو اس کو اتنی مخلوق کے دائرے میں شامل کر دیا گیا اور اس کو کائنات کی ایسی رفاقت عطا کر دی گئی کہ ساری چیزیں اس کے ساتھ تلبیہ کہنے میں شریک ہو گئی ہیں۔

(جامع الترمذی، کتاب الصوم، باب: فضل التلبیۃ و النحر، ج: 3، ص: 189، رقم الحدیث: 828)

تو یہ حج کا خاص انداز ہے جس میں خالق کائنات نے اپنے بندوں کو نوازنے کے لیے مختلف قسم کے گولڈن چانسز رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بار بار اس موقع کی سعادتیں نصیب فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج کے اسرار و رموز سے بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
9

معرفت الٰہی: اسباب و علامات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ

وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

(القرآن الكريم، سورة العنكبوت، رقم السورة:29، رقم الآية:69)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکرودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے "ادارہ صراط مستقیم" پاکستان کے زیر اہتمام بھٹی میرج ہال میں ہم سب کو "فہم دین کورس" میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

معرفت الٰہی: اسباب وعلامات

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ انسان اللہ تعالیٰ کو جانے اور اس کی معرفت حاصل کرے۔ اس بنیاد آج کی گفتگو انسان کی زندگی کے سب سے بڑے مقصد کے متعلق ہے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات کا عرفان عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ سب کو اپنی معرفت کا انعام عطا فرمائے۔

معرفت کا معنیٰ

"معرفت" عربی زبان کا لفظ ہے، حضرت امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

اَلْمَعْرِفَةُ اِدْرَاكُ الشَّيْءِ عَلٰى مَا هُوَ عَلَيْهِ

کوئی شئی جس حالت میں ہے، اس چیز کی پہچان بھی اس کی معرفت کہلاتی ہے۔

(التعريفات، باب الميم، رقم الصفحة:283)

امام راغب نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ:

اَلْمَعْرِفَةُ اِدْرَاكُ الشَّيْءِ بِتَفَكُّرٍ وَّتَدَبُّرٍ لِاَثَرِهٖ

کسی چیز کی علامات کو اور اس کے آثار کو سامنے رکھتے ہوئے اس چیز کا ادارک تفکر و تدبر سے کرنے کو معرفت کہا جاتا ہے۔

(مفردات ألفاظ القرآن، كتاب العين، ج2، ص:86)

ہماری گفتگو کسی عام چیز کی معرفت کے لحاظ سے نہیں بلکہ ہماری گفتگو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لحاظ سے ہے، جب ہماری گفتگو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی بارے میں ہے تو یہ کتنا زیادہ لذیذ مقام ہے، اس واسطے کہ جس چیز کے بارے میں انسان کو ادارک ہو وہ جتنی اشرف اور اعلیٰ ہوگی، اتنا ہی اس کے متعلق جو علم ہے وہ بھی اشرف واعلیٰ ہوگا، چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے اعلیٰ ذات ہے، تو پھر اس ذات کے متعلق انسان کو جو آگہی حاصل ہوگی، پہچان میسر آئے گی، اور اس ذات سے متعلق جو انسان کو تعارف ہوگا، وہ تعارف باقی ہر قسم کے اوراک سے افضل واعلیٰ ہوگا۔

علم اور معرفت میں فرق

عمومی طور پر علم اور معرفت کا لفظ آپس میں مترداف استعمال کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں ان دونوں لفظوں میں بڑا فرق ہے۔

علم اور معرفت کے لحاظ سے جب اللہ تعالیٰ کی ذات کی بات کرتے ہیں تو اس سے پتہ

چلتا ہے کہ کسی انسان کو یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ عارف باللہ ہے، مگر یہ نہیں کہا سکتا ہے کہ یہ عالم باللہ ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے، مگر یہ کہنا کہ یہ عالم باللہ ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم ہے تو یہ بالعموم مناسب نہیں ہوگا؛ اس واسطے کہ علم کا تعلق کسی چیز کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے، اور انسان کی جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں پہچان ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور صفات میں تدبر کے لحاظ سے ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک تو انسان کے لیے بہت مشکل ہے، انسان اللہ تعالیٰ کی آیات اور صفات میں جب تدبر و تفکر کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں آگہی میسر آتی ہے۔ مگر حضرت محمد ﷺ کا معاملہ اس بارے میں جدا ہے آپ کا فرمان صحیح بخاری میں أَنَا وَأَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ
میں تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھتا ہوں

علم کسی کی ذات کے متعلق ہوتا ہے اور معرفت اس کی صفات کے متعلق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق علم کی بجائے معرفت کا اطلاق کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ عارف باللہ ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں تدبر کر کے اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہے، اور اس کو پہچاننے والا ہے۔

حضرت امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کرتے ہوئے لفظ معرفت استعمال نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں لفظ علم استعمال ہوتا ہے یعنی جب ہم یہ بیان کرنا چاہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں چیز کو جانتا ہے تو یہ نہیں کہیں گے کہ اَللّٰهُ يَعْرِفُ كَذَا بلکہ یہ کہیں گے اَللّٰهُ يَعْلَمُ كَذَا۔ یعنی نہیں کہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی معرفت ہے بلکہ کہیں گے اللہ کو اس کا علم ہے۔

(مفردات الفاظ القرآن، کتاب العین، ج:2، ص:86)

ایک تو یہ فرق ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں جانے تو اس وقت کہیں گے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، یہ نہیں کہیں گے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اگر چہ علم اور معرفت ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں مگر حقیقت کے لحاظ سے کہیں گے کہ انسان کو معرفت الٰہی حاصل ہے، یہ نہیں کہیں گے یہ انسان اللہ تعالیٰ کا عالم ہے۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے گفتگو ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز کو جانتا ہے تو اس وقت لفظ علم استعمال ہوگا، لفظ معرفت استعمال نہیں ہوگا، یعنی یہ نہیں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں چیز کی معرفت ہے، بلکہ یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں چیز کا علم ہے۔

کیونکہ معرفت علم سے کم درجے کو کہا جاتا ہے۔ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز کو وسائل سے پہچاننا، کسی چیز کو نشانیوں میں تدبر کر کے، غور وفکر کر کے جاننا معرفت کہلاتا ہے، اس کے جاننے والے کو کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کو کسی ایسے مرحلے سے نہیں گزرنا پڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو تدبر سے جانے، اللہ تعالیٰ تو براہ راست ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اس واسطے جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے تو "یَعْلَمُ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، "یَعْرِفُ" کا لفظ استعمال نہیں کرتے کیونکہ عرفان یہ ہے کہ وسائل سے آہستہ آہستہ کسی چیز کو پہچاننا، جبکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو جاننے میں کسی کا محتاج نہیں، وہ کسی کے سہارے سے اور سوچ کے کسی چیز کو جانے، یہ اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔

یہاں پر معرفت اور علم کے اس فرق کے ساتھ ساتھ اس کی اقسام اور اس کے اسباب

کی طرف متوجہ ہوں گے اور آج گفتگو اس بارے میں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ کون سے اسباب ہیں جن کے ذریعے سے معرفت حاصل ہوگی، اور عارفین کی اس لحاظ سے کتنی اقسام ہیں۔

معرفت الٰہی کے طریقے

اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بنیادی طور پر دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: اللہ تعالیٰ کے افعال میں توجہ کرنا:۔

اللہ تعالیٰ کے افعال میں توجہ کر کے اس کی معرفت حاصل کرنا کہ وہ عزت دیتا ہے، وہ ذلت دیتا ہے، وہ لوگوں کا رزاق اور خالق ہے، تو ان افعال کے ذریعے ان کے فاعل کو جان لینا، معرفت کا ایک طریقہ ہے۔

دوسرا طریقہ: اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر کرنا:۔

اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر کر کے اس کی معرفت حاصل کرنا اور اس کی ذات تک پہنچنا، یہ معرفت کا دوسرا طریقہ ہے۔

پہلا طریقہ: اللہ تعالیٰ کے افعال میں توجہ کرنا:۔

معرفت کا جو پہلا طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کے بارے میں آگہی حاصل کرنا اور واقفیت پانا، قرآن مجید کے متعدد مقامات اسی لحاظ سے بندوں کو عرفانِ حق عطا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے جام پلاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو

سمجھاؤ، اسے میرے رب ہونے سے متعارف کرواؤ، وہ بھٹکا ہوا ہے، اور خود خدا ہونے کے دعوے کر رہا ہے، تم اس سے جا کر کہو کہ:

اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ...... ہم دونوں اس کے رسول ہیں جو رب ہی سارے جہان کا، اور اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور ہم تمہیں سمجھانے آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ...... اس امید کہ وہ دھیان کرے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ اگر اس سے نرم گفتگو کی جائے، سختی سے نہ کی جائے، تب بھی وہ نہیں مانے گا، مگر اللہ تعالیٰ اتمام حجت کرنا چاہتا ہے کہ کل اس کا کوئی عذر باقی نہ رہے کہ مجھے کسی نے سمجھایا نہیں تھا اور نہ کوئی سمجھانے آیا تھا، اگر آیا تو اس کا لہجہ بڑا سخت تھا، اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو نرم گفتگو کرنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی آپس میں گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ کیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت کروائی جاتی ہے، اور کیسے معرفت بانٹی جاتی ہے، اور کس طرح اللہ تعالیٰ کا تعارف ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان کیا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے جا کر اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی اور کہا کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں، تو فرعون نے کہا کہ:

وَمَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ...... وہ رب العالمین کون ہے؟

وہ رب جس کی توحید کی تم مجھے دعوت دیتے ہو اور جس کے تم رسول ہو اس کا مجھے تعارف تو کرواؤ،

وَ مَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ...... وہ رب العالمین کون ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

جب اس نے یہ سوال کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ہی منفرد انداز میں تعارف کروایا:

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا رب آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں، اگر تمہیں یقین ہو۔

اب یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت دی جا رہی ہے، اور معرفت دینے والے کا مطالعہ بہت زیادہ ہے، اور انداز بہت اچھا ہے، اور اپنے عروج علم کے ساتھ فرعون کو سمجھانا چاہتے ہیں۔

جب اس نے پوچھا کہ رب العالمین کون ہے، اس کا تعارف کرواؤ، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کا تعارف کروایا تو وہ پوری گفتگو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرما دی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا رب آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں۔

اس سے پتہ چلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام افعال سے تعارف کروا رہے تھے کہ میں اسی کا بندہ و رسول ہوں جو آسمانوں کا رب ہے، اور زمینوں کا بھی رب ہے، اور ان دونوں کے درمیان جتنی مخلوقات ہیں ان سب کا رب ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ...... اگر تمہیں یقین ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم اپنے اندر سوزِ یقین پیدا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا تعارف یہ ہے کہ اس نے آسمانوں کو بھی بنایا ہے، اور زمینوں کو بھی بنایا ہے،

اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے ان کو بھی بنایا ہے، اور پھر زمین کو بھی باقی رکھا ہے اور آسمان کو بھی باقی رکھا ہے، یہ ایک نظام ہے، جس کے مطابق ساری کائنات چل رہی ہے، جو ان افعال کا کرنے والا ہے اس ذات کو رب العالمین کہا جاتا ہے۔

جس وقت آپ علیہ السلام نے فرعون کو جواب دیا تو آگے سے فرعون کا انداز کیا تھا، اس نے کہا کہ:

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ...... اپنے آس پاس والوں سے بولا کیا تم غور سے سنتے نہیں۔

یہ کلام کسی کو مبہوت کرنے کے لیے ہوتا ہے یعنی جب کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو دوسرے کہیں کہ سنو یہ کیا بول رہا ہے، تو اس سے بولنے والے پر اثر پڑتا ہے اور بولنے والا سمجھتا ہے کہ میں نے کتنی غلط بات کہہ دی ہے کہ اگلا دوسروں کو بھی میری طرف متوجہ کر رہا ہے کہ تم غور سے اس کی بات کو سنو۔

فرعون اپنے درباریوں کو متوجہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انڈر پریشر کرنا چاہتا تھا:

اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ...... تم سنتے نہیں ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو دعویٰ کرتے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں حالانکہ اللہ کے بارے میں معرفت ہی نہیں دے سکے، اللہ تعالیٰ کی پہچان ہی نہیں کروا سکے "معاذ اللہ"۔

وہ "وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" کہہ کر اللہ تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کیا ہے؟ لیکن انہوں نے اس کی حقیقت بیان نہیں کی بلکہ اس کی صفات بیان کی ہیں کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، فرعون نے کہا کہ یہ جواب میرے سوال کے مطابق نہیں ہے۔ لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تنقید کرتے

ہوئے کہ تمہیں معاذ اللہ میرے سوال کی سمجھ نہیں آئی، میں سوال اور کر رہا ہوں تم جواب اور دے رہے ہو، تو اس لیے اس نے ''أَلَا تَسْتَمِعُوْنَ'' کے الفاظ بولے کہ میرے دربار والو! تم سنتے نہیں ہو کہ میں نے ان سے کیا پوچھا ہے اور یہ مجھے کیا جواب دے رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کی بات کو سنا تو اگلا جواب دیا کہ:

قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ ...... موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا رب تمہارا اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا۔

پہلی دلیل بھی صحیح تھی لیکن اب واضح دلیل دینا چاہتے ہیں کہ جتنے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ جب پیدا ہوئے تو آسمان ایسے ہی تھا، زمین ایسے ہی تھی، اگر عقل سلیم ہو تو جانیں کہ رب نے آسمان کو بنایا اور رب نے زمین کو بنایا اور اگر وہ جھگڑالو بنیں کہ نہیں، نہیں، یہ آسمان و زمین تو پہلے ہی موجود تھے اور تو پھر تم اپنے آپ کو دیکھ لو کہ تم تو ہمیشہ سے موجود نہیں ہو، تم جب پیدا ہوئے اس سے پہلے نہیں تھے، پھر تم وجود میں آئے، میرا رب وہ ہے جس نے تمہیں وجود عطا فرمایا ہے، لہٰذا پہلی دلیل سے ترقی کی اور مزید ان کو جھنجھوڑا، اور اللہ تعالیٰ کی اور صفت کو ذکر کر کے ان کو مبہوت کیا۔

پہلی دلیل ایک لحاظ سے وسیع مفہوم والی ہے، آسمانوں اور زمینوں کو جس نے پیدا کیا وہ رب ہے، لیکن دوسری دلیل میں انہیں بتانا چاہا کہ تم ازلی، ابدی نہیں ہو، ایک وقت تھا تم نہیں تھے پھر تمہارا وجود ہوا، ایک وقت تھا کہ تمہارے باپ، دادا بھی نہیں تھے پھر ان کو پیدا کیا گیا، تو پھر رب اس ذات کو کہا جائے گا جس ذات نے تمہیں بھی وجود عطا فرمایا ہے اور تمہارے باپ، دادا کو بھی پیدا فرمایا ہے۔

یہ معرفت الٰہی کے سورسز ہیں اور ایک منکر کو قائل کیا جا رہا ہے کہ تم پہچانو: تمہارا رب کون ہے؟

جس وقت آپ نے اس کو جواب دیا اور آپ کو نرمی سے گفتگو کرنے کا حکم دیا گیا تھا مگر آگے سے فرعون سخت لہجہ اپنا رہا تھا، اب اس نے آگے سے اس کا جواب دیا:

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِىْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ...... بولا تمھارے یہ رسول جو تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور عقل نہیں رکھتے۔

ان کو تو کچھ پتہ ہی نہیں ہے، پوچھتا کچھ ہوں اور یہ جواب کچھ دیتے ہیں۔

میں نے رب کی حقیقت پوچھی لیکن یہ اس کی صفتیں بیان کر رہے ہیں کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، اور تمہیں اور تمہارے آباء کو پیدا کیا تو معاذ اللہ جن کا دعوی ہے کہ میں رسول ہوں یہ تو مجنون ہیں، مجنون کیسے رسول ہو سکتا ہے؟ لہذا اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے ''معاذ اللہ''۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ سب سے سچا دعوی اللہ تعالیٰ کی توحید کا ہے، مگر اس کو ثابت کرنے کے درجات ہیں اور ایک ترتیب ہے، اگر کوئی نہ جاننے پہ آئے تو انکار کر جاتا ہے، اور اس کی اپنی مرضی ہے اور دعوی میں کوئی کمزوری نہیں، دعوی سچا ہے اور دلیلیں بھی سچی ہیں، مگر سامنے ایک بگڑا ہوا انسان ہے، اس کے حیلے بہانے ہیں، یہ حیلے بہانے ضدی لوگوں کے شروع سے موجود ہیں، دلیل اللہ کا نبی دے رہا ہے، بات رب کی ہے، مگر منکر مناظرہ (مجادلہ) کر کے انکار کرنا چاہتا ہے کہ میں یہ ثابت کروں کہ ان کی دلیلیں کمزور ہیں، تا کہ دعوی کمزور ثابت ہو جائے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے اس جواب پر پھر بولے اور ارشاد فرمایا:

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا رب پورب اور پچھم کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔

آپ علیہ السلام پہلے سے زیادہ دلیل کو قریب لے آئے، یعنی جو مجمع لگا ہوا تھا، کوئی چالیس سال کا ہوگا، یا کوئی پچاس سال کا ہوگا، کوئی ساٹھ، یا اسی کا ہوگا، ان کی سوچ اپنی ولادت کی طرف نہیں جا رہی اور ان کا خیال اس طرف نہیں جا رہا کہ جب ان کو پیدا کیا گیا تھا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ آج جو سورج طلوع ہوا اس کو میرے رب نے طلوع کیا اور کل جو غروب ہوا تھا وہ میرے رب نے غروب کیا تھا، اب دلیل کو بالکل قریب لے آئے کہ وہ ہی سورج کو طلوع کرتا ہے اور وہ ہی سورج کو غروب کرتا ہے۔

یہ واضح ترین دلائل ہیں ان کو دیکھو اور میرے رب کا کلمہ پڑھو۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویہ تھوڑا سخت کیا اور ارشاد فرمایا:

إِنْ كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ...... اگر تمہیں عقل ہو، سمجھو اور ہوش سے کام لو تو سلیم العقل انسان ضرور جانے گا کہ یہ کائنات خود بخود نہیں چل رہی، وہ رب ہے جو روزانہ سورج کو طلوع بھی کرتا ہے اور سورج کو غروب بھی کرتا ہے۔

(القرآن الكريم، سورة الشعراء، رقم السورة: 26، رقم الآيات: 28-23)

جس وقت کوئی بندہ دلیل سے شکست کھا جائے تو وہ تشدد کی طرف آ جاتا ہے، پھر وہ بندوق اٹھاتا ہے اور اپنی طرف سے سختیاں کرتا ہے، فرعون کے پاس اس سے آگے کوئی بات نہ تھی، اس نے وہ کچھ کہہ دیا جو کچھ اس نے کہنا تھا، اس نے مجنون بھی کہہ دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ ان کو میرے سوال کی سمجھ نہیں آتی، میں کچھ کہتا ہوں یہ کچھ جواب دیتے

ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر عقل ہو تو بات کرو، تمہیں تو رب کے بارے میں سوال کرنے کا طریقہ نہیں آتا، خود رب بننے کے دعوے کر رہے ہو:

''اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ'' اس کا معنی یہ تھا کہ رب کی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی معیار الوہیت بیان ہوسکتا ہے، اگر بیان کیا جاتا ہے تو اس کی صفتوں کو بیان کیا جاتا ہے، رب کے افعال کو بیان کیا جاتا ہے، رب ہوتا ہی وہ ہے جس کو عقل کے ترازو میں تولا نہیں جا سکتا، تم عجیب انسان ہو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں اور تم بار بار تقاضا کرتے ہو کہ میں رب کی حقیقت کو بیان کروں، تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو بیان کیا نہیں جا سکتا اگرچہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا کامل پتہ ہے مگر فرعون کی یہ اہلیت ہے کہ اسے صفتوں سے ہی سمجھایا جا سکتا ہے، جو بھی بیان کرے گا وہ اس رب کی صفتون کو بیان کرے گا، اس رب کی شانوں کو بیان کرے گا، اس واسطے ''اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ'' سے صحیح اس کو جھنجھوڑا کہ تمہیں سوال کرنے کا طریقہ نہیں آتا، میرے جواب کی خامیاں نکال رہے ہو، تم جو رب کی حقیقت کے بارے میں سوال کرتے ہو یہ درست ہی نہیں ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی حقیقت لفظوں میں بیان ہو جائے تو پھر الٰہ، الٰہ ہی نہ ہوا کہ جس کو انسان اپنی عقل پہ تولتا پھرے، صرف اس کا تعارف صفتوں سے ہوتا ہے اور اس کے شانوں اور افعال سے ہوتا ہے، اور میں ان افعال سے اس کا تعارف کروا چکا ہوں۔

عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ الٰہی صفتاں نال پچھاپے

یعنی یہ قرآن وسنت کا فیصلہ تھا کہ ''وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ'' کو اگر پہچاننا ہے تو اس کو صفات سے پہچانا جائے اور یہ شروع سے انبیاء کرام علیہم السلام کا اسلوب ہے کہ انہوں

نے جو لوگوں کو تبلیغ کی ہے اور اللہ کا عرفان دیا ہے تو اسی انداز میں دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مکالمہ

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کا مقابلہ کر رہے تھے، اس کو سمجھانا چاہتے تھے کہ تو خدا نہیں ہے، بلکہ خدا وہ ہے جو تمہارا خالق ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِىْ حَاجَّ إِبْرَاهِيْمَ فِىْ رَبِّهٖ أَنْ أٰتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِىْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ قَالَ أَنَا أُحْيٖ وَ أُمِيْتُ.

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تم نے نا دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں۔

اس مقام پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب کا تعارف کروایا کہ میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تو نمرود نے ایک سزائے موت کے مجرم کو رہا کر دیا اور ایک بے گناہ کو سولی پہ چڑھا دیا کہنے لگا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں، تو آپ علیہ السلام اس پہ اڑ سکتے تھے کہ تم غلط مطلب لے رہے ہو، بلکہ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ...... اور اللہ سورج کو لاتا ہے پورب سے تو اس کو پچھم سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے اور اللہ راہ نہیں دیکھاتا ظالموں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، اگر تو رب ہے تو مغرب سے

طلوع کر کے دیکھادے، اس سے اس کو مبہوت کر دیا اور آپ علیہ السلام نے پہلے سے بھی کہیں زیادہ واضح دلیل ارشاد فرمادی۔

(القرآن الكريم، سورة البقرة، رقم السورة:2، رقم الآية:258)

مشرق ومغرب، طلوع وغروب کے لحاظ سے یہ دلیل بہت واضح دلیل ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال سے اس کا عرفان کروایا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت لوگوں کو اس انداز سے کروائی جاتی ہے۔

دوسرا طریقہ: اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر وتفکر کرنا بھی معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بہترین انسان کون ہے؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللّٰهُ ...... جب ان کا چہرہ دیکھا جائے تو خدا یاد آجائے۔

(مسند امام أحمد بن حنبل، مسند القبائل، من حديث اسماء ابنة يزيد رضي الله عنها، ج:6، ص:459، رقم الحديث:27640)

اب یہ معرفت حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں، ان کے چہرے ایسے ہیں اور ان کی گفتگو ایسی ہے، ان کی سیرت ایسی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کی خبر ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت میسر آجاتی ہے، جیسے پھول کو دیکھنے سے خالق کا پتہ چلتا ہے، جیسے پتے پتے سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی آواز آرہی ہے، جیسے کائنات کے سارے مناظر کو دیکھیں تو ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے، تو یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے

ایک انسان کو عرفان حق میسر آتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنا تعارف کروا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ...... اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دیکھا دیں گے، ہم ان کو اپنے تعارف کروا دیتے ہیں، انہیں اپنی قدرتیں دیکھا دیتے ہیں اور انہیں تدبر کی توفیق دیتے ہیں، اپنی آیات دکھاتے ہیں، وہ تدبر کرتے کرتے ہی ہماری ذات تک پہنچ جاتے ہیں۔

وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ...... اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکوں کے ساتھ ہے۔

(القرآن الكريم، سورة العنكبوت، رقم السورة:29، رقم الآية:69)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے محسنین کا لفظ ارشاد فرمایا، یہ سارا تصوف کا شعبہ ہے کہ جس وقت ایک انسان اپنے آپ کو فکری آلودگی سے پاک کرتا ہے، بدعملی سے محفوظ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر موجود حجابات کو ہٹا دیتا ہے اور اپنے بندے کو اپنی ذات سے متعلق معرفت عطا فرما دیتا ہے۔

جس وقت یہ اسباب ایک انسان کو میسر آتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت پا لیتا ہے تو پھر اس کی علامت کیا ہوتی ہیں؟

جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اگر اس کو پہچاننا ہے کہ یہ معرفت رکھتا ہے تو اس کی چند علامات ہیں، اس واسطے کہ اگر بندہ اپنے طور پر خود رب تک جاننا چاہے گا تو ہوسکتا ہے کہ کافی دیر لگ جائے، اور جب عارف باللہ تک پہنچ جائے گا تو عارف باللہ سالوں کا سفر گھنٹوں میں طے کروا سکتا ہے، منٹوں میں طے کروا سکتا ہے، اور ایک عام انسان کو بھی خاص بنا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حامل بنا سکتا ہے۔

عارفین کی اقسام

اس سلسلے میں پہلے عارفین کی اقسام کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔

عارفین دو قسم کے ہیں:

الأقویا: یہ عارفین کی پہلی قسم ہے یعنی پاور فل عارف۔

الضعفاء: یہ عارفین کی دوسری قسم ہے یعنی کمزور قسم کے عارف۔

کمزور قسم کے عارف ہم سے کروڑ درجہ زیادہ پاور فل ہیں، لیکن اقویا کے مقابلے میں وہ ضعیف ہیں، اتنے ان کے سورسز تیز نہیں ہیں جتنے اقویا کے سورسز تیز اور پاور فل ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر ''احیاء العلوم'' میں فرمایا ہے۔

اقویا عارفین

وَ یَکُوْنُ اَوَّلُ مَعْرِفَتِهِمْ بِاللّٰهِ تَعَالٰی ثُمَّ بِهٖ یَعْرِفُوْنَ غَیْرَهٗ ...... اقویا عارفین وہ ہیں جو رب کو پہلے جانتے ہیں اور رب کو جان کے پھر رب کی صفات اور اس کی آیات کو جانتے ہیں، ان کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی طرف بھی متوجہ بعد میں ہوتے ہیں، سب سے پہلے اپنے رب کی طرف توجہ ہوتے ہیں۔

ان کا انداز یہ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللّٰهَ قَبْلَهٗ ...... میں جو چیز بھی دیکھتا ہوں مجھے اس چیز کے نظر آنے سے پہلے میرا رب نظر آتا ہے۔

ان کو اس انداز کی مضبوط معرفت اور قوی عرفان حاصل ہوتا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق معرفت پہلے ہوتی ہے پھر تب وہ دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ضعفاء عارفین

وَ یَکُوْنُ اَوَّلُ مَعْرِفَتِھِمْ بِالْاَفْعَالِ ثُمَّ یَتَرَقُّوْنَ مِنْھَا اِلَی الْفَاعِلِ ...... ضعفاء عارفین وہ ہیں جو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے افعال میں تدبر کرتے ہیں اور اس کی صفات میں تدبر کرتے ہیں، اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔

(احیاء علوم الدین، بیان الأسباب المقویة لحب الله تعالی، ج:4، ص:317)

یہ انداز اولیاء کرام میں اپنے درجے کا ہوتا ہے اور انبیاء کرام میں اپنے درجے کا ہوتا ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے معرفت ایک سوغات ہے، وہ جس درجے میں بھی انسان کو میسر آجائے وہ انسان کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے اور جس وقت وہ معرفت انسان میں جلوہ گر ہو جاتی ہے تو پھر اس کی صورتحال کیا ہوتی ہے؟

معرفت، خوف کی علامت

جس انسان میں جتنی زیادہ معرفت ہوگی یا علم وہ انسان اتنا زیادہ رب سے ڈرنے والا ہوگا، ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَ اَعْلَمَکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا ...... میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہوں۔

(صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب: قول النبی صلی الله علیه وسلم (أنا أعلمکم بالله) و أن المعرفة فعل القلب، ج:1، ص:16، رقم الحدیث:20)

قرآن مجید میں ہے کہ:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ...... اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (القرآن الکریم، سورة فاطر، رقم السورة:35، رقم الآیة:28)

تو جس قدر انسان کو ادراک حاصل ہوگا، عرفان حاصل ہوگا، صفات کا پتہ ہوگا اسی قدر انسان کے اندر خوف زیادہ طاری ہوگا۔ عارف باللہ کی یہ پہچان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کے بعد اس بندے میں عام لوگوں کی بنسبت خوف زیادہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت بادل اور آندھی چلتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک پر خوف کے آثار طاری ہو جاتے تھے، جب کہ ہوسکتا ہے ایک عام انسان کو بادل کے آنے پر کوئی خوف محسوس نہ ہو اور آندھی کے آنے کی صورت میں بھی کوئی ڈر نہ لگے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ عام انسان معاذ اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بہادر ہے، نہیں، نہیں، بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خوف طاری ہوا وہ اس علم کی بنیاد پر تھا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں حاصل ہے، اور ایک عام آدمی کی کھلی آنکھیں بھی یوں ہیں کہ جیسے بند آنکھیں، اس کو یہ پتہ نہیں کہ آفات سماوی میں کیا ہل چل مچی ہوئی ہے، کہاں سے ہوا چلی ہے، اور یہ ہوا کتنی زبردست ہے اور کہاں تک جانا چاہتی ہے اور بادل کے آنے کا انداز کیا ہے، وہ صرف بادل کا رنگ دیکھتا ہے، اس بادل کے پیچھے جو تحریک ہے اس کی اس انسان کو خبر نہیں ہے، یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسعت مطالعہ ہے کیونکہ کائنات آپ کی آنکھ کے نیچے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے ہیں کہ کتنی تیز ہوا چل رہی ہے اور کتنی تیزی سے آگے بڑھنے والی ہے اور کہاں کہاں سے بادل گزرے گا اور کہاں کہاں اس کے آثار مرتب ہوں گے، تو اس بنیاد پر جتنا علم زیادہ ہوگا تو اتنا ہی خوف زیادہ ہوگا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، باقی مسند الأنصار، حديث السيدة عائشة رضي الله عنها، ج:6، ص:167، رقم الحدیث: 25381)

بلا تشبیہ و تمثیل یوں سمجھو کہ ایک بچہ انگارا دیکھتا ہے تو اس کو پکڑ لیتا ہے، اس کو پتہ نہیں کہ یہ آگ ہے اور یہ جلا دے گی، اور بڑا انسان انگارا نہیں پکڑتا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بچہ بڑا بہادر ہے اور نوجوان انسان بڑا ڈرپوک ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس بچے کو آگ کا علم نہیں کہ آگ کرتی کیا ہے، وہ صرف اس کو چمکنے والی چیز سمجھتا ہے اس کو یہ علم نہیں کہ یہ ہاتھ پہ لگے تو ہاتھ جل جاتا ہے، اس بچے کو جہالت کی وجہ سے آگ کے انگاروں کا خوف نہیں ہے لیکن بڑے آدمی کو علم کی وجہ سے خوف ہے کہ آگ جلا دیتی ہے، یہ صورت حال اس بارے میں بھی ہے کہ جس وقت ایک انسان عارف باللہ بن جاتا ہے تو وہ عوام کے مقابلے میں رب سے زیادہ ڈرتا ہے، اس واسطے کہ عوام کو پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں کس کس انداز کی ہیں۔

جتنا اللہ تعالیٰ کے قہار و جبار ہونے کا اس عارف کو پتہ ہے، اتنا عوام کو پتہ نہیں ہے۔ اس واسطے سوسائٹی میں جو انسان معرفت کے جام پی چکا ہے اور عارف باللہ بن چکا ہے اس کی اولین علامت یہ نظر آئے گی کہ جتنا وہ رب سے ڈرتا ہے اتنا اور کوئی رب سے ڈرنے والا نہیں ہوگا۔

اب معاذ اللہ لوگ معرفت کے دعوے بھی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نظام سے بغاوت بھی کرتے ہیں، نمازیں چھوڑ دیتے ہیں، روزے نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ ہم عارف لوگ ہیں، تو ایسے عارف شریعت کی روشنی میں مسترد کیے گئے ہیں، حقیقی عارف وہ ہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف بہت زیادہ ہو۔ دنیا میں یہی انداز ہوگا محشر میں نہ خوف ہوگا اور نہ حزن۔

معرفت، ہیبت کی علامت

دوسری علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے انسان کی ہیبت زیادہ ہوتی ہے، ایک تو اس کی اپنی ہیبت اور دوسری اللہ تعالیٰ کی ہیبت اس پر طاری ہوتی ہے اور اس سے عیاں ہوتی ہے۔

اس واسطے کہ اس میں معرفت ہے اور اس کا رعب اور جلال ہے، اللہ تعالیٰ اس کو معرفت کے ضمن میں رعب وجلال عطا فرماتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ ...... میرے رب نے مجھے اتنا رعب دیا ہے کہ ایک مہینہ دور سفر کر کے گھوڑ

اجہاں تک جا سکتا ہے اتنی دور میرے دشمن مجھ سے کانپتے رہتے ہیں، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب سے زیادہ رعب عطا فرمایا ہے، یعنی جس قدر زیادہ معرفت عطا فرمائی ہے اسی قدر رعب بھی زیادہ عطا فرمایا ہے۔

(صحيح البخاری، أبواب المساجد، باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم: جعلت لي الأرض مسجدا و طهورا، ج:1، ص:168، رقم الحديث: 427)

معرفت، حب خدا اور اطاعت الٰہی کی علامت

اَلْمُؤْمِنُ اِذَا عَرَفَ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ أَحَبَّهٗ وَ اِذَا أَحَبَّهٗ أَقْبَلَ اِلَيْهِ ...... جس وقت ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس معرفت سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ محب بن جاتا ہے۔ اور جب وہ بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے۔

عام ذوات کے لحاظ سے یہ ہے کہ جب کسی کا تعارف نہیں ہوتا تو خاص محبت پیدا نہیں ہوتی، جب تعارف ہو جائے اور وہ تعارف متاثر کرے تو پھر محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ محبت جس وقت ایک انسان میں پیدا ہو گی تو وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں زیادہ مصروف رہے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا، لہذا معرفت کی تیسری علامت یہ ہے کہ جس وقت ایک انسان عارف باللہ ہوتا ہے تو وہ محبِ الٰہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کا عملاً ثبوت دیتا ہے، اس محبت کے ثبوت کی وجہ سے چند حالتیں اس انداز کی اس کے اندر پیدا ہوتی ہیں کہ وہ نوافل سے بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے، یعنی فرائض تو فرائض رہے وہ نوافل سے بھی تقرب پاتا رہتا ہے۔

ایک ہے بندے کی اپنی پسند اور دوسری اس کے رب کی پسند، تو جس وقت وہ بندہ معرفت کی وجہ سے محبِ خدا بن گیا ہے تو اب وہ اپنی پسند پر اپنے رب کی پسند کو ترجیح دیتا ہے، جو اس کا دل پسند کرے اس کو چھوڑ دیتا ہے، جو رب پسند کرے اس کو اپنی پسند پر فوقیت دیتا ہے، لہذا یہ وہ معرفت ہے جو حبِ الٰہی کا سبب بنتی ہے، یہ عارف اللہ تعالیٰ کا تقرب نوافل سے پائے گا اور صالحین کے پاس جائے گا اور ان کے پاس پہنچ کر وہ اس بات کی دلیل فراہم کرے گا کہ جن کو رب پسند کرتا ہے ان کو میں بھی پسند کرتا ہوں، چونکہ مجھے رب کی معرفت آ گئی ہے، اور رب کی معرفت محبت پیدا کرتی ہے، محبت خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ جو محبوب کے محبوب ہوں وہ بھی محبوب ہوتے ہیں، لہذا جس وقت یہ انسان اللہ تعالیٰ سے پیار کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں سے پیار کرنا معرفت کی علامت بن گیا ہے، لہذا اس عارف کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ولیوں سے ملے، ان سے ملاقات کرے، ان کی زیارت کے لیے نکلے کیونکہ یہ اللہ

تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں، ان کی محبت سے رب راضی ہو جاتا ہے۔

معرفت، حجابات کے اٹھ جانے کا نام

اللہ تعالیٰ کی معرفت کی وجہ سے عارف میں یہ علامت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہر وہ چیز جو بندے اور رب کے درمیان حجاب بنے اس کو یہ عارف دور رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے تو کوئی حجاب نہیں ہے، حجاب بندے کے لحاظ سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر کوئی حجاب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو محجوب نہیں ہو سکتی، اس واسطے کہ حجاب تو چیز پہ غالب آتا ہے، پھر اس پر پردہ کرتا ہے، اور رب پر کسی چیز کے غالب ہونے کی گنجائش نہیں ہے اور کسی چیز کی مجال ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پہ غالب آجائے۔

اصل پردے انسان کے دل پہ اور اس کی آنکھ پہ ہوتے ہیں تو جس وقت وہ عارف بنتا ہے اور پردے اٹھتے ہیں تو اس کے بعد اس کا یہ نصاب بن جاتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی وجہ سے کوئی پردہ بنتا ہو اور درمیان میں دوری اور بُعد پیدا ہوتا ہو۔

اللہ تعالیٰ اس کو معرفت کے مقام پہ فائز کر کے اس کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ ان حجابات سے بچتے رہنا تیرا کام ہے، کبھی بھی غفلت اور خواہش پرستی نہیں ہونی چاہیے، شہوت پرستی نہیں ہونی چاہیے جو بندہ عارف بننے کے بعد شہوت پرست اور خواہش پرست ہو جائے گا تو پھر اس کے لیے ایک پردہ بن جائے گا، پھر وہ حجابات میں واپس آنا شروع ہو جائے گا۔

معرفت کی علامت یہ ہے کہ جس وقت انسان میں معرفت آجاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تڑپتا رہتا ہے اور اپنے آپ کو مصروف رکھتا ہے۔

معرفت اور چشم تر

اس واسطے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ عارف کے کام کیا ہوتے ہیں؟

تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ:

يَخْرُجُ الْعَارِفُ مِنَ الدُّنْيَا وَ لَمْ يَقْضِ وَطْرَهٗ مِنْ شَيْئَيْنِ ...... عارف دنیا سے چل بستا ہے مگر پھر بھی اس کو دو کاموں کی تڑپ باقی رہتی ہے، یعنی وہ دونوں کام ساری زندگی کرتا ہے، مگر پھر بھی وہ سیر نہیں ہوتا اور وہ جب دنیا سے جا رہا ہوتا ہے اس کا نفس مزید چاہتا ہے کہ وہ یہ دونوں کام کرے۔

پہلا کام کیا ہے؟ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

بُكَاءُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ...... عارف اپنے اوپر روتا ہے کہ میرے اندر یہ بھی کمی ہے اور میرے اندر یہ بھی نقص ہے، میں اس لحاظ سے بھی ناقص ہوں، میں نے فلاں جگہ بھی سستی کی اور میں نے فلاں جگہ بھی غفلت کی، عارف اپنے بارے میں روتے روتے نہیں تھکتا، دنیا سے جا رہا ہوتا ہے پھر بھی اپنے بارے میں رو رہا ہوتا ہے اور اس کو مزید حرص ہے کہ میں اپنی کوئی کمی دور کرلوں۔

یہ ایسا کام ہے کہ جس سے عارف زندگی بھر سیر نہیں ہوتا، کام کرتے کرتے زندگی ختم ہو جاتی ہے پھر بھی تقاضا ہوتا ہے کہ میں اپنے بارے میں مزید کچھ رو لوں اور مزید کچھ اپنی کمی کو دور کرلوں۔

دوسرا کام یہ ہے کہ:

معرفت اور ثنائے الٰہی

ثَنَاءُہٗ عَلٰی رَبِّہٖ ...... جیسے یہ روتے ہوئے نہیں تھکتا اسی طرح یہ رب کی تعریف کرتے ہوئے بھی نہیں تھکتا، اگر چہ ساری زندگی تعریف وتوصیف کرنے میں گزاری لیکن جب موت آئی تو موت آنے پر بھی حرص اس کو اس چیز کی ہے کہ میں نے اپنے رب کی ثناء کرنی ہے، اگر چہ زندگی کے کئی سال ثناء کرتے ہوئے گزر گئے ہیں مگر مزید ثناء کرنے کا شوق اب بھی ہے۔

(مدارج السالکین، فصل و الفرق بین العلم و المعرفة، ج:3، ص:340)

لہذا حضرت یحیی بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ایک بہت بڑے عارف ہیں، وہ کہنے لگے کہ عارف کے یہ دو کام ہیں جن کے بارے میں اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں مزید یہ کام کروں، اپنے بارے میں روتا رہتا ہے اور اپنے رب کی تعریف کرتا رہتا ہے، جس وقت ایک عارف اس مقام پر روتا ہے تو وہ شریعت کی ہر لحاظ سے پابندی کرنے والا ہوتا ہے، صرف خود ہی پابندی نہیں کرتا بلکہ اوروں کو بھی اس پابندی کی طرف راغب کرتا ہے۔

معرفت اور عاجزی

معرفت جو انسان کے لیے سرمایہ ہے، اس کا خلاصہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے، امام ابراہیم مکی نے ''قوت القلوب'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلِ السَّبِیْلَ اِلٰی مَعْرِفَتِهٖ اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ دَرْكِ مَعْرِفَتِهٖ

ساری تعریفیں اس رب کی ہیں کہ جس نے اپنی معرفت کا طریقہ صرف ایک بنایا ہے، وہ یہ ہے کہ بندہ تسلیم کرلے کہ میں اپنے رب کو پہچاننے سے عاجز ہوں۔

(قوت القلوب، الفصل الثالث و الثلاثون، ذکر فضائل شهادة التوحید و وصف توحید الموقنین، ج:2، ص:143)

یہ معرفت کا طریقہ ہے کہ ساری تعریفیں اس رب کی ہیں جس رب نے بندے کو یہ شان دی ہے کہ اس کو جتنی بھی معرفت حاصل ہو تو پھر بھی یہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے جتنا جانا ہے میرا رب تو اس سے بھی بڑی شان والا ہے، میرا رب اس سے بڑے مقام والا ہے، جو شخص اس عجز کو تسلیم کرتا ہے اور اس کا اعتراف کرتا ہے کہ اگرچہ میں نے زندگی اس کی معرفت میں گزاری ہے مگر اس کی ذات تو اس سے کئی زیادہ وراء الوراء ہے، مجھے تو اس کا پتہ ہی نہیں کہ کتنے بڑے مراتب اس رب کی ذات کے موجود ہیں۔

جس وقت کوئی شخص اس عجز کا اعتراف کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنی معرفت اور زیادہ عطا فرمادیتا ہے، لیکن جو معرفت کے آنے پر تکبر کرے اور یہ سمجھے کہ جو میں نے جانا یہ ہی معرفت ہے، اس کے علاوہ اُس کی کوئی شان نہیں ہے، اور اُس کا کوئی مقام نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ پہلا اجالا بھی چھین لیتا ہے اور اس کو اندھیروں میں داخل کردیتا ہے۔

لہٰذا معرفت کے حصول کے بعد معرفت کی بقاء کے لیے تاکہ اس عارف کو اس معرفت کا فائدہ پہنچتا رہے، اس بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت ایک انسان اپنے عجز کا اعتراف کرلیتا ہے:

اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ دَرْكِ مَعْرِفَتِهٖ ...... یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادراک سے اپنے آپ کو عاجز اور کمزور سمجھے تو یہ خود ایک معرفت ہے اور ایک ادراک ہے۔

دیدار باری تعالیٰ

حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت اہل جنت جنت میں پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟

اہل جنت اس وقت کروڑوں نعمتیں لے چکے ہوں گے، وہ کہیں گے یا اللہ! اتنا زیادہ مل چکا ہے کہ اتنا تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ...... بھلائی والوں کے لیے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد،

فرمایا: ابھی تک جو کچھ بھی تمہیں ملا ہے جنت کی شکل میں، یہ سارا حسنٰی ہے، اور اب زیادہ باقی ہے وہ زیادہ کیا ہوگا؟

تو وہ یہ ہے کہ جب درمیان سے حجاب اٹھے گا تو بندے کو اپنے رب کا دیدار نصیب ہو جائے گا، جب وہ پردہ اٹھے گا جو کہ بندے کے لحاظ سے ہوگا، مولیٰ کے لحاظ سے نہیں کیونکہ رب تو پہلے ہی بندے کو دیکھ رہا ہے، جب پردہ اٹھے گا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت سب سجدے میں پڑ جائیں گے۔

(جامع الترمذی، کتاب صفة الجنة، باب: رؤية الرب تبارك و تعالى،
ج:4، ص:687، رقم الحديث:2552)

تو حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ جیسے لوگ، حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ جیسے لوگ، حضرت داتا گنج بخش ہجویری رضی اللہ عنہ جیسے لوگ اور بڑے بڑے صوفیا، اتقیاء کہ جنہوں نے زندگیاں اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے معمور رکھی ہیں، وہ کہیں

گے: یا اللہ! آج تیری ذات کا پتا چلا، ہم نے زندگی بھر جتنی معرفت پائی تیری ذات تو اس سے کئی زیادہ وراء ذات ہے، آج تیری ذات کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہم جو تیری عبادت کرتے رہے ہیں تو ہم نے اس سے کوئی حق ادا نہیں کیا، ہم تو زندگی میں کچھ کر ہی نہیں سکے، جنہوں نے ساری زندگی مجاہدہ میں گزاری ہے وہ بھی کہیں گے کہ یا اللہ! تیری ذات کہ جس کا آج ہمیں پتہ چل رہا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب ہماری ولادت ہوئی اس وقت سے ہم سر سجدے میں رکھتے اور وقت وفات ہم سر سجدے سے اٹھاتے، پھر بھی اس ذات کی عبادت و معرفت کا حق ہم سے پورا نہ ہوتا۔

یہ "اللہ کی معرفت، اسباب وعلامات کے لحاظ سے" مختصر سی گفتگو تھی، اس کا مقصد معرفت الٰہی کا حصول ہے کیونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، مگر ولایت کا دروازہ ابھی کھلا ہے، اور جو بندہ کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ...... اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دیکھا دیں گے۔

(القرآن الكريم، سورة العنكبوت، رقم السورة:29، رقم الآية:69)

اس واسطے تمام حضرات وخواتین سے یہ گزارش ہے کہ رمضان المبارک کے پرنور مہینے میں معرفت الٰہی کے اسباب وعلامت کے بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ کوشش کریں کہ معرفت حاصل ہو جائے، عرفان میسر ہوتا چلا جائے اور بندے کا سب سے بڑا مقصد پورا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
10

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

كِتٰبٌ أَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْاَلْبَابِ

(القرآن الكريم، سورة ص، رقم السورة 38، رقم الآية 29)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل وتوفیق سے **"ادارہ صراط مستقیم"** پاکستان کے زیر اہتمام **"فہم دین کورس"** میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان!

میری دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ ہمیں قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور اس کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں راہِ زندگی میں ہر موڑ پر قرآن مجید سے راہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خالق کائنات جل جلالہ نے انسانیت کی راہنمائی کے لیے وحی کا سلسلہ شروع فرمایا اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیج کر ان پر وحی کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے انسان کو منزل کا پتہ بتایا۔

وحی کا یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سب سے آخر میں تمام رسولوں کے قائد اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شکل میں آپ کے سینہ پر نور پر سب سے جامع وحی کو نازل فرمایا۔ یہ

ہماری خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ایسی کتاب عطا کی ہے کہ جس میں پہلی تمام کتب کا خلاصہ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ان تمام کتب کے مقابلے میں اس کتاب کو جامعیت عطا فرمائی ہے۔

قرآن مجید میں جو اسرار ورموز ہیں اور اس میں جو ہدایت کا نور ہے اس کو حاصل کرنا بندہ مؤمن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فریضہ ہے کہ وہ اس کتاب کو طاق نسیاں میں نہ رکھے بلکہ اس کو پڑھے، اس میں تدبر کرے اور اس کے الفاظ کو سمجھے اور اس کے الفاظ کے مفاہیم کو سمجھ کر اس کے مطابق اپنی زندگی کے شب وروز بسر کرتا رہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کا جہاں حکم ہے تو وہاں قرآن مجید میں تدبر کا بھی حکم دیا گیا ہے، قرآن مجید کے مفاہیم میں غور کرنا اور اسرار ورموز تک پہنچنا ایک سوغات ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی ذہن کے لیے تیار فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اس مطلب کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے اور قرآن مجید کا تعارف کرواتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ ...... یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری برکت والی۔

یعنی برکتوں والی کتاب ہے کہ جس کو ہر لحاظ سے برکت دی گئی ہے، اس کو دیکھیں تب بھی برکت میسر آتی ہے، پڑھیں تو تب بھی برکت میسر آتی ہے، اس میں تدبر کریں پھر بھی برکت ملتی ہے اور تدبر کے بعد اس پر عمل کریں تو پھر بھی دنیا اور عقبیٰ میں ہر مقام پہ برکت ملتی ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ:

لِيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ ...... تا کہ اس کی آیتوں کو سوچیں،

وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ...... اور عقل مند نصیحت مانیں۔

یعنی پہلے اس قرآن مجید کی آیات میں تدبر ہوگا، پھر اس کے مطابق اس پر عمل ہوگا کیونکہ صرف تدبر مقصود نہیں بلکہ تدبر کے بعد جو تدبر کا تقاضا ہے "عمل بالقرآن" اس کو بھی اپنانا ہوگا۔ (القرآن الكريم، سورة ص، رقم السورة 38، رقم الآية 29)

اسی طرح دوسرے مقام پہ اس بات کا ذکر فرمایا کہ:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ ...... اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ...... کہ تم لوگوں سے بیان کرد و جوان کی طرف اترا،

وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ...... اور کہیں وہ دھیان کریں۔

(القرآن الكريم، سورة النحل، رقم السورة: 16، رقم الآية: 44)

تدبر و تفکر قرآن مجید کے نزول کا مقصد ہے اور پھر تدبر و تفکر کے بعد اس پر عمل کرنا یہ قرآن مجید کا انسانیت سے تقاضا ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ...... تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعض دلوں پر قفل لگے ہیں۔

(القرآن الكريم، سورة محمد، رقم السورة: 47، رقم الآية: 24)

تو اللہ تعالیٰ نے تدبر و تفکر کے لیے اس قرآن مجید کو نازل کیا، تدبر و تفکر انسان کی روح کی کاوش ہے، انسان کے دماغ کا نصاب ہے اور انسان کی عقل کے لیے اللہ تعالیٰ نے

یہ سوغات تیار کی ہے، جیسے قرآن مجید کے الفاظ سے زبان کو عظمت ملی کہ وہ اس کی تلاوت کر سکے، کانوں کو عظمت ملی کہ وہ قرآن مجید کی سماعت کر سکیں اور آنکھوں کو عظمت ملی کہ وہ قرآن مجید کے لکھے ہوئے الفاظ کی زیارت کر سکیں، اور اللہ تعالیٰ نے انسانِ کی عقل کے لیے اپنی طرف سے انعام رکھا کہ وہ قرآن مجید میں تدبر کرے اور بحرِ قرآن میں غوطہ زن ہو جائے تا کہ انسان کی عقل پُر نور ہو جائے، اور عقل جس وقت قرآن مجید میں غوطہ زن ہوتی ہے تو اس کی آلودگی ختم ہو جاتی ہے، اور اس کا زنگ دور ہو جاتا ہے، عقل کی آنکھ کو سرمہ مل جاتا ہے، اور اس کو اپنے نفع و نقصان کی خبر ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس عقل کو حقیقی منزل کا سراغ عطا فرما دیتا ہے۔

تفکر کی اہمیت

تدبر و تفکر کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ ...... جو شخص ایک ساعت کے لیے تفکر کرتا ہے تو اس کو ایک سال کی بندگی سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب التفکر، بیان حقیقة الفکر و ثمرته، ج:4، ص:426)

اس قدر اس تدبر و تفکر کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقام حاصل ہے۔

فتنوں کا علاج

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس قرآن مجید کا تعارف کروایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام حقائق کھول کے بیان کیے کہ جن کی ایک انسان کو اشد ضرورت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

ارشاد فرماتے سنا ہے کہ:

اِنَّھَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ ...... کچھ وقت کے بعد فتنہ پیدا ہو جائے گا،

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبر دی کہ مستقبل میں فتنے پیدا ہو جائیں گے۔

قُلْتُ ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی:

مَا الْمَخْرَجُ مِنْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم! ...... یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جن فتنوں کا ذکر آپ نے فرمایا کہ مستقبل میں وہ پیدا ہونے والے ہیں، ان کا علاج بھی بیان فرمادیں کہ جب وہ مرض معاشرے میں پھیل جائے گا تو ایک انسان اس سے چھٹکارا کیسے حاصل کر سکتا ہے، اس سے بچنے کے لیے علاج کیا ہے، جب اس بھنور میں امت کی کشتی پھنس جائے گی تو پھر کنارہ کیسے ملے گا، اس فتنے سے نکلنے کا طریقہ کیا ہے؟

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکلنے کا طریقہ ارشاد فرمایا کہ:

کِتَابُ اللّٰہِ ...... وہ اللہ کی کتاب ہے جو تمہیں فتنوں سے بچائے گی،

اللہ کا قرآن ہے جو تمہارے پاس موجود رہے گا اور جس دور میں بھی کوئی فتنہ پیدا ہوگا اس فتنے کا حل قرآن مجید میں موجود ہوگا، اس فتنے سے بیزار لوگ اور اس کے ستائے ہوئے لوگ اس سے بچنا چاہیں گے تو قرآن مجید کی تعلیمات اس فتنے سے بچنے کے لیے کافی ہوں گی۔

یہ لفظ ارشاد فرمانے کے بعد کہ کتاب اللہ تمہیں بچائے گی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اوصاف کا تذکرہ فرمایا، ان اوصاف کو سامنے رکھ کر ایک مومن کو شوق پیدا ہوگا اور اسے رغبت ہوگی کہ وہ دوسری چیزوں کو چھوڑ کر اس قرآن مجید کو پڑھے، اور

قرآن مجید کی طرف راغب ہو جائے اور شوق سے قرآن مجید کو پڑھے، قرآن مجید میں اتنی کشش موجود ہے کہ اگر تھوڑا سا مادی خیالات سے ہٹ کر انسان اس میں سوچنا شروع کر دے اور پھر دیکھنا اور پڑھنا شروع کر دے تو یقیناً باقی ہر چیز چھوٹ جائے گی اور ہر جہت سے اپنی سیرابی کا کام قرآن مجید سے کراتا رہے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فتنوں سے بچانے والی کتاب قرآن مجید ہے اور یہ کونسی کتاب ہے؟

فِيْهِ نَبَاءُ مَا كَانَ قَبْلَكُمْ ...... "اس میں جو تجھ سے پہلے ہے اس کی خبر موجود ہے" یعنی اس میں جو امتیں پہلے گزر چکی ہیں ان کی خبریں موجود ہیں،

ان کے واقعات موجود ہیں، ان کو جو عظمتیں دی گئی ہیں ان کا بھی ذکر ہے، اور انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی نعمتوں کا حق ادا نہیں کیا تو ان پر جو وعیدیں اتری ہیں ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے، لہٰذا تم سے پہلے کا جہاں کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور انہیں اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا اور پھر وہ لوگ ان نعمتوں کے لحاظ سے ناشکرے بنے اور اللہ تعالیٰ کی سرکشی اختیار کر لی تو اس صورت میں ان کا جو حشر ہوا اس کا بھی ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ ...... قرآن مجید کی شان یہ ہے کہ قرآن مجید میں ان سب کی خبر موجود ہے جو قیامت تک آئیں گے کہ وہ کیسے ہوں گے اور ان کے حالات کیا ہوں گے، ان کے واقعات کیا ہوں گے، ان کے زمانوں کے فتنے کیا ہوں گے، ان کی بیماریاں کیا ہوں گی اور ان کو ان بیماریوں سے چھٹکارا کیسے ملے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس قرآن مجید میں جو کچھ قیامت تک

ہونے والا ہے اور قیامت کے بعد ہونے والا ہے، سب کچھ اس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے۔

تو یہاں سے یہ بھی پتہ چلا کہ جب قرآن مجید جامع کتاب ہے اور ما کان و ما یکون کا علم اس میں موجود ہے اور یہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پہ نازل ہوئی، اس کو پڑھانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور پڑھنے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب ایسی ہے کہ جو کچھ ماضی میں ہوا اس کا بھی ذکر ہے اور جو کچھ مستقبل میں ہونے والا ہے وہ بھی مذکور ہے، تو اس کا نتیجہ بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی وساطت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ما کان کے علوم بھی عطا فرمادیے ہیں اور ما یکون کے علوم بھی عطا فرمادیے ہیں۔

یہ دو صفتیں بیان کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ حُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ ...... ''اور جو تمھارے درمیان ہے اس کا فیصلہ موجود ہے'' اس میں میری امت کے مسائل کے فیصلے بھی موجود ہیں۔

مطلب یہ ہوگا کہ قرآن مجید ہمیشہ کے لیے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جس دور میں بھی قرآن مجید پڑھا جائے اس دور سے پہلے کا ماضی بھی قرآن مجید کا ماضی ہے اور اس دور سے بعد کا مستقبل بھی قرآن مجید کی نگاہ میں ہے اور اس دور کے جو مسائل ہیں وہ بھی قرآن مجید کی بساط علم میں موجود ہیں، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کو راغب کرنے کے لیے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ماضی، مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے لحاظ سے اس میں اخبار موجود ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب بنا کہ قیامت تک میری امت کو کسی

اور گھاٹ سے پینے کی ضرورت نہیں ہے اور قیامت تک میری اس امت کو کسی اور دہلیز سے مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، قیامت تک میری امت کو کہیں اور جا کر اپنے دکھوں کا علاج کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تین ہی زمانے ہیں: ماضی، حال اور مستقبل۔ اگر ماضی کی بات ہوگی تو تمہیں قرآن مجید مسئلہ بتائے گا اور جس صدی میں جو گھڑی مسلمانوں پر موجود ہوگی تو قرآن مجید اپنی تعلیمات اس صدی کے اندر بھی عطا کرے گا اور جو بھی انسان پوچھیں گے یہ قرآن مجید بتائے گا اور اس حال کے بعد جو بھی مستقبل ہے جب بھی وہ آئے گا تو یہ قرآن مجید اس سے خاموش نہیں ہوگا بلکہ یہ قرآن مجید ہر ہر مسئلے کی وضاحت کرے گا اور بندہ مؤمن کو خطرات سے نکال کر ساحل مراد پر پہنچاتا رہے گا۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَهُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ ...... یہ قرآن مجید کتاب فیصل ہے، یہ کوئی مذاق نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کی ہر بات دوٹوک ہوتی ہے، اس کا ہر قول ''قول فیصل'' ہوتا ہے، اس کی ہر بات حرف آخر ہوتی ہے، اس کے بعد اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اس انداز کا اللہ نے اس کو ''قول فیصل'' بنایا ہے۔

پھر جو بندہ اس کو چھوڑتا ہے اس کا انجام کیا ہوگا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ ...... ''جس جبار نے بھی اسے ترک کیا اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑے گا''، جو سرکش اس کو ترک کرتا ہے اور چھوڑتا ہے یعنی وہ قرآن مجید پڑھتا نہیں اور پھر جس وقت بیان کیا جائے کہ قرآن مجید کا یہ حکم ہے تو آگے سرکش بنتا

ہے، کہتا ہے کہ نہیں، میری اپنی مرضی ہے، قرآن مجید جو کہتا ہے یہ کہتا رہے، میں اپنی مرضی کروں گا۔

ایک سرکشی یہ ہے کہ جب حکمرانوں سے کہا جائے کہ تم اپنے بنائے ہوئے ضابطے چھوڑ دو اور اللہ کا بنایا ہوا جو قانون ہے اس کو تم نافذ کرو، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ماضی کا قصہ ہے، یہ ایک گزری ہوئی تاریخ ہے اور ایک بیتا ہوا زمانہ ہے۔

یہ جو بھی بہانہ کریں اس کی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کی ہے کہ:

مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ ...... جو شخص بھی سرکش بن کر اس کو چھوڑ کر کہیں اور جائے گا،

قَصَمَهُ اللّٰهُ ...... وہ بچ نہیں سکے گا، اللہ تعالیٰ اس کی گردن ضرور توڑے گا۔

اللہ تعالیٰ اس کو سرنگوں کرے گا، جو بھی قرآن مجید سے بغاوت کر کے آگے جائے گا کہ مجھے اس قرآن مجید کی ضرورت نہیں تو اس کو برے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ جو اس کو ایکسپائر کہہ کر یا اس کی سزاؤں کو وحشیانہ کہہ کر قرآن مجید کی تعلیمات کو مسترد کرتے رہے اور پشت پیچھے پھینکتے رہے اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کیا ہے اور آئندہ بھی جو اس قرآن مجید کے فیصلوں سے اپنے آپ کو دور کرے گا، اس کو پس پشت ڈالے گا اور تکبر کرے گا، اس کے احکام کے سامنے اپنی شیطانی باتوں کو نافذ کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ یہ کوئی انفرادی طور پر کرے یا اجتماعی طور پر کرے، کوئی حاکم کرے یا محکوم کرے، جو انسان بھی قرآن مجید کو ترک کرتا ہے اور اپنی خواہش کو آگے لے آتا ہے، خواہش کا کلمہ پڑھ لیتا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

قَصَمَهُ اللّٰهُ ...... اللہ تعالیٰ اس کو چھوڑے گا نہیں، ایسے سرکش کی گردن کو ضرور توڑے گا،

وَ مَنِ ابْتَغَی الْهُدٰی فِیْ غَیْرِهٖ أَضَلَّهُ اللّٰهُ ...... جو بندہ قرآن مجید کو چھوڑ کر ہدایت کسی اور چیز سے تلاش کرے اور یہ کہے کہ میں ہدایت کہیں اور سے لیتا ہوں، میں کہیں اور سے راہ زندگی کا پتہ لیتا ہوں، کوئی ناول پڑھتا ہوں یا کسی نام نہاد مفکر کی کتاب پڑھتا ہوں یا کسی مستشرق، یا عیسائی، یا ہندو کا بنایا ہوا ضابطہ دیکھ لیتا ہوں یا ان کے پنڈتوں کے بنائے نصاب پڑھتا ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن مجید کو چھوڑا اور قرآن مجید کو چھوڑ کر غیر سے ہدایت لینا چاہی تو:

أَضَلَّهُ اللّٰهُ ...... اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر کے مارے گا،

وہ بندہ کبھی بھی ہدایت نہیں پا سکے گا، وہ کبھی بھی راہِ راست پہ نہیں چل سکے گا جس نے قرآن مجید کے چشمہ صافی کو چھوڑ کر اور مقامات سے جا کر پینا شروع کر دیا، اس کو کبھی بھی ہدایت نہیں ملے گی اور وہ ضرور گمراہی میں پھنسا رہے گا۔

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی رسی ہے، جو کمزور نہیں بلکہ مضبوط رسی ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب: فضائل القرآن، باب: فضل القرآن،

ج:5، ص:172، رقم الحدیث:2906)

اب اس میں اگر انسان تدبر کرے کہ یہ طاقت ور کتنی ہے، یہ پختہ کتنی ہے اور اس کے فوائد کیا ہیں، ہم اپنے طور پر سوچیں تو اپنا تدبر ہوگا مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت سب سے اعلیٰ وضاحت ہے۔

قرآن مجید اللہ کی مضبوط رسی

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟

اب یہ فہم دین کی برکات ہیں کہ آج ہمیں وہ مجالس کہ جن کو ہم دیکھ نہ سکے مگر ہمارا پیار ان مجالس سے ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے اور صحابہ کرم رضی اللہ عنہم دائیں بائیں بیٹھے ہوتے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی مین بیٹھے ہوتے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آتے اور آپس میں گفتگو ہوتی، ہر انسان کا شوق تڑپتا ہے کہ کاش میں بھی شریک محفل ہوتا اور مجھے بھی پتہ چلتا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے تھے، اگر چہ ہم اس محفل میں شریک نہ ہو سکے، اپنی آنکھیں کے کٹورے ان کے حسن کے سمندر سے نہ بھر سکے، مگر پھر اس امت پر ان کا یہ بھی کرم ہے کہ امت کو سند کی برکت عطا فرمائی ہے کہ جو کچھ وہاں بیان ہوتا رہا وہ ہر ہر لفظ امت تک اس طریقے سے پہنچا ہے۔

حضرت ابن شریح خزاعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم ...... ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، آتے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کر دیا کہ:

اَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ...... کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں؟

یہ اپنے غلاموں سے سوال کیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ یہ اللہ کو معبود مانتے ہیں اور مجھے اس کا رسول مانتے ہیں، لیکن اس کو باوجود بتانا یہ چاہتے تھے کہ نعرہ

تکبیر و رسالت کو دہراتے رہنا ہے کیونکہ وہ سب کلمہ پڑھتے تھے لیکن پھر بھی ان سے ارشاد فرمایا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں؟

قُلْنَا: نَعَمْ ...... تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی: ہاں، یارسول اللہ علیہ وسلم! ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں۔

جب یہ گواہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

فَإِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ ...... یہ قرآن مجید ایک سبب ہے،

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن مجید ایک رسی ہے، کتنی بڑی؟

طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ ...... اس کا ایک کنارہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے،

وَ طَرَفُهٗ بِأَيْدِيكُمْ ...... اور اس رسی کا دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے،

یعنی قرآن مجید نے کیسے بندے کو رب سے ملایا ہے، قرآن نے کیسے مخلوق کو رب تک پہنچایا ہے اور قرآن مجید کتنا بہترین سہارا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ میرے صحابہ! غیب پہ ایمان لانا یہ تمہاری شان ہے، تم نے جنت کو دیکھا نہیں میں نے کہا تم مان گئے، تم نے جہنم کو دیکھا نہیں میں نے کہا تم مان گئے، تم نے رب کو دیکھا نہیں میں نے کہا تم مان گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ایسے ہی سمجھو کہ تمہیں رسی نظر نہیں آتی لیکن میں نے پھر بھی قرآن مجید کی شکل میں قیامت تک اپنی امت کو رسی عطا فرما دی ہے۔

وہ کس کے ہاتھ میں ہے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایک طرف تم کو پکڑا دی ہے اور دوسری

طرف وہ رب کے ہاتھ میں ہے۔

اب اُس رسی کے ساتھ جس کا تعلق ہے کہ جس رسی کو رب نے پکڑا ہوا ہے تو وہ بندہ پھر بھٹک کیسے سکے گا اور وہ بندہ پھر ڈوب کیسے سکے گا، وہ بندہ کسی طغیانی کی نظر کیسے ہو سکے گا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ واضح فرمانا چاہتے تھے کہ قرآن مجید ایک رسی ہے اور یہ ہدایت ہے اور یہ نسخہ کیمیا ہے، یہ نصاب انقلاب ہے، اور یہ زندگی گزارنے کا سہارا ہے، ایک طرف اس کی رب کے ہاتھ میں ہے اور دوسری طرف اللہ نے مجھے دیکر بھیجا تھا، اب میں نے رسی کا دوسرا کنارہ تمہیں پکڑا دیا ہے، قیامت تک کے لیے میں نے امت کو وہ رسی کا سرا دے دیا ہے۔

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر احسان ہے، ورنہ اپنے طور پر کوئی چاہتا تو اسے پکڑنا نصیب نہ ہوتا، یہ قرآن مجید لوح محفوظ پہ رہتا، نہ کوئی حافظ ہوتا، نہ کوئی قاری ہوتا، نہ کوئی صوفی ہوتا، نہ کوئی سالک ہوتا، نہ کوئی مجاہد ہوتا، نہ کوئی انقلابی ہوتا، نہ کوئی مصلح ہوتا اور نہ ہی کوئی حاکم ہوتا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر کرم کیا ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے نے قرآن مجید کے جلال کو برداشت کیا اور کمال تو یہ ہے کہ پھر وہ رسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے کو پکڑا دی اور بڑے کو بھی پکڑا دی، وہ رسی عورت کو بھی دے دی اور مرد کو بھی دے دی، حاکم کو بھی دی اور محکوم کو بھی دے دی، امیر کو بھی دی اور غریب کو بھی دے دی اور یہ رسی ہمہ وقت ہے دن میں بھی ہے اور رات میں بھی ہے، جوانی میں بھی ہے اور شباب میں بھی ہے، یہ اس وقت بھی تھی اور آج پندرہویں صدی کے مسلمانوں کے لیے بھی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے یہ رسی تمہارے ہاتھ میں دے دی

ہے اور ادھر یہ رسی رب نے پکڑی ہوئی، اب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو رسی ہے اس رسی کو کوئی نہیں کھینچ سکتا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں رہے گی لیکن جو بگڑے گا، گمراہ ہوگا وہ خود اس رسی کو چھوڑ کے چلا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں رسی ہے ادھر سے تو کوئی چھوٹنے کا اندیشہ نہیں ہے، کوئی احتمال نہیں ہے، اس باری تعالیٰ نے جو رسی پکڑی ہوئی ہے وہاں سے تو کوئی چھڑا ہی نہیں سکتا، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے میری امت! اب یہ تمہارے اوپر ہے کہ تم رسی کو کتنا مضبوطی سے پکڑے رکھتے ہو، اگر تم نے خود چھوڑا اور ڈوب گئے تو کل شکوہ نہ کرنا کیونکہ ہم نے تمہیں رسی پکڑا دی ہے، اب تمہارا کام ہے کہ تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو، اب جو بندہ اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھے گا وہ کبھی بھی نہیں ڈوبے گا اس واسطے کہ دوسری طرف سے چھوٹنے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رسی کی بات کرلی تو آگے ارشاد فرمایا کہ:

فَتَمَسَّكُوْا ...... اس رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا،

فَاِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوْا ...... اگر تم یہ رسی پکڑے رہو گے تو میں گارنٹی دیتا ہوں کہ تم کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے،

لَنْ تَضِلُّوْا ...... یہ تاکید نفی ہے کہ تم مستقبل میں کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے،

وَلَنْ تُهْلِكُوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا ...... اور اس کے بعد کبھی بھی تم ہلاک نہیں ہو گے۔

(شعب الایمان، التاسع عشر من شعب الایمان و هو باب فی تعظیم القرآن، فصل: فی ادمان تلاوۃ القرآن، ج:2، ص:352، رقم الحدیث:2013)

تو یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گارنٹی دے دی اور تعارف کروا دیا اور ارشاد فرما دیا

کہ اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو، میرا کام تھا کہ رسی کو تم تک پہنچانا تو وہ یقیناً میں نے تم تک پہنچادی ہے اور وہ رسی مضبوط رسی ہے اور بڑے مضبوط ہاتھ میں ہے۔

جتنے بھی فتنے آ جائیں اور جتنی بھی مصائب آ جائیں اور جتنی بھی ہل چل مچ جائے، جتنے فتنوں کے زلزلے اُٹھیں، جو کچھ بھی ہو جائے یہ رسی ٹوٹنے والی نہیں ہے اور نہ ہی رب کے ہاتھ سے چھوٹنے والی ہے، اب کام تمہارا ہے کہ تم نے اس رسی کے ساتھ رہنا ہے، اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے اور میرے قرآن اور میرے اہل بیت کے ساتھ ہمیشہ منسلک رہو گے تو:

حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ ...... جس وقت قرآن مجید اور اہل بیت میرے پاس حوض کوثر پر پاس پہنچیں گے تو ان سے تعلق رکھنے والے بھی میرے پاس پہنچ جائیں گے۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة رضي الله عنهم، و من مناقب أمير المؤمنين على بن أبي طالب رضى الله عنه، ج:3، ص:118، رقم الحديث:4576)

قرآن مجید کی انوکھی خصوصیات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دینا چاہتے ہیں کہ بندے کا اس قرآن مجید کے ساتھ تعلق تازہ رہے، برقرار رہے، ہمہ وقت رہے اور انسان اس سے پوچھ کر اپنی زندگی بسر کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ هُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ ...... قرآن مجید ذکر حکیم ہے۔

یعنی قرآن مجید خود ذکر ہے اور یہ خود حکیم ہے، یہ ذکر بھی ہے اور حکیم بھی ہے، حکمتوں

سے بھرا ہوا ہے۔

وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ ...... یہ قرآن مجید صراط مستقیم ہے۔

یعنی یہ اس کا کمال ہے کہ یہ صراط مستقیم کے لیے ہدایت نامہ بھی ہے اور خود صراط مستقیم بھی ہے، خود کتاب بھی ہے، ذکر بھی ہے، حکیم بھی ہے اور صراط مستقیم بھی ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ ...... یہ وہ راستہ ہے کہ جس پر انسان کی خواہش بھٹکتی نہیں ہے، انسان کی خواہش قرآن مجید کے مطابق رہے تو یہ اس کو بھٹکنے نہیں دیتا اور اس کو ٹیڑھا نہیں ہونے دیتا، یہ وہ صراط مستقیم ہے کہ جہاں ہر انسان کا خیال سیدھا رہتا ہے اور سوچ ہمیشہ مستقیم رہتی ہے اور انسان کا خیال ہمیشہ مستوی رہتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس انداز کا صراط مستقیم بنایا ہے۔

وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ ...... کبھی زبانوں کو قرآن مجید کے بارے میں اشتباہ نہیں پڑتا، اس کے دو معانی ہیں: ایک معنی یہ ہے کہ جو بندہ سلیم الفطرت ہے، جس وقت وہ قرآن مجید پڑھے گا تو اس کی زبان مانے گی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قرآن ہے، پڑھتے ہوئے زبان کو قرآن مجید اور غیر قرآن کے فرق کا پتہ چلے گا یعنی اور عربی جملہ کسی اور انداز کا ہوگا جبکہ قرآن مجید کا جملہ اور انداز کا ہوگا، یہ بات زبان پر مخفی نہیں رہے گی، زبان بولے گی تو پتہ چلے گا کہ یہ جو میں نے پڑھا یہ قرآن ہے اور یہ جو میں نے پڑھا ہے یہ قرآن مجید نہیں ہے، قیامت تک کے لیے اس قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ زبانوں کو اس کی بھول نہیں ہوگی اور التباس نہیں ہوگا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ زبانیں اس کو پڑھنے میں سختی محسوس نہیں کریں گی، زبانیں اس کو آسانی سے پڑھیں گی، اس کی تلاوت کرتے وقت روانی سے تلاوت کریں گی، جو

تھوڑی سی بھی کوشش کرے گا وہ قرآن مجید بڑی روانی سے پڑھنا شروع کر دے گا۔
اور یہ بھی اعجاز ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے کہ جس کو یاد کرنے والے اتنے ہوں جتنے قرآن مجید کو یاد کرنے والے ہیں، کوئی کلام اور کتاب ایسی نہیں جن کو یاد کرنے والوں کی تعداد قرآن مجید کے حفاظ کے نصف تک بھی پہنچ جائے۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح کر دیا کہ میں تمہیں وہ کتاب دے رہا ہوں کہ جس جہت کو بھی دیکھو گے تو دل کہے گا کہ اس سے تعلق ضرور ہونا چاہیے۔
وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ...... اور بیشک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لیے تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

(القرآن الكريم، سورة القمر، رقم السورة: 54، رقم الآية: 17)

حفظ کرتے اور پڑھتے وقت جتنا یہ آسان ہے اتنی دنیا میں کوئی کتاب بھی آسان نہیں ہے۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:
وَ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ ...... اس قرآن مجید کو پڑھ کے کبھی بھی علماء سیر نہیں ہوں گے کہ وہ کہیں اب کافی پڑھ لیا ہے۔
''شبع'' کا مطلب ہوتا ہے کہ کھانا کھا کر سیر ہو جانا، اس قرآن مجید سے کبھی بھی علماء سیر نہیں ہوں گے یعنی جو بھی اس کو پڑھے گا عالم بنتا جائے گا اور پھر جتنا پڑھے گا اتنی بھوک زیادہ لگ جائے گی، وہ اور کوشش، توجہ اور تدبر کرے گا۔
ایک انسان جس نے بچپن سے شروع کیا، تین، چار سال کا تھا کہ ناظرہ پڑھا، حفظ کیا اور پھر صرف ونحو کو پڑھا، پھو سولہ علوم پڑھ کے عالم دین بن گیا، اس کی زندگی بسر ہوتی گئی، وہ اسی (80) سال کا ہو گیا، وہ نوے سال یا ایک صدی کا ہو گیا مگر پھر بھی اس کے دل

میں ایک کشش ہے کہ میں مزید قرآن مجید کو پڑھوں، میں مزید اس کو سمجھوں اور میں مزید اس کے نکات کی طرف جاؤں، میں مزید اس کے اسرار اور رموز کو سمجھوں۔

تو یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کتاب کا تعارف بھی ہے اور دعوت بھی ہے کہ جس سمندر میں غوطہ زن ہونا ہے وہ ایسا نہیں کہ جہاں پہ تمہیں غوطہ زن ہونے کے لیے پانی ہی میسر نہ ہو، یا اس کی گہرائی ہی نہ ہو، اتنی اِس قرآن مجید کی گہرائی ہے کہ بندے کی زندگی ختم ہو سکتی ہے لیکن غوطہ زن ہوتے ہوئے قرآن مجید کی تہہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

وَ لَا یَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ...... علماء کرام اس کو بار بار پڑھیں گے لیکن سیر نہیں ہوں گے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس میں لذت اتنی ہے جو جتنا بھی آگے بڑھے گا اس کو اتنا اور زیادہ شوق پیدا ہوگا۔

جس وقت کوئی بندہ کھانے سے سیر نہیں ہوتا تو مطلب کیا ہوتا ہے کہ اس کی طلب باقی ہوتی ہے، اس کی مزید خواہش ہوتی ہے کہ مزید مجھے کچھ ملے۔ یہ اس کلام کا کمال ہے کہ جن لوگوں نے اپنی زندگیاں اس میں بسر کر لی ہیں، ایک ایک صدی اس کے اندر سیر کرتے گزار دی اور اس کو پڑھتے پڑھتے وہ آخری لمحات تک پہنچ گئے پھر بھی کہنے لگے کہ ابھی تو ہم بالکل آغاز میں تھے، ابھی قرآن مجید کے اختتام کی حسرتیں باقی رہ گئی ہیں، اس قرآن مجید کو اتنا جامع اور گہرا سمندر بنا دیا گیا کہ آج جو بھی اس میں غوطہ زن ہوگا اس کو اس کی مزید گہرائیوں کی راہنمائی ہوتی چلی جائے گی اور اسے نایاب گوہر ملیں گے اور پھر اس کو شوق پیدا ہوگا، جوں جوں شوق بڑھتا جائے گا توں توں قرآن مجید اپنا فیضان زیادہ کرتا جائے گا۔

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ لَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ ...... یہ قرآن مجید زیادہ پڑھنے سے بوسیدہ نہیں ہوگا۔

ایسے ہوتا ہے کہ کوئی کلام ایک بار پڑھا، دو بار پڑھا، تین بار پڑھا، چار بار پڑھا تو پانچویں بار جی نہیں کرتا کہ اس کو پڑھوں، کوئی کتاب دو بار یا پانچ بار پڑھ لی، دس بار پڑھ لی پھر بندہ اکتا جاتا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ لَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ ...... قرآن مجید زیادہ پڑھنے سے بوسیدہ نہیں ہوگا یعنی اس کے پڑھنے سے بندے کا دل اکتا نہیں جائے گا کہ اب میں دس قرآن مجید ختم کر چکا ہوں، اب میرا قرآن مجید پڑھنے کو دل نہیں کرتا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

قرآن مجید کو جتنی بار پڑھے گا، جب بھی پڑھے گا قرآن مجید اس کو تازہ محسوس ہوگا، اگر اس نے سو بار پڑھا تو پھر بھی تازہ ہے، اگر اس نے ہزار بار پڑھا تو پھر بھی تازہ ہے، اگر اس نے لاکھ بار پڑھا ہے تو پھر بھی تازہ ہے۔

یہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبریں ہیں اور یہ قرآن مجید وہ سمندر ہے کہ:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

قرآن مجید ایسا سمندر ہے کہ جس کے اندر اتنی گہرائی ہے اور جس میں اتنی چاشنی اور لذت ہے اور اتنی آشنائی ہے کہ جو اس کی شناوری کرتا ہے، تیراک بنتا ہے اور غوطہ زن ہوتا ہے تو اسے نئے نئے آفاق نظر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو مزید دلچسپی عطا فرماتا ہے۔

وَ لَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ ...... یہ زیادہ پڑھنے سے بوسیدہ نہیں ہوتا بلکہ جو جتنا زیادہ پڑھتا ہے اتنی اس کو زیادہ تازگی محسوس ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ ...... اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

(جامع الترمذی، کتاب:فضائل القرآن، باب:فضل القرآن،
ج:5، ص:172، رقم الحدیث:2906)

قرآن مجید کے اسرار و رموز اور اس کی حکمتیں، اس کی برکتیں، اس کے معانی کی جہتیں، قرآن مجید کے معانی کے پہلو اور قرآن مجید کی تفسیر کے زاویے ختم نہیں ہوں گے۔

جو بھی پڑھے، لاکھوں بار پڑھے، کروڑوں بار پڑھے ہر ایک کو ہشت پہلو ہیرے سے بھی کہیں زیادہ روشنی نظر آئے گی، دائیں طرف سے ہیرے کو دیکھیں تو اور ویو (view) نظر آتا ہے، بائیں ہو کر دیکھیں تو اور ویو (view) نظر آئے گا، یہ قرآن مجید تو کروڑوں پہلو ہیرہ ہے، جس جہت سے جو اس کی طرف توجہ کرے گا اس جہت سے نور اور نئے رنگ کی روشنی آنا شروع ہو جائے گی۔

حضرت مولا علی کرم اللہ وجھہ الکریم
اور تفسیر سورہ فاتحہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرمانے لگے کہ لوگو! پورا قرآن مجید تو پورا قرآن رہا:

لَوْ شِئْتُ لَاَوْقَرْتُ سَبْعِیْنَ بَعِیْرًا مِنْ تَفْسِیْرِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ ...... اگر میں چاہوں کہ صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھوں تو وہ ستر اونٹوں کا بوجھ بن جائے گی، ستر اونٹوں پر وہ کاغذ رکھے جائیں گے، ستر اونٹوں پر اس کو لادا جا سکے گا۔

(احیاء العلوم، کتاب: آداب تلاوۃ القرآن، الباب الثالث: فی أعمال الباطن فی التلاوۃ، ج:1، ص:283)

ماضی، حال اور مستقبل کا علم کہاں؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرمانے لگے کہ:

مَنْ أَرَادَ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَ الْآخِرِيْنَ فَلْيَتَدَبَّرِ الْقُرْآنَ ...... جو شخص یہ چاہتا ہے کہ مجھے اولین کا بھی علم آجائے، آخرین کا بھی علم آجائے یعنی ہر دور میں انسان کو جو شعور ملا اور جو کچھ اس نے مانا اور پڑھا، جتنا بھی انسان کو علم حاصل ہوا، جو انسان پہلی صدی کا ہے، یا دوسری صدی کا ہے، جتنا بھی ماضی ہے جو بندہ ان سارے علوم کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے قرآن مجید میں تدبر کرنا چاہیے اور جو آخرین کا علم، قیامت کا علم، ٹیکنالوجی کا علم الغرض جو بندہ قیامت تک معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے اسے قرآن مجید میں تدبر کرنا چاہیے، اگر وہ قرآن مجید میں غوطہ زن ہوگا تو اس کو اولین کے بھی سارے علوم مل جائیں گے اور آخرین کے بھی سارے علوم میسر آجائیں گے۔

(احیاء العلوم، کتاب: آداب تلاوۃ القرآن، الباب الرابع: فی فهم القرآن و تفسیرہ بالرای من غیر نقل، ج:1، ص:289)

عجیب کتاب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ إِذَا سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا: إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا

یہ قرآن وہ کتاب ہے کہ جب جنات نے سنا تھا تو وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے، جس وقت انہوں نے قرآن مجید سنا تو وہ جا کر اپنی قوم سے کہنے لگے کہ آج ہم نے عجیب کلام سنا ہے، عجیب اس کے الفاظ ہیں،

یَهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ...... اے جنات! وہ قرآن مجید ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور ہم اس قرآن مجید پر ایمان لے آئے ہیں۔

یہ صرف انسان کو متاثر کرنے والا نہیں بلکہ اس کو جب جنات نے سنا تو وہ بھی متحیر ہوئے اور متعجب ہوئے اور اس پر ایمان لانے کو اپنی عظمت سمجھا اور اپنے عروج کی دلیل سمجھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ ...... جو قرآن مجید سے بات کرے وہ سچا ہے، جس نے اس کی بات بتائی وہ سچا قرار پائے گا،

مَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ ...... اور جس نے اس پر عمل کیا اس کو اجر ضرور ملے گا،

جس نے اس کی بات کی تو اُس کو سچا کہا جائے گا، جو قرآن مجید سے بولے گا وہ سچا ہے اور جو اس پر عمل کرے گا اس کو اجر دیا جائے گا۔

مَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ ...... جو اس کو سامنے رکھ کر فیصلے کرے گا وہ عادل کہلائے گا،

وَ مَنْ دَعَا اِلَيْهِ ...... اور جو اس کی طرف دعوت دے گا،

هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ...... وہ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیا گیا، اس نے صراط مستقیم کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے، قرآن مجید کا پیغام لوگوں میں عام کیا ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب: فضائل القرآن، باب: فضل القرآن، ج:5، ص:172، رقم الحدیث:2906)

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رغبت دلائی ہے کہ تم قرآن مجید کی طرف توجہ کرو کیونکہ اس کے بہت سے کمالات ہیں اور جو بھی اس کی طرف توجہ کرے گا وہ محروم نہیں رہے گا، اللہ تعالیٰ ہر دور کے مؤمن کو،

انسان کو اس قرآن مجید سے عظمتیں عطا فرمائے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں!
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

یہ آج کا ہمارا موضوع ہمیں دعوت دے رہا ہے کہ ایک انسان اپنے بارے میں سوچے کہ وہ بنجر زمین رکھتا ہے یا کہ زرخیز زمین رکھتا ہے، تو ہر انسان کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کے ساتھ اپنا تعلق چیک کرے کہ اس کو کتنا قرآن مجید آتا ہے، وہ قرآن مجید کی طرف کتنا متوجہ ہے اور قرآن مجید اس کو کتنا فیض عطا کر رہا ہے۔

مؤمن و کافر کی مثال

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ...... اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے۔

بلد طیب کا سبزہ، اس کی جڑی بوٹیاں اور اس کی زمین پر نکھار رب کے اذن سے آتا ہے۔

وَ الَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ...... اور جو خراب ہے اس میں نہیں نکلتا مگر تھوڑا بمشکل،

جو خبث اور شور زمین ہو اور سیم زدہ زمین ہو تو وہاں دور دور جا کر کوئی تنکا نظر آتا ہے، کوئی گھاس کا پتہ نظر آتا ہے، وہاں زمین ہری بھری نہیں ہوتی ہے۔

(القرآن الکریم، سورۃ الأعراف، رقم السورۃ: 7، رقم الآیۃ: 58)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ: اَلْمُؤْمِنُ ...... بلد طیب سے "مؤمن" مراد ہے، وہ مؤمن:
سَمِعَ كِتَابَ اللّٰهِ فَوَعَاهُ وَ أَخَذَ بِهٖ وَ انْتَفَعَ بِهٖ ...... جس نے قرآن مجید سنا اور اس کو محفوظ کر لیا اور پھر تدبر کر کے اس پر عمل کرتا رہا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ سر سبز و شاداب زمین ہے اور یہ بہار والی زمین ہے، یہ زمین وہ مؤمن ہے جو قرآن مجید پڑھتا ہے، سنتا ہے، اس پر عمل کرتا ہے، تو پھر یہ گلشن آباد ہوتا ہے۔

اور دوسری طرف کیا ہے؟

وَ الَّذِيْ خَبُثَ ...... جو خبیث ہے اس کی زمین کیسی ہے؟، وہ شور اور بنجر زمین ہے، یہ کون ہے؟: یہ کافر کی زمین ہے، کونسا کافر؟

قَدْ سَمِعَ الْقُرْآنَ فَلَمْ يَعْقِلْهُ وَ لَمْ يَأْخُذْ بِهٖ وَ لَمْ يَنْتَفِعْ بِهٖ ...... جو قرآن مجید کو سنتا ہے تو اس کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اس کو سمجھتا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کی زمین کو خبیث زمین کہا اور مؤمن کے دل کی زمین کو طیب زمین کہا ہے۔

(أخلاق حملة القرآن، باب: آداب القراء عند تلاوتهم القرآن مما لا ينبغي لهم جهله، ص:85، رقم الرواية:80)

اس واسطے آج اس موضوع پر گفتگو سنتے ہوئے، نزول قرآن مجید کے مہینے (رمضان المبارک) میں جبکہ رحمتیں برس رہی ہیں تو ہمیں یہ سوچنا چاہیے اور اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہمارا دل بلد طیب ہے تو اس کو قرآن مجید سے پیار ہونا چاہیے کہ اس کا لفظ بھی آئے، اس کا معنیٰ بھی آئے اور پھر یہ طیب تب بنے گا جب اس زمین کا رابطہ اس بادل کے ساتھ ہوگا جس کی وجہ سے زمین میں پانی جذب ہوتا ہے۔

زمین کتنی ہی زرخیز ہو اگر بارش نہ برسے تو اس پر سبزہ نہیں آتا یا کسی اور ذریعے سے اس کو پانی نہ دیا جائے تو سبزہ اس پر نہیں ہوتا، پتہ چلا کہ زمین کی آبادی کا سبب اس کا بارش اور بادل کے ساتھ تعلق ہے اور اگر زمین بارش کی عظمتوں کا انکار کر دے تو زمین سیراب نہیں ہو سکتی۔

یہ جو بارش ہے کہ جس سے دل سیراب ہوتے ہیں اور جس بادل کی وہ بارش ہے اس کو ''ابر مدینہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں کا بادل ہے، اس سے پانی برستا ہے تو پھر زمین سیراب ہوتی ہے، ان زمینوں کو جو اس بادل سے سیراب ہو جائیں ''زرخیز زمینیں'' کہا جاتا ہے۔

اور جو زمین دن رات یہ شور مچاتی رہی ہو کہ جس بادل سے مجھ پہ بارش برستا تھی (معاذ اللہ) وہ بادل رہا ہی نہیں، بادل میں بارش دینے کی صلاحیت ہی نہیں رہی، اس کے برسنے کا وہ طریقہ ہی نہیں رہا، وہ بادل خشک ہو چکا ہے تو وہ زمین کبھی سیراب نہیں ہوگی۔

یہ اہل سنت و جماعت ہیں جو قرآن مجید پڑھتے ہیں تو اس انداز میں پڑھتے ہیں کہ:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

(حدائق بخشش، حصہ اول، صفحہ نمبر:92)

اس واسطے آج سمجھتے وقت بالخصوص یہ بات ذہن میں رکھنی ہے کہ آج اگر اس قرآن مجید کے ساتھ تعلق قائم کریں گے تو کل یہ قرآن مجید ضرور سہارا بنے گا، یہ قرآن مجید ''حبل اللہ'' یعنی اللہ کی رسی ہے اور یہ قرآن مجید چھوڑے گا نہیں بلکہ جنت میں اپنے ساتھ لے جائے گا اور قبر سے انسان کا استقبال کرے گا۔

قرآن مجید کا شاندار استقبال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَنَّ الْقُرْآنَ يَلْقٰى صَاحِبَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ ...... یہ قرآن مجید قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں سے ملے گا جس وقت قبر پھٹے گی اور انسان باہر نکلے گا تو سامنے یہ قرآن مجید موجود ہوگا، ہر ہر مؤمن کی قبر کے باہر یہ قرآن مجید انتظار کررہا ہوگا کہ یہ میرا قاری، میرا پڑھنے والا اور میرے ساتھ تعلق رکھنے والا آرہا ہے تو میں آگے بڑھ کر اس کا استقبال کروں۔

وہ دن استقبال کا دن ہوگا کہ جس دن کوئی پروٹوکول نہیں ہوگا، یہ قرآن مجید والوں کا پروٹوکول ہے، قرآن مجید کے ساتھ آج جنہوں نے تعلق قائم کرلیا، جس وقت قبر پھٹے گی اور قبر والا باہر نکلے گا تو آگے قرآن مجید کھڑا ہوگا۔

كَالرَّجُلِ ...... یہ قرآن آدمی کی شکل میں ہوگا،

فَيَقُوْلُ لَهٗ هَلْ تَعْرِفُنِيْ؟ ...... قرآن مجید کہے گا: اے قبر سے نکلنے والے! تو مجھے جانتا ہے کہ میں کون ہوں، بتا مجھے جانتا ہے؟

ابھی قبر والے نے جواب نہیں دیا ہوگا کہ قرآن مجید خود ہی بول پڑے گا کہ:

أَنَا صَاحِبُكَ ...... میں تیرا صاحب ہوں، میں تیرا ساتھ دینے والا ہوں،

الَّذِيْ أَظْمَأْتُكَ فِي الْهَوَاجِرِ ...... میں نے تمہیں گرمیوں میں روزے رکھوائے تھے، تو نے جب مجھے پڑھا تو روزہ رکھا، میں وہ قرآن مجید ہوں کہ جس نے گرمیوں کے دنوں میں تجھے پیاس لگوائی تھی،

وَ أَسْهَرْتُ لَيْلَكَ ...... اور میں نے تجھے رات کو جگائے رکھا تھا، جب تو مصلّے پہ کھڑا ہو کر مجھے سنتا تھا یا پڑھتا تھا تو میں وہ ہوں جس نے تجھے رات کو سونے نہ دیا اور جس نے تجھے دن کو پیاسا رکھا، آج حشر بپا ہو گیا ہے میں تجھے وصول کرنے آ گیا ہوں تو نے پوری زندگی میرا ساتھ دیا تھا میں آج تیرا ساتھ دینے کے لیے آیا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کہے گا:

وَ اِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِنْ وَّرَآءِ تِجَارَتِهٖ ...... تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے

اس سے مراد وہ بندہ ہے جو قرآن مجید سے غافل ہے، قرآن مجید نہیں پڑھتا۔

جبکہ قرآن مجید اپنے قاری سے کہے گا کہ میں نے تجھے اس وقت پیاسا رکھا جب کچھ بد بخت دن کو پانی پی رہے تھے اور اس وقت میں نے تجھے جگائے رکھا جب کچھ اپنی چارپائیوں پہ سو رہے تھے تو آج میں تمہارے ساتھ ہوں۔

فَيُعْطِي الْمُلْكَ بِيَمِيْنِهٖ وَ الْخُلْدَ بِشِمَالِهٖ ...... وہ کہے گا کہ ذرا دایاں ہاتھ کھول آج میں تمہیں ملک دینا چاہتا ہوں اور بایاں ہاتھ کھول آج میں تمہیں خلد دینا چاہتا ہوں، یہ چیزیں اپنے پڑھنے والے کے ہاتھ میں دے کر قرآن مجید کیا کرے گا:

وَ يُوْضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ تَاجَ الْوَقَارِ ...... اس کے سر پر وقار کا تاج رکھے گا۔

دائیں ہاتھ میں ملک اور بائیں ہاتھ میں خلد اور سر پر تاجِ وقار رکھے گا، یہ ابھی قبر سے نکل رہا ہے اور یہ کسی بہت بڑے ایوان کا مسافر بن رہا ہے۔

ادھر دیکھیں کہ حشر بپا ہو چکا ہو گا، بڑی گرمی ہو گی، لوگ پسینے میں ڈوب رہے ہوں گے، بڑے بڑے تاجوروں کے تاج اتر چکے ہوں گے مگر قرآن مجید سے پیار کرنے والا حشر میں تاج پہن کر ٹہل رہا ہو گا۔

دائیں ہاتھ میں ملک اور بائیں ہاتھ میں خلد اور سر پہ تاج وقار ہو گا اور پھر قرآن مجید اس سے کہے گا:

اِقْرَأْ وَ اصْعَدْ فِیْ دَرَجِ الْجَنَّةِ ...... تو پڑھتا جا اور چڑھتا جا جنت کی سیڑھیوں پہ اور جنت کے کمروں میں آگے بڑھتا چلا جا، یہ قرآن مجید کی ایک آیت پڑھے گا ایک درجہ بلند ہو جائے گا، جتنی قرآن مجید کی آیات ہیں اتنے جنت کے درجات ہیں، جب آخری آیت پڑھے گا تو سب سے اونچے مقام پر پہنچ چکا ہو گا۔

(سنن الدارمی، کتاب: فضائل القرآن، باب: فی فضل سورة البقرة و آل عمران، ج:2، ص:543، رقم الحدیث: 3391)

اس قرآن مجید کی طرف توجہ کی بڑی ضرورت ہے، دشمن کی کوشش یہ ہے کہ اس مسلمان سے یہ قرآن مجید چھوٹ جائے، دشمن کو یہ پتہ ہے کہ اگر یہ قرآن مجید پڑھے گا تو پھر یہ قابو میں نہیں آئے گا، اگر یہ قرآن مجید کے ساتھ وابستہ رہے گا تو یہ مغلوب نہیں ہو سکے گا تو پھر یہ غالب ہی رہے گا یعنی اُس کو قرآن مجید کے بارے میں پورا یقین ہے کہ اس میں پاور بڑی ہے اور اس میں عروج بڑا ہے۔

اور جن کا قرآن مجید ہے وہ (معاذ اللہ) بھولتے جا رہے ہیں، وہ بیماری کا علاج قرآن مجید سے نہیں پوچھتے، وہ سمجھتے ہیں کہ واشنگٹن میں ہمارا حل ہے، جبکہ واشنگٹن والوں کو پتہ ہے کہ مسلمانوں کا قرآن سب کچھ رکھتا ہے اور کسی بھی طریقے سے قرآن مجید چھین لینا چاہیے، ان سے قرآن مجید کو دور کر لینا چاہیے، ان مسلمانوں کے اور قرآن مجید کے درمیان دیواریں بنا دینی چاہیں، مسلمان اور قرآن مجید کے درمیان کوئی خلیج حائل کر دینی چاہیے۔

کافر کو پتہ ہے کہ قرآن مجید میں پاور بڑی ہے لیکن مؤمن بھولتا جا رہا ہے۔

فہم دین کورس میں ہم اس بات کا عہد کر رہے ہیں اور بذریعہ انٹرنیٹ اس کو پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں کہ آج بھی ہم ہر دکھ کا مداوا قرآن مجید سے چاہتے ہیں اور آج قرآن مجید دکھوں کے لیے خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی ہوں شفا دینے والا ہے، آج بھی قرآن میں وقار ہے، آج بھی قرآن مجید میں عزت ہے اور آج بھی قرآن مجید میں غلبہ ہے، آج بھی قرآن مجید میں عروج ہے، لہٰذا یہ عہد خود بھی کرنا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دینی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر 11

تبلیغ دین کے فوائد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ

وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(القرآن الكريم، سورة آل عمران، رقم السورة 3، رقم الآية 110)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنّت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل وتوفیق سے ''ادارہ صراط مستقیم'' پاکستان کے زیر اہتمام ''فہم دین کورس'' میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

تبلیغ دین کے فوائد

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تبلیغ دین کے تقاضے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئی،

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ...... بھلائی کا حکم دیتے ہو،

وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ...... اور برائی سے منع کرتے ہو،

وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ...... اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو

(القرآن الکریم، سورۃ آل عمران، رقم السورۃ 3، رقم الآیۃ 110)

اس امت کی سب سے بڑی شان کہ جس کی وجہ سے اس امت کو باقی تمام امتوں کا

سردار بنایا گیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ امت اچھائی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی ہے۔

تبلیغ سے پہلے ایک بنیادی کام

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ تبلیغ دین کا فریضہ ہے اور کوئی شخص اس وقت تک امر بالمعروف نہیں کر سکے گا جب تک اس کو معروف کا پتہ نہیں ہو گا کہ معروف کیا ہے؟، اور کوئی شخص اس وقت تک کسی کو برے کام سے روک نہیں سکے گا جب تک اس کو برے کام اور منکر کام کے بارے میں آگہی نہیں ہو گی کہ کون سا کام ہے جس کو شریعت میں منکر کہا گیا ہے اور جس سے اجتناب لازم ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلے انسان کے لیے معروف اور منکر کے بارے میں جاننا لازم ہے، تو اس واسطے اس امت کی سیادت اور اس امت کا تمام امتوں کے لیے سردار ہونے کی جو بنیاد ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' ہے، اس سے پہلے ایک اور چیز ضروری ہے، وہ معروف ومنکر کی پہچان ہے۔

فہم دین کورس کے مقاصد میں سے سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ فرزندان اسلام کو معروف ومنکر کے بارے میں مطلع کیا جائے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کو شریعت معروف کہتی ہے اور وہ کونسی چیز ہے جس کو شریعت منکر کہتی ہے، یعنی وہ کونسے کام ہیں جو شریعت مطہرہ کی روشنی میں اچھے کام ہیں اور وہ کون سے کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ کام ہیں، اس واسطے تبلیغ دین سے پہلے اُس چیز کا جاننا ضروری ہے کہ جس چیز کی تبلیغ کرنی ہے۔

یہ علم اس امت کی شان ہے اور اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وراثت قرار دیا ہے، لہذا روزانہ دمِ سحر نماز فجر کے بعد یہاں آنے سے پہلے یہ نیت کر لیں کہ ہم بھٹی میرج ہال (اس ہال میں فہمِ دین کورس کا اہتمام کیا جاتا ہے) میں اس لیے جا رہے ہیں تا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے کچھ حصہ مل جائے اور جتنا بڑا مورث ہوتا ہے اتنی بڑی وراثت ہوتی ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے سردار ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سب سے بڑی وراثت ہے، لہذا اس وراثت کا حاصل کرنے والا اس کائنات کا منتخب انسان ہیں اور وہ نہایت خوش بخت ہے کہ اُس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وراثت کے لیے پسند فرمالیا ہے۔

کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس کا ورثہ غیروں کو مل جائے، اس کی یہ پسند ہے کہ اس کا ورثہ اس کے اپنوں کو ملے، یہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پہ کرم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنا قرار دیا ہے اپنی وراثت پوری امت کے لیے عام فرمادی ہے، لہذا اس حسنِ نیت کے ساتھ بھٹی میرج ہال کی طرف روزانہ قافلے بڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے وافر حصہ پاتے ہیں۔

تبلیغ دین سے پہلے "تحمل دین" کا مرحلہ ہے یعنی اس دین کو سیکھنا اور پھر سیکھ کر اس کو آگے بیان کرتے رہنا، یہ جو تبلیغ سے پہلے کا مرحلہ ہے وہ تعلیم کا مرحلہ ہے اور اس کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

اجتماعِ فہمِ دین کی برکت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ ...... جس وقت امت مسلمہ کے کچھ احباب اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اکھٹے ہوتے ہیں،

تو پھر وہاں کیا کرتے ہیں؟

یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ ...... وہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھتے ہیں،

وَ یَتَدَارَسُوْنَهٗ بَیْنَهُمْ ...... اور آپس میں درس کا سلسلہ جاری کرتے ہیں،

تدارس باب تفاعل سے ہے، جس میں دو کا ہونا ضروری ہے۔

''یَتَدَارَسُوْنَ'' کا معنی ہے کہ کوئی پڑھانے والا ہے اور کوئی پڑھنے والا ہے، دو جانب موجود ہیں، جس طرح اب ہم ان لمحات میں بھٹی میرج ہال میں موجود ہیں تو یہ تدارس علم ہو رہا ہے، جانبین اس میں شریک ہیں کہ کوئی بیان کر رہا ہے اور کوئی سن رہا ہے، کسی کی زبان پر قرآن مجید کا مفہوم ہے اور کسی کے کان اس کے مفہوم کو اپنے لیے سعادت سمجھ رہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس جگہ کے لیے چار اہتمام فرماتا ہے:

نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ ...... ان لوگوں کے دلوں پر سکون کی بارش برستی ہے، سکون کی برسات ہوتی ہے جس سے ان لوگوں کے دل سیراب ہو جاتے ہیں۔

یہ پہلا اہتمام ہے، یہ رسول اکرم صلی اللہ کا فرمان ہے، جو سو فیصد سچائی پر مبنی ہے اور واقع

کے مطابق ہے، آج وہ شخص "جو صحیح العقیدہ انسان ہے" صدق دل سے ایسے اجتماع کی طرف آتا ہے اور جب قرآن مجید کا بیان ہوتا ہے تو اس کے دل کو اطمینان محسوس ہوتا ہے، کرب، اضطراب اور بے چینی جو پہلے محسوس ہو رہی ہوتی ہے وہ سب دور ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سکون جیسی دولت سے ایسے لوگوں کے سینوں کو سیراب کر دیتا ہے۔

وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ ...... اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے،

رحمت کے ڈھانپ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرف رحمت ہی رحمت ہوتی ہے۔

آج انسان مارا مارا پھرتا ہے کیونکہ آج کل سکون مشکل سے ملتا ہے اور رحمت کا حصول بھی مشکل ہوتا جا رہا ہے، سکون کے حصول کے لیے لوگ بڑی کوشش کر رہے ہیں اور انسان کے اپنے افعال کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قیامت تک سکون کے چشمے بند نہیں ہوں گے اور قیامت تک رحمت کے دروازے بند نہیں ہوں گے، تم اپنے اندر استعداد تو پیدا کرو کہ جس کی وجہ سے تم سکون کے مستحق بن سکو اور جس کی وجہ سے تم رحمتوں کے مستحق بن سکو، جب بھی تم خلوص سے ایسے اجتماع اور کلاس میں آ کر بیٹھو گے کہ جہاں قرآن مجید کے مفاہیم کو بیان کیا جا رہا ہو گا، الفاظ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ ان کے مضامین کو سمجھایا جا رہا ہو گا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے اجتماعات کے لیے قیامت تک سکون کے چشمے جاری رہیں گے، سکون کی برسات ہوتی رہے گی، سکون سے دل سیراب ہوتے رہیں گے، اصل سکون ان بولیوں میں نہیں ہے کہ جن میں آج انسان سکون تلاش کر رہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ سکون ہماری بولیوں میں ہے، قرآن

کے پڑھنے پڑھانے میں ہے۔ جو اس طرف متوجہ ہو گا اللہ تعالیٰ اسے سکون عطا فرمائے گا اور پھر روح سیراب ہو گی، اضطراب اور پریشانیاں ختم ہو جائیں گی، رحمت کا حصول ہو گا اور سب کے لیے رحمت کی چھتری بن جائے گی۔

وَ حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ ...... جس وقت ایسا پروگرام ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو آسمانوں سے بھیجتا ہے کہ چلو میرے فرشتو! جہاں میرے بندے مجھے بیٹھ کر یاد کر رہے ہیں، میرا دین سمجھ رہے ہیں، جہاں دین کا فہم بانٹا جا رہا ہے، جہاں تدارس علم ہو رہا ہے تم اس مکان کے گرد چکر لگاتے رہو، طواف کرتے رہو تاکہ خاکیوں کو پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ نوریوں سے ان کا طواف کروا رہا ہے، اس بنیاد پر کہ وہ خاکی عام گفتگو سننے کے لیے نہیں بلکہ رب کا کلام سننے اور نور دین کی چمک لینے آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی عزت بخشی ہے کہ نوریوں سے ان کو پروٹوکول دلوا رہا ہے۔

وَ حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ ...... ان کے گرد فرشتے چکر لگاتے ہیں تو فرشتوں کو بندگی کا ثواب ملتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی عظمت کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔

وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ ...... اللہ تعالیٰ ان بندوں کا نام اپنے فرشتوں کے سامنے لیتا ہے جو اس کے دربار میں وہاں پر حاضر ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر و الدعاء و التوبۃ، باب: فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن و علی الذکر، ج:8، ص:71، رقم الحدیث:7028)

اس میں ''ذَکَرَ'' کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے، بندے کو کتنا اللہ تعالیٰ کے کرم کا سہارا ہے، یہ فرش زمین پہ اس کا ذکر کرتے ہیں اور وہ عرش بریں پہ ان کا ذکر کرتا ہے۔

وَ ذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیمَنْ عِندَہٗ ...... فرشتوں کے سامنے سب کا ذکر کرتا ہے، فرشتوں کو بتاتا ہے کہ میرے فرشتو! صورتحال کو دیکھو کہ یہ وقت تو نیند کا تھا اور یہ وقت آرام کا تھا، وقت کام کا تھا، میرے بندوں کی حاجات سامنے تھیں، فرشتو! یہ تمہاری طرح نہیں کہ ان کا پیٹ نہیں ہے، ان کی اولاد نہیں ہے، ان کی بیویاں نہیں ہیں، ان کے بچے نہیں ہیں، ان کا روزگار نہیں ہے، میرے فرشتو! ان کو ساری حاجتیں ہیں، ان کے لیے بڑے مسائل ہیں لیکن یہ سب کچھ چھوڑ کر میرے دین کی خاطر آ گئے ہیں۔

بطور فخر اللہ تعالیٰ ہر بندے کا نام لیتا ہے کہ فلاں بھی آیا ہے اور فلاں کا بیٹا بھی آیا ہے اور فلاں کا بھائی بھی آیا ہے۔ اتنا پیارا انداز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا ذکر رہا ہے کہ اسلام کی فلاں بیٹی بھی پہنچی ہے، اس نے بھی فہم دین سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کے لیے سفر کیا ہے، یہ کتنا بڑا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرم ہے کہ اجتماع فرش زمین پہ ہوتا ہے مگر حاضری عرش بریں پہ لگائی جاتی ہے، اس واسطے یہ ذہن میں رکھیئے کہ نیت یہ ہو کہ میں رحمت کے حصول کے لیے جا رہا ہوں اور سکون پانے کے لیے جا رہا ہوں۔

جو بندہ سکون کا طالب ہو تو اس بندے کو سکون کی طرف دھکیل کے نہیں لانا پڑتا بلکہ وہ خود اس طرف مائل ہوتا ہے، خود اس کا دل کھنچا چلا آتا ہے اور خود انسان کے اندر ایسا رجحان پیدا ہوتا ہے کہ مجھے سکون کی ضرورت ہے اور میں سکون کے حصول کے لیے جا رہا ہوں۔

اگر یہ شخص ایسا ہو کہ جس کو بتانا پڑے کہ یہ سکون ہے اور تم اس کو حاصل کرو تو گویا کہ اس کو اپنا خیال ہی نہیں ہے اور اپنی فکر ہی نہیں ہے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں کوئی شک نہیں ہے تو بالیقین آج بھی سکون کے وعدے سچے ہیں اور واقعی سکون میسر آتا ہے تو فہم دین کا سفر کرتے وقت یہ

ذہن میں رکھو کہ ہم سکون کا سفر کرنے کے لیے چلے ہیں اور پھر رحمت کے حصول کے لیے چلے ہیں اور پھر وہاں بیٹھیں گے کہ جہاں فرشتے آ کے طواف کرتے ہیں اور جہاں بیٹھنے والوں کا اللہ تعالیٰ اپنے دربار میں ذکر فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے کہ جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہم ان میں شمار ہو جائیں گے کہ جن کے تدارس کو اللہ تعالیٰ یوں قبول فرمالیتا ہے یعنی اس کے وعدوں کی سچائی میں کوئی کمی نہیں ہے، کمی اگر ہو سکتی ہے تو ہمارے جذبے میں ہو سکتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ انداز اور اسلوب عطا فرمائے کہ جس کی وجہ سے ہم مستحقِ ذکر بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چاروں اہتمام روزانہ ایسے ہی اجتماع کے لیے ہوتے ہیں۔

جس وقت یہ انسان تبلیغ دین کے لیے اپنی بیٹری چارج کرنے کی خاطر ایسے پروگرام میں آتا ہے تو اسے اس بات کی بھی تڑپ ہوتی ہے کہ جتنی کوشش کر کے میں آیا ہوں، یہ کوشش تھوڑی سی کوشش ہے کیونکہ ہمارے اسلاف کی کوشش، جدوجہد ایک ایک آیت اور ایک ایک حدیث کے لیے مہینوں کے سفر پہ محیط ہوتی تھی۔

ایک نصیحت

حضرت ابو حاتم رازی کا جب وقت وصال آیا تو وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے تھے کہ:

اے میرے بیٹے! میں دنیا سے جا رہا ہوں مگر یہ یاد رکھنا کہ تمہارے ابا جی کے جہاں دیگر بہت سے کام تھے، وہاں ایک کام یہ بھی تھا کہ میں نے اپنے قدموں پہ چل کر طلب حدیث میں آٹھ ہزار کلومیٹر کا سفر طے کیا ہے، اس طرح میں نے احادیث کو جمع

کیا ہے اور ایک سوغات کی شکل میں ان کو پیش کر دیا ہے۔

(الرحلة في طلب الحديث، طرائف من رحلات المحدثين،

الرقم المسلسل:115، رقم الصفحة:213)

چودہ سال کی تلاش

ہمارے سامنے اسلاف کی محنتوں کا رجحان بھی ہے کہ جس وقت حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ طلب تفسیر میں نکلتے ہیں، کہتے ہیں کہ جب میں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ:

وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ...... اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا، اس پر اس کے رشتہ داروں کو کوئی یہ افسوس نہیں چاہیے کہ ہمارا بندہ ضائع ہو گیا ہے کیونکہ اگر وہ پہنچتا تو پھر اس کو اس کا اجر ملتا، نہیں، بلکہ جب اس نے گھر سے نکلتے وقت نیت کر لی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہجرت کا مکمل ثواب عطا فرما دیا ہے۔

(القرآن الكريم، سورة النساء، رقم السورة:4، رقم الآية:100)

مفسرین کے امام حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت میں نے یہ آیت کریمہ پڑھی تو مجھے شوق تھا کہ میں معلوم کروں کہ وہ کون سا انسان تھا جو گھر سے نکلا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔

تو کہتے ہیں کہ:

طَلَبْتُ اِسْمَ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً..... میں چودہ سال تک تلاش کرتا رہا کہ مجھے پتہ چلے کہ وہ کون سا

انسان تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وہ کون سا صحابی تھا جو گھر سے نکلا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ (تفسیر القرطبی، مقدمة، ج:1، ص:26)

اب دیکھو کہ چودہ سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہے، ایک گھنٹہ بھی بہت قیمتی ہوتا ہے لیکن انہوں نے چودہ سال بسر کیے اور وہ جس وقت رات کو سوتے تھے تو تڑپ باقی ہوتی تھی کہ جو ڈھونڈ رہا ہوں وہ ملا نہیں، صبح اٹھتے تھے تو نیا شوق ہوتا تھا کہ شاید آج کے دن مجھے میرا مقصد مل جائے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ چودہ سال تک میں تلاش کرتا رہا، اس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ صحابی حضرت ضمرہ بن حبیب رضی اللہ عنہ تھے اور ایک روایت میں حضرت جندع رضی اللہ عنہ تھے، جو جندع مکہ شریف میں تھے، ہجرت نہ کر سکے، ادھر سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان ہو گیا کہ جس نے کلمہ شریف پڑھا اور پھر مدینہ شریف کی طرف ہجرت نہیں کی تو ہم اس سے بیزار ہیں، جس وقت یہ اعلان ہو گیا تو یہ صحابی کہنے لگے کہ اب میں ایک رات بھی مکہ شریف میں نہیں رہوں گا، اگرچہ میں کمزور ہوں، سفر نہیں کر سکتا، اونٹ پہ بیٹھ نہیں سکتا لیکن مجھے اونٹنی پہ باندھ دو اور اونٹنی کو اسی راستے پہ لگا دو، یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کا شوق تھا کہ اب میں نے ہجرت ضرور کرنی ہے، اگرچہ صحت اجازت نہیں دیتی۔

اللہ کے دین کی خاطر اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے جس وقت وہ اپنے گھر سے نکلے تھے تو وہ تنعیم کے مقام پر پہنچے تھے، حدود حرم ختم ہو گئی تھیں، چہرہ مدینہ شریف کی طرف تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی، موت کا وقت آ گیا، روح پرواز کرنے لگی، اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پہ رکھا اور کہنے لگے:

اے اللہ! میں تیرے دین کی خاطر نکل پڑا، اب تیرے محبوب کے ہاتھ کو سمجھ کے ان کے ہاتھ پر یوں بیعت کر رہا ہوں، میری زندگی نے مجھے اجازت نہیں بخشی اور میں یہیں سے رخصت ہو رہا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ان کا وصال ہو گیا۔ یہ خبر مدینہ شریف پہنچ گئی کہ وہ آ رہے تھے لیکن راستے میں موت کا وقت آ گیا، زندگی نے وفا نہ کی، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: کاش کہ وہ مدینہ شریف پہنچ جاتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہجرت کا ثواب عطا فرماتا یعنی ابھی تو آغاز سفر تھا کہ ان کا وصال ہو گیا۔

جس وقت یہ گفتگو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہو رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین کو بھیج دیا کہ تم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتا آؤ کہ:

وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آ لیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا۔

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

اسے یوں نہ سمجھو کہ وہ رائیگاں چلا گیا، اللہ نے اس کو ہجرت کا مکمل ثواب عطا فرما دیا ہے۔

(تفسیر البغوی، سورۃ النساء، رقم الآیۃ: 100، ج 2، ص: 274)

اب دیکھو کہ مکہ شریف سے ایک انسان نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ...... جو بندہ گھر سے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتا ہے حالانکہ اللہ

تعالیٰ کا گھر تو مکہ شریف میں ہے، اور جو اس وقت مکہ شریف سے نکل رہا ہے، کیا وہ اللہ کی طرف ہجرت کر رہا ہے؟

وَ رَسُوْلِہٖ ...... اور وہ تو اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر رہا ہے۔

تو یہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ معیار کعبہ نہیں، بلکہ معیار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور وہ مدینہ شریف میں ہیں تو ہجرت اللہ تعالیٰ کی طرف یوں ہوگی کہ وہ مدینہ شریف کی طرف پہنچے۔

ویسے رب تو ہر جگہ موجود ہے لیکن جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رب کی ذات کے ساتھ تعلق ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کے جو انوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر برستے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ظاہر ہو رہی ہیں ان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کعبہ سے افضل ہے کہ کعبہ تو مکہ شریف میں موجود ہے مگر وہاں سے نکلنے والے کو کہا جا رہا ہے کہ وہ ہجرت اللہ تعالیٰ کی طرف کر رہا ہے کیونکہ وہ کعبہ کے کعبہ کی طرف چلتا جا رہا ہے۔

اب یہ آیت کریمہ حضرت عکرمہ پڑھی تو شوق پیدا ہوا کہ "وَ مَنْ یَّخْرُجْ" سے کوئی انسان بھی ہو سکتا ہے، مجھے پتہ ہونا چاہیے کہ وہ کون سا انسان ہے؟

انسان اور کئی چیزوں میں کھوج لگاتا ہے، کئی چیزوں کے پس منظر تلاش کر رہا ہے اور کئی چیزوں کی تلاش میں لگا ہوا ہے، مجھے پتہ چلے کہ فلاں سٹوری سے پہلے کیا تھا، کوئی کہتا ہے کہ مجھے پتہ چلے کہ فلاں فلم کا پس منظر کیا تھا، اس میں جو بول رہا تھا اس سے پہلے کا واقعہ کیا تھا مگر یہ مؤمن کی شان ہے کہ وہ ڈھونڈتا ہے تو گم گشتہ میراث ڈھونڈھتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت میں تقسیم کی گئی ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ڈھونڈھا، یہ ان کا احسان ہے کہ انہوں نے چودہ سال لگائے، ہمارے چودہ منٹ بھی نہیں لگے کہ ہمیں اس بات کا پتہ چل گیا جو ان کو چودہ سال بعد معلوم ہوئی تھی، یہ ان کا کمال ہے اگر وہ اس راستے میں نہ نکلتے تو شاید اس بات کی وضاحت ہم تک نہ پہنچتی، اگرچہ جاننے والے تو وہ بات جانتے تھے لیکن علم فوت ہونے والوں کی وجہ سے اٹھ جاتا ہے اور اگر وہ دنیا سے چلے جاتے اور ان سے کوئی روایت نہ کرتا تو آج یہ بات ہم تک نہ پہنچتی۔

لہذا یہ ان اسلاف کا ہم پر کرم ہے کہ انہوں نے یہ سوغات تیار کی ہے اور اس کو ہماری طرف ارسال فرمادیا ہے۔

لہذا فہم دین کورس میں آتے وقت یہ بھی ذہن میں رہے کہ ایک تو اسلاف کے لیے دعائیں ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو سیراب فرمائے، انہیں فردوس میں بلند مقام عطا فرمائے کہ جن کے قدم اس راہ میں اُٹھے اور جنہوں نے اپنے جگر پگھلائے، جنہوں نے دنیا کی پیمائش اور سفر کرتے ہوئے یہ تمام سوغات اکٹھی کی اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کتنی آسانیاں پیدا کر دی ہیں کہ تھوڑا سا وقت لگائیں گے، چند قدم اٹھائیں گے تو اسلاف کی محنتوں کا وہ جہاں کہ جس میں کئی سال کا سفر موجود ہے اور کئی سال کی ریاضتیں، مشقتیں اور مجاھدے ہیں، وہ سارا فیضان سوغات کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے، اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مختصر وقت میں بہت کچھ حاصل کرنے کا یہ لمحہ عطا فرمایا ہے۔

قرآن مجید منبع تبلیغ ہے، اس کے بعد سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر کتاب و سنت کے شعبہ جات ہیں، خواہ اس شعبہ کو فقہ سے تعبیر کیا جائے یا اس کو تصوف سے تعبیر

کیا جائے، وہ اسی قرآن مجید اور سنت کی خوشبو اور اس کی تشریح کا نام ہیں۔

قرآن مجید کا جو علم ہے، وہ اتنا زیادہ ہے کہ قیامت تک لوگ اس کو پڑھتے رہیں گے، اس میں تدبر کرتے رہیں گے، اس میں ریسرچ کرتے رہیں گے کیونکہ یہ کتاب بڑی لازوال ہے۔

قرآنِ مجید کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا تھا کہ:

اِنَّمَا مَثَلُ کِتَابِ أَحْمَدَ فِی الْکُتُبِ بِمَنْزِلَةِ وِعَاءٍ فِیْهِ لَبَنٌ ...... اے میرے کلیم! میں اپنے محبوب کو وہ قرآن مجید دینے والا ہوں جو ایسے برتن کی طرح ہے جو دودھ سے بھرا ہو۔(الاتقان فی علوم القرآن، النوع الخامس و الستون: فی العلوم المستنبطة من القرآن، ج 2، ص: 249)

وہ کیسا دودھ ہے؟ جو کبھی بھی لسی میں تبدیل نہیں ہوتا، اس سے جتنا بھی مکھن نکالا جائے پھر بھی دودھ کا دودھ ہی رہتا ہے، جو بھی اس سے مکھن نکالے گا وہ سیر ہو جائے گا، اسے روحانی طاقت ملے گی، اسے ایمانی طاقت ملے گی مگر یہ نہیں کہ اس مکھن میں کوئی کمی آجائے اور پھر بعد والوں کے لیے اس کی حیثیت کمزور ہو جائے، فرمایا: رہتی دنیا تک جو بھی اس کی طرف متوجہ ہو گا یہ قرآن مجید اس کو اس کے حصے کا مکھن ضرور عطا فرمائے گا۔

اندازِ تبلیغ

جس وقت حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس کچھ لوگ آئے، انہیں آپ سے ملاقات کی اجازت نہ ملی تو لوگوں نے کہا کہ ہمیں آپ سے کام ہے، تو حضرت

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمانے لگے کہ:

لَوْ طَلَبْتُمْ كِتَابَ اللّٰهِ لَوَجَدتُّمْ فِيْهِ شِفَاءً لِّمَا تُرِيْدُوْنَ ...... مجھے سے کیا کام ہے، سارے کام تو قرآن مجید نے حل کر دیئے ہیں، اگر تم اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھتے ہوتے اور اس میں تدبر کرتے ہوتے اور اس کو سمجھتے ہوتے تو تمہیں اللہ تعالیٰ وہیں پہ شفا عطا فرما دیتا۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت یہ ارشاد فرمایا تو وہ لوگ کہنے لگے کہ:

قَدْ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ ...... اے فضیل! ہم قرآن مجید سے جاہل نہیں ہیں، ہم سارے عالم ہیں، ہم نے قرآن مجید پڑھا ہے اور ہمیں قرآن مجید آتا ہے اور اس کا معنی بھی جانتے ہیں اور اس کی تفسیر بھی جانتے ہیں۔

جس وقت انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے قرآن مجید سیکھ لیا ہے۔

اب غور کرنا کہ آج جس شخص کو ترجمہ قرآن آجائے تو وہ پھولے نہیں سماتا اور سمجھتا ہے کہ میں نے آخری آسمان کو ہاتھ لگا لیا ہے، اس سے آگے کچھ باقی نہیں رہا۔

حضرت فضیل رضی اللہ عنہ نے جب ان کا یہ جواب سنا تو کہنے لگے کہ میں جو کہہ رہا ہوں وہ اب بھی باقی ہے:

اِنَّ فِیْ تَعَلُّمِكُمُ الْقُرْآنَ شُغْلًا لِّاَعْمَارِكُمْ وَاَعْمَارِ اَوْلَادِكُمْ ...... تمہاری پوری عمر کے لیے قرآن مجید میں ابھی غذا باقی ہے، تم کہتے ہو کہ ہم پڑھ کے آگئے ہیں، شُغْلًا لِّاَعْمَارِكُمْ ...... یہ قرآن مجید ایسا نہیں کہ ایک گھنٹے یا دو گھنٹے میں تم اس کو مکمل کر جاؤ اور کہو کہ اب میری عمر فارغ ہے، میں کچھ اور کام کرو، تمہاری مکمل عمر کے لیے اس قرآن مجید میں مصروفیت موجود ہے، اس میں اتنا کچھ ہے کہ تمہاری عمر ختم ہو جائے

گی مگر اس کی غذائیت ختم نہیں ہوگی، قرآن مجید کے مفاہیم ختم نہیں ہوں گے اور اس کے مضامین ختم نہیں ہوں گے، قرآن مجید میں جو کچھ موجود ہے وہ ختم نہیں ہوگا، یہاں تک فرمانے لگے کہ:

وَأَعْمَارِ أَوْلَادِكُمْ ...... تمہاری اولاد کی عمر بھی گزر جائے گی، تمہاری اولاد کی جو اولاد ہے اس کی بھی عمر گزر جائے گی، پھر ان کی اولادوں کی بھی عمر گزر جائے گی، وہ بھی یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ:

تم کہتے ہو کہ ہم نے چند سال قرآن مجید پڑھا تو ہم قرآن مجید سمجھ گئے ہیں، فرمایا: نہیں، تمہاری عمر اور تمہاری اولاد کی عمر اور ان کی اولاد کی عمر اور پھر ساری اولادوں کی عمریں، سب کو اکٹھا کر لیا جائے تو پھر بھی عمریں ختم ہو جائیں گی مگر قرآن مجید کی سوغات ختم نہیں ہوگی۔ (تفسیر القرطبی، مقدمة، ج:1، ص:22)

اس فہم دین کورس میں ہم اس سمت بڑھنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اندر اللہ تعالیٰ نے کتنا سوز رکھا ہے، اس کے اندر کتنی غذائیت ہے اور کتنی سوغات ہے، دعا ہے کہ اسی وظیفے میں زندگی پوری ہو جائے اور یہی وظیفہ زندگی کا وظیفہ قرار پائے کہ نغمہ جبرائیل کو پڑھ رہے ہوں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینئہ مبارک کا جو فیضان ہے اس کی برکت حاصل کر رہے ہوں، اس سے کانوں کو معطر بھی کر رہے ہوں اور اس سے دماغ کو منور بھی کر رہے ہوں، تو اس سے بڑی اور سعادت کیا ہو سکتی ہے؟

لہٰذا فہم دین کورس کے لحات زندگی کے حسین ترین لحات ہیں اور یہ لحات اللہ تعالیٰ اپنے منتخب بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

اس واسطے آج تبلیغ دین کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کا ابلاغ

کرنا ہے اس کا ہمارے پاس مواد موجود ہو، بیٹری چارج ہو کہ جس سے آگے چراغاں کیا جا سکے، اگر پاس ہی کچھ نہ ہو تو وہ فریضہ کیسے سرانجام دے سکیں گے اور پھر امت کی فضیلت کا جو لقب ہے، وہ امت میں ان افراد کے لیے جو امر بالمعروف کرتے ہیں اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور پھر وہ ایمان کی اعلیٰ عظمتوں کے ساتھ سرفراز ہیں، یہ بڑی عظمت اور سعادت پانے کے لیے ہی یہ تعلیم ہے۔

تبلیغ کے مختلف انداز

اس تبلیغ کے مختلف انداز ہیں:

ایک انداز یہ ہے کہ اب میں بول رہا ہوں اور تم سن رہے ہو، اور ایک انداز خاموش تبلیغ کا ہے، وہ کیا انداز ہے؟ وہ ایک چلتی پھرتی تبلیغ ہے، صبح وشام کی تبلیغ ہے، ہر وقت کی تبلیغ ہے اور وہ تبلیغ اِس تبلیغ سے بھی زیادہ مفید ہے، ایک ہے کہ جب وہ بولتا ہے تو پھر حق بات کا پتہ چلتا ہے، دوسرا یہ ہے کہ اس کی سیرت اتنی پاک ہے اور اس کا کردار اتنا عمدہ ہے اور اس کے رہن سہن کا انداز اتنا شریعت کے مطابق ہے کہ وہ جس جگہ بیٹھ جائے تو لوگ اس کے بیٹھنے سے بھی سبق حاصل کرتے ہیں، اگر وہ گلی میں جا رہا ہو تو لوگ گلی میں اس کے چلنے سے بھی اپنے لیے روشنی حاصل کرتے ہیں، وہ حضر میں ہے یا سفر میں ہے، وہ خاموش ہے یا بول رہا ہے، وہ کسی بھی موڑ پر ہے اس کو دیکھ کر بھی لوگوں کو پیغام پہنچتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اچھا تاثر ابھرتا ہے اور لوگوں کے ذہنوں کو ایک طہارت ملتی ہے، اس کی سیرت اور اس کے کردار سے لوگوں کو ایک روشنی ملتی ہے۔

لہٰذا ہم اس تبلیغ کے قائل ہیں جو زبان سے بھی ہو اور اس کے علاوہ نورِ ایمان سے بھی

ہو کہ انسان خاموش ہے لیکن مؤمن تو پھر بھی ہے، وہ متکلم نہیں مگر جو ایمان اس کے سینے میں ہے وہ ایمان اتنا پاورفل ہو کہ وہ چہرے سے نظر آرہا ہو، اس ایمان کی روشنی اس کے ہاتھوں کے کردار سے نظر آئے، وہ آنکھوں کے ستھرے پن سے ظاہر ہو، انسان کی زبان کی صداقت سے پتہ چلے، انسان کے معاملات سے پتہ چلے کہ یہ کتنا بڑا انسان ہے۔

لہذا ایک انسان جس وقت تبلیغ دین کے رستے پہ چل رہا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے، بلکہ ہر مؤمن کا نصاب ہے کہ وہ بول رہا ہو پھر بھی تبلیغ ہو رہی ہو اور اگر وہ چپ بھی ہو جائے تو پھر بھی تبلیغ ہو رہی ہو۔

عملی تبلیغ

جس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مقام حدیبیہ میں بیٹھے تھے، قریش کے سفیر عروہ بن مسعود آئے، وہ اس وقت کٹر مشرک تھے پھر تو کلمہ پڑھ لیا ان کو تبلیغ کیسے ہوئی، اور وہ کیسے متاثر ہوئے اور نور ایمان کے جلوے ان کو کیسے میسر آئے؟

انہوں نے اپنے ایمان کا پس منظر یہ بیان کیا کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو کام کرتے ہوئے دیکھا ہے، ان کے وہ کام میرے سینے پہ اثر کر گئے ہیں، اگرچہ میں نے ان سے کوئی لیکچر نہیں سنے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار اتنا واضح تھا کہ وہ کہنے لگے:

وَ اللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُّ عَلَى الْمُلُوْكِ وَ وَفَدْتُّ عَلٰى قَيْصَرَ وَ كِسْرٰى وَ النَّجَاشِيِّ وَ اللّٰهِ اِنْ رَاَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهٗ اَصْحَابُهٗ مَا يُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم مُحَمَّدًا

میں بادشاہوں کے پاس گیا، قیصر و کسری کے پاس گیا، نجاشی کے پاس گیا مگر خدا کی قسم ہے میں نے کسی بادشاہ کے غلام کو اس بادشاہ کا لعاب دہن چہرے پہ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا، میں نے کسی بادشاہ کے خادم کو اس کا اتنا ادب کرتے نہیں دیکھا جتنا صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرتے تھے۔

اب دیکھو کہ لعاب دہن ماتھے پہ لگانا یہ کوئی خطبہ نہیں، یہ کوئی درس یا تقریر کرنا نہیں، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک عمل ہے، یہ عشق ہے اور سرکار کی ذات میں گم ہو جانا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبت ہے اس کا اثر کیا ہوا کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے بھی اتنا پیار ہے کہ وہ ان کا لعاب دہن ماتھے پہ لگاتے ہیں۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہیں تو پانی نیچے نہیں گرنے دیتے، ہاتھوں پہ لیکر ماتھوں پہ لگاتے ہیں، اگر وہ ان کو حکم دیتے دیں تو سارے تیار ہو جاتے ہیں، حکم ایک ہوتا ہے مگر ان میں سے ہر ایک کا دل کرتا ہے کہ میں وہ کام کروں۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بولتے ہیں تو وہ سارے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، جب صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں تو پوری آنکھیں پھاڑ کے نہیں دیکھتے، نگاہیں جھکا جھکا کے تھوڑا تھوڑا دیکھتے ہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب: الشروط فی الجهاد و المصالحة مع أهل الحرب و كتابة الشروط، ج:2، ص:974، رقم الحدیث: 2581)

اب عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے کلمہ پڑھنے کا جو پس منظر بیان کیا تو یہ پانچ

چیزیں تھیں، ان میں قول تو کوئی بھی نہ تھا، سارے فعل تھے اور سارے معمولات تھے، تو پتہ چلا کہ تبلیغ کا ایک طریقہ اور غیر مسلموں کو متاثر کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک مؤمن اپنے طور پر اتنا مخلص ہو، اتنا امین ہو، اتنا صادق ہو اور اتنا عریانی، فحاشی سے پاک ہو اور اس قدر وہ سنت نبوی کا پیکر ہو کہ اس کو جو بھی دیکھے، اگر چہ وہ مؤمن خاموش بیٹھا ہو لیکن اس کو دیکھنے سے ہی دلوں کو خطبہ میسر آجاتا ہو، دلوں تک پیغام پہنچ جاتا ہو، دل موم ہو جاتے ہوں، دلوں کا زنگ اتر جاتا ہو، بدعملی کا زنگ تو کیا شرک کا زنگ تک بھی اتر جاتا ہو۔

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس انداز تبلیغ کو دیکھ کر متاثر ہوئے۔

قولی تبلیغ

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زبان سے بھی تبلیغ کرتے رہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جب حالتِ نماز میں حملہ کیا گیا تو زخم بڑے گہرے تھے، چند گھڑیاں وفات میں باقی رہ گئی تھیں، اب ظاہر ہے کہ وہ جا رہے ہیں، چند گھڑیوں کے مہمان ہیں، تو اس حال میں ایک نوجوان آ گیا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی، جس وقت وہ واپس گیا تو اس کا تہبند نیچے تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سانس اکھڑ چکی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:

رُدُّوْا عَلَيَّ الْغُلَامَ ...... اس لڑکے کو میری طرف لاؤ،

جب وہ قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:

اِبْنَ اَخِيْ ...... اے میرے بھتیجے!

اِرْفَعْ ثَوْبَكَ ...... اپنا کپڑا اونچا کرلو،

فَاِنَّهٗ اَنْقٰى لِثَوْبِكَ وَ اَتْقٰى لِرَبِّكَ ...... اس سے دو فائدے حاصل ہوں گے ایک یہ کہ تمہارا کپڑا بھی ستھرا رہے گا اور دوسرا یہ کہ رب بھی راضی رہے گا۔

(صحیح البخاری، کتاب: فضائل الصحابة، باب: قصة البيعة و الاتفاق على عثمان بن عفان رضی الله عنه، ج:3، ص:1353، رقم الحديث:3497)

تو یہ قول کی تبلیغ بھی ہے اور فعل کی تبلیغ بھی ہے۔

"تبلیغ" دین کی سب سے بڑی ڈیوٹی ہے، یہ ہمارے اوپر لازم ہے۔

اس میں پہلے "تحمل دین"، تعلیم دین سے ہے، کیونکہ بغیر پڑھے کے جو تعلیم ہوگی اس سے مزید گمراہی پھیلے گی، جس چیز کا علم نہ ہو اس کو آگے پھیلا دینے سے ایک فتنہ بن جائے گا، اگر علم ہے اگر چہ ایک آیت سیکھ لی ہے مگر اس کا معنی صحیح آتا ہے، اس کو سمجھا صحیح ہے، اب جس وقت ایک انسان اس کی تبلیغ کرتا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

• کسی مسلمان کے لیے اتنا بڑا کوئی تحفہ نہیں جتنا بڑا تحفہ اس بندے کے لیے کلمہ خیر ہے، کوئی ایک آیت، کوئی ایک حدیث، کوئی ایک مسئلہ جو دوسرا بھائی نہیں جانتا تھا آپ نے اس کو سنا دیا اور اس تک پہنچا دیا، یہ سب سے بڑا تحفہ ہے، جو تم نے اپنے بھائی کو عطا کر دیا ہے اور یہ سب سے بڑا صدقہ ہے جو کسی نے اپنی زبان سے کر دیا ہے کیونکہ صدقہ صرف مال کا نہیں ہوتا، تبلیغ دین وہ صدقہ ہے کہ جس کی برابری دوسرے صدقے نہیں کر سکتے، آپ کے سمجھانے سے ایک شخص کا نمازی بن جانا، جھوٹ چھوڑ دینا اور آنکھ پاک کر لینا یہ ایک طرف ہے اور پہاڑوں جتنی چاندی صدقہ کرنا ایک طرف ہے۔

(احياء علوم الدين، الباب الاول: فى فضل العلم و التعليم، كتاب العلم، ج:1، ص 10)

اس واسطے تبلیغ ہم پہ لازم ہے، اس کے لیے ہم نے فہم دین کا یہ سلسلہ جاری کر رکھا ہے تا کہ اس دین کو سمجھ کر آگے پہنچایا جائے، دونوں طرح اپنی تعمیر وتطہیر کی جائے، اپنی اصلاح کی جائے تا کہ دیکھنے والا دیکھ کر خود بخود پیغام وصول کرلے اور زبان سے بھی سمجھایا جائے اس پر خاموشی اختیار نہ کی جائے کیونکہ بیان کی ضرورت کے وقت چپ کر جانے پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

برائی کو دیکھنے پہ خاموشی کا نقصان

وہ حدیث شریف بھی ہمارے سامنے ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اے جبرائیل! جاؤ، فلاں بستی کو الٹا کر دو، تو وہ کہنے لگے کہ:

اِنَّ فِيهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ ...... اے اللہ! اس بستی کو الٹا کر دوں مگر اس میں ایک پرہیزگار انسان بھی ہے، جس نے زندگی میں کبھی نافرمانی نہیں کی، نہ کوئی سال نافرمانی میں گزارا اور نہ کوئی مہینہ تیری نافرمانی میں گزارا، نہ کوئی ہفتہ، نہ کوئی دن، نہ کوئی گھنٹہ، نہ کوئی منٹ یہاں تک کہ ایک سیکنڈ بھی اس نے نافرمانی نہیں کی، تو کیا اس کو نکال کے باقی ساری بستی کو الٹا کر دوں؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

نہیں، اے جبرائیل! اس سمیت ساری بستی کو الٹا کر دو۔

حضرت جبرائیل امین کو تعجب تھا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ ...... اے جبرائیل! میں اس کے سجدوں کو کیا کروں، کہ جب قوم بگڑ گئی تھی تو وہ خاموش کیوں بیٹھا تھا، جب لوگ شرابیں پی رہے

تھے، لوگ میوزک کی دھن پہ ناچ رہے تھے، معاشرہ عریانی، فحاشی کی آگ میں جل رہا تھا، اگر یہ بول نہیں سکتا تھا تو کم از کم اس کے چہرے کا رنگ تو بدلتا، اے جبرائیل! اس کے چہرے کا رنگ بھی نہیں بدلا، بدی کو دیکھ کر اس کو دکھ نہیں ہوا، اس کے چہرے پہ اثر ظاہر نہیں ہوا، ان برے کاموں کی وجہ سے یہ پریشان نہیں ہوا، اگر اس کے چہرے کا رنگ برے لوگوں کو دیکھ کر بدلا ہوتا تو میں اس کو بچالیتا لیکن اب میں اس کو نہیں بچاؤں گا، میں تو اُس کو قبول کرتا ہوں جو خود بھی نور بنتا ہے اور دوسروں کو بھی نور بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

(شعب الایمان، الثانی و الخمسون من شعب الایمان و هو باب فی الأمر بالمعروف و النهی عن المنکر، أحادیث فی وجوب الأمر بالمعروف و النهی عن المنکر ......، ج:6، ص:97، رقم الحدیث:7595)

اس طرح تبلیغ دین کی دو قسمیں واضح ہوگئی ہیں:

ایک یہ کہ وہ ان کے سامنے بولتا کہ تم یہ ناجائز کام کر رہے ہو، جہنم میں جا رہے ہو، واپس آجاؤ، راستہ بدل لو اور حرم کی طرف آجاؤ۔

دوسری یہ کہ اگر یہ بول نہیں سکتا تھا تو اس کے چہرے سے غصے تو ظاہر ہوتا۔

اب یہ غصہ بھی تبلیغ قرار پایا، یہ بھی بچنے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

اِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ ...... اس کے چہرے کی رنگت نہیں بدلی۔

تو معلوم ہوا کہ ایسے قرائن اور انداز جس سے برے لوگوں کی برائی سے برأت اور اس سے ناراضگی کا اظہار ہو، اگرچہ وہ کوئی تقریر نہ ہو، کوئی خطبہ نہ ہو، اس کے بھی کچھ نمبر بندے کو مل سکتے ہیں، اس سے بھی نجات ہو سکتی ہے لیکن اس موقع پر کہ جب بدی عام

ہو جائے تو اس وقت زبان سے بولنا بہت بڑا کام ہے، اس میں بہت عظمت ہے۔

تو ہم فہم دین کے اس پلیٹ فارم سے تبلیغ کا وہ فریضہ ادا کر رہے ہیں جو اس امت کی سرفرازی کی علامت ہے۔

اس عظمت کے حصول کے لیے روزانہ قافلے رواں دواں رہیں گے اور یہ ہی اس امت کی علامت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئی، بھلائی کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے منع کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ اس امت کی شان ہے کہ جتنی تبلیغ اس امت نے کی ہے، اتنی کسی امت نے نہیں کی ہے، جتنا اس امت کی تبلیغ کے اثرات مرتب ہوئے ہیں اتنا کسی اور امت کی تبلیغ کے اثرات مرتب نہیں ہوئے، ان امتوں میں سے کوئی امت ایسی نہیں ہے کہ جس کو گزرے ہوئے چودہ صدیاں بیت چکی ہوں اور دین پھر بھی اُس امت میں باقی ہو، یہ دین امت محمدیہ میں باقی ہے اور آج تک سنت نبوی کے خزانے ہمارے پاس موجود ہیں، آج تک مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوئی ہیں اور لوگ اللہ کے حکم پر روزے رکھ رہے ہیں تو پتہ چلا کہ یہ دین باقی ہے اور جس بنیاد پر یہ باقی ہے وہ بنیاد ''تبلیغ دین'' ہے۔

اگر تبلیغ دین کا فریضہ ہم سے پہلے لوگ نہ کرتے تو آج ہم اندھیرے میں ہوتے، ہماری آنکھیں اندھی ہوتیں اور ہمیں کچھ نظر نہ آتا، ہمیں دین کے لحاظ سے کوئی راستہ معلوم نہ ہوتا، یہ ان لوگوں کا کمال ہے جن کی عمریں ہم سے پہلے گزر گئی ہیں، جو رشد و ہدایت کے

منصب پر فائز تھے اور اپنی ڈیوٹی کو انہوں نے پورا کیا، ان سے یہ دولت ہم تک پہنچ گئی، تو اب اگر یہ تبلیغ ہم نہیں کریں گے تو آنے والوں کے لیے یہ کمی باقی رہ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ تو اپنا وعدہ پورا کرے گا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے دین کو ضرور باقی رکھے گا. مگر اس میں ہمارا حصہ بھی ہونا چاہیے، کیونکہ ''تبلیغ دین'' کا طریقہ اس امت کا ایک منفرد طریقہ ہے، جو تبلیغ کا انداز اس امت کا ہے وہ پہلی امتوں میں نہیں تھا، اس وجہ سے تامرون بالمعروف کا ذکر پہلے اور تومنون باللہ کا ذکر بعد میں ہے، مقصد اس صفت کا بیان کرنا تھا جو صفت اس امت میں ہے، باقی میں نہیں ہے، باقی امتوں میں امر بالمعروف اس درجے کا نہیں جس درجے کا اس امت میں ہے اور نہی عن المنکر اس امت میں اس درجے کا نہیں جس درجے کا اس امت میں ہے۔

پہلی امتوں میں شہروں کے شہر اجڑ گئے تھے، سارے برے لوگ رہ گئے تھے، کوئی اذان پڑھنے والا باقی نہ بچا تھا، کوئی ان کو دعوت دینے والا باقی نہیں بچا تھا، لیکن یہ امت ایسی نہیں ہوگی کیونکہ اس میں ہر دور میں حق کی اذانیں دینے والے موجود رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسی اذان کی خاطر زندہ رکھے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اسی دین کی خاطر متحرک رکھے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر
12

یہ شانِ رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوْا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

(القرآن الكريم، سورة البقرة، رقم السورة 2، رقم الآية 104)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَاسَيِّدِيْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ واتم برھانہ کی حمد وثنا اور حضور اکرم، نور مجسم، شفیع محشر، مالک کوثر، محبوب ودلبر، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

وارثان منبر ومحراب، ارباب فکر ودانش، اصحاب محبت ومودّت، حاملین عقیدہ اہلسنت، نہایت ہی محتشم ومعزز حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل وتوفیق سے **"ادارہ صراط مستقیم"** پاکستان کے زیر اہتمام **"فہم دین کورس"** میں ہم سب کو شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!

ایمان بالرسالت عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے، اس سلسلہ میں ہمارے متعدد موضوعات پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے شائع ہو کر دور دور تک پہنچ چکے ہیں، جن میں بطور خاص **"منصب نبوت اور عقیدہ مؤمن" "شان رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق"** اور **"شان رسالت کی یکتائی"** ہیں، آج اس سلسلہ کا یہ چوتھا موضوع ہے کہ **"یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!"**۔

ایمان بالرسالت کی اہمیت کے پیش نظر جن حالات سے امت مسلمہ گزر رہی ہے اور باطل پرستوں کی طرف سے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخیوں کا سلسلہ خاکوں کی شکل میں معاذ اللہ جاری رکھا جا رہا ہے، یہ ایک بہت بڑا امتحان ہے، اس

تناظر میں بالخصوص اسلام کے اندرونی محاذ پر شان رسالت سے متعلق کچھ لوگوں کے گرے ہوئے انداز کی وجہ سے آج امت مسلمہ کو شرمساری بھی ہے اور پریشانی بھی، تحذیر الناس، حفظ الایمان، تقویۃ الایمان وغیرہم جیسی کتابوں میں جو جسارتیں کی گئی تھیں وہ ایک بہت بڑا المیہ ہے، اس پر مستزاد کچھ موجودہ لٹریچر ہیں، گذشتہ سال گجرات میں ایسی حرکت کی گئی، ابھی جہلم میں ایک شخص نے ایسی کتاب لکھی، شیخوپورہ میں ایسا واقعہ پیش آیا، گوجرہ، فیصل آباد کے اندر بھی ایک المناک واقعہ ناموس رسالت کے سلسلہ میں رونما ہوا، تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ ماحول میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو یوں اجاگر کیا جائے کہ اس مسئلے کی جو نزاکت ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے ہر انسان جب گفتگو کر رہا ہو تو سوچ کے، سمجھ کے اور شان رسالت کا جو تقدس اور اس کی جو رفعت ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے گفتگو کرے، گفتگو کا انداز ایسا نہ ہو کہ جیسے بڑے بھائی کے بارے میں بات کی جارہی ہے یا گاؤں کے چودھری کے بارے میں بات کی جا رہی ہے۔ بلکہ گفتگو سے پہلے انسان کے حواس پوری طرح بیدار ہوں اور اس پر رعب طاری ہو کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے۔

شان رسالت کا تقدس

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...... اے ایمان والو!

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ...... راعنا نہ کہو،

وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ...... اور یوں عرض کریں کہ ہم پر نظر کرم رکھیں،

وَ اسْمَعُوْا ...... اور پہلے ہی غور سے سنو،

وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ...... اور کفار کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، رقم السورۃ 2، رقم الآیۃ 104)

قرآن مجید کا یہ مقام بالخصوص قیامت تک کے لوگوں کو یہ سمجھا رہا ہے کہ ''یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!''۔

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوْا انْظُرْنَا...... تم راعنا نہ کہو اور تم انظرنا کہو کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پر نظر کرم فرماؤ۔

شان نزول: پہلی تفسیر

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے راہنمائی حاصل کرتے تھے، تو وہ کہتے کہ:

رَاعِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ...... یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری رعایت رکھیں۔

یعنی آپ قرآن مجید کی آیات پڑھ رہے ہیں، تو ہمیں بھی آپ ساتھ لے کے چلیں، ہم سن لیں، یاد کرلیں اور لکھ لیں۔ یہ ان کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست ہوتی تھی۔

مگر دوسری طرف عبرانی زبان میں اسی لفظ کو نازیبا الفاظ کے زمرے میں شمار کیا جاتا اور گالی کے طور پر اس کا استعمال ہوتا تھا، جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عربی زبان کے لحاظ سے اس کا استعمال کرتے تھے اور صحیح معنی میں کرتے تھے، لیکن یہود کو موقع مل گیا، انہوں نے اپنا بغض اسی لفظ کی آڑ میں ظاہر کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم پر بھی اس لفظ کا بولنا حرام کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ:

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ...... تم ''راعنا'' نہ کہو۔

اگر چہ تم تو اچھی نیت سے کہتے ہو لیکن دوسرے لوگ اسی لفظ سے بری سوچ کی گنجائش پیدا کر رہے ہیں، تو جب انہیں اس سے گنجائش ملتی ہے تو تمہارے لیے بھی جائز نہیں کہ تم یہ لفظ بولو، بلکہ تم یہ لفظ بولنا بند کر دو۔

چونکہ ناموس رسالت کا معاملہ ایسا ہے کہ اگر کسی لفظ کے دو معنی ہوں، ایک معنی درست ہو اور دوسرا معنی شان رسالت کے لائق نہ ہو تو شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اس لفظ کا استعمال متروک ہو جائے اور اس کو چھوڑ دیا جائے تا کہ اس لفظ کی آڑ میں کوئی گستاخ مذموم ارادوں کو پورا نہ کر سکے۔

دوسری تفسیر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رعایت کے لحاظ سے راعنا کہتے تھے لیکن یہود نے اس کو کھینچ کے پڑھنا شروع کر دیا کہ:

راعینا یعنی راعی چرواہے کو کہتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! راعنا، آپ ہمارا لحاظ رکھیے، ہماری رعایت فرمائیے۔ وہ یہ درخواست کرتے تھے لیکن یہود (معاذ اللہ) راعینا کہہ کے اپنی طرف سے بغض اور گندی سوچ کا اظہار کرتے تھے۔

رَاعِیْ غَنَمِنَا: ہماری بکریوں کو چرانے والا۔

تو معاذ اللہ جب یہود نے راعینا کہنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ

علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو اور قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ اس لفظ کو بری سوچ والے لوگ استعمال کر رہے ہیں تو تم اس کا استعمال ہی ترک کر دو تا کہ کسی طرح اس کو بول کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا موقع نہ مل سکے۔

تیسری تفسیر

راعنا کو اگر باب مفاعلہ سے مشتق بنائیں تو پھر اس میں جانبین ہوتے ہیں، مثال کے طور پر لفظ مصافحہ ہے تو مصافحہ تب بنتا ہے جب دو بندے آپس میں ہاتھ ملاتے ہیں، ایک آدمی کے ہاتھ کو مصافحہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

تو جہاں بھی باب مفاعلہ ہوتا ہے وہاں جانبین کا ہونا ضروری ہے، اگر وہاں جانبین نہیں ہوں گے تو باب مفاعلہ نہیں بنے گا۔

تو راعنا میں باب مفاعلہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جانبین ہیں اور پھر ان کی آپس میں مساوات سمجھی جا رہی تھی، مطلب کیا بنا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمارا لحاظ کرو اور ہم آپ کا لحاظ کرتے ہیں یعنی اس لفظ سے یہ معنی نکل سکتا تھا، اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی نیت نہیں تھی لیکن اس میں یہ گنجائش بن رہی تھی اور راعنا باب مفاعلہ سے ہونے کی وجہ سے مساوات کا پہلو نکل رہا تھا کہ آقا اور غلام دونوں برابر ہو رہے ہیں، مرتبے اور شان کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو انبیاء کرام علیہم السلام میں سے سب سے اونچی شان عطا فرمائی ہے، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس مساوات کی نفی کے لیے جو ایک نبی اور امتی کے درمیان بن رہی تھی، راعنا کہنا ناجائز قرار دے دیا تا کہ کہیں

ایسا تصور بھی پیدا نہ ہو کہ امتی یہ کہے کہ میں نبی جیسا ہوں اور نبی میرے جیسے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سوچ کو بند کرنے کے لیے راعنا کا استعمال بھی ناجائز فرما دیا۔

چوتھی تفسیر

جس وقت ایک شخص کسی سے کوئی بات کرنا چاہے تو اس کے لحاظ سے ایک آرڈر ہے اور ایک التماس ہے، جبکہ آرڈر میں اور التماس میں فرق ہے، اگرچہ لفظ ایک جیسے ہیں۔
ایک شخص یہ کہتا ہے کہ آپ میرا یہ کام کر دیں، یہ کسی بڑے سے وہ اپنی اپیل کر رہا ہوتا ہے، دوسرا وہ کہ جو اپنے نوکر سے کہتا ہے کہ تم یہ کام کر دو تو وہ بطور آرڈر کہہ رہا ہے، ان دونوں میں فرق ہے، اپیل اور ہوتی ہے اور آرڈر اور ہوتا ہے۔
تو راعنا میں ایک پہلو یہ ہے کہ اس سے آرڈر والا معنی نکل رہا تھا کہ راعنا ایک امتی بولے اور اس سے اخذ یہ ہو کہ وہ چھوٹا ہو کر بڑی ذات کو حکم دے رہا ہے، اس صیغہ کے لحاظ سے وہم پیدا ہو رہا تھا اگرچہ پوچھنے والے صحابہ کرام کی یہ نیت نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کا ادب سکھانے کے لیے اور شان رسالت کے متعلق گفتگو کے آداب بتانے کے لیے ان پر راعنا کا لفظ ناجائز قرار دے دیا کہ اس لفظ کو ہزار بار اچھی نیت سے بھی بولو مگر چونکہ اس میں وہم پیدا ہو رہا ہے، اس واسطے قیامت تک کے مسلمانوں پر اس کا بولنا حرام قرار دے دیا گیا ہے۔

پانچویں تفسیر

راعنا کا معنی ہے قولا راعنا کہ رعونت والی بات نہ کرو یعنی جس بات میں تکبر ہو۔ اللہ کے پیغمبر سے کوئی اکڑ کر نہ بولے، کوئی رعونت سے نہ بولے، اس انداز سے نہ

بولے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ عاجزی کے سوا بول رہا ہے۔

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ...... میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے وقت نرم نرم اور عاجزی کے انداز میں گفتگو کرو اور کوئی شخص تکبر کے انداز میں گفتگو نہ کرے۔

(التفسير الكبير، سورة البقرة، رقم السورة:2، رقم الآية:104، ج:3، ص:634)

یہ قرآن مجید کی تعلیمات کا اثر ہے کہ جس وقت حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے سفیر بن کے آئے تھے اور حدیبیہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کرام کو بیٹھے دیکھا تھا تو جن پانچ باتوں سے وہ زیادہ متاثر ہوئے تھے تو ان میں سے ایک بات یہ بیان کی تھی کہ:

اِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ ...... جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے ہیں تو یہ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بولتے وقت یہ پابندی ضرور کرتے ہیں کہ ہماری آواز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے برابر نہ ہونے پائے، ہماری آواز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پست رہے۔

(صحيح البخاري، كتاب الشروط، باب: الشروط في الجهاد و المصالحة مع أهل الحرب و كتابة الشروط، ج:2، ص:974، رقم الحديث:2581)

تو یہ قرآن مجید نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھائے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ یہ نصاب صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نہیں تھا، یہ تابعین کا بھی نصاب تھا، یہ تبع تابعین کا بھی نصاب تھا، یہ بعد کے لوگوں کا بھی تھا، یہ آج کے مسلمانوں کا بھی نصاب ہے اور قیامت تک کے ایمان والوں کا یہ ہی نصاب رہے گا۔

اس واسطے اسی آیت کو ہم موضوع بناتے ہوئے آج اپنی گفتگو کو آگے بڑھا رہے ہیں کہ آج ایک انسان جہاں بیٹھ کر کوئی شان رسالت کے متعلق وضاحت کر رہا ہے، کوئی بات اور تبصرہ کر رہا ہے، کسی طرح وہ کوئی کلام کر رہا ہے تو اسے سوچنا چاہیے کہ:

ادب گاہ ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

میں جس دربار کے بارے میں بات کر رہا ہوں وہ عرش سے نازک تر دربار ہے اور وہاں پر لوگ اپنی سانس پر بھی پابندی لگاتے ہیں کہ کہیں سانس بھی بلند طریقے سے نہ چلنے پائے۔

یہ قرآن مجید کی اس آیت کی دعوت ہے کہ: یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!۔

بڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں

اس سلسلہ میں تفصیل سے پہلے اس اجمال کو آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ جس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ:

أَنْتَ أَكْبَرُ أَوِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم!...... اے حضرت عباس رضی اللہ عنہ! آپ بڑے ہیں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں؟

پوچھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ عمر کے لحاظ سے کون بڑا ہے، یہ عمومی روٹین میں جملہ بولا جاتا ہے، کوئی بندہ اپنے والد کے دوست سے پوچھ لیتا ہے کہ آپ بڑے ہیں یا میرے ابا جی بڑے ہیں؟ اور چچا کے ہم عصر سے گفتگو کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ آپ بڑے ہیں یا میرے چچا بڑے ہیں۔

تو اسی انداز سے کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھ لیا کہ:

أَنْتَ أَكْبَرُ أَوِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم! ...... آپ بڑے ہیں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں۔

اب غور کرنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب کیا دیا، فرمانے لگے کہ یہ شان رسالت سے ذرا ہوش سے بول!

هُوَ أَكْبَرُ وَ أَنَا وُلِدتُّ قَبْلَهُ ...... بڑے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ولادت میری پہلے ہوئی ہے۔

(سير أعلام النبلاء، العباس عم رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج:3، ص:66)

یعنی وہ لفظ جو عمومی طور پر بولا جاتا ہے، کہا جا سکتا تھا کہ میں آپ سے دو سال بڑا ہوں، یا میں اتنے سال بڑا ہوں، یہ لفظ بولا جا سکتا تھا مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے وہ لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ کہنے لگے کہ:

بڑے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن میں صرف پیدا پہلے ہو گیا تھا، میری ولادت پہلے ہوئی ہے، میری عمر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے مگر اقوی کا لفظ جب بولنا ہے تو اس میں یا کہنے کی ضرورت نہیں ہے، میرے محبوب ہر حال میں اکبر ہیں، وہ مجھ سے بڑے ہیں۔

آپ دیکھیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز ہے، یہ سوچنا پڑے گا، آج تھڑے پہ بیٹھے ہوئے مسلمان کو بھی تو دیکھنا پڑے گا، جو مسلمان اور امتی ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کے لحاظ سے یوں باتیں کرتا ہے کہ جیسے

بڑے بھائی اور عام انسان کے بارے میں بول رہا ہو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات وہ ذات ہے کہ جن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ یہ تو میرے باپ کی مثل ہیں:

عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ ...... بندے کا چچا اس کا باپ ہی ہوتا ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب: مناقب العباس بن عبد المطلب رضی الله عنه، ج:5، ص:652، رقم الحدیث:3758)

وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہ جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں تو باپ کہہ کے بلائیں:

رُدُّوْا اِلَيَّ أَبِيْ عَبَّاسٍ ...... تم میرے ابا جی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کے لے آؤ۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کہتے وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو باپ کہہ کے بلائیں مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اپنا باپ کہیں، اس کے باوجود کہ مجھے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم باپ کہہ رہے ہیں مگر میں منصب نبوت کا ادب تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ جب میں عمر میں بڑا بھی ہوں لیکن میں اپنے آپ کو بڑا نہیں کہوں گا، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ:

وَ أَنَا وُلِدْتُ قَبْلَهٗ ...... میں پیدا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو گیا ہوں، لیکن هُوَ أَكْبَرُ ...... جہاں تک بڑے ہونے کا معاملہ ہے تو وہ میرے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہ جنہوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دین حاصل کیا، قرآن مجید کے مخاطب بنے اور جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

فیض پایا اور ان کی اتنی عظیم شان ہے۔

ایک طرف اونچے قد والے عظیم المرتبت انسان اور دوسری طرف ہماری طرح کے بالکل عام قسم کے لوگ ان کی گفتگو میں یہ ڈیفرنس (Difference) کیوں آ گیا ہے، ادھر وہ اتنی عظمت سے بات کرتے ہیں، ادھر لوگ بالکل سطحی سا انسان بنا کے پیش کرتے ہیں۔

یہ درمیان میں فرق عقیدے کی عظمت کا فرق پڑ گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اذہان میں جو شان رسالت کا تقدس تھا اس سے لوگوں کی سوچ کا مقام بالکل دور ہو گیا ہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج بھی ہم اہل سنت و جماعت کو مقام نبوت کے متعلق بولنے میں وہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والا ادب عطا فرمایا ہے۔

مبارک انگلیاں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے؟

تو انہوں نے حدیث مبارک بیان کرنی تھی کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ان جانوروں کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ انداز تھا کہ حدیث کو بیان کرتے وقت مسلسل بنانے کے لیے جیسے سرکار نے اشارہ فرمایا ہوتا ویسے ہی اشارہ کرتے تھے، جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے ہوتے ویسے ہی مسکراتے کہ ہم نے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھا ہے لیکن بعد والے ہم سے لفظ بھی پڑھتے رہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی

کیفیت کو بھی معلوم کرتے رہیں کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت کیا انداز تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو فرما رہے تھے۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو بیان کیا تھا کہ جن کی قربانی جائز نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا تھا کہ چار جانور ایسے ہیں جن کی قربانی جائز نہیں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جب ان جانوروں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کن کی قربانی جائز نہیں ہے تو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مجمع عام میں کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ:

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ...... ایک دن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ ان چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کی چار انگلیوں سے اشارہ کیا، جب آپ رضی اللہ عنہ یوں کر چکے تو دل میں خیال آیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنا ہاتھ قرار دے دیا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کیا تھا اور میں بھی یوں ہی کر رہا ہوں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہاتھ کیا تھا، کہاں میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اور کہاں میرا ہاتھ۔

آج چھوٹے چھوٹے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے بھی دو ہاتھ ہیں اور ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں، ہاتھوں کی مشابہت خود زبان سے بیان کرتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہاتھ کی طرح ہے، بات کرتے وقت جب ہاتھ بلند کیا اور انگلیاں یوں کھولیں جیسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے چار کو بیان کرنے کے لیے کھولیں تھیں، تو فوراً اپنی گفتگو کو بدل دیا اور وضاحت کر دی۔

کیا عشق ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور کیا منصب نبوت کی پہچان ہے، یوں ہاتھ کر کے ارشاد فرمانے لگے کہ:

أَصَابِعِيْ أَقْصَرُ مِنْ أَصَابِعِهٖ ...... اے دیکھنے والو! ان انگلیوں کو دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں ایسی ہیں، نہیں، میری انگلیاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔

أَصَابِعِيْ أَقْصَرُ مِنْ أَصَابِعِهٖ ...... میری انگلیاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ:

أَنَامِلِيْ أَقْصَرُ مِنْ أَنَامِلِهٖ ...... میری انگلیوں کے پورے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے پوروں سے چھوٹے ہیں۔

(سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب: ما يكره من الضحايا،
ج:3، ص:54، رقم الحديث: 2804)

یہ کہنا کیوں ضروری سمجھا کہ میں سمجھانے کے لیے مثال دے رہا ہوں، حدیث کو مسلسل بیان کرنے کے لیے اپنا ہاتھ دکھا کر ان کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا تصور دینا چاہتا ہوں، کہیں کوئی یہ نہ سوچ بیٹھے کہ میرا ہاتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی طرح ہے یا میں اپنی انگلیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کی طرح بیان کرنا چاہتا ہوں، فرمایا:

نہیں نہیں، کہاں میری مجال اور کہاں میرے ہاتھ کی مجال، صرف میں نے تمہارے سامنے یوں کر دیا ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ یوں کیا تھا۔

جہاں تک ہاتھوں کا تقابل ہے تو نہ میرے ہاتھ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جیسے ہیں اور نہ میری انگلیاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں جیسی ہیں اور نہ میرے پورے ان کے پوروں جیسے ہیں۔

آج لوگ اپنے منہ سے یہ کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ ہمارے ہاتھوں جیسے اور ہمارے ہاتھ ان کے ہاتھوں جیسے، ان میں کوئی فرق ہی نہیں ہے لیکن حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ فرق ان میں بہت زیادہ ہے یعنی میرے ہاتھوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے تشبیہ نہ دینا اور نہ ہی ان جیسا سمجھنا۔

عون المعبود شرح سنن ابی داؤد میں ہے کہ یہ سب کچھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ادب کے پیش نظر کیا اور بولتے وقت آپ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے جب اشارہ کیا تو فوراً وضاحت ضروری سمجھی کہ یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے ساتھ اپنے ہاتھ کو تشبیہ دے رہا ہوں نہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بہت بڑا مظہر ہے، اس ہاتھ کے ساتھ کسی ہاتھ کی کوئی برابری نہیں ہے۔

(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب: ما یکرہ من الضحایا، ج: 7، ص: 357)

اس مقام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منصب نبوت کے لحاظ سے جو عقیدہ ہے اور شانِ رسالت کے بارے میں گفتگو کا جو انداز ہے اس کو سمجھنا بڑا آسان ہو گیا۔

چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ جس سے پتہ چلے گا کہ اب ادب کا گریڈ

کتنا نیچے چلا گیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو انداز تھا اس انداز کو آج امت اپنائے گی تو پھر غیروں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔

اگر امت کے اندر سے ہی یہ دھواں اٹھتا رہے کہ جس طرح کا دھواں حفظ الایمان کتاب میں ہے یا تحذیر الناس میں ہے اور جس طرح گستاخیوں کا دھواں تقویۃ الایمان میں ہے، ایسی کتابوں میں جو گستاخانہ لہجے استعمال کیے گئے ہیں اور پھر گستاخانہ تقریروں کا انداز استعمال کیا گیا ہے کہ لوگوں کو جری بنا دیا گیا ہے کہ وہ بولتے وقت سوچتے ہی نہیں کہ ہم کس کے بارے میں بول رہے ہیں، لوگ تو اپنے اساتذہ کے بارے میں بولنے سے پہلے محتاط ہو جاتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کو شان رسالت کے متعلق بولتے ہوئے ہوش نہیں ہوتا کہ ہم کس ذات کے بارے میں بول رہے ہیں۔

آج کے اس موضوع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہیاں اور قرآن مجید کی آیت بیان کر کے ہم اس ماحول کے گستاخانہ دھوئیں پر ابر کرم کا فیضان لانا چاہتے ہیں تا کہ گستاخیوں کا دھواں ختم ہو جائے اور پھر امت مسلمہ کو برکات میسر آ جائیں۔

ادب کی انوکھی صورت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک سوال کیا، وہ سوال ایسا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا جواب آتا تھا۔

آج کے لوگوں کا انداز کیا ہے، وہ برابری تو کیا آگے بھی بڑھنا چاہتے ہیں کہ ان باتوں کا انہیں علم نہیں تھا، ہمیں ان باتوں کا علم آ گیا ہے، لیکن وہاں صورتحال یہ ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک سوال کیا، اس سوال کا جواب

انہیں آتا تھا مگر ان میں سے کسی نے یہ نہیں سوچا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں، معاذ اللہ، اور نہ ہی ان میں سے کوئی بولا کہ اس کا یہ جواب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ادب ہے کہ جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے جواب یہ تھا کہ:

أَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ ...... اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔

یہاں تو ایک فتور پیدا ہو گیا ہے کہ ایک امتی اُٹھ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلہ ہونا چاہتا ہے، کوئی موقع ایسا بنے تو سہی، فوراً کہتے ہیں کہ دیکھو انہوں نے بھی ایسا کیا، ہم بھی ایسا کر رہے ہیں، بات برابر کی ہے۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز اس بارے میں کتنا عجیب اور نرالا ہے، حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ اس کو روایت کرتے ہیں کہ:

خَطَبَنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ النَّحْرِ ...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس (10) ذوالحج کے دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے یہ سوال کیا کہ:

أَتَدْرُوْنَ أَيَّ يَوْمٍ هٰذَا ...... تمہیں اے میرے صحابہ! یہ پتہ ہے کہ آج کون سا دن ہے؟

یہ بھی آج کچھ کہتے ہیں کہ سوال کرنے والا سوال تب کرتا ہے کہ جب اسے کوئی پتہ نہ ہو، تو معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گیا تھا کہ آج کون سا دن ہے۔

لیکن وہاں پر کیا ہے؟ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی:

أَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ ...... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔

یعنی اس صورتحال میں بھی بڑی کشش ہے کیونکہ جس بندے کو کچھ بھی جواب آتا ہو وہ اپنا علم ظاہر کرنے کے لیے بولتا ہے کہ اللہ کے نبی سوال کر رہے ہیں اور میں جواب دے رہا ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہاں پہ لذت محسوس کر رہے ہیں کہ اگرچہ ہمیں جواب آتا ہے مگر ہمارے علم کی کیا حیثیت ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلے میں، ہر ایک کو اس کا جواب آتا ہے کہ یہ یوم النحر ہے، قربانی کا دن ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ یوم النحر ہے، بلکہ سارے یہی کہتے ہیں کہ:

اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ...... اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کیا کہ:

اَیُّ شَھْرٍ ھٰذَا ...... یہ مہینہ کونسا ہے؟

اب سب کو پتہ ہے کہ حج ہمیشہ ذوالحج میں ہوتا ہے، اگر کوئی بے صبرہ امتی ہوتا تو پتہ نہیں کہ وہ کیا کہہ جاتا لیکن یہ وہ ہیں جن میں ادب کوٹ کوٹ کے بھرا گیا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے میں حکمت کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔

جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کیا تو ہم نے کہا کہ:

اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ...... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا سوال کیا کہ:

اَیُّ بَلَدٍ ھٰذَا ...... تم جانتے ہو کہ یہ شہر کون سا ہے؟

اب سب کو پتہ ہے کہ یہ مکہ شریف ہے، اگر ان میں ہمسری کرنے کا جذبہ ہوتا تو وہ

بولتے کہ یہ فلاں شہر ہے اور اگر معاذ اللہ سوچ کچی ہوتی تو یہ بھی خیال آجاتا کہ شاید مجمع زیادہ دیکھ کر بھول گئے کہ شہر کون سا ہے؟

اب تو اس طرح کے نکلے امتی بھی آگئے ہیں جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ شہر کون سا ہے؟

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ:

أَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ ...... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔

(صحيح البخاري، كتاب الحج، باب: الخطبة أيام منى،

ج:2، ص:620، رقم الحديث:1654)

تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز ہے کہ جس مقام پر انہیں پتہ بھی ہے، جانتے بھی ہیں مگر پھر بھی عظمت ظاہر کرنے کے لیے جواب ایسا دیتے ہیں کہ جس سے شان نکھر کے سامنے آجاتی ہے۔

اب یہاں دو پہلو ہیں کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابری کرتے تو یوں کہتے کہ اے محبوب! تم بھی جانتے ہو اور ہم بھی جانتے ہیں، اس سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو نیچے لانے کی کوشش کرتے کہ اس کا ہمیں بھی پتہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کو پتہ ہے، ہم بھی جانتے ہیں اور آپ بھی جانتے ہیں مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اللہ بھی جانتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانتے ہیں، یعنی وہ شان رسالت کو کھینچ کے نیچے نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ شان رسالت کا مقام بلند بیان کرنا چاہتے ہیں۔

یہ ہو سکتا تھا کہ جب جواب آتا ہے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ مجھے بھی اس کا پتہ ہے، آپ کو بھی پتہ ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کو بھی پتہ ہے اور آپ کو بھی پتہ ہے، اللہ تعالیٰ بھی زیادہ جانتا ہے اور آپ بھی زیادہ جانتے ہیں۔ تو یہ انداز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گفتگو کا تھا کہ وہ منصب نبوت کو بولتے وقت یوں بیان کرتے ہیں کہ:

یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!

اس کو بیان کرتے وقت اپنے ساتھ نہ ملاؤ، رب تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔

اس کے بعد اس طرح کی صورتحال بھی پیش ہوتی رہی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

آج کا ایک انداز جو معاذ اللہ کچھ لوگوں نے پیدا کر لیا، وہ با قاعدہ تقریروں میں بیان کرتے ہیں کہ تم جس پیغمبر کے علم کے ترانے پڑھتے ہو ان سے جب پوچھا گیا تھا تو وہ چپ ہو گئے تھے، یہ سوچ کمینی سوچ ہے اور یہ سوچ منصب نبوت کے بارے میں بے ادبی والی سوچ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز کیا ہے، وہاں جو انداز ہے اللہ تعالیٰ نے وہی انداز آج بھی اہل حق کو عطا فرمایا ہے۔

انداز محبت اور ادب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

إِنِّي مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِينَتِهَا

...... مجھے اپنی امت پر جن باتوں کا خطرہ ہے وہ دنیا اور اس کی زینت ہے، اس کے

دروازے کھل جائیں گے، مجھے امت پر یہ خطرہ ہے، شرک کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ ...... مجھے تم پر شرک کا کوئی خطرہ نہیں ہے، مجھے دنیا کے دروازے کھل جانے کا خطرہ ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا آجائے گی، کہیں اس کی چمک میں امت ڈوب نہ جائے تو ایک آدمی نے عرض کی کہ:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم! أَوْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ ...... کیا خیر سے بھی شر برآمد ہو سکتا ہے؟

دنیا میں رزق حلال اگر زیادہ آجائے گا تو اس کا پھر کیا خطرہ ہو سکتا ہے، چونکہ حرام کی تو بات ہی نہیں کی جا رہی ہے، چوری، ڈاکہ سے آنے والے مال کی بات نہیں کی جا رہی ہے، کسب حلال سے رزق میں فراوانی ہو جائے گی، آج صفہ پہ جن کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا کل انہی لوگوں کے پاس لاکھوں ہزاروں دینار آجائیں گے اور پھر آگے امت میں جو مال آنے والا تھا اس کا بیان کیا تو صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مال تو خیر ہے، کیا خیر سے بھی شر برآمد ہو سکتا ہے؟

جب صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا تو:

فَسَكَتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

خاموش ہونے پر ایک ہے آج کے کند ذہن امتی کا تبصرہ اور ایک ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تبصرہ، ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسالت کے جو ایسے مقامات ہیں ان کے بارے میں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ شانِ رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!، یہاں بولتے وقت اپنے تبصرے مت جھاڑو، جو سامنے بیٹھے تھے ان سے پوچھو، جنہوں نے نبوت کا

چمکتا چاند اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جن کے ذہن کے آنگن میں اس چاند کی چاندنی براہ راست اترتی رہی ہے، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھو کہ وہ ایسے موقع کو سمجھتے تھے تو کیا سمجھتے تھے؟

آج جس وقت کچھ لوگ ایسی باتیں سنتے ہیں تو دانت کھٹے ہوتے جاتے ہیں اور انہیں باتیں یاد آتی جاتی ہیں کہ فلاں کہتے ہیں کہ ان کا اتنا علم ہے، لیکن ان سے سوال ہوا تھا تو وہ چپ ہو گئے تھے، اِن لوگوں کو بولتے وقت شرم نہیں آتی ہے۔

اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز دیکھو کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوئے تو کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی تھوڑا ہے، صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چپ کر گئے ہیں، صحابی رضی اللہ عنہ کو خیال تک نہیں آیا، جس وقت بولتے ہیں تو عظمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کر کے بولتے ہیں، چپ ہونے کو انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینے میں کوئی مشکل واقع ہو رہی ہے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سائل کو جھاڑا:

قِيْلَ لَهٗ مَا شَأْنُكَ تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ لَا يُكَلِّمُكَ ...... صحابہ کرام نے اس آدمی سے جھگڑنا شروع کر دیا کہ تم کیسے ہو، تم سے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بولنا پسند ہی کر رہے ہے، لہذا تمہارے سوال میں کوئی کمی ہے، تمہارے انداز میں کوئی کمی ہے، تم بولتے ہو لیکن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بولنا پسند نہیں کر رہے ہیں۔

اب اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عظمت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کیا اور یقیناً

وہ عظمت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انداز بتا رہے تھے کہ امتی کا حق نہیں ہے کہ ایسے موقع پر اپنی زبان کھول لے اور منصب نبوت پر تنقید کرنا شروع کر دے،

بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے ہیں، تو اے سائل! تیرا انداز ٹھیک نہیں ہے، تیرا سوال درست نہیں ہے، تجھ میں کوئی کمی ہے، تم سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے بولتے ہو لیکن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے بولنا پسند نہیں کر رہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تیرے سوال کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ اس کا جواب دیا جائے۔

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز تھا اور وہ اپنے طور پر یہ بات واضح کر رہے تھے کہ یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چپ ہو جانے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سائل کو جھڑکا کہ تمہارا سوال ٹھیک نہیں تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو سائل کے دل سے واقف ہوتے ہیں اور سائل کی کیفیت سے واقف ہوتے ہیں، سائل کے پس منظر سے واقف ہوتے ہیں اور ہر چیز کو سامنے رکھ کر پھر جواب دیتے ہیں اور کبھی چپ کر جاتے ہیں تو اس میں بھی بھلا سائل کا ہی ہوتا ہے اگر بولا تو سب کچھ اس کا ظاہر ہو جائے گا، کبھی چپ کر جاتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ:

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ...... اور بہت کچھ معاف فرما دے۔

(القرآن الكريم، سورة الشورى، رقم السورة:42، رقم الآية:34)

یہ نہیں کہ جواب نہیں آتا معاف کر دیتے ہیں، یہاں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شان نبوت کو بالکل بے غبار سمجھا ہے اور عظمت بیان کر رہے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہہ

رہے تھے کہ سائل کا سوال اچھا نہیں ہے، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر کے بعد جب سر اٹھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ:

أَيْنَ السَّائِلُ ...... وہ سائل کہاں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ اس سے ہمیں پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے سوال کو پسند فرمایا ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو پیار سے آواز دی ہے، جو سر جھکایا تھا وہ اس لیے جھکایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے وحی کے ذریعے پیغام نازل فرما رہا تھا۔

(صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب: الصدقة على اليتامى،
ج:2، ص:532، رقم الحديث:1396)

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عشق ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سائل کے سوال میں کوئی کمی باقی رہ گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب دینا پسند نہیں کر رہے، تو یہ ایک امتی پہ لازم ہے کہ ایسے مقامات جس وقت آئیں تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یقیناً اُن میں کوئی عظمت ہی موجود ہوتی ہے۔

یہ کوئی معمولی بات تو نہیں کہ عرش سے اتنا ڈائریکٹ رابطہ ہو، ادھر سائل سوال کر رہا ہے ادھر جبرائیل سدرہ سے نیچے آ رہے ہیں، یہ تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے۔

لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ طریقہ سکھا رہے ہیں کہ منصب نبوت اور سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے وقت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بولتے وقت انداز وہ ہونا چاہیے جو انداز اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عطا فرمایا ہے۔

عبادت اور ادب

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں پوچھا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کتنی عبادت کرتے ہیں یعنی یہ ان کو شوق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر کی عبادت کیا ہے؟، اس کا بھی ہمیں پتہ ہو چاہیے تاکہ ہم مزید عبادت کریں۔

جس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو بیان کیا تو حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ:

كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا ...... کوئی ایسی عبادت نہ تھی جس کو بہت زیادہ عبادت سمجھا جاتا یعنی گھر میں نماز تہجد، نوافل پڑھتے ہیں تو پاؤں مبارک پہ ورم آجاتا ہے، لیکن جتنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ اتنی عبادت گھر کی ہوگی، وہ جواب نہیں ملا۔

اس کے بعد امتحان شروع ہو گیا لیکن اگر آج کا خشک امتی ہوتا تو جس وقت بولتا تو تنقید کے انداز میں بولتا کہ یہ کیسے نبی ہیں، رات کو اتنی عبادت ہی نہیں کرتے، یہ کیسے ہیں ہم سمجھتے تھے کہ رات کو بڑی عبادت کرتے ہوں گے اور یہ تو کوئی زیادہ عبادت نہیں ہے، لیکن جس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عبادت کا پتہ چلا تو ایسا لفظ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں بولا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت بھی بہت بڑی عبادت ہے چونکہ پاؤں پہ ورم آجاتے ہیں، سوجھ جاتے ہیں۔

مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقویٰ کا اثر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے طور پر اور بھی سوچے ہوئے تھے لیکن جب اپنی سوچ کے

مطابق انہیں جواب نہیں ملا تو ان کے ذہنوں میں اس کا کیا نتیجہ نکلا، وہ آپس میں بیٹھ کے کہنے لگے کہ:

بھائیو! وہ تو اللہ کے محبوب ہیں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اگر تھوڑی عبادت کریں تو بھی وہ بہت زیادہ ہے، ہمیں کچھ سوچنا چاہیے۔

(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ج 5، ص: 1949، رقم الحدیث: 4776)

ایک آدمی بارہ گھنٹے کام کرتا ہے، کسی کا نوکر ہے اور دوسرا آدمی وزیر ہے، بادشاہ کے ساتھ کرسی پہ بیٹھتا ہے، گھنٹہ یا دو گھنٹے بادشاہ کے ساتھ بیٹھتا ہے، اس وزیر کا گھنٹہ یا دو گھنٹے بادشاہ کے ساتھ بیٹھ جانا اس کے بارہ گھنٹے سے زیادہ مقام رکھتا ہے۔

اللہ کے وزیر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے عمل کی ویلیو اور ہے اور عام بندے کے عمل کی ویلیو اور ہے، اب بتانے سے مقصد یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے مشکل مقام آیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں یہ تبصرہ کیا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت ہے، اتنی بھی بہت زیادہ ہے اور ہمیں مزید بندگی کرنی چاہیے کیونکہ ہمارا درجہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں وہ نہیں ہے جو رب نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کو عطا فرمایا ہے۔

کفار کی نازیبا حرکت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ میں اتنی مٹھاس تھی کہ کسی آدمی کی تقریر پر اتنے لوگوں نے کلمہ نہیں پڑھا جتنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریروں پر لوگوں نے کلمہ پڑھا ہے، اور جو توحید کا نور پھیلا اور قیامت تک پھیل رہا ہے یہ سب رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے اس انداز کی وجہ سے ہے، یہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ آپ بتوں کی مذمت کرنے والے ہیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ اس بت پرستی کے ماحول میں آپ نے تقریریں کیں اور وہاں پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے جھنڈے لہرائے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، بتوں کی مذمت کرتے ہیں، یہ بات کفار نے اپنے لہجے میں کی، لہجہ کیا تھا؟، ان کا لہجہ استفہامیہ تھا، یوں سمجھو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی گلی سے گزر رہے تھے اور قریش کہیں اپنے ڈیرے پہ بیٹھے تھے، جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور یہ شہرہ ہو چکا تھا کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کے زبردست خلاف ہیں، کچھ لوگوں کو قریش میں سے پتہ تھا اور کچھ لوگوں کو ابھی پتہ نہیں تھا۔

جب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو ایک ان میں سے بولا:

أَهَـٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ...... یہ ہیں وہ جو بتوں کو گالیاں دیتے ہے؟ یہ ہیں وہ جو ہمارے خداؤں کے خلاف بولتے ہے، یہ ہیں وہ جو ہمارے خداؤں کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہے۔

اب یہ بات تو سچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کے خلاف تقریریں کرتے ہیں اور بتوں کی مذمت کرتے ہیں مگر ان کا انداز توہین والا ہے کہ:

أَهَـٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ...... کیا یہ ہیں وہ جو ہمارے بتوں کو گالیاں دیتے ہیں؟

وہ سمجھتے تھے کہ کہاں ہمارے بتوں کی شانیں اور کہاں یہ خلاف ورزی کرنے والا، کہاں ہمارے بتوں کا مقام اور کہاں یہ انسان جو ہمارے بتوں کی مخالفت کر رہا ہے،

یہ کب ان بتوں کا راستہ روک سکے گا، یہ انداز ان کا توہین والا تھا۔

ہمزہ استفہام کے بعد والا کلام ''هَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ'' سو فیصد سچا ہے مگر جب انداز ایسا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو کیا کہا کہ قریش کیا کر رہے ہیں، مشرک کیا بولتے ہیں:

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ...... اور جب کافر تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہیں نہیں ٹھہراتے مگر ٹھٹھہ۔

جب اے محبوب! کافروں نے تجھے دیکھا تو:

إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ...... تمہیں نہیں ٹھہراتے مگر ٹھٹھہ۔

(القرآن الكريم، سورة الأنبياء، رقم السورة: 21، رقم الآية: 36)

جس چیز کو مذاق کہا گیا اگر چہ وہ سچی بات ہے لیکن وہ استفہامیہ انداز کی گئی تھی، وہ سچی بات جس کا انداز صحیح نہیں تھا، وہ سچی بات جو بیان کرنے والے نے غلط انداز میں بیان کی ہے تو قرآن مجید اس کو ثابت کر رہا ہے کہ اگر سچی بات کو گستاخانہ لہجہ میں بیان کیا جائے تو قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ اس بندے نے شان رسالت کو بیان نہیں کیا بلکہ وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق کر رہا تھا۔

جس چیز کو ''هزوا'' کہا گیا ہے یہ ''أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ'' کا بیان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جس وقت کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ ہیں جو بتوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور انہوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ چھوٹا ثابت کرنا چاہا اور اپنے بتوں کو بڑا ثابت کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تمہارا مذاق کر رہے ہیں لیکن

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ...... بیشک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔

(القرآن الكريم، سورة الحجر، رقم السورة: 15، رقم الآية: 95)

پتہ چلا کہ شان رسالت اتنا نازک مقام ہے اور اتنا نازک مسئلہ ہے کہ سچی بات کو بیان کرتے ہوئے بھی انداز گستاخانہ آجائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس کو خطبہ نہ کہو، اس کو تقریر نہ کہو، اس کو شریعت کا بیان نہ کہو، یہ مذاق ہے جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بارے میں کیا جا رہا ہے۔

یہ تو رہی انداز میں کجی لیکن اگر دل میں بھی یہ خیال آجائے گا تو بندہ تباہ و برباد ہو جائے گا یعنی اس کے ایمان کی حیثیت جاتی رہے گی، کوئی حیثیت اس کی باقی نہ رہے گی۔

شان رسالت کے متعلق حوالہ جات پیش کر رہا ہوں، یہ اس امت کے لیے ایک سوغات ثابت ہوگی کہ دور دور تک اس کے ثمرات مرتب ہوں گے۔

انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا ادب

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ مسجد میں آئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف فرما رہے تھے، رات کا وقت تھا یعنی اندھیرا چھا چکا تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کھانا دینے یا کسی اور کام کے لیے آئیں، جس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رخصت ہونے لگیں تو مسجد کی حد کے اندر ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ محترمہ کو رخصت کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور مسجد کے صحن میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس کھڑے تھے کہ:

مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ مِنَ الْاَنْصَارِ ...... دو انصاری صحابہ کا گزر ہوا،

جب وہ وہاں سے گزرے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا کہ ان دونوں نے مجھے دیکھا ہے کہ میں ایک عورت کے پاس کھڑا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ:

عَلٰی رِسْلِکُمَا ...... تم دونوں یہیں ٹھہر جاؤ،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّمَا ھِیَ صَفِیَّۃٌ ...... یہ تماری امی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں، خود اس کی وضاحت کرنا چاہی کہ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

تو ان دونوں انصاری صحابہ نے کہا کہ:

فَقَالَا: سُبْحَانَ اللّٰہِ ...... کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے اس وضاحت کی ضرورت کیا تھی، ہم کب کچھ آپ کی ذات کے بارے میں سوچ سکتے ہیں، کیسے ہمارا ضمیر گوارا کر سکتا تھا کہ آپ کا کلمہ بھی پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا بھی سوچیں۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ ...... اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔

یہ ہے شان رسالت جہاں سن کے سبحان اللہ کہا جاتا ہے۔

اِنَّمَا ھِیَ صَفِیَّۃٌ ...... یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں تو ان دونوں نے تعجب سے کہا سبحان اللہ کہ حضرت ہمارے لیے اس وضاحت کی ضرورت نہ تھی، ہم تو آپ کو ماننے والے ہیں، ہم تو سوچ نہیں سکتے تھے کہ کوئی اور عورت تھی اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہوں، ہم یہ خیال ہی نہیں کر سکتے تھے۔

چونکہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ دیکھنے والی تھی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ:

تیری نظر خار زار شب میں گلاب تحریر کر چکی تھی
اجاڑ نیندوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی تھی

میرے ذہن کے فلک پہ سوال چمکے تو میں نے دیکھا
تیرے زمانے کی خاک ان کے جواب تحریر کر چکی تھی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ٹھیک ہو مگر مجھے قیامت تک منبروں پر بیٹھے ہوئے کچھ ملاں نظر آ رہے ہیں، اور مجھے قیامت تک گلیوں کے تھڑوں پر بیٹھے ہوئے مسٹنڈے نظر آ رہے ہیں جن کو شان رسالت کے بارے میں بولتے وقت حیا نہیں آئے گی، میں اس کی وضاحت اس لیے کر دینا چاہتا ہوں کہ اس سے وہ سبق سیکھیں۔

اس لیے کہ میرے صحابہ کرام مجھے تم سے خطرہ نہیں ہے، خطرہ ان سے ہے جو مجھے نہیں دیکھ سکیں گے اور پھر باتیں ایسی کریں گے۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمانے لگے کہ:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ ...... شیطان بڑا خبیث ہے، یہ وہاں جاتا ہے جہاں خون جاتا ہے یعنی اس قدر انسان کے اندر شیطان سرایت کر جاتا ہے۔

مَجْرَى الدَّمِ ...... خون کی رگ میں اور پورے بدن میں چکر لگاتا ہے اور انسان کے اندر بڑی گندگی ڈال دیتا ہے، تم سچے ہو مگر قیامت تک کے خطرے بھی میرے سامنے ہیں، وہاں جو بے حیاء سوچ ہو گی اس کو بھی تو سمجھانا مقصود ہے۔

میرے صحابہ میں اس لیے بول رہا ہوں کہ شیطان انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے:

إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا فَتَهْلِكَا ...... مجھے خطرہ ہے کہ یہ شیطان جو خون میں شامل ہو جاتا ہے کہیں تمہارے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے، زبان پر نہیں،

فِیْ قُلُوْبِکُمَا ...... تمہارے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔

اگر تم میرے بارے میں دل میں سوچو گے، یا قیامت تک کوئی امتی، کوئی بندہ میرے بارے میں نازیبا سوچے گا تو پھر کیا ہوگا:

فَتَهْلِكَا ...... پھر تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

میں نے اس لیے وضاحت کی کہ یہ صفیہ ہے کہ شیطان خون میں داخل ہو جاتا ہے اور بندے میں کئی خیال لا سکتا ہے، اگر میرے بارے میں تمہیں کوئی نازیبا خیال آ گیا تو تم دونوں ہلاک ہو جاؤ گے، تمہارا ایمان سلامت نہیں رہے گا۔

(صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب: التكبير و التسبيح عند التعجب، ج:5، ص: 2269، رقم الحديث: 5865، و الشفاء، القسم الثالث، الباب الأول: فيما يختص بالامور الدينية ....، فصل: قد استبان لك ......، ج:2، ص: 108)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو سہارا ہیں اور وہ پل کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے شریعت گزر کر ہمارے طرف آ رہی ہے، اس واسطے خطاب ان کو کیا، ان کے دماغ بڑے پاک ہیں ان سے ہو کر بات ہم تک پہنچنے والی تھی اس واسطے فرما دیا کہ:

اگر شیطان کی وجہ سے ایسا خیال آ گیا تو پھر اس کا انتظار نہیں ہوگا کہ تم زبان سے بولتے ہو یا کہ نہیں بولتے، جونہی دل میں خیال آتا جائے گا ہلاکت آتی جائے گی، ایمان لٹ جائے گا، عقیدہ مٹ جائے گا، عظمت ختم ہو جائے گی۔

یہاں تصور کرتے وقت بھی اپنے دماغ کو وضو کرانا پڑے گا، اپنے خیال کو اعتکاف کرانا پڑے گا، اپنے تصور کو احرام بندھوانا پڑے گا اور اپنی سوچ کو تقدس کا غسل دے کر اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی طرف لے جانا پڑے گا کیونکہ اگر یہاں پر کچھ

بھی نازیبا خیال آ گیا تو اسی سے تم ہلاک ہو جاؤ گے یعنی ہلاکت ایمانی ہو جائے گی۔

اس سے پتہ چلا کہ شان رسالت کا معاملہ بڑا ہی نرم ہے، بڑا ہی نازک ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سوچ پر بھی پابندی لگانے کے لیے صحابہ کرام کے سامنے وضاحت فرمادی کہ یہ موقع ایسا بن گیا ہے کہ سوچ انسان کو آسکتی ہے، میں فوراً اس لیے بولا ہوں کہ کہیں یہ نہ ہو کہ میں چپ رہوں ادھر سوچ آجائے اور پھر تمہارے ایمان کا خاتمہ ہو جائے، نہیں، میں فوراً بولتا ہوں تاکہ ایسی نوعیت نہ آنے پائے کیونکہ میرے بارے میں اتنا سا نازک خیال کہیں آجائے گا تو پھر وہاں ایمان نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔

''شان رسالت'' یہ بڑا اہم اور بڑا عظیم مسئلہ ہے اور یہ ایک سوغات ہے اور جس وقت آج ماحول میں بے ادبی کے دھوئیں اٹھ رہے ہیں، اپنے ماحول کی صفائی ضروری ہے تاکہ غیروں کو پتہ چلے کہ کتنا خوبصورت تصور ہوتا ہے جب یہ مسلمان سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوچ رہے ہوتے ہیں۔

الفاظ کی آڑ میں گستاخیاں

آج کچھ لوگوں نے کچھ الفاظ کو آڑ بنالیا اور اس آڑ میں گستاخیاں کرتے ہیں۔

پہلی مثال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توبہ واستغفار کرنا' اس کو کچھ لوگوں نے آڑ بنالیا کہ جس وقت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کرتے ہیں تو پہلے معاذ اللہ ان سے کوئی گناہ سرزرد ہوتا ہے تو تب ہی وہ استغفار کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہم صحابی نے نقش ونگار والی نئی چادر پیش کی تھی، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر اپنے اوپر اوڑھی اور نماز ادا کی، لیکن جب نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ:

اِذْهَبُوْا بِهٰذِهِ الْخَمِيْصَةِ اِلٰى أَبِيْ جَهْمٍ وَ ائْتُوْنِيْ بِأَنْبِجَانِيَّةِ ...... یہ چادر ابوجہم کو واپس کر دو اور میرے چادر جو انجانبیہ کی بنی ہوئی ہے یعنی سادہ چادر جس پر نقش و نگار بنے ہوئے نہیں ہے وہ لے آؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّهَا اَلْهَتْنِيْ آنِفًا فِيْ صَلَاتِيْ ...... جب میں نماز پڑھ رہا تھا تو اس نقش ونگار نے میری توجہ ہٹا دی، اس واسطے میں یہ چادر نہیں اُوڑھوں گا، یہ چادر ابوجہم کو واپس دے دو اور ان سے میری سادہ چادر لے آؤ۔

(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب: كراهة الصلاة في ثوب له أعلام،
ج :2، ص :77، رقم الحديث: 1267)

یہ چادر ان کی ہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ چادر ان کو ہی واپس کر دو جس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ریشم کا جبہ دیا تھا، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ریشم تو پہننا حرام ہے، آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پہننا حرام ہے لیکن اس کا بیچنا تو حرام نہیں ہے، تم یہ کپڑا آگے بیچ سکتے ہو تو ایسی ہی صورتحال یہاں بھی تھی۔

(صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب :في العيدين و التجمل فيهما،
ج :1، ص :323، رقم الحديث :906)

یعنی اس سے مقصد یہ نہیں تھا کہ ابوجہم یہی چادر پہن کر نماز پڑھیں، یا تو انہی کی طرف سے تحفہ تھا تو ان کو واپس کر دی یا پھر ویسے ہی دے دی ہے کہ وہ بیچ سکتے ہیں۔

بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں تو اپنی سادہ چادر پہنوں گا، کیوں؟ اس لیے کہ اِس نے نماز میں خلل پیدا کیا ہے۔

یہاں پر ایک عام سی سوچ یہ بھی ہے کہ نماز پڑھتے پڑھتے چادر کے نقش ونگار کی وجہ سے درمیان میں رکاوٹ آ گئی، ہم تو ایسی چادروں میں پڑھ لیتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا، اب تو مسجد میں بھی نقش ونگار ہوتا ہے اور مصلے پر بھی نقش ونگار ہوتا ہے، ایک سوچ کا یہ انداز ہے کہ اس سے پتہ چلا کہ معاذ اللہ ہماری روحانیت تیز ہے، ہم تو نقش ونگار والی ایسی چیزوں میں پڑھ لیتے ہیں، ہمیں تو کچھ نہیں ہوتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقش ونگار والی چادر اتار دی:

اِنَّهَا أَلْهَتْنِیْ آنِفًا فِیْ صَلَاتِیْ ...... اِس نے میری نماز میں خلل ڈالا ہے۔

ان الفاظ کو آڑ بنا کر کچھ لوگ اپنی بھڑاس نکالنا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ ہم جیسے ہیں اور ہم ان جیسے ہیں، وہ بھی بھول جاتے ہیں اور ہم بھی بھول جاتے ہیں، ان کی توجہ بھی ہٹ جاتی ہے، ہماری بھی توجہ ہٹ جاتی ہے، ہم میں اور اُن میں فرق کیا ہے؟، بس اتنا فرق ہے کہ ان پر وحی آئی ہے ہم پر وحی نہیں اتری۔

" اِنَّهَا أَلْهَتْنِیْ آنِفًا فِیْ صَلَاتِیْ " والا انداز سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ایک ہے طے شدہ حقیقتیں اور ایک ہے درمیان میں وضاحت کی چیزیں۔

اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت امام عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

و آنکه حال آنسرور صلی الله علیه وسلم عالی تر آنست که چیزے او را حضوری که در نماز داشته باشد ...... ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ کا مقام اس سے کروڑ درجے اوپر ہے کہ کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے دربار سے پیچھے ہٹا سکے، چادر تو کیا اگر ہزار بندہ آ کر درمیان میں حجاب بننا چاہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ کے دربار میں حضوری حاصل ہے، ہزار بندہ خلل نہیں ڈال سکتا تو چادر خلل کہاں ڈال سکتی ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مرتبہ ہے اس کے لحاظ سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس حضوری میں خلل ڈال سکے، پھر کہنے لگے کہ اس حدیث کی شرح یوں کی جاسکتی ہے:

که حضوری حق را مراتب و درجات غیر متناہی است ...... اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کے درجات اور مراتب غیر متناہی ہیں۔

یہ نہیں کہ وہ ایک ہزار ہیں، یا ایک لاکھ ہیں، یا ایک کروڑ ہیں، حضوری کے درجات غیر متناہی ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضوری کے درجات غیر متناہی ہیں:

و آں مرتبه که خاصه آں حضرت بود ...... اور ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا جو درجہ ہے،

اگر از آں جا تنزل نماید ...... اگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس درجے سے نیچے بھی کچھ آجائیں یعنی حقیقی درجے سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نیچے آجائیں،

ہنوز در جای خواہد بود که مقربان دیگر بصد جہد و فناء عمر

ہای دراز آنجا نمی رسیده باشند ...... رسول اکرم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے قرب میں درجات ہیں، وہ غیر متناہی ہیں، اگر اس چادر کی وجہ سے سرکار ﷺ کا تنزل ہوا ہو تو پھر بھی اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہیں کہ بڑے بڑے صالحین ساری عمر صرف کر کے حضوری کے اس درجے تک نہیں پہنچ سکتے جس درجے پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نقش ونگار والی چادر پہن کر موجود ہیں۔

مثال کے طور ایک ارب درجے ہوں تو ہم جیسوں کو ان میں سے ایک درجہ حاصل ہے اور ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اربوں درجے حاصل ہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ رب کے دربار میں ان اربوں درجوں میں سے اگر کسی وجہ سے ایک درجہ بھی کم ہو تو یہ مجھے منظور نہیں ہے، اگرچہ کم ہو جانے کے بعد بھی حالت ایسی ہے کہ ساری دنیا کے درجات اکٹھے کر لیے جائیں پھر بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے حضوری والے درجے تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

یہ اس حدیث شریف کی حقیقت ہے جس کو حضرت امام عبدالحق محدث دہلوی نے اور دیگر صالحین نے بیان کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کو سمجھنے ہے تو اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ:

ایک ہے عینک کا شیشہ اور ایک ہے دروازے کا شیشہ، دروازے کے شیشے کے داغ کی اور حیثیت ہے، عینک کے شیشے کے داغ کی اور حیثیت ہے، یہاں چھوٹا بھی بڑا لگتا ہے، وہاں بڑے نشان پر بھی گزارہ ہو جاتا ہے، ہم جیسے وہ شیشہ رکھتے ہیں جو شیشہ کسی شوکیس کا ہے، جو شیشہ کسی دروازے کا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقوی کا وہ شیشہ ہے جو آنکھ کے شیشے سے بھی کروڑ درجے لطیف ہے، لہذا وہاں پر معمولی سے

نقش ونگار کو بھی اپنے شایان شان نہیں سمجھتے اس کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

دوسری طرف ہم ہیں ہمارا رب کے دربار میں حضوری کا کوئی مقام ہی نہیں ہے، اس کے باوجود نقش ونگار میں لگے پھرتے ہیں، ہماری حیثیت اور طرح کی ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اور طرح کا ہے۔

اب جس وقت سوچا، غور اور تدبر کیا تو ''اَلْهَتْنِیْ'' سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا پتہ چلا، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا پتہ چلا۔

اب لفظ یہی ہے لیکن اس کو دوسرا طبقہ معاذ اللہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو عام سا انسان سمجھنے کے لیے واضح کر رہا تھا، لیکن حق والوں نے پڑھا تو پتہ چلا کہ یہاں تو خاص الخاص مقام کی بات ہو رہی ہے۔

دوسری مثال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توبہ واستغفار کی اہمیت کو بیان کر رہے تھے کہ توبہ واستغفار کرنی چاہیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ یہ ارشاد فرمائے ہیں کہ:

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِیْ ...... میرے دل پہ پردے پڑ جاتے ہیں،

وَ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ ...... میں دن سو بار استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر و الدعاء و التوبة، باب: استحباب الاستغفار و الاستکثار منه، ج:8، ص:72، رقم الحدیث:7033)

ایک انداز اس کو ظاہری طور پر سمجھنے کا ہے، جنہوں نے بخاری کا ترجمہ بغل میں رکھا ہوا ہے اور دین کی نمائندگی کرنا چاہتے ہیں، لوگوں سے کہیں گے کہ لوگو! دیکھو اس نبی کو (معاذ اللہ) سو بار استغفار کی ضرورت پڑ جاتی ہے، کوئی گناہ تھا تو مغفرت طلب کر

رہے ہیں (معاذ اللہ) ورنہ استغفار کیسے کرتے؟

یہ سوچ گستاخانہ سوچ ہے، جو اس طرح سہارا بنا کر اپنے مطلب اور دھندے کو پورا کرنا چاہتے ہیں لیکن جس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھو گے، تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے پوچھو گے، تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے پوچھو گے، نہیں تو پنجاب کے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو گے تو پتہ چلے گا یہاں تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہو رہا ہے۔

آج کل کالجز و یونیورسٹیوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ آنے کے پروفیسر ایسی باتیں اٹھاتے پھرتے ہیں، ان کو پتہ ہی نہیں کہ منصب نبوت ہے کیا اور ہم بول کس کے بارے میں رہے ہیں، یہ تقریریں اور لیکچرز ہو رہے ہیں کہ دیکھو سو بار دن میں توبہ کرتے تھے، توبہ سے پہلے گناہ کا ہونا ضروری ہے، تو (معاذ اللہ) دن میں کئی گناہ ہو جاتے تھے تو تب توبہ کرتے تھے، یہ تقریریں سکولز اور کالجز میں کی جا رہی ہیں، کچھ ہوس پرست پروفیسر و استاد جو مختلف باطل پرستوں کے ایجنٹ ہیں، ہماری ملت کے بیٹوں کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔

سنو! اگر تم نے حدیث شریف سمجھنی ہے تو تمہیں داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی دہلیز پہ جانا پڑے گا، داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان کریں گے کہ: یہ شان رسالت ہے ذرا ہوش سے بول!۔

تھڑے پہ بیٹھے ہوئے، فیکٹری میں بیٹھے ہوئے، دوکان میں بیٹھے ہوئے ایک عام انسان کو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سمجھا رہے ہیں کہ یہ شان رسالت ہے، کسی چھوٹے بندے کی بات نہیں ہے، یہاں پر جس جہت سے دیکھو گے تو عظمت کا ایک نیا جہان نظر آئے گا۔

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

توبہ بر سہ گونہ باشد ...... توبہ کی تین قسمیں ہیں،

یکی از خطا بہ صواب ...... ایک تو یہ ہے کہ غلطی سے توبہ کر کے صحیح کام کرنا یعنی خطا کو چھوڑنے کی توبہ کرنا،

و از صواب بہ اصوب ...... دوسری یہ ہے کہ درست کو چھوڑ کے درست کرنا یعنی ایک درست کو چھوڑا ہے تو دوسرا درست شروع کر دیا ہے۔

پہلی قسم یہ تھی کہ غلطی چھوڑ کر درست کام شروع کیا، دوسری قسم یہ ہے کہ درست کو ہی چھوڑ کر درست کام شروع کیا اور تیسری قسم ہے:

از خود بہ حق ...... اپنے خیال سے توبہ کر کے رب کے خیال میں ڈوب جانا یعنی اپنی خودی سے توبہ کر کے، اپنے آپ سے توبہ کر کے، اپنے خیال سے توبہ کر کے، اپنی ذات کی فکر سے توبہ کر کے اپنے رب کے جلووں میں مست ہو جانا۔

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ نے ان تین قسموں پر قرآن مجید اور حدیث سے دلیل دی ہے۔ یہ صوفی ہوتا ہے جو کہ اتنے بڑے علم کا خزانہ ہوتا ہے، اتنا بڑا قرآن و سنت کا ماہر ہوتا ہے، اتنا بڑا مفکر و محدث ہوتا ہے کہ وہ الفاظ جو زمانے میں حجاب اکبر بن رہے ہوں ان الفاظ سے حجاب کو دور کر کے علم کا صحیح چہرہ دکھاتا ہے۔

اب جو کہہ رہے تھے کہ کوئی گناہ ہے تو پھر توبہ کی ہے، وہاں علم پردہ اور حجاب بن گیا۔ یہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت ہے کہ آپ حجاب کو دور کر کے حقیقی علم کا چراغاں

کرنے والے ہیں۔

توبہ کی پہلی قسم

یکی از خطا به صواب ...... خطا سے توبہ کر کے صواب کی طرف آنا۔

مثال

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ

وہ اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

(القرآن الکریم، سورۃ آل عمران، رقم السورۃ:3، رقم الآیۃ:135)

اب یہاں پر توبہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے کہ غلطی کو چھوڑ کر درست کام کرنا۔

توبہ کی دوسری قسم

و از صواب به اصوب ...... صواب سے اصوب کی طرف توبہ کرنا۔

مثال

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے، جب ''اَرِنِیْ'' کہا تو جواب ''لَنْ تَرَانِیْ'' کی صورت میں ملا، لیکن جب ایک جلوہ اللہ تعالیٰ نے طور پر گرایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش کر زمین پر گر پڑے تھے، قرآن مجید کہتا ہے کہ جس

وقت انہیں ہوش آیا تو کیا بولے:

تُبْتُ ...... میں نے توبہ کیا۔

(القرآن الکریم، سورة الأعراف، رقم السورة: 7، رقم الآیة: 143)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توبہ کا جو لفظ بولا تو حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

واز صواب بہ اصوب ...... یہ وہ غلطی سے توبہ نہیں تھی، یہ ایک درست کام سے توبہ تھی، درست سے درست کی طرف توبہ تھی۔

اس کا مطلب حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

ہمہ عالم اندر حسرت رؤیت خدای عزوجل می سوختند ...... ساری دنیا اللہ تعالیٰ کے جلووں کو ڈھونڈتی پھر رہی ہے،

وموسی علیہ السلام از آن توبہ کرد؟ ...... اور موسیٰ علیہ السلام توبہ کرتے ہیں کہ میں اب ''أَرِنِیْ'' نہیں کہوں گا، ''اے اللہ! مجھے دیدار کرا'' اب میں یہ نہیں کہوں گا۔

جس کو سارا جہاں ڈھونڈتا ہے وہ اس سے توبہ کر رہے ہیں، وہ غلطی نہیں تھی لیکن اس کو چھوڑا اس لیے ہے کہ دوستی میں اپنا اختیار برتنا جائز نہیں ہے، جب تو نے مجھے اپنا بنایا ہے تو مجھے چاہیے تھا کہ جب باقی ہر کام تیری مرضی پہ چھوڑتا ہوں تو دیدار والا کام بھی تیری مرضی پہ چھوڑ دیتا یعنی تیری مرضی کہ تو دیدار کراتا یا نہ کراتا۔

تو جو پہلی حالت تھی میں نے دیدار مانگا تھا میں اس سے تائب ہو گیا ہوں، اب کبھی بھی دیدار نہیں مانگوں گا، یہ تیری مرضی ہے کہ تو کب اپنا دیدار کرائے گا۔

قرآن مجید میں "تُبْتُ" کا لفظ تو آ گیا مگر وہ غلطی سے توبہ نہیں بلکہ درست سے توبہ ہے، ایک درست کام سے دوسرے درست کام کی طرف جانے کا نام توبہ ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو گناہ کوئی نہیں لیکن توبہ کا لفظ موجود ہے۔

توبہ کی تیسری قسم

از خود بہ حق...... اپنے آپ سے توبہ کر کے رب تعالیٰ کے دیدار میں ڈوب جانا۔

یہ توبہ کی تیسری قسم ہے، اس کا مرتبہ دوسری قسم سے بھی بڑا ہے، تو مطلب یہ بنے گا کہ:

اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ ...... میرے رب! میں امت کی بھی سوچتا ہوں، اس وقت تیری طرف خیال نہیں ہوتا، امت کی سوچ تیرے حکم سے ہے مگر ہے تو مخلوق کی ہی سوچ، امت کے سوالات کو سنتا ہوں اور ان کا جواب دیتا ہوں، امت کے مستقبل کے لیے پلاننگ کرتا ہوں، امت کی قیامت تک کی مشکلات کو آسان کرنے کے لیے سوچتا ہوں تو یہ وہ پردہ ہے جس سے خیال امت کی طرف چلا جاتا ہے۔

وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً ...... تو میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں کہ جب اپنے خیال میں اور امت کے خیال میں ہوتا ہوں پھر اس کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے خیال میں چلا جاتا ہوں۔

پہلے نہ کوئی صغیرہ گناہ ہے، نہ کوئی کبیرہ، نہ کوئی بھول ہے، نہ کوئی چھوٹی موٹی خطا، پہلے بھی بڑا مرتبہ تھا، جو رب نے امت کی فکر عطا فرمائی ہے اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں داخل ہو جاتا ہوں۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

و محال باشد کہ خواص از معصیت توبہ کنند ...... یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے گناہ سے توبہ کر رہے ہوں، وہاں گناہ نہیں ہے، وہاں ایک صواب سے دوسرے صواب کی طرف یا اپنی خودی سے حق کی طرف لوٹنا ہی توبہ ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ قابل غور ہے کہ:

چنانکہ مقامات مصطفی علیہ السلام ہر دم بترقی بود۔

بلا وجہ نہیں دنیا داتا داتا کے نعرے لگاتی، وہ جنہوں نے خاک پنجاب میں سجدوں کے بیج بوئے تھے اور آج یہ گلشن میں بہا آئی ہے، اس داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات قرآن وسنت کے سمجھنے کے لیے کتنی ضروری ہیں۔

یہ جو حدیث شریف میں سو یا ستر بار توبہ کا لفظ آ گیا ہے کہ میں استغفار کرتا ہوں، تو حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمانے لگے کہ:

یہ نہ سمجھنا کہ کوئی کبیرہ یا کوئی صغیرہ گناہ تھا، توبہ گناہوں سے نہیں کی جا رہی ہے، توبہ امت کے خیال سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے دربار کی طرف متوجہ ہونے کو کہا جا رہا ہے۔

چنانکہ مقامات علیہ السلام ہر دم بترقی بود ...... ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات ہر وقت ترقی کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا تو اس وقت ارب مقامات مل چکے تھے، اگلے منٹ میں اللہ نے ایک اور مقام دیا، اس سے اگلے منٹ میں اللہ تعالیٰ نے اور مقام دیا۔

یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ ہر منٹ میں مقام بڑھایا جا رہا ہے۔

چوں بر مقام برتر می رسید...... جب مزید اونچے مقام پر چلے جاتے ہیں،
از مقام فرو تر استغفار می کرد...... جب اونچے درجے پر پہنچتے ہیں تو پہلے درجے سے استغفار کرنے لگتے ہیں،

یہ توبہ کا انداز ہے، کوئی بندہ اس حدیث کو آڑ بنا کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے گناہ نہ تھونپتا پھرے اور ان کی طرف گناہوں کو منسوب نہ کرے، وہاں گناہ نام کی کوئی چیز نہیں، جہاں کلیم کا مقام ہے تو گناہ وہاں ہی ختم ہو گئے تھے، وہاں بھی صواب سے صواب کی طرف توبہ ہے، ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو اس سے بھی اگلا مقام ہے کیونکہ جس وقت اللہ تعالیٰ بلند مقام دیتا ہے اور مزید بلند درجے پہ پہنچاتا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھوٹے درجے سے توبہ کرتے ہوئے بڑے درجے کا سفر شروع کر دیتے ہیں۔

(کشف المحجوب، باب التوبة و ما يتعلق بها، رقم الصفحة:178)

جس وقت ایک انسان شانِ رسالت کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے تو اسے کیا ملتا ہے اور اگر نہیں رکھتا تو اس کا بگڑتا کیا ہے، اسے کیا ہوتا ہے؟

گفتگو میں بے ادبی کا وبال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز یہ تھا کہ آپ جس بیمار کے پاس بھی جاتے تھے تو ارشاد فرماتے تھے کہ:

لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ...... کوئی حرج نہیں اس سے تو گناہ جھڑ جائیں گے۔

طہور کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیماری تمہارے گناہ جھاڑنے آئی ہے، اس سے بیمار کو حوصلہ مل جاتا اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظوں میں تاثیر اتنی تھی کہ وہ بندہ صحیح ہو جاتا تھا۔

لَا بَأْسَ ...... کوئی حرج نہیں، کوئی پرابلم نہیں، کوئی مسئلہ نہیں،

طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ ...... اس سے سارے گناہ جھڑ جائیں گے۔

ایک اعرابی کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو وہ عجیب آدمی تھا، اسے پتہ نہیں تھا کہ شانِ رسالت کے بارے میں کیسے بولنا ہے، آگے سے وہ بول پڑا کہ:

هِيَ حَمَّى تَفُوْرُ ...... یہ تو بخار ہے جو جوش مار رہا ہے۔

میں مر رہا ہوں اور آپ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جب وہ یوں بولا تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

فَنَعَمْ اِذًا ...... ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو پھر ایسا ہی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرما دیا تھا اگر وہ قبول کر لیتا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نے کہا ہے کہ:

لَا بَأْسَ ...... کوئی بات نہیں،

تو ٹھیک ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دیا وہ ہی ہوگا۔

لیکن وہ بخار سے تنگ تھا، کہنے لگا کہ بوڑھے کو قبر نظر آ رہی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

فَنَعَمْ اِذًا ...... اگر تو ایسے کہتا ہے تو پھر ایسے ہی سہی۔

شانِ رسالت کا جو تقاضا تھا وہ ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا تو اس کی فوراً گرفت ہو گئی۔

(صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب: عیادۃ الأعراب، ج:5، ص:2141، رقم الحدیث:5332)

گستاخی کا انجام

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ایک نصرانی نے کلمہ پڑھا، جس وقت اس نے کلمہ پڑھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فوراً نوازا اور کاتب وحی بنا دیا، اس نے سورہ آل عمران بھی لکھی اور سورہ بقرہ بھی لکھی، مگر کچھ لوگوں کو ہیضہ ہو جاتا ہے، وہ کہنے لگا کہ:

مَا يَدْرِیْ مُحَمَّدٌ اِلَّا مَا كَتَبْتُ لَهٗ ...... جو میں لکھتا ہوں اس نبی کو وہ ہی آتا ہے۔

اسے یہ پتہ نہیں کہ اسے لکھنے کا مقام کس نے دیا ہے اور لکھواتا کون ہے، کہتا ہے کہ جو میں لکھتا ہوں وہ ہی یہ نبی جنتا ہے، وہ عیسائی ہو کر مر گیا، عیسائیوں نے اس کو دفن کیا تو:

لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ ...... زمین نے اگل کر باہر پھینک دیا۔

صبح جب عیسائیوں نے دیکھا تو باہر پڑا تھا، تو کہنے لگے کہ:

هٰذَا فَعَلَ مُحَمَّدٌ وَ اَصْحَابُهٗ ...... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام نے باہر نکالا ہے کیونکہ یہ ان کو چھوڑ کر آیا ہے، لہذا انھوں نے اس کو قبر سے باہر نکال دیا ہے۔

حالانکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا تھا۔

انہوں نے قبر کو مزید گہرا کیا، شام کو دفن کر کے چلے گئے، صبح آئے تو پھر باہر پڑا تھا، پھر انہوں نے کہا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام ہیں جو یہ حرکت کر رہے ہیں۔

تیسری بار بہت گہری قبر کھودی اور اس کو دفن کر کے چلے گئے، صبح کے وقت آئے تو دیکھا تو باہر پڑا تھا، اب ان کو یقین ہو گیا کہ یہ مردود گندا اتنا ہے کہ زمین اس کو پسند نہیں کرتی، وہ بڑے بڑے مجرموں کو قبول کر لیتی ہے مگر اس نے جو بکواس کی تھی کہ جو میں لکھتا ہوں وہ

ہی نبی کو آتا ہے، ان کو اپنے طور پر کچھ نہیں آتا، اس گستاخ کے اس جملے کی وجہ سے اور تو اور زمین نے بھی اس کو جگہ نہ دی، زمین بھی اس کو پھینکتی رہی کہ اس کو بولتے وقت یہ ہوش نہیں تھا کہ یہ شان رسالت ہے، میں کس کے بارے میں بول رہا ہوں۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب :علامات النبوۃ فی الاسلام،
ج :3، ص :1325، رقم الحدیث :3421)

آج بھی ایسے واقعات ہو رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا جا رہا ہے کہ جو مقام میں نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے، ان کے بارے میں بولنا ہو تو ہزار بار سوچ کو غسل دو پھر ان کے بارے میں بات کرو۔

اگر ادب سے بولیں گے تو کیا ملے گا۔

چیونٹی کی خوش قسمتی

ایک چیونٹی کو چیونٹیوں کی امامت ملی، اس کا کام کیا تھا، اس کو یہ شان کیسے ملی؟

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آیا تو ایک چیونٹی دوسری چونٹیوں سے کہنے لگی کہ:

یَاَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ

اے چونٹیو! اپنے گھروں میں چلے جاؤ،

لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ

تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان علیہ السلام اور اُن کے لشکر بے خبری میں۔

(القرآن الکریم، سورۃ النمل، رقم السورۃ: 27، رقم الآیۃ: 18)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس چیونٹی کو دیگر چونٹیوں کی ملکہ بنا دیا، اس کو یہ مقام کیسے ملا؟، کہتے ہیں کہ اس چیونٹی نے ادب نبوت ظاہر کیا تھا،

کیوں؟ اس نے عصمت پیغمبر کا عقیدہ بیان کیا۔

کہنے لگی کہ:

وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ...... چونٹیو! ایسا نہیں ہوسکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جانتے ہوئے تم پر قدم رکھیں، ایسا نہیں ہوگا، ہاں بے خبری میں قافلہ اور لشکر ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ کی اس طرف توجہ نہ ہو تو تم ان کے قدموں کے نیچے آ جاؤ۔

اپنی سوچ کا اس چیونٹی نے اظہار کیا کہ اللہ کا نبی گنہگار نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا نبی ظالم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اس چیونٹی کو ستھری سوچ دیکر باقی چونٹیوں کا سردار بنا دیا۔

(التفسير الكبير، سورة النمل، رقم الآية: 18، ج: 24، ص: 549)

خوش قسمت جادوگر

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا آپس میں مقابلہ ہو رہا تھا، اسی مقابلے میں جادوگروں نے کلمہ پڑھ لیا، اس کلمہ پڑھنے کا سبب کیا تھا؟

یہاں پر امام رازی نے اپنی تفسیر میں صوفیاء کا قول لکھا کہ اس کا سبب یہ بنا تھا:

جس وقت آپس میں آمنے سامنے آئے تو جادوگروں سے ایک نیکی ہوگئی، نبی کا ادب ہوگیا، اللہ تعالیٰ کے نبی کا تھوڑا سا ادب کر بیٹھے تو اس ادب نے ان کا بیڑا پار کر دیا، حالانکہ وہ بڑے مجرم تھے، اللہ تعالیٰ کے دشمن فرعون کے مہمان تھے، اس کو حق ثابت کرنا چاہتے تھے مگر بولتے وقت شان نبوت کا تھوڑا سا لحاظ کیا، کچھ ادب کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرما دی، انہوں نے کہا تھا کہ:

يَا مُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ...... اے کلیم! مرضی

آپ کی ہے یا تو آپ پھینکیں یا ہم پھینکتے ہیں۔

اس میں اللہ تعالیٰ کے نبی کا ذکر پہلے کیا، اے کلیم! آپ اپنا عصا پہلے پھینکیں یا ہم رسیاں پھینکتے ہیں۔

ان سے اللہ تعالیٰ کے نبی کا ادب ہو گیا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا نام جو انہوں نے پہلے ذکر کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ پہلے باری آپ لو یا ہمیں دے دو، چونکہ انہوں نے پیشکش کر دی تھی، اللہ تعالیٰ کے نبی کو مقدم کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے کفر کو نکال کر انہیں ایمان عطا فرما دیا تھا۔

(التفسير الكبير، سورة الأعراف، رقم الآية:115، ج:14، ص:335)

یہ منصب نبوت کے لحاظ سے آداب ہیں، جو شخص ان راستوں پہ چلتا ہے اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں، جو اکڑتا ہے تو اس کے لیے ہر لحہ نامرادیاں ہوتی ہیں۔

اس گفتگو کے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم میں سے ہر بندہ اس کا مبلّغ ہونا چاہیے، یہ پیغام ہے جس کو تم نے آگے پہنچانا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شان رسالت ہر وقت پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ و سلم

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فہم دین

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

کا اہم اور اچھوتے موضوعات پر لٹریچر

جلد اوّل

1. فہم دین اور ہماری ذمہ داریاں
2. محبت الٰہی اور اس کی چاشنی
3. منصب نبوت اور عقیدہ مومن
4. محاسبہ نفس اور اس کا طریق کار
5. فہم زکوٰۃ
6. رسول اللہ ﷺ کی نماز
7. گھر کا اسلامی ماحول
8. آداب زبان
9. تعارف آئمہ اربعہ
10. قادیانیت کا محاسبہ
11. صراط مستقیم کی روشنی
12. نظام مصطفیٰ ﷺ کی بالادستی
13. حل مشکلات اور عقیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم

جلد دوم

1. اسلام میں دوستی کا معیار اور طریق کار
2. سود اور اسکی اقسام
3. ہم اور ہمارے عقائد
4. اسوہ حسنہ اور فیشن پرستی
5. مسئلہ حیات النبی ﷺ
6. ترک تقلید کی تباہ کاریاں
7. مومن کا مقصد حیات
8. جہاد اور دہشت گردی میں فرق
9. تصوف اور اسلام
10. حواس نبوی ﷺ
11. اوقات اور مصروفیات کا شرعی توازن
12. جنتی آنکھ
13. اسلام کو درپیش چیلنجز کا ادراک اور ان کا حل

جلد سوئم

1. مفاہیم اسم اللہ تعالیٰ جل جلالہ
2. مفاہیم اسم محمد ﷺ
3. روزہ کے اسرار و رموز
4. امتیازات نماز
5. شان رسالت ﷺ سمجھنے کا ایمانی طریق
6. زندگی اور اس کی اقسام
7. خلفائے راشدین سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عقیدت
8. ماں کی شان اور امتحان
9. بدعت کا معنی و مفہوم

جلد چہارم

1. احادیث ختم نبوت ﷺ
2. سماجی خدمت کا اسلامی فلسفہ
3. ہاں ہم سنی ہیں
4. ورع و پرہیز گاری کے مثالی
5. طلاق ثلاثہ کا شرعی حکم
6. نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے
7. دختران اسلام کیلئے آئیڈیل کردار
8. عہد شباب کا اسلامی نصاب
9. کاروباری شراکت کے اسلامی اصول
10. تحفظ ناموس رسالت ﷺ ایک فرض اور قرض

جلد پنجم

1. تربیت اولاد
2. تقلید سے متعلق شبہات کا ازالہ
3. اسلام بمقابلہ یہودیت و عیسائیت
4. اور دل نور ایمان سے جگمگا اٹھا
5. جنہیں دیکھ کر رب مسکرائے
6. قرآن اور تفکر کائنات
7. تصوف عقیدہ توحید کی معرفت
8. رنج والم سے نجات کا راستہ
9. مسئلہ حاضر و ناظر
10. اے غریب الوطن اسلام کے ہم وطنو!

جلد ششم

1. میرے رب سے مجھے محبت ہے
2. رسول اللہ ﷺ کی جسمانی نفاست
3. شان رسالت ﷺ کی یکتائی
4. زکوٰۃ کے اسرار و رموز
5. پردہ دختران اسلام کا وقار
6. عزت اور اسکے حصول کا طریقہ
7. قیمتی اوقات اور زرخیز لمحے
8. میوزک خرمن ایمان کے لئے چنگاری
9. حق چار یار
10. جب سچائی خود بولے

جلد ہفتم

1. پاکستان اور اہلسنت کا باہمی رشتہ
2. مائیں جب فرمائیں
3. یہود و نصاریٰ اور ہمارا جداگانہ تشخص
4. باپ کی شان اور امتحان
5. دین میں رائے اور تقلید کی گنجائش
6. ختم نبوت اور قادیانی کفر
7. شہدا و زندہ ہیں
8. اعتکاف یاد الٰہی میں انہماک
9. ناموس رسالت ﷺ کے پہرے دارو جاگتے رہو
10. آئمہ محدثین اور اہل قبور سے استمداد

جلد ہشتم

1. خانقاہیں اور لذت اسرار
2. میرے لئے اللہ کافی ہے
3. آرڈر پر اشیاء تیار کروانے کے شرعی احکام
4. رگ ملت اور نشتر تعلیم جدید
5. جب رسالت خود خروزن ہو
6. حرمت شراب
7. انسانی حواس کا صحیح استعمال
8. نظام مصطفیٰ ﷺ ایک مثالی انداز حکمرانی
9. اسلام ہم تیرے ہیں

جلد نہم

1. وصیت کے شرعی احکام
2. والدین مصطفیٰ ﷺ کی ایمانی عظمت
3. ناموس رسالت ﷺ کے نگہبان دولے
4. رسول اللہ ﷺ کی شجاعت
5. اسلام کی اپنی بیٹیوں سے گفتگو
6. رہن گروی کے مسائل
7. ایک عدوی زندگی
8. حج کے اسرار و رموز
9. معرفت الٰہی، اسباب و علامات
10. قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان!
11. تبلیغ دین کے فوائد
12. یہ شان رسالت ﷺ ہے ذرا ہوش سے بول!

جلد دہم

1. تحفظ ختم نبوت ﷺ میں علماء اہلسنت کا کردار
2. یہ ایک سجدہ ہے جسے تو گراں سمجھتا ہے
3. دو قومی نظریہ ملکی سالمیت کا راز
4. جادو کی مذمت
5. روح کی طہارت
6. عظمت اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم
7. ایاك نعبد وایاك نستعین کی تفسیر
8. تصوف ایک خاموش ایمانی تحریک
9. وسیلہ قرآن و سنت کی روشنی میں

صراط مستقیم پبلیکیشنز

5,6- مرکز الاولیس داتا دربار مارکیٹ، شیخ ہندی سٹریٹ، لاہور

042-37115771-2, 0321/0315-9407699